تاریخ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مصنف

ایم۔ ڈی فاروق

ایم اے، ایل ایل بی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف

ایم ۔ ڈی ۔ فاروق ایم اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ

ادارہ اشاعت قرآن و تاریخ اسلام (ہسٹری سینٹر)

113 سی ۔ ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور فون نمبر: 853105-856824-854400

سال اشاعت : 2000ء

نام کتاب : تاریخ محمد

مصنف : ایم۔ڈی۔ فاروق' ایم اے ایل ایل بی

تعداد : 1100

پرنٹر : یمانی پرنٹرز' ریلیگن روڈ' لاہور۔

پبلشرز : ادارہ مطبوعات قرآن سینٹر و ہسٹری سینٹر۔
113/سی ماڈل ٹاؤن لاہور۔

قیمت : -/300 روپے

ہدیۂ عقیدت و محبت

اگرچہ اس خاکسار نے "تاریخ محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق و تصنیف کے لئے انتہائی خلوص اور محنت سے کئی سال کام کیا مگر اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتا ہوں کہ یہ توفیق محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حاصل ہوئی ورنہ "من آنم کہ من دانم"

یہ عاجز اس نذرانۂ خلوص و محبت کو انتہائی انکساری کے ساتھ آنحضرتؐ کی بارگاہِ عالیہ میں بطور ہدیۂ عقیدت و محبت پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ اگرچہ یہ حضور اقدسؐ کی شایان شان نہیں ہے مگر اس امید و یقین کے ساتھ کہ آپؐ نے ہمیشہ مجھ جیسے کم علم، بے سہارہ لوگوں کو اپنی خصوصی محبت و شفقت کے ساتھ نوازا ہے۔ اس گلدستۂ عقیدت و محبت کو بھی شرفِ قبولیت بخشیں گے۔

"گر قبول افتد زہے عز و شرف"

طالبِ نظرِ کرم

ایم۔ ڈی۔ فاروق

انتساب

میری والدہ محترمہ نواب بی بی مرحومہ - متوفی 20 اپریل 1960ء ایک مذہبی خیالات کی خاتون تھیں - ان کو اللہ تعالیٰ اور آنحضرت کی ذات اقدس سے بے پناہ عقیدت تھی - وہ صوم و صلاۃ کی پابند اور تلاوت قرآن پاک کا والہانہ شوق رکھتی تھیں - میرا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کم علم عاجز انسان کو اس کتاب کی تصنیف کی خدمت سرانجام دینے کی جو توفیق عطا فرمائی ہے اس میں "میری ماں" کی تعلیم و تربیت اور پر خلوص دعاؤں کا فیض بھی شامل ہے -

میری والدہ مرحومہ کا اعلیٰ کردار، عبادت، سخاوت، اخلاق اور تقویٰ میرے لئے عمر بھر شمع ہدایت بن کر درس انسانیت دیتا رہا - میں انتہائی عجز کے ساتھ علامہ اقبال کے الفاظ میں بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ

مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

بفضلِ ایزدی میں یہ تصنیف اپنی والدہ مرحومہ سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں -

والسلام

ایم - ڈی - فاروق
فرزندِ ارجمند

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

قریباً آٹھ سال قبل جب اس خاکسار کو آنحضرتؐ کے روضۂ اقدس پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو وہاں بصد ادب و احترام کھڑے ہو کر بارگاہ رب العزت میں انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کی "اے اللہ! اس عاجز کو آنحضرتؐ کی سوانح حیات حق و صداقت اور سچائی کے ساتھ تحقیق و تصنیف اور شائع کرنے کی توفیق عطا فرما" ۔ یہ دعا اس حقیقت کے پیش نظر کی کہ آنحضرتؐ کے بے شمار اوصاف حمیدہ میں سب سے بڑا وصف جو آپؐ کا جوہر ذاتی تھا آپؐ کی امانت، دیانت، صداقت اور سچائی تھا۔ آپؐ کے شدید دشمن ابو جہل نے بھی تسلیم کیا تھا کہ "حضورؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا" ۔ قریش کے سردار ابو سفیان نے قیصر روم کے دربار میں اعتراف کیا تھا کہ "محمدؐ نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ آپؐ سچے اور شریف انسان ہیں۔" یہی وجہ تھی کہ آپؐ کی قوم نے اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر صادق اور امین کا لقب دے رکھا تھا۔ حضورؐ اقدس نے خود اپنی نبوت و رسالت کے اعلان کی صداقت کی تائید میں یہی دلیل پیش کی تھی کہ "میں نے اپنی زندگی کا طویل عرصہ آپ لوگوں میں گزارا ہے۔ کیا میں نے کبھی جھوٹ بولا ہے؟ اگر نہیں بولا تو اب اس چالیس سال کی عمر میں اتنا بڑا جھوٹ کیسے بول سکتا ہوں کہ "اللہ نے مجھے نبی مبعوث فرمایا ہے" چنانچہ میں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ تاریخ عالم کے اس عظیم ترین سچے اور پاک دامن انسان کی تاریخ صرف حق و سچائی کے حالات و واقعات پر مبنی ہی مرتب کروں گا۔ اب اس آزمائش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔ یہ قارئین کرام اس تاریخ کے مطالعے کے بعد ہی اپنا فیصلہ دے سکیں گے۔ میں ایک کم علم انسان ہوں۔ غلطی اور افراط و تفریط کا ہر وقت احتمال ہو سکتا ہے۔ حقائق و واقعات کی روشنی میں نشاندہی کریں گے تو بصد شکریہ قبول کرتے ہوئے آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کی کوشش کروں گا۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی معروف کتاب "سیرۃ النبی" جلد اول کے صفحہ 44 سے 63 تک احادیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں درج روایات پر بڑی عالمانہ، مدلل اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس میں ثابت کیا

ہے کہ روایات ۔ غیر ثقہ ، ضعیف اور غلط بھی ہو سکتی ہیں ۔ آپ نے ثقہ اور صحیح روایات کا معیار یہ بیان فرمایا ہے کہ جو روایات ، درایت ، عقل و دانش ، آنحضرتؐ کی سیرت و کردار اور قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق ہوں وہ ثقہ صحیح ہیں ورنہ غلط ہیں ۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ فضائل و مناقب اور مصائب و آلام کی کثرت سے ضعیف روایات شائع ہو گئیں ہیں اور بڑے بڑے علماء نے اپنی کتابوں میں ان روایتوں کو درج کرنا جائز رکھا ۔ حافظ زین الدین عراقی جو بہت بڑے پائے کے محدث ہیں ۔ سیرت منظوم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں " طالب کو جاننا چاہیے کہ سیرت میں سبھی طرح کی روایتیں ہوتی ہیں صحیح بھی اور غلط بھی " بقول علامہ اقبال ۔

یہ امت روایات میں کھو گئی
حقیقت خرافات میں کھوہ ۔ گئی

مستند تاریخ اسلام کی ضرورت و اہمیت

اصل بات یہ تھی کہ مجھے ابتداء سے ہی مطالعہ تاریخ اور مشاہدہ فطرت کا بڑا ذوق و شوق تھا ۔ جب میں نے 1945ء میں ایم اے تاریخ کا امتحان پاس کیا تو اس میں ایک پرچہ " تاریخ اسلام " اور ایک " ماڈرن ہسٹری آف یورپ " کا بھی تھا ۔ لہذا مجھے تاریخ اسلام اور یورپ کی ترقی و ارتقاء کا ایک ساتھ تقابلی مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا اور اس طرح مجھے تاریخ اسلام کی تحقیق و تدقیق اور اس کے عروج و زوال کے اسباب معلوم کرنے سے گہری دلچسپی پیدا ہو گئی ۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ تاریخ اسلام خصوصاً آنحضرتؐ اور صحابہ کرام کی عظیم الشان مستند اور جامع تاریخ کو غلط اور وضعی روایات سے پاک پوری تحقیق و تدقیق اور وسیع مطالعہ کے بعد شائع کرنے کی کوشش کروں گا ۔ بد قسمتی سے ہمارے قابل احترام بزرگوں اور مورخین نے آنحضرتؐ اور صحابہ کرام کی شاندار تاریخ میں بعض ضعیف ، وضعی اور بے بنیاد روایات کو بھی شامل تصنیف کر لیا ۔ اسلاف پرستی اور اندھی تقلید کے جذبہ کے تحت روایات کو ٹھوس تاریخی حقائق و واقعات متصور کر لیا ۔ مستشرقین اور غیر مسلم مورخین نے انہیں غلط اور ضعیف روایات کی بنا پر ہمارے بزرگوں کے عظیم کارناموں کو بھی ہدف تنقید بنایا اور ہماری قابل فخر تاریخ کو مسخ کرنے کی مذموم کوششیں کیں ۔

چونکہ عقیدت کا حقیقت سے اکثر کم ہی تعلق ہوتا ہے لہذا فضائل و مناقب کی ان بے بنیاد روایات کی وجہ سے عام مسلمانوں میں ضعیف الاعتقادی ، شخصیت پرستی اور فرقہ بندی کا رجحان پیدا ہو گیا اور اسلام کی عظیم الشان تاریخ اور مشاہیر اسلام کے فقید المثال کارنامے جو انہوں نے عصر جدید کے آغاز کے ساتھ ہی بنی نوع انسان کو ہر قسم کی سیاسی ، معاشی ، معاشرتی اور ذہنی غلامی سے آزاد کرانے ، بنیادی انسانی حقوق اور بنیادی انسانی

انسانی برادری کا تصور نوع انسان کی ترقی و خوشحالی اور ارتقاء کے لئے عظیم تعمیری و تخلیقی کارنامے ۔ ہر قسم کے علوم و فنون فلسفہ و حکمت اور تحقیق و تدقیق کے لئے بلند پایہ علمی درسگاہوں کا قیام جہاں سے تمام دنیا میں تہذیب و تمدن اور علم و انسانیت کی روشنی پھیلی اور انسانیت شاہراہ ترقی پر گامزن ہوئی ۔ وہ عالمی شہرت کی حامل دمشق، قاہرہ، غرناطہ، قرطبہ، بغداد، تاشقند، بلخ و بخارا، دہلی، شیراز اور قسطنطنیہ وغیرہ کی عظیم الشان درسگاہیں فراموش کردی گئیں اور اسلام کی محیر العقول اور بے مثال تاریخ دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گئی ۔ بقول اقبال

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

جب پورا یورپ وحشت و جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا ۔ دنیائے اسلام میں ترقی و ارتقاء اور علم و حکمت کی شمعیں تمام عالم کو منور کر رہی تھیں ۔ یورپ میں بھی علوم و فنون فلسفہ و حکمت، تہذیب و تمدن اور انسانی اقدار کی روشنی اندلس اور دیگر اسلامی ممالک کی درسگاہوں سے پہنچی ۔ جہالت و پس ماندگی کا دور ختم ہوا اور یورپ شاہرہ ترقی پر گامزن ہو گیا ۔ اس کی نشاۃ ثانیہ، تحریک اصلاح کلیسا اور احیاء علوم، نظریہ مساوات و اخوت اور آزادی و جمہوریت، انقلاب فرانس وغیرہ اور بعد ازاں فلسفہ و حکمت اور سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی و ارتقاء اور عروج و کمال وہ سب مسلمان اساتذہ، مفکرین اور مورخین اسلام کا ہی مرہون منت ہے ۔

مطالعہ تاریخ کا مقصد

(کسی قوم کی تاریخ اس کی بنیاد ہوتی ہے اور کوئی قوم اپنی تاریخ سے کٹ کر یعنی اس کو بھلا کر زندہ نہیں رہ سکتی ۔ اس کا تشخص ختم ہو جاتا ہے اور حوادثات زمانہ اس کو نیست و نابود کر دیتے ہیں ۔ تاریخ ایک فلسفہ و سائنس ہے ۔ اس کے قوانین غیر متبدل اور اٹل ہیں ۔ قوموں کا عروج و زوال اور موت و حیات بلا امتیاز مذہب و ملت انہیں قوانین فطرت کے مطابق عمل میں آتا ہے ۔ یہ قانون مکافات عمل یعنی قانون جزا و سزا کے مطابق ظہور پذیر ہوتا ہے جیسے کسی قوم کے اعمال ہوں گے ویسے ہی اس کے نتائج ظاہر ہوں گے ۔ قرآن تاریخ کی کتاب نہیں مگر اس میں جو تاریخی واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ بھی یہ ظاہر کرنے کے لئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون غیر متبدل، اٹل اور سب کے لئے یکساں اور برابر ہے ۔ لہٰذا قوموں کے عروج و زوال اور موت و حیات سے سبق سیکھو اور عبرت حاصل کرو ۔

لہٰذا مطالعہ تاریخ انتہائی ضروری ہے مگر بد قسمتی سے مسلمان قوم کو اس کی تاریخ کے مطالعہ اور معلومات سے ایک عجمی سازش کے تحت محروم رکھا گیا ہے ۔ عباسی دور خلافت میں بغداد میں مسلمانوں کی تاریخ کے متعلق روایات جمع کی گئیں اور مسلمانان عالم کو آنحضرتؐ، صحابہ کرامؓ اور بنو امیہ کے دور کے کارناموں سے ناواقف رکھنے کے لئے ان کی تاریخ کے مطالعہ و تحقیق کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی ۔ مسلمانوں کے دینی مدارس میں اسلامی

تعلیمات کا جو سلیبس (نصاب) تیار کیا گیا اس میں مطالعہ تاریخ اسلام کے مضمون کو شامل ہی نہ کیا گیا اور ملت مسلمہ کا تعلیم یافتہ طبقہ اپنی شاندار اور قابل فخر تاریخ کے مطالعہ و معلومات سے محروم رہا۔ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر ہمارے علماء کرام نے اپنی دینی درسگاہوں میں ایک مضمون کی حیثیت سے تاریخ اسلام کا مطالعہ و تحقیق کی ہوتی تو ان میں رواداری، فراخدلی، سیاسی شعور اور ملی اتحاد کا جذبہ نشو ونما پاتا اور فرقہ پرستی، حسد، تعصب اور تنگ نظری کے رجحانات پیدا نہ ہوتے۔

(مسلمانان عالم کی تاریخ اس قدر شاندار، عبرتناک سبق آموز اور دلچسپ ہے کہ دنیا کی کسی دوسری قوم کی تاریخ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ملت اسلامیہ کی تاریخ کی ابتداء آنحضرتؐ کے دعویٰ نبوت و رسالت سے شروع ہوتی ہے۔ آپؐ نے اللہ کے حکم پر اعلان نبوت کیا اور فرمایا کہ "مجھے اللہ تعالیٰ نے خالص توحید و روز قیامت پر ایمان اور اعمال صالح یعنی انسانیت کی دعوت و تبلیغ کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ میں مساوات انسانی، عدل و انصاف، حریت فکر و عمل، مذہبی آزادی، محبت و رواداری، احترام آدمیت، اور اخلاق و خدمت خلق کا حیات افروز سبق دیتا ہوں۔" غیر انسانی، غیر اخلاقی اعمال نسلی تفاخر، ظلم و زیادتی، کفر و شرک، بت پرستی، توہمات، انسانیت سوز جرائم اور بد اعمالیوں سے منع کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی مجھ پر جو احکام و ہدایات نازل ہوتے ہیں ان کے مطابق عمل کرنے کا درس دیتا ہوں۔"

اس اعلان حق کو سنتے ہی آپؐ کی ساری قوم قریش آپؐ کی شدید دشمن ہو گئی۔ مگر حضورؐ حق و باطل کی اس کشمکش میں ثابت قدمی، عزم و ہمت اور صبر و استقلال کے ساتھ انتھک جدو جہد میں ہمہ تن مصروف ہو گئے اور آخر تیرہ سال مکہ میں درس رشد و ہدایت اور دس سال مدینہ میں مجاہدانہ جوش و جذبہ کے ساتھ اسلامی انقلاب کی اس ہمہ گیر و عالمگیر تحریک کو فقید المثال کامیابی سے ہمکنار کرنے میں کامیاب و کامران ہوئے۔ جزیرہ نمائے عرب کے دس لاکھ مربع میل رقبہ پر پرچم اسلام لہرانے لگا اور تقریباً تمام لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اس ملک میں پہلی مرتبہ ایک ناقابل تسخیر مرکزی حکومت قائم ہوئی اور عرب کے غیر مہذب اور جاہل بدو دنیا کی مہذب ترین قوم اور ملت واحدہ بن کر تمام دنیا پر چھا گئے۔ اگرچہ آپؐ نے کسی سے کسی قسم کی تعلیم و تربیت حاصل نہیں کی تھی مگر آپؐ میں وہ تمام اوصاف حمیدہ اور خداداد صلاحیتیں موجود تھیں جو آج تک کسی ایک انسان میں جمع نہیں ہوئیں۔ آپؐ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے اس لئیے آپ کی ذات اقدس کو ہمہ صفت موصوف بنا کر آپؐ کی سیرت و کردار اور اقوال و افعال کو تمام بنی نوع انسان کے لئے اسوہ حسنہ بنانا تھا اس لئے کہ آپ معلم اخلاق اور حامل خلق عظیم تھے۔ آپؐ بے نظیر سیاسی قائد اور عظیم مفکر تھے۔ ماہر فن حرب و ضرب سپہ سالار اور بے مثال فاتح تھے ہمیشہ دشمن کی تعداد اور سامان جنگ کی اکثریت کے باوجود ہر غزوہ و سرایا میں مسلمان فتح یاب ہوئے۔ آپؐ کی دشمن کے

مقابلہ کے لئے عسکری منصوبہ بندی اور تدابیر وتزویرات جنگ آج تک ماہرین جنگ کے لئے حیران کن ہیں۔ آپؐ عظیم مجاہد اور داعئ انقلاب تھے۔ آپؐ نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں تعمیری انقلاب لانیوالے تاریخ ساز کارنامے سرانجام دیے۔ آپؐ نے حیات افروز نظام زندگی کے اہم بنیادی شعبوں میں فقید المثال اصلاحات نافذ کیں اور انسانی معاشرہ کو صحت مند ترقی و ارتقاء اور عروج و کمال کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔

1۔ آپؐ کے سیاسی نظام کے مطابق اسلام میں ہر قسم کی ملوکیت نسلی بادشاہت، فوجی آمریت اور شخصی استبداد کے لئے کوئی جگہ نہ تھی بلکہ تمام عوام کی باہمی مشاورت سے نظام حکومت قائم ہونا تھا یعنی آپؐ نے دنیا میں سب سے پہلے جمہوریت کی بنیاد ڈالی۔

2۔ آپؐ کے معاشی نظام کی بنیاد عدل و مساوات پر قائم کی گئی۔ جس میں ہر شخص کو اس کی بنیادی ضروریات زندگی فراہم کرنا حکومت کی اولین ذمہ داری تھی اور ہر فرد کو ترقی کے برابر کے مواقع حاصل تھے۔ اس میں جاگیرداری، سرمایہ داری، نوکر شاہی، خصوصی حقوق و مراعات یافتہ طبقات کے جبر و استحصال کی کوئی جگہ نہ تھی۔ ہر شخص کو اپنی محنت قابلیت اور دیانتداری کے ساتھ دولت کمانے کی پوری آزادی تھی مگر ساتھ ہی سرکاری و غیر سرکاری واجبات کی ادائیگی اور جائز طریقوں سے ضروری اخراجات کا حکم تھا۔ نمود و نمائش، فضول خرچی اور عیش و عشرت پر دولت ضائع کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ملک کی دولت اور اس کے ذرائع و وسائل پیداوار میں تمام قوم کا برابر کا حصہ تھا۔

3۔ آپؐ کے معاشرتی نظام کی بنیاد مساوات انسانی، اخوت، اسلامی، عدل و انصاف، حریت فکر و عمل، ہر شخص کو مذہبی آزادی، ترقی کے مواقع اور بنیادی انسانی حقوق حاصل تھے۔ اس نظام میں ذات پات کی اونچ نیچ، علاقائیت، قومیت و وطنیت کے تعصبات، مذہبی فرقہ بندی اور ہر قسم کی تفریق و انتشار کو شرک قرار دیا گیا تھا جو ناقابل معافی گناہ عظیم ہے۔

آپؐ کو غیر مسلم مفکرین و مورخین نے بھی تاریخ عالم کے عظیم ترین اور ہر زمان و مکان کے لئے مثالی انسان تسلیم کیا ہے کیونکہ آپؐ جو اسلام لائے تھے وہ ہمہ گیر و عالمگیر تھا۔ اسلامی انقلاب انسان کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ یعنی ثقافتی، سیاسی، معاشی، تمدنی، تہذیبی، علمی و ادبی اور فلسفہ، حکمت وغیرہ سب شامل ہیں۔ اس انقلاب کا بنیادی مقصد انسان کو جبر و استحصال کی قوتوں سے نجات دلا کر عزت و آزادی، عدل و مساوات اور امن و سکون عطا کرنا تھا۔

آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن حکیم کی صورت میں ایسی فقید المثال کتاب نازل ہوئی جو علم و حکمت، رشد و ہدایت، حقائق، معارف، علوم و فنون، فصاحت و بلاغت کا بے مثال شاہکار، کامیاب زندگی کے رہنما اصولوں اور انسانی اقدار کا سرچشمہ ہے۔ اس لئے آپؐ کو حامل قرآن اور صاحب خلق عظیم کے القابات سے خطاب

کیا جاتا ہے ۔ آپ نے توحید الٰہی پر ایمان کی قوت سے ظلم و استحصال اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف جذبہ جہاد اور شوق شہادت پیدا کیا اور نظریہ اسلام پر بے پناہ ایمان و ایقان کے ذریعے قیصر و کسریٰ جیسی سپر پاورز کو بیک وقت للکار کر فناہ کے گھاٹ اتار دیا اور مجاہدین اسلام ان کی جگہ فاتحین اور حکمران بن گئے ۔ تاریخ عرب میں پہلی بار ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم ہوئی ۔ جس نے بعد میں تمام دنیا پر تسلط حاصل کر کے صدیوں تک دنیا کی واحد سپر پاور کے طور پر حکومت کی اور اقوام عالم پر ان کی قیادت و سیادت قائم رہی ۔

آنحضرتؐ کی ذات اقدس پوری تاریخ کی آئینہ دار ہے ۔ اس لئے آپؐ کی تاریخ کا مطالعہ تاریخی تناظر میں کرنا چاہیئے۔ تاریخی حالات و واقعات کے حوالہ سے اقوام عالم اور انبیاء کرام کی تاریخ اور حضورؐ کی بعثت کے وقت اقوام عالم اور جزیرہ نمائے عرب کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اخلاقی اور مذہبی حالات کا مطالعہ بھی ضروری ہے ۔

چونکہ آپؐ تاریخ انسانی کی روح رواں ہیں اس لئے عہد قدیم اور عصر جدید کے درمیان حد فاصل ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی بعثت کے ساتھ انسانیت کے ایک ترقی پذیر نئے دور کا آغاز ہو گیا ۔ آپؐ کے وصال کے فوری بعد آپؐ کی تعلیم و تربیت سے فیضیاب صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرت عمر فاروقؓ کی فتوحات اور اصلاحات دنیا کے ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل مہذب ممالک تک پھیل گئیں اور کچھ ہی عرصہ بعد ولید بن عبدالملک کے عہد میں تمام شمالی افریقہ، سپین، پرتگال اور جنوبی فرانس سے وسط ایشیا سے آگے چین کی سرحدوں تک پہنچ گئیں جن میں ہندوستان کا ملتان تک کا علاقہ بھی شامل تھا ۔ ان ممالک میں تہذیب و تمدن، علم و حکمت، فلسفہ و سائنس اور دیگر تمام علوم و فنون کے عظیم الشان علمی ادارے اور درسگاہیں قائم ہوئیں ۔ ان میں تمام انسانی علوم کی تحقیق و توسیع احیاء و ارتقاء، ایجادات اور تسخیر کائنات کے انقلاب انگیز انسانی دور کا آغاز ہو گیا ۔ لہذا ہمیں حضورؐ کی تاریخ کے مطالعہ کے لئے تاریخ عالم کے تینوں ادوار یعنی ماضی حال اور مستقبل کا تحقیقی و تدقیقی مطالعہ کرنا ضروری ہے ۔ چنانچہ ہم نے اس حقیقت کے پیش نظر کہ "آنحضرتؐ کی تاریخ ابتدائے آفرینش سے قیامت تک تمام زمان و مکان کی حدود و قیود سے آزاد" کے نظریہ کے مطابق مندرجہ ذیل ابواب پر مشتمل تصنیف و تالیف کی ہے :-

ترتیب مضامین

1 ۔ خالق کائنات و تخلیق آدم :- اس میں ٹھوس دلائل و براہین کے ذریعے توحید الٰہی کی حقانیت اور شرک کا ابطال کیا گیا ہے ۔

2 ۔ انبیاء کرام کی مختصر تاریخ :- اس میں انبیائے کرام کی زندگی کے مختصر حالات بیان کئے گئے ہیں ۔

3 ۔ جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ و جغرافیہ

4 ۔ آنحضرت کی تاریخ کے ماخذ :- قرآن، حدیث، تاریخ سیرت، تفسیر وغیرہ شامل ہیں ۔

5۔ آنحضرتؐ کی بعثت سے قبل اقوام عالم کی تاریخ پر سرسری نظر۔
6۔ آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت جزیرہ نمائے عرب کے حالات
7۔ آنحضرتؐ کا شجرہ نسب:۔ حضرت عبداللہ سے حضرت آدم تک
8۔ آنحضرتؐ کے نامور آباؤاجداد کے حالات اور والدین ۔
9۔ آنحضرتؐ کی چالیس سالہ زندگی قبل از بعثت کے حالات
10۔ آنحضرتؐ کی تیرہ سالہ مکی زندگی کے حالات بعثت سے ہجرت تک
11۔ آنحضرتؐ کی ہجرت مدینہ کے بعد دس سالہ مدنی زندگی ماہ و سال کی ترتیب کے ساتھ
12۔ آنحضرتؐ کی اسلامی انقلاب کی تحریک کی کامیابی کے اسباب
13۔ آنحضرتؐ کا عدیم المثال انسانی انقلاب
14۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں اسلام کا مکمل نظام حیات
15۔ ابتداء میں " مقدمہ کے زیر عنوان تاریخ محمدؐ کا تعارف

ہم نے اس حیات افروز داستان کو حق و سچ اور علمی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ تصنیف آنحضرتؐ کی تاریخ ہے۔ سیرت کی کتاب نہیں ہے اور ارباب علم و دانش تاریخؐ و سیرت کے فرق کو اچھی طرح سمجھتے ہیں ۔ ہم نے بعض روایات کو جو اکثر مورخین نے اپنی سیرت کی کتابوں میں دوسروں کی تقلید میں بلا غور و فکر درج کی ہیں جب انکو تحقیق و تجسس کی کسوٹی پر غلط پایا تو حقائق و واقعات کی روشنی میں ناصرف ان کی نشاندہی کی بلکہ حقیقت حال کو بھی بیان کر دیا۔ امید ہے کہ قارئین اس پر غیر جانبداری اور علمی نقطہ نظر سے غور و فکر فرمائیں گے ۔ آخر یہ روایات صحیفہ آسمانی تو نہیں ہیں۔ راویوں کے بیان کرنے میں افراط و تفریط اور تعصب و جانبداری کا مظاہرہ بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا تلاش حق میں اندھی تقلید اور اسلاف پرستی کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

آخر پر آنحضرتؐ کی اس تاریخ میں آپ اس عدیم المثال انسانی انقلاب کی بے مثال تحریک کا مطالعہ کریں گے جس سے ناصرف ایک شاندار سیاسی انقلاب برپا ہوا بلکہ ایک حیات افروز انسانی و اصلاحی انقلاب جس سے انسان مکمل طور پر اندر سے بدل گیا۔ اس کا ذہن اور نظریہ حیات بدل گیا وہ مجسمہ انسانیت اور فرشتہ سیرت انسان بن گیا ہر طرف مساوات و اخوت، عدل و انصاف، حریت و آزادی، امن و سلامتی، محبت و رواداری اور اخلاقی اقدار پر مبنی انسانیت کا معاشرہ قائم ہو گیا۔ اس انقلابی جد و جہد کے دوران حضورؐ نے اپنے صحابہ کرامؓ کی ایسی تعلیم و تربیت کی کہ وہ سیرت و کردار اور انسانیت کے لحاظ سے ایسے مجسمہ شرافت و نجابت انسان بن گئے۔ جو شاید چشم فلک نے کبھی نہ دیکھے ہوں ۔ ان مشاہیر اسلام نے جذبہ جہاد، شوق شہادت، حق و صداقت، عدل و انصاف،

مساوات و اخوت اور عوام دوستی وانسانیت کے ذریعے ایسے تاریخ ساز کارنامے سرانجام دیے کہ ارباب علم و دانش ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے۔ ہم ان فقید المثال مشاہیر اسلام میں سے ایک عظیم ہستی کا تعارف کرانا مناسب خیال کرتے ہیں تاکہ آپ اپنی شاندار تاریخ اور حضورؐ کے تربیت یافتہ مشاہیر کے کارناموں اور ان کے اخلاق و کردار پر بجا طور پر فخر کر سکیں۔ یہ نابغۂ روزگار ہستی حضرت عمر فاروقؓ ہیں جو آنحضرتؐ کی تعلیم و تربیت اور ہمہ وقت رفاقت کے فیض سے عمر ابن خطاب سے فاروق اعظم اور شاہکار رسالت بن گئے۔ اور حضور اقدس کی نظروں مین وہ بلند مقام پایا کہ آپؐ نے فرمایا کہ "اگر میرے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا تو وہ عمر فاروق ہوتے۔"

حضرت عمر فاروقؓ 13ھ تا 24ھ

حضرت عمر فاروق 583ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سرخ و سفید رنگ دراز قد اور پروجاہت، رعب دار چہرہ تھا۔ آپ کو بچپن سے ہی گھڑ سواری، نیزہ بازی، تیر اندازی، شمشیر زنی اور پہلوانی کا بہت شوق تھا آپؓ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے۔ آپؓ کے اسلام لانے کیلئے آنحضرتؐ نے خصوصی دعا کی تھی کہ "اے اللہ! عمر کے اسلام لانے سے دین کو تقویت عطا فرما"۔

قریش کے نظام معاشرہ میں آپؓ کو سفارت کا منصب حاصل تھا۔ آپ کا پیشہ تجارت تھا اور اس مقصد کے لئے آپ نے عراق، شام، مصر اور یمن کے کئی سفر کئے تھے اور حالات زمانہ سے اچھی طرح واقف تھے۔

حضرت عمرؓ 6 نبوی میں اسلام لائے اس وقت چالیس پچاس افراد اسلام لا چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے فوری بعد تمام مسلمان دارالارقم سے دو صفوں میں حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کی قیادت میں بیت اللہ میں نماز ادا کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ اور اب اعلانیہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا آغاز ہو گیا۔

حضرت عمر فاروقؓ تمام عمر ہر وقت آنحضرتؐ کے ہمراہ رہے۔ آپؓ حضورؐ کے انتہائی قابل اعتماد مشیر وزیر تھے اور آپؐ کی قیادت میں تمام غزوات میں بھرپور حصہ لیا۔ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت خلافت کے مسئلہ پر انتشار اور خلفشار پیدا ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ مگر حضرت عمرؓ کے تدبر، جرات، اور دور اندیشی سے ملت اس سنگین بحران سے بچ کر ملی اتحاد اور سیاسی استحکام کے مقصد میں کامیاب ہو گئی۔ آپؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کا اعلان کر کے سب سے پہلے خود ان کی بیعت کر لی اور اس کے بعد قریباً تمام امت نے آپؓ کی خلافت پر اتفاق کرتے ہوئے ان کی بیعت کر لی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں آپؓ ان کے مشیر اعلیٰ کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور مملکت اسلامیہ کو تمام اندرونی و بیرونی خطرات سے محفوظ کرتے ہوئے امن و امان اور ترقی و خوشحالی کی شاہراہ پر گامزن کر دیا ایران اور روم کی سپر طاقتوں کے خلاف جہاد کا آغاز کر دیا اور بعض شاندار فتوحات حاصل کیں۔

23 جمادی الاخر 13ھ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ آپ

نے ساڑھے دس سال تک حکومت کی اور اس عرصہ میں ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل سے زائد علاقہ و ممالک جو مہذب اور خوشحال تھے یعنی ایران، عراق، شام، فلسطین، لبنان، مصر، خوزستان، آرمینیا، آذر بائیجان، کرمان، خراسان، اور مکران وغیرہ کو فقید المثال فتوحات کے ذریعے مملکت اسلامیہ میں شامل کیا۔ اس قلیل مدت میں آپؓ نے دنیا کی دو سپر پاورز کسریٰ ایران اور قیصر روم کے خلاف بیک وقت جنگ شروع کر کے دونوں کو شکست فاش دی۔ کسریٰ کا تو مکمل خاتمہ کر دیا اور اس کے تمام مقبوضہ علاقوں کو مملکت اسلامیہ میں شامل کر کے وہاں کی تقریباً تمام آبادی کو حلقہ بگوش اسلام کر لیا گیا۔

حضرت عمر فاروقؓ تاریخ عالم کے عظیم ترین فاتح ہیں کیونکہ آپ کی فتوحات ذوالقرنین، سکندر اعظم، چنگیز خان، اور نپولین وغیرہ کی فتوحات سے مختلف تھیں۔ یہ فاتحین اپنے مفتوحہ علاقوں میں بے دریغ قتل و غارت اور لوٹ مار کرتے تھے۔ عوام کو غلام بنا کر حکومت پر قبضہ کر لیتے اور سابقہ حکمرانوں کو بے دردی کے ساتھ قتل کر کے تمام علاقہ کو تباہ و برباد کر دیتے۔ مگر حضرت عمر فاروقؓ کی فتوحات ان ممالک کے لئے عزت و آزادی اور ترقی و خوشحالی کا پیغام لاتیں۔ عوام کو مکمل بنیادی انسانی حقوق اور بنیادی ضروریات زندگی حاصل ہوتیں۔ غیر مسلموں کو مذہب کی آزادی اور ان کی مذہبی عبادت گاہوں کو تحفظ حاصل ہوتا۔ ہر ایک کے ساتھ بلا امتیاز مذہب و ملت عدل و انصاف کا سلوک ہوتا اور ہر شہری کو ترقی و خوشحالی کے مساوی مواقع حاصل ہوتے۔ چنانچہ اس حسن سلوک مکمل مذہبی آزادی اور عزت و احترام کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں ان تمام ممالک کے عوام از خود دائرہ اسلام میں شامل ہو گئے اور یہ ممالک جو حضرت عمر نے فتح کئے تھے آج بھی اسلامی تہذیب و تمدن علوم و فنون اور سیاسی قوت و شوکت کے قابل فخر مراکز ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ حامل قرآن اور عاشق قرآن تھے۔ آپؓ کا قول تھا کہ یہ اللہ کی کتاب ملت اسلامیہ کی انفرادی اجتماعی اور قومی زندگی کے لئے بہترین اور مکمل ضابطہ حیات ہے اور تمام قوانین، رشد و ہدایات اور علم و حکمت کا سرچشمہ ہے۔ آپؓ کا سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور عدالتی نظام قرآن کے قوانین و ہدایات کے مطابق محکم بنیادوں پر قائم تھا۔ اسی لئے آپ کی حکومت فلاحی اسلامی مملکت تھی۔ بلا امتیاز، مذہب و ملت ہر شخص کو بنیادی انسانی حقوق حاصل تھے۔ بنیادی ضروریات زندگی میسر تھیں اور بہترین نظام عدل و انصاف قائم تھا۔ سیاسی نظام کی بنیاد مشاورت یعنی جمہوریت پر قائم تھی کسی کو آمریت و ملوکیت قائم کرنے کی اجازت نہ تھی اور اللہ کے بندوں کو غلام بنانے کا کسی کو حق نہ تھا۔ غیر مسلم آبادی کو مکمل مذہبی آزادی اور برابر کے حقوق حاصل تھے۔ حضرت عمرؓ مساوات انسانی کے حامی تھے اور ہر قسم کی اونچ نیچ اور نسل و قبیلہ اور خاندان کے امتیازات کے شدید مخالف اور ہر قسم کے استحصال اور بے انصافی کے خلاف تھے۔ آپ نے عراق، شام اور مصر وغیرہ کی زرخیز اراضیات اپنے سپہ سالاروں مجاہدین اور فاتحین میں تقسیم کر کے ایک جاگیر دار طبقہ پیدا کرنے کے بجائے ان پر قابض

کاشتکاروں کے پاس رہنے دیں اور صرف لگان وصول کیا اور اس طرح محنت کش طبقہ کو جاگیرداروں کے ظلم و استحصال سے بچا لیا آپ کا یہ فیصلہ قرآن حکیم کی سورۃ حشر کے مطابق تھا کہ "زمین اللہ کی ہے اور جو شخص اسے کاشت کرتا ہے وہی اس کی آمدنی اور پیداوار کا حقدار ہے۔"

آپؓ کو ہر وقت عوام کے سامنے جوابدہی اور اللہ تعالیٰ کے محاسبے کا فکر دامن گیر رہتا تھا۔ انصاف اور امور سلطنت کے معاملات میں حضرت عمر فاروقؓ بہت سخت گیر تھے اور ان کی گرفت بڑی مضبوط تھی کسی بڑے سے بڑے سپہ سالار یا گورنر کو بھی آپؓ کے حکم کے خلاف آنکھ اٹھانے کی جرات نہ تھی۔ آپؓ کے جلال و جمال رعب و دبدبہ اور احتساب کے خوف سے دور دراز علاقوں کے عمال حکومت لرزہ براندام رہتے تھے، شجاعت، بہادری، عدل و انصاف، سادگی رواداری، مساوات برابری اور بہترین انتظامی حکمت عملی میں سیدنا عمر فاروقؓ اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کا دور حکومت اسلامی نظام اور اسلامی فلاحی مملکت کی بہترین عملی مثال ہے، آپ اسلامی عدل و انصاف کے علمبردار تھے۔ آپؓ کے نزدیک سب برابر تھے اور آپ عالمگیر انسانی مساوات اور انسانیت کے حامی تھے اسی لئے آج بھی اقوام عالم میں عدل فاروقی کی مثال دی جاتی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی اس قدر وسیع و عریض مملکت میں ہمیشہ امن و امان رہا اور تمام لوگ ہمیشہ خوش و خوشحال رہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ نظام مملکت عدل و مساوات کے درخشندہ قرآنی اصولوں پر مبنی تھا۔ سربراہ مملکت کا کردار اس قدر مثالی پاکیزہ، بلند اور سادہ تھا کہ کسی کو انگشت نمائی کی گنجائش ہی نہ تھی۔ آپؓ کی سیاسی فراست و بصیرت خداداد صلاحیتوں اور بے داغ سیرت و کردار کا نتیجہ تھا کہ کسی بڑے سے بڑے سپہ سالار یا گورنر کو مجال انکار نہ تھی۔ آپؓ نے آنحضرتؐ کے جانثار بہادر صحابی حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو اپنا گشتی سفیر مقرر کر رکھا تھا جو عموماً مملکت کے دورے کر کے آپؓ کو عوام کے حالات ان کے مسائل و ضروریات اور وہاں کے حکمرانوں کے حالات اور کارگزاری کی اطلاعات پہنچاتے رہتے تھے۔ آپؓ نے بلاامتیاز نسل و قبیلہ یا خاندان و خانوادہ انتہائی دیانتدار، محنتی، باصلاحیت اور حقدار واہل افراد کو ان کی خدمات اور صلاحیتوں کے مطابق سول اور فوج میں عہدے اور ذمہ داریاں تفویض کر رکھی تھیں کسی سفارش ذاتی یا خاندانی تعلق و واسطہ کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ آپؓ کی عظمت و شوکت رعب و دبدبہ، بے لاگ انصاف اور محاسبہ کے خوف سے کسی بڑے سے بڑے والی اور سپہ سالاروں کو اپنے فرائض سے کوتاہی، بے انصافی اور غلط کام کرنے کی جرات و حوصلہ ہی نہ تھا۔ اس لئے تمام نظام حکومت حسن و خوبی سے چل رہا تھا۔ بدیانتی، ناانصافی اور ظلم و زیادتی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ بذات خود انتہائی دیانتدار، محنتی، انصاف پسند، انسان دوست، خداداد صلاحیتوں کے مالک، خدا اور عوام کے سامنے جوابدہی اور محاسبہ کے تصور سے خوفزدہ رہتے تھے۔ بلا مبالغہ چشم فلک نے ایسا بے مثال حکمران اور ایسا کامیاب نظام حکومت جس میں مکمل امن و سلامتی، ترقی و خوشحالی، عدل و مساوات اور

حریت، آزادی کا دور ہو نہیں دیکھا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے معاشرے کی بنیاد مساوات انسانی ، اور اخوت اسلامی کے نظریے پر استوار کی تھی ۔ اسلام ذات پات کی اونچ نیچ ، نسل و قبیلہ ، رنگ و زبان علاقیت کے امتیازات اور قومیت وطنیت کے تعصبات کے خلاف عالمگیر انسانی برادری ، محبت و رواداری حریت فکر و عمل ، امن و سلامتی اور عدل و انصاف کا درس دیتا ہے ۔ اسلام فضیلت و عزت اور احترام کا معیار دولت و اقتدار ، نسل و قبیلہ اور خاندان و خانوادہ سے تعلق کو قرار نہیں دیتا بلکہ تقویٰ و پرہیزگاری ، اعلیٰ سیرت و کردار ، خدمت خلق اور انسانیت کو قرار دیتا ہے ۔ تمام انسان پیدائش کے لحاظ سے برابر ہیں ۔ ان میں امتیاز صرف اہلیت و صلاحیت ، اخلاق و کردار انسانیت اور تعمیری و تخلیقی کارہائے نمایاں سے ہوتا ہے ۔ آپ احترام آدمیت اور تقویٰ کو ہر بات پر ترجیح دیتے تھے آپ حضرت بلالؓ بن رواح کو بڑے عزت و احترام سے خطاب فرماتے تھے ۔ آپؓ نے وفات سے قبل اپنی نماز جنازہ کی امامت کے لئے حضرت صہیب رومی کو مقرر فرمایا تھا ۔ حالانکہ وہ آزاد کردہ غلام تھے اور تمام کبار صحابہ اس وقت موجود تھے ۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شاندار اصلاحات

حضرت عمر فاروقؓ نے حکومت کے نظم و نسق کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے بہت سی اہم اور دور رس اصلاحات نافذ کیں جن میں انتظامی اصلاحات ، محکمہ مال کا قیام ، محکمہ عدل کا قیام ، فوج و پولیس کا نظام ، محکمہ جیل ، محکمہ رفاہ عامہ ، محکمہ تعمیر و ترقی ، نئے شہروں کی تعمیر ، محکمہ رسد و خوراک محکمہ خبر رسانی ، محکمہ تعلیم و تبلیغ ، محکمہ مساجد کی تعمیر و انتظام ، سن ہجری کی ابتداء مرکزی دفتر کا قیام ، غیر مسلم رعایا کے حقوق کا محکمہ ، غلامی کا مکمل خاتمہ زرعی اراضیات کا محکمہ ، تعمیری کاموں کا محکمہ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

حضرت عمر نمود و نمائش اور اسراف کے خلاف تھے اور سادگی و کفایت شعاری کی تلقین کرتے تھے اور خود بھی انتہائی سادہ زندگی گزارتے تھے ۔

تاریخ عالم کا بے مثال حکمران

حضرت عمر فاروقؓ گلشن اسلام کے گل سر سبد ہیں ۔ آپؓ کا عہد حکومت تاریخ اسلام کا بے مثال سنہری دور ہے ۔

دنیا کے نامور غیر مسلم مورخین و سیاسی مدبرین نے بھی آپ کو مثالی حکمران اور فتوحات " اصلاحات " عدل و انصاف ؛ نظام حکومت ، امن و امان اور عوام کی ترقی و خوش حالی کے نقطہ نظر سے آپؓ کی حکومت کو دنیا کی مثالی حکومت قرار دیا ہے ۔ آپؓ کی عظیم شخصیت و کردار اور خداداد صلاحیتوں کی بنا پر شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنی حکومتوں کو ان کی تقلید کا مشورہ دیا ہے ۔

مصر کا نامور مورخ ہیکل رقمطراز ہے کہ " آپ کا پورا وقت اللہ اور اس کے دین کے لئے وقف تھا۔ اپنی ذات اور اپنے اہل و اعیال کی انہیں کوئی پرواہ نہیں تھی ۔ ان کا دل ، ان کی عقل اور ان کے اعضاء و جوارح اس بار عظیم کو اٹھانے میں ہر وقت مصروف رہتے تھے جو قضا و قدر نے ان کے شانوں پر رکھ دیا تھا۔ چنانچہ وہ فوج کے سپہ سالار اعظم تھے ۔ فقہائے اسلام میں انہیں فقیہہ اکبر کا مرتبہ حاصل تھا ۔ ایک مجتہد تھے ۔ وہ ایک انصاف پسند اور پاک دامن قاضی تھے ، وہ تمام مسلمانوں کے شفیق و مہربان باپ تھے ۔ وہ بندہ مومن تجربہ کار سیاستدان اور صاحب فکر و نظر حکمران تھے ۔ جن کی عقل و حکمت نے ان کے لئے مختلف النسل ، مختلف الانساب اور مختلف المذاہب قوموں پر حکومت کرنا آسان بنا دیا تھا۔

مصر کا ایک اور ممتاز مورخ طٰہ حسین لکھتا ہے کہ " میں نہیں جانتا کہ تاریخ انسانی کسی ایسے شخص کی مثال پیش کر سکے جو حضرت عمر کا سازندہ حساس ، محتاط ، اور معصیت سے خائف ضمیر رکھتا ہو " ۔ میرا خیال ہے کہ " دنیا کی متمدن اور ترقی یافتہ قومیں آج وہاں تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہیں جس مقام پر حضرت عمر فاروقؓ اس زمانہ میں پہنچے تھے ۔ آپ عبقریت یعنی غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے ۔

حضرت عمر کا قول تھا کہ اگر قیامت کے روز میں اللہ تعالیٰ کے اس سوال کا جواب دے سکا کہ " اے عمر تمھارے بیت المال میں کہاں کہاں سے سرمایہ آیا اور آپ نے اس کو کہاں کہاں اور کس طرح خرچ کیا تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت تصور کروں گا " ۔

حضرت عمر فاروق نے اپنی وفات سے قبل چھ حضرات پر مشتمل ایک کونسل قائم کر دی جس میں حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ ، حضرت زبیرؓ ، حضرت طلحہؓ ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ، اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف شامل تھے اور فرمایا کہ میرے بعد یہ حضرات اپنے میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں ۔ لوگوں کے سوال پر کہ آپؓ کا بیٹا عبداللہ بن عمر بھی تقویٰ اور علم و فضل میں کسی سے کم نہیں ان کو بھی اس کمیٹی میں شامل کیوں نہیں کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ " اگر یہ خلافت ایک اعزاز ہے تو یہ اعزاز میری وجہ سے میرے خاندان کو حاصل ہو گیا ہے ۔ اب یہ اعزاز کسی اور کو ملنا چاہیئے اور اگر یہ ایک ذمہ داری تھی تو اب اس ذمہ داری کا بوجھ کسی اور کو اٹھانا چاہیے ۔ ہم اپنی باری پوری کر چکے " ۔ ہوس اقتدار میں مبتلا خود غرض لوگوں کے لئے کس قدر سبق آموز درس حیات ہے ۔

حضرت عمر فاروقؓ صبح کی نماز کی امامت فرما رہے تھے کہ ایک ایرانی کے زہر آلود خنجر سے زخمی ہو کر یکم محرم 24 ھ کو جام شہادت نوش فرما گئے ۔ وفات کے وقت آپؓ کی عمر 63 سال تھی ۔ یہ اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ کی عمر بھی 63 سال اور حضرت ابو بکرؓ صدیق کی عمر بھی 63 سال تھی ۔ حضرت صہیب رومی نے آپؓ کی نماز جنازہ پڑھائی ۔

وفات سے قبل آپؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو حضرت عائشہ صدیقہ سے روضۂ نبوی میں دفن ہونے کے

۵۵۲۰۸

لئے اجازت حاصل کرنے کے لئے بھیجا انہوں نے فرمایا" یہ جگہ میں نے اپنے لئے محفوظ کی تھی مگر حضرت عمرؓ کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں" ۔ حضرت عائشہ کی طرف سے کتنا شاندار خراج تحسین ہے ۔ آپ روضۂ اطہر میں مدفون ہوئے اور آنحضرتؐ کی رفاقت ہمیشہ کے لئے نصیب ہو گئی ۔

اقوام عالم کے عروج وزوال کے اسباب

آنحضرتؐ کی فقید المثال اور عظیم الشان تاریخ بیان کرنے سے قبل ہم ضروری خیال کرتے ہیں کہ قارئین کو اقوام عالم کے عروج و زوال اور موت و حیات کے اسباب بتا دئے جائیں ۔ جو بلا امتیاز مذہب و ملت ، نسل و قبیلہ رنگ و زبان ، قومیت و وطنیت ، زمانہ و ادوار سب کے لئے یکساں ، برابر ، غیر متبدل اور اٹل ہیں ۔ اور تمام بنی نوع انسان کی تاریخ اسی قانون فطرت ، قانون مکافات اور قانون تاریخ کے مطابق اپنے آپ کو دہراتی ہے ۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ کب اور کہاں امت اسلامیہ نے اس قانون خداوندی اور اسوۂ حسنہ کے مطابق عمل کیا اور دنیا میں عروج و ترقی ، عزت و وقار ، فتح و نصرت ، علم و حکمت ، امن و سلامتی اور آزادی و خود مختاری کی بے بہا دولت حاصل کی اور کب اور کہاں ملت اسلامیہ مذہبی فرقہ بندی ، نسلی و لسانی امتیازات ، وطنیت و قومیت کے تعصبات ، اخلاق و کردار کے بحران اور باہمی اختلافات ، انتشار اور طبقاتی کشمکش کا شکار ہو کر معاشرتی برائیوں ، معاشی استحصال اور سیاسی استبداد کے بحر عمیق میں غرق ہو گئی ، غلامی و محکومی کی لعنت کے علاوہ ذلت و خواری ، ہولناک تباہی ، پس ماندگی ، ناخواندگی ، مفلسی و بے چارگی اور تمام انسانی بنیادی حقوق سے محرومی ان کا مقدر بن گئی ۔ مسلمانان عالم کے زوال و انحطاط کے لرزہ خیز حادثات و واقعات کی تاریخ انتہائی عبرت ناک ہے ۔ سپین ، بغداد ، قرطبہ ، دہلی ، بخارہ ، تاشقند ، دکن اور ڈھاکہ وغیرہ جو اسلامی علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کے عظیم مراکز تھے مذہبی فرقہ بندی ، نسلی و لسانی امتیازات ، وطنی و علاقائی تعصبات اور اخلاق و کردار کے بحران کی وجہ سے قیامت خیز ہلاکت و تباہی کا شکار ہو گئے ۔

1. قرآن حکیم نے وہ قوانین فطرت بتا دیے ہیں جن کے مطابق قوموں کی موت و حیات اور عروج و زوال کے فیصلے ہوتے ہیں ۔ ان کا نام اجتماعی قانون مکافات عمل ہے ۔ یہ بلا امتیاز مذہب و ملت ، قومیت و وطنیت ادوار و زمانہ ہمیشہ اور ہر ایک قوم کے لئے غیر متبدل مستقل اور اٹل ہیں اور تاریخ اس اجتماعی قانون مکافات کے ریکارڈ کا نام ہے ۔ دور حاضر کی اصطلاح میں اسے "سائنس آف ہسٹری" یا فلسفہ تاریخ سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ قرآن تاریخ کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور مسلمانوں کو تاریخ کا مطالعہ کرنے کی تاکید کرتا ہے ۔ "تاریخ انسانیت پر غور و فکر کرو کہ غلط روش اختیار کرنے کا کیا انجام ہوا" خدا کا قانون اٹل ہے جس کے مطابق اقوام سابقہ کی موت و حیات کے فیصلے ہوئے اور ظلم و استبداد

کرنے والی سرکش قوموں کا انجام کیا ہوا۔ ان کا نام و نشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ گیا"۔ قرآن تاریخ کو ایک سائنس یا فلسفہ کی حیثیت دیتا ہے اور انہیں قوانین کے مطابق تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ قرآن نے ان قوانین کو "سنت اللہ" سے تعبیر کیا ہے۔

2. قرآن کا دوسرا اصول یہ ہے کہ جس معاشرے میں محنت کش طبقہ رات دن محنت و مشقت کرکے پیدا کرے اور سرمایہ دار جاگیردار طبقہ ان کی محنت پر مفت میں عیش کرے وہ نظام کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایسا نظام حق و انصاف نہیں بلکہ ظلم و باطل پر قائم ہے۔ محنت کش طبقے کا استحصال ان کے حق پر غاصبانہ قبضہ کے مترادف ہے۔ ابتدائے آفرینش سے یہی طبقاتی کشمکش جاری ہے۔ اور جو قوم اپنے معاشی نظام میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو محنت کش عوام، مزدوروں کاشتکاروں کے استحصال کی اجازت دیتی ہے وہ درحقیقت اپنے زوال و انحطاط کو خود دعوت دیتی ہے ایک صحت مند، ترقی پذیر معاشرہ کے لئے ضروری ہے کہ "کسی فرد کو بغیر محنت اور جدوجہد کے آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے کی اجازت اور موقع نہ دے۔

3. قرآن حکیم کا نظریہ حیات انسان کو حیوانی زندگی کی سطح سے بلند کرکے شرف انسانیت کے بلند مقام پر لے جاتا ہے۔ اللہ کا قانون ایسی قوموں کو عزت و سربلندی اور حکومت، و اقتدار سے سرفراز کرتا ہے۔ جن کا وجود پس ماندہ اقوام اور مظلوم طبقات کے لئے فائدہ مند ہو، جو اپنے علم و حکمت سائنس ٹیکنالوجی عدل و انصاف جذبہ احترام انسانیت کے باعث پست بہر محکوم قوموں اور پس ماندہ طبقات کو رفعت و بلندی کی طرف لے جائیں۔ ان کی معاشی و معاشرتی اصلاح و خوشحالی اور بنیادی حقوق کی بازیابی کے لئے بے لوث خدمت کریں کیونکہ اللہ کو انسانیت کا ارتقاء اور ترقی مطلوب ہے اور وہ اپنی مخلوق کے مسائل و مشکلات حل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ لہذا وہی قومیں دنیا میں عروج و کمال، بقاء و استحکام اور شرف و عزت حاصل کرتی ہیں جن سے نوع انسان کو نفع پہنچے۔ عقل و خرد سے بہرہ ور اور جذبہ انسانیت سے معمور ہوں۔ جو عیش و عشرت، ہوس دولت و اقتدار اور مفاد پرستی سے کنارہ کش ہوں۔ خدمت خلق اور انسانیت کے جذبہ سے سرشار جفاکش محنت و مشقت کی صفات سے متصف ہوں۔ یہی وہ اخلاقی قانون ہیں جو ساری تاریخ کی تشکیل کرتے ہیں۔

4. قرآن کے مطابق قوموں کی فلاح و ترقی اور زوال و ناکامی ان کے اعمال کا فطری نتیجہ ہے۔ اللہ تعالی براہ راست کسی قوم کو نہ بناتا اور نہ بگاڑتا ہے۔ بلکہ اس کے بنائے ہوئے قانون مکافات کے مطابق اعمال کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ جب وہ یہ کہتا ہے کہ "ہم جسے چاہیں عزت دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ذلت دیتے ہیں تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ہمارے بنائے ہوئے قانون فطرت کے مطابق جو

قوم عمل کرتی ہے اس کا انجام اچھا ہوتا ہے اور عزت و عظمت کی زندگی حاصل کرتی ہے اس کے برخلاف جو قوم قانون فطرت اور قانون اخلاق کی خلاف ورزی کرتی ہے اسے ذلت و ناکامی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

5. قرآن کے نزدیک واقعات تاریخ میں بھی علت و معلول کے طبعی قانون کی طرح اسباب و نتائج کا قانون کام کرتا ہے۔ اگر کوئی قوم حقیقت حیات اور فطرت اجتماعی کے صحیح نظریہ کو مان کر عمل صالح کرے تو اسے دنیا میں کامیابی اور آخرت میں حیات جاوید حاصل ہو سکتی ہے۔ جس قوم کو قوانین فطرت اور قوانین تاریخ کا علم و بصیرت نہ ہو اور اس کے مطابق عمل نہ کرے اس کا انجام اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اچھا نہ ہوگا۔

6. قرآن نے بت پرستی اور شرک کو بھی اقوام کے زوال اور ہلاکت کا سب سے بڑا سبب قرار دیا ہے اور خالص توحید الہٰی اور اعمال صالح پر ایمان کو عروج و ترقی کا ضامن قرار دیا ہے۔ جو شخص خالص توحید پر ایمان رکھے گا وہ قانون مکافات یعنی جزا اور سزا کے قانون پر بھی ایمان رکھے گا اور اس کے مطابق عمل کرے گا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کی غالب اکثریت غیر ارادی طور پر بلا سوچے سمجھے شرک اور شخصیت پرستی میں مبتلا ہو چکی ہے۔ اس کا اللہ تعالیٰ کی خالص توحید پر ایمان متزلزل ہو چکا ہے اس لئے وہ قانون مکافات عمل یعنی قانون جزا و سزا پر بھی عملی طور پر ایمان نہیں رکھتی اور اپنی عقیدت کے مطابق شخصیتوں کے وسیلہ اور سفارش کے ذریعے نجات کا سامان مہیا کرنے کی فکر میں رہتی ہے۔

7. قانون مکافات عمل کے مطابق انسانوں کی تمدنی ترقی، معاشی خوشحالی، سماجی اصلاح سیاسی آزادی اور عروج و ترقی کے لئے ہدایت و راہنمائی کے تین سرچشمے ہیں:۔

(i) ۔ آیات خداوندی جو انبیاء کرام پر بذریعہ وحی نازل ہوئیں اور جو الہامی کتب میں موجود ہیں خصوصاً قرآن حکیم میں ان پر غور و فکر سے ترقی و ارتقاء کے لئے رہنمائی مل سکتی ہے۔

(ii) ۔ آیات فطرت یعنی عالم طبعی، عالم فطرت اور نظام کائنات کا مشاہدہ اور اس پر تدبر و تفکر۔

(iii) ۔ آیات تاریخ یعنی تاریخ عالم کے حقائق و واقعات کے مطالعہ و تحقیق سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اقوام عالم کے عروج و زوال کے اسباب کیا تھے۔

8. قوموں کے زوال و انحطاط میں طبقاتی کشمکش یعنی امیر و غریب جاگیردار اور کاشتکار، سرمایہ دار اور محنت کش کے درمیان شدید طبقاتی تفریق و امتیاز اور ایک دوسرے کے حقوق و مفاد کے درمیان محاذ آرائی شروع ہو جاتی ہے۔ حضرت نوحؑ کے واقعہ میں قرآن بیان کرتا ہے کہ اس قوم کے مالدار طبقات اپنے غریب ہم قوم افراد کو بڑی حقارت اور ذلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اسی طرح فرعون کے

قصہ میں بھی فرعون ہامان اور قارون ایک طرف اور عوام دوسری طرف نظر آتے ہیں لہذا جس قوم میں امیر و غریب طبقات میں وسیع خلیج حائل ہو جائے اور دونوں طبقات کے مفاد متصادم ہوں تو اس قوم کی تباہی لازم ہو جاتی ہے۔ لہذا معاشی وسائل و ذرائع پیداوار پر سرمایہ دار طبقہ کا قبضہ زوال و انحطاط کا پیغام دیتا ہے۔ جب کسی قوم کے افراد میں قومی تعمیر و ترقی کا تخلیقی جذبہ موجود رہتا ہے اور وہ پوری قوم کی تخلیقی قوتوں اور تعمیری صلاحیتوں کو پوری قوم کے مفاد میں استعمال کے لئے ان میں جوش عمل اور ولولہ حیات پیدا کرتے ہیں ہر شخص اپنی خداداد صلاحیتوں کو جذبہ خدمت کے ساتھ قوم کے اجتماعی مفاد اور ان کی ترقی و ارتقاء کے لئے پورے ایثار و قربانی کے جذبہ کے ساتھ جدو جہد کرتے ہیں کہ ہماری قوم کو عروج و ارتقاء نصیب ہو وہ قوم کامیاب و کامران اور آزاد و خوش حال رہتی ہے ایسی قوم کے ممتاز افراد محض اپنی فطری صلاحیتوں اور جذبہ تعمیر و تخلیق کی بنا پر عزت و احترام کے مستحق ہوتے ہیں۔ انہیں کسی مصنوعی سہارے یا پروپیگنڈے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قیادت و سیادت بھی استحقاق و اہلیت و صلاحیت اور خدمات کے عوض حاصل ہوتی ہے۔ لیکن دور زوال و انحطاط میں صرف دولت مصنوعی اعزازات، سیاسی اقتدار اور نسل و قبیلہ کے امتیازات افراد معاشرہ کے شرف و عزت کا معیار قرار پاتے ہیں ہر شخص ہر جائز و ناجائز ذرائع سے دولت پیدا کرنے اور ہر ممکن طریقہ سے اقتدار حکومت میں حصہ دار بننے کی دوڑ میں شریک ہوتا ہے اور دیانت، سچائی، حق پسندی اور خدمت ملک و ملت اپنی تمام شکلوں میں جھوٹ اور منافقت کے اس طوفان میں بہہ جاتی ہے اور جب قوم میں سرمایہ پرستی اور ہوس اقتدار کا جنون چھا جاتا ہے اور تعمیری و تخلیقی صلاحیتیں اور جذبہ خدمت و قربانی ختم ہو جاتا ہے تو پھر اس پر قانون مکافات کے مطابق موت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور نیکی و بدی میں کوئی تمیز نہیں رہتی۔ سرمایہ دار اور عیش پسند اقوام میں عقیدے یعنی نظریہ حیات کی کمزوری اور اخلاقی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کے زوال کا باعث ہوتی ہیں۔

مساوات و اخوت کا اصول

جس قوم میں مساوات انسانی اور اخوت کا جذبہ ہو اور ذات پات کی اونچ نیچ و نسل و قبیلہ، رنگ و زبان کے امتیازات نہ ہوں، قومیت و وطنیت کے تعصبات نہ ہوں وہ قوم عروج و ترقی حاصل کرتی ہے اور اس کا زوال و انحطاط بہت عرصہ کے بعد اور دیگر عوامل کی وجہ سے آتا ہے۔ اگر اسلام میں عرب و عجم، گورے کالے، نسل و قبیلہ اور وطنیت و قومیت کے امتیازات و تعصبات ہوتے اور اسلام قبول کرنے والے غیر عربوں کو مساوی درجہ نہ ملتا تو بنو امیہ کے بعد اسلامی تہذیب و تمدن کا خاتمہ ہو جاتا اور اسلام کو عروج و ترقی حاصل نہ ہوتی ایرانیوں، ترکوں اور مغلوں وغیرہ کے دائرہ اسلام میں .9

شامل ہونے سے اسلامی تہذیب و تمدن اور دین اسلام کو جو فوائد حاصل ہوئے ، ان اقوام کے قابل اور بہادر افراد کے ذریعے اسلام کو جو ترقی و عروج حاصل ہوا تاریخ میں اس کا کوئی نشان نہ ملتا۔ اسلام نے اپنا دروازہ ہر قوم و نسل کے لئے کھلا رکھا اور اس مساوات و اخوت کی وجہ سے اسلام کی ہر قوم نے بے انتہا خدمات سرانجام دیں۔

تعلیم و تربیت کا صحیح نظام

10. اگر کسی ملک کا نظام تعلیم صحیح اصولوں پر مبنی ہو تو وہ اپنی آئندہ نسل میں ایک طاقتور عقیدہ و نظریہ اور اخلاق پیدا کر سکتا ہے جس سے تعمیری و تخلیقی جذبات ابھریں اور ترقی کریں ۔ اس کے اندر معاشی انصاف ، معاشرتی مساوات اور سیاسی جمہوری نظام قائم ہو سکتا ہے جو ہر قسم کی برائیوں سے پاک اور عوام کے حقوق و مفاد کے مطابق انسان دوستی کے جذبات پر استوار ہو ، نوجوانوں کی صحیح تعلیم و تربیت اور ان کی خداداد صلاحیتوں کی نشوونما ، ارتقاء اور ان کی سیرت و کردار کی تعمیر سے قابل فخر انسان پیدا ہو سکتے ہیں۔

مذہبی فرقہ بندی

11. قرآن نے مذہبی فرقہ بندی کی شدید مخالفت کی ہے ۔آنحضرتؐ نے فرقہ بندی کو شرک قرار دیا ہے ۔ کیونکہ فرقہ بندی سے ملت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور اتحاد و استحکام کی بجائے قوم انتشار و خلفشار میں مبتلا ہو کر مختلف گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور باہمی تعصبات اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور قوم تباہی و بربادی کے کنارے پر پہنچ جاتی ہے ۔ بغداد کی قیامت خیز تباہی اس مذہبی فرقہ بندی کی خوفناک مثال ہے لہذا مذہبی فرقہ بندی سے قومیں زوال ، انحطاط اور تباہی کا شکار ہو جاتی ہیں

سیاسی عدم استحکام

12. اگر ملک کے آئین و قانون اور مسلمہ مقرر کردہ طریقوں کو نظر انداز کر کے کوئی فوجی جرنیل اپنی عسکری طاقت سے زبردستی عوام کو ان کے آئینی و جمہوری حقوق سے محروم کر کے حکومت پر غاصبانہ قبضہ کر لے یا کوئی پارٹی یا گروہ کسی سازش یا بغاوت کے ذریعے آئینی حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار حکومت پر ناجائز قبضہ کر لے جس سے ملک کے اندر انتشار اور بد امنی بلکہ خانہ جنگی کا سنگین خطرہ پیدا ہو جائے ۔ قومی اتحاد ، ملکی سلامتی اور سیاسی استحکام مفقود ہو جائے۔ تو ملک کی آزادی اور سالمیت بھی خطرہ میں پڑ سکتی ہے۔ اگر اقتدار حکومت پر قبضہ کی کشمکش اور محاذ آرائی آئین و قانون

کی حدود سے تجاوز کر جائے ۔ تو ملک انحطاط اور زوال کا شکار ہو جاتا ہے۔

مسلمانانِ عالم کے عروج و زوال کی شاندار اور عبرتناک تاریخ

حضرت عمر فاروق کی وفات کے چند سال بعد بد قسمتی سے ملت اسلامیہ سیاسی وجوہات اور قبائلی تعصبات کی بنا پر شدید انتشار اور خلفشار کے بعد خانہ جنگی کے تباہ کن دور میں داخل ہو گئی جس کے دوران ایسے دلخراش واقعات رونما ہوئے کہ جن کو پڑھ کر ہر درد مند مخلص مسلمان کا سر ندامت سے جھک جاتا ہے اور دل خون کے آنسو روتا ہے ۔ بہرحال جب یہ قیامت خیز صورتحال ختم ہوئی تو ملت میں پھر نظم و ضبط اور اتحاد و استحکام پیدا ہو گیا اور ایک بار پھر تحریک اسلامی کی ترقی و عروج کے انقلابی دور کا آغاز ہو گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے سنہری دور کے بعد اسلام کے سب سے بڑے عروج و کمال کا دور شروع ہو گیا جس میں فقید المثال فتوحات کی وجہ سے اسلامی مملکت کی حدود سپین، جنوب مغربی یورپ اور شمالی افریقہ سے تمام وسط ایشیا کی فتح کے بعد چین کی سرحدوں سے جا ملیں ۔ بلکہ خاقان چین نے خراج ادا کیا ادھر ہندوستان میں سندھ اور ملتان تک کا علاقہ مملکت اسلامیہ کے زیر نگیں آ گیا اور مملکت اسلامیہ دنیا کی سب سے بڑی طاقتور اور واحد سپر پاور بن گئی جو سلطنت برطانیہ اور رومتہ الکبریٰ سے بھی بڑی تھی اور دنیا کا کوئی ملک یا قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی ۔ یہ سب کچھ مشیت ایزدی کے مطابق ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور ملت اسلامیہ کو قیامت تک قائم دائم رکھنا تھا ، ورنہ خانہ جنگی کی وجہ سے ایسی بحرانی کیفیت پیدا ہو گئی تھی کہ اسلام اور ملت اسلامیہ کے وجود کو ہی سنگین خطرات لاحق ہو گئے تھے ۔ یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ اسلام تباہی اور تاریک مستقبل کے خوفناک دور سے صحیح و سالم نکل کر پھر ایک انقلاب انگیز عروج و ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو گیا اور تاریخ عالم کی سب سے طاقتور حکومت اور قوت بن کر ابھرا۔

ملت اسلامیہ کے عدیم المثال عروج و ترقی کا یہ شاندار دور خاندان بنو امیہ کے ذریعہ وقوع پذیر ہوا ۔ آنحضرتؐ قبیلہ قریش کی مضمر صلاحیتوں سے اچھی واقف تھے اس لئے آپؐ کی ہمیشہ کوشش رہی کہ ان کا کم از کم اتلاف جان ہو اور ان کو ہر ممکن طریقہ سے مشرف بہ اسلام کیا جائے تاکہ ان کے دل و دماغ اور جسمانی قوتوں کو اسلام کی ترقی اور توسیع کے لئے استعمال میں لایا جائے ۔ چنانچہ جب کوئی قریش مسلمان ہوتا تو آپؐ بہت خوش ہوتے ۔ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص کے مدینہ آکر مسلمان ہونے پر آپؐ بے حد خوش ہوئے ۔ ان پر اعتماد کیا اور حوصلہ افزائی کی ۔ فتح مکہ کے بعد تمام قریش کو عام معافی کا اعلان کر دیا ابو سفیان کی حوصلہ افزائی کے لئے اعلان فرما دیا جو ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو امان ہے ۔ جنگ حنین کے مال غنیمت میں صرف تالیف قلوب کے لئے ابو سفیان اور دیگر سرداران قریش کو انکے حصہ سے زیادہ اونٹ وغیرہ دیئے ۔ اور معاویہ کو کاتب وحی مقرر فرمایا الغرض آپؐ نے قریش کے تمام مظالم اور جبر و تشدد جو انہوں نے قریباً بیس سال تک یعنی فتح مکہ تک جاری رکھا

سب معاف فرما دیا۔ ان پر مکمل اعتماد کیا، حوصلہ افزائی کی اور ان کے ساتھ انتہائی محبت و شفقت کا سلوک کیا۔

مسلمانان عالم کے عروج و ترقی کا دور اول

خاندانِ بنو امیہ کا عہد حکومت 40 ھ تا 132 ھ

بنو امیہ کا عہد حکومت خالص عربوں کا دور تھا۔ تمام بڑے بڑے والی، گورنر، وزیر اور فوجوں کے سپہ سالار سب عربی تھے۔ عربی زبان و ادب، تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کا دور تھا۔ اس عہد میں ہر ملک و قوم اور مذہب و ملت کے بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں شامل ہوئے۔ اس عہد میں عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں اور تھوڑے ہی عرصہ میں مشرق میں ترکستان، افغانستان، سندھ ملتان اور مکران تک اور مغرب میں جنوب مغربی یورپ اور تمام شمالی افریقہ اور یورپ کے وسیع و عریض علاقے مملکت اسلامیہ میں شامل ہو گئے۔ یہ دور اسلام اور عربوں کے عروج کا دور تھا جس میں تبلیغ اسلام اور فتوحات کا سلسلہ ان کی قیادت و سیادت میں پہلو بہ پہلو جاری رہا۔ ہر قسم کے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کو بے انتہا ترقی و ارتقاء حاصل ہوا۔ اور بجا طور پر بنو امیہ کی حکومت دنیا کی واحد سپر پاور تھی اور اس کا دنیا کی کوئی حکومت یا قوم مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

اصلاحات، امن و امان، عدل و انصاف اور مذہبی، آزادی کی وجہ سے عوام خوش و خوشحال تھے۔ علوم و فنون کی ترقی اور استحکام حکومت کی وجہ سے یہ دنیا کی سب سے طاقت ور اور ترقی یافتہ قوم تھی اور تاریخ عالم ان کی اس حیرت انگیز ترقی و عروج کی وجہ سے ورطۂ حیرت میں ہے، ترقی و کمال کا یہ پہلا اور خالص عربی دور تھا۔ یہ سادگی اور اخلاقی اقدار کی قدر و منزلت کا دور تھا۔ جس میں غیر مسلم متاثر ہو کر خود بخود دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اس دور کی ابتداء امیر معاویہ کے عہد حکومت 41 ھ سے شروع ہوئی اور ولید بن عبدالملک کے دور میں اپنے عروج و کمال تک پہنچ گیا اگرچہ بعض کمزور اور عیش پسند حکمرانوں کی وجہ سے ملک کی ترقی و خوشحالی اور فتوحات میں نشیب و فراز بھی آتے رہے تاہم بحیثیت مجموعی یہ تمام دور حکومت تاریخ اسلام کا حضرت عمر فاروق کے بعد سب سے زیادہ عروج و کمال اور ترقی و خوشحالی کا دور تھا۔

خاندان بنو امیہ کے عہد کی عظیم الشان فتوحات

خراسان، ایران، آذر بائیجان، آرمینیا، انطاکیہ، عراق، شام، فلسطین، اردن اور مصر وغیرہ حضرت عمر فاروق کے عہد میں فتح ہو چکے تھے۔ بنو امیہ کے دور کی فتوحات حسب ذیل ہیں۔

1۔ مشرق یعنی وسط الشیاء اور ہندوستان میں فتوحات

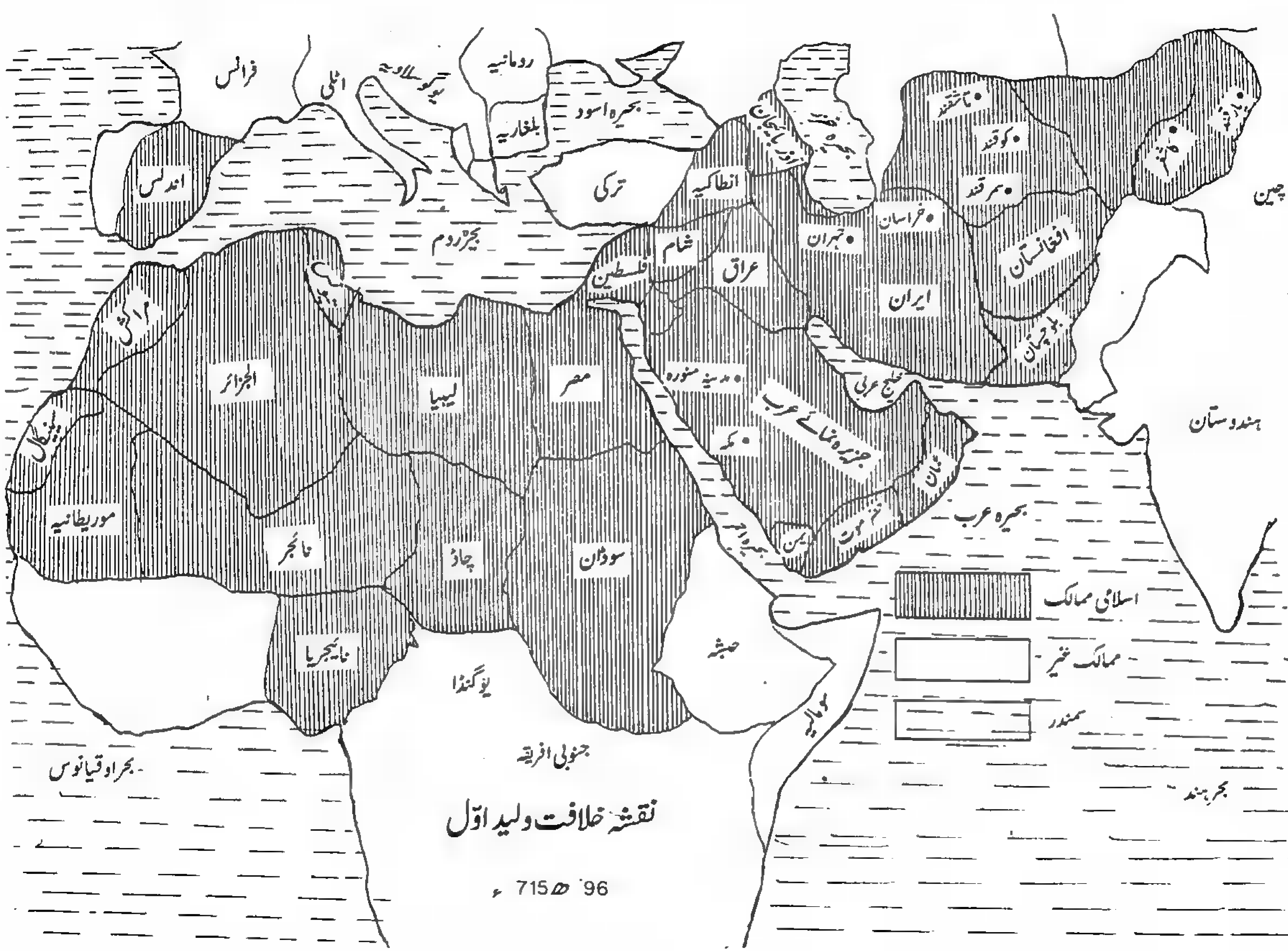
یار قند، کاشغر، تاشقند، کوقند، سمرقند، افغانستان، سندھ، ملتان اور مکران۔

2۔ سپین، پرتگال، جنوبی فرانس، لیبیا، تیونس، مراکش، الجزائر، نائجیریا، نائیجر، شاد، سینیگال، موریطانیہ وغیرہ تمام شمالی افریقہ اور جنوب مغربی یورپ یہ تمام ممالک خاندان بنو امیہ کے دور میں فتح ہو کر مملکت اسلامیہ میں شامل ہوئے اور ان ممالک کی بھاری اکثریت از خود حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔

اس دور میں مختلف اسلامی ممالک میں عظیم الشان علمی مراکز اور درسگاہیں قائم ہوئیں۔ قرطبہ، غرناطہ، دمشق، قاہرہ، بلخ، بخارا، سمرقند، تاشقند، شیراز اور دیگر کئی مقامات اسلامی علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کے مراکز تھے اسی زمانہ میں یورپ وحشت و جہالت میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن ان اسلامی درسگاہوں کے فیوض و برکات، علوم و فنون، فلسفہ و حکمت اور علم و ادب کی روشنی سے منور ہو کر شاہراہ ترقی پر گامزن ہوا اور موجودہ دور میں یورپ اور امریکہ وغیرہ کی سائنس و ٹیکنالوجی، فلسفہ و حکمت اور دیگر مختلف علوم و فنون کی حیرت انگیز ترقی سب مسلمانوں کی مرہون منت ہے۔

بنو امیہ کے دور میں اسلام اپنی اصل اور سادہ صورت میں موجود تھا۔ اس وقت ابھی پیشہ ور علماء کا طبقہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور نا ہی مذہبی فرقہ بندیاں تھیں۔ تمام امت صرف مسلمان تھے جن کا دین صرف اسلام تھا اور ضابطہ حیات صرف قرآن تھا۔ ابھی حدیثیں بھی نہیں تحریر کی گئی تھیں اور نا ہی فضائل و مناقب کی روایات تھیں۔ ہر مسلمان حامل قرآن اور عالم قرآن تھا۔ مسلمان معاشرے کی بنیاد عالمگیر انسانی برادری اور اخوت اسلامی پر تھی۔ تمام مسلمان بلا امتیاز عرب و عجم مساوی اور یکساں تھے۔ ذات پات کی اونچ نیچ، نسل و قبیلہ، رنگ و زبان کے امتیازات اور قومیت و وطنیت اور فرقہ بندی کے تعصبات پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ عزت و وقار اور فضیلت و بزرگی کا معیار تقویٰ اخلاق حسنہ اور سیرت و کردار کی بلندی تھا اور قرآن پاک کی اس آیت کے مطابق " اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ قابل عزت و احترام وہ انسان ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے یعنی جس شخص کی سیرت و کردار اور اخلاق زیادہ اچھا ہو اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ پسند کرتا ہے اور وہی زیادہ عزت و احترام کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔"

اموی خاندان کی حکومت تقریباً 92 سال قائم رہی اور یہ مسلمانوں کی دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت تھی اس سے بڑی اور وسیع و عریض حکومت مسلمانوں کے کسی اور دور میں آئندہ قائم نہ ہو سکی۔ بنو امیہ نے عربیت اور اس کی سادگی کو قائم رکھا ان میں عجمی خصائل اور قیصر و کسریٰ کی شان و شوکت اور نمود و نمائش نہ تھی ان کی شان و شوکت ان کی شجاعت و بہادری، جوش جہاد اور شوق شہادت پر تھی۔ یہ تمام زمانہ فتوحات اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا دور تھا۔ باوجود خوارج اور شیعہ کی اندرونی بغاوتوں اور سازشوں کے ان کی فوجی قوت اسقدر مضبوط اور طاقت ور تھی کہ ان کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ کیونکہ یہ ایک عسکری طاقت و حکومت تھی اس لئے اس میں تاریخ عالم کے بے نظیر سپہ سالار اور فاتحین پیدا ہوئے۔



نقشہ خلافت ولید اوّل
96ھ 715ء
اسلامی ممالک
ممالک غیر
سمندر
فرانس
اٹلی
رومانیہ
بلغاریہ
بحیرہ اسود
ترکی
اندلس
بحیرہ روم
الجزائر
لیبیا
مصر
مراکش
موریطانیہ
نائجر
چاڈ
سوڈان
نائیجریا
یوگنڈا
جنوبی افریقہ
حبشہ
صومالیہ
بحراوقیانوس
فلسطین
شام
عراق
انطاکیہ
آذربائیجان
تہران
خراسان
ایران
سمرقند
کوقند
تاشقند
افغانستان
بلوچستان
خلیج عربی
مدینہ منورہ
مکہ
جزیرہ نمائے عرب
عمان
یمن
بحیرہ عرب
ہندوستان
چین
بحر ہند

جن میں سے چند کے اسمائے گرام حسب ذیل ہیں۔

1۔ مہلب بن ابی صفرا، 2۔ قتیبہ بن مسلم باہلی، 3۔ یزید بن مہلب، 4۔ اسد بن عبداللہ قسری، 5۔ محمد بن قاسم فاتح سندھ مکران اور ملتان، 6۔ محمد بن مروان

7۔ جراح بن عبداللہ حکمی، 8۔ مسلمہ بن عبدالملک، 9۔ مروان بن محمد، 10۔ عبداللہ بن بطال۔ رومی ان کے نام سے کانپتے تھے۔، 11۔ عبداللہ بن ولید، 12۔ عقبہ بن نافع، 13۔ موسیٰ بن نصیر۔ فاتح شمالی افریقہ، 14۔ طارق بن زیاد۔ فاتح اندلس

بنو امیہ کے دور میں بری فوج کے علاوہ ایک زبردست بحری بیڑا بھی تیار کیا گیا اور اسی طاقت ور فوجی بحری بیڑے نے کئی بار رومیوں کو سمندر کی سطح پر زبردست شکستیں دیں۔ قبرص، رودس اور کریٹ کے جزیرے فتح کئے، قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور سمندر میں مملکت اسلامیہ کا کامیاب دفاع کیا۔

خاندان بنو امیہ کے دور میں علم و ادب اور علوم و فنون کو ترقی ہوئی۔ انہوں نے اس وسیع و عریض سلطنت میں امن و امان قائم رکھا کہیں بغاوتیں اور سازشیں نہ ہوئیں۔ دنیا کی تاریخ میں یہ سلطنت رومن ایمپائر اور برطانیہ سے بھی بڑی تھی۔ ہر شہری کو بلا امتیاز مذہب و ملت اور تہذیب و ثقافت بنیادی حقوق حاصل تھے سب کی بنیادی ضروریات زندگی کا خیال رکھا جاتا تھا ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف ہوتا تھا۔ ہر ایک کو فکر و عمل اور عقیدے کی آزادی حاصل تھی۔ عالمگیر انسانی مساوات اور مذہب کی آزادی حاصل تھی۔ اس دور میں اسلام کی تبلیغ اور قرآن کی اشاعت کا اہتمام تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لاکھوں غیر عرب حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اسلام تمام دنیا میں پھیل گیا۔ امت مسلمہ اور دین اسلام کی جس قدر خدمت بنو امیہ نے کی اس کی مثال تاریخ اسلام میں نہیں ملتی۔

الغرض خاندان بنو امیہ کا دور عظیم الشان فتوحات، اصلاحات اور رفاہ عامہ کے کاموں کا دور تھا۔ تبلیغ و اشاعت اسلام کا دور تھا جس میں ہزاروں مساجد تعمیر کی گئیں۔ قرآن کے حروف پر اعراب لگائے گئے اور اسلامی سکہ رائج کیا گیا۔ دمشق میں ایک عالی شان مسجد تعمیر کی گئی۔ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کو وسیع کر کے از سر نو تعمیر کیا گیا۔

اگرچہ اس خاندان میں چند حکمران آرام طلب عیش پسند اور نااہل بھی گزرے ہیں۔ مگر صرف چند خلفاء و حکمران یعنی

1۔ امیر معاویہؓ 41ھ تا 60ھ

2۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان 65ھ تا 86ھ

3۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک 86ھ تا 96ھ

4۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز 99ھ تا 101ھ

5۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک 105 ھ تا 125 ھ وغیرہ کے ذریعے مندرجہ بالا فقید ۔۔ اپنی شاندار اور قابل ۔۔ دیے گئے۔

خاندان بنو عباس کا عہد خلافت 132 ھ تا 656 ھ

آنحضرتؐ کے حقیقی چچا حضرت عباس کی اولاد بنو عباس کہلاتی ہے۔ خاندان بنو عباس کے بانی ابوالعباس سفاح تھے۔ انہوں نے اپنے تدبر، سیاست اور جدوجہد سے بنو امیہ کے خلاف تحریک چلا کر ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور خود اقتدار حکومت پر قبضہ کر لیا۔ ابو العباس سفاح کا سب سے بڑا معاون و حامی ایک نہایت قابل ایرانی سیاستدان ابو مسلم خراسانی تھا۔ جس نے خاندان بنو ہاشم کے حق حکومت کے لئے ایک منظم تحریک چلائی اس کا ایران میں بڑا اثر و رسوخ تھا اور بنو امیہ کی حکومت میں ایرانی افسران اور شیعان علی نے اس کی بھرپور حمایت کی اور اس نے بنو امیہ کے خلاف ایک کامیاب انقلاب برپا کر کے ان کو اقتدار سے محروم اور خاندان بنو عباس کو اقتدار سے ہمکنار کر دیا۔

ابو عباس سفاح نے اپنا دارالخلافہ دمشق سے عراق کے ایک مقام ہاشمیہ میں منتقل کر دیا۔ اس نے خالد برمکی کو جو ایرانی مدبر اور دانشور سیاستدان تھا۔ اپنا وزیر اعظم مقرر کر لیا۔ سفاح اور خالد برمکی کے دور میں ملک کو استحکام حاصل ہوا مگر ساتھ ہی ایرانیوں کے اثر و رسوخ کا حکومت کے معاملات میں اضافہ ہونے لگا۔

العباس سفاح نے وفات سے قبل اپنے بھائی ابو جعفر منصور کو اپنا جانشین نامزد کیا جو بڑا قابل اور محنتی انسان تھا۔ منصور نے 136 ھ تا 158 ھ حکومت کی۔ اس نے اپنے تدبر، محنت اور سیاسی بصیرت سے عباسی حکومت کی بنیادیں اس قدر مستحکم اور مضبوط کر دیں کہ یہ خاندان پانچ سو سال تک حکومت کرتا رہا۔ اسلامی مملکت کے تمام ایشیائی اور افریقی ممالک اس کے ماتحت تھے۔

خلیفہ منصور نے دریائے دجلہ کے کنارے نیا شہر بغداد آباد کیا۔ جو عباسی حکومت کا دارالخلافہ بنایا گیا۔ یہ ایران کے قریب تھا۔ اس لئے یہاں عجمیوں کا سیاسی، تمدنی اور علمی اثر و رسوخ بڑھتا گیا۔ اس نے بہت سی اصلاحات نافذ کیں اور تعمیری کام کئے۔

ابو مسلم خراسانی نے اس کے خلاف بغاوت کی اس کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ منصور نے بائیس سال حکومت کے بعد وفات پائی اور اس کا بیٹا مہدی خلیفہ بنا۔ قریباً بارہ سال حکومت کرنے کے بعد خلیفہ مہدی نے وفات پائی۔

خلیفہ ہارون الرشید 170 ھ تا 193 ھ

خلیفہ ہارون رشید خلیفہ مہدی کے بیٹے تھے اس کی والدہ کا نام خیزران تھا جو بری مدبر اور عقلمند تھی۔ ہارون

رشید کی تمام تعلیم و تربیت ملک کے سب سے بڑے علمی گھرانے برمکی کے گھر یحییٰ برمکی نے کی۔ اس وجہ سے ہارون بڑا عالم فاضل اور مدبر حکمران تھا اور اہل علم و فن کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس وجہ سے بغداد دینی و دنیاوی علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔

ہارون رشید کا دور خلفاء عباسیہ میں سب سے شاندار کامیاب اور عروج و کمال کا دور تھا۔ وہ بڑا انصاف پسند اور خدا ترس تھا اس کا عہد عدل و مساوات کا دور تھا۔ اس کی ملکہ زبیدہ بڑی عقلمند اور نیک دل خاتون تھی۔ اس نے دریائے دجلہ سے مکہ تک ایک نہر بنوائی جس سے مکہ میں پانی کی قلت ختم ہو گئی۔ ہارون نے خلیفہ بنتے ہی یحییٰ برمکی کو اپنا وزیر اعظم بنا لیا تھا جو غیر معمولی صلاحیتوں اور قابلیت کا مالک تھا۔ خلیفہ ہارون رشید کے عہد خلافت میں مملکت اسلامیہ کو بڑا عروج و ترقی حاصل ہوئی اسی وجہ سے اس عہد کو بھی امت مسلمہ کے عروج و ترقی کا دور شمار کیا جاتا ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید نے 193 ھ میں وفات پائی اور اس کے بعد اس کا بیٹا مامون رشید خلیفہ مقرر ہوا۔

خلیفہ مامون رشید اپنے باپ ہارون رشید کی طرح قابل لائق اور مدبر حکمران تھا۔ اس کی تربیت و تعلیم یحییٰ برمکی کے لڑکے جعفر نے کی تھی۔ مامون رشید صاحب علم و فضل اور اسلامی علوم و فنون کا ماہر اور قدر دان تھا۔ انصاف پسند اور عوام کا خیر خواہ تھا۔ وہ کامیاب سپہ سالار تھا اور اس نے کئی اصلاحات نافذ کیں اور عدل و مساوات کا نظام قائم کیا اور بے شمار رفاہ عامہ کے کام کئے اور ملک کو ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن کیا۔

خاندان بنو عباس کے عروج و زوال کا دور

خاندان بنو عباس میں خلفاء منصور، ہارون رشید و مامون رشید کے دور حکومت کو اسلامی تاریخ کے عروج و ترقی کے دور میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس دور میں بغداد میں عظیم علمی مذہبی اور دانشور شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ جن میں مختلف علوم و فنون کے ماہرین، علماء، فضلاء، شاعر و ادیب، محققین و مصنفین، فلسفہ و حکمت، علم ہیئت اور سائنس و فنون لطیفہ کے نامور ماہرین و مفکرین پیدا ہوئے۔ یونان اٹلی، سسلی اور اسکندریہ سے کثیر علمی سرمایہ جو رومن اور یونانی زبانوں میں تھا اس کا عربی میں ترجمہ کرایا گیا۔ عربی و فارسی علم و ادب میں بڑی ترقی ہوئی۔ عجمی علماء نے بغداد میں تاریخ اسلام، تفسیر، احادیث و فقہ پر بلند پایہ کتابیں تصنیف کیں اور مختلف روایات کو جمع کر کے شائع کیا۔ ہارون رشید نے موسیقی کی بھی سرپرستی کی۔ اسی دور میں بے مثال علمی ترقی ہوئی۔ بلند پایہ دینی مدارس اور درسگاہیں قائم کی گئیں جن میں درس نظامی کے نصاب تعلیم کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی مگر بدقسمتی سے اس درس نظامی کے نصاب تعلیم میں تاریخ اسلام کی تحقیق و تعلیم کا مضمون شامل نہ کیا گیا۔ یہ سب اس عجمی سازش کے تحت ہوا جس کا مقصد مسلمانوں کو صحابہ کرام اور خاندان بنو امیہ کے عظیم الشان کارناموں سے

ناواقف رکھنا تھا۔یہی وجہ ہے کہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ خصوصاً علماء کرام کی بھاری اکثریت اپنی شاندار اور قابل ر..
تاریخ سے بے بہرہ ہے۔اسی لئے علامہ اقبال کو کہنا پڑا کہ

کبھی اے نوجوان مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارہ
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سردارا
تمدن آفرین خلاق آئین جہان داری،
صحرائے عرب یعنی شتر بانو کا گہوارہ

خاندان بنو عباس کا پانچ سو سالہ دور حکومت ماسوائے خلیفہ منصور خلیفہ ہارون رشید و مامون رشید کے شان و شوکت کے لحاظ سے کسریٰ ایران و قیصر روم کی طرح شہنشاہیت کا دور تھا۔مگر فتوحات اصلاحات اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور عوام کی ترقی و خوش حالی کے لحاظ سے زوال و انحطاط کا دور قرار دیا جا سکتا ہے۔اسی دور میں مذہبی فرقہ بندی کا فتنہ پیدا ہوا اور امت مسلمہ کی وحدت کا شیرازہ بکھر گیا۔یہ خاندان بنو امیہ کی وسیع و عریض حکومت کو بھی مستحکم اور متحد نہ رکھ سکا بلکہ بہت سے ممالک اس حکومت سے آزاد ہو گئے۔ مرکزی حکومت انتہائی کمزور تھی۔ اگرچہ خلیفہ بنو ہاشم سے تھا مگر اقتدار حکومت ایرانی و ترکی وزراء، فوجی سپہ سالاروں، صوبوں کے گورنروں اور عمائدین سلطنت کے ہاتھ میں تھا۔اور ان کو حکومت و سلطنت کے معاملات میں فیصلہ کن عمل و دخل حاصل تھا۔ کیونکہ عباسیوں کو اقتدار عجمیوں کی امداد سے ملا تھا۔ابو مسلم خراسانی ایرانی تھا۔

امت مسلمہ کے زوال کا پہلا دور

اگرچہ خاندان بنو عباس کا دور خلافت و حکومت 132 تا 656 ھ / 750ء تا 1258ء 508 سال رہا مگر انکی حکومت اور اقتدار کا زوال 847ء سے شروع ہو گیا تھا۔اگرچہ بظاہر عالم اسلام کی سیادت و قیادت عربوں کے ہاتھ میں تھی یعنی خلافت و حکومت اور شان و شوکت بنوہاشم کی تھی مگر اصل طاقت اور اقتدار ترکوں اور ایرانیوں کے ہاتھ میں تھا۔اور بارھویں و تیرھویں صدی عیسویں میں عالم اسلام میں ان کے زوال کا عمل مکمل ہو چکا تھا۔مغرب میں یورپ کی عیسائی حکومتوں نے متحدہ محاذ بنا کر مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگیں شروع کر رکھی تھیں۔اگرچہ مسلمانوں نے ان کا بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا مگر 1099ء میں عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور وہاں مسلمانوں کا بے پناہ قتل عام کیا۔عباسی خلیفہ بغداد فلسطین کے مسلمانوں کی کوئی امداد نہ کر سکا 88 سال بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ رہا۔اور 1187ء میں عظیم مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبی نے جو

کرد ترک تھا عیسائیوں کو شکست فاش دے کر بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ اس شاندار فتح سے مسلمانوں کے وقار میں بیحد اضافہ ہوا۔

خاندان بنو عباسی کے دور میں وسط ایشیا میں مختلف خود مختار ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔ ان میں خوارزم شاہی حکومت سب سے بڑی، وسیع اور طاقتور تھی اس کا دارالخلافہ "خیوا" تھا اور آخری حکمران علاؤالدین اور اس کا بیٹا جلال الدین تھا۔

اس زمانہ میں صحرائے گوبی میں ایک جنگجو آمر چنگیز خان نے دیگر وحشی منگولوں کا ایک لشکر جرار تیار کر کے وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں خوارزم شاہی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ 1155ء میں "خیوا" پر قبضہ کر کے اسے اپنا دارالخلافہ بنا لیا۔

چنگیز خان قیامت خیز مظالم اور وحشت و بربریت کا انسانیت سوز ارتکاب کرتا ہوا وسط ایشیا کے وسیع و عریض علاقوں کو تباہ و برباد کر کے ان تمام ریاستوں پر قابض ہو گیا۔ اور آخر اس ہولناک قتل و غارت کے بعد چنگیز خان 1227ء میں وفات پا گیا۔ اپنی وفات سے قبل چنگیز خان سارا وسط ایشیا ایران اور سیستان تک کے تمام علاقے فتح کر چکا تھا۔ اس کے بعد اس کی وسیع سلطنت اس کے چاروں بیٹوں میں تقسیم ہو گئی اس میں سے چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کو ایران کی حکومت ملی۔ اس نے 1258ء میں بغداد پر حملہ کر کے خاندان بنو عباس کی حکومت اور خلافت کا خاتمہ کر دیا۔

سقوط بغداد 1258ء

اگرچہ عباسی دور خلافت قریباً 532 سال تک قائم رہا مگر اس خاندان کا خاتمہ شیعہ سنی منافرت، عناد، تعصب اور شدید فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے 1258ء میں سقوط بغداد کے ساتھ ہی ہو گیا۔ خلیفہ المعتصم کے وزیر اعظم ابن العلقمی اور نصیرالدین طوسی نے جو شیعہ تھے اس فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے خفیہ طور پر ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور اپنی امداد کا یقین دلایا۔ ہلاکو خان جو چنگیز خان کا پوتا تھا اسوقت ایران کا حکمران تھا۔ ایک لشکر جرار کے ساتھ بغداد پر حملہ آور ہوا۔ اور بغداد کا محاصرہ کر لیا چالیس روز کے محاصرہ کے بعد خلیفہ بمعہ اپنے اہل عیال ہلاکو خان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ہلاکو خان نے خلیفہ کو بمعہ اس کے خاندان کے قتل کر دیا۔ اور اپنی فوج کو شہر میں داخل ہو کر لوٹ مار اور قتل و غارت کی اجازت دیدی۔ ہلاکو خان کی وحشی فوجوں نے بلا امتیاز شیعہ سنی تمام مسلمانوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا اور بیس لاکھ آبادی کے اس شاندار شہر کو تباہ برباد کر دیا۔ مسلمانوں کے خون سے دریائے دجلہ کا پانی سرخ ہو گیا اور شہر کی گلیاں خون کی ندیاں بن گئیں۔ اس قدر تباہی و بربادی اور قتل و غارت کیا کہ اس وحشت و بربیت کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ ہلاکو خان

نے اس نمک حرام وزیر اعظم ابن علقمی کو بھی قتل کرا دیا جسکی غداری کی وجہ سے اس نے بغداد پر حملہ کیا تھا۔
خلیفہ المعتصم کا قتل، عباسی خلافت و حکومت کا خاتمہ، سقوط بغداد، لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام، اور مسلمانوں کے اس عظیم سیاسی، علمی اور روحانی مرکز کا خاتمہ اور یہ قیامت خیز حادثہ جس کی تاریخ عالم میں نظیر نہیں ملتی صرف شیعہ سنی، مذہبی فرقہ بندی اور اس سے پیدا ہونے والی منافرت، عناد، تعصب اور فسادات کا عبرتناک نتیجہ تھا۔ اور صرف طرفین کے علماء کرام ہی ذمہ دار تھے۔
کاش کہ علماء امت اللہ تعالیٰ کے اس واضح حکم کہ " اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور آپس میں فرقہ بندی نہ کرو" یعنی امت میں اتحاد و اتفاق، خلوص و محبت، مساوات و اخوت اور خیر سگالی اور رواداری کے تعلقات اور جذبات و احساسات قائم رکھو۔ آنحضرتؐ نے فرقہ بندی کو شرک قرار دیا ہے۔ جو ناقابل معافی گناہ عظیم ہے۔
1258 میں سقوط بغداد کے ساتھ ہی خاندان بنو عباس کی حکومت اور خلافت کا خاتمہ ہو گیا اور امت مسلمہ کے زوال کا پہلا دور اختتام پذیر ہوا۔

ملت اسلامیہ کے عروج کا دوسرا دور 1299ء تا 1566

چنگیز خان کے بعد وسط ایشیا کا دوسرا عظیم فاتح امیر تیمور تھا۔ جس کی اولاد میں سے ایک شاخ یعنی اس کے بیٹے عمر شیخ مرزا کے بیٹے ظہیر الدین بابر نے ہندوستان میں مغلیہ خاندان کی بنیاد ڈالی۔ بابر بادشاہ کی نسل سے ہندوستان میں عظیم الشان حکمرانوں کا سلسلہ 1707ء تک پورے ملک پر عزت و وقار اور شان و شوکت کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ ملک میں امن و امان، ترقی و خوشحالی، اور عظمت و وقار کا دور تھا اس دور میں اس خاندان میں اکبر اعظم، جہانگیر، شاہجہان، اور اورنگ زیب عالمگیر کے دور کو ملت اسلامیہ کے عروج و ترقی کا دور قرار دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد اس خاندان کا زوال شروع ہو گیا اور آخر 1857 میں انگریزوں نے مغلیہ خاندان کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

عثمانی ترکوں کی ابتداء 1299ء

عثمانی ترک اوغوز قبیلے سے تھے۔ یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کا چنگیز خان یا امیر تیمور کی نسل و قبیلہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ چنگیز خان کے مظالم سے بچنے کے لئے یہ مسلمان علاقے ایشیائے کوچک میں آ گئے جہاں سلجوق حکمران تھے اور قونیہ ان کا دارالخلافہ تھا اس اوغوز قبیلہ کا سردار ارطغرل تھا۔ ارطغرل نے ایک بار اچانک سلجوق سلطان علاؤالدین کی فوجی امداد کی جس نے خوش ہو کر ارطغرل کو رومی سرحد کے قریب ایک وسیع جاگیر دے دی۔ یہ عثمانی ترکوں کی ترقی کی ابتدا تھی۔ ارطغرل نے 1288ء میں وفات پائی اور اس کا بیٹا عثمان خان قبیلہ کا سردار بنا۔ یہی سلطنت عثمانیہ کا بانی تھا 1299ء میں علاؤالدین کیقباد سلجوق کی وفات کے بعد عثمان خان نے اپنی خود

مختاری کا اعلان کر دیا۔ اور اپنی ریاست کی توسیع کے لئے فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ رومیوں کو شکستیں دیتا ہوا بروصہ پہنچ گیا جو رومیوں کا بہت اہم شہر تھا۔ 1326ء میں اسکی فتوحات بحرہ اسود تک جا پہنچیں۔ اور بروصہ فتح ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد عثمان خان فوت ہو گیا۔ عثمان خان میں وہ تمام خوبیاں تھیں جو ایک بانی سلطنت کے لئے ضروری تھیں۔ عثمان خان کی وفات کے بعد 1326 میں اسکا بیٹا اورخان تخت نشین ہوا اورخان بڑا بہادر، عادل، خدا ترسی اور رعایا پرور تھا۔ اس نے پورے ایشیائے کوچک کو فتح کر لیا بلکہ اس سے خود قیصر روم نے مدد مانگی اسی پر اورخان یورپ میں داخل ہو گیا اور گیلی پولی اور آس پاس کے علاقے فتح کر لئے۔ وہ بہت بڑا فاتح اور عوام دوست تھا۔ اس نے بے شمار مساجد، خانقاہیں، مدرسے اور سرائیں بنوائیں اور دیگر بہت سے رفاہ عامہ کے کام کئے۔ اور خان نے ہی ترکوں کی مشہور فوج "ینی چری" کی بنیاد رکھی تھی جس کے معنی "جدید فوج ہیں"۔ اس نے علوم و فنون کی سرپرستی کی، اندرونی نظم و نسق بہترین اصولوں پر قائم کیا۔ مفید اصلاحات نافذ کیں اور خان نے تیس سال حکومت کی اور 1359 میں وفات پائی۔

سلطان مراد اول۔ 1359 تا 1389

مراد اول اورخان کا چھوٹا بھائی تھا۔ 1359ء میں تخت نشین ہوا۔ اس میں جنگی صلاحیت، حکمرانی کی قابلیت اور فتوحات کا جذبہ بدرجہ اتم تھا۔ اس نے اناطولیہ کو مکمل طور پر سلطنت ترکی میں شامل کرنے کے بعد یورپ کی کئی ریاستوں کو فتح کیا اور سلطنت ترکی میں شامل کیا۔ درہ دانیال کو عبور کر کے کئی قلعوں کو ایک ہی یلغار میں فتح کر لیا۔ مراد کی فتوحات سے یورپ کے سیاسی حلقوں میں کہرام مچ گیا۔ چنانچہ پوپ ہنم کی اپیل پر پولینڈ ہنگری، عروبیہ، بوسنیا اور ولاچیا نے متحدہ محاذ بنا لیا کہ مسلمانوں کو یورپ سے نکال باہر کریں گے۔ جب مراد نے یہ خبر سنی تو اپنے سپہ سالار شاہین کو دس ہزار فوج دے کر ان پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا اور خود بھی اسکی امداد کے لئے پیچھے روانہ ہو گیا۔ عیسائی فوج "اورنہ" سے قریب دریائے ماٹیزہ کے کنارے خیمہ زن تھی۔ شاہین نے رات کے وقت ان پر شبخون مارا اور انکی فوج کے بڑے حصہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس نے کوہ بلقان کے جنوبی تمام علاقے مملکت عثمانیہ میں شامل کر لئے۔ اور مراد نے ایشیا کی بجائے یورپ کی طرف فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس مقصد کے لئے بروصہ کی بجائے اورنہ کو اپنا دارالخلافہ بنا لیا۔ اس کے بعد چند سال کے اندر عثمانی افواج بلقانی ریاستوں میں پیش قدمی کرتی گئی۔ بلغاریہ، سرویہ، اور یونان کے حکمرانوں نے اطاعت قبول کر لی اور اپنی اپنی ریاستوں کے بڑے بڑے علاقے بھی حوالے کر دیے۔ اس طرح کوہ بلقان تک بلغاریہ کا سارا علاقہ مقدونیہ وغیرہ عثمانی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ ریاست حمید اور کرمانیہ نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح مجموعی حیثیت سے سلطان مراد کے تیس سالہ دور حکومت میں مملکت عثمانیہ کے رقبہ میں پانچ گنا اضافہ ہو گیا۔

1388 میں یورپ کی سات ریاستوں نے ملکر ترکوں کو یورپ سے نکالنے کی قسم کھائی اور ایک لشکر جرار تیار کیا۔ جنگ قوصوہ: 27 اگست 1389 کو قوصوہ کے میدان میں تاریخی جنگ ہوئی۔ سلطان مراد کی فوج کم تھی۔ رات کے وقت مراد نے عاجزی کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں لشکر اسلام کی فتح کے لئے دعا کی۔ خدا تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی دشمن کی فوج کو شکست فاش ہوئی اور ترکی فوج کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔ لڑائی کے بعد ایک مکار دشمن نے دھوکے سے سلطان کو خنجر سے زخمی کر دیا اور سلطان مراد شہید ہو گیا۔ میدان جنگ میں ہی فوج نے سلطان کے بیٹے بایزید یلدرم کو بادشاہ منتخب کر لیا۔ جنگ قوصوہ کے بعد عثمانی حکومت نے سرویہ، بلغاریہ، اور بوسینیا پر مکمل قبضہ کر لیا۔ سلطان مراد اول نے صرف فتوحات ہی حاصل نہیں کیں بلکہ بہت سی اصلاحات بھی نافذ کیں۔ ایک بہت بڑا بحری بیڑا بھی تیار کیا۔ ملک میں سیاسی استحکام پیدا کیا۔ امن و مان قائم رکھا فوج کی تنظیم نو کی اور قومی فوج قائم کی۔ مذہبی معاملات میں روادار اور فراخدل تھا اور اہل کلیسا کو مکمل آزادی دے رکھی تھی

سلطان بایزید یلدرم 1389 تا 1403

سلطان مراد اول کی وفات کے بعد اسکا بیٹا بایزید یلدرم تخت نشین ہوا۔ اس نے یورپ اور ایشیا میں شاندار فتوحات حاصل کیں۔ اس نے فوج کو منظم کیا اور مملکت کو سیاسی طور پر مستحکم کیا۔ اس نے قسطنطنیہ کے شہنشاہ کو مجبور کر کے ایک معاہدہ کے تحت اپنی بالا دستی تسلیم کرائی اور خراج وصول کیا۔ ولاچیا کو باجگزار بنایا اور بلغاریہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اسی دوران یورپ کی عیسائی ریاستوں نے پوپ کی زیر ہدایات ترکی کے خلاف متحدہ محاذ بنایا جس میں فرانس، برگنڈی اور بویریا بھی شامل تھے اور انہوں نے ایک لاکھ فوج تیار کی۔ بایزید ان کے مقابلہ کے لئے نکلا نائیکوپولس کے مقام پر دونوں فوجوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس میں بایزید کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ مسیحی فوج کچھ ماری گئی کچھ بھاگ گئی اور دس ہزار جنگی قیدی بنالئے گئے۔ اس کے بعد یونان کی سازش کا پتہ چلا۔ بایزید نے فوراً یونان پر حملہ کر دیا۔ سسلی اور دیگر مقامات پر قبضہ کر لیا اور بویریا بھی فتح ہو گیا۔ یونان سے فارغ ہو کر بایزید نے پھر قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا مگر بد قسمتی سے امیر تیمور نے بایزید پر حملہ کر دیا۔ دو عظیم مسلمان فاتحین کے درمیان 1402 میں انگورہ کے میدان میں اسلام کی تلوار اسلام کے خلاف چلی اور ملت اسلامیہ کو ناقابل تلافی نقصان ہوا۔ بایزید کو شکست ہوئی اور وہ گرفتار ہوا اور اس صدمہ سے وفات پا گیا۔ اگر امیر تیمور بایزید پر حملہ نہ کرتا اور سلطان بایزید یورپ میں اپنی پیش قدمی جاری رکھتا تو ترک فوجیں بایزید کے عہد میں ہی آسٹریا سے آگے نکل جاتیں اور بعد میں سلطان سلیم اور سلیمان کے دور میں سارا یورپ فتح ہو جاتا۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں کی اپنی بد قسمتی اور غلطیوں کی وجہ سے تیسری بار مسلمانوں کی یقینی فتح کی زد سے یورپ بچ گیا۔ پہلی بار حضرت فاروق اعظم کی بے وقت شہادت کے وقت جبکہ مسلمان قیصر روم کا قسطنطنیہ تک تعاقب

کرنے والے تھے ۔ دوسری بار جب موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد سپین اور جنوبی فرانس کی فتح کے بعد یورپ کے دیگر ممالک کی فتوحات کے لئے پیش قدمی کرنے والے تھے ۔ کہ خلیفہ ولید کی وفات کے بعد خلیفہ سلیماں بن عبدالملک نے انتقامی جذبہ کے تحت ان دونوں بہادر مجاہدوں کو انکے عہدوں سے برطرف کر دیا ۔ اور تیسری بار سلطان بایزید یلدرم پر امیر تیمور نے اس نازک موقع پر حملہ کر دیا جب ۔ قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اور فتح یقینی تھی اس کے بعد اس بہادر مجاہد نے یورپ میں اپنی مزید فتوحات کا سلسلہ شروع کرنا تھا ۔ لہذا تیمور کا حملہ اور بایزید کی شکست پورے عالم اسلامی کے لئے ایک قیامت خیز حادثہ تھا ۔

سلطان بایزید یلدرم ایک بلند حوصلہ بہادر حکمران تھا ۔ عظیم فاتح جس نے یورپ کے کئی ممالک کے متحدہ محاذ کی لپنے سے کئی گنا زیادہ فوج کو جو مذہبی جوش و جذبہ سے سرشار تھی شکست فاش دی ۔ وہ انصاف پسند ، عوام دوست ، علما و فضلاء کا قدر دان تھا اس نے غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی دے رکھی تھی جسکی وجہ سے وہ اپنی تمام رعایا میں ہر دلعزیز اور مقبول تھا ۔

محمد اول 1413 تا 1421

سلطان بایزید یلدرم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد اول تخت نشین ہوا ۔ اس نے اپنی حکمت عملی اور عسکری قابلیت سے تیموری حملہ کے اثرات دور کئے اور سلطنت میں سیاسی استحکام پیدا کیا ۔ اس کے عہد میں مکمل آزادی تھی وہ بڑا علم دوست اور انصاف پسند تھا ۔ اس نے 1421 ۔ میں وفات پائی ۔

سلطان مراد ثانی 1421 تا 1451

سلطان محمد اول کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان مراد ثانی تخت نشین ہوا ۔ اس نے ایشیا کوچک میں امن قائم کیا اور باغی ریاستوں کو دوبارہ زیر تسلط کیا ۔ اس نے پھر یورپ میں فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا پہلے سانولیکا کو فتح کیا پھر سرویہ کے بقایا علاقوں پر قبضہ کر لیا ۔ اس سے یورپ کے سیاسی حلقوں میں تشویش کی ہر ڈور گئی ۔ چنانچہ ایک عیسائی جرنل ہونیاڈے نے ہنگری سے امداد لے کر ترک فوج کو دو مقامات پر شکست دی ۔ ان کامیابیوں سے خوش ہو کر ہنگری ، پولینڈ ، بوسینا ، فرانس ، اور جرمن نے متحد ہو کر اس کو فوجی امداد فراہم کی اور جرنل ہونیاڈے نے ایک کثیر فوج کے ساتھ ترکی پر حملہ کر دیا ۔ ترکی کو شکست ہوئی اور ایک معاہدہ کے تحت سرویہ ، ولاچیا ، اور ہنگری کو آزادی ملی اور فریقین نے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ اپنی مذہبی کتب پر حلف اٹھا کر لیا ۔ مگر صلحنامہ کے ایک ماہ کے اندر عیسائی حکمرانوں نے معاہدہ شکنی کرتے ہوئے ترکی پر حملہ کر دیا ۔ ابتدا میں ترک فوج کو شکست دے کر عیسائی فوج اورنہ کی طرف بڑھی مراد ثانی چالیس ہزار فوج کے ساتھ اورنہ میں موجود تھا ۔ چنانچہ دونوں فوجوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس میں سلطان مراد کو فتح اور عیسائی فوج

کو شکست فاش ہوئی۔

اس کے بعد سرویہ۔ بوسینیا اور موریا کی حکومتیں مکمل طور پر ختم کر کے سلطنت ترکی میں شامل کر لی گئیں اس عہد شکنی کی مذمت کرتے ہوئے مشہور عیسائی مورخ لین پول لکھتا ہے کہ "جس طرح عیسائیوں کی اپنے عہد سے غداری اور حلف شکنی کو عملی جامہ پہنایا گیا اس سے یورپ کے وقار اور شہرت کی توہین اور نقص عہد کا اور کیا تصور ہو سکتا ہے"۔

اس جنگ کے بعد ان تمام ممالک کے ہزاروں لوگ ازخود مسلمانوں کے اخلاق و کردار اور انکی بہادری سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ جرنل ہونیاڈے جو جنگ سے فرار ہو گیا تھا کچھ عرصہ کے بعد ہنگری اور دوسری ریاستوں سے اسی ہزار فوج تیار کر کے پھر سلطان مراد پر حملہ آور ہوا۔ اور قوصوہ کے مقام پر دوسری جنگ ہوئی مگر عیسائی فوج نے مکمل شکست کھائی۔ مراد اس کے تین سال بعد وفات پا گیا۔

عیسائی مورخ گبن تحریر کرتا ہے کہ " مراد ایک عادل، بہادر، رحمدل اور علم دوست شہنشاہ تھا۔ اپنے مذہب پر سختی سے قائم مگر رواداری اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو مکمل آزادی تھی۔ رعایا خوش اور خوشحال تھی اس نے علوم و فنون کی سرپرستی کی اور اپنی غیر معمولی فوجی صلاحیتوں کی وجہ سے بڑی جنگی فتوحات حاصل کیں"۔ مراد نے اپنی سلطنت میں بڑی بڑی مساجد بنوائیں، مدرسے، ہسپتال اور سڑکیں تعمیر کرائیں۔ اس نے تمام جنگیں دفاعی لڑیں۔ توسیع پسند نہ تھا۔ بلکہ امن پسند تھا۔

سلطان محمد دوم۔ محمد فاتح 1451 تا 1481ء

سلطان مراد ثانی کے بعد سلطان محمد دوم تخت نشین ہوا۔ اور اس وقت سے قسطنطنیہ کی فتح کی تیاریاں شروع کر دیں۔ بڑی بڑی توپیں، کشتیاں، اور دیگر جنگی سامان تیار کرایا اور 1453 میں قسطنطنیہ پر حملہ کر دیا۔ رومیوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر حملہ زبردست تھا۔ اس لئے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔ باز نطینی حکمران شہنشاہ قسطنطین یاز دہم لڑتا ہوا مارا گیا۔ محمد فاتح اپنے امراء وزراء کے ساتھ ایک فاتح کی حیثیت سے قسطنطنیہ شہر کے اندر داخل ہوا۔ ایا صوفیہ کے گرجے میں ظہر کی نماز ادا کی۔ شہر کی عیسائی رعایا کو عام معافی کا اعلان کر دیا اور نا ہی کسی فوجی کو قتل یا قید کیا۔ قسطنطنیہ کا عظیم شہر جس کو ناقابل تسخیر تصور کیا جاتا تھا۔ محمد فاتح کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ جس کی تسخیر کے لئے امیر معاویہ کے دور سے مسلمان کوشش کر رہے تھے اور عثمانی حکمرانوں نے بھی گیارہ بار کوشش کی تھی مگر اس بار انکو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ اس کے بعد سلطان محمد فاتح نے یورپ کی ریاست کریمیا پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ بعد ازاں یورپ کی ریاست البانیہ، ہرزگونیا کو بھی فتح کر کے عثمانی سلطنت میں شامل کر لیا۔ پھر مجاہدین اسلام نے جنوبی اطالیہ کے کئی

شہروں کو فتح کر لیا۔ سلطان یورپ کی دوسری ریاستوں کی طرف پیش قدمی کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک فوت ہو گیا سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو ترک سلطنت کا دارالخلافہ بنا لیا۔ حضرت ایوب انصاری کے مزار پر حاضری دیکر فاتح پڑھی اور اس مقام پر عالی شان مسجد جامع ایوب کے نام سے تعمیر کرائی۔

سینٹ ایا صوفیہ کے گرجے کو مسجد ایا صوفیہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ مگر وہاں کی عیسائی رعایا اور کلیسا کے خود سلطان محمد فاتح حامی و سرپرست بن گئے۔ اس نے قسطنطنیہ کے غیر مسلم باشندوں کو ترغیب، یا جبر سے مسلمان بنانے کی کوشش نہ کی بلکہ ہر ایک کو مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ سلطان محمد فاتح کے عہد میں نہ صرف 29 مئی 1453 میں قسطنطنیہ فتح ہوا بلکہ جنوبی سرویا، البانیا، بوسینیا، اور کریمیا فتح ہوئے۔ وینس کو شکست دے کر ان سے سقوطری لے لیا اور جنوبی اٹلی پر حملہ کر کے کئی شہر فتح کر لئے۔

سلطان بایزید ثانی۔ 1481 تا 1512۔

سلطان محمد فاتح کے دو بیٹے تھے بڑا لڑکا بایزید اور چھوٹا جم (جمشید) تھا۔ بڑا بیٹا بایزید ثانی تخت نشین ہوا اور چھوٹا شہزادہ جم ناکام ہو کر یورپ چلا گیا اور وہاں ہی فوت ہو گیا۔ بایزید رحم دل، نرم مزاج اور عبادت گزار تھا اور اس کا رجحان شاعری، فلسفہ اور مذہبی تعلیم کی طرف تھا۔ عوام اسکو صوفی کہتے تھے اس کے عہد میں مصر کے مملوک حکمرانوں سے کئی جنگیں ہوئیں۔ وینس کے ساتھ کئی سمندری لڑائیاں ہوئیں۔ اور ترکی امیر البحر نے وینس کے بحری بیڑے کو شکست دے کر وینس کی بندرگاہ کیپانٹو پر قبضہ کر لیا۔ سلطان اپنے آخری ایام میں اکثر بیمار رہتا تھا اس کے چھوٹے بیٹے سلیم نے حکومت پر قبضہ کر لیا اور سلطان بایزید ثانی 1512 میں فوت ہو گیا۔

خلیفہ سلطان سلیم اول۔ 1512ء تا 1520ء

سلطان سلیم 1512 میں تخت نشین ہوا۔ سلیم اور اس کے بیٹے خلیفہ سلطان سلیمان اعظم کے عہد حکومت میں ترکی سلطنت اپنی عظمت و شوکت اور وسعت و طاقت کے لحاظ سے اپنی انتہائی بلندیوں تک پہنچ گئی اور یہی دور ملت اسلامیہ کے عروج و ترقی کا دوسرا عظیم الشان دور قرار دیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں سلطنت ترکی واحد سپر پاور تھی نہ صرف عسکری قوت و طاقت بلکہ وسعت رقبہ اور سیاسی استحکام امن و سلامتی، ترقی و خوشحالی عدل و انصاف، مذہبی آزادی اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لحاظ سے بھی قریباً پورا مشرقی یورپ ان کے ماتحت تھا۔ اور پورا یورپ ان کے نام سے کانپتا تھا۔ مشرق میں تمام دنیا اسلام ان کی سلطنت میں شامل تھی۔ جس طرح ولید بن عبدالملک کے عہد میں اموی حکومت دنیا کی واحد سپر پاور تھی اور دنیا کی کوئی حکومت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی اسی طرح سلطان سلیم اور سلطان سلیمان کی ترک سلطنت بھی دنیا کی سب سے طاقتور مہذب ترقی یافتہ اور وسیع و عریض حکومت تھی جس کا دنیا کی کوئی حکومت مقابلہ نہیں کر سکتی تھی اور اس لئے اس عہد کو ملت اسلامیہ کے عروج و

کمال کا دوسرا دور قرار دیا گیا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے ان کے بعد ترکی سلطنت اور ملت اسلامیہ کے دوسرے زوال و انحطاط کا دور شروع ہو گیا جو اب تک جاری ہے۔

سلطان سلیم نے اگرچہ صرف آٹھ سال حکومت کی لیکن اس کے عہد میں مشرقی علاقوں یعنی مسلمان ممالک کو اپنے قبضہ میں لاکر سلطنت کو وسعت دی امن و امان قائم کیا اور سیاسی استحکام پیدا کیا۔ اس زمانہ میں خلافت کا منصب بھی ترکوں کو مل گیا اور مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہوا اور وہ متحد و متفق ہو گئے۔

سلطان سلیم کے زمانہ میں ایران میں اسمعیل صفوی کی حکومت تھی۔ اس نے سلطنت ترکی میں مذہبی تبلیغ اور سیاسی سازشوں کا جال پھیلا دیا۔ سلطان سلیم ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ایران پر حملہ آور ہوا اور دیار بکر اور کردستان کو فتح کرتا ہوا۔ ایران کے دارالخلافہ تبریز پر قابض ہو گیا۔ شاہ اسماعیل صفوی نے 23 اگست 1514ء کو چالدبران کے مقام پر شکست کھائی اور سلیم نے مفتوحہ علاقے اپنی سلطنت میں شامل کر لئے۔ ایران سے فارغ ہو کر سلطان سلیم شام اور مصر کے مملوک حکمرانوں کے خلاف ایک لشکر جرار کے ساتھ روانہ ہوا۔ سلطان سلیم حلب، بیت المقدس، دمشق اور شام پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد مصر کی طرف بڑھا۔ قاہرہ کے قریب 22 جنوری 1517ء کو مملوک مصر طونان بے سے جنگ ہوئی وہ شکست کھا کر بھاگا لیکن گرفتار ہو گیا اور قتل کر دیا گیا۔ اور مصر ترکوں کے قبضے میں آ گیا۔ مصر اور شام کی فتح کے بعد حجاز کے حاکم نے عثمانی سلطنت کی اطاعت قبول کر لی۔ اور حرمین شریفین کی خدمت کا شرف سلیم کو حاصل ہو گیا۔ اس پر عباسی خلافت کے آخری خلیفہ المتوکل نے خلافت کے تمام حقوق و امتیازات اور مقامات مقدسہ کی کنجیاں معہ برکات نبوی مثلاً علم، تلوار اور چادر بطور سند خلافت سلیم کے حوالے کر دیے 1518ء میں قسطنطنیہ میں یہ تقریب خلافت منعقد ہوئی۔ اس کے بعد سلیم امیرالمومنین کہلاتے اور خطبات میں ان کا نام آئے گا۔

خلیفہ سلطان سلیمان اعظم 1520 تا 1566

خلیفہ سلطان سلیمان اعظم اپنے باپ سلیم کے بعد 1520ء کو تخت نشین ہوا اور چھیالیس سال حکومت کرتا رہا۔ اسے امور سلطنت کا کافی تجربہ تھا۔ سلطان عمدہ اخلاق، انصاف پسند، بہادر اور ہر دلعزیز تھا۔ اس کے نزدیک تمام رعایا بلا امتیاز نسل و قبیلہ، مذہب و ملت اور غریب امیر سب برابر تھے۔ سب کے ساتھ انصاف ہوتا اور سب کو مذہبی آزادی حاصل تھی۔ اس کے باپ نے اس کے لئے مشرق میں ایک وسیع و مستحکم حکومت چھوڑی تھی اس لئے اس نے یورپ کی ریاستوں کی طرف توجہ دی۔ اس نے ہنگری پر حملہ کر کے بلغراد کو فتح کر لیا۔ پھر روڈس کو فتح کیا۔ اس کے بعد جنیوا کو اپنا باجگزار بنایا اس کے بعد دوبارہ ہنگری پر حملہ کر کے اسکو فتح کر لیا پھر آسٹریا پر حملہ کیا اور ویانا تک پہنچ گیا۔ کچھ عرصہ بعد آسٹریا اور ٹرانسلوانیا کے علاقے فتح کر لئے۔ خلیفہ سلیمان کے دور میں یورپی

بحری بیڑے بڑے مضبوط تھے اس لئے عثمانی حکمرانوں نے بھی اپنے بحری بیڑے میں بے حد اضافہ کر لیا۔ ترکوں کے بحری بیڑوں نے کئی مرتبہ اسپین اور وینس کے طاقتور بحری بیڑوں کو زبردست شکستیں دیں۔ ترکی بحری بیڑے کا بحروم کے سمندری علاقوں پر پورا کنٹرول تھا۔ طرابلس اور الجزائر کی ریاستوں کو عثمانی بحری بیڑوں نے فتح کر کے ترک سلطنت میں شامل کیا تھا۔ خیرالدین باربروسہ عثمانی بحری بیڑے کا نامور امیرالبحر تھا جس کے نام سے یورپ کے بحری بیڑے کانپتے تھے۔ عدن کو بھی اسی بحری بیڑے نے فتح کر کے ترکی میں شامل کیا۔ 1532ء میں سلیمان نے یورپ کے سب سے بڑے حکمران چارلس پنجم کے خلاف فوج کشی کی اور ویانا تک پہنچ گیا لیکن صلح ہو گئی۔ ترکوں نے یورپ کو ویانا تک فتح کر لیا تھا۔ اگرچہ ترکوں کی فوجیں جرمنی میں راٹس بن تک پہنچ گئی تھیں جو بویریا میں ہے۔

شاہ ایران طہماسپ صفوی نے سلیمان کو یورپ کی جنگوں میں مصروف پایا تو تبریز پر قبضہ کر لیا۔ سلیمان یورپ سے واپس آیا تو ایک فوج تبریز بھیجی اور خود آرمینیا کی طرف بڑھا یہ فتح ہو گیا۔ سلطان سلیمان نے تبریز کے بعد بغداد پر قبضہ کر لیا۔ اور جارجیا اور ارض روم بھی اسی نے فتح کر لئے۔ اور سلطنت ترکی میں شامل کر لئے۔ خلیفہ سلطان سلیمان اعظم کی سلطنت تین براعظموں اور دو سمندروں پر مشتمل تھی۔ اس میں بیس مختلف نسلوں اور مذہبوں کے لوگ آباد تھے۔ مجموعی آبادی پانچ کروڑ تھی۔ لوگ خوشحال تھے کاشتکاروں کی حالت بہت اچھی تھی کیونکہ انکو زمین میں حقوق حاصل تھے۔ سلطنت کی آمدنی بے حساب تھی جس کے ٹھوس ذرائع تھے۔

سلطان سلیمان خود بھی بڑا عالم تھا اور علم کا قدر دان تھا۔ طالب علموں کو بے دریغ وظائف دیتا۔ اس نے تعلیمی درسگاہوں اور مدرسوں کی فراخدلی سے سرپرستی کی مکہ اور اور مدینہ میں دینی مدارس قائم کئے اور اشاعت اسلام اور دینی تعلیم کے لئے بہت سرگرم حصہ لیا۔

خلیفہ سلطان سلیمان اعظم نے 1566ء میں وفات پائی۔ اس کے انتقال کے بعد اس خاندان کے حکمرانوں نے 350 سال حکومت کی مگر سلیم اور سلیمان جیسا ایک بھی پیدا نہ ہوا۔ اور خلیفہ سلطان سلیمان اعظم کے بعد اس خاندان اور سلطنت کا زوال اور انحطاط شروع ہو گیا اور آخر 1923ء میں حکومت اور خلافت دونوں کا خاتمہ ہو گیا۔

ملت اسلامیہ کے زوال کا دوسرا دور 1566 تا 1923ء

ترک خلیفہ سلطان سلیمان اعظم کا عہد حکومت ملت اسلامیہ کے عروج و ترقی کا آخری دور تھا۔ اس وقت ترک سلطنت شان و شوکت قوت و طاقت، تہذیب و تمدن، ترقی و خوشحالی اور وسعت کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی واحد سپر پاور تھی۔ سارا یورپ اس سے خوفزدہ تھا۔ سلطان کی تمام مشرقی یورپ، شمالی افریقہ، مصر، شام

ایران ، اور جزیرہ نمائے عرب پر حکومت تھی ۔ مگر 1566ء میں سلطان سلیمان کی وفات کے بعد سلطنت ترکی اور ملت اسلامیہ کے زوال اور انحطاط کا دور شروع ہو گیا جو عین قانون مکافات عمل اور تاریخ کے غیر متبدل اور اٹل اصولوں کے مطابق تھا ۔ قدرت کی طرف سے ظلم یا بے انصافی نہ تھی 1923ء میں ترک بادشاہت اور خلافت کے ساتھ ہی یہ عثمانی ترکوں کا عظیم الشان دور اختتام پذیر ہوا۔

سلطان سلیمان کے بعد اس کا بیٹا سلیم ثانی تخت نشین ہوا ۔ اس کے عہد میں قبرص اور تیونس کی تسخیر عمل میں آئی کیونکہ اس وقت سلطان سلیمان کی قائم کردہ فوج ابھی باقی تھی اور اس کا رعب و دبدبہ بھی قائم تھا ۔ سلیم ثانی سے لے کر سلطان عبدالحمید ثانی تک قریباً چوبیس بادشاہ ہوئے ان میں بعض بہادر ، مدبر اور لائق حکمران بھی گزرے ہیں مگر حکومت میں جو بنیادی کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں اور زوال و انحطاط کے جو غیر متبدل اور اٹل اسباب پیدا ہو گئے تھے ۔ انکی وجہ سے یہ زوال لازمی اور اٹل تھا اسے کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی ۔ اس عظیم الشان سلطنت کے زوال کے اسباب مندرجہ ذیل تھے۔

1۔ تخت نشینی کے لئے شہزادوں میں جنگ چھڑ جاتی تھی اور سیاسی استحکام اور امن و سلامتی خطرہ میں پڑ جاتی تھی ۔ جو شہزادہ کامیاب ہو جاتا وہ دوسروں کو قتل کر دیتا یا قید کرا دیتا اور اگر وہ بھاگ کر غیر ممالک چلے جاتے تو حکومت کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو جاتے ۔ آخر فیصلہ ہوا کہ خاندان میں جو سب سے بڑا ہو وہ حکمران بنے مگر یہ تخت نشینی کا مسئلہ پھر بھی پوری طرح حل نہ ہو سکا۔

2۔ ینی چری فوج کے سالار تمام امور سلطنت کے مختار بن گئے اور وہ جسے چاہتے تخت پر بٹھاتے اور جسے چاہتے اتار دیتے ۔ اس طرح ملک کے اندر سازشوں اور بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ۔ اس عدم استحکام کی وجہ سے حکومت روبہ انحطاط ہو گئی۔

3۔ ترک قوم میں اپنے بزرگوں کی شجاعت بہادری ، جفاکشی ثابت قدمی ، سادگی اور جدوجہد کا جذبہ کمزور پڑ گیا ، حکمرانوں، عمائدین حکومت اور سرمایہ دار طبقوں میں عیش و آرام کا رجحان اور اخلاق و کرداری کا بحران شروع ہو گیا جس سے قوم زوال پذیر ہو گئی ، اور سلطنت کمزور ہوتی چلی گئی۔

4۔ مذہبی پیشواؤں کا اقتدار حکومت میں ناجائز عمل و دخل ۔ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات اور جدید دور کے تقاضوں کے مطابق جن فوجی ، سیاسی ، معاشی اور معاشرتی اصلاحات نئے علوم ، فنون سائنس و ٹیکنولوجی اور نئی ایجادات اور اختراعات اور ترقیاتی منصوبوں کی ضرورت تھی انکی مخالفت کی وجہ سے حکومت مغربی یورپ کی ترقی و ارتقا کی دوڑ میں ان کا مقابلہ نہ کر سکی ۔ پس ماندہ اور کمزور ہوتی چلی گئی ۔ حیران کن اور عبرتناک المیہ یہ ہے کہ اس زوال اور انحطاط کی ابتداء اس زمانہ میں ہوئی جب عیسائی یورپ کے عروج و ترقی کا دور شروع ہوا ۔ اس وقت قریباً سارا مشرقی یورپ ترکوں کے زیر تسلط تھا اور مغربی یورپ ان کے نام سے کانپتا تھا وہ دنیا کی واحد سپر پاور تھی ۔ ادھر

مغربی یورپ اپنے مطلق العنان حکمرانوں کی سیاسی غلامی، مذہبی پیشواؤں یعنی پوپ اور پادریوں وغیرہ کی ذہنی غلامی اور جاگیرداروں کی معاشی غلامی یعنی فرعون، ہامان اور قارون کے پنجۂ ظلم و استبداد میں جکڑا ہوا تھا۔ ستم ظریفی دیکھیئے کہ جوں جوں ملت اسلامیہ زوال و انحطاط کی پستی کی طرف بڑھتی گئی توں توں مغربی یورپ عروج و ترقی کی منازل طے کرتا ہوا ملت اسلامیہ کو اپنے سامنے سرنگوں کرتا چلا گیا۔ اس دردناک سانحہ کی وضاحت کے لیئے جدید یورپ کے ارتقا اور ترقی پر ایک نظر ڈالنی ضروری ہے۔ جب 1453ء میں ترکوں نے قسطنطنیہ کو فتح کر لیا تو وہاں سے یونانی و رومی مفکرین و دانشور علمی خزانہ یعنی کتب کو لے کر اٹلی۔ روم میں آگئے اور یہاں یونانی و رومی علوم و تمدن کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوششیں شروع کر دیں اور یورپ میں ایک ذہنی انقلاب کی ابتدا۔ ہو گئی۔ جس کو نشاۃ ثانیہ یعنی نئی زندگی اور نئے دور کا آغاز کہا جاتا ہے۔ دراصل یورپ میں نشاۃ ثانیہ کی ابتدا ان ارباب علم و دانشور کے ذریعے شروع ہو گئی تھی جو اندلس کی عظیم درسگاہوں قرطبہ اور غرناطہ وغیرہ سے ہر قسم کے علوم و فنون، فلسفہ و حکمت اور سائنسی علوم حاصل کر کے واپس اپنے ملکوں میں آتے تھے اور یہاں علم و ہنر کی روشنی پھیلاتے تھے۔ اس طرح در حقیقت یورپ کی نشاۃ ثانیہ اندلس اور قسطنطنیہ کے مسلمان علماء و فضلاء اور اساتذہ کی مرہون منت ہے۔ 1453 میں جب ترکوں نے یورپ کے ممالک کی ایشیا کے ممالک کے ساتھ تجارت کے راستوں پر قبضہ کر لیا تو یورپ کو اپنی تجارت کے لئے نئے راستوں کی تلاش کرنی پڑی۔ چنانچہ اسی تلاش میں 1492 میں کولمبس نے امریکہ دریافت کر لیا اور 1498 ۔ میں واسکوڈی گاما ایک عرب ملاح ماجد کی رہنمائی میں راس امید کا چکر کاٹ کر ہندوستان کے ساحل مالا بار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ نشاۃ ثانیہ اور نئے راستوں کی دریافت سے جدید یورپ میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں بتدریج انقلابی تبدیلیاں پیدا ہونے لگیں، بادشاہوں کا اقتدار اور پوپ کا اثر و رسوخ ختم ہونے لگا۔ عوام کی غلامی اور استحصال کی زنجیریں ٹوٹنے لگیں ان میں سیاسی و سماجی شعور اور شہری حقوق کا احساس پیدا ہونے لگا۔ عوام ذہنی غلامی اور معاشی، معاشرتی اور سیاسی حقوق کے غصب ہونے پر تنقید کرنے لگے۔ یورپ میں یہ ذہنی آزادی و حقوق و فرائض کا شعور، استحصال اور جبر و استبداد سے نجات اور انسانی انقلاب کا جذبہ، یہ مساوات اخوت، آزادی، عدل و انصاف، سیاسی و معاشی حقوق اور معاشرتی اصلاح کا احساس و شعور سب اندلس کا مرہون منت تھا۔ اب لوگ پوپ اور پادریوں کی ذہنی غلامی سے آزاد ہو کر ان علوم کی طرف متوجہ ہوئے جو مذہبی قیود سے آزاد ہوں۔ اب لوگ جہالت کی تاریکی سے نکل کر علم کی روشنی میں آنے لگے۔ نئے علوم اور تحقیقات کے دروازے کھل گئے اس عہد میں عظیم سائنسدان پیدا ہوئے جن کی ایجادات اور نظریات پر آئندہ سائنس کی ترقی کی بنیاد رکھی گئی۔ بارود کی ایجاد چھاپہ خانہ کی ایجاد، قطب نما کی ایجاد ہوئی۔ صنعت و حرفت اور تجارت کے فروغ سے شہروں کی ترقی ہوئی۔ اصلاح کلیسا کے لئے صدائیں بلند ہونے لگیں۔ ایک عظیم مفکر اور نقاد اراسمس نے 1516ء میں "عہد نامہ جدید" پر تنقید کی اور اس نے تحریک کے لے راستہ ہموار کیا۔ "معافی

ناموں " کی فروخت سے لوگ پوپ اور پادریوں سے شدید متنفر ہو گئے ۔ 1517ء میں مارٹن لوتھر نے نئے فرقہ پروٹسٹنٹ کی بنیاد رکھی ۔

آخر 1648ء میں صلح ویسٹ فیلیا میں رواداری اور مذہبی آزادی کا اصول تسلیم کر لیا گیا ۔ پوپ پادری اور راہبوں کو ان کے گرجوں اور خانقاہوں تک محدود کر دیا گیا ۔ اور اب وہ سیاسی ، قومی ، معاشی اور معاشرتی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لے سکتے تھے ۔

انقلاب فرانس 1789ء فرانس کے عوام کی معاشی و معاشرتی حالت بہتر بنانے اور سیاسی نظام عوام کی خواہشات کے مطابق چلانے کے لئے تعلیم یافتہ متوسط طبقہ نے جدوجہد شروع کی ۔ فرانس کے مفکرین اور دانشور مورخین نے انکی رہنمائی کی ان میں مانٹیکو 1689 تا 1755 نے تقسیم اختیارات کا نظریہ دیا یعنی انتظامیہ عدلیہ اور مقننہ کے جداگانہ ادارے ہوں گے تو ان کو صحیح آزادی مل سکتی ہے ۔ اسی کی مشہور کتاب " روح قوانین ہے " ۔

والٹیئر 1694 تا 1774 ۔ یورپ کا عظیم فلسفی تھا ۔ اس نے فرانس کے عوام میں انقلاب کی روح پھونک دی ۔ وہ پوپ پادریوں کا مخالف تھا کہ انہوں نے عوام کو ذہنی طور پر غلام بنا رکھا ہے ۔ وہ فکر و عمل کی آزادی کا حامی تھا ۔

روسو 1712 تا 1778 ۔ روسو عوام کو آزادی اور مساوات کا درس دیتا تھا ۔ روسو نے اپنی تحریوں سے عوام کے جذبات میں آگ لگا دی اس کا مشہور قول تھا کہ " انسان آزاد پیدا ہوا ہے لیکن حکمرانوں نے اسے ہر جگہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے " ۔ انقلاب فرانس کے بنیادی اصول آزادی ، مساوات اور اخوت تھے ۔ 1789ء کے انقلاب فرانس میں " اعلان حقوق انسانی " نے یورپ کی ترقی و عروج کے نئے باب کا آغاز کر دیا ۔ مگر افسوس کہ ترکی نے اس انسانی انقلاب ، ذہنی آزادی اور سیاسی ، معاشی ، معاشرتی ، علمی ، سائنسی ، صنعتی ، تجارتی ، اور ہر شعبہ زندگی میں عروج و ترقی سے کوئی سبق ، رہنمائی اور فائدہ نہ اٹھایا بلکہ وہی پرانا فرسودہ اور رجعت پسندانہ نظام اور جمود و سکوت چھایا رہے ۔

سلطان سلیم ثالث 1789

سلطان سلیم ثالث 1789 کو تخت نشین ہوا ۔ اس سال فرانس میں انقلاب آیا تھا ۔ سلیم نے حالات کو سدھارنے کی کوشش کی اور اصلاحات کا بیڑا اٹھایا نئے اصولوں پر جنگی سکول قائم کئے ۔ فنون جنگ کی کتابوں کے ترجمے کرائے ۔ فوجوں کی تربیت اور تنظیم کا سلسلہ شروع کیا ۔ توپیں ڈھالنے کے کارخانے بھی قائم کئے ۔ نئے اصولوں پر پہلا فوجی دستہ 1795 میں تیار ہوا ۔ اسکی تعداد بارہ ہزار تھی ۔ سلطان سلیم ثالث نے اور بھی مفید اصلاحات نافذ کیں مگر رجعت پسند پرانے خیال کے مذہبی پیشوا اور امراء وزراء اس کے خلاف ہو گئے اور 1807 میں

اس کو تخت سے اتار دیا گیا۔ اور مصطفیٰ چہارم کو اس شرط پر تخت پر بٹھایا کہ سلیم کی ساری اصلاحات منسوخ کر دی جائیں ۔ اس پر اصلاحات کے حامی اس کے دشمن ہو گئے ۔ اور اس کو تخت سے اتار کر سلیم کو دوبارہ بادشاہ بنانے لگے اس پر اصلاحات کے دشمنوں نے سلیم کو قتل کرا دیا ۔ اور محمود ثانی 1808ء میں بادشاہ بنا جو عام طور پر محمود مصلح کے نام سے مشہور ہے اس نے تمام پرانا نقشہ بدل دیا اور ہر شعبہ میں اصلاحات کا نقشہ تیار کیا ۔ سکول جاری کئے ۔ نظم و نسق حکومت کے طریقے بدلے ، فوج نئے سرے سے مرتب کی اور اس کو جدید طرز پر منظم کیا ۔ ینی چری فوج توڑ ڈالی ، محمود نے یورپی لباس اختیار کیا اور پگڑی کی بجائے ٹوپی کو رائج کیا گیا جسے "ترکی ٹوپی" کہتے ہیں ۔

سلطان محمود مصلح کے عہد میں مصر کے گورنر محمد علی پاشا نے اپنی خود مختار حکومت کا اعلان کر دیا ۔ انگریز سامراج اسکی پشت پر تھا ۔ یونان نے انگریز اور روس کی امداد سے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا ۔ فرانس نے الجزائر پر قبضہ کر لیا ۔ بوسنیا اور البانیا میں بھی بغاوتیں ہوئیں ۔ محمود مصلح 1839ء میں وفات پا گئے ۔ اس کے بعد سلطان عبدالحمید اول تخت نشین ہوئے اس کے عہد میں روس کے ساتھ جنگ ہوئی جسے جنگ کریمیا کہتے ہیں ۔ یہ 1855ء میں ختم ہوئی ۔ سلطان عبدالعزیز کے عہد میں مدحت پاشا نے دستوری حکومت کا نقشہ تیار کیا ۔ پارلیمنٹ بن گئی ۔ اصلاحات شروع ہوئیں مگر عبدالعزیز نے دستور اور پارلیمنٹ کو ختم کر کے پھر مطلق العنان بن گیا ۔ اس کے عہد میں ترکی میں " نوجوان عثمانی ترک " کے نام سے ایک خفیہ تنظیم قائم ہوئی ، مدحت پاشا نے عبدالعزیز کی معزولی کا فتویٰ لیا اور اسکی جگہ مراد خامس کو بادشاہ بنایا ۔ اسے بھی اسکے دماغ کی خرابی کی وجہ سے معزول کیا گیا اور سلطان عبدالحمید 1876ء میں بادشاہ بنا ۔ اس نے تخت پر بیٹھنے کے چھ ہفتے بعد مدحت پاشا کو وزارت سے علیحدہ کر کے قید کر لیا اور قید میں ہی اسکو مروا دیا گیا ۔ روس نے ترکی پر حملہ کر دیا اور روسی فوجیں ورنہ تک پہنچ گئیں ۔ اور خطرہ تھا کہ روس قسطنطنیہ اور درہ دانیال پر قابض ہو جائے گا ۔ 1878ء میں یورپ کی بڑی طاقتوں کی کانفرنس برلن میں پرنس بسمارک کی صدارت میں ہوئی ۔ اس کانفرنس میں ایک معاہدہ کے مطابق بلغاریہ ، سرویا ، رومانیہ اور مونٹی ہنگرو کو ترکی کے قبضہ سے آزاد کر دیا گیا ۔ اور اسٹریا کو بوسینیا میں عمل و دخل کا حق دیدیا گیا ۔

اس کے بعد سلطان نے اصلاحی تجاویز تیار کرنے کے لئے یورپی ماہرین کی خدمات حاصل کیں پھر انہیں موقوف کر دیا اور پارلیمنٹ توڑ دی کہ ترک ابھی پارلیمنٹ کے اہل نہیں ہوئے ۔ اس کے بعد سلطان اور قوم کے درمیان سخت اختلافات پیدا ہو گئے ۔ نوجوان ترکوں نے آزادی کی تحریک شروع کر دی ایک انجمن " اتحاد و ترقی کے نام سے قائم کی جس کا مقصد جمہوریت اور سیاسی حقوق کا حصول تھا ۔ محمود شوکت پاشا ، طلعت پاشا ۔ انور پاشا اور مصطفیٰ کمال پاشا اس تحریک آزادی کے سرگرم رہنماؤں میں سے تھے ۔ 1907 میں افواہ اڑی کہ روس ، برطانیہ اور فرانس نے ترکی کے حصے بخرے کر لینے کا فیصلہ کر لیا ہے ۔ بلغاریہ نے آزادی کا اعلان کر دیا ۔ اور آسٹریا نے ہرزی

گونیا پر قبضہ کر لیا۔اپریل 1909ء میں فوج نے بغاوت کر دی محمود شوکت پاشا قسطنطنیہ پہنچا اور سلطان عبدالحمید کو تخت سے اتار کر اس کے بھائی کو بادشاہ بنا دیا اور ترکی میں دستوری حکومت قائم ہو گئی۔

اس سے پیشتر انگلستان نے 1882ء میں مصر پر اپنا تسلط جما لیا، طرابلس عثمانی حکومت کا مقبوضہ علاقہ تھا اٹلی اسی پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتا تھا۔اٹلی نے 1911 میں طرابلس پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔روس کی سازشوں سے بلقان کی عیسائی ریاستوں نے عثمانی سلطنت کے خلاف اتحاد قائم کر لیا۔اور ترکوں کو یورپ کا "مرد بیمار" قرار دیکر ان کو یورپ سے نکالنے پر تل گئے۔

1912ء میں البانیا نے بغاوت کر دی اس کے بعد مانٹی نگرو نے ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔اس کے بعد سرویہ، یونان اور بلغاریہ بھی ترکوں کے خلاف ہو گئے۔ترکوں کا ان سب سے مقابلہ کرنا مشکل تھا انہیں شکست ہوئی۔قسطنطنیہ اور اس کے مضافات کے سوا سلطنت عثمانیہ کے تمام یورپی مقبوضات پر مخالف طاقتوں کا قبضہ ہو گیا اور ترکی کی حیثیت بالکل ختم ہو گئی۔1914 میں جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ترکوں نے جرمنی کا ساتھ دیا۔اس جنگ کے دوران انگریزوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے ترکوں کو وہاں سے نکال دیا۔شام اور حلب پر فرانس نے قبضہ کر لیا اور انگریز نے عراق اور موصل پر تسلط حاصل کر لیا۔1918 میں جنگ ختم ہوئی جرمن اور ترکی کو شکست ہوئی۔معاہدہ سیور کی رو سے جو ترک حکومت اور اتحادیوں میں ہوا۔فلسطین اور عراق کے علاقے انگریزوں نے ترکی سے حاصل کر کے اپنے قبضے میں کر لئے۔شام کا علاقہ فرانس کے حصے میں آیا۔جزیرہ نمائے عرب میں آزاد حکومت قائم کر کے شریف حسین کو وہاں کا حاکم تسلیم کر لیا گیا۔سمرنا اور تھریس کے علاقے یونان کو ملے ترکوں کے پاس صرف قسطنطنیہ اور اناطولیہ کے اندرونی علاقے رہ گئے۔

اتحادیوں نے یونان کو ترکی کے دوسرے علاقوں پر قبضہ کرنے کا مشورہ دیا تاکہ ترکی کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔اس المناک موقعہ پر اقبال نے کہا تھا۔

ؔ اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

مگر ترکی میں وطن پرست تحریک زور پکڑ گئی۔ان کا سربراہ مصطفیٰ کمال پاشا تھا۔اس نے ایک متحدہ قومی حکومت قائم کر لی اور وطن پرست ترک قسطنطنیہ میں داخل ہو گئے۔آخر معاہدہ لوزان کی رو سے ایڈریانوپل، تھریس اور سمرنا کے علاقے ترکی کو واپس مل گئے۔

یونانی فوج امریکہ، فرانس اور برطانیہ کے بحری بیڑوں کی حفاظت میں 15 مارچ 1919ء کو اناطولیہ پہنچائی اور ہولناک قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔قسطنطنیہ اور درہ دانیال پر اتحادی قابض ہو گئے تھے۔مصطفیٰ کمال نے فوری انتخابات کا اعلان کیا اور مجلس ملیہ منتخب ہوئی قسطنطنیہ کے مقابلے پر نئی حکومت بن گئی

جس کا مرکز انگورہ (انقرہ) قرار پایا۔ اتحادیوں نے ترکی کا فیصلہ کر کے سلطان وحید الدین کے 16 اگست 1920ء کو دستخط لے لئے۔ اس کے مطابق ترکی کی آزادی ختم ہوتی تھی۔ مجلس ملیہ نے اس معاہدہ کو مسترد کر دیا۔ روس میں زار روس کی حکومت ختم ہو چکی تھی۔ اور روسی کی نئی حکومت نے ترکی کی قومی حکومت کو تسلیم کر کے اس سے الگ معاہدہ کر لیا۔ فرانس نے بھی ترکی سے الگ صلح کر لی۔ مصطفیٰ کمال نے سکاریا کے کنارے یونانیوں کو شکست فاش دی اور ترک ستمبر 1922ء میں سمرنا پہنچ گئے۔ یونانی تسلط کا خاتمہ ہو گیا۔ اب اتحادی مجبور ہوئے کہ ترکی کی قومی حکومت سے معاہدہ کریں چنانچہ 4 جون 1923ء کو لوزان (سوئٹزرلینڈ) میں ترکوں اور اتحادیوں کے درمیان عہد نامہ ہو گیا۔ جس کی رو سے ترکوں کو اپنے علاقوں میں مکمل آزادی مل گئی۔ یہ عہد نامہ لوزان کہلاتا ہے۔ نئی حکومت نے انقرہ ہی کو دارالخلافہ رکھا۔ 31 اکتوبر 1923ء کو سلطنت اور خلافت کا خاتمہ کر دیا گیا اور ایک سیکولر جمہوری حکومت قائم کر دی گئی۔ مصطفیٰ کمال پاشا اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ ملک سے ملوکیت اور ملائیت کو رخصت کر دیا گیا جو اس عظیم سلطنت کے زوال کے زمہ دار تھے۔ اور جدید ترکی میں عزت و وقار اور ترقی و خوشحالی کے شاندار دور کا آغاز ہو گیا اور وہ شاہراہ ترقی پر تیزی کے ساتھ گامزن ہو گیا۔

اور مصطفیٰ کمال پاشا اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔

ملت اسلامیہ کے زوال و انحطاط کے دوسرے دور کا خاتمہ ہوا اور اس کے بعد قانون فطرت کے مطابق پھر ملت اسلامیہ کے مردہ اور شکست خوردہ جسم میں زندگی کی رمق پیدا ہوئی۔ بقول علامہ اقبال

عروقِ مردۂ مشرق میں خون زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

چنانچہ اس وقت قریباً پچاس ممالک میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور وہاں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں۔ اگرچہ یہ سب کی سب سیاسی اور فوجی لحاظ سے کمزور، معاشی لحاظ سے غریب اور معاشرتی لحاظ سے پس ماندہ اور غیر ترقی یافتہ جدید علوم و فنون اور سائنس و ٹیکنالوجی سے محروم ہیں مگر بظاہر ان کا مستقبل درخشندہ اور تابناک نظر آ رہا ہے۔ خصوصاً وسط ایشیا کی چھ سات ریاستوں کی آزادی و خود مختاری کے بعد ملت اسلامیہ کے عروج و ترقی کے تیسرے شاندار دور کی امید کی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ علماء امت قوم کی حالت پر رحم فرماتے ہوئے مذہبی فرقہ بندی اور منافرت کو ختم کر دیں۔ اور سیاستدان ذات پات کی اونچ نیچ، نسل و قبیلہ کے امتیازات اور وطنیت و قومیت کے تعصبات کو ختم کر کے ملی اتحاد، قومی یکجہتی اور سیاسی استحکام پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ یعنی بقول اقبال

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

اندلس میں مسلمانوں کا عہد حکومت

756ء تا 1492ء = 736 سال

خلیفہ ولید بن عبدالملک اموی کے دور خلافت میں موسیٰ بن نصیر گورنر شمالی افریقہ نے اسپین کے لوگوں کے اصرار پر کہ انکو راڈرک شاہ سپین کے مظالم سے نجات دلائی جائے اپنے ایک مجاہد سپہ سالار طارق بن زیاد کے زیر قیادت بارہ ہزار مجاہدین اسلام کا ایک لشکر اسپین کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ طارق بن زیاد کشتیوں کے ذریعے آبنائے جبرالٹر کو عبور کر کے سپین میں داخل ہو گیا۔ طارق نے ساحل سمندر پر کشتیاں جلا کر اپنے غازیوں پر واضح کر دیا کہ فتح یا شہادت دو ہی راستے ہیں واپس جانے کا سوال ہی نہیں۔ چنانچہ 19 جولائی 711 کو دریائے برباط کے کنارے پر طارق اور راڈرک کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس میں اسکی فوج قریباً ایک لاکھ تھی۔ راڈرک کو شکست فاش ہوئی وہ مارا گیا یا بھاگ گیا۔ اسی طرح اندلس میں مسلمانوں کی فتوحات کا آغاز ہو گیا۔ مختصر عرصہ کے اندر مجاہدین اسلام نے تمام سپین، پرتگال، اور جنوبی فرانس پر قبضہ کر لیا۔ موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کا پروگرام تمام یورپ کو فتح کرتے ہوئے مشرق کی طرف قسطنطنیہ تک پہنچنے کا تھا۔ مگر دریں اثنا ولید بن عبدالملک فوت ہو گیا اور اس کا جانشین سلیمان بن عبدالملک تھا جس نے موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کو ذاتی عداوت کی بنا پر معزول کر دیا۔ بلکہ انتقام کا نشانہ بنایا۔

اندلس 756ء سے 1492ء تک یعنی قریباً ساڑھے سات سو سال تک مسلمانوں کے زیر حکومت رہا۔ مسلمانوں کے اس طویل دور حکومت میں اسپین نے ہر شعبہ حیات میں بے انتہا ترقی و کمال حاصل کیا۔ صنعت و حرفت، تجارت، زراعت، جہاز سازی، کاغذ کی صنعت، فن تعمیر اور دیگر ہر قسم کے تعمیری و تخلیقی قابل فخر کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ عظیم علمی درسگاہیں قائم کیں اور سپین صدیوں تک یورپ کی وحشت و جہالت کی تاریکی میں تہذیب و ثقافت، علوم و فنون، اخلاق و انسانیت اور تعمیر و ترقی کی روشنی کا واحد مینار تھا۔ اس دور میں اندلس نے ہر قسم کے علوم و فنون، فلسفہ و حکمت، ریاضی، جراحی، علم ہیئت جغرافیہ، علم و ادب سائنسی علوم اور تہذیب و تمدن میں شاندار ترقی و عروج حاصل کیا۔ قرطبہ، غرناطہ اور دیگر شہروں میں بلند پایہ علمی درسگاہیں قائم کیں۔ جن میں تحقیق و تصنیف اور درس و تدریس کا بہترین انتظام و انصرام تھا۔ یونان کے مردہ علوم کو زندہ کیا۔ ان کی کتابوں کے تراجم کر کے شائع کئے گئے اور دیگر ہر قسم کا تعمیری و تخلیقی کام ہوتا رہا یہاں کی آبادی کی اکثریت تعلیم یافتہ، مہذب اور اخلاق و انسانیت کی اعلیٰ اقدار کی وجہ سے ترقی یافتہ تسلیم کی جاتی تھی۔ اسی زمانہ میں پورا یورپ وحشت و جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ یورپ کے لوگ جو علم و ادب، فلسفہ و حکمت، سائنس اور دیگر علوم و فنون کے شائقین تھے سپین کی ان عظیم درسگاہوں میں آکر تحصیل علم کرتے تھے۔ اس طرح یورپ کے ارباب علم و دانش کی بھاری اکثریت اسپین کی یونیورسٹیوں کی فارغ التحصیل تھی۔ الغرض یورپ کی نشاۃ ثانیہ ذہنی انقلاب،

تحریک احیاء، علوم اصلاح مذہب اور سائنس و ٹیکنولوجی اور دیگر علوم و فنون کی ترقی اسپین کے علما و مفکرین اور اساتذہ ہی کی مرہون منت تھی۔

اس سلسلہ میں ہم یورپ کے چند نامور مفکرین و مورخین کے خیالات و افکار کو پیش کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

1۔ رابرٹ بریفالٹ اپنی مشہور تصنیف "تعمیر انسانیت" میں رقمطراز ہیں "اصل نشاۃ ثانیہ 15 ویں صدی عیسوی میں اٹلی میں نہیں ہوئی بلکہ اس سے صدیوں قبل اسلامی اسپین کے ترقی یافتہ سائنسی عظیم تحقیقات سے ہوئی اور 15 ویں صدی کی اٹلی کی نشاۃ ثانیہ کی اصل بنیاد ثابت ہوئی۔ جبکہ اسپین کے اسلامی ترقیاتی دور میں یورپی ممالک میں عام جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ دوسری طرف اسلامی دنیا کے شہر قرطبہ، بغداد، قاہرہ، دمشق، سمرقند، بخارا، غزنی کے شہر تہذیب، تمدن، علوم و فنون و سائنسی تحقیقات کے بڑے بڑے مرکز تھے، یہاں بڑے بڑے کتب خانے تھے۔ ہر ایک میں لاکھوں کتابیں نادر نسخے، قلمی نسخے اور مختلف علوم پر تصانیف اور ان کے ترجمے موجود تھے۔ خود حکمران ان تعلیمی اداروں اور ماہرین تعلیم کی سرپرستی کرتے۔ اسی لئے یہاں سے بڑے بڑے مفکرین، فلسفی، سائنس دان، ہیت دان، ریاضی دان، ادیب، سفیر، ماہر فلکیات، سیاست دان اور تاریخ دان پیدا ہوئے۔

ایک ہسپانوی مورخ "کوندلے" یوں بیان کرتا ہے کہ "عربوں کے اخراج کے بعد ایک دائمی تاریکی نے اسپین پر اپنا تسلط جمالیا ایک ایسے ملک کو جسے عربوں نے اپنی عرق ریزی سے انتہائی عروج کے رتبہ تک پہنچا دیا تھا قدرتی مناظر تو وہی ہیں مگر لوگوں کا مذہب آج تبدیل ہو چکا ہے۔ ان کی سیرتیں، ذہنی اور اخلاقی قدریں پستیوں کا شکار ہو چکی ہیں۔ اسپین کے کھنڈرات زبان حال سے عربوں کے دور میں ملک کی گذشتہ عظمت کی گواہی دے رہے ہیں۔ یہ ٹوٹے پھوٹے نشان دردناک مگر صداقت بھرے لہجے میں چیخ چیخ کر پکار رہے ہیں۔

"مفتوح اور مغلوب عربوں کو لاکھوں سلام اور فاتح ہسپانیوں کے لئے رسوائی اور ذلت آمیز بربادی کا پیغام"

عظیم فلسفی، ریاضی دان مفکر برٹرینڈ رسل اعتراف کرتے ہیں کہ اسلامی خلافت کے زمانہ عروج میں یہ اسلامی سلطنت عظیم ترین رومی سلطنت سے بھی عظیم تھی۔ جو اس سے وسیع و عریض رقبہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی سیاسی برتری کے ساتھ ساتھ اسلامی دنیا میں سائنس، فلسفہ، ریاضی، طب، جراحی، علم ہیت، اور ہر قسم کے علوم و فنون کی ترقی اپنے نکتہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ جب کہ یورپ پس ماندہ اور جہالت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسپین جو مسلمانوں کے زیر تسلط تھا۔ وہاں کی اعلیٰ درجہ کی علمی اور سائنسی تحقیقات کی درسگاہوں میں یورپ کے طلبا عام طور سے جاتے اور وہاں سے نہ صرف جدید سائنسی علوم کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے یورپ آتے بلکہ وہاں کی تہذیب اور تمدن کو اختیار کرنے میں فخر محسوس کرتے۔ کیونکہ اسپین جو اس وقت مسلمانوں کے زیر تسلط تھا نہایت

شاندار تہذیب و تمدن اور اعلیٰ درجہ کی تعلیمی درسگاہوں کا مرکز تھا۔ اور اسی دور میں مسیحی یورپ جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔

اندلس میں مسلمانوں کا زوال اور خاتمہ 1492

اندلس میں مسلمانوں کے دور زوال و انحطاط کے آخری مرحلہ پر سلطان ابوالحسن غرناطہ کا آخری حکمران تھا۔ جو 1461ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے قسطلہ کے حکمران فرڈی نینڈ کو خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے اس نے غرناطہ پر حملہ کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔ ابوالحسن نے فرڈی نینڈ اور اسکی بیوی ازابیلہ کو شکست فاش دی اور اپنی آزادی و خود مختاری کو بحال کر لیا۔ فرڈی نینڈ نے ابوالحسن کے بیٹے ابو عبداللہ کے ساتھ سازش کر کے اس کو باپ کے خلاف بغاوت پر تیار کر لیا چنانچہ ابو عبداللہ نے ابولحسن کے خلاف بغاوت کر کے غرناطہ پر قبضہ کر لیا ابوالحسن اپنے بھائی زغل کے پاس مالقہ چلا گیا۔

1490 میں فرڈی نینڈ نے ابو عبداللہ کو حکم بھیجا کہ غرناطہ کو ہمارے حوالے کر دو۔ ابو عبداللہ مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا فرڈی نینڈ فوج لے کر پہنچ گیا اور غرناطہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابو عبداللہ نے افریقہ اور ترکی سے امداد مانگی مگر کسی نے کوئی امداد نہ کی۔ آخر ابو عبداللہ نے ایک معاہدہ کے تحت شہر فرڈی نینڈ کے حوالے کر دیا۔ 2 جنوری 1492 کو قسطلہ اور ارغون کی فوجیں غرناطہ میں داخل ہو گئیں اور اس نے جو معاہدہ ابو عبداللہ سے کیا تھا کہ مسلمانوں کی جان و مال محفوظ ہو گی اور ان کو مذہب اور تہذیب و ثقافت کی آزادی ہو گئی اسکو توڑ دیا۔ مسلمانوں کا قتل عام ہوا اور ان کو مجبور کیا کہ یا تو عیسائی ہو جاؤ یا ملک چھوڑ کر چلے جاؤ۔ چنانچہ لاکھوں مسلمان اندلس کو چھوڑ کر شمالی افریقہ ہجرت کر گئے۔ اس طرح اسپین سے مسلمانوں کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ جس ملک پر مسلمانوں نے ساڑھے سات سو سال تک انتہائی شان و شوکت اور عزت و وقار کے ساتھ حکومت کی تھی آج وہاں ایک مسلمان بھی نہیں ہے۔ یہ عبرت ناک انقلاب عین قانون مکافات عمل، قانون فطرت اور قانون تاریخ کے مطابق ہوا۔ کوئی ظلم یا بے انصافی نہیں ہوئی۔ مگر افسوس یہ ہے کہ امت مسلمہ نے اسی قیامت خیز المیہ سے کوئی عبرت یا سبق حاصل نہیں کیا بلکہ بقول علامہ اقبال

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
اور کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ہندوستان میں مسلمانوں کا عہد حکومت

1۔ محمد بن قاسم پہلا مسلمان فاتح تھا جس نے امیہ خاندان کے دور میں سندھ کو فتح کیا اور ملتان تک کے علاقے کو مملکت اسلامیہ میں شامل کر دیا۔

2۔ سلطان محمود غزنوی نے سترہ بار ہندوستان پر حملے کئے ہر بار بے شمار مال و دولت اور لونڈیاں و غلام بنا کر ساتھ لے جاتا مگر افسوس اس نے ہندوستان میں تبلیغ و اشاعت اسلام کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

3۔ شہاب الدین محمد غوری پہلا مسلمان حملہ آور تھا جس نے ہندوستان کے مختلف راجاؤں کو شکستیں دے کر ہندوستان میں مسلمان حکومت کی بنیاد ڈالی اور دہلی کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔1175 تا 1206 ۔

4۔ قطب الدین ایبک 1206 تا 1210 ۔ ۔پہلا حکمران تھا جس نے ہندوستان میں اپنی ایک خود مختار حکومت قائم کی۔یہاں مستقل قیام کیا اور باہر سے کوئی تعلق نہ رکھا۔

5۔ شمس الدین التمش ۔12011 تا 1230 ۔ بڑا بہادر مدبر اور کامیاب حکمران تھا کئی فتوحات حاصل کیں۔

6۔ رضیہ سلطانہ 1236 تا 1239 ۔ یہ سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی تھی اور باپ کی طرح بڑی بہادر اور عقلمند تھی۔

7۔ علاؤ الدین خلجی ۔1296 تا 1315 ۔ بڑا بہادر، مدبر اور فاتح بادشاہ تھا۔اس نے دکن کو فتح کر کے سارے ہندوستان پر حکومت کی۔

8۔ محمد تغلق ۔1325 تا 1351 ۔ بڑا قابل، لائق اور عالم فاضل بادشاہ تھا۔

9۔ ابراہیم لودھی ۔1451 تا 1526 ۔ ۔اس نے امیر تیمور کے خاندان کے ایک بہادر حملہ آور بابر سے پانی پت کے مقام پر مقابلہ کیا اور بہادری سے لڑتے ہوئے مارا گیا اور بابر نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔

ہندوستان میں مغلیہ خاندان کا دور 1526 تا 1857ء

ہندوستان میں مغلیہ خاندان نے قریباً تین سو سال تک حکومت کی اور اس میں بڑے بڑے عظیم حکمران تخت نشین ہوتے رہے ان میں خاص طور پر بابر، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر قابل ذکر ہیں۔ان کے عہد حکومت میں مسلمانوں کو بڑا عروج اور ترقی حاصل ہوئی۔انہوں نے شاندار فتوحات حاصل کیں اور بڑی مفید اصلاحات نافذ کیں۔عوام خوش و خوشحال تھے اور ملک میں امن و امان قائم رہا۔غیر مسلموں کو مذہبی آزادی تھی اور حکومت میں بڑے بڑے عہدے حاصل تھے۔

اورنگ زیب کی وفات 1707 کے بعد اس خاندان کے زوال کا دور شروع ہو گیا۔اور آخر 1857 کو انگریزوں نے اس خاندان کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے دہلی پر قبضہ کر لیا اور پھر قریباً تمام ہندوستان کو فتح کر کے سو سال تک ہندوستان پر حکومت کرتے رہے۔آخر 1947ء کو برصغیر ہندوستان کو پاکستان اور بھارت دو ممالک میں تقسیم کر کے پاکستان مسلمانوں کے اور بھارت ہندوستانیوں کے حوالے کر کے برطانیہ رخصت ہو گئے۔

انڈونیشیا و ملائیشیا میں مسلمانوں کا دور

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد دین اسلام جس سرعت اور تیز رفتاری کے ساتھ دنیا کے مختلف ممالک میں پھیلا اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی ۔ اس عظیم الشان کامیابی کی بنیادی وجہ نظریہ اسلام، نظام حیات اور اسلام کی حیات افروز تعلیم تھی جس کی بنیاد خالص توحید الہیٰ، آنحضرتؐ کی نبوت و رسالت اور روز قیامت پر ایمان اور اعمال صالح یعنی عالمگیر مساوات انسانی، اخوت اسلامی، عدل و انصاف، حریت و آزادی، حق و صداقت، سچائی باہمی خلوص و محبت اور اتحاد و رواداری پر قائم تھی ۔ بعض مخالفین اسلام کا یہ الزام کہ اسلام تلوار اور جبر و تشدد سے پھیلا تھا ۔ انڈونیشیا ملائیشیا اور چین کے بعض حصوں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ان کے اس الزام کی پرزور تردید کرتی ہے ۔ انڈونیشیا آبادی کے لحاظ سے اس وقت دنیا کی سب سے بڑی مسلمان مملکت ہے جسکی آبادی قریباً پندرہ کروڑ ہے ۔ وہاں کوئی مذہبی جنگ نہیں ہوئی ۔ وہاں اسلام صرف تاجروں اور مبلغین کے ذریعے پہنچا اور پھیلا ہے ۔ اسی طرح ملائیشیا بھی مسلم اکثریت کا ملک ہے ۔ وہاں بھی مبلغین، مصلحین، اور تجارت پیشہ مخلصین اسلام کے ذریعے اسلام پہنچا ۔ آج انڈونیشیا، ملائشیا، نیوگنی، فلپائن اور سنکیانگ و کاشغر وغیرہ میں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں ۔ ان ممالک میں اسلام کے عظیم علما، مفکر، مورخ علم و حکمت، فلسفہ و دانش مختلف علوم و فنون کے ماہرین سیاستدان وغیرہ پیدا ہوئے ۔ ان ممالک میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ تاجروں اور مبلغین و مصلحین کی کوششوں سے ہوئی اور ان علاقوں میں بھی امت مسلمہ کے عروج و ترقی کا شاندار دور شروع ہوا جو اب تک جاری و ساری ہے ۔

خالق کائنات و تخلیق آدم

خالق اور کائنات دو مختلف حقیقتیں ہیں۔ خالق اس کائنات کو پیدا کرنے والی عظیم ہستی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ کے متبرک نام سے پکارا جاتا ہے اور کائنات وہ مخلوق ہے جو اس نے پیدا کی ہے اور اس میں ہر ایک قسم کی مخلوق، جمادات، حیوانات، نباتات، اجرام فلکی اور زمین اور آسمان کے درمیان جو کچھ بھی ہے یہ سب اس کی مخلوق ہے وہی اس کا پیدا کرنے والا مالک و رازق ہے۔ اس کے غیر متبدل اور اٹل قوانین کے مطابق اس کائنات کا انتظام ابتدائے آفرینش سے چلتا آرہا ہے اور تاقیامت چلتا رہے گا وہ وحدہ لا شریک ہے اور کوئی ہستی ایسی نہیں جو اس کائنات میں اس کی مد مقابل ہو۔

کائنات کیا ہے؟ کائنات کے اندر ہماری کیا حیثیت ہے؟ اور ہمارا کیا مقصد حیات ہے؟ یہی وہ بنیادی سوالات ہیں جن کے اندر ہماری زندگی کی قدر و قیمت کا سارا راز پوشیدہ ہے۔ قرآن حقیقت کا ترجمان ہے اور خدا کا پیغام ہے جو بذریعہ وحی الٰہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اس کے مطالعہ سے کائنات کی غرض و غایت کی حقیقت تک پوری رسائی ہو سکتی ہے۔ جس حقیقت کی خبر قرآن نے دی ہے وہ کائنات کی کھلی ہوئی کتاب سے عیاں ہے۔ اس سے مکمل طور پر اس کی تصدیق ہوتی ہے اور حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کا یہی صحیح طریقہ ہے۔ کائنات ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کائنات کوئی واہمہ نہیں اور اس کے اندر کسی غیر حکیمانہ تخلیق و عمل کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی کائنات کے اندر جس نے بھی کچھ غور و فکر اور علم و حکمت سے کام لیا۔ اسے ماننا پڑا کہ کائنات کسی علیم و حکیم قادر مطلق خدا کی حکمتوں کا مظہر ہے وہ کسی عظیم، منصوبے کے تحت وجود میں آئی ہے، تو یقیناً حقیقت کی تلاش میں وہ ہماری رہنمائی بھی کر سکتی ہے قرآن حکیم کے نزدیک کائنات حکیم و خبیر خدا کی ایک ایسی تخلیق ہے جو انسان کی مادی ضروریات کی کفیل بھی ہے اور ساتھ ہی انسان پر زندگی کے راز کھول سکتی ہے جو محسوسات سے ماورا اور مادیات سے بالاتر ہیں۔ قرآن حقیقت کو کائنات کے مخصوص آئینے میں پیش کرتا ہے اور اس طرح پیش کرتا ہے کہ اس کے بعد اس کی نفی نہ صرف اپنے گرد و پیش کی نفی بلکہ خود اپنے وجود کی نفی ہوتی ہے "اسی نے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اپنی طرف سے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے بے شک اس میں ارباب فکر و نظر کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔" (الجاثیہ: ۱۳)

قرآن کی اس آیت میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ کائنات کی تمام چیزیں انسانوں کے لئے مسخر کی گئی ہیں اور اس تسخیر کے عمل میں انسان کی ذہنی و فکری رہنمائی کے لئے بہت سے دلائل پوشیدہ ہیں یہ پہلی حقیقت ہے کہ جس سے کائنات کے مطالعہ میں سب سے پہلے انکشاف ہوتا ہے۔ کائنات اور انسانی ضروریات میں انتہا درجے کا ربط پایا جاتا ہے۔ اگر انسان اس کے اندر غور و فکر سے کام لے تو یقیناً وہ اس سے ایسے نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ جو اس پر زندگی کی بیش قیمت حقیقتوں کے روشن کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔ کائنات کے اندر حاجت روائی کا نظم اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ کائنات کسی اندھی طاقت کے بل بوتے پر نہیں چل رہی ہے بلکہ اس کا کوئی خالق اور مدبر ہے جو ہماری ضرورتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر اسے چلا رہا ہے۔ کائنات کے اندر رحمت و شفقت، علم و حکمت اور مقصد و ارادے کی کار فرمائیاں ہر چہار طرف دکھائی دیتی ہیں جو ہمیں اس بات کا شعور بخشنے کے لئے کافی ہیں کہ ساری کائنات کسی رحیم و شفیق خدا کا زندہ کرشمہ ہے۔ حیرت انگیز قسم کی حاجت روائی کسی باکمال حاجت روا کے بغیر ممکن نہیں ہے انسانی وجود سے لے کر دور تک پھیلی ہوئی کائنات میں زمین سے آسمان تک کمال درجے کی ہم آہنگی، مطابقت اور یکجہتی پائی جاتی ہے۔ کائنات کے اندر حاجت روائی کا جو انتظام پایا جاتا ہے وہ ایسی بڑی حقیقت کا علم بخشتا ہے جو فکر و نظر کی دنیا میں انقلاب لانے کے لئے کافی ہے۔

کائنات کی تخلیق بے مقصد نہیں ساری کائنات انسان کے لئے ہے خدا نے اسے جو صورت بخشی ہے نہایت حسین و جمیل صورت ہے وہ احسن تقویم ہے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ خدا اسے بہترین وجود تو عطا فرمائے لیکن اس کا وجود معنوی اور مقصدی رعنائیوں سے بالکل خالی ہو۔ موت کو سفر حیات کی آخری منزل سمجھنا درحقیقت اس بات کا قائل ہونا ہے کہ انسان کی زندگی حقیقی مقصدیت اور معنویت سے بالکل تہی دامن ہے۔ اس طرح کا تصور خدا کے سارے تخلیقی کارناموں کی مکمل تردید کر دیتا ہے۔ یہ خیال دراصل خدا کی اس ہمہ گیر رحمت و شفقت کی کھلی تکذیب ہے۔ موت انسانی حیات کا خاتمہ نہیں وہ صرف ایک ابدی اور دائمی زندگی کا پیش خیمہ ہے۔

کائنات کے اندر ارتقاء کا قانون کار فرما ہے۔ ہر شے کی نشو و نما کا قدرت کی جانب سے مکمل انتظام ہے۔ ہر شے ناقص حالت سے بتدریج کمال کی جانب لے جاتی ہے ہر شے کو ارتقاء کی منزلیں طے کرنے کے لئے مختلف تغیرات و تحولات سے سابقہ پیش آتا ہے۔ ارتقاء کے لئے یہ انقلاب و تغیر ناگزیر ہے۔ ارتقاء کے اس ہمہ گیر قانون سے انسان مستثنیٰ نہیں ہے وہ ارتقائی مراحل سے گزر کر اپنی جوانی کو پہنچتا ہے۔ ارتقاء کا قانون اس کی پوری زندگی میں کار فرما ہے۔ قرآن خبر دیتا ہے کہ انسان کی زندگی ایک دوسری زندگی میں تبدیل ہونے والی موجودہ زندگی کی ارتقائی شکل ہوگی۔ حیات کا جسم سے انقطاع سرے سے حیات کا خاتمہ نہیں ہے۔

وحی پیغام رسانی کے اس مخفی سلسلے کو کہتے ہیں جو خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان انبیاء کی معرفت جاری

رہی ۔ انسان کے علاوہ دوسری مخلوقات کے سارے کام ایک غیر شعوری قسم کے طبعی میلان کے تحت انجام پاتے ہیں ان کی وحی ان کی جبلت ہوتی ہے جسے قانون فطرت کہتے ہیں۔

خالق کائنات نے راہنمائی کے سارے ذرائع مہیا کر کے حقیقت کو انسان کی نگاہوں سے چھپا رکھا ہے تاکہ اس بات کا امتحان ہو سکے کہ کون اپنی تلاش و جستجو اور غور و فکر سے خدا تک جو تمام موجودات کا منشا ہے رسائی حاصل کرتا ہے۔ اور کون اپنی مرضی اور اپنے ارادے و اختیار سے خود کو اس کی اطاعت بندگی میں دینے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ پوشیدگی اور پردہ داری سے مقصود دراصل انسان کے ضمیر و وجدان اور اس کے ارادہ و اختیار کی یہی آزمائش ہے۔ وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر انسان حقیقت کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا اگرچہ انسان کو عقل و شعور اور علم و حکمت ضرور دی گئی ہے لیکن انسان کی رہنمائی کے لئے وہ تنہا بالکل قاصر ہے ۔ اس کے علاوہ وحی الٰہی کا محتاج ہے انسان کے پاس صرف حسن عمل ہی ایک ایسا قابل قدر سرمایہ ہے جسے وہ اپنے خالق کے حضور پیش کر سکتا ہے ۔ انسانوں کی آزمائش اگر ہو سکتی ہے تو اس بات کے لئے عمل کے اعتبار سے ان میں کون زیادہ اچھا ہے ؟ قرآن کے نزدیک اس ارادہ و عمل کی آزادی سے مقصود انسانوں کی آزمائش ہے ۔ انسانی حیات سے مقصود ایسی بندگی ہے جسے انسان اپنی مرضی سے اختیار کرے ۔ جس کے اختیار کرنے میں اس پر کسی قسم کا جبر نہ ہو اس کے لئے ارادہ و عمل کی آزادی ناگزیر تھی۔ ارادہ و عمل کی اس آزادی نے انسان کو امتحان کے مقام پر کھڑا کر دیا ہے جس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے رہنمائی کے سارے ذرائع موجود ہیں۔ وحی الٰہی اس سلسلے میں ہماری دستگیری کرتی ہے ۔ خود کائنات کے واضح اشارے اور قدرت کی نشانیاں اس کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ اب انسان کا یہ اپنا فرض ہے کہ وہ وحی الٰہی کی روشنی میں اور کائنات کی راہنمائیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے اندر غلط اور صحیح تمیز پیدا کریں۔ اور اپنے لئے زندگی کا طریقہ اختیار کریں جو امتحان میں کامیاب ہونے کا ضامن ہو سکے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور رحمت کی واضح نشانیاں پیش کی ہیں۔ صحیح فکر و نظر کے ساتھ درحقیقت اس والہانہ کیفیت کا نام ایمان ہے۔ جن حقیقتوں کی طرف قرآن نے انسان کو دعوت دی ہے۔ وہی زندگی کی سب سے زیادہ قابل قدر حقیقتیں ہیں اور پوری کائنات ان ہی حقیقتوں کی زندہ تصویر ہے۔

خالق کائنات

اس عظیم کائنات کا خالق ، مالک اور رازق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو وحدہ لا شریک ہے یعنی دنیا میں ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے اور تمام کائنات میں اسی کا قانون جاری و ساری ہے جو غیر متبدل ، اٹل اور سب کے لئے یکساں ہے ۔ توحید ایک واضح اور جانی پہچانی حقیقت ہے اگر انسان کی صحیح اور سلیم فطرت پر جہالت ، تعصب ، ہٹ دھرمی ، باپ دادا کی اندھی تقلید اور توہمات کے پردے نہ پڑے ہوں تو علم و عقل کا عین تقاضا توحید

خالص پر ایمان ہے ۔ قرآن توحید کا سب سے عظیم مستعد اور پرزور داعی ہے جو توحید کا جامع، مکمل اور واضح تصور پیش کرتا ہے ۔ قرآن توحید کی پرزور دعوت دیتا ہے اور علم و دلائل کی روشنی میں ثابت کرتا ہے کہ نوع انسانی کی فلاح و بہبود اس حقیقت سے وابستہ ہے کہ انسان خدا کی توحید کو قبول کرے جرات و عزم کے ساتھ اس کا اظہار کرے اور قلب و دماغ کو شرک کی ہر آمیزش سے پاک کر کے کامل یکسوئی کے ساتھ توحید کی شہادت دے اور توحید ہی کی بنیاد پر اپنے فکر و عمل کی تعمیر کرے ۔ یہ دل کی دنیا بدل دینے والا ایک ایسا انقلابی عقیدہ ہے جس کا عملی زندگی سے گہرا تعلق ہے ۔ توحید ایک ایسا انقلاب انگیز عقیدہ ہے جو افراد اور سماج کے فکر و نظر ۔ اخلاق و کردار، تہذیب و تمدن اور سلوک و معاملات میں ایک نمایاں اور ہمہ گیر تغیر پیدا کر دیتا ہے ۔ دنیا میں ایک پاکیزہ باعزت، کامیاب اور بامراد زندگی توحید کو اپنا کر ہی حاصل کی جا سکتی ہے ۔ اور مرنے کے بعد دنیا میں بھی عزت، عظمت، سرخروئی، خدا کی خوشنودی اور دائمی فلاح و کامرانی صرف اسی کا حصہ ہے جو اس دنیا میں خلوص کے ساتھ توحید خالص پر ایمان لائے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرے ۔ توحید سے محروم انسان، علم و بصیرت، عدل، حکمت، عزت، شرافت ہدایت و معرفت، فلاح و بہبود اور ہر خیر سے محروم ہے ۔ یہ ساری کائنات اور خود انسان ایک خدا کی تخلیق ہے اس کے سوا نہ کوئی دوسرا خالق ہے اور نہ کار تخلیق میں کوئی دوسری ہستی اس کی شریک ہے ۔ اس نے کسی مثال کے بغیر محض اپنے حکم و ارادے سے اس کو پیدا کیا اور اسی کے حکم و ارادے سے قائم ہے ۔ وہ کائنات کو پیدا کرنے کے بعد اس سے بے تعلق نہیں ہو گیا بلکہ وہ اس پر برابر حکمرانی کر رہا ہے وہ کائنات کا حقیقی مالک ہے زمین و آسمان میں اسی کا حکم چل رہا ہے ۔

" کائنات کی ہر چیز فنا ہو کر رہے گی صرف خدا کی ذات ہمیشہ رہنے والی ہے ۔ " اور کوئی خدا نہیں ہے مگر اللہ جو اکیلا ہے اور سب پر حاوی ہے جو مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان ساری چیزوں کا جو زمین و آسمان کے درمیان ہیں ۔ "

وہ ہر چیز پر قادر ہے کوئی چیز اس کی قدرت و اختیار سے باہر نہیں ۔ نفع و نقصان صحت و بیماری، عزت و ذلت، دولت و حکومت، رزق، اولاد، زندگی اور موت سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اور سب کچھ اس کی طرف سے ہے ہر چیز کے خزانے اس کے پاس ہیں ۔ روزی میں تنگی اور فراخی اسی کے ہاتھ میں ہے وہ ذات و صفات اور حقوق و اختیار میں اکیلا ہے کوئی اس کا شریک اور ہم سر نہیں ۔ وہی معبود ہے بندگی، پرستش، اطاعت، غلامی، سجدہ، رکوع، قربانی صرف اسی کا حق ہے یہ اس کا قانون جائز اور صحیح ہے ۔ صرف وہی اپنے بندوں کا فرمانروا اور مقتدر اعلیٰ ہے اس کے سوا سب اس کے بندے ہیں ۔ قانون خدا ہی بناتا ہے اور اپنے بندوں میں کسی اچھے اور برگزیدہ انسان کو منتخب کر کے وحی کے ذریعے اس پر قانون نازل فرماتا ہے اور اس کو اپنا رسول مقرر کرتا ہے ۔ خدا نے اپنے رسول ہر دور اور ہر قوم میں مقرر فرمائے ۔ یہ رسول خود بھی اس قانون کی کامل پیروی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس

قانون کی اطاعت کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ رسول خدا کی نگرانی میں انسانی معاشرہ کی اصلاح کرتے ۔ فتنہ فساد اور برائیوں کو مٹانے اور خدا کی مرضی اور ہدایت کے مطابق ایک اچھے اور پاکیزہ معاشرے کی تعمیر کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے ساتھ ہی یہ سلسلہ نبوت اختتام پذیر ہوا اور اللہ تعالیٰ کے قوانین احکام ، ہدایت قرآن حکیم میں قیامت تک کے لئے محفوظ ہیں اور خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر لے رکھی ہے۔ قرآن نے توحید کے ایک ایک گوشے پر نہایت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے اور نہایت فطری انداز میں کائنات کی تخلیق ، نظام کائنات ، مظاہر کائنات اور خود انسانی وجود سے ایسے دلنشین اور بصیرت افروز دلائل مہیا کیے ہیں اگر انسان انصاف اور سچی طلب کے ساتھ ان پر غور کرے تو وہ قرآن کی پیش کردہ حقیقت کو اپنی فطرت کے عین مطابق پائے گا اور اپنے قلب میں یقین و ایمان کی ٹھنڈک اور سکون محسوس کرے گا۔

خدا کا وجود، ایک واضح اور جانی پہچانی حقیقت ہے ۔ اگر کوئی ہٹ دھرم خدا کا انکار کرنے کی جہالت کرے بھی تو وہ اس انکار پر اپنے قلب میں مطمئن نہ ہو گا۔ اس کی روح میں سکون ، اطمینان نہ ہو گا۔ یہ وسیع و عریض کائنات ، یہ خوش منظر آسمان اور اس کے نیلگوں دامن پر قرینے سے بکھرے ہوئے ان گنت چمکتے نگینے ، زمین کو حرارت پہنچانے غلوں اور پھلوں کو پکانے والا نور افشاں سورج ، ٹھنڈی اور وجد انگیز چاندنی والا خوش نما چاند ، سورج چاند کا انتہائی منظم انتظام ، طلوع و غرب ، روز و شب کی آمد و شد ۔ یہ دن کی ہما ہمی ۔ رات کی خاموشی اور سکون ، یہ پانی سے لدی ہوئی ہوائیں اور ان کی گردش کا حکیمانہ انداز ، یہ ہر قسم کے خزانے اگلنے والی زمین ، قسم قسم کے غلے ، یہ میوے اور ترکاریاں اتھاہ سمندر اور اس کے سینے کو چیر کے چلنے والی سبک رفتار کشتیاں اور دیو ہیکل جہاز اور خشکی و تری میں رہنے والی بے حد و حساب مخلوق کی رزق رسانی کا حیرت انگیز انتظام ، گھنے جنگلات ، اونچے اونچے پہاڑ ، ہرے بھرے لہلہاتے کھیت ، یہ حقیر ترین بوند سے ماں کے پیٹ کی تہہ بہ تہہ تاریکیوں میں پرورش پانے والا اور غیر معمولی صلاحیتیں رکھنے والا تخلیقی شاہکار اور اس کی تربیت اور پرورش کا بصیرت افروز نظام ۔ غرض کائنات کی ایک ایک چیز پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ خدا کی ہستی یقینی ہے اور وہی ہر چیز کا بہترین خالق ہے۔ زمین و آسمان کی یہ عظیم الشان سلطنت ، اس کا حیرت انگیز اور با مقصد نظم و ضبط ، فضائے کائنات میں بے شمار سیاروں کی نتیجہ خیز اور مربوط گردش ، کائنات کی بے حساب قوتوں میں معنی خیز توازن اور تناسب اور بحیثیت مجموعی کائنات میں غیر معمولی موافقت و ہم آہنگی اور زبردست طبعی قوانین کی مربوط پابندی اس حقیقت کی زندہ شہادت ہے کہ اس عظیم کارخانے کو چلانے والا ایک ہی علیم دانا بینا خدا ہے ۔ اس زبردست نظام میں نہ کسی دوسرے کو دخل ہے اور نہ چند طاقتیں مل جل کر اس نظام کو چلا رہی ہیں۔

" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ جاوید ہے تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے نہ اسے اونگھ آتی ہے

اور نہ وہ سوتا ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت کے لئے زبان کھولے؟ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی واقف ہے اور انسان اس کے علم میں کسی بات کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔ سوائے اتنی بات کے جتنے کہ وہ علم خود انسان کو دینا چاہے اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اس کے لئے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں وہ بڑا ہی بلند مرتبہ اور صاحب عظمت ہے۔"

دراصل "توحید" روشنی، ہوا، اور پانی کی طرح خدا کی عام نعمت ہے۔ یہ مسلمان قوم کی کوئی مخصوص چیز نہیں ہے بلکہ ہر انسان کے دل کی آواز۔ ہر فطرت کی پکار اور ہر شخص کا اصل سرمایہ ہے توحید کی برکتیں کسی خاص قوم، کسی خاص نسل، کسی خاص طبقے اور ملک کے لئے محدود اور مخصوص نہیں ہیں بلکہ سارے انسانوں کے لئے عام ہیں۔ خدا ساری کائنات کا پیدا کرنے والا اور سارے انسانوں کا مالک و پروردگار ہے۔ اس کی توحید کا پیغام اس کے تمام بندوں کے لئے ہے۔

توحید عالم انسانیت کی متاع اور قوت ہے اور توحید سے محروم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ۔

"آدمی اپنی حقیقت سے ناآشنا ہے۔"

"اپنے اور اپنے خدا کے صحیح تعلق سے محروم ہے۔"

"اپنی عظمت اور حیثیت کے شعور سے بے بہرہ ہے۔"

اور اس سرچشمہ خیر، سرچشمہ اخلاق اور فلاح و نجات سے محروم ہے جس کا دروازہ خدا نے اپنے تمام بندوں کے لئے کھول دیا ہے اور وہ بلا امتیاز ہر ایک کو اس میں داخل ہونے کی دعوت دیتا ہے چاہے کسی بھی نسل اور طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔ کسی خطہ زمین کا باشندہ ہو۔ یہاں کسی قوم اور طبقے کی اجارہ داری نہیں ہے جو شخص بھی سچے دل سے توحید کی دعوت قبول کر کے اس کے مطابق اپنے فکر و عمل میں انقلاب لائے گا وہ دنیا میں بھی رفعت و عظمت سے ہمکنار ہو گا اور آخرت میں بھی فلاح پائے گا۔

توحید کا ایک ہی صحیح تصور ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے اس کے خلاف جو تصورات بھی پیش کئے جاتے ہیں وہ سراسر باطل اور ناقابل قبول ہیں۔ اس عظیم دعوے کی بنیاد تعصب اور تنگ نظری پر نہیں بلکہ علم و فضل، عقل و شعور اور جذبہ حق پسندی پر ہے اور اس دعویٰ کی سچائی تھوڑے سے غور و فکر سے باآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔

تحقیق طلب بات صرف یہ ہے کہ خدا کی ذات و صفات کا وہ صحیح علم اور اس کی صحیح بندگی کا وہ مستند اور مقبول طریقہ کیا ہے۔

قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ توحید کا صحیح علم اور بندگی خدا کا صحیح طریقہ صرف وہی ہے جو قرآن پیش کرتا ہے اس

کے خلاف جو تصور توحید اور طریقہ بندگی بھی ہے وہ سراسر باطل اور خلاف حقیقت ہے اس دعویٰ کی اطمینان بخش دلیل خود قرآن اور اس کی تعلیمات ہیں۔

قرآن پاک ایک جامع، مربوط، واضح اور مکمل کتاب ہے۔ یہ ہر اختلاف اور تضاد سے پاک ہے۔ اس کی تعلیمات علم و عقل کی کسوٹی پر پوری اترنے والی اور قابل عمل ہیں۔ یہ علم و حکمت کا سرچشمہ اور فصاحت و بلاغت کا بے مثل نمونہ ہے۔ اس کی ہدایت کے وسیع علم، بے خطا نقطہ نظر، غیر جانبداری اور حقیقت و صداقت کی آئینہ دار ہیں۔ اس کے اصول نہایت جامع، لچک دار ہر دور کی ضرورت کے لئے مفید اور کار آمد ہیں۔

ایک ایسی عظیم کتاب وہی خدا نازل کر سکتا ہے جس کا علم پوری کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہو۔ جس کے لئے ماضی اور مستقبل سب حاضر ہوں جس کے نقطہ نظر میں تنگی اور خطا کا امکان نہ ہو۔ انسان کی ہر ضرورت اور فطرت کے ہر تقاضے کا مکمل اور یقینی علم رکھتا ہو اور جو انسان کی نفسیات اور عمل و اجتہاد کی کوششوں سے پوری طرح باخبر ہو۔ جو اپنی تمام تر علمی ترقیوں کے باوجود کائنات کے بہت تھوڑے حصے کے بارے میں بہت محدود سا علم حاصل کر سکا ہے۔ جس کو اپنی تاریخ کا بھی کامل علم نہیں ہے اور پھر اس کا علم کو تاہی اور خطا سے محفوظ بھی نہیں۔ قدم قدم پر اس کے علم کی کوتاہی اور غلطی سامنے آتی رہتی ہے۔ یہ انسان قرآن جیسی جامع اور مکمل کتاب کب تصنیف کر سکتا ہے کتاب تصنیف کرنا تو درکنار یہ تو قرآن جیسی ایک سورت بھی مرتب نہیں کر سکتا۔

قرآن چودہ صدیوں سے برابر چیلنج کر رہا ہے جو لوگ بھی قرآن کو خدا کا نازل کیا ہوا ہدایت نامہ نہیں مانتے اگر وہ سچے ہیں تو اپنے علم و دانش کا پورا زور لگا کر اس جیسی ایک ہی سورت تصنیف کر لائیں اور پھر یقین کی پوری قوت سے اعلان کرتا ہے کہ وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔

قرآن کا یہ دعویٰ کہ خدا کی معرفت اور اس کی بندگی کا صحیح علم وہی ہے جو قرآن پیش کر رہا ہے اور انسانیت کی کامیابی اور فلاح اس کو قبول کرنے میں ہے، اسی لئے خدا کا نازل کیا ہوا آخری مستند اور محفوظ ہدایت نامہ ہے ایک ایسا چونکا دینے والا دعویٰ ہے جو ہر باشعور اور طالب حق کو جھنجھوڑتا ہے کہ اگر وہ واقعی اپنی بھلائی چاہتا ہے تو جہالت تعصب، لاپروائی، آبا کی اندھی تقلید اور ہٹ دھرمی کی روش چھوڑ کر صاف دل و دماغ کے ساتھ سنجیدگی سے اس دعوی پر غور کرے اور خدا نے سوچنے، سمجھنے، دیکھنے، سننے اور فیصلہ کرنے کی جو قوتیں دے رکھی ہیں ان سے کام لے کر اپنی زندگی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے اس لئے کہ اگر زندگی کی صحیح تعمیر ہوگی تو دنیا میں بھی کامیاب رہے گا اور مرنے کے بعد بھی فلاح و نجات سے ہمکنار ہوگا۔

توحید کے باب میں جو بات سب سے مشکل اور نازک ہے وہ یہ ہے کہ توحید کو پوری طرح سمجھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا جس قدر ضروری اور اہم ہے، اسی قدر دشوار اور مشقت طلب بھی ہے۔یہی وجہ ہے کہ انسان یہ خواہش رکھنے کے باوجود کہ وہ توحید پر عامل ہو اور یہ دعوی کرتے ہوئے کہ وہ موحد ہے بالعموم شرک بدعت سے اپنا دامن

بچانے میں کم ہی کامیاب ہو پاتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل توحید ہی وہ بنیادی مسئلہ ہے جس پر روز اول سے کفر و اسلام کے مابین جنگ و جدل جاری ہے کیوں کہ توحید ہی تمام اعمال صالح کی اصل اور ایمان و اسلام کی روح ہے اگر توحید نہیں تو نہ ایمان ہے نہ اسلام۔ توحید کے بغیر تمام نیک عمل بیکار ہیں اور نجات کی پہلی شرط بھی توحید ہے شرک کی موجودگی میں انسان کی نجات ناممکن ہے ارشاد باری تعالی ہے۔

" اللہ بس شرک کو معاف نہیں کرتا اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے "۔

توحید اسلام کا رکن اول اور دین کا وہ اصل اصول ہے جس کے بغیر اللہ کے ہاں انسان کا کوئی عمل دخل قابل قبول نہیں اور دین و دنیا میں کسی طرح کی سعادت و کامیابی کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں ۔یہی وجہ ہے کہ ہم من حیث القوم مسلمان اور موحد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں باوجود عملاً ایسے بہت سے اعمال و افعال کا ارتکاب کرتے ہیں جس کا حقیقی دین توحید یعنی اسلام سے دور کا واسطہ نہیں بلکہ ایسے تمام افعال و اعمال اور رسم و رواج توحید کے مفہوم سے یکسر متضاد اور متصادم ہیں ۔اور یہ سب انسان کی جاہلیت کی پیداوار ہیں یا پھر بگڑے ہوئے ادیان و مذہب کی تقلید ہیں ۔

اسلام میں توحید کے معنی و مفہوم کی وسعت و گہرائی اس سے کہیں زیادہ اور ہمہ جہت و ہمہ گیر ہے اس مفہوم کو پوری طرح سمجھنے اور اس پر عمل کیے بغیر انسان نہ تو موحد ہو سکتا ہے اور نہ زندگی کے نشیب و فراز میں خود کو شرک کی بلا اور بدعت کی وبا سے بچا سکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی درست نہیں کہ دین اسلام جس کا رکن اول اور بنیادی عقیدہ توحید ہے ، محض اس دین کا نام ہے جس کی دعوت جزیرۃ العرب میں آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے حضرت محمدؐ نے دی ۔ بلکہ حقیقت واقعی یہ ہے کہ دنیا کی تمام اقوام میں انبیا و رسل علیہ السلام مبعوث ہوئے ہیں اور زمین کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں اللہ تعالی کی طرف سے کوئی نبی یا پیغمبر نہ آیا ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

" کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو " ۔(الفاطر ۲۴)

" یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسولؑ بھیجا ۔(النحل ۳۶)

اور وہ تمام مذاہب و ادیان جو تاریخ عالم کے کسی دور میں زمین کے کسی خطہ میں کسی نبی مرسل کی معرفت آئے ۔ سب کا اصل نام اسلام تھا ۔سب کی تعلیم کا بنیادی اور مرکزی رکن عقیدہ توحید تھا ۔قرآن مجید واضح طور پر بتاتا ہے

" اللہ کے نزدیک دین صرف ایک ہے اور وہ ہے اسلام " ۔(آل عمران ۱۹)

یہ ایک بہت ہی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ابتدائے آفرینش سے سلسلہ رسل ختم ہونے تک جتنے بھی انبیا و رسل

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے سب کا بنیادی اور مرکزی سبق نقطہ توحید تھا ۔ توحید کے اصطلاحی معنی بھی اس کے لفظی معنی کی توسیع و توثیق ہے ۔ ایک کرنا یعنی دل و دماغ کو ، جسم و روح کو ، دنیا و آخرت کو ، ظاہر و باطن کو ، قلب و نظر کو ، قول و فعل کو دل و جان کو اور عقیدہ و عمل کو ایک اور ہم آہنگ کرنا بلکہ افراد کو متحد کر کے معاشرہ تشکیل دینا اور قوم و ملت کو متحد کرنا اور دین و دنیا کو ہم رنگ و ہم آہنگ کرنا بھی اس کے معنی و مفہوم میں شامل ہے ۔

الغرض اپنی ان تمام جہتوں اور پہلوؤں کو تمام رخوں اور سمتوں کو یک رنگ و یک رخ کر لینا ۔ اس کے بنیادی تقاضوں میں سے ہے ارشاد خداوندی ہے ،

" تمھارا ایک ہی خدا ہے اس رحمان و رحیم کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے " ۔

اس باب میں جو بات بطور خاص تلقین کی گئی ہے یہی ہے کہ مسلمانو ! جب تمھارا سب کا اللہ ایک ہے جو اپنی ذات و صفات حسنہ کے اعتبار سے یکتا اور بے مثال ہے جس کا کوئی ثانی نہیں تو تم سب کو بھی متحد و منظم یک رخ و یک جہت اور اپنی تمام اندرونی و بیرونی سمتوں اور رخوں کے لحاظ سے اسی ایک معبود برحق کی طرف اپنا رخ کر لینا اور صرف اسی کی عبادت کرنا چاہیئے ۔

عربی زبان میں اللہ کے معنی ہیں وہ ذات جو مستحق عبادت ہو ۔ یعنی وہ ہستی جو اپنی شان و شوکت اور جلال و برتری کے لحاظ سے اس قابل ہو کہ اس کی پرستش کی جائے اور عبادت یعنی اظہار بندگی کے لئے اس کے آگے سر جھکا دیا جائے ۔

اللہ کے معنی میں یہ مفہوم شامل ہے کہ وہ بے انتہا قوت و قدرت کا مالک ہے ۔ اس کا اختیار و اقتدار ایسا ہو جس کی وسعت و عظمت کا اندازہ لگانے سے عقل انسانی عاجز و درماندہ رہ جائے ۔ نیز اللہ کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو اور باقی سب اپنی زندگی کے معاملات میں اس کے محتاج اور اس سے مدد مانگنے کے لئے مجبور ہوں ۔

لفظ اللہ خدائے وحدہ لاشریک کا اسم ذات ہے لہذا لا الہ الا اللہ کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا ، کوئی الہ نہیں ہے سوائے اس ذات خاص کے جس کا نام " اللہ " ہے ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایک ہستی بھی ایسی نہیں جو پوجنے کے لائق ہو اور اس کے سوا کوئی اس کا مستحق نہیں کہ عبادت ، اظہار بندگی اور اطاعت کے لیے اس کے آگے سر جھکایا جائے صرف وہی ایک ذات ہے جو تمام جہانوں کی مالک و حاکم ہے ۔ پوری کائنات اور کائنات کے کل موجودات اس کے محتاج ہیں سب اسی سے مدد مانگنے پر مجبور ہیں ۔ وہ جو اس سے پوشیدہ ہے اور اس کی ہستی کو سمجھنے میں عقل دنگ ہے ۔

علم کی روشنی:

سب سے اوپر لا الہ الا اللہ کا درجہ ہے ۔ یہ ■ علم ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے پاس بھیجا ہے یہی علم سب سے پہلے انسان، حضرت آدمؑ کو دنے کے زمین پر اتارا گیا تھا ۔ اس کے بعد حضرت نوحؑ ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو دیا گیا پھر اسی علم کو لے کر سب سے آخر میں آنحضرتؐ تشریف لائے یہ خالص علم ہے جس میں جہالت کا شائبہ تک نہیں ۔

شرک و کفر و بت پرستی کی جتنی بھی صورتیں دنیا میں موجود ہیں ان میں انسان اس وقت مبتلا ہوتا ہے جب ■ پیغمبروں کی لائی ہوئی تعلیم سے منہ موڑتا ہے اور اپنی عقل یا حواس کے پیچھے لگ کر خود ساختہ مفروضوں کا اتباع کرتا ہے ۔ یہ تو تھا اس کا مجملاً بیان جو کہ اس کلمے کے الفاظ سے سمجھا جا سکتا ہے ۔ اب ہم بہت بڑی اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں جو انتہائی مختصر فقرے یعنی لاالہ الا اللہ میں سمو دی گئی ہے ملاحظہ کیجئے ۔

ا ۔ سب سے پہلی چیز الوہیت (خدائی) کا تصور ہے یعنی یہ وسیع کائنات جس کی ابتدا اور انتہا اور انجام کا خیال کرنے سے ہی ہمارا ذہن تھک جاتا ہے جو نامعلوم زمانے سے چلی آرہی ہے جس میں بے حد و حساب مخلوق پیدا ہوئی اور پیدا ہو رہی ہے جس میں ایسے ایسے حیرت انگیز کرشمے ہو رہے ہیں ان کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اس کائنات کی خدائی صرف وہی کر سکتا ہے جو لامحدود ہو اور ہمیشہ سے ہو ، ہر چیز کا علم رکھتا ہو اور کوئی بات اس سے پوشیدہ نہ ہو وہ کسی کا محتاج نہ ہو ، قادر مطلق ہو ، حکیم و دانا ہو سب پر غالب ہو اور کوئی اس کا حکم بجا لانے سے انکار نہ کر سکے ۔ اور اگر کوئی نافرمانی کرے تو اس کو سزا دینے پر قادر ہو ۔ بے حد و حساب قوتوں کا مالک ہو اور کائنات کی ساری چیزوں کو اس سے زندگی اور رزق کا سامان بہم پہنچے ، ہر قسم کے نقائص ، کمزوریوں اور خامیوں کے عیب سے پاک ہو اور کسی کو اس کے کاموں میں دخل دینے کی قدرت و طاقت نہ ہو ۔

۲ ۔ خدائی کی ان تمام صفات کا ایک ہی ذات میں جمع ہونا بھی ضروری ہے ۔ یہ ناممکن ہے کہ یہ صفات دو ہستیوں میں یکساں پائی جائیں کیوں کہ سب پر غالب اور سب پر حاکم تو ایک ہی ہو سکتا ہے یہ ناممکن ہے کہ یہ صفات تقسیم ہو کر بہت سے خداؤں میں بٹ جائیں کیوں کہ اگر حاکم ایک ہو اور عالم دوسرا اور رازق تیسرا تو ہر خدا دوسرے خدا کا محتاج ہوگا اور ایک نے دوسرے کا ساتھ نہ دیا تو ساری کائنات یک لخت ختم ہو جائے گی ۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ صفات ایک دوسرے کو منتقل ہوں یعنی کبھی ایک خدا میں پائی جائیں اور کبھی دوسرے میں کیونکہ جو زندہ رہنے کی قوت نہ رکھتا ہو وہ ساری کائنات کو زندگی نہیں بخش سکتا اور جو خدا اپنی خدائی کی حفاظت نہ کر سکتا ہو وہ اتنی بڑی کائنات پر حکومت نہیں کر سکتا ۔

الغرض انسان کو جس قدر زیادہ روشنی ملتی جائے گی اسی قدر اس کو یقین ہوتا جائے گا کہ خدائی کی صفات کا صرف ایک ہی ذات میں جمع ہونا ضروری ہے ۔

۳۔ خدائی کے اس کامل اور صحیح تصور کو ذہن میں رکھیے اور پھر ساری کائنات پر نظر ڈالیں جتنی چیزیں ہم دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں یا جن جن چیزوں تک ہمارے علم کی رسائی ہے کیا ان میں ایک چیز بھی مذکورہ بالا صفات سے متصف ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات کی تمام موجودات محتاج ہیں۔ محکوم ہیں بنتی اور بگڑتی، مرتی اور جیتی ہیں۔ کسی چیز کو بھی ایک حالت پر قیام و بقا نہیں۔ کسی کو بھی اپنے اختیار سے کچھ کرنے کی قدرت نہیں ان کے حالات خود گواہی دیتے ہیں کہ ان میں کوئی خدا نہیں کسی میں خدائی کی ادنیٰ جھلک بھی نہیں پائی جاتی کسی کا خدائی میں ذرہ برابر دخل نہیں اور یہی معنی لا الہ کے ہیں۔

۴۔ کائنات کی تمام چیزوں سے خدائی چھین لینے کے بعد ہمیں اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جس قدر تحقیق و تجسس کیا جائے بالآخر یہی معلوم ہوگا کہ یہی علم کا سرا بھی ہے اور یہی علم کی آخری حد بھی" طبعیات، کیمیا، ہیئت، ریاضیات، حیاتیات، حیوانیات، سائنس و ٹیکنالوجی الغرض کائنات کی حقیقتوں کا کھوج لگانے والے جتنے علوم ہیں ان میں سے ہر علم کی تحقیق جس قدر آگے بڑھتی جائے گی لا الہ الا اللہ کی صداقت زیادہ سے زیادہ کھلتی جائے گی اور اس حقیقت پر جو اس چھوٹے سے جملے میں بیان کی گئی ہے۔ انسان کا یقین بڑھتا جائے گا حقیقت میں علمی تحقیق کے میدان میں ہر قدم پر انسان محسوس کرتا ہے کہ اس سب سے پہلی اور سب سے بڑی سچائی سے انکار کرنے کے بعد کائنات کی ہر چیز بے معنی ہو جاتی ہے لیکن چونکہ انسان غور و فکر تحقیق و تجسس سے کم ہی کام لیتا ہے اور جاہلیت میں مبتلا رہنا اسے مرغوب ہے اس لیے اگر جاہلیت خالصہ سے نجات بھی پا جاتا ہے تاہم دوسرے درجے کی جاہلیت سے نجات پانا اس کے لئے سخت مشکل ہو جاتا ہے۔

دوسرے درجے کی جاہلیت:

جاہلیت خالصہ کے بعد دوسرے درجے کی جاہلیت جس میں انسان قدیم ترین زمانے سے آج تک مبتلا ہوتا رہا ہے اور جو ہمیشہ گھٹیا درجے کی دماغی حالت میں رونما ہوتی ہے یہ ہے انبیا و رسل کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ اللہ واحد کی خدائی کے قائل ہو گئے وہاں سے خداؤں کی دوسری اقسام تو رخصت ہو گئیں مگر انبیاء، اولیاء، شہداء، صالح۔ اولیا، اقطاب، ابدال، علماء اور مشائخ کی خدائی پھر بھی کسی نا کسی طرح عقائد میں اپنی جگہ بنا لیتی ہے۔ جاہل دماغوں نے مشرکین کے خداؤں کو چھوڑ کر ان نیک بندوں کو ہی خدا بنا لیا جن کی ساری ساری زندگیاں بندوں کی خدائی ختم کرنے اور صرف اللہ واحد کی خدائی ثابت و قائم کرنے میں صرف ہوئی تھیں۔

الوہیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا اور بے مثل ہے اور عبودیت میں اللہ تعالی کے سوا کائنات کا ہر جاندار اور بے جان خواہ حجر و شجر ہوں یا جن و ملک یا اولیا و رسل سب شریک ہیں۔

گویا موجودات دو قسم کے وجودوں پر مشتمل ہیں اور یہ دونوں وجود ایک دوسرے سے یکسر اور بنیادی طور پر

مختلف و متضاد ہیں ۔ ایک اللہ تعالیٰ کا وجود اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے سوا باقی ساری کائنات یعنی بندوں کا وجود اور ان دونوں وجودوں کے درمیان خالق و مخلوق اور خدا اور بندے کا رشتہ اور تعلق ہے ۔

دراصل توحید کا یہی بنیادی اور حقیقی تصور ہے جس سے اس کے تمام عقائد و قواعد جنم لیتے ہیں اور اسی بنیاد پر ان کا قیام و مدار ہے ۔ لہٰذا اس تصور کے مطابق توحید کے بھی جو عقائد متصرع ہوں گے اور ان کی رو سے انسانی زندگی پر توحید کے جو بھی تقاضے اور نتائج مرتب ہوں گے اسی تصور کے مطابق مترتب ہوں گے مثلاً یہ کہ ۔

" اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور اپنی تمام صفات کے اعتبار سے بھی یکتا ہے اور اپنے تمام خصائص کے لحاظ سے بھی منفرد ہے "

مندرجہ بالا آیات کے مطالعہ سے یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اپنی خدائی میں بھی یکتا و لا شریک ہے اور اپنی صفات اور خصائص میں بھی اور یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کائنات کے سب جاندار اور بے جان خواہ وہ حجر و شجر ہوں یا بحر و بر، شمس و قمر ہوں یا جن و ملک ، حیوانات و انسان ہوں یا اولیاء و انبیاء سب اللہ تعالیٰ کے عبد مطلق ہیں اور یہ عبودیت ہی ان کی خصوصیت اور ان کا امتیاز ہے اور خالق و مخلوق کے درمیان جو ربط اور تعلق ہے اس کی بنیاد محض عبودیت ہے کوئی نسبی رشتہ یا ذات و صفات میں اشتراک یا کسی قسم کی مشابہت اس ربط و تعلق کی بنیاد نہیں ہے ۔

سوال یہ ہے کہ اس کائنات کا ارتقاء آپ سے آپ ہو رہا ہے یا اس کے پیچھے ایک مدبر ہستی ہے جو ان تمام اجزائے مختلفہ کے اندر توافق اور سازگاری پیدا کرتی ہے ۔ اور ان کو پروان چڑھاتی ہے اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ دنیا ایک اتفاقی واقعہ ہے آپ سے آپ وجود میں آگئی اور اس کے مختلف اجزا کا ارتقاء بھی آپ سے آپ ہو رہا ہے تو کیا عقل انسانی اس قسم کے حیرت انگیز اتفاقات کو ایک لمحہ کے لیے بھی تسلیم کر سکتی ہے؟ یہ صورت حال اس امر کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ اس کائنات کے پیچھے ایک حکیم اور قوی ارادہ ہے جو اس کو وجود میں لایا اور جو علم و قدرت اور ربوبیت و حکمت کی تمام صفات سے متصف ہے وہی ہے جو اپنے علم و حکمت نے اس کے اجزائے مختلفہ میں ربط و اتصال پیدا کرتا ہے اور ان کو صالح مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے ۔ اس کائنات کی ہر چیز جوڑے جوڑے کی شکل میں پیدا ہوئی ہے اور ہر چیز اپنے جوڑے سے مل کر ہی اپنی غایت پوری کرتی ہے یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ کائنات کا وجود بقا اس کے اضداد کے توافق و سازگاری سے ہے اور اس سے بدیہی طور پر نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کا خالق و مدبر ایک ہی ہے جو ان کے اختلافات کے باوجود ان میں ربط و اتصال پیدا کر کے ان سے صالح نتائج پیدا کرتا ہے ۔ پس یہ اختلاف جو ہم اس کائنات میں مشاہدہ کر رہے ہیں محض ظاہر کا اختلاف ہے اور یہ ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کے اندر مختلف ارادے کار فرما ہیں ۔

مظاہر کائنات کی تسخیر:

توحید کی ایک بڑی اہم دلیل ■ عجز و مقہوریت اور انعقاد و اطاعت بھی ہے جس کے آثار ہم اس کائنات کی تمام بڑی اور شاندار مخلوقات میں پاتے ہیں یہ اس بات کا نہایت قوی ثبوت ہیں کہ ان میں کسی چیز کی طرف بھی الوہیت کی نسبت نہیں کی جا سکتی ۔ الوہیت کی صفت کے ساتھ ایسی ہی ذات متصف ہے جو ان سب سے اعلیٰ ■ برتر ہے ۔ سورج چاند، ستارے اپنے حسن و عظمت کے باوجود اور زمین، دریا، پہاڑ اور ہوا، ابر، برق، دن، رات اپنی وسعت قوت اور جلالت کے باوجود ایک محکم نظام حکومت کے ماتحت مقہور و مسخر ہیں ۔ تو لازماً ان کے سوا کوئی اور ہے جو ان کا خالق اور سب کا فرمانروا ہے اب غور کرو کہ وہ کون ہے جو اس کائنات کا خالق اور سب پر آمر و متصرف ہے جو شخص اس کائنات پر غور کرے گا تو اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ اس کائنات کی خالق کوئی ایسی ہی ذات ہو سکتی ہے جو عزت و کبریائی اور علم و حکمت کی صفات کے ساتھ متصف ہو توحید کی یہ دلیل اجمال و تفصیل کے ساتھ مختلف شکلوں میں قرآن حکیم میں بیان ہوئی ہے ۔

انسان کی فطری خصوصیت یہ ہے کہ اس کو تاریکی کے مقابلے میں روشنی، جہل میں علم اور حیرانی کے مقابلے میں طمانیت بالطبع مرغوب ہے ۔ انسان چاہتا ہے کہ اس کے سامنے کائنات کا آغاز، انجام، اپنی ہستی کی غایت نیک و بد کی حقیقت معلوم ہو ۔ انسان کی یہی وہ فطری طلب ہے جس کی وجہ سے وہ جستجو کی مختلف وادیوں میں ٹھوکریں کھاتا رہا ہے، لیکن اس کے سوالات کا صحیح جواب اور حقیقت کی پیاس صرف اللہ کے ایمان سے بجھتی ہے، اس کے سوا دوسری چیزیں غیر فطری بہانے ہیں جس سے طبیعت کو دھوکا تو دیا جا سکتا ہے لیکن طمانیت حاصل نہیں کی جا سکتی ۔ طمانیت صرف اللہ تعالیٰ کے ماننے میں ہے اس سے وہ کائنات کے آغاز و انجام کا تصور کر سکتا ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیے اس کے لیے اخلاق کے اصول، معیشت کے ضابطے، سیاست کے آئین سب طے ہو سکتے ہیں ۔ پس ایک خدا کو ماننا جو تمام کمال سے متصف ہے یہ انسان کی فطرت ہے یہ حق ہے کہ اس کے بعد اگر کسی نے کچھ اور خدا بنا لیے تو ضلالت اور گمراہی ہے کیونکہ ایک خدا کو مان لینے کے بعد فطرت کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے اسی وجہ سے قرآن نے جگہ جگہ فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک کرتے ہیں ان کی پاس کوئی دلیل نہیں ہے یعنی ایک خدا کو ماننا اس لیے ضروری ہے کہ فطرت انسانی اس کے بغیر تشفی نہیں پا سکتی اور اس کی شہادت انسان کے اندر اور باہر موجود ہے ۔

" تو بڑی ہی برتر ذات ہے ۔ اللہ بادشاہ حقیقی کی اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ عرش کریم کا مالک ہے اور جو کوئی اللہ کے سوا کسی اور کو اللہ پکارے گا جس کے حق میں اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب رب کے ہاں ہوگا اور کافر فلاح نہیں پائیں گے ۔

(المومنون ۱۱۷،۱۱۶)

عقیدہ توحید کے انسانی زندگی پر اثرات

1۔ وسعت نظر:

عقیدہ توحید پر ایمان رکھنے والا کبھی تنگ نظر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ایسے خدا کا ماننے والا ہوتا ہے جو زمین و آسمان کا خالق، شرق و غرب کا مالک اور رب العالمین یعنی تمام جہانوں کا پالنے والا۔ کلمہ توحید پر ایمان لانے کے بعد پوری کائنات میں کوئی چیز بھی انسان کو غیر نظر نہیں آتی وہ ہر چیز کو اپنی ذات کی مانند ایک ہی مالک کی ملکیت اور ایک ہی بادشاہ کی رعیت سمجھتا ہے اس کی ہمدردی محبت اور خدمت کسی دائرے کی پابند نہیں رہتی۔ اس کی نظر ویسی ہی لا محدود ہو جاتی ہے جیسے خود خدا تعالیٰ کی بادشاہی لا محدود ہے۔ یہ بات کسی ایسے شخص کو حاصل نہیں ہو سکتی جو بے شمار چھوٹے چھوٹے خداؤں کا قائل ہو یا خدا میں انسان کی سی ناقص صفات مانتا ہو یا سرے سے خدا کا قائل ہی نہ ہو۔

2۔ خودداری اور عزت نفس:

عقیدہ توحید انسان میں انتہا درجہ کی خودداری اور عزت نفس پیدا کر دیتا ہے اور اس پر اعتقاد رکھنے والا جانتا ہے کہ صرف ایک خدا تمام قوتوں کا مالک ہے اس کے سوا کوئی نفع و نقصان پہنچانے والا نہیں۔ کوئی مارنے یا زندہ کرنے والا نہیں، کوئی صاحب اقتدار و اختیار نہیں، یہ علم و یقین اس کو خدا تعالیٰ کے سوا باقی تمام قوتوں اور طاقتوں سے بے نیاز اور بے خوف کر دیتا ہے۔

اس کی گردن کسی مخلوق کے آگے نہیں جھکتی اس کا ہاتھ کسی کے آگے نہیں پھیلتا اس کے دل میں کسی کی بڑائی کا سکہ نہیں بیٹھتا۔ یہ صفت سوائے عقیدہ توحید کے اور کسی عقیدے سے پیدا نہیں ہو سکتی۔

3۔ انکسار:

خودداری کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ انسان میں انکساری بھی پیدا کرتا ہے کلمہ توحید پر ایمان رکھنے والا کبھی مغرور اور متکبر نہیں ہو سکتا، اپنی قوت و دولت اور قابلیت کا گھمنڈ اس کے دل و دماغ میں سما ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے خدا تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اور خدا تعالیٰ جس طرح دینے پر قادر ہے اسی طرح چھین لینے پر بھی قادر ہے اس کے برعکس ملحدانہ عقیدہ رکھنے والا شخص جب کسی قسم کا دنیوی کمال حاصل کرتا ہے تو وہ متکبر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اپنے مال کو محض اپنی قابلیت کا نتیجہ سمجھتا ہے اس طرح شرک و کفر کے ساتھ بھی غرور و تکبر پیدا ہونا لازمی ہے کیونکہ مشرک اور کافر اپنے خیال میں سمجھتا ہے کہ خداؤں اور دیوتاؤں سے اس کا خاص تعلق ہے جو دوسروں کو نصیب نہیں۔

4۔ احساس جوابدہی اور پاکیزگی نفس:

کلمہ توحید پر اعتقاد رکھنے والا یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہے کہ نیک عملوں کے سوا اس کے لئے نجات اور فلاح کا کوئی ذریعہ نہیں کیونکہ وہ ایسے خدا پر ایمان رکھتا ہے جو بے نیاز ہے اس کا کسی سے کوئی نسبی رشتہ نہیں۔ بے لاگ عدل کرنے والا ہے اور کسی کو اس کی خدائی میں دخل یا اثر حاصل نہیں۔

5۔ بلند حوصلگی:

کلمہ توحید پر ایمان رکھنے والا کسی حال میں مایوس اور شکستہ دل نہیں ہوتا وہ ایک ایسے خدا پر ایمان رکھتا ہے جو زمین وآسمان کے سارے خزانوں کا مالک ہے جس کا فضل وکرم بے حد و حساب ہے اور جس کی قوتیں بے پایاں ہیں۔ یہ ایمان اس کے دل کو غیر معمولی تسکین بخشتا ہے اور ہمیشہ مطمئن اور پر امید رہتا ہے۔ ایسا شخص خواہ دنیا کے سب دروازوں سے ٹھکرا دیا جائے۔ سارے اسباب کا رشتہ ٹوٹ جائے اور وسائل و ذرائع ایک ایک کر کے اس کا ساتھ چھوڑ دیں پھر بھی ایک خدا کا سہارا کسی حال میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اسی کے بل بوتے پر وہ نئی امیدوں کے ساتھ کوشش کیے چلا جاتا ہے یہ اطمینان قلب عقیدہ توحید کے سوا کسی اور عقیدے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

6۔ عزم و حوصلہ اور صبر توکل:

توحید کا اعتقاد انسان میں عزم و حوصلہ اور صبر و توکل کی زبردست قوت پیدا کرتا ہے ایسا شخص جب خدا کی خوشنودی کی خاطر دنیا میں کوئی بڑا کام سرانجام دینے کے لئے اٹھتا ہے تو اس کے دل میں یقین ہوتا ہے کہ میری پشت پر زمین وآسمان کے بادشاہ کی قوت ہے اور یہ خیال اس کے اندر پہاڑ جیسی مضبوطی پیدا کر دیتا ہے اور دنیا کی مشکلات اور مصیبتیں اور مخالف طاقتیں مل کر بھی اس کو اپنے عزم سے نہیں ہٹا سکتیں۔

7۔ جرات و بہادری:

یہ عقیدہ توحید انسان کو بہادر بنا دیتا ہے اور دراصل آدمی کو بزدل بنانے والی تین چیزیں ہوتی ہیں ایک تو جان ، مال اور بال بچوں کی محبت ، دوسرے یہ وہم کہ خدا کے سوا بھی کوئی اور مارنے والا ہے ۔ تیسرے یہ خیال کہ آدمی اپنی تدبیر سے موت کو ٹال سکتا ہے لا الہ الا اللہ کا عقیدہ ان چیزوں کو دل سے نکال دیتا ہے ۔ اس کلمہ کا قائل اپنے جان ، مال اور اپنی ہر چیز کا مالک خدا ہی کو سمجھتا ہے اور اس کی خوشنودی کے لئے سب کچھ قربان کرنے پر تیار رہتا ہے ۔ رہی دوسری اور تیسری چیز تو وہ اس لیے باقی نہیں رہتی کہ لا الہ الا اللہ کہنے والے کے نزدیک جان لینے کی قدرت کسی انسان یا حیوان ، توپ تلوار یا پتھر میں نہیں ہے ۔ جان لینے کا اختیار صرف اسی کو ہے جس نے جان عطا

کی اور اس نے جو موت کا وقت مقرر کر دیا ہے اس سے پہلے دنیا کی تمام قوتیں مل کر بھی چاہیں تو کسی کی جان نہیں لے سکتیں ۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے سے زیادہ بہادر دنیا میں کوئی نہیں ہوتا۔اس کے مقابلے میں تلواروں کی باڑ، گولیوں کی بوچھاڑ، اور فوجوں کی یلغار سب ناکام ہو جاتی ہیں جب وہ خدا کی راہ میں لڑنے کے لئے بڑھتا ہے تو اپنے سے دس گنا طاقت کا بھی منہ پھیر دیتا ہے۔

8۔ قناعت اور بے نیازی:

لا الہ کا اعتقاد انسان میں قناعت اور بے نیازی کی شان پیدا کر دیتا ہے حرص و ہوس اور رشک و حسد کے رکیک جذبات اس کے دل سے نکال دیتا ہے کامیابی حاصل کرنے کے لئے ناجائز اور ذلیل طریقے اختیار کرنے کا خیال تک اس کے ذہن میں نہیں آنے دیتا۔وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے زیادہ دے جس کو چاہے کم دے، عزت، طاقت، ناموری اور حکومت سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے وہ اپنی مصلحتوں کے لحاظ سے جس کو جس قدر چاہتا ہے عطا کرتا ہے ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ اپنی حد تک جائز کوشش کریں۔کامیابی و ناکامی خدا کی مرضی پر موقوف ہے وہ اگر دینا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی اور نہ دینا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت عطا نہیں کر سکتی۔

9۔ پابندی قانون:

سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کا اعتقاد انسان کو اللہ تعالیٰ کے قانون کا پابند بناتا ہے ۔اس کلمہ پر ایمان لانے والا یقین رکھتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ ہر چھپی اور کھلی چیز سے باخبر ہے ہماری شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے ۔اگر ہم رات کے اندھیرے میں تنہائی کے گوشے میں بھی کوئی گناہ کریں تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہو جاتا ہے اگر ہمارے دل کی گہرائی مین بھی کوئی برا ارادہ پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ تک اس کی خبر پہنچ جاتی ہے ہم سب سے چھپا سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے ۔سب سے بھاگ سکتے ہیں مگر اس سلطنت سے نہیں بھاگ سکتے سب سے بچ سکتے ہیں مگر اللہ کی پکڑ سے بچنا ناممکن ہے۔

یہ یقین جتنا مضبوط ہو گا اتنا ہی زیادہ انسان اپنے اللہ کے احکام کا مطیع ہو گا ۔جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کے پاس بھی نہ پھٹکے گا اور جس کام کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ اس کو تنہائی اور تاریکی میں بھی بجا لائے گا۔

اسلامی تعلیمات میں توحید یعنی اللہ پر ایمان اس کے تمام اسماء و صفات کے ساتھ جیسا کہ وہ ہیں سب سے اہم اور بنیادی چیز ہے۔اسلام کا مرکز بھی یہی عقیدہ ہے اس کی جڑ بنیاد بھی اس دین کی قوت کا سرچشمہ بھی اس کے سوا اسلام کے جتنے اعتقادات، احکامات اور قوانین ہیں سب اسی بنیاد پر قائم ہیں اور ان سب کو اسی مرکز سے قوت

پہنچتی ہے اگر اس بنیاد میں خلل واقع ہو جائے تو دین اسلام ہی بدل جاتا ہے۔ ایسا مذہب جس میں توحید کو چھوڑ کر مشرکانہ رسوم اختیار کر لی جائیں اور بدعت کو جزو دین قرار دیا جائے اسلام نہیں ہو سکتا لیکن بدقسمتی سے آج ہمارے معاشرے کی یہی حالت ہے۔

ہماری قوم کی اکثریت نے اصل دین کو چھوڑ دیا ہے پوری قوم فرقوں میں بٹ گئی ہے ہر فرقے نے اپنے اپنے فرقے کی خصوصی اور امتیازی علامات مقرر کر کے ان کو اختیار کرنا دین کے اصولوں سے زیادہ ضروری سمجھ لیا ہے اور نئی نئی بدعتوں اور مشرکانہ رسوم کو اس طرح اختیار کر لیا ہے کہ اب سنت کے بجائے بدعتوں اور مشرکانہ اعمال و افعال کو ہی اصل دین خیال کیا جانے لگا ہے۔

موجودہ نظام عالم حقیقت میں صرف وہ سامان اور اسباب فراہم کرتا ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے حقیقی مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ انسان کائنات کا گل سرسبد اور شرف و مجد کے لحاظ سے اس پوری کائنات کا ماحصل ہے۔ کائنات کی ساری قوتیں اسی ایک کی خدمت گزاری کے لئے وقف ہیں۔ وہ آسمان اور زمین کی ساری چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ مگر خود اس کے موجود نہ رہنے سے زمین و آسمان کی کسی شے کی کوئی ضرورت پوری ہونے سے باقی نہیں رہتی۔ انسان کی پیدائش سے کیا مقصود ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر انسان کی کامیابی اور ناکامی کا سارا انحصار ہے۔ کائنات کیا ہے؟ کائنات کے اندر انسان کا مرتبہ و مقام اور اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو فطری طور پر انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ انسان اپنے وجود کے اعتبار سے سراپا جستجو ہے۔ انسان پیدائشی طور پر ایک آزمائش سے دوچار ہے انسان کی یہ زندگی امتحان کا ایک دور ہے یہ سوال کہ انسان کی زندگی کا حقیقی مقصد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں قرآن نے جو ہماری رہنمائی کی ہے صرف وہی فطرت اور صلاحیتوں سے مطابقت رکھتی ہے قرآنی نقطہ نظر سے یہ زندگی ہم کو اس لیے دی گئی ہے اور اس دنیا میں حقیقتوں کو ہماری نگاہوں سے مخفی و مستور رکھنے سے مقصد بھی یہی ہے کہ ہمارے عقل و شعور، فکر و نظر ضمیر و وجدان کا امتحان لیا جائے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ کون غور و فکر اور اپنی سوجھ بوجھ سے صحیح کام لے کر اپنے لیے زندگی کی صحیح راہ متعین کرتا ہے اور کون اپنے آپ کو ضلالت و گمراہی کی وادیوں میں بھٹکنے کے لئے خود کو آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ اور ان لوگوں کی باتوں پر غور کرتا ہے جو اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کو خدا نے حقیقت کا صحیح علم بخشا اور وہ دنیا والوں کو ہدایت دینے پر مامور ہیں۔ اور کون ان برگزیدہ ہستیوں کی تکذیب کر کے خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آزمائش میں پورا وہی شخص اتر سکتا ہے جو اپنی پوری زندگی کو خدا کی مرضیات کے حوالے کر دے اس کے برخلاف وہ شخص اس امتحان میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا جو دنیا میں اپنے یا اپنے جیسے دوسرے آدمیوں کی مرضی کا غلام ہے اور جس کا دل خدا کی اطاعت اور اس کی محبت کے جذبے سے یکسر خالی ہے۔

کیا خدا کے لئے ممکن ہے کہ وہ بھلائی اور برائی میں کوئی تمیز نہ کر سکے یہ ناممکن ہے۔ ظالم ، مظلوم نیک اور

بد جب ہماری نگاہ میں برابر نہیں ہوتے تو خدا کی نظر میں ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟ آخر ہم کو بھلے اور برے کی تمیز بھی تو اسی نے بخشی ہے اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ انسان کے کارنامہ حیات کا کوئی حساب نہ لیا جائے گا۔ بدکاروں اور بدکرداروں کو اپنے کیے کی سزا نہ بھگتنی پڑے اور نیکو کار انعام و اکرام سے محروم رکھے جائیں۔ کائنات کی شہادت اس کے بالکل خلاف ہے ۔۔۔ قرآن نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ دنیاوالوں کو اللہ کی مرضی بتانے والے اور ان کو صحیح طریق زندگی سے باخبر رکھنے والے صرف خدا کے بھیجے ہوئے انبیاء ہی ہو سکتے ہیں۔

جب ہم اپنے جیسے انسانوں کے دلوں کی باتیں اس وقت تک نہیں جان سکتے جب تک خود ہم کو ان باتوں سے مطلع نہ کریں تو پھر خدائے بزرگ و برتر کی مرضی کا علم ہم کو بغیر اس کے بتائے کیسے حاصل ہو سکتا ہے یہ انبیاء خدا کے نمائندے ہیں۔ قرآن نے اس سے بھی ہمیں آگاہ کیا ہے کہ محمدؐ خدا کے آخری رسول اور قرآن اس کی آخری کتاب ہے اس آزمائش میں پورا اترنے کے لئے جس سے آج ہم دوچار ہیں ایک ہی سبیل ہے وہ یہ کہ ہم قرآن کو اپنا دستور حیات اور اللہ کے آخری رسول حضرت محمدؐ کو اپنا رہنما تسلیم کر لیں۔

اولاً یہ کائنات بے خدا نہیں ہے ۔ اس کا کوئی خالق ضرور ہے ۔ ثانیاً وہ خدا جو اس کائنات کا خالق اور مدبر ہے وہ اپنی صفات میں یکتا ہے اور اس پوری کائنات کا تنہا حاکم اور فرمانروا ہے اس ظاہر کے پیچھے اس کا دست قدرت ہے جو کام کر رہا ہے۔

ثالثاً یہ کائنات بے مقصد وجود میں نہیں لائی گئی بلکہ اس کے وجود میں لانے کا ایک مقصد ہے اور انجام کے اعتبار سے اس کا خاص انجام ہے۔

شرک

دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ شرک ہے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات یا حقوق یا اختیار میں دوسری ہستیوں کو شریک ٹھہرانا۔ پچھلی اقوام اس لیے ہلاک کی گئیں کہ انہوں نے توحید کو چھوڑ کر شرک کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ آج کل مسلمان جس تباہی و بربادی ذلت و رسوائی سے دوچار ہیں اس کا اصل سبب یہی شرک ہے ۔ ہر خوبی ، ہر نیکی اور ہر بھلائی چاہے وہ عمل کی ہو ، یا علم و نظریہ اور خیال کی ہو درحقیقت نقطہ توحید ہی کا پھیلاؤ ہے اور ہر گمراہی ، کجی اور معصیت چاہے وہ اخلاق و کردار کی ہو چاہے نظریہ و خیال یا علم و فکر کی ہو اس کے ڈانڈے کہیں نا کہیں شرک سے جا ملتے ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ شرک کی پہچان آسان کام نہیں اور غیر محسوس اور غیر شعوری طور پر خود اہل ایمان اور مدعیان توحید کی اکثریت کو اس سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں جن چیزوں کو شرک قرار دیا گیا ہے ان کو مد نظر رکھتے ہوئے شرک کی چارا اقسام قرار دی جا

سکتی ہیں۔

1۔ شرک فی الذات

2۔ شرک فی الصفات

3۔ شرک فی الاختیار

4۔ شرک فی الحقوق

1۔ شرک فی الذات:

شرک فی الذات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات میں کسی کو اس کا ساجھی اور ہم سر بنا دیا جائے مثلاً نصاریٰ کا عقیدہ تثلیث یعنی تین خداؤں کو ماننا یا مشرکین عرب کا فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دینا اور دوسرے مشرکین اپنے دیوتاؤں دیویوں اور شاہی خاندان کے افراد کو خدا کی ذات میں حصہ دار قرار دینا۔ یہ شرک کی بدترین قسم ہے قرآن مجید کی سورہ اخلاص میں شرک فی الذات کی تردید کی گئی ہے۔ اور اللہ کی جامع صفات بیان کی گئی ہیں۔

"کہو! (اے محمدؐ) وہ اللہ یکتا ہے، اللہ سب سے بے نیاز یہ سب اس کے محتاج ہیں نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی کوئی اس کا ہم سر ہے۔"

"اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔" آیت نمبر ۲۲

چنانچہ سورہ کہف (آیت نمبر ۱۹) سورہ الم سجدہ (آیت نمبر ۱۰) میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

"کہو (اے نبیؐ) میں تو تمہارے جیسا انسان ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا ایک خدا ہے"

2۔ شرک فی الصفات:

صفات میں شریک کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ جو صفات خدا تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں اور جس مفہوم میں اللہ تعالیٰ کے لئے مستعمل ہیں ان کو کسی دوسری ہستی کے لئے قرار دینا مثلاً کسی کے متعلق سوچنا اور یہ سمجھنا کہ اس پر غیب کی ساری حقیقتیں روشن ہیں وہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے یا وہ تمام نقائص اور کمزوریوں سے پاک ہے

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں الحیٰ ہے۔" (یعنی زندہ ہے اور اس کی زندگی کو فنا و زوال نہیں) وہ "القیوم" ہے (یعنی ہر چیز اس کے حکم سے قائم ہے وہ اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہیں۔"

وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، غائب اور حاضر ہر چیز کا جاننے والا وہ "الرحمن" ہے اور "الرحیم" ہے (یعنی وہی ایک ہستی ہے جس کی رحمت بے پایاں ہے اور تمام کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔ اور کوئی دوسرا اس ہمہ گیر اور غیر محدود رحمت کا حامل نہیں ہے وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔"

قرآن مجید میں خود رسول اکرم کی زبان سے کہلوایا گیا ہے۔

"(اے محمدؐ) ان سے کہو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔ (سورہ انعام آیت۔ ۵۰)

"(اے محمدؐ) تم کہہ دو کہ میں مالک نہیں ہوں۔ اپنے واسطے برے اور بھلے کا مگر جو چاہے اللہ اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لئے حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا۔" (سورہ امطرف ۱۸۸)

3۔ شرک فی الاختیار:

اختیار میں شرک کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ خدا ہونے کی حیثیت سے جو اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں ان کو یا ان میں کسی کو اللہ کے سوا کسی اور کے لئے تسلیم کیا جائے مثلاً فوق الفطری طریقے سے نفع و ضرر پہنچانا۔ حاجت روائی اور دست گیری کرنا، محافظت اور نگہبانی کرنا۔ دعائیں سننا اور قسمتوں کو بنانا یا بگاڑنا نیز حلال و حرام، جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرنا، اور انسان کی زندگی کے لئے قانون و شرع تجویز کرنا یہ سب خدا تعالیٰ کے مخصوص اختیارات ہیں جن میں سے کسی کو بھی غیر اللہ کے لئے تسلیم کرنا شرک ہے چنانچہ سورہ اسراف میں ارشاد ہوتا ہے۔

"خبردار رہو! اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔" (الاعراف ۵۵)

اور سورۃ آل عمران میں فرمایا:

"وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے؟ کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں (آیت ۱۵۴)

مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہی آمر اور حاکم بھی ہے وہ دنیا کو وجود میں لانے کے بعد اس سے بے تعلق ہو کر کہیں بیٹھ نہیں گیا ہے بلکہ عملاً سلطانی و حکمرانی کے تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں ہیں ہر چیز اس کے حکم کی تابع ہے اور ذرہ ذرہ اس کے فرمان کا مطیع ہے۔

"کہو (اے نبیؐ) میرے اختیار میں تو اپنا نفع و ضرر بھی نہیں کہ سب کچھ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔" (سورہ یونس آیت ۴۹)

"کہو (اے نبیؐ) میں تم لوگوں کے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی بھلائی کا۔ کہو مجھے اللہ کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اس کے دامن کے سوا کوئی دوسری جائے پناہ پا سکتا ہوں۔ (آیت ۲،۲۱)

اور سورۃ فاتحہ میں فرمایا

"ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔"

اس آیت نے ہر قسم کی مظہر پرستی اور مخلوق پرستی کی جڑ کاٹ دی ہے۔

غیر اللہ کے بنائے ہوئے قانون کی پیروی

اسلام میں قطعی طور پر طے کر دیا گیا ہے کہ قانون و حاکیت اس ذات باری تعالیٰ کی مانی جائے جس کی حاکیت کائنات پر ہے اور جسے تمام انسانوں پر بھی حاکیت کا لاشریک حق ہے اس بات کو قرآن مجید میں اتنی بار بیان کیا گیا ہے کہ اس کا شمار مشکل ہے اور اتنے زور دار الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ ان سے زیادہ پر زور الفاظ کسی بات کو بیان کرنے کے لئے نہیں ہو سکتے۔ مثلاً

"حکم سوائے اللہ کے کسی اور کا نہیں اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو" یہی صحیح دین ہے (یوسف: ۴۰)

"پیروی کرو اس قانون کی جو تمھاری طرف تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو" (اعراف ۳)

"اور یہ جو تمہاری زبانیں جھوٹے احکام لگایا کرتی ہیں کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ چیز حرام۔ تو اس طرح کے حکم لگا کر اللہ پر جھوٹ نہ باندھو"۔ (نحل ۱۱۶)

"جو خداوند کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی دراصل کافر ہیں" (سورہ المائدہ: ۴۴)

ان آیات کی روشنی میں غیر اللہ کے بنائے ہوئے قوانین، عقائد اور نظریات کو اپنی معاشرت، اپنے تمدن، اپنے کاروبار، اپنی عدالتوں اور سیاست و حکومت میں اختیار کرنا ویسا ہی شرک ہے جیسا غیر اللہ کو سجدہ کرنا اور غیر اللہ سے دعائیں مانگنا شرک ہے۔

4۔ شرک فی الحقوق:

حقوق میں شرک کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ خدا ہونے کی حیثیت سے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں وہ سب یا ان میں بعض حقوق کسی دوسری ہستی کو ادا کئے جائیں مثلاً سلسلہ اسباب پر حکمرانی، حاجت روائی۔ مشکل کشائی، فریاد رسی، دعائیں سننا، غیب و شہادت ہر چیز سے واقف ہونا جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات ہیں۔ اس لیے لازم آتا ہے کہ صرف اللہ ہی کا حق ہے کہ بندے اس کو مقتدر اعلیٰ مانیں۔ اس کے آگے اعتراف بندگی میں سر جھکائیں اور اس کی طرف اپنی حاجت کے لئے رجوع کریں۔ اسی کو مدد

کے لئے پکاریں۔ اسی پر بھروسا کریں اس سے امیدیں وابستہ کریں اور اس سے ظاہر و باطن میں ڈریں اسی طرح حلال و حرام کی حدود مقرر کریں۔ اس کے فرائض و حقوق معین کریں۔ ان کو امر و نہی کے احکام دے اور یہ انہیں بتائے کہ اس کی دی ہوئی قوتوں اور اس کے بخشے ہوئے وسائل کو کس طرح کن کاموں میں کن مقاصد کے لئے استعمال کریں اور یہ صرف اللہ ہی کا حق ہے کہ بندے اس کی حاکمیت کو تسلیم کریں۔ اس کے حکم کو منبع قانون مانیں اور اس کو امر و نہی کا مختار سمجھیں۔ اپنی زندگی کے معاملات میں اس کے فرمان کو فیصلہ کن قرار دیں اور ہدایت و رہنمائی کے لئے اس کی طرف رجوع کریں لہذا جو شخص خدا تعالیٰ کے ان حقوق میں کوئی ایک حق بھی دوسرے کو دیتا ہے وہ دراصل اسے خدا کا مد مقابل اور ہم سر بناتا ہے اسی طرح جو شخص یا جو ادارہ ان حقوق میں کسی حق کا مطالبہ انسانوں سے کرتا ہو وہ بھی دراصل خدا کا مد مقابل اور ہم سر بنتا ہے خواہ زبان سے خدائی دعوی کرے یا نہ کرے۔

"کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔" (آیت نمبر ۴۳)

یہ علم اور یقین اس کو خدا کے سوا تمام قوتوں سے بے نیاز اور بے خوف کر دیتا ہے۔ اس کی گردن خدا کے سوا کسی کے آگے نہیں جھکتی۔ اس کا ہاتھ کسی کے اگے نہیں پھیلتا لیکن مشرک غیر اللہ کے آگے جھکتا ہے ان کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتا ہے اور ان کو خوش رکھنے کے لئے خود ساختہ رسوم کی ادائیگی کو فرض سمجھتا ہے۔

مشرکین ہمیشہ جھوٹی توقعات پر زندگی بسر کرتے ہیں ان میں کوئی سمجھتا ہے کہ خدا کا بیٹا ہمارے لئے کفارہ بن گیا ہے کوئی خیال کرتا ہے کہ ہم اپنے بزرگوں سے خدا کے ہاں سفارش کروالیں گے۔ کوئی اپنے دیوتاؤں کو نذر و نیاز دے کر سمجھتا ہے کہ اب اسے دنیا میں سب کچھ کرنے کا لائسنس مل گیا ہے اس قسم کے جھوٹے اعتقادات ان لوگوں کو ہمیشہ گناہوں کے چکر میں پھنسائے رکھتے ہیں اور وہ ان کے بھروسے پر نفس کی پاکیزگی اور عمل کی نیکی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ ان کے علماء و مشائخ اور بزرگان دین ان کی بخشش کے لئے سفارش و شفاعت کریں گے۔

شرک کے اخروی نتائج

قرآن مجید میں شرک کو ظلم کہا گیا ہے۔ ظلم عدل کی ضد ہے اس کے معنی ہیں کسی کی حق تلفی کرنا۔ کیونکہ انسان پر سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔ کہ وہ اس کا خالق، مالک اور رازق ہے اس کے حق میں کسی کو شریک ٹھہرانا لازماً سب سے بڑی حق تلفی ہے۔ اس لیے شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے۔

"اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس

کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔" (سورہ النساء ۴۸،۱۱۶)

اور سورہ مائدہ میں فرمایا:

"جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔" (آیت : ۷۲)

خداوند قدوس سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر قسم کے شرک سے محفوظ رکھے اور توحید خالص کا خوگر بنائے اسی پر ہمیں زندہ رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔

تخلیق آدم

انسان اول کے عالم وجود میں آنے کے متعلق دو مشہور نظریات ہیں۔ جو آج کل علمی نقطہ نظر سے بحث و تمحیص کا موضوع بنے ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم نے جو حقائق پیش کیے ہیں ان کی توضیح و تشریح بھی مختلف طریقوں سے ہو رہی ہے اور دوسرا نظریہ ارتقا ہے جس کے مطابق موجودہ انسان اپنی ابتدائی تخلیق و تکوین سے ہی پیدا نہیں ہوا بلکہ کائنات ہست و بود میں اس نے بہت سے مدارج طے کر کے موجودہ انسان کی شکل و صورت حاصل کی ہے۔

تخلیق آدم بمطابق علمائے دین

اللہ تعالیٰ نے انسان کا خمیر مٹی سے تیار کیا اور پھر جب یہ مٹی پختہ ٹھیکری کی طرح کھنکھنانے لگی تو پھر اس نے انسانی مجسمہ بنایا اور اس جسد خاکی میں روح پھونک دی اور یک بیک گوشت پوست ہڈی اور پٹھے کا زندہ انسان بن گیا اور ارادہ و شعور حسن و عقل اور وجدانی جذبات و کیفیات کا حامل نظر آنے لگا۔ فرشتوں کو اللہ نے حکم دیا کہ اس کو سجدہ کرو انہوں نے فوراً ارشاد کی تعمیل کی مگر شیطان نے غرور اور سرکشی کے ساتھ صاف انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم سے اس کی زوجہ حوا کو پیدا کیا اور اس کو صاحب ارادہ و اختیار بنا دیا کہ تمام کائنات کے حقائق و معارف اور علوم و فنون کا علم دیا تاکہ وہ خدا کے قوانین کے مطابق تسخیر کائنات کر کے اسے نوع انسانی کی نشوونما اور ترقی و ارتقاء کے لئے کام میں لائے اور عالمگیر انسانیت کو امن و سکون، عدل و انصاف مساوات و اخوت اور محبت و رواداری کی جنت بنا دے۔ حضرت آدم اپنی زوجہ، ہمدم اور رفیقہ حیات حوا کو پا کر بہت خوش ہوئے اور اطمینان قلب کے ساتھ جنت میں رہنے لگے۔ لیکن شیطان کے ورغلانے پر انہوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا جس سے اللہ تعالیٰ نے انھیں منع فرمایا تھا۔ ان کا ستر ننگا ہو گیا وہ پتوں سے اپنا جسم ڈھانکنے لگے جس سے انسانی تمدن کا آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کی توبہ استغفار اور شرم و ندامت پر ان کی غلطی کو تو معاف کر دیا مگر ان دونوں کو

مستقل قیام کے لئے جنت سے زمین پر بھیج دیا۔ اور ساتھ ہی شیطان بھی زمین پر پہنچ گیا۔ اب دنیا میں حق و باطل اور ملکوتی و طاغوتی دو متضاد طاقتوں کے درمیان مستقل آویزش کی ابتداء ہو گئی۔

اس دنیا میں "پہلے انسان" کے عالم وجود میں آنے کے متعلق مسلمان علماء و مفسرین کی غالب اکثریت "نظریہ وحدت نسل انسانی" پر یقین رکھتی ہے۔

لہذا تمام بنی نوع انسان کا خالق بھی ایک ہی اللہ تعالی ہے اور ان کا واحد جد امجد یعنی پہلا انسان بھی ایک ہے اس لیے تمام دنیا کے انسان بلا امتیاز مذہب و ملت، نسل و قبیلہ، رنگ و زبان اور وطنیت و قومیت اور جغرافیائی اختلافات کے وحدت نسل انسانی کے نظریہ کے تحت آپس میں برابر، مساوی اور بھائی بھائی ہیں۔ لہذا نسل وقبیلہ، رنگ و زبان اور وطنیت و قومیت کے مغربی تصورات غیر حقیقی، غیر انسانی اور غیر اسلامی ہیں۔ حضورؐ نے خطبۃ الوداع کے تاریخی خطبہ میں عالم انسانیت کو انسانی حقوق کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا چارٹر دیا تھا وہ مساوات انسانی، اخوت اسلامی اور عظمت و شرف انسانی کا حیات افروز درس حقیقت تھا آپ نے واضح طور پر فضیلت و بزرگی و شرف انسانیت کا معیار نسل و قبیلہ، رنگ و زبان، وطن و قومیت خاندان و خانوادہ کے غیر انسانی امتیازات کے بجائے فضیلت و بزرگی کا معیار تقویٰ و پرہیزگاری اور اعلیٰ سیرت و کردار کو قرار دیا تھا لہذا اللہ تعالیٰ اور رسول اکرمؐ کی واضح ہدایات و احکام کے خلاف ایسے امتیازات و تعصبات پیدا کر کے نوع انسانی کو مختلف طبقوں میں تقسیم کر کے ان کے درمیان نفرت و عناد اور غیر انسانی تفریق و امتیاز، نظریہ وحدت نسل انسانی کی مخالفت کے مترادف ہے۔

کرہ ارض پر حضرت آدم اور حوا نے نسل انسانی کی افزائش کا سلسلہ شروع کیا تو ان کی اولاد بڑھتی گئی پہلے خاندان بنے، پھر قبیلے، پھر مختلف قومیں، جو تلاش روزگار میں ادھر ادھر پھیلتے گئے اور دور دراز علاقوں میں جا کر آباد ہوتے گئے۔ جغرافیائی حالات۔ دریا، سمندر، پہاڑ، صحرا اور جنگلات کی حدود کے اندر مختلف قومیں ان کے وطن، ان کے ملک اور تہذیب و تمدن رنگ زبان اور رسم و رواج مختلف ہوتے چلے گئے۔

اللہ تعالیٰ ان مختلف قبائل علاقوں، ملکوں اور قوموں کی ہدایت و رہنمائی اور رشد و ہدایت کے لیے اپنے انبیاء بھیجتا رہا۔ حضرت آدم کا زمانہ، حضرت نوحؑ سے قریباً ایک ہزار سال قبل کا ہے اور حضرت نوح پانچ ہزار سال قبل از مسیح پیدا ہوئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ آج سے قریباً آٹھ ہزار سال پیشتر تخلیق ہوئے اور موجودہ نسل انسانی کے آپ باوا آدم اور جد امجد ہیں۔

ابتدائے آفرینش بمطابق نظریہ ارتقاء

ارتقاء وہ مسلسل عمل ہے جس سے ایک نوع دوسری نوع میں مل جاتی ہے بدلتے ہوئے بیرونی حالات

اثرات کے تابع نشوونما ، تبدیلی کا یہ فطری طریقہ ارتقاء کہلاتا ہے ارتقاء کا یہ عمل کائنات کے ہر ذرے میں جاری و ساری ہے چاند ستاروں سے لے کر ذروں تک یہ عمل نظر آتا ہے انسانی تاریخ جہالت سے علم کی طرف گامزن ہے۔ حتیٰ کہ انسان بذات خود ارتقاء کا ہی مظہر ہے جو نوعیں بھی موجودہ دور میں ملتی ہیں قدیم زمانے میں وہ ایسی نہ تھیں۔ انسان کے مشاہدات میں یہ تبدیلیاں نظر آتی ہیں مثلاً پالتو جانوروں میں انسان بذات خود کئی تبدیلیوں کی زد بنتا ہے بعض تبدیلیاں مستقل ہوتی ہیں اور وراثت میں آنے والی نوع میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ ہر نوع میں یہ تبدیلیاں اکٹھی ہونے لگتی ہیں اور آخر کار نئی نوعیں وجود میں آتی ہیں ہر جسم کا دوسرے جسم پر انحصار اور ایک جسم میں تبدیلی لاتعداد تبدیلیوں کی زنجیر بناتی ہے۔ ایسا ہی مشاہدہ ہمیں ارتقاء کے نظریے کا سب سے بڑا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

چارلس ڈارون ایک مشہور ماہر بیالوجسٹ (BIOLOGIST) ہے جس نے نظریہ ارتقاء پر بیش قیمت علوم کا اضافہ کیا۔ چارلس ڈارون کا نظریہ ارتقاء نظریہ تخلیق کے منافی ہے۔ ڈارون کے مطابق اچانک نئی قسم کی تخلیق جو کہ اپنے ارد گرد کے ماحول سے الگ تھلگ ہو اس کی بناوٹ میں ساخت میں ملاوٹ نہ ہو۔ ایسی تخلیق کا وجود مشاہدات یا تجربات میں نہیں گزرا۔ تمام سائنس کی ترقی ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی تائید و حمایت کرتی ہے۔ ڈارون کے نظریہ کی تردید ممکن نہیں بلکہ اس میں بہتر اضافے ہوئے ہیں۔ چارلس ڈارون کے مطابق موجودہ نوع پرانے زمانے کی رہنے والی نوعوں سے بنی ہوئی ہے۔ نشوونما کے جس طریقے سے نئی نوع وجود پذیر ہوتی ہیں ارتقاء کہلاتا ہے یہ ایک آہستہ اور مسلسل طریقہ ہے جو لاکھوں سال میں پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ چونکہ آدمی بھی ایک جانور ہے پس یہ بھی دوسرے جانوروں کی طرح ارتقائی منازل طے کر کے بنا ہے۔ اگر انسان دوسری نوع سے بنا ہے تو اس نوع کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ ڈارون کا خیال تھا کہ ان نوعوں کا آثار باقیہ (FOSSI) سے لگایا جا سکتا ہے۔

ڈارون کی دو مشہور و معروف کتابوں نے (ORIGIN OF SPECIES) کی پیدائشی بنیاد اور (DESCENT OF MAN) نوع سے آدمی کا نزول ڈارون کی ان دونوں معروف زمانہ کتابوں نے سائنس اور فلسفہ کے میدان میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا جو جانور ایک ہی کلاس سے تعلق رکھتے ہیں وہ ایک ہی آباؤ اجداد سے بنے ہوئے ہیں آدمی دودھ دینے والے جانوروں کی صف میں آتا ہے۔ "آدمی حیوان بھونہ ہے " آدمی کی مشابہت زیادہ تر بندروں کے ساتھ ہے" لہٰذا یہ ایک ہی آباؤ اجداد سے بنے ہیں۔"

مغربی مفکرین اور علم اشیائے فطرت کے محققین اور سائنس دانوں کی تحقیقات، تجربات اور مشاہدات کے بعد نوع انسانی کی ابتداء کے متعلق جس نظریہ " پیدائش انسان " پر پہنچے ہیں اسے " نظریہ ارتقاء یعنی " (THEORY OF ORGANIC EVOLUTION) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی ہر شے ایک خاص قانون

قدرت کے تحت بتدریج نشو و ارتقاء کے مدارج طے کر رہی ہے اور یوں ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے اور یہ تبدیلی کچھ ایسے غیر محسوس انداز سے عمل میں آ رہی ہے کہ سطحی آنکھ محسوس طور پر نہیں دیکھ سکتی اور یہ تبدیلیاں انتہائی طول طویل عرصہ میں ظہور پذیر ہوتی ہیں اس لیے ان تدریجی انقلابات کے لئے خود صحیفہ فطرت کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے چنانچہ کتاب فطرت کے ان منتشر اوراق کے مطالعہ و تحقیق کے بعد ذہن انسانی تخلیق انسانی کے متعلق جس نتیجہ پر پہنچتا ہے مختصر الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے۔

1۔ صفحہ ارض پر زندگی (Life) کی ابتداء مٹی اور پانی سے ہوئی۔

2۔ مٹی اور پانی کے اس امتزاج سے زندگی کے خرمہ اولین کو پیکر عطا ہوا۔

3۔ زندگی کے یہ جراثیم مختلف نوعوں میں تقسیم ہو کر ایک درخت کی شاخوں کی طرح بڑھنے پھولنے لگے۔

4۔ ان جراثیموں کے پیکروں میں ہزاروں سال کے مراحل کے بعد مختلف تبدیلیاں ہوتی رہیں۔

5۔ ان طویل المیعاد مراحل کو طے کر کے سلسلہ تخلیق اسی منزل پر آ پہنچا جسے "تخلیق بذریعہ تناسل" کہتے ہیں۔ یعنی حیوانی زندگی کی ابتداء ہوئی۔

6۔ حیوانی زندگی اس قسم کے غیر محسوس اور طویل المیعاد مراحل طے کرنے کے بعد منزل بہ منزل انسانی پیکر میں جلوہ افروز ہوئی اور اس طرح نوع انسانی کی ابتداء ہوئی۔ انسانی تخلیق کے متعلق یہ وہ انکشافات ہیں جو مغربی سائنس دانوں کے علم طبیعیات اور سائنسی تحقیقات، تجربات اور مشاہدات کے بعد بیان کیے ہیں جنہیں "نظریہ ارتقائے پیدائش نوع انسانی" کے متعلق تسلیم کیا گیا ہے۔

انبیاء کرام کی مختصر تاریخ

منصب نبوت و رسالت

انبیائے کرام کا مقصد بعثت انسانوں کے لئے رہنمائی اور رشد و ہدایت تھا اللہ تعالیٰ کا رسول ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے جو افراد کی مناسب تعلیم و تربیت سے ان کی مضمر صلاحیتوں کو نشوونما دے کر ان کو بہترین انسان بناتا ہے۔ دنیائے انسانیت کی تاریخ میں مقام نبوت عزت و شرف و قرب خداوندی کے لحاظ سے بہترین مقام ہے۔ کوئی شخص اپنی عبادت و ریاضت، اعمال صالح اور ذاتی کوشش سے مقام نبوت حاصل نہیں کر سکتا۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم اور مشیت ایزدی سے ہی یہ عظمت و بزرگی کا مقام عظیم حاصل ہوتا ہے یہ اس کا سب سے بڑا انعام و اکرام تھا جو وہ اپنے بندوں میں جسے خود پسند فرماتا اسے عطا کرتا۔ الغرض نبوت کسبی نہیں بلکہ وہبی عنایت کریمانہ اور عطیہ خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کو نبی مبعوث فرماتا اس سے اپنی وحی کے ذریعے خطاب فرماتا اور احکام رشد وہدایت اور کتاب و حکمت سے سرفراز فرماتا۔

تمام انبیاء کرام انسان تھے اور ان ہی لوگوں میں سے تھے جن کی طرف ان کو مبعوث کیا جاتا تھا۔ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرامؑ نوع انسانی کی اصلاح و تربیت وہدایت و رہنمائی کے لئے مختلف اوقات اور مختلف زمانوں میں مختلف قوموں، قبیلوں اور لوگوں کی طرف بھیجے گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات کے تحت انسانوں کو خالص توحید الٰہی، وحدت نسل انسانی، مساوات و اخوت، روز قیامت یعنی قانون مکافات عمل پر ایمان اور اعمال صالح کی دعوت و ہدایت دیتے اور پیام حق و صداقت پہنچاتے لیکن ان تمام خدمات جلیلہ کے عوض کسی اجر یا معاوضہ کا مطالبہ نہ کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کردہ فرائض نبوت کی بجاآوری کے لئے دن رات ان تھک کوشش اور جدوجہد کرتے اور اس سلسلہ میں ہر قسم کے مصائب و آلام اور مسائل و مشکلات کا عزم و استقلال کے ساتھ مقابلہ کرتے۔

وحدت دعوت وحدت نتائج

تمام انبیائے کرام کے حالات و واقعات کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب کو ایک ہی طرح کی مسائل و

مشکلات اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور سب کے نتائج ایک جیسے برآمد ہوئے اور سب کی دعوت رشد و ہدایت ایک جیسی تھی مختصر یہ کہ

1۔ سب اسی قوم میں پیدا ہوئے جس کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ ایسا نہیں ہوا کہ باہر سے کوئی اجنبی آ گیا ہو جس کی زندگی سے لوگ بے خبر ہوں۔

2۔ کوئی بھی بادشاہ یا امیر نہ تھا نہ کسی طرح کا دنیوی ساز و سامان رکھتا تھا۔ سب کا ظہور اسی طرح ہوا کہ تن تنہا اعلان حق کے لئے کھڑا ہو گیا اور صرف خدا کی معیت و نصرت پر اعتماد کیا۔

3۔ سب کا پیام ایک ہی تھا، خدا کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

4۔ سب نے نیک عملی کی تلقین کی۔ انکار و بد عملی کے نتائج سے متنبہ کیا۔

5۔ سب کے ساتھ یہی ہوا کہ رئیسوں نے سرکشی کی بے نواؤں نے ساتھ دیا۔

6۔ مخالفت بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کی ہوئی یعنی اعلان رسالت کی ہنسی اڑائی گئی۔ ان کی باتوں کو حماقت سے تعبیر کیا گیا۔ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اذیت پہنچانے کے تمام وسائل کام میں لائے گئے ان کی دعوت کی اشاعت کو روکنے کے لئے اپنی ساری قوتیں خرچ کر ڈالی گئیں۔

7۔ ہر پیغمبر نے کہا اگر میری دعوت قبول نہیں کرتے تو کم از کم میری موجودگی برداشت کر لو اور فیصلہ نتائج پر چھوڑ دو لیکن منکر اس کے لئے بھی تیار نہیں ہوئے۔

8۔ ہمیشہ یہی ہوا کہ داعی حق اور ان کے ساتھی وعظ و پند کے ذریعے سے تبلیغ کرتے یعنی دل و دماغ کو اپیل کرتے لیکن منکر جبر و تشدد سے ان کی راہ روکنا چاہتے۔ پیغمبروں کی پکار یہی ہوتی تھی کہ روشن دلیلوں پر غور کرو۔ منکروں کا جواب یہ ہوتا تھا کہ انہیں بستی سے نکال باہر کرو و سنگسار کر دو۔

9۔ پھر دیکھو نتیجہ بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کا پیش آیا۔ تمام جماعتیں جنہوں نے دعوت حق کا مقابلہ کیا تھا نیست و نابود ہو گئیں۔ اور دنیا کی کوئی بھی طاقت ان کو قانون الٰہی کی گرفت سے نہ بچا سکی۔ یہی نتیجہ ہے جس پر خصوصیت سے توجہ دلائی۔ قرآن دعوت حق کے ظہور و احوال کی یکسانی سے بے شمار مقاصد و نتائج پر استدلال کرتا ہے۔

قرآن کہتا ہے جب صورت حال یہ ہے تو کیا ایسی باتیں اصلیت سے خالی ہو سکتی ہیں؟ کیا ان کی قدامت، ان کی عالمگیری، ان کا دائمی تسلسل ان کا غیر منقطع اعادہ، ان کی بے داغ وحدت، ان کی فطری صداقت کا اعلان نہیں کر رہی؟

حقیقت وحی

اللہ تعالیٰ انبیاء و رسل کو حضرت جبرائیل کے ذریعے وحی کی صورت میں اپنی ہدایات احکام اور قوانین پہنچاتا

تھا یہ وحی جو انبیائے کرام پر نازل ہوتی تھی وہ ان کی اپنی عقل و فکر کا نتیجہ نہیں اور نہ ہی ان کی کوشش و علم سے ان پر حقیقت کا انکشاف ہوتا تھا بلکہ یہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ان پر انکشاف ہوتا تھا وحی کے اس طرح ملنے کو قرآن نزول کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ حقائق انسان کے اندر سے ابھر کر باہر آنے کے بجائے ان کو باہر سے ملتے تھے قرآن میں ہے۔

"ہم نے تجھ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے"

وحی انبیاء کو کسب و ہنر اور محنت و ریاضت سے نہیں بلکہ فرد کو خدا خود منتخب کر لیتا اسے بلا سعی و کاوش اپنی رحمت سے وحی نازل کرتا۔ اس میں صاحب وحی کے ذاتی خیالات و افکار کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا چونکہ ہم وحی کی کیفیت کا کچھ اندازہ نہیں لگا سکتے اس لئے اس بات کا سمجھنا ہمارے لئے مشکل ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں ایسی باتیں کرے جو دوسرے انسانوں کی طرح اس کے اپنے غور و فکر اور اختیار و ارادہ کا نتیجہ ہوں اور دوسرے وقت میں وہ ایسے حقائق بیان کرے جو نہ اس کی عقل و فکر کا نتیجہ ہوں اور نہ ہی انہیں کسی طرح سے پڑھا سنا یا سیکھا ہو۔ اس طرح نبی کی زندگی اس قسم کے دو حصوں میں منقسم ہوتی ہے یہی وجہ تھی کہ جب مخالفین حضورؐ سے کہتے کہ وہ ان قوانین و احکام میں تھوڑا سا رد و بدل کریں تا کہ باہمی مفاہمت کی کوئی شکل پیدا ہو سکے تو اس کے جواب میں آپ فرماتے کہ "میرے لیے ناممکن ہے کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی رد و بدل کر دوں میں تو صرف اس کا اتباع کرتا ہوں۔ جو میری طرف بذریعہ وحی بھیجا جاتا ہے"

نزول وحی سے قبل خود انبیاء کو اس کا علم و احساس تک بھی نہیں ہوتا تھا کہ ان کو وحی ملنے والی ہے۔

"اس طرح سے ہم نے تیری طرف اپنے عالم امر سے وحی نازل کی ہے حالانکہ اس سے پہلے تو جانتا ہی نہ تھا کہ کتاب کسے کہتے ہیں اور ایمان کیا ہوتا ہے تجھے اس کی امید ہی نہیں ہو سکتی تھی کہ تیری طرف یہ کتاب نازل کی جائے گی یہ خالص رحمت خداوندی کا نتیجہ ہے جو تو صاحب وحی ہو گیا"

چونکہ نبوت نبی اکرمؐ کی ذات گرامی پر ختم ہو گئی اس لئے اب وحی کا سلسلہ بھی بند ہو چکا ہے قرآن حکیم رشد و ہدایت اور قوانین و احکام کی آخری کتاب اور حضورؐ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ تمام انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دین لے کر آئے وہ سب کا ایک ہی دین تھا جس کا نام اسلام ہے اسلام خدا کی طرف سے عطا شدہ آخری اور مکمل دین ہے جو نوع انسانی کی تمام مشکلات و مسائل کا بہترین حل پیش کرتا ہے اور یہ ایسا نظام زندگی ہے جس کی بنیادیں محکم اور غیر متبدل قوانین تصورات اور نظریات پر قائم ہیں اور قرآن اسلام کا ضابطہ قوانین ہے اور اللہ کا دین اس کے اندر مکمل طور پر محفوظ کر دیا گیا ہے لہٰذا اسلامی تصورات، نظریات اور قوانین وہ ہیں جن کی سند قرآن حکیم سے مل جائے۔

قرآن حکیم بتاتا ہے کہ جب انسان نے تمدنی زندگی کا آغاز کیا اور اس سے ان کے باہمی مفاد میں ٹکراؤ پیدا

ہوا۔ حق و باطل کی آویزش نے خطرناک صورت اختیار کی تو انسانوں کی راہنمائی کے لئے وحی کا سلسلہ شروع ہوا اور اس مقصد کے لئے خدا کی طرف سے پیغمبر بھیجے گئے۔ آنحضرت کی بعثت کے وقت انسان سن بلوغت تک پہنچ چکا تھا اس لئے اب ضرورت تھی کہ وہ تمام اصول ، اقدار اور قوانین اپنی مکمل شکل میں نوع انسانی کو دے دیئے جائیں جن کی تعمیر و تکمیل انسانیت کے لئے ضروری تھی چنانچہ یہ مستقل اصول حیات آنحضرتؐ کی وساطت سے قرآن حکیم کے اندر بذریعہ وحی دے دیے گئے ہیں اور قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا۔ دین اسلام کو مکمل کر دیا اور اس کے ساتھ سلسلہ نبوت و رسالت بھی اختتام پذیر ہوا۔ ختم نبوت در حقیقت انسانی تاریخ کا عظیم واقعہ ہے اس سے وحی و نبوت کا سلسلہ ختم کر کے قرآن کی صورت میں بنی نوع انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے لئے آخری شریعت کی صورت میں ایک مکمل ضابطہ حیات عطا کیا گیا ہے اب انسانی راہنمائی کے لئے قرآن حکیم اور انسانی علم و حکمت کی بنیادوں پر اسلامی معاشرہ اور نظام حیات کی عمارت استوار رہے گی جس طرح خارجی دنیا میں کوئی واقعہ یونہی اتفاقیہ نمودار نہیں ہوتا بلکہ قوانین فطرت کی کارفرمائی کا نتیجہ ہوتا ہے جس کے مطابق یہ سلسلہ کائنات کو سرگرم عمل رکھتا ہے اسی طرح انسانوں کی دنیا میں بھی کوئی تبدیلی یونہی بلا اسباب رونما نہیں ہوتی ۔ اس کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے غیر متبدل اور اٹل قوانین مقرر ہیں جو قوم ان قوانین کے مطابق اپنا نظام زندگی قائم نہیں کرتی وہ زوال پذیر ہو کر رفتہ رفتہ تباہ ہو جاتی ہے قرآن حکیم نے وہ قوانین بیان کئے ہیں جن سے قوموں کا عروج و زوال وابستہ ہے ۔ قرآن کریم تاریخ کی کتاب نہیں لیکن اس میں جو تاریخی واقعات بیان کئے گئے ہیں ان کا مقصد انسان کو عبرت اور درس حیات ہے تاکہ لوگ گذشتہ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب پر غور و فکر کرتے ہوئے اپنے لئے تعمیر و ترقی کا راستہ اختیار کریں۔

ابتدائے آفرینش

قیاس کیا جاتا ہے کہ انسانی آبادی کا اولین سرچشمہ جھیل کیسپئین کے اطراف و جوانب میں واقع تھا اس قیاس کے ماتحت محققین نے اقوام عالم کو مختلف مماثلت و مشابہت کی بنا پر تین شاخوں میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ آریائی ، مثلاً برصغیر ہندو پاک ، ایران اور یورپی اقوام

2۔ تورانی یا منگولین : مثلاً ترکستان ، چین ، جاپان ، کوریا وغیرہ

3۔ سامی (سیمٹک) مثلاً عرب ، آرامی ، عبرانی ، سریانی ، اور کلدانی وغیرہ

بعض علماء انساب اقوام عالم کی تقسیم اختلاف رنگ کی بناء پر کرتے ہیں۔

1۔ سفید فام مثلاً سامی اور یورپی اقوام

2۔ سیاہ فام یا سرخ فام مثلاً باشندگان افریقہ

3۔ زرد فام مثلاً چینی، جاپانی وغیرہ

تورات کا بیان ہے کہ طوفان نوحؑ کے بعد جب انسانوں کی نئی زندگی شروع ہوئی تو نسل انسانی حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں ۱۔ حام ۲۔ سام اور ۳۔ یافت سے آگے بڑھی اور موجودہ اقوام عالم ان ہی کی نسل سے ہیں۔

اثری انکشافات اور تحقیقات سے یہ مسئلہ اب محقق ہو چکا ہے کہ ام سامیہ کا اولین وطن ملک عرب تھا جہاں سے نکل کر وہ عراق شام۔ فلسطین وغیرہ میں پھیل گئے۔ درحقیقت یہ تمام اقوام ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں اور ان اقوام کی زبانوں کی اصل بھی عربی زبان کی قدیم شکل ہے۔ ان اقوام کا مورث اعلیٰ سام بن نوحؑ تھا اس لیے قوم نوح کا وطن بھی ان ہی علاقوں میں تھا۔

قرآن پاک نے بتایا ہے کہ حضرت نوحؑ کی کشتی "جودی" پہاڑ پر جا کر ٹھہری۔ تورات نے اس کو "ارارات" بتایا ہے۔ جس کے متعلق خیال ہے کہ وہ آرمینیا کے سلسلہ کوہ میں واقع ہے۔ اسی سلسلہ کوہ سے دریائے دجلہ و فرات بہتے ہوئے جنوب کی طرف آتے ہیں اور خلیج فارس سے کچھ اوپر آپس میں ملتے ہیں اور خلیج فارس میں گر جاتے ہیں۔ اندازہ یہی ہے کہ قوم نوح کا وطن دجلہ و فرات کا درمیانی علاقہ یعنی عراق تھا۔

قرآن حکیم نے اپنے قانون فطرت اور قانون مکافات عمل کی ابتداء حضرت نوح کی قوم کے حالات و واقعات سے کی اور حضرت موسیٰ کے حالات و واقعات پر قوموں کے عروج و زوال حیات و ممات اور سعادت و شقاوت کے واقعات و نتائج پر ختم کر دی ہے اور اس میں قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، قوم ابراہیم، فرعون، نمرود، یوسفؑ اور موسیٰ کی قوم کے حالات و واقعات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ان میں ایک ہی قسم کے حالات و واقعات اور قوموں کے اعمال کے نتائج بھی ایک ہی قسم کے ظہور پذیر ہوئے اور قانون مکافات عمل اور قانون فطرت اپنی مستقل، غیر متبدل، اور اٹل صورت میں ایک ہی قسم کے اعمال و افعال کے ایک ہی قسم کے نتائج ظاہر ہوئے۔ سورہ ہود سورہ اعراف کی تمام سرگزشتوں سے جو حضرت نوحؑ سے شروع ہو کر حضرت موسیٰؑ پر ختم کر دی گئیں غور کریں تو ان تمام دعوتوں کے ظہور میں اعلانات میں اور حق و باطل کی کشمکش میں اور آخر نتائج میں کس قدر حیرت انگیز مماثلت ہے۔ سب قوموں نے اپنے اپنے انبیاء کی دعوت کا انکار کیا۔ سب نے ہنسی اڑائی۔ تمسخر کیا۔ دلائل و براہین اور غور و فکر سے انکار کیا، سرکشی اور ظلم و تشدد کی راہ اختیار کی۔ اس سرکشی، غرور، ظلم و استبداد نے آخری وقت تک انہیں حق و باطل میں تمیز کرنے کا موقع نہ دیا۔ جن لوگوں نے مانا وہ کمزور تھے غریب تھے اور تعداد میں کم تھے۔ انکار کرنے والے سرمایہ دار تھے جن کی تعداد زیادہ تھی طاقتور، حکمران اور صاحب ثروت و سطوت تھے پھر بھی نتیجہ ایک جیسا رہا۔ خدا کا فیصلہ ہمیشہ یہی رہا کہ مومنوں کو نجات ملی، سرکش ہلاک ہوئے قانون فطرت اور قانون مکافات عمل نے اپنا ایک جیسا فیصلہ دیا یہ قانون قدرت کا خاصہ تھا جو غیر متبدل اور اٹل ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام 5000 قبل از مسیح

عبرانی لفظ "نوح" کا مطلب "آرام یا تسلی" ہے۔

حضرت آدمؑ کے تین بیٹے تھے قابیل، ہابیل اور سیت، سیت کی نسل سے آدمؑ کی دسویں پشت میں لمک کا بیٹا نوح پیدا ہوا۔ (تورات پیدائش 29،28،15)

حضرت نوحؑ کا عہد نبوت 5000 ق م تھا اور آپ دجلہ فرات کے درمیان ملک عراق میں پیدا ہوئے جو قوم نوح کا مولد و مسکن تھا۔ حضرت نوحؑ کی بعثت کے وقت قوم نوح قانون خداوندی کے خلاف زندگی بسر کرتی تھی فسق و فجور میں مبتلا اور سرکش اور ظالم تھی انہوں نے خدائے واحد کی عبودیت کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کر رکھی تھی۔ انہوں نے اپنے معبود جن دیوتاؤں اور بتوں کو بنا رکھا تھا ان کے نام ود، سواع، یغوث اور نسر وغیرہ تھے۔ ان کے پاس مال و دولت کی افراط تھی اس لیے وہ عیش و عشرت میں مبتلا ہو چکے تھے۔

حضرت نوحؑ نے اپنی مشرک سرکش عیش پرست اور سرمایہ دار قوم کو دعوت رشد و ہدایت دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لاؤ اور صرف اسی کی عبادت کرو۔ بت پرستی، اسلاف پرستی اور اپنے بزرگوں کی اندھی تقلید سے باز آؤ طبقاتی امتیاز غیر انسانی اور غیر حقیقی ہے۔ غریب امیر، پیشہ ور، مزدور اور صاحب سرمایہ وسطوت اللہ کے نزدیک برابر ہیں۔ فضیلت کا معیار تقویٰ اور نیک اعمال ہیں۔

قوم نوحؑ کے سرکش، مغرور سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تمہارے کہنے پر اپنے اسلاف کے مذہب اور بت پرستی کو کیوں چھوڑ دیں۔ جب کہ تم بھی ہمارے جیسے انسان ہو اور تمہارے ساتھ غریب پیشہ ور اور نچلے طبقے کے لوگ ہیں۔

حضرت نوحؑ کی تعلیم کے دو بنیادی اصول تھے

1۔ اللہ کے سوا کسی کی اطاعت و محکومی اختیار نہ کرو۔ یہ دعوت نوحؑ کا بنیادی اصول تھا دوسرا بنیادی اصول مساوات انسانی تھا۔ تاریخ انسانیت میں حق و باطل کی کشمکش میں دو اصول حق و صداقت کی راہ میں سنگ گراں بن کر حائل ہوتے ہیں یعنی توحید الہی اور مساوات انسانی ہر دور اور ہر زمانہ اور ہر ملک و قوم میں حکمرانوں سرمایہ داروں اور مذہبی پیشواؤں نے متحدہ محاذ بنا کر خالص توحید خداوندی کی مخالفت کی اور اپنے خود ساختہ باطل معبودوں کی پرستش پر اصرار کرتے رہے۔ اسلاف پرستی، بت پرستی اور اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرتے رہے۔ اللہ کی توحید اس کی عبادت اور اس کے احکام و ہدایات سے سرکشی کی، مخالفت کی اور انبیاء کرام کو ہر قسم کے مصائب و آلام، ایذا رسانیوں اور پریشانیوں میں مبتلا رکھا۔

2۔ دوسرا اصول مساوات انسانی کا تھا۔ انبیاء کا پیغام تھا کہ تمام انسان خالق حقیقی کی مخلوق اور ایک ہی باوا آدم

کی اولاد ہونے کی بناء پر آپس میں برابر، مساوی اور بھائی ہیں۔ ذات پات، نسل و قبیلہ، رنگ و زبان، قومیت وطنیت اور پیشوں کے لحاظ سے اختلاف کے باوجود پیدائش کے لحاظ سے تمام انسان برابر، مساوی اور قابل احترام ہیں۔ ان کے درمیان فضیلت اور عزت کا معیار ان کے اعمال، سیرت و کردار، تقویٰ و پرہیز گاری ہیں۔ مگر سرمایہ دار، حکمران اور مذہبی پیشوا اس مساوات انسانی کے اصول کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے اور اپنی نسل قبیلہ، دولت و ثروت پر فخر کرتے تھے۔

حضرت نوحؑ کی بعثت سے پہلے آپ کی قوم خدا کی توحید، اور صحیح مذہب کی روشنی سے یکسر ناآشنا ہو چکی تھی اور حقیقی خدا کی جگہ خود ساختہ بتوں یعنی اسلاف پرستی اور اصنام پرستی کو اپنا شعار بنا چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی قوم میں سے حضرت نوحؑ کو ان کی رشد و ہدایت اور اصلاح کیلئے مبعوث فرمایا۔ آپ نے اپنی قوم کو راہ حق اور سچے مذہب کی طرف پکارا۔ قوم نے نہ مانا اور نفرت و حقارت سرکشی اور ضد کے ساتھ انکار کیا، سرداران قوم اور اہل ثروت وسطوت لوگوں نے تکذیب و تحقیر کا کوئی پہلو نہ چھوڑا۔ انہوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ جس شخص کو نہ ہم پر دولت و ثروت میں برتری حاصل ہے اور نہ وہ انسانیت کے مرتبہ سے بلند کوئی فرشتہ یا فوق البشر انسان ہے اس کو کیا حق ہے کہ ہمارا پیشوا بنے اور ہم اس کے احکام کی تعمیل کریں۔ وہ جب غریب اور کمزور افراد کو نوحؑ کے تابع اور پیرو کار دیکھتے تو حقارت آمیز لہجے میں کہتے "ہم ان کی طرح نہیں کہ آپ پر ایمان لے آئیں۔" یہ عقل و شعور سے عاری غریب پیشہ ور نچلے طبقے کے لوگ ہیں۔ اس لیے آپ کے اندھے مقلد ہیں۔ حضرت نوحؑ سے کہتے کہ "پہلے ان پیشہ ور غریب لوگوں کو اپنے پاس سے نکالو پھر ہم آپ سے بات کریں گے کیونکہ ہم اور یہ ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتے" حضرت نوحؑ جواب دیتے کہ ایسا نہیں ہو سکتا یہ لوگ اللہ کے مخلص اور نیک بندے ہیں اللہ کے ہاں اخلاص اور تقویٰ کی قدر ہے آپ فرماتے کہ یہ کمزور اور نادار افراد جو خدا پر سچے دل سے ایمان لائے ہیں تمہاری نگاہ میں اس لیے حقیر و ذلیل ہیں کہ وہ تمہاری طرف صاحب دولت نہیں، یہ واضح رہے کہ خدا کی سعادت و خیر کے قانون کے مطابق ظاہری دولت کی ضرورت ہے نہ جاہ و منصب کی۔ میں اجرت کا طلبگار نہیں ہوں۔ اس خدمت کا حقیقی اجر و ثواب تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ بہترین قدر دان ہے۔

بہرحال جب حضرت نوحؑ اپنی قوم کی ہدایت سے بالکل مایوس ہو گئے تو آپ نے چھ سو سال طویل دور دعوت رشد ہدایت کے بعد اللہ سے ان پر عذاب نازل کرنے کی دعا کی جو اللہ تعالیٰ نے منظور فرما لی۔ اور اپنے قانون مکافات عمل کے مطابق ان کی سزا کا اعلان کر دیا۔ حضرت نوحؑ سے فرمایا کہ ایک کشتی تیار کر لیں۔ حضرت نوحؑ نے کشتی بنانی شروع کر دی تو کفار نے آپ کی ہنسی اڑائی اور مذاق کیا۔ آخر سفینہ نوح بن کر تیار ہو گیا۔ اور خدا کے وعدہ عذاب کا وقت آ گیا۔ حضرت نوحؑ نے اس کی پہلی علامت کو دیکھا کہ زمین سے پانی ابلنے لگا۔ وحی نے آپ کو حکم دیا کہ کشتی میں اپنے خاندان کو بیٹھنے کا حکم دو اور جانداروں میں ہر ایک کا جوڑا کشتی میں رکھ لو

اور وہ مختصر جماعت مومنین جو قریباً چالیس افراد پر مشتمل تھی کشتی پر سوار ہو جائے جب وحی کے حکم کی پوری تعمیل ہو گئی تو اب آسمان سے پانی برسنا شروع ہو گیا اور زمین کے چشمے بھی پوری طرح ابل پڑے چالیس دن اور رات بارش ہوتی رہی اور پھر مزید ایک سو دس دن تک پانی چڑھتا رہا یہاں تک کہ بلند ترین پہاڑ کی چوٹیاں بھی ڈوب گئیں پھر مزید 221 دن کے بعد پانی اترنا شروع ہوا اور نوح کی کشتی ارارط کے پہاڑوں پر ٹک گئی۔" (پیدائش 118)

بالآخر تمام کفار، منکرین و معاندین خدا کے قانون مکافات عمل کے مطابق اس طوفان بلاخیز میں غرق ہو گئے اور سب کا نام و نشان مٹ گیا۔ پسر نوحؑ اور آپ کی نافرمان بیوی بھی کفار کے ساتھ غرق طوفان ہو گئے۔ آخر حکم الٰہی سے طوفان کا عذاب ختم ہوا۔

حضرت نوح کی تعلیم کا خلاصہ

1۔ بت پرستی، اسلاف پرستی اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی توحید اور صرف اسی کی عبادت کرو۔ اور اسی کے احکام و ہدایت پر عمل کرو۔

2۔ قوم نوحؑ میں طبقاتی کشمکش شروع ہو چکی تھی ایک طرف سرمایہ دار حکمران اور مذہبی پیشوا تھے اور دوسری طرف مزدور، محنت کش اور پیشہ ور لوگوں کا طبقہ جو ہر قسم کے حقوق سے محروم اور اسی سرمایہ دار طبقہ کے استحصال کا شکار تھا۔ حضرت نوح نے مساوات انسانی، احترام آدمیت، اور پس ماندہ طبقہ کے حقوق و مفاد کے تحفظ کا درس انسانیت دیا۔

3۔ قوم کے سرداروں اور سرمایہ دار طبقہ نے سرکشی اور مخالفت کا راستہ اختیار کیا اور اس رشد و ہدایت کی تعلیم پر غور کرنے سے انکار کر دیا۔ غریب طبقہ کے لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کر لیا اور اللہ کی توحید پر ایمان لا کر اعمال صالح پر عمل پیرا ہو گئے اور حضرت نوحؑ کے مخلص اور وفادار ساتھی بن گئے۔ مگر مخالفین نے کہا کہ آپ کے ساتھ نچلے طبقے کے لوگ ہیں جو آپ پر بے وقوفی اور جہالت کی وجہ سے ایمان لائے ہیں ہم آپ کی تصدیق کر کے ایمان نہیں لائیں گے۔ الغرض حضرت نوح کا پیغام ذات، پات، نسل و قبیلہ، غریب و امیر کے امتیاز کے بغیر انسانی مساوات، برابری اور اخوت کا تھا۔ اس پیغام کے مطابق فضیلت اور بزرگی کا معیار صرف تقویٰ و پرہیزگاری اور اعمال صالح تھا۔

4۔ قوم نوح نے کہا کہ تم ہماری طرح کے ایک انسان ہو پھر تم پر ہم ایمان کیوں کر لائیں اگر آپ فرشتہ یا کوئی فوق البشر انسان ہوتے تو ہم ایمان لے آتے۔ اس پر حضرت نوح نے کہا کہ انسانوں کی ہدایت و راہ نمائی صرف انسانوں کے ذریعے ہو سکتی ہے لہٰذا اللہ نے مجھے تمہاری طرف ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے میں صرف سچائی کا

پیامبر ہوں مجھے طاقت و تصرف کا دعویٰ نہیں۔ میں انسانیت سے بالاتر کوئی ہستی نہیں ہوں۔ حضرت نوح نے فرمایا کہ میں اپنی دعوت و تبلیغ کے عوض آپ سے کسی معاوضہ یا اجرت کا طلبگار نہیں ہوں۔ میرا اجر و ثواب صرف اللہ کے پاس ہے میں صرف اسی کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔

حضرت نوح کے تین بیٹے حام، سام اور یافت تھے ان میں سے اقوام عاد و ثمود سام کی نسل سے ہیں۔

قوم عاد۔ اور حضرت ہود علیہ السلام 3000 ق م

تحقیقات جدیدہ کے مطابق 3000 ق م سے 2500 ق م کے قریب عرب، شام، عراق وغیرہ میں امم سامیہ یعنی حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی نسل پھیلی ہوئی تھی۔ ان کا سب سے اہم اور مقتدر قبیلہ عاد تھا جو ایک عظیم الشان قوم تھی جو حضرموت اور یمن کے علاقہ سے شروع ہو کر خلیج فارس کے ساتھ عراق تک پہنچی تھی اور دوسری طرف عرب سے نکل کر شام اور مصر پر حکمران تھی اور قریباً 3000 ق م ان تمام علاقوں پر اس قوم عاد کا تسلط و اقتدار نظر آتا ہے سام کے بیٹے ارم کی نسبت سے انہیں عاد ارم بھی کہا جاتا ہے قوم نوح کی بربادی کے بعد جب یہ علاقے دوبارہ آباد ہوئے تو بنی سام کی پہلی ترقی اسی قوم عاد سے ہوئی اور یہی قوم عاد ہے جس کی طرف حضرت ہودؑ مبعوث ہوئے ان کا مقام بعثت و تبلیغ احقاف کا علاقہ تھا۔ احقاف صحرا کو کہتے ہیں۔ جزیرہ نمائے عرب کا وہ طویل و عریض ریگستان جسے اب ارابع خالی کہا جاتا ہے احقاف کا علاقہ تھا اور اس قوم کو عاد اولیٰ یعنی عاد ارم بھی کہتے ہیں۔ حضرت نوح کی قوم کے بعد قوم عاد کو ان کا جانشین بنایا گیا اور انہیں دنیا میں بڑا اقتدار و تسلط، مال و دولت اور وسعت و قوت عطا کی گئی۔ آب پاشی اور سیرابی کے لئے قدم قدم پر چشمے اور پھلوں سے لدے ہوئے باغات، افراد اور مویشیوں کی کثرت اور قوت و سطوت اور ہر شے کی فراوانی۔ یمن اس کا دارالحکومت تھا۔ قوم عاد پہاڑوں پر بڑے بڑے مضبوط قلعے اور شہروں میں بڑی بڑی ستونوں والی شاندار عمارات بناتے تھے۔ اس قوم کو نہ صرف قوت و حشمت، ثروت و دولت بلکہ علم و دانش بھی حاصل تھا اور قرآن کے مطابق ان کو سماعت بصارت اور قلب بھی حاصل تھا یعنی تجربات، مشاہدات، غور و فکر اور علم و دانش بھی عطا تھا۔

عاد بت پرست تھے اور قوم نوح کی طرح اصنام پرستی اور اصنام سازی میں ماہر تھے اور ان کے معبود ود، سواع یغوث، یعوق اور نسر ہی تھے۔ انہوں نے اپنی مملکت کی سطوت و جبروت اور جسمانی قوت و صولت کے غرور میں خدائے واحد کو بھلا کر بت پرستی اور شیطانی اعمال کرنے لگے اللہ تعالیٰ نے ان ہی میں سے ایک پیغمبر حضرت ہودؑ کو ان کی اصلاح اور رشد و ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ حضرت ہودؑ عرصہ دراز تک ان کو دعوت حق اور نیک اعمال کی تبلیغ کرتے رہے۔ بت پرستی غرور اور سرکشی کے نتائج میں عذاب الہیٰ سے ڈراتے رہے مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔

حضرت ہودؑ بھی فرماتے کہ اس دعوت و ہدایت کا میں تم سے کوئی اجر یا معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر صرف

اللہ کے پاس ہے میں اس کے احکام وہدایت پر مالک حقیقی کی خوشنودی کے لئے اپنا فرض ادا کرتا ہوں۔ انہوں نے حضرتؑ ہودؑ کا مذاق اڑایا ان کا استہزا اور تحقیر کی ان کو پاگل اور مجنوں کہا مگر آپ راہ حق میں اپنا فرض ادا کرتے رہے اسی سرکش قوم پر حضرت ہود کی تبلیغ و نصائح کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور اپنی تکذیب و تذلیل میں اور بڑھتے گئے اور آپ یہ سب کچھ صبر و ضبط سے برداشت کرتے رہے جب اس بدنصیب قوم کا ظلم و تکبر بڑھتا گیا تو حضرت ہودؑ نے اللہ سے ان کے لئے عذاب الیم کی دعا کی جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔ چنانچہ ان پر آندھی اور طوفان کا عذاب آیا اور سات دن اور سات راتیں لگاتار تیز و تند ہوا کا طوفان جاری رہا اور ان کو اور ان کی بستیوں کو تہہ و بالا کر دیا اور ریت کے ٹیلوں کے نیچے دفن کر دیا اور اس طرح ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

حضرت ہود کو اللہ تعالیٰ نے عذاب الیم کا پہلے سے ہی علم دے دیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے متبعین یعنی ایمان والوں کے ساتھ پہلے ہی سے محفوظ مقام پر جا چکے تھے اور ان باقیات صالحین یعنی حضرت ہودؑ کے ساتھیوں سے جو قوم آگے بڑھی اس کو عاد ثانیہ کہتے ہیں جو تباہ کر دی گئی تھی عاد اولیٰ تھی۔

حضرت ہود اس ہلاکت کے بعد حضر موت آکر سکونت پذیر ہو گئے اور وہاں ہی ان کی وفات ہوئی اور وادی بیروت کے قریب حضر موت کے قریب دفن کر دیئے گئے۔

قوم ثمود۔ اور حضرت صالح علیہ السلام 2800 ق م

حضرت صالحؑ جس قوم میں پیدا ہوئے اسے قوم ثمود کہتے ہیں۔ قوم ثمود بھی سامی نسل سے ہے اور یہ ان افراد کی نسل ہے جو حضرت ہود کے ساتھ عذاب الہی سے بچ کر کسی محفوظ مقام پر چلے گئے تھے۔ قوم ثمود کی بستیاں حجر میں تھیں جو حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ تک میدان نظر آتا ہے یہ سب ان کا مقام سکونت تھا اور آج کل " فجہ الناقتہ " کے نام سے مشہور ہے ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اور اثرات آج تک موجود ہیں، حجر کا یہ مقام حجر ثمود کہلاتا ہے۔ شہر مدین سے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ قوم ثمود نے حجر میں پہاڑوں اور پتھروں کو تراش کر بے نظیر اور عالی شان عمارات تعمیر کیں۔ ثمود فن تعمیر میں کمال رکھتے تھے۔ قوم ثمود جو قوم عاد کی جانشین تھی۔ اس کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے گزر چکا تھا۔ قوم ثمود بہت سے معبودوں اور بتوں کی پرستش کرتے تھے اور شرک اور گمراہی میں مبتلا تھے اللہ تعالیٰ نے ان ہی سے حضرت صالحؑ کو ان کی اصلاح وہدایت کے لئے نبی و رسول بنا کر بھیجا۔ حضرت صالح نے اپنی قوم کو رشد وہدایت کی دعوت دی۔ مگر ان پر مطلق اثر نہ ہوا وہ آپ کی شدید مخالفت کرتے رہے اور بت پرستی چھوڑ کر توحید الہیٰ کی طرف نہ آئے۔ آپ کا مذاق اڑاتے اور تکذیب کرتے اور کہتے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے صالح کو پیغمبر بنایا جائے اور کسی صاحب اقتدار و مال و دولت کو نہ بنایا جائے۔ اور ان کے ماننے والے بھی غریب اور پسماندہ طبقہ کے لوگ ہیں الغرض اس مغرور اور سرکش قوم

نے حضرت صالح کی دعوت و نصیحت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور خدا کے نشان (معجزہ) کا مطالبہ کیا حضرت صالح نے بارگاہ رب العزت میں نشان یعنی معجزہ کی دعا کی جو اللہ تعالیٰ نے منظور فرمائی اور مطلوبہ نشان ایک اونٹنی کی شکل میں عطا فرمایا۔ حضرت صالح نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ نشان خداوندی ہے۔ اگر تم نے اس اونٹنی کو ایذا پہنچائی تو پھر یہی تمہاری ہلاکت کا نشان ثابت ہو گا اور خدا نے تمہارے اور اس کے درمیان پانی پینے کی باری مقرر کر دی ہے ایک دن تمہارا ہے اور ایک دن اس کا لہذا اس میں فرق نہ آئے۔

اگر اس میں فرق آیا یا ناقہ کو نقصان پہنچا تو یہی قوم کی ہلاکت کا نشان ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے "ناقہ" کو ہلاک کر دیا اور خدا کے عذاب سے خود بھی ہلاک ہو گئے۔

قرآن حکیم نے اس کو "ناقتہ اللہ" (اللہ کی اونٹنی) کا لقب دیا۔ چنانچہ یہ قوم حضرت صالح کے اس فیصلہ کو زیادہ برداشت نہ کر سکی اور انہوں نے ایک سازش کر کے ایک شخص قدار بن سالف کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اس کے قتل میں پہل کرے اور باقی اس کی اعانت کریں گے اس طرح ناقہ کو ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت صالح کو جب معلوم ہوا تو بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے فرمایا اے بدبخت قوم! آخر تجھ سے صبر اور انصاف نہ ہو سکا۔ اب خدا کے عذاب کا انتظار کرو۔ تین دن کے بعد عذاب آئے گا اور تم سب کو نیست و نابود کر دے گا۔ چنانچہ تین دن کے بعد ایسا ہولناک عذاب آیا کہ تمام قوم ثمود ہلاک ہو گئی۔ قوم ثمود پر رات کے وقت "ایک ہیبت ناک آواز" نے ہر شخص کو اسی حالت میں ہلاک کر دیا جس حالت میں وہ تھا۔ قرآن حکیم نے اس ہلاکت آفرین آواز کو کڑک دار بجلی زلزلہ ڈال دینے والی دہشت ناک چیخ فرمایا ہے۔ چنانچہ اس قیامت خیز عذاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس سرکش، مغرور، مشرک اور نامراد قوم اور اس کی بستیوں کو نیست و نابود کر دیا جو آنے والی نسلوں کے لئے باعث عبرت ثابت ہوئی۔

قوم ثمود کی ہلاکت کے بعد یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ حضرت صالح اپنے متبعین ایمان والوں کے ساتھ کہاں گئے۔ اغلب یہ ہے کہ وہ فلسطین میں آباد ہوئے۔

قوم ثمود بھی قوم عاد کی طرح عالی شان مکانات و محلات تعمیر کرتے اور پہاڑوں کو کاٹ کر ان میں مضبوط قلعے تعمیر کرتے جو فن سنگ تراش کے اعلیٰ نمونے ہوتے اور ان کو پر فضا باغات، کھیتیاں اور چشمے عطا ہوئے، دولت و حشمت اور حکومت و سطوت کے نشہ اقتدار میں اللہ کی تکذیب کرتے اور بتوں کی پرستش کرتے اور ان کے ارباب حکومت و اقتدار بے حد سرکش اور مفسد تھے۔ قرآن مجید کے مطابق اس قوم میں فساد عام ہو چکا تھا۔ ان کے مرکز یعنی دارالحکومت میں نو سرکردہ لوگ تھے جن کے ہاتھ میں حکومت کا انتظام و انصرام تھا جو درحقیقت اس فساد کے سرچشمہ تھے۔ ہر قوم میں فساد کا ذمہ دار دراصل اس کا اوپر کا طبقہ یعنی وہ لوگ جو صاحب حکومت و اقتدار اور صاحب دولت و ثروت ہوتے ہیں۔ عوام ان کے پیچھے چلتے ہیں۔ اگر اوپر کے طبقہ کی اصلاح ہو جائے تو عوام کی

اصلاح خود بخود ہو جائے۔ حضرت صالح نے اس سرکش قوم کو دعوت رشد و ہدایت دی یعنی کہا کہ اللہ کی عبودیت اختیار کرو وہی آقا و حاکم ہے " ایک پیغمبر بھی اپنے آپ کو قوانین خدا کی معصیت کے انجام سے محفوظ خیال نہیں کرتا اور قانون مکافات عمل کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ یہ ہے وہ ایمان جس پر نظام خداوندی کی عمارت تعمیر و مستحکم ہوتی ہے۔

انسانوں کا معاشرتی اور اجتماعی نظام اللہ تعالیٰ کے قانون مکافات عمل کے مطابق نظم و ضبط، عدل و انصاف کے مطابق چل رہا ہے۔

قوم ثمود کی داستان عبرت انگیز ہر صاحب علم و بصیرت کے لئے درس حیات ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام 2300 ق م

حضرت لوط " حضرت ابراہیم کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے وہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم کی نبوت و رسالت اور توحید الہٰی پر ایمان لائے اور وہ اور ان کی بیوی نے حضرت ابراہیم کے ساتھ ہجرت کی، مصر پہنچے۔ مصر سے حضرت ابراہیم کے مشورہ پر آپ ہجرت کر کے شرق اردن کے علاقہ سدوم اور عامورہ چلے گئے اور وہاں توحید کی تعلیم و تبلیغ کرتے رہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے نبی تھے سدوم اور عامورہ کی بستیاں وہاں واقع تھیں جہاں آج کل بحر مردار یا بحر لوط واقع ہے عام لوگوں کا اعتقاد ہے کہ پہلے یہ تمام علاقہ جو سمندر ہے خشک زمین تھی اور یہاں سدوم اور عامورہ کی بستیاں آباد تھیں۔ جب قوم لوط پر عذاب الہی نازل ہوا تو یہ تمام علاقہ پانی سے بھر گیا۔ اور وہ قوم اس میں غرق ہو گئی۔ اثری تحقیقات اور تاریخی روایات نے ثابت کر دیا ہے کہ صدیوں پہلے یہ علاقہ آباد تھا۔

حضرت لوط نے یہاں آکر دیکھا کہ یہاں کے لوگ ہر قسم کے فواحش اور برائیوں میں مبتلا تھے۔ دیگر بد اخلاق اور بدکردار کاموں کے علاوہ " لواطت " کی انسانیت سوز برائی میں بھی بہت زیادہ ملوث تھے اور اس بدکرداری کو عیب اور برائی نہیں سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ کاروبار میں بددیانتی کرتے اور باہر سے آئے ہوئے سوداگروں کا مال و اسباب مختلف حیلوں بہانوں سے لوٹ کر ہضم کر جاتے الغرض سدوم کے لوگ ہر قسم کے ظلم، فحاشی، بے حیائی، بد اخلاقی، سرکشی، فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ حضرت لوط نے ان لوگوں کو ان کی بے حیائیوں بد کرداریوں اور خباثتوں سے منع کرنے اور شرافت و طہارت کی زندگی کی ترغیب دی۔ اپنے حسن خطابت اور ہمدردی کے ساتھ سمجھایا۔ موعظت اور نصیحت کی۔ دعوت رشد و ہدایت اور گذشتہ اقوام کی بد اعمالیوں کے عبرت ناک نتائج سے آگاہ کیا مگر اس بدبخت قوم پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ الٹا آپ کے دشمن ہو گئے۔ اور طنزیہ طور پر کہنے لگے کہ لوط اور ان کے ساتھی پاک لوگ ہیں ان کو اپنے شہر سے نکال دو۔ انہوں نے حضرت لوط سے کہا اگر تو اپنے قول و عمل میں سچا ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لا کر دکھا۔ ادھر تین فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس آئے۔ اور کہا ہم قوم لوط

کی تباہی کے لئے جا رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے ازراہ ہمدردی، محبت و شفقت اور انسان دوستی ان کو قوم لوط کو تباہ و برباد نہ کرنے کا مشورہ دیا مگر انہوں نے کہا ہم اللہ کے حکم پر اس سرکش، بد عمل، بے حیاء اور فسق و فجور میں مبتلا قوم کو ضرور ہلاک کر دیں گے۔ البتہ حضرت لوط اور ان کا خاندان اس عذاب سے محفوظ رہے گا ماسوائے ان کی بیوی کے جو اس قوم کی حامی اور ان کی بداعمالیوں اور بد اخلاقیوں میں قوم لوط کے ساتھ ہے حضرت لوط نے اسی بدکردار قوم سے کہا کہ میں دن رات جو اسلام اور صراط مستقیم کی دعوت دیتا ہوں اور برائیوں سے منع کرتا ہوں اس کا تم لوگوں سے کوئی اجر یا معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ میرا معاوضہ اللہ کے پاس ہے الغرض جب وہ کسی طرح اپنی بد اعمالیوں سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کے قانون مکافات عمل کے نتائج کا وقت آپہنچا جس کا یقینی اور حتمی فیصلہ ہے کہ بدکرداریوں اور بد اعمالیوں کی سزا بربادی وہلاکت ہے۔ الغرض ملائکہ اللہ حسین و خوبصورت نوجوان لڑکوں کی شکل و صورت میں مسدوم حضرت لوط کے پاس پہنچے۔ حضرت لوط ان کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ مگر وہ ملعون بے حیائی کے درپے ہوگئے۔ حضرت لوط نے ان کو بہت سمجھایا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جب فرشتوں نے حضرت لوط کو از حد پریشان دیکھا تو فرمایا کہ فکر نہ کریں ہم عذاب کے فرشتے ہیں اور ہم ان کو نیست و نابود کر دیں گے آخر عذاب کا وقت آپہنچا۔ حضرت لوط اپنے خاندان سمیت سدوم سے رخصت ہو گئے۔ مگر ان کی بیوی نے ان کی رفاقت سے انکار کر دیا۔ اور سدوم میں ہی رہی۔ آخر جب ایک ہولناک چیخ نے اہل سدوم کو تہہ و بالا کر دیا اور آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ اور وہی ہوا جو کہ گذشتہ نافرمان بداعمال اور سرکش قوموں کا انجام ہوتا رہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام 2300 ق م

سرزمین دجلہ و فرات میں نینوا اور بابل سے پہلے جو شہر آباد ہوئے ان میں ایک شہر "ار" تھا۔ یہ جنوبی عراق میں فرات کے کنارے آباد تھا اس کا محل وقوع وہ مقام تھا جو آج کل "تل العبید" کے نام سے پکارا جاتا ہے اس کی تحقیق کا سلسلہ آج بھی جاری ہے لیکن جس قدر آثار و کتبات روشنی میں آچکے ہیں ان سے باشندگان شہر کے عقائد و اعمال کے بہت سے گوشے واضح ہو چکے ہیں۔ ان کا مذہب کواکب پرستی تھا۔ اور یہاں سورج، چاند اور ستاروں کے بت اور معبد قائم ہو چکے تھے۔ "تل العبید" شہر کے ٹیلے پر "نافعار" یعنی چاند کا مندر تھا۔

تقریباً 2300 ق ۔ م حضرت ابراہیمؑ شہر ار میں پیدا ہوئے یہ ملک عراق کا دارالخلافہ تھا۔ اس شہر کی آبادی اس وقت پانچ لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ ار بڑا صنعتی مرکز تھا۔ ایک طرف پامیر اور نیلگری تک سے مال برآمد ہوتا تھا اور دوسری طرف اناطولیہ تک اس کے تجارتی مراسم تھے۔

عوام صنعت و حرفت میں کمال رکھتے تھے اور اکثر کا ذریعہ معاش یہی تھا۔ مادہ پرستی اپنے عروج پر تھی۔ دولت کا حصول زیادہ سے زیادہ آسائش فراہم کرنا ان کا سب سے بڑا مقصد حیات تھا۔ سود خواری کی لعنت میں مبتلا

تھے ۔ سخت کاروباری قسم کے لوگ تھے ۔ کسی پر بھروسہ نہیں کرتے تھے ، چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑتے جھگڑتے اور مقدمے بازی کرتے تھے اپنے خداؤں سے لمبی عمر اور مال و دولت کے لئے دعا کرتے تھے اونچ نیچ اور ذات پات کی بیماری میں مبتلا تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کے والد " تارح " کا بچپنے میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ والدہ کا نام شانی تھا چچا نے پرورش کی تھی اور چونکہ وہ مندر کے پجاریوں میں سے تھا اس لیے " آوار " کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ آوار قدیم کالڈی زبان میں بڑے پجاری کو کہا جاتا ہے یہی " آوار " بعد کی عربی میں آزر کی شکل اختیار کر گیا اسی لیے قرآن میں اس کا ذکر " آزر " کے نام سے آیا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اس بت پرست گھر میں پیدا ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب سلیم کو سچائی کے نور سے معمور کر دیا تھا۔ لہٰذا ان پر قوم و وطن کی عصبیت اور بت پرستی کے عقائد نے کوئی اثر نہ کیا اور آپ نے اپنے گھر سے توحید کی تبلیغ کی ابتداء کی اور پھر تمام قوم کو توحید کا پیغام حق و صدات دیا اور شرک و بت پرستی کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔

نبی کا سب سے بڑا وصف جو قرآن نے بتایا ہے وہ اس کی سچائی ہے ۔ نبی معصوم ہوتا ہے وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔

حضرت ابراہیم کے زمانے کا بادشاہ ۔ عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم نے اعلان توحید کیا تو اس وقت کے بادشاہ کا نام نمرود تھا۔ لیکن بابل اور نینوا کے آثار قدیمہ سے جس قدر معلومات فراہم ہو چکی ہیں ان سے اس خیال کی تصدیق نہیں ہوئی ۔ نمرود سے مراد وہ بادشاہ ہے جس کے خاندان نے سب سے پہلے بابل پر حکمرانی کی تھی ۔ اس خاندان کا مشہور شخص آور ہنم تھا جس کے سوانح حیات کی منقش اینٹیں جرمنوں کی کوشش سے 1904ء میں برآمد ہوئیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نمرود اور اس کے خاندان کا زمانہ دو ہزار سات سو سال قبل از مسیح تھا مگر حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ دو ہزار چار سو سال ق ۔ م تھا۔ اور اس وقت نمرود کے خاندان کی حکومت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ اس وقت ایک نیا شاہی خاندان ایلاسی کے نام سے برسر اقتدار تھا۔ اس خاندان کا جو بادشاہ 2300 ق م میں وہاں حکومت کرتا تھا اس کا نام " دولا اومر " تھا غالباً یہی بادشاہ حضرت ابراہیم کا معاصر تھا۔ بابل کے آثار میں اس بادشاہ کی تصویریں اور بعض فرامین کی اینٹیں بھی ملی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا جابر اور خود سر تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عربوں میں شاہان روم ، قیصر، شاہان ، ایران کسریٰ اور شاہان مصر کو فرعون کہتے تھے اسی طرح بابل کے بادشاہوں کے لئے نمرود کا لقب استعمال ہوتا تھا۔

بابل کے آثار قدیمہ جو اب تک برآمد ہو چکے ہیں علماء اثریات کی توجہ اب سے ساڑھے چار ہزار سال قبل کلدانیوں کی تہذیب و تمدن کی طرف پھیر دی ہے ۔ جب انسانی تمدن نے بے مثال ترقی کی تھی اور قدرت کے صدہا

اسرار و رموز آشکار کر دیے گئے تھے ۔ آگ ، پانی ، مٹی اور ہوا کی پوشیدہ طاقتوں کے ذریعے حیرت انگیز کار نامے سرانجام دیئے تھے۔ تاریخ کو اس ابتدائی زمانہ کی علمی و عملی ترقی پر حیرت ہے کہ زمین والے آسمان تک پہنچ گئے تھے اور ناقابل یقین حد تک قانون فطرت کے مطابق کائنات مسخر کر کے اس سے نوع انسانی کی ترقی اور آرام و آسائش کے لئے کام لیتے تھے ۔ یہ عجیب و غریب تمدن ▪ ترقی کلدانیوں کی تھی جو عراق کے حکمران تھے اور آج سے تقریباً 2300 سال قبل اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اسی قوم میں مبعوث فرمایا تھا جس نے کائنات اور خالق کائنات کی حقیقت فاش کر کے کلدانیوں کو حق و صداقت کی طرف رہنمائی فرمائی اور توحید ▪ صداقت کی دعوت و اشاعت میں سخت سے سخت زحمتیں ، مصیبتیں اور قیامت خیز مشکلات کا مقابلہ کیا۔

حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے حق کی بصیرت اور رشد و ہدایت عطا فرمائی تھی اور ▪ یقین رکھتے تھے کہ بت نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ جب آپ نے دیکھا کہ تمام قوم بت پرستی اور مظاہر پرستی میں مبتلا ہے تو آپ نے توحید الٰہی کا علم بلند کیا اور رشد و ہدایت کی دعوت دینی شروع کی ۔ مگر قوم نے ان کی دعوت حق پر کوئی توجہ نہ دی ۔ بلکہ مذاق اڑانے لگے اور تکبر و سرکشی کا مظاہرہ کیا شرک کا سب سے بڑا مرکز خود اس کا اپنا گھر تھا۔ آزر نہ صرف سب سے بڑا پجاری بلکہ سب سے بڑا بت ساز اور بت پرست تھا۔ اس لیے آپ نے سب سے پہلے دعوت حق و صداقت اپنے گھر سے شروع کی ۔ آپ نے اپنے چچا آزر کو خدا پرستی اور معرفت الٰہی کی دعوت دی اور کہا کہ توحید الٰہی ہی سرچشمہ نجات ہے اور خدا کی رضا دنیا و آخرت کی سعادت و کامرانی کا راستہ ہے۔ مگر افسوس کہ آپ کے چچا پر اس پند و نصیحت کا مطلق اثر نہ ہوا اور قبول حق کے بجائے آپ کو دھمکیاں دینے لگا۔ یہاں تک کہ سنگسار کرنے کی دھمکی دی ۔ اپنے باپ کی طرف سے مایوس ہو کر اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنی قوم کو دعوت حق اور پیغام توحید دینا شروع کر دیا۔ لیکن پوری قوم نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو قبول کرنے اور بت پرستی و شرک کو چھوڑنے سے انکار کر دیا اور واضح اعلان کر دیا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے مسلک بت پرستی کو چھوڑ کر ایک خدائے واحد کی عبودیت اختیار کرنے کو کبھی تیار نہ ہوں گے ۔ ایک روز تمام قوم کاہن ، مذہبی پیشوا اور بادشاہ ایک میلہ میں شرکت کے لئے باہر گئے ہوئے تھے کہ حضرت ابراہیم نے بت خانہ کے سب سے بڑے ہیکل میں داخل ہو کر تمام بتوں کو توڑ دیا اور بڑے بت کو محفوظ رکھ کر کلہاڑا اس کے کاندھے پر رکھ دیا۔ جب قوم واپس آئی اور اس نے اپنے بتوں کو اس حالت میں دیکھا تو ان کو حضرت ابراہیم پر شک ہوا۔ چنانچہ آپ سے بہت شدید جھگڑا ہوا اور آخر انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ آپ کو زندہ آگ میں جلا دیا جائے۔

▪ لوگ نہ صرف بت پرست و ستارہ پرست تھے بلکہ اپنے بادشاہ کو بھی اپنے دیوتاؤں اور بتوں کی طرح خدا اور معبود مانتے تھے۔ اور اس کی بھی پرستش کرتے تھے ۔ کیونکہ وہ بتوں کے مقابلے میں عقل و شعور بھی رکھتا اور صاحب تخت ▪ تاج بھی تھا۔ بادشاہ کو حضرت ابراہیمؑ کی بت شکنی کے کارنامے کا علم ہوا تو اس نے آپ کو دربار

میں بلا کر دریافت کیا کہ تم باپ دادا کے مذہب کی مخالفت کیوں کرتے ہو اور مجھ کو رب ماننے سے کیوں انکار کرتے ہو حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ میں خدائے واحد کا پرستار ہوں کسی کو اس کا شریک نہیں مانتا۔ ساری کائنات اور مخلوق اسی کی پیدا کردہ ہے اور سب کا خالق و مالک ہے اور سب انسان برابر ہیں۔ آپ کے اسلاف کے خود ساختہ مذہب کو کیسے تسلیم کر سکتا ہوں میرا مقصد لوگوں کے دل و دماغ میں خدائے واحد کا یقین پیدا کرنا ہے الغرض حضرت ابراہیمؑ کی تمام قوم آپ کے شدید مخالف ہو گئی اور انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ دیوتاؤں کی تحقیر اور آباؤ اجداد کے دین کی مخالفت اور بتوں کی توہین کا انتقام لینے کے لئے حضرت ابراہیم کو آگ میں زندہ جلا دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی تائید و حمایت کی جس وجہ سے آگ سے محفوظ رہے۔

جب آپ اس بدبخت قوم سے پوری طرح مایوس ہو گئے تو اپنی بیوی سائرہ اور اپنے بھتیجے لوط اور اس کی بیوی کو ساتھ لے کر کنعان یعنی فلسطین ہجرت کر گئے جن دنوں کنعان میں قحط پڑا تو حضرت ابراہیم مع اپنی بیوی سائرہ کے مصر میں آئے اس زمانہ میں مصر کا سامی بادشاہ جو شاشو، امالیق کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا حضرت ابراہیمؑ کا ہم نسل تھا۔ جب بادشاہ نے ایک سامی خاندان کی آمد کی خبر سنی کہ اس کے ساتھ ایک خوبرو خاتون بھی ہے تو اس نے قدیم خاندان سے تعلق پیدا کرنے کے شوق میں نکاح کا پیغام دیا۔ لیکن یہ سن کر کہ وہ شوہر دار خاتون ہے اس پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اپنی بیٹی ہاجرہ کو حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں بطور زوجہ کے دے دیا جس سے اسماعیلی عربوں کی نسل پیدا ہوئی۔

سامی اقوام میں نبوت و رسالت کی نعمت عظمیٰ آپ کی نسل سے باہر نہیں گئی اس شجرہ مقدسہ کی ایک شاخ حضرت عیسیٰ پر ختم ہوئی جو حضرت اسحٰق کی نسل سے شروع ہوئی تھی اور دوسری جو حضرت اسماعیل سے شروع ہوئی تھی اس میں صرف ایک رسول و نبی جو اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں پیدا ہوئے۔

حضرت اسماعیل کی پیدائش کے بعد حضرت سارہ حضرت ہاجرہ سے حسد کرنے لگیں اور حضرت ابراہیم کو مجبور کر دیا کہ وہ ہاجرہ کو کسی اور جگہ چھوڑ آئیں چنانچہ حضرت ابراہیم مجبور ہو کر حضرت ہاجرہ کو بمعہ اس کے بیٹے اسماعیل کے مکہ کے مقام پر وادی فاران یعنی حجاز میں تنہا چھوڑ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے چشمہ زم زم پیدا کر دیا اور کچھ عرصہ بعد وہاں قبیلہ جسرہم کے کچھ لوگ آئے اور حضرت ہاجرہ کی اجازت سے اس کے قریب چشمہ زم زم کی وجہ سے آباد ہو گئے۔ حضرت ابراہیم بھی وقتاً فوقتاً ہاجرہ اور اسماعیل کو ملنے کے لئے ان کے پاس آتے رہتے۔

سید سلیمان ندوی کی رائے یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم ہاجرہ اور اسماعیل کو مکہ لائے تو اس وقت سن شعور کو پہنچ چکے تھے یعنی نوجوان تھے اور اس وقت تک اپنے باپ کے ساتھ فلسطین میں رہتے تھے اور حضرت اسحاق کے ساتھ کھیلا کرتے تھے بہرحال جب حضرت اسماعیل کی عمر تیرہ سال کی ہو گئی تو حضرت ابراہیم کی دعا پر

اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ سے آپ کو دوسرا فرزند حضرت اسحاق عطا کیا اور اس وقت آپ کی عمر سو سال ہو چکی تھی

حضرت ابراہیمؑ تین رات مسلسل خواب دیکھتے رہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابراہیم تو ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دے۔ حضرت ابراہیم اس خواب کو رویائے صادقہ یعنی وحی الہی تسلیم کرتے ہوئے خدا کے حکم کی جلد تعمیل کے لئے تیار ہوگئے۔بیٹے کو ساتھ لے کر جنگل میں گئے اور بچے کی رضا مندی سے اس کو زمین پر لٹا کر ذبح کرنے لگے مگر اللہ تعالیٰ نے اس صالح بچے کو بچا لیا اور اللہ کے حکم کے تحت حضرت ابراہیم نے ایک مینڈھے کی قربانی کر دی جو وہاں موجود تھا۔ اس طرح حضرت ابراہیم اور اسماعیل اس خدائی امتحان میں کامیاب و کامران گزرے اور اس قربانی کی یاد میں مسلمانان عالم عید قربان کے دن سنت ابراہیمی کے مطابق قربانی کرتے ہیں۔ اگرچہ اس واقعہ میں قرآن کے مطابق حضرت اسماعیل تھے یہود و نصاریٰ حضرت اسحاق کو تسلیم کرتے ہیں۔

تعمیر کعبہ

حضرت ابراہیم اگرچہ فلسطین میں آباد تھے مگر ہاجرہ اور اسماعیل کو ملنے کے لئے اکثر مکہ آتے جاتے رہتے تھے اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ "کعبتہ اللہ" کی تعمیر کرو چنانچہ دونوں باپ بیٹے نے مل کر بیت اللہ کی تعمیر مکمل کی۔ اس سے پیشتر دنیا کے مختلف ممالک میں بتوں، ستاروں اور دیگر مظاہر فطرت اور معبودوں کے نام پر ہیکل اور مندر موجود تھے مگر اس کرہ ارض پر بیت اللہ جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت تعمیر کیا اللہ تعالیٰ کا زمین پر پہلا گھر تھا جو کرہ ارض کے وسط میں مرکز توحید ہے اور آپ معمار حرم ہیں۔

حضرت ابراہیم کی تیسری بیوی ۔ قطورہ: عام طور پر یہی مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم کی دو بیویاں حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ تھیں مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کی تیسری بیوی قطورہ بھی تھیں۔ جن کے بطن سے حضرت ابراہیم کے چھ بیٹے پیدا ہوئے اور اس نسل سے اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ دو قبیلے بڑھے اور ایک بڑی قوم کی شکل اختیار کر گئے اس نسل و قبیلہ کو بنو قطورہ کہتے ہیں۔ یہ قبیلہ حجاز میں آباد تھا۔ اس قبیلہ کا محل وقوع حجاز کے شمال میں شام کے قریب اس بڑی شاہراہ پر آباد تھا جو شام فلسطین اور مصر تک بحر قلزم کے مشرقی کنارے سے ہو کر یمن جاتی تھی اور مکہ سے گزرتی تھی یہ لوگ تبوک کے بالمقابل کے علاقہ میں آباد تھے مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قبیلہ تھا جو باپ کی نسبت سے مدین اور زمین کی طبعی حالت اور جغرافیہ کی بناء پر اصحاب ایکہ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم جب بابل سے نکلے تو راستہ میں اس مقام پر قیام کیا ہو گا جو تبوک کے قریب ہے اور یہاں کے قبیلہ میں آپ نے ایک اور شادی کر لی ہو گی کیونکہ حضرت سارہ تو آپ کے چچا کی بیٹی تھیں اور اس کو ساتھ لے کر بابل سے روانہ ہوئے تھے حضرت لوط اور اس کی بیوی بھی ساتھ تھے، کچھ مدت قیام

کے بعد مصر روانہ ہوئے ہوں گے اور اپنی دوسری بیوی قطورہ کو اس کے والدین کے پاس وہاں ہی چھوڑ دیا ہو گا اور اس کے بعد جب آپ مستقل طور پر کنعان میں سکونت پذیر ہو گئے تو گاہے بگاہے اپنی بیوی قطورہ اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد کو ملنے کے لئے آتے جاتے رہتے ہوں گے۔ اور اس طرح ان کے بطن سے چھ بیٹے پیدا ہوئے ان کی نسل بڑھ کر ایک بڑا قبیلہ بن گیا جو مدین اور اصحاب ایکہ کہلائے۔

آپ نے 175 سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور مکفیلہ کے مفارہ میں جو ممر کے آگے ہیں دفن کیے گئے۔ آپ کی بیوی سارہ بھی وہاں ہی دفن ہوئی۔

سیدنا ابراہیمؑ سلسلہ نبوت و رسالت کی وہ عظیم المرتبت ہستی ہیں جنہیں "خلیل اللہ" کا لقب ملا۔ یعنی اللہ بزرگ و برتر کے دوست وہ "جد الانبیاء" بھی کہلائے اس لئے کہ اس کے بعد آنے والے تقریباً تمام نبی اور رسول ان ہی کی اولاد سے ہوئے۔ اسماعیل اور اسحاق ان کے بیٹے تھے یعقوب علیہ السلام ان کے پوتے اور یوسفؑ ان کے پڑپوتے تھے اس طرح یہ سلسلہ نبوت چلتا رہا۔ آل اسماعیل میں حضرت محمدؐ پر یہ سلسلہ نبوت ختم ہوا۔

حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے جن کے نام تاریخ پیدائش کی ترتیب کے لحاظ سے یہ ہیں۔ نبایوت، قیدار، اوبیل، بسام، مشماع، دومہ، مسا، حدو، تیما، یطور، نفیس، قدمہ، یہی بارہ بیٹے اپنے قبیلہ کے سردار ہوئے حضرت اسماعیل کی کل عمر ایک سو سینتیس برس کی تھی۔

حضرت اسحاق کے دو بیٹے عیسو اور یعقوب پیدا ہوئے تھے مگر عیسو بڑا تھا اور زمانے کے قانون کی رو سے باپ کی سرداری کا وارث وہی عیسو تھا مگر توریت کی ایک روایت کے مطابق حضرت یعقوب آپ کے وارث بن گئے۔ حضرت یعقوب کا دوسرا نام اسرائیل تھا حضرت یعقوب اللہ کے نبی ہوئے۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے۔ جن میں حضرت یوسف بھی شامل تھے۔ حضرت یعقوب اسرائیل کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام 2000 ق م

حضرت یعقوبؑ حضرت اسحٰق کے بیٹے اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے تھے اور آپ کا عبرانی میں نام اسرائیل ہے جس کے معنیٰ اللہ کا بندہ یعنی عبداللہ ہیں۔ آپ کنعان میں مستقل آباد تھے اور آپ کا پیشہ بھیڑ بکریاں پالنا تھا۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے جن میں حضرت یوسفؑ سے آپ کو بے حد محبت بلکہ عشق تھا اور ان کی جدائی گوارہ نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت یوسف کی والدہ کا نام راحیل بنت لابان ہے اور آپ کے ماں جائے بھائی کا نام بن یمین تھا قرآن حکیم میں سورہ یوسف آپ کے نام کی سورت ہے جو انتہائی دلچسپ اور سبق آموز ہے اللہ تعالیٰ نے اسے "احسن القصص" کہا ہے۔ حضرت یوسف نے ایک خواب دیکھا کہ آپ کو شمس و قمر اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں جب آپ نے یہ خواب اپنے باپ کو سنایا تو بے حد خوش ہوئے ان کو نبوت کی بشارت دی اور تاکید کی کہ یہ خواب کسی کو نہ

بتانا۔ حضرت یوسف کے بھائی آپ سے بے حد حسد کرتے تھے کیونکہ ان کا باپ ان سے بے حد محبت و پیار کرتا تھا اور ان کا سوتیلا بھائی تھا۔

ایک دن برادران یوسف حضرت یعقوب سے اصرار کر کے حضرت یوسف کو اپنے ساتھ سیر و تفریح کے بہانے جنگل میں لے گئے اور وہاں باہمی صلاح مشورے سے انہیں ایک خشک کنویں میں ڈال دیا اور روتے ہوئے باپ کے پاس آئے کہ یوسف کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا۔ حضرت یعقوب کو بے حد صدمہ ہوا مگر صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اگلے روز اسمٰعیلی تاجروں کا ایک قافلہ وہاں سے گزرا اور پانی نکالنے کے لئے کنویں میں ڈول ڈالا حضرت یوسف اس ڈول کے ساتھ باہر آ گئے۔ قافلے والے بہت خوش ہوئے کہ ہمیں ایک غلام مل گیا وہ آپ کو اپنے ساتھ مصر لے گئے یہ قافلہ شام سے مصر جا رہا تھا۔ اسی زمانہ میں مصر تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا یہاں کا حکمران عمالقہ رہیکوس تھا۔ اور مصر کا دارالسلطنت رعمیس تھا جو دریائے نیل کے قریب تھا۔ یوسف بازار مصر میں فروخت کے لئے پیش کئے گئے تھے کہ شاہی خاندان کا ایک اعلیٰ افسر "فوطیفار" نامی بازار مصر سے گزر رہا تھا اس کی نظر یوسفؑ پر پڑی اور اس نے معمولی قیمت دے کر یوسف کو خرید لیا۔ یہ افسر حضرت یوسف کے اخلاق و کردار اور ذہنی صلاحیتوں سے بے حد متاثر ہوا اور اس نے آپ کے ساتھ غلاموں کا معاملہ نہ کیا بلکہ اپنی اولاد کی طرح عزت و احترام کے ساتھ رکھا اور اپنی ریاست، دولت و ثروت اور گھریلو زندگی کی تمام ذمہ داریاں اس کے سپرد کر دیں۔

حضرت یوسف کی عمر جب سترہ سال کی تھی اور عنفوان شباب کا عالم تھا۔ وہ حسن و جمال کا پیکر، عصمت و حیاء، سیرت و کردار، عقل و فراست، تدبر و بصیرت اور ریاضت و محنت کا مجسمہ تھے۔ سردار مصر کی بیوی اپنے آپ پر قابو نہ پا سکی اور آپ سے والہانہ محبت و عشق کرنے لگی اور آخر اس نے حضرت یوسف کو مجبور کیا کہ وہ اس کے ناپاک عزائم کو پورا کرے اندر سے دروازہ بھی بند کر دیا اور ہر طرح سے آپ کو بدکاری کے لئے آمادہ کیا مگر حضرت یوسف نے کہا کہ اگر میں نے اپنے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی اور اپنے مربی عزیز مصر سے غداری کر لی تو انتہائی ظالم اور گناہ گار ہوں گا اور حضرت یوسف دروازے کی طرف بھاگے کہ باہر نکل جائیں۔ وہ عورت آپ کے پیچھے بھاگی۔ دروازہ اچانک کھل گیا اور عزیز مصر اور اس کا ایک رشتہ دار موقع پر باہر کھڑے تھے اور اس طرح حضرت یوسف کی عصمت اور پاکیزگی بے داغ رہی۔ عزیز مصر نے تمام حالات و واقعات پر غور کرنے کے بعد یوسفؑ کو سچا اور اس عورت کو قصور وار ٹھہرایا اور کہا کہ یوسف تم سچے ہو اور اس عورت کے معاملہ سے درگزر کرو اور اپنی عورت سے کہا کہ "تو ہی خطا کار ہے" اس حرکت بد کے لئے استغفار کر اور معافی مانگ۔ اگرچہ عزیز مصر پر حضرت یوسف کی سچائی ثابت ہو چکی تھی مگر اپنی بیوی کی رسوائی اور بدنامی کے خوف سے کچھ عرصہ کے لئے انہیں قید کرنے کا فیصلہ کر لیا اور قید خانہ بھجوا دیا اور ان عورتوں کے تمام مکر و فریب خوشامد اور چاپلوسی اور قید و بند کی دھمکیاں ناکام رہیں اور آپ نے بخوشی قید خانہ کو قبول کر لیا۔ قید خانہ میں بھی حضرت یوسف کے علمی اور

عملی جوہر نہ چھپ سکے۔ قید خانہ کا داروغہ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا۔ اور اس کا انتظام و انصرام آپ کے سپرد کر دیا۔ آپ نے جیل میں بھی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور توحید الٰہی کی تبلیغ کرتے رہے۔ قید خانہ کے دو قیدیوں ایک بادشاہ کے ساقی اور دوسرے باورچی کے خواب کی تعبیر بتائی جو بالکل حق اور سچ ثابت ہوئی اور ساقی اپنی نوکری پر بحال ہو گیا۔ حضرت یوسف زندان میں تھے کہ فرعون مصر نے ایک خواب دیکھا کہ سات دبلی گائیں اور سات موٹی گائیں ہیں دبلی گائیں موٹی گائیوں کو نگل گئیں۔ سات سرسبز و شاداب بالیں ہیں اور سات خشک بالیں اور خشک بالیوں نے شاداب بالیوں کو کھا لیا۔ بادشاہ صبح اٹھا تو بہت پریشان تھا دربار کے وزیروں مشیروں کو اپنا خواب سنایا اور اس نے اس خواب کی تعبیر چاہی مگر وہ تعبیر بیان نہ کر سکے اور کہا کہ یہ پریشان خیالات ہیں۔ سچا خواب نہیں ہے اس اثناء میں ساقی کو اپنا خواب اور یوسف کی تعبیر کا واقعہ یاد آ گیا اور اپنے بادشاہ سے اجازت لی اور یوسف کی خدمت میں قید خانہ پہنچ گیا۔ آپ کو بادشاہ کا خواب سنایا اور عرض کیا کہ آپ سچائی اور تقدس کے پیکر ہیں اس خواب کی تعبیر بتائیں۔ حضرت یوسف نے نہ صرف خواب کی تعبیر بتا دی بلکہ اس سے بچاؤ کی تدبیر بھی بتا دی اور ساقی کو مطمئن کر کے بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔

بادشاہ تعبیر خواب اور تدبیر سن کر حضرت یوسف کی عقلمندی و دانش کا قائل اور مشتاق بن گیا۔ حضرت یوسف کو اپنے پاس بلانے کا حکم دے دیا۔ حضرت یوسف نے بادشاہ کے حکم پر قید خانے سے نکلنے سے انکار کر دیا کہ پہلے ان عورتوں کے معاملہ کی تحقیق و تفتیش کی جائے جن کی مکاریوں کی وجہ سے اسے قید خانہ میں بند کیا گیا تھا۔ بادشاہ نے ان عورتوں سمیت عزیز مصر کی بیوی کو بلایا اور سب نے اقبال جرم کرتے ہوئے حضرت یوسف کو بے قصور باعصمت اور پاک و صاف بیان کیا اور آپ کی صداقت و طہارت، عصمت و پاکبازی کو تسلیم کیا۔ فرعون مصر حضرت یوسف کی راست بازی امانت داری، وفاداری، عقل و بصیرت اور تدبر و فراست کا اس قدر معترف ہوا کہ اس نے حضرت یوسف کو اپنی تمام مملکت کا امین، کفیل اور مختار بنا کر شاہی خزانہ کی کنجیاں عطا کر کے تمام مملکت کا حکمران بنا دیا۔ حضرت یوسف نے ملک کا نظم و نسق سنبھالا اور فرعون کے خواب کے مطابق آنے والے صبر آزما حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے غلہ جمع کیا۔ اور جب قحط شروع ہوا تو لوگوں کو اناج مہیا کرنے لگا۔ کنعان میں بھی قحط پڑا اور حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ وہ بھی جا کر غلہ خرید کر لائیں۔ جب برادران یوسف غلہ لینے کے لئے مصر پہنچے تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا جو عزیز مصر کا مختار کل ہے یہ ان کا بھائی یوسف ہے جسے وہ حسد و عداوت کی وجہ سے اندھے کنویں میں ڈال چکے تھے مگر حضرت یوسف نے انہیں پہچان لیا مگر راز ظاہر نہ کیا۔

حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں سے اپنے گھر کے تمام حالات معلوم کیے۔ واپسی پر ان کو تاکید کی گئی کہ غلہ لینے کے لئے آؤ گے تو اپنے بھائی بن یمین کو ساتھ ضرور لانا ورنہ غلہ نہیں ملے گا۔ چنانچہ برادران یوسف گھر پہنچے

اور حضرت یعقوب کو عزیز مصر کے حسن سلوک اور احسانات کا ذکر کیا اور اس کے اخلاق کی بہت تعریف کی ۔ جب انہوں نے اپنا غلہ دیکھا تو اس میں ان کی پونجی بھی موجود تھی جو انہوں نے غلہ کے عوض ادا کی تھی بہت خوش ہوئے۔

انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ بادشاہ نے تاکید کی تھی۔ اب کی بار آؤ تو اپنے بھائی بن یمین کو بھی ساتھ ضرور لاؤ ورنہ غلہ نہیں ملے گا۔ حضرت یعقوب بہت پریشان ہوئے مگر انہوں نے پکے وعدے کیے کہ ہم بن یمین کو اپنے ساتھ لائیں گے اور اس کو سفر میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیں گے۔ آخر مجبوراً حضرت یعقوب نے ان کے وعدے پر یقین کر کے بن یمین کو بھی ان کے ہمراہ مصر روانہ کیا۔ جب دوبارہ برادران یوسف مصر پہنچے اور عزیز مصر کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے ان کی بڑی عزت کی اور بن یمین کو اپنے پاس تخت پر بٹھایا۔ اور خاموشی کے ساتھ اس کو بتا دیا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں اب تم کسی قسم کا فکر مت کرو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو غلہ دے کر روانہ کیا مگر جاتے وقت ایک چاندی کا پیالہ بن یمین کے غلہ میں رکھ دیا۔ شاہی مہمان خانہ کے ملازمین نے جب پیالہ نہ پایا تو ان کو برادران یوسف پر شک ہوا اور ان کے پیچھے گئے اور انہیں روک کر تلاشی لی تو پیالہ بن یمین کے غلہ سے برآمد ہو گیا۔ حضرت یوسف کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو آپ نے چوری کے الزام میں بن یمین کو روک لیا جب اس کے بھائی کنعان پہنچے تو حضرت یعقوب کے سامنے تمام حالات بیان کئے تو وہ بے حد پریشان اور غم گین ہوا آپ نے دوبارہ اپنے بیٹوں کو بن یمین کو واپس لانے کے لئے مصر روانہ کیا۔ برادران یوسف تیسری بار مصر آئے اور عزیز مصر سے غلہ کے حصول کی درخواست کی ۔ یوسف نے والدین اور بھائیوں کی پریشانی اور مصیبت کا حال سنا اور عاجزانہ درخواست پر غور کیا تو دل بھر آیا۔ ضبط نہ کر سکا اور راز ظاہر کر دیا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں جس کو تم نے اندھے کنویں میں ڈال دیا تھا یہ سب کچھ اللہ کے فضل و کرم سے ہے کہ آج حاکم مصر ہوں۔

برادران یوسف کے پاس ندامت، شرمساری، خفت اور اعتراف خطا و جرم کے سوا کیا تھا۔ حضرت یوسف نے اپنے سوتیلے بھائیوں کی اس خستہ حالی اور پشیمانی کو دیکھا تو آپ کی اخلاقی برتری اور پیغمبرانہ رحمت برداشت نہ کر سکی عفو و درگزر کے ساتھ فرمایا "آج کے دن میری جانب سے تم پر کوئی گرفت اور سزا نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارا قصور بخش دے اور تم پر رحمت کرے " حضرت یوسف نے ان کو اپنا پیرہن دے کر کنعان بھیجا کہ میرے باپ اور تمام خاندان کو لے کر مصر آجاؤ جب وہ گھر پہنچے تو پیرہن یوسف کو حضرت یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں جو یوسفؑ کے غم میں اندھی ہو گئی تھیں۔ جب حضرت یعقوب اپنے خاندان کو لے کر مصر پہنچے تو شہر کے باہر حضرت یوسف نے آپ کا شاندار استقبال کیا جب پر مسرت اور رقت آمیز ملاقات ہو چکی تو

حضرت یوسف ان کو انتہائی عزت و احترام کے ساتھ شہر میں لائے ۔ حضرت یوسف نے اپنے باپ کے اعزاز میں دربار شاہی منعقد کیا اور حضرت یعقوب کو اپنے ساتھ تخت پر باعزت مقام دیا۔ جب دستور کے مطابق تمام درباریوں نے سجدہ تعظیم کیا تو ان کے بھائی بھی جھک گئے تب حضرت یوسفؑ کو اپنا بچپن کا خواب یاد آگیا کہ سورج و چاند ستارے اس کو سجدہ کر رہے ہیں۔

اس واقعہ کے بعد حضرت یوسف کا تمام خاندان مصر میں ہی آباد ہو گیا اور فرعون مصر نے ان کو ان کی حسب خواہش مصر کی بہترین زرخیز زمین عطا کر دی اور وہ وہاں سکونت پذیر ہو گئے۔

حضرت یوسف نے اپنی زندگی کا طویل عرصہ مصر میں گذارا اور ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی آپ نے وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ مجھے مصر کی سرزمین پر عارضی طور پر دفن کر دیا جائے جب اسرائیل دوبارہ فلسطین میں آباد ہوئے تو مجھے بھی وہاں اپنے آبا و اجداد کے ساتھ دفن کر دیا جائے چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ان کو حنوط (ممی) کر کے تابوت میں محفوظ کر دیا گیا اور حضرت موسیٰ کے زمانہ میں اسرائیل دوبارہ فلسطین گئے تو اس تابوت کو بھی ہمراہ لیتے گئے اور آپ کو اجداد کی سرزمین میں دفن کر دیا گیا۔ ان کی قبر بلاط میں ہے جو علاقہ نابلس میں ہے۔

تورات میں ہے کہ مصر کے جس امیر نے حضرت یوسف کو خریدا تھا اس کا نام فوطی فار تھا۔ (پیدائش ۳۷: ۳۶) تالمود میں آیا ہے کہ فوطی فار کی بیوی کا نام زلیخا تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس وقت مصر کا حکمران خاندان عمالقہ میں سے تھا یہ عمالقہ وہی ہیں جنہیں مصر کی تاریخ میں ہیکسوس کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور جن کی اصلیت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ چرواہوں کی ایک قوم تھی ۔ جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم عرب سے آئی تھی اور یہ دراصل عربی قبائل عاربہ ہی کی ایک شاخ تھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام 1600 ق م

حضرت ابراہیمؑ کی ایک بیوی " قطورہ " کے بطن سے جو اولاد پیدا ہوئی ان میں ایک بیٹے کا نام " مدین " تھا حضرت اسماعیل حجاز میں حضرت اسحاق کنعان میں اور مدین حجاز کے شمال میں شام سے متعلقہ علاقے میں سکونت پذیر ہوئے اور ان کی نسل مدین کے نام سے مشہور ہوئی حضرت ابراہیم کا زمانہ 2300 ق م ہے ۔ اس لئے قوم مدین کے آغاز کا زمانہ 2000 ق م تصور کرنا چاہئے جو قافلہ حضرت یوسف کو کنعان کے کنویں سے نکال کر بازار مصر میں لے گیا تھا وہ ان ہی مدین والوں کا تھا اس قوم میں قریباً چار سو سال کے بعد 1600 ق م میں حضرت شعیب مبعوث ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت شعیب کا زمانہ ایک ہی تھا۔ حضرت شعیب قوم مدین کے علاوہ اصحاب الایکہ کی طرف بھی مبعوث ہوئے تھے یہ اسی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا اس لئے یہ لوگ بہت

سرمایہ دار اور تاجر تھے اہل مدین دولت کے نشہ میں بدمست تھے ۔ دولت کے علاوہ ان کی کثرت افراد بھی تھی اس لئے دولت و قوت کی وجہ سے یہ قوم طاغوتی طاقت بن چکی تھی اور اللہ کی توحید اور عبودیت کی باغی تھی اور انہوں نے بنی اسرائیل کے خلاف بھی انسانیت سوز اقدام کیے تھے ۔ ان کی عورتوں نے بنی اسرائیل کے نوجوانوں کو اپنے دام فریب میں الجھا کر بد اخلاقی کو عام کر دیا تھا۔ یہ لوگ اپنی کثرت تعداد کی بناء پر رہزنی بھی کرتے تھے حضرت شعیب نے انہیں دعوت توحید اور انسانیت کا درس دیا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا ان میں بھی وہ تمام عیوب و جرائم تھے جو قوم عاد میں تھے ۔ حضرت شعیب نے فرمایا " اللہ کی بندگی کرو ۔ اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں ، ناپ تول میں خیانت نہ کرو ۔ نہ تو حق سے زیادہ لو اور نہ حق سے کم دو ۔ ملک میں شر و فساد نہ پھیلاتے پھرو لیعنی لوٹ مار نہ کرو میں دیکھتا ہوں کہ تم خوش حال ہو لیکن ڈرتا ہوں کہ عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤ ۔"

قوم مدین نے کہا کہ تم بھی ہماری طرح کے انسان ہو تم پر وحی کیسے آسکتی ہے اور تم اللہ کے رسول کیسے ہو سکتے ہو ۔ پھر اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جو بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو ۔ تم جھوٹے آدمی ہو پھر انہوں نے مطالبہ کیا کہ ہم پر عذاب لاؤ اگر تم سچے ہو ۔

شعیبؑ نے کہا عذاب تمہارے مکافات عمل کے طور پر آئے گا اور اللہ کے حکم پر وقت مقررہ پر آئے گا چنانچہ لرزا دینے والی ہولناکی نے انہیں آ لیا اور صبح ہوئی تو اپنے گھروں میں اوندھے منہ مرے ہوئے پڑے تھے حضرت شعیب اس عذاب سے پیشتر ہی ان سے علیحدہ ہو چکے تھے ۔ ان کی تباہی آتش فشاں کی شعلہ باریوں کی صورت میں ان پر مسلط ہو گئی اور اس قوم کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام 1600 ق م

داستان بنی اسرائیل میں قوموں کے عروج و زوال کے اصول و اسباب اس جامعیت سے بیان کیے گئے ہیں کہ وہ سبق آموز اور بصیرت افروز بن گئے ہیں ۔ فساد آدمیت کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو تین طاغوتی اور استحصالی قوتیں ابھر کر سامنے آ جاتی ہیں ۔

1 ۔ استبداد حکومت ، آمریت ملوکیت اور سامراج

2 ۔ برہمنیت ، مذہبی پیشوائیت ، علماء و مشائخ اور احبار و رہبان

3 ۔ سرمایہ داری ، جاگیرداری اور معاشی جبر و استحصال

تاریخ مصر کا ■ دور جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ کے ذکر میں آیا ہے ۔ اسی زمانہ میں فرعون استبداد و ملوکیت کا مجسمہ اور ہامان برہمنیت اور مذہبی پیشوائیت کا پیکر اور قارون سرمایہ داری کی لعنت کا نمائندہ تینوں یک جا اور قوم بنی اسرائیل ان کے پنجہ ظلم میں گرفتار نظر آتے ہیں ۔ انبیائے کرام کی بعثت کا بنیادی مقصد

توحید الہی کی دعوت اور انسانوں کو انسانوں کے جورو استبداد سے نجات دلا کر براہ راست قانون خداوندی کی اطاعت میں لے آنا ہوتا ہے ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اپنی انقلاب انگیز جدوجہد اور ضرب کلیمی سے استبداد و فرعونیت کے ان طاغوتی مجسموں کو پاش پاش کر دیا۔

حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل (مرد خدا) تھا ان کی نسل کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ حضرت یعقوب کے چوتھے بیٹے کا نام یہودہ تھا اس کی وجہ سے اس کی نسل کو یہودی کہتے ہیں اور بقایا اولاد کو بنی اسرائیل ۔ اب دونوں کو یہودی یا اسرائیل کہتے ہیں۔ حضرت یعقوب کا وطن کنعان تھا لیکن حضرت یوسف نے اپنے والد اور تمام قبیلہ کو اپنے پاس مصر بلا لیا تھا چار سو برس تک یہ لوگ مصر میں رہے اور ایک کثیر قوم بن گئے حضرت یوسف کا زمانہ 2000 ق م ہے اس لئے حضرت موسیٰ کا زمانہ 1600 ق م ہے ۔ فرعون مصر اسرائیلی قوم کی بڑھتی ہوئی قوت و کثرت سے خائف ہونے لگا کہ کہیں یہ لوگ کسی دشمن سے مل کر میرے خلاف بغاوت نہ کر دیں اس لئے ان کے کچلنے کی تدبیر سوچنے لگا۔ اس نے حکم دیا کہ ان کے بیٹوں کی پیدائش کے وقت ہی ہلاک کر دیا جائے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیا جائے اس کے علاوہ سخت محنت و مشقت کے کام لینے لگا۔

حضرت موسیٰ کے عہد کے فرعون کا نام " ریمیس دوم " ہے مگر وہ بہت ضعیف ہو چکا تھا اس لئے اس کا بیٹا " منفتاح " حکومت کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ اسی کے عہد میں مصر میں پیدا ہوئے اور اسی کی آغوش میں پرورش پائی۔ فرعون مصر نے ایک خوفناک خواب دیکھا اور اس کے نجومیوں اور کاہنوں نے یہ تعبیر کی کہ بنی اسرائیل کا ایک لڑکا تمہارے زوال اور بربادی کا باعث ہو گا۔ حضرت موسیٰ حضرت یعقوب کی نسل سے تھے ان کے والد کا نام عمران اور والدہ کا نام " یوسحابد " تھا۔ موسیٰ کی ولادت ایسے وقت میں ہوئی جب فرعون مصر نے اسرائیلی لڑکوں کے پیدا ہوتے ہی قتل کر دینے کا حکم دے رکھا تھا۔ اس لیے آپ کی ولادت کے وقت اہل خاندان سخت پریشان تھے۔ بہرحال تین ماہ تک بچے کو لوگوں کی نظروں سے چھپایا گیا۔ اور آپ کی پیدائش کی کسی کو خبر نہ ہوئی آخر موسیٰ کی والدہ کے دل میں یہ القاء ہوا کہ ایک تابوت کی طرح کا صندوق بنا کر اس میں بچہ کو محفوظ رکھ دو اور پھر اس صندوق کو دریائے نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دو۔ حضرت موسیٰ کی والدہ نے ایسا ہی کیا اور ساتھ اپنی لڑکی کو مامور کیا کہ وہ صندوق کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ جائے اور دیکھے کہ خدا اس کی حفاظت کا وعدہ کیسے پورا کرتا ہے ۔ کیونکہ اس کی والدہ کو بشارت ہوئی تھی کہ ہم تمہارے بچے کو تمہاری جانب واپس کر دیں گے ۔ اور یہ ہمارا پیغمبر اور رسول ہو گا۔ حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ نے دیکھا کہ صندوق شاہی محل کے کنارے آلگا اور فرعون کے گھر کی ایک عورت نے اپنی خادماؤں کے ذریعہ یہ صندوق اٹھوا لیا اور محل کے اندر لے گئی۔ موسیٰ کی ہمشیرہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو کر محل کے اندر چلی گئی ۔ یہ عورت فرعون کی بیوی آسیہ یا اس کی لڑکی تھی ۔ فرعون کی بیوی نے کہا کہ اس کو اپنا بیٹا بنا لو۔ فرعون نے اسے قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا کہ ایسا نہ ہو کہ میری خواب کے مطابق یہی اسرائیلی بچہ میری

تباہی کا باعث بن جائے مگر بیوی حضرت آسیہ کے اصرار پر اپنے ارادہ سے باز رہا۔ اور موسیٰ فرعون کے گھر میں شہزادے کی طرح پرورش پانے لگا۔ موسیٰ کی ہمشیرہ فرعون کی بیوی کے حکم سے اپنی والدہ کو دودھ پلانے کے لئے محل میں لے آئی اور موسیٰ نے ان کا دودھ پینا شروع کر دیا۔ الغرض موسیٰ مدت تک شاہی محل میں زیر تربیت رہا اور نشوونما پاتا رہا۔ اور جوان ہو گیا۔

حضرت موسیٰ بہت طاقتور اور باوقار شخصیت کے مالک تھے اور گفتگو سے شان و عظمت اور وقار ٹپکتا تھا ان کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اسرائیلی ہیں۔ اور شاہی خاندان سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ اسرائیلی قوم پر سخت مظالم اور ذلت و غلامی کی زندگی بھی دیکھتے تھے اور عبرانیوں کی نصرت و حمایت بھی کرتے تھے ان کا اسرائیلیوں کی ذلت و غلامی پر غم و غصہ اور ان کی حمایت و نصرت کا بے پناہ جذبہ فطری اور قدرتی جذبہ تھا۔ جسمانی قوت و طاقت کے علاوہ وہ زیور علم و حکمت سے بھی آراستہ تھے اور قوت فیصلہ اور علم و نظر میں بھی عروج پر تھے۔ ان کو جسمانی اور روحانی تربیت کا کمال حاصل ہو گیا۔ ایک دن بازار میں حضرت موسیٰ نے ایک اسرائیلی اور مصری کو لڑتے ہوئے دیکھا۔ اسرائیلی نے موسیٰ سے امداد کے لئے عرض کی۔ موسیٰ نے مصری کو ایک تھپڑ مارا جس سے مصری موقع پر ہی مر گیا۔ موسیٰ کو اس کا بہت افسوس ہوا کیونکہ اس کا ارادہ قتل کا نہ تھا۔ مصریوں میں اس سے سخت اشتعال پھیل گیا مگر ان کو معلوم نہ تھا کہ ملزم کون ہے دوسرے دن پھر ایسا ہی واقعہ ہوا جس سے موسیٰ کے جرم کا فرعون کو علم ہو گیا اور اس نے موسیٰ کی گرفتاری کا حکم دے دیا مگر ایک نیک دل قبطی نے موسیٰ کو آکر اطلاع کر دی اور مشورہ دیا کہ وہ مصر سے بھاگ جائے حضرت موسیٰ اس کا مشورہ قبول کرتے ہوئے مدین کی طرف ہجرت کر گئے۔

حضرت موسیٰ جب مدین میں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ ایک کنویں پر لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ مگر دو نوجوان لڑکیاں اپنے مویشیوں کو دور روکے کھڑی ہیں تاکہ طاقتور لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلالیں انہوں نے اپنی کمزوری بیان کی اور بتایا کہ ان کا باپ ضعیف اور کمزور ہے اسی وجہ سے وہ کچھ نہیں کر سکتیں۔ حضرت موسیٰ آگے بڑھے اور بڑا چھین کر کنوئیں سے پانی نکالا اور لڑکیوں کے مویشیوں کو پانی پلایا اور ان کے ساتھ ہی ان کے گھر آئے اور ان کے بزرگ صورت و سیرت انسان باپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف ملاقات حاصل کیا۔ کھانا کھانے کے بعد حضرت موسیٰ نے بزرگ کو اپنی تمام زندگی کی کہانی بتائی۔ اس نے حضرت موسیٰ کو تسلی دی اور کہا اب خوف و فکر کا کوئی مقام نہیں۔ حضرت موسیٰ اور مدین کے اس بزرگ کے درمیان باتیں ختم ہو گئیں تو اس لڑکی نے جو موسیٰ کو بلانے گئی تھی اپنے باپ سے کہا کہ اس مہمان کو اپنے مویشیوں کو چرانے اور پانی پلانے کے لئے ملازم رکھ لو۔ کیونکہ قوی اور آمین ہے باپ نے بیٹی کی بات مان کر حضرت موسیٰ کو کہا کہ اگر تم آٹھ سال تک میری بکریاں چراؤ تو اپنی بیٹی سے شادی کر دیتا ہوں اور اگر دس سال رہو اور بھی بہتر ہے یہی اس لڑکی کا مہر ہو گا موسیٰ نے اس شرط کو منظور کر لیا چنانچہ طرفین کی رضا مندی سے حضرت موسیٰ کا اس بزرگ کی لڑکی کے ساتھ نکاح

ہو گیا۔ جس کا نام "صفورہ" تھا۔ یہ بزرگ شیخ مدین کون تھا اس کے متعلق قرآن بیان نہیں کرتا مگر اکثر مفسرین اور مورخین کا خیال ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ حضرت موسیٰ حسب وعدہ مدت پوری کرنے کے بعد اپنے خسر بزرگ شیخ مدین سے اجازت لے کر اپنی بیوی اور بچے کے ہمراہ مصر کے لئے روانہ ہوئے بچہ کا نام جیرسون تھا اور بیوی کا نام صفورہ۔

جب حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت سے سرفراز کر دیا تو آپ اللہ کے حکم کے تحت مصر روانہ ہو گئے۔

ایک روز حضرت موسیٰ بکریاں چراتے ہوئے مدین سے بہت دور نکل گئے۔ رات بہت ٹھنڈی تھی اس لئے سردی لگ رہی تھی اور آگ کی سخت ضرورت تھی۔ سامنے کوہ سینا کا سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ یہ کوہ سینا کا مشرقی کونا تھا اور مدین سے مصر جاتے ہوئے بحر قلزم کے دو شاخے کے درمیان واقع تھا وہاں آ پہنچے وادی ایمن پر نگاہ دوڑائی اور ایک شعلہ چمکتا ہوا نظر پڑا۔ بیوی سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں آگ لے کر آتا ہوں اور کوئی رہبر مل گیا تو راستہ کا پتا کرتا بھی آؤں گا۔ حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ عجیب آگ ہے۔ درخت پر روشنی نظر آتی ہے مگر نہ درخت کو جلاتی ہے نہ ہی گل ہوتی ہے۔ آپ جوں جوں آگے بڑھتے وہ دور ہوتی جاتی یہ دیکھ کر موسیٰ کو خوف پیدا ہوا اور آپ نے واپس لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔ پلٹنے لگے تو آگ نزدیک آ گئی۔ اور سنا کہ یہ آواز آ رہی ہے۔

"اے موسیٰ! میں ہوں تیرا پروردگار۔ پس اپنی جوتی اتار دے تو طویٰ کی وادی میں کھڑا ہے اور دیکھ میں نے تجھے اپنی رسالت کے لئے چن لیا ہے جو وحی کی جاتی ہے اس کو سن۔"

یہ شان خداوندی ہے کہ مدین کا چرواہا مصر جیسے متمدن، مہذب ملک کے سرکش بادشاہ کی رشد و ہدایت کے لئے منتخب کر لیا گیا۔

حکم خداوندی ہوا کہ یاد رکھ تیرے ہاتھ سے ایک عظیم انقلاب برپا ہونے والا ہے جس کا مقصد توحید الٰہی کی دعوت و تبلیغ اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی اور ظلم و استبداد سے نجات دلانا ہے جب حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ وہ مہم جس کے کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں مامور کیا ہے کس قدر صبر آزما اور استقامت طلب ہے تو اس کی توفیق کے لئے رب العزت سے دعا کی کہ اے باری تعالیٰ میرے سینے میں وسعت اور کشادگی پیدا کر اور میرا کام میرے لئے آسان کر دے میری زبان کی گرہ کھول دے میرے بھائی ہارون کو میرے ساتھ میرے بوجھ اٹھانے والا یعنی اسے بھی نبی بنا دے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے موسیٰ تیری درخواست منظور ہوئی۔"

حضرت موسیٰ اور ہارون نے باہمی مشورہ کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ظالم و مغرور فرعون مصر کو دعوت توحید اور پیغام حق کے لئے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ بے خوف و خطر دربار میں داخل ہوئے اور فرعون سے کہا کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے پیغمبر اور رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے۔ ہم آپ سے دو باتیں چاہتے ہیں اول یہ کہ اللہ

تعالیٰ کی توحید پر ایمان لاؤ اور دوسری یہ کہ ظلم سے باز آؤ۔ اور بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے نجات دو اور ان کو آزاد کرو۔ ہم ان کو پیغمبروں کی سرزمین کنعان میں لے جائیں جہاں یہ خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ یہ حق [redacted] صداقت کا پیغام ہے فرعون نے جواب دیا کہ اے موسیٰ تو آج پیغمبری کا دعویٰ کر کے میرے سامنے بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کرتا ہے وہ دن بھول گیا کہ جب تو نے میرے ہی گھر میں پرورش پائی اور بچپن کی زندگی گزاری اور شاہی محل میں رہا۔ اور تو یہ بھی بھول گیا کہ تو نے ایک مصری کو قتل کیا اور یہاں سے بھاگ گیا۔ موسیٰ نے کہا یہ دونوں باتیں صحیح ہیں میں تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ نے مجھے سب سے بڑی نعمت نبوت اور رسالت سے سرفراز کیا ہے اور تمہارے پاس پیغام رشد وہدایت لے کر آیا ہوں اور اے فرعون کیا یہ عدل و انصاف ہے کہ تجھ کو ایک اسرائیلی کی پرورش کا بدل یہ ٹھہرے کہ تو بنی اسرائیل کی تمام قوم کو غلام بنائے رکھے۔ حضرت موسیٰ نے نرمی، خوش اخلاقی اور سنجیدگی کے ساتھ فرعون کو دعوت حق دی کہ جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے اس کی واحدانیت اور عبودیت کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر کوئی اس پیغام حق کو قبول نہیں کرے گا تو [redacted] اس کے عذاب کا مستوجب ہو گا۔ حضرت موسیٰ نے فرعون کے دعویٰ ربوبیت والوہیت کے خلاف انتہائی مدلل اور ٹھوس حقائق بیان فرمائے۔ مگر [redacted] اپنی ضد پر اڑا رہا۔

تاریخ مصر سے معلوم ہوتا ہے کہ مصری قوم دیوتاؤں اور سورج وستاروں کی پرستش کرتی تھی اور آمن راع (سورج دیوتا) ان کا سب سے بڑا دیوتا تھا۔ حضرت موسیٰ نے فرعون کے دربار میں اپنے دو نشان یعنی لاٹھی کا اژدھا بننا اور ید بیضا پیش کیے فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا کہ تو جادوگر ہے۔ لہٰذا فیصلہ یہ کیا گیا کہ نو روز کے دن فرعون کے جادوگروں اور موسیٰ کے درمیان مقابلہ ہو گا۔

حضرت موسیٰ کو عصا اور ید بیضا کے نشانات (معجزے) اس لیے عطا ہوئے تھے کہ اس زمانہ میں مصر میں سحر اور جادو کا عام رواج تھا۔ اور فن سحر شباب پر تھا اور مصریوں نے اسے عروج کمال تک پہنچا دیا تھا۔ بہر حال یوم جشن آپہنچا اور فرعون کے دربار میں اس مقابلہ کا بڑی شان و شوکت سے اہتمام کیا گیا۔ اور عام لوگ اس حق و باطل کے معرکہ کا نظارہ کرنے کے لئے جمع ہو گئے۔ ایک طرف مصر کے مشہور و معروف جادوگروں کا گروہ اور دوسری جانب موسیٰ وہارون کھڑے تھے جب موسیٰ نے ساحروں اور جادوگروں سے کہا کہ پہلے تم اپنے فن کا مظاہرہ کرو چنانچہ ساحروں نے اپنی رسیاں بان اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں جو سانپ اور اژدھے کی شکل میں دوڑتی نظر آنے لگیں۔

حضرت موسیٰ نے وحی الٰہی کے مطابق اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈالا تو لاٹھی نے اژدھا بن کر جادوگروں کے تمام شعبدوں کو نگل لیا اور تھوڑی ہی دیر میں تمام میدان صاف ہو گیا اور ساحر اپنے سحر میں ناکام رہے جادوگر جو اپنے فن کے ماہر و کامل تھے عصائے موسیٰ کا یہ کرشمہ دیکھ کر حقیقت حال کو سمجھ گئے اور انھوں نے یہ اقرار کر لیا کہ موسیٰ کا

یہ عمل جادو سے بالاتر ہے۔ خدا کا معجزہ ہے اس کا سحر سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور پھر سجدہ میں گر پڑے اور اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے خدا پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ وہی رب العالمین ہے فرعون حقیقت و صداقت کو تسلیم کرنے کے بجائے غصہ میں آکر جادوگروں کو کوسنے لگا اور کہا کہ موسیٰ تمہارا استاد ہے اور تم سب نے آپس میں سازش کر رکھی تھی اس لئے تم نے موسیٰ کے خدا پر ایمان لانے کا فیصلہ کر لیا۔ اب میں تم کو عبرت ناک سزا دوں گا پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں کٹواؤں گا اور پھر سولی پر لٹکا دوں گا۔ جادوگر ایمان کی قوت سے نڈر اور بے خوف ہو گئے تھے اور ان کا اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین قائم ہو چکا تھا اس لئے فرعون کی جابرانہ دھمکیوں سے ان کا ایمان متزلزل نہ ہوا اور انہوں نے جان کی قربانی پیش کر دی۔ فرعون اس حق و باطل کی کشمکش میں ناکام رہا۔ اور حضرت موسیٰ پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو گیا۔ فرعون حضرت موسیٰ کی اس روحانی قوت کا مظاہرہ دیکھ کر بے حد مرعوب ہوا اور اس نے مایوسی کے عالم میں غیض و غضب کے ساتھ ایک بار پھر اعلان کر دیا کہ پیدائش کے وقت ہی اسرائیلی بچوں کو قتل کر دیا جائے۔ فساد آدمیت کی تاریخ میں استبداد حکومت، مذہبی پیشواؤں کی فریب کاریاں اور سرمایہ داروں کی خون آشامیاں انسانیت کا گلا گھونٹ دینے کے لئے ہمیشہ باہم مل کر برسرپیکار رہی ہیں۔ اس وقت بھی فرعون کا استبداد ہامان کی برہمنیت اور قارون کا سرمایہ سب نے مل کر اسرائیلی قوم کو اپنے پنجہ خونین میں دبا رکھا تھا۔

آخر فرعون نے موسیٰؑ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ حضرت موسیٰ کو علم ہوا تو انہوں نے کہا اللہ ہمارے ساتھ ہے یہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ مغرور خدا کے یوم حساب سے نہیں ڈرتا اور آپ نے عذاب الیم کے لئے دعا کی۔ فرعون کے دربار میں ایک مرد مومن نے ان کو ظلم و جبر سے منع کیا مگر ▪ راہ راست پر نہ آیا۔

فرعون اور اس کے سرداروں پر حضرت موسیٰؑ کی دعوت رشد و ہدایت کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ فرعون پہلے سے بھی زیادہ زور و شور سے اپنی ربوبیت الوہیت اور معبودیت کی تبلیغ و اشاعت کرنے لگا۔ حضرت موسیٰ کی توہین ▪ تذلیل ہونے لگی اور بنی اسرائیل کی اولاد نرینہ کو قتل کرنے لگا۔ جب حالات یہاں تک پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ تم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر کنعان یعنی اپنے باپ دادا کی سرزمین میں لے جاؤ۔

مصر سے کنعان جانے کے لئے دو راستے تھے ایک خشکی کا راستہ جو قریب تھا اور دوسرا بحر قلزم کا راستہ یعنی بحر احمر کو عبور کر کے بیاباں سور کی وادی سینا کی راہ۔ یہ دور کی راہ تھی مگر حضرت موسیٰ نے دور کا راستہ یعنی سمندر کا راستہ اختیار کیا۔ الغرض حضرت موسیٰ اور ہارون بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات بحر احمر کی راہ پر ہو لئے فرعون کو اطلاع ہو گئی کہ بنی اسرائیل مصر سے فرار ہونے کے لئے شہروں سے نکل گئے ہیں فرعون نے اسی وقت ایک زبردست فوج کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور صبح ہونے سے پہلے پہلے ان کے سر پر جا پہنچا۔

تورات کے مطابق بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی جب انہوں نے فرعون کو سر پر پہنچا ہوا پایا تو بہت گھبرائے اور حضرت موسیٰ سے جھگڑنے لگے تو نے ہمیں مروا دیا موسیٰ نے ان کو تسلی دی کہ خوف نہ کرو خدا کا وعدہ

سچا ہے۔ وہ تم کو نجات دے گا اور تم کامیاب ہو گے وحی الٰہی نے موسیٰ کو حکم دیا کہ تم اپنی لاٹھی پانی پر مارنا تاکہ پھٹ کر اس میں سے راستہ نکل آئے چنانچہ موسیٰ نے ایسا ہی کیا جب آپ نے عصا مارا پانی پھٹ کر دونوں جانب پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا اور بیچ میں راستہ بن گیا۔ اور حضرت موسیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل اس میں اتر گئے اور خشک زمین کی طرح اس سے پار ہو گئے فرعون نے جب دیکھا تو اپنی قوم سے کہا کہ یہ میری کرشمہ سازی ہے کہ بنی اسرائیل کو تم جا کر پکڑ لو۔ چنانچہ فرعون اور اس کا لشکر بھی بنی اسرائیل کے پیچھے اسی راستہ پر اتر گئے لیکن بنی اسرائیل کا ہر فرد دوسرے کنارے پر سلامتی سے پہنچ گیا مگر فرعون اور اس کا تمام لشکر جو ابھی درمیان ہی میں تھا غرق ہو گیا کیونکہ پانی بحکم الٰہی پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

جب فرعون غرق ہونے لگا تو اس نے پکار کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا اعلان کیا مگر اس کا ایمان بارگاہ خداوندی میں قبول نہ ہوا اور وہ مع اپنی فوج کے غرق ہو گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو غرق اور موسیٰ اور اس کی قوم کو نجات دلا کر ایک ظالم و جابر قوم کے پنجہ استبداد سے ایک مظلوم و محکوم قوم کو آزاد کر دیا اور ثابت کر دیا کہ دنیائے انسانیت کی تاریخ میں حق و باطل کے معرکوں میں یہ ایک عظیم الشان معرکہ تھا جس میں حق و صداقت کو فتح اور باطل کو شکست فاش ہوئی۔ موسیٰ اور اس کی قوم نے اس شاندار کامیابی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور موسیٰ ان کو ساتھ لے کر بیابان شور ہوتے ہوئے سینا کی وادی میں چل پڑے۔

قدرت نے فرعون مصر ریمیس ثانی کی لاش بچا لی جو مصر کے تہہ خانوں سے ان کے قدیم بادشاہوں کی حنوط (ممی شدہ) لاش کے ساتھ برآمد ہوئی ہے جو فرعون موسیٰ تھا بہر حال اسی طرح بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ کی قیادت میں اہل مصر کے عذاب سے نجات ملی اور فرعون اپنی فوج کے ساتھ غرق ہو گیا۔ بنی اسرائیل اس کے بعد سینا کی وادیوں میں سکونت پذیر ہو گئے اور ان کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا۔

قوم بنی اسرائیل مصر سے نکل کر وادی سینا میں پہنچی تھی۔ یہاں پر رہنے کے لئے وسیع و عریض میدان، کھلی فضا، صاف آب و ہوا۔ فراخ زمین، من و سلویٰ کھانے کو، پانی کے بارہ چشمے۔ اوپر بادلوں کا سایہ پیچھے کوہ طور کی دیوار، دو انبیاء تعلیم و تربیت کے لئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا کے سوا کسی کا خوف نہ تھا۔ لیکن خوئے غلامی کی وجہ سے ان کا احساس مردہ اور شعور بیدار نہ تھا۔ اس لیے وہ قدم قدم پر مصریوں کی غلامی اور تن آسانی کی زندگی کو یاد کرتے تھے اور حضرت موسیٰ سے جھگڑتے اور شکوہ و شکایت کرتے کہ مصر کی امن و سکون کی غلامی کی زندگی سے نکال کر یہاں بیابان اور جنگل میں کیوں لائے ہو اور ہر جگہ بگڑ کر بیٹھ جاتے اور بات بات پر نافرمانی کرتے اور پریشان و تنگ کرتے اور کہتے کہ ہم غلام ہی اچھے تھے۔ ہمیں دلی افسوس تھا کہ مصر کی محکومیت کی زندگی سے کیوں نکل آئے۔ حضرت موسیٰ سے مطالبہ کرتے کہ ہمارے لیے بھی ایک معبود یعنی بت بنا دیں تاکہ ہم اس کی پرستش کریں۔ موسیٰ کو اس پر شدید صدمہ ہوا۔ حضرت موسیٰ کچھ وقت کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے

طور پر گئے اور حضرت ہارون کو بنی اسرائیل کی نگرانی کے لئے چھوڑ گئے۔ مگر حضرت موسیٰ کی غیر حاضری میں سامری نے بنی اسرائیل سے ان کے زیورات لے کر ایک سونے کا بچھڑا بنا دیا اور وہ اس کی پوجا کرنے لگے موسیٰ کو واپسی پر شدید صدمہ ہوا اور ہارون سے پوچھا کہ آپ نے ان کو بچھڑا بنانے اور اس کے پرستش کرنے سے منع کیوں نہ کیا انہوں نے کہا کہ اگر میں منع کرتا تو قوم میں تفرقہ پیدا ہو جاتا اور وہ مجھ سے ناراض ہوتے کیونکہ تفرقہ بازی بت پرستی سے بھی بڑا شرک ہے ایک یہ مطالبہ کیا کہ من و سلویٰ کے بجائے دال گندم، لہسن، پیاز وغیرہ چیزیں کھانے کو لاؤ۔ چنانچہ موسیٰ کو یہ بھی کرنا پڑا پھر مطالبہ کیا کہ ہم خدا تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ان کے ستر نمائندوں کو ہمراہ لے کر کوہ طور پر گئے مگر وہاں آتش فشاں پہاڑ زلزلہ سے کانپ رہے تھے اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور بجلی کی کڑک سے ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے الغرض محکومی اور غلامی کی وجہ سے اس قوم کی سرشت اس قدر بدل چکی تھی کہ کبھی موسیٰ سے بت تراشی کی درخواست کرتے کبھی گائے پرستی شروع کر دیتے کبھی ضد کرتے کہ ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں ان کی بت پرستی اور گائے پرستی کے باطل جذبہ کو کچلنے کے لئے حضرت موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ صحت مند قسم کی گائے کو ذبح کرو اور بادل ناخواستہ ان کو گائے ذبح کرنی پڑی حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ فلسطین کی ارض مقدس اللہ نے تمہارے نام کر دی ہے اٹھو اور اس پر قبضہ کر لو۔ لیکن مدت کی غلامی نے جرات و جسارت، ہمت اور حوصلہ کے تمام جوہر سلب کر لیے تھے اس لئے جواب دیا کہ "اے موسیٰ تم اور تمہارا بھائی ہارون جا کر فلسطین کے لوگوں سے لڑو۔ اگر تم کامیاب ہو گئے تو پھر ہم بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ مقدس سرزمین ان کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے مگر چونکہ یہ لوگ اس کے اہل نہیں اس لئے چالیس سال تک یہ مقدس سرزمین ان پر حرام کر دی گئی ہے۔ لہٰذا چالیس سال تک اسی سینا کے بیابان میں سرگرداں رہیں گے۔

تاریخ کا فیصلہ ہے کہ جب کوئی قوم مدت مدید تک غلامی و محکومی میں رہے تو نہ صرف وہ مفلس و بدحال ہو جاتی ہے بلکہ اس کے قوائے عمل اور قوائے دماغی بھی بے کار مضمحل اور ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ یعنی سیاسی غلامی سے لوگ ذہنی غلامی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ شجاعت جواب دے جاتی ہے۔ اور اپنے مخلص نجات دہندہ پر بھی اعتبار نہیں کرتے۔ جدوجہد اور ایثار و قربانی کا جذبہ مفقود ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ نے چالیس سال تک اپنی قوم کے نوجوانوں کی آزاد فضا میں تعلیم و تربیت کی اور ان شاہین بچوں میں عقابی روحیں پیدا کیں۔ اور جہان بانی اور جہان داری کے قابل بنایا۔ اب نوجوانوں کا سیلاب امڈا اور تمام فلسطین پر چھا گیا یہ علاقے جو فرعون مصر کے باجگزار تھے اسرائیل کے قبضہ میں آ گئے اور قرآن حکیم کے مطابق "ہم نے اہل فرعون کو ان باغوں اور چشموں، خزائن و باعزت مکانات سے نکال دیا اور ان سب کا وارث بنی

اسرائیل کو بنا دیا۔ اب بنی اسرائیل کی زندگی کا تیسرا دور شروع ہوا یہ ان کی سربلندی اور عروج کا دور تھا جدھر ان کا قدم اٹھتا تھا فتح و ظفر قدم چومتی، شوکت و سطوت قوت و حشمت، اقوام عالم پر فضیلت اور کتاب و نبوت غرض دین و دنیا کی ہر نعمت سے مالا مال کر دیا اور یہ جماعت مومنین کی صحیح زندگی تھی جو حضرت موسیٰ کی سعی و جدوجہد سے ان کو نصیب ہوئی۔

" نبوت حکومت اور علم و بصیرت سے اقوام عالم پر فضیلت دی اور برگزیدہ کیا۔ " اس قوم نے اسی ملک پر انتہائی شان و شوکت سے صدیوں تک حکومت کی۔ ان میں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ جیسے صاحب سطوت و شوکت حکمران اور نبی پیدا ہوئے تورات کے مطابق حضرت موسیٰ نے مداب کی سرزمین واقع فلسطین میں ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات پائی۔

شریعت موسوی کے دس احکامات

حضرت موسیٰ کوہ طور سے دس احکامات لائے تھے جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

1۔ تب اس خدا نے کہا " خداوند تیرا خدا جو تجھ کو ملک مصر یعنی غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں۔"
میرے آگے تو اور معبودوں کو نہ ماننا

2۔ تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیوں کہ میں خداوند تیرا خدائے غیور خدا ہوں۔ اور جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک باپ دادا کی بدکاری کی سزا دیتا ہوں اور ہزاروں پر جو مجھ سے محبت رکھتے اور میرے حکموں کو مانتے ہیں رحم کرتا ہوں۔

3۔ تو خداوند اپنے خدا کا پیغام بے فائدہ نہ لینا کیوں کہ خداوند اس کو جو اس کا نام بے فائدہ لیا ہے بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔

4۔ تو خداوند اپنے خدا کے حکم کے مطابق سبت (ساتواں دن) کے دن کو یاد کر کے پاک ماننا لیکن ساتواں دن خداوند تیرے خدا کا سبت ہے اس میں نہ تیرا بیٹا نہ تیری بیٹی نہ تیرا غلام نہ تیری لونڈی نہ تیرا بیل نہ تیرا گدھا اور نہ تیرا کوئی اور جانور اور نہ کوئی مسافر جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہو تاکہ ترا غلام اور تیری لونڈی بھی تیری طرح آرام کریں۔

5۔ اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھے حکم دیا ہے تاکہ تیری عمر دراز ہو اور جو ملک خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے اس میں تیرا بھلا ہو۔

6۔ " تو خون نہ کرنا "

7۔ " تو زنا نہ کرنا "

8۔ " تو چوری نہ کرنا"

9۔ " تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا"

10۔ " تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور نہ اپنے پڑوسی کے گھر یا اس کے کھیت یا غلام یا لونڈی یا بیل یا گدھے یا اس کی کسی چیز کا خواہاں ہونا۔"

حضرت موسیٰ کے جانشین حضرت یوشع بن نون

قرآن حکیم کے مطابق یہ نام آلیسع ہے۔

حضرت آلیسع کے بعد بنی اسرائیل کا نظام کچھ جمہوری سا رہا۔ اسے قاضیوں کا عہد کہا جاتا ہے۔ 1000 ق م کو حضرت طالوت ان کے کمانڈر مقرر ہوئے طالوت اور حضرت داؤد کے عہد میں اسرائیلیوں نے فلسطین پر پورا غلبہ حاصل کر لیا تھا اور فراعنہ مصر کی حکومت زوال پذیر ہو چکی تھی۔ بنی اسرائیل کے نبی نے جب اللہ کے حکم سے طالوت کو ان کا سپہ سالار مقرر کیا تو انہوں نے اعتراض کیا کہ سرمایہ دار نہیں اور نہ ہی کسی بڑے قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے نبی نے فرمایا کہ قیادت و سیادت کا معیار علم کی فراوانی اور جسم کی طاقت یعنی دماغی اور جسمانی دونوں طرح کی فضیلت ہے۔ نہ کہ مال و دولت اور نسل و خاندان کے امتیازات۔ یہ صرف اللہ کی طرف سے ان دونوں صلاحیتوں کے حامل کو ملتی ہے۔ جناب طالوت کے انتخاب سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ قانون خداوندی کی رو سے قیادت و حکمرانی جو ہر ذاتی یعنی دماغی و جسمانی صلاحیتوں کی بناء پر ملتی ہے نہ کہ مال و دولت نسلی امتیازات اور وراثت کی بناء پر حضرت طالوت کی قیادت میں بنی اسرائیل کے قلیل المقدار نے جالوت جیسے قوی ہیکل کمانڈر کی بھاری اکثریت فوج کو شکست دی جالوت حضرت داؤد کے ہاتھ سے مارا گیا۔ طالوت کے بعد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان ان کے بعد نبی اور بادشاہ ہوئے یہ زمانہ بنی اسرائیل کے عروج و کمال کا تھا۔ حضرت سلیمان کے عہد میں ان کی شوکت و ثروت انتہائی عروج کو پہنچ گئی تھی۔ بیت المقدس کے ہیکل کی تعمیر اس عہد میں ہوئی لیکن اس کے بعد زوال و انحطاط کے آثار شروع ہو گئے۔

مصر کی زندگی میں وہ خرابیاں اور کمزوریاں تھیں جو محکومی اور غلامی کی لازمی پیداوار ہیں۔ مگر اب ▪ برائیاں پیدا ہوئیں جو قوت و دولت کے غلط استعمال سے پیدا ہوتی ہیں مثلاً سرکشی، فتنہ و فساد، فسق و فجور، قوانین الٰہیہ کے بجائے انسانی قوانین، احبار و رہبان کا روحانی تسلط یعنی برہمنیت، باہمی خانہ جنگی، دولت و اقتدار اور نسلی تفوق وغیرہ۔

حضرت ایوب علیہ السلام 1000 ق م

حضرت یعقوب اور حضرت عیسو حضرت اسحاق کے دو بیٹے تھے عیسو اپنے گھر سے نکل کر اپنے چچا حضرت

اسماعیل کے پاس چلا گیا اور وہاں ان کی لڑکی سے شادی کر لی۔ ان کے چھ بیٹے ہوئے جن میں سے عمالق اور عوض مشہور ہیں۔ حضرت ایوبؑ عوض کے قبیلے سے تھے عیسو کا عرف ادوم تھا اس لئے یہ خاندان ادومی کہلایا۔ بحر میت اور خلیج عقبہ کا درمیانی علاقہ ان کا مسکن تھا۔ تورات میں اس علاقہ کا نام کوہ سعیر آیا ہے ان کا دارالحکومت رقیم (سٹیرا) تھا۔ تورات میں حضرت ایوب ان کی طرف منسوب ہے ان کا زمانہ 1000 ق م اور 700 ق م کے درمیان ہے۔

عہد عتیق میں " ایوب " کے نام سے ایک صحیفہ ہے اور اس نام کے ایک راست باز اور صابر انسان کی سرگزشت لکھی ہے۔ الانبیاء کی آیت 83 میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

سرگزشت کا خلاصہ یہ ہے کہ " عوض کے ملک میں ایوب ایک کامل اور راست باز انسان تھا خدا نے اسے بڑا خاندان اور بڑی دولت دے رکھی تھی۔ اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ سات ہزار بھیڑیں ، تین ہزار اونٹ ، ایک ہزار بیل اور پانچ سو بار برداری کے گدھے تھے اس کے نوکر چاکر بھی بے شمار تھے اور اہل مشرق میں اس درجہ مال دار کوئی نہ تھا۔ وہ اس دولت و شوکت کے لئے خداوند کا شکر گزار تھا اور ہمیشہ بدی سے دور رہتا تھا۔

انقلاب حالت پھر زندگی کی ساری مصیبتیں ان پر آن پڑیں۔ ان کے مویشی لوٹ لیے گئے اور نوکر چاکر قتل ہو گئے۔ اولاد مر گئی۔ جاہ و حشم نابود ہو گیا اور زندگی کی خوش حالیوں میں کوئی چیز بھی باقی نہ رہی پھر بربادیوں کے یہ تمام زخم ایک ایک کر کے انہیں لگے اور دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی۔

لیکن عین اس حالت میں حضرت ایوب کی زبان سے کلمہ شکر کے سوا اور کچھ نہیں نکلا وہ سجدہ میں گر پڑے اور کہا " میں اپنی ماں کے پیٹ سے برہنہ پیدا ہوا تھا اور برہنہ ہی دنیا سے جاؤں گا خداوند نے مجھے دیا تھا اور خداوند نے لے لیا۔"

سب کچھ جا چکا تھا جسم کی تندرستی باقی رہ گئی تھی اب اس نے بھی جواب دے دیا اور ایوب کے تلوے سے لے کر سر کی چاندی تک سارے جسم میں جلتے ہوئے پھوڑے نکل آئے ۔ ایک ٹھیکرا لے کر اپنا جسم کھجاتا اور راکھ پر بیٹھ رہتا۔

لیکن اس پر بھی اس کی زبان ایک لمحہ کے لئے شکوہ شکایت سے آلودہ نہ ہوئی۔ صبر و شکر ! اس درد و مصیبت کی یہ حالت برابر بڑھتی جاتی تھی لیکن جوں جوں بڑھتی تھی دل کا صبر اور زمزمہ شکر بھی بڑھتا جاتا تھا۔ چنانچہ تمام صحیفہ ایوب ان ہی دل نشین مواعظ کا مجموعہ ہے جو ان کے درد و غم کی آہوں اور کرب و اذیت کی صداؤں کے اندر نمایاں ہوئے ۔ ان کی ہر آہ حمد و ثنا کا نغمہ تھی اور ہر پکار صبر و شکر کی تلقین۔ اسلوب بیان یہ ہے کہ تین دوست مصیبت کا حال سن کر آئے ہیں اور اللہ کے کاموں اور حکمتوں پر رد و کد کرتے ہیں۔ پھر اللہ کی وحی انہیں مخاطب کرتی ہے اور ان کی آزمائش کا دور ختم ہو جاتا ہے " اور خداوند نے ایوب کی حالت بدل دی ۔"

اسے پہلے کی نسبت دو چند دولت عنایت کی۔ تمام عزیزوں کو اس کے گرد جمع کر دیا اسے آخری عمر میں پہلے کی طرح اولاد ملی۔ ▪ ایک سو چالیس برس تک جیا اور اپنی نسل کی چار پشتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں (صحیفہ ایوب 1142)

اس بات کے اظہار کے لئے کہ یہ حضرت ایوبؑ کے لئے آزمائش تھی پیرایہ بیان یہ اختیار کیا گیا کہ " شیطان نے کہا: ایوب کی خدا پرستی اور راست بازی اس لئے ہوئی کہ خدا نے اسے ہر طرح سے خوش حالیاں دے رکھی ہیں اگر وہ ان سے محروم ہو جائے تو پھر خدا کا شکر گزار نہ ہو۔" لیکن وہ خوش حالیوں سے محروم ہو کر ان کا ایمان و یقین گھٹنے کے بجائے بڑھ گیا۔ قرآن نے صبر و شکر کی یہ پوری داستان یہاں صرف چند جملوں میں بیان کر دی ہے اور اس کا ایجاز و بلاغت اتنا ہی مؤثر ہے جتنا صحیفہ ایوب کے پچاس صفحات کا شاعرانہ اطناب ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام 1015 ق م

حضرت داؤدؑ لیسح کے آٹھویں اور سب سے چھوٹے فرزند اور بیت لحم کے باشندے تھے آپ کا عام مشغلہ یہ تھا کہ خاندان کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے والد نے یہی کام ان کے سپرد کر دیا تھا۔ آپ بانسری کے علاوہ بربط بھی خوب بجاتے تھے شیموئیل نبی نے اندازہ لگا لیا کہ یہ خدا کی برگزیدہ ہستی ہیں۔
یہودیوں کا سب سے پہلا بادشاہ طالوت تھا جسے شیموئیل نبی نے منتخب کیا تھا۔ کبھی کبھی حضرت داؤد بھی طالوت کے پاس جاتے اور بربط بجا کر اس کا دل خوش کرتے آپ فن موسیقی کے ماہر تھے آپ کی آواز نہایت سریلی تھی۔

جب فلسطینیوں کے مشہور سردار جالوت نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا تو بڑی پریشانی ہوئی کیونکہ جالوت کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ اتفاق سے والد نے داؤد کو بڑے بیٹوں کا کھانا دے کر بھیج دیا جو فلسطینیوں کے خلاف میدان جنگ میں آ گیا اور بنی اسرائیل میں کسی کا حوصلہ نہ تھا کہ اس کے مقابلے پر نکلے۔ حضرت داؤد نے کہا کہ میں اس سے لڑوں گا۔ وہ اپنا گوپیا اور بھیڑ بکریاں چرانے کی لاٹھی نیز ایک تھیلا لے کر جالوت کے مقابلے میں نکل پڑے وہ دیکھ کر ہنسا کہ تم مجھے کتا سمجھ کر ڈنڈے سے بھگانے آئے ہو۔ حضرت داؤد کی دلیرانہ باتوں سے وہ مشتعل ہو گیا اور وار کر دیا۔ حضرت داؤد نے تھیلے میں سے ایک پتھر نکالا اور گوپیئے میں رکھ کر اس زور سے مارا کہ وہ جالوت کا خول توڑ کر اس کے سر میں جا لگا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ حضرت داؤد نے اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر ڈالا اس فتح سے فلسطینیوں پر سراسیمگی طاری ہو گئی اور وہ بھاگ نکلے حضرت داؤد بنی اسرائیل کے ہیرو بن گئے۔

حضرت داؤد کی ہر دلعزیزی سے طالوت کے دل میں حسد پیدا ہوا اور اس نے انہیں مارنے کی کوشش کی۔

چنانچہ حضرت داؤد کچھ مدت تک ادھر ادھر پھرتے رہے یہاں تک کہ طالوت اور اس کا بیٹا ایک لڑائی میں مارے گئے اور بنی اسرائیل نے بالاتفاق حضرت داؤد کو بادشاہ بنا لیا۔ حضرت داؤدؑ نے جس بہادری اور شجاعت سے جالوت کو قتل کیا تھا۔ اسرائیل کے قلوب پر داؤد کی محبت و عظمت کا سکہ بیٹھ گیا تھا۔ چنانچہ یہی داؤد آگے چل کر خدا کے نبی اور رسول بنے۔ حضرت داؤد بنی اسرائیل میں یہودہ کی نسل سے تھے۔ آپ خدا کے پیغمبر اور رسول بھی تھے۔ اور صاحب تخت و تاج بھی تھے اور آپ کو کتاب و حکمت یعنی زبور عطا ہوئی تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت داؤد کی حکومت شام، عراق، فلسطین اور شرق اردن کے تمام علاقوں پر قائم ہو گئی جو سامی اقوام کی عظیم ترین مملکت تھی حضرت داؤد تقریر و خطابت کے فن میں کمال رکھتے تھے ان کا حکم و فیصلہ حق و باطل کے درمیان قول فیصل کی حیثیت رکھتا تھا۔

حضرت داؤد کو بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے تورات کے قوانین و احکام کے اندر رہتے ہوئے زبور عطا ہوئی تھی اور حضرت داؤد کو اللہ تعالیٰ نے ایسا لہجہ اور سحر آگین آواز عطا کی تھی کہ آپ جب زبور کی تلاوت فرماتے تو جن و انسان وجد میں آجاتے "لحن داؤدی" اس لئے مشہور ہے۔

زبور میں خدا کی حمد و ثناء اور انسانی عبودیت و عجز کے اعترافات اور پند و نصائح کے مضامین تھے۔ حضرت داؤد اپنا اور اپنے اہل کا گزارہ اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے حلال روزی سے کرتے اور حکومت کے خزانہ سے کچھ نہ لیتے تھے آپ کے ہاتھوں میں لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا آپ ان کی زرہیں بناتے اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔

حضرت داؤد نے خداوند تعالیٰ کے قوانین کے مطابق معاشی نظام اور معاشرہ کی اصلاح کی اور تمام فیصلے عدل و انصاف کے مطابق کرتے تھے۔

حضرت داؤد کے عہد میں بنی اسرائیل کو بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں۔ ابتداء میں جدون اسرائیلیوں کا دارالحکومت تھا جسے اب الخلیل کہتے ہیں۔ پھر حضرت داؤد نے یبوسیوں کا شہر فتح کر لیا جو موقع اور محل کے لحاظ سے زیادہ موزوں دارالحکومت تھا۔ لہذا ساڑھے سات سال بعد یبوسیوں کا شہر حضرت داؤدؑ کا مرکز بن گیا جس کا نام یوروشلم رکھا گیا۔ یعنی شہر "امن و صلح" 1015 ق م میں حضرت داؤد نے وفات پائی ساڑھے چالیس سال حکومت کے بعد وفات کے وقت ستر سال کی عمر تھی گویا آپ کا سال ولادت 1085 ق م تھا۔

حضرت داؤدؑ بڑے ہی خوش آواز تھے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عبرانی موسیقی مدون کی اور مصری اور بابلی مزامیہ کو ترقی دے کر نئے نئے آلات ایجاد کئے۔

تورات اور روایات یہود سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بیٹھ کر حمد الہی کے ترانے گاتے اور اپنا بربط بجاتے تو شجر و حجر جھومنے لگتے تھے۔

حضرت داؤدؑ اللہ کے نبی تھے صحیفہ جو آپ پر نازل ہوا تھا اللہ کی حمد و ثنا اور ہدایات کا مجموعہ تھا حضرت داؤد

اس مقدس کتاب کے نغمے بڑے ترنم اور خوش الحانی سے گایا کرتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام 950 ق۔م

حضرت سلیمان حضرت داؤد کے بیٹے اور حضرت یعقوب کے بیٹے کی نسل یہوہ سے تھے۔ ان کا زمانہ قریباً 950 ق م ہے ۔ حضرت داؤد کے انتقال پر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو ان کی نبوت و حکومت کا جانشین بنا دیا۔

1۔ حضرت داؤد کی طرح حضرت سلیمان کو بھی بعض خصوصیات اور امتیازات سے نوازا اور وہ پرندوں اور جانوروں کی بولیاں بھی سمجھ لیتے تھے۔ منطق الطیر" کا علم دیا تھا۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو بھی سلیمان کے حق میں مسخر کر دیا تھا۔ یعنی آپ ہوا سے جو کام چاہتے لے سکتے تھے وہ آپ کے حکم کی پابند تھی۔

3۔ تسخیر جن و حیوانات: آپ کے حاکمانہ اقتدار کے تابع اور زیر حکم نہ صرف انسان بلکہ جن و حیوانات بھی تھے۔

4۔ حضرت سلیمان نے بیت المقدس، ہیکل سلیمانی اور یروشلم شہر کی تعمیر جدید کی اور ان عالی شان عمارات کی تعمیر کے لئے آپ نے جنوں سے کام لیا۔ آپ کا ذریعہ معاش ٹوکریاں بنانا تھا اور شاہی خزانہ سے کوئی رقم اپنی ذات پر خرچ نہ کرتے تھے۔

5۔ حضرت سلیمان کو پگھلے ہوئے تانبے کی کانوں کا علم تھا اور آپ اس پگھلے ہوئے تانبے کو عمارات کی تعمیر میں استعمال کرتے تھے۔

6۔ حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا۔ ملکہ سبا کا ایک واقعہ قرآن حکیم میں موجود ہے جو نہ صرف دلچسپ بلکہ بصیرت افروز بھی ہے ۔ حضرت سلیمان کو ہدہد نے اطلاع دی کہ ان کے ملک میں سبا کی ایک ملکہ ہے ۔ خدا نے اس کو سب کچھ دے رکھا ہے تخت سلطنت بھی عظیم الشان ہے۔ مگر یہ قوم آفتاب پرست ہے شیطان نے ان کو گمراہ کر رکھا ہے اور وہ خدائے واحد کی پرستش نہیں کرتے حضرت سلیمان نے ایک خط دے کر ہدہد کو ملکہ سبا کی طرف بھیجا جس میں اس کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر ہماری خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ ملکہ نے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا مگر انہوں نے کہا کہ جو آپ فیصلہ کریں ہم اس سے متفق ہوں گے۔ ملکہ نے کہا کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں سلیمان کی قوت و طاقت، عظمت و شوکت کا اندازہ لگانا چاہیئے۔

ملکہ سبا کے قاصد تحائف لے کر حضرت سلیمان کے دربار میں پہنچے تو سلیمان نے فرمایا کہ تم نے میرے خط کا مطلب غلط سمجھا ہے مجھے تحائف اور مال و دولت کی ضرورت نہیں۔ واپس جاؤ اور اپنی ملکہ سے کہہ دو کہ وہ میرے پیغام توحید کو قبول کرے ورنہ میں ایسا عظیم الشان لشکر لے کر سبا والوں تک پہنچوں گا کہ تم اس کی مدافعت نہ کر سکو گے پھر تم کو ذلیل و رسوا کر کے شہر بدر کر دیا جائے گا۔ قاصدوں نے واپس جا کر تمام حالات بیان کئے اور

حضرت سلیمان کی شوکت و عظمت کا جو مشاہدہ کیا تھا حرف بحرف سنایا۔ اور کہا کہ ان کی حکومت صرف انسانوں پر ہی نہیں بلکہ جن اور حیوانات بھی ان کے تابع ہیں۔ ملکہ سبا نے حضرت سلیمان کی دعوت پر لبیک کہنے کا فیصلہ کر لیا اور سلیمان کی خدمت میں روانہ ہو پڑی۔ اور اس کا تخت حضرت سلیمان کے ایک وزیر نے اس کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت سلیمان کے پاس پہنچا دیا۔ ملکہ سبا نے جب دربار سلیمان میں اپنا تخت دیکھا تو اس کو پہچان لیا اور کہا کہ یہ میرا ہی تخت معلوم ہوتا ہے۔ ملکہ نے کہا کہ ہم اپنے وطن سے ہی آپ کے مطیع اور فرماں بردار ہو کر چلے تھے ایک دفعہ پھر اظہار وفاداری کرتی ہوں۔

ملکہ سمجھ گئی کہ حضرت سلیمان مجھ سے اپنی وفاداری اور تابعداری کا طالب نہیں بلکہ خدائے واحدہ لاشریک کی توحید و عبودیت کا اقرار کرانا چاہتا ہے چنانچہ سلیمان کے سامنے ایک شرمسار اور نادم انسان کی طرح بارگاہ الٰہی میں یہ اقرار کیا کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتی ہوں جو تمام کائنات کا پروردگار ہے۔ شرک و سورج و بت پرستی سے تائب ہوتی ہوں۔ چنانچہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ سلیمان سے عقد کر لیا اور سبا کو سلطنت سلیمانی میں شامل کر دیا۔ ملکہ سبا کا نام بلقیس بیان کیا جاتا ہے۔ اہل حبش اس کو حبشی نژاد سمجھتے ہیں اور شاہان حبش اپنے آپ کو ملکہ سبا (بلقیس) کی نسل ہونے پر فخر کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان نے ترپن (53) سال کی عمر میں چالیس سال حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔ جب آپ داوٗد کے جانشین بن کر حکومت و نبوت سے سرفراز ہوئے آپ کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ وفات کے بعد آپ کو ان کے باپ دادا کے ساتھ شہر صیہون میں دفن کر دیا گیا اور اس کا بیٹا رحبعام اس کی جگہ بادشاہ بنا۔

حضرت یونس علیہ السلام 700 ق م

" عہد عتیق " یوناہ نبی کے نام کا صحیفہ ہے جسے عہد عتیق کا بتیسواں حصہ سمجھنا چاہئے۔ اس کے صرف چار باب اور کل اڑتالیس آیات ہیں۔ صحیفہ مذکورہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت یونسؑ کی داستان ہے انہیں یوناہ بن متی بھی کہتے ہیں۔ ذوالنون بھی۔ (سورہ الانبیاء 87) کیونکہ نون مچھلی کو کہتے ہیں اور ان پر مچھلی کا واقعہ گزرا تھا۔ اور " صاحب الحوت " بھی جیسے کہ نینوا پر 652 ق م میں حملے شروع ہو گئے تھے اور 612 ق م میں یہ فتح ہو گیا تھا یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حضرت یونس کی دعوت پر اہل شہر نے خدا پرستی اختیار کر لی تھی تو انہیں مزید مہلت مل گئی لہذا حضرت یونس علیہ السلام کا زمانہ آٹھویں صدی ق م ہونا چاہیئے۔

حضرت یونسؑ کو اہل نینوا، عراق کے لوگوں کی رشد و ہدایت کے لئے مامور کیا گیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر اٹھائیس سال کی تھی۔ حضرت یونس مدت مدید تک دعوت توحید دیتے رہے، مگر وہ لوگ اپنے کفر و شرک پر قائم رہے اور دعوت حق کے جواب میں مذاق اڑاتے اور سرکشی اور تکبر کا مظاہرہ کرتے رہے آخر یونسؑ نے مایوس اور خفا ہو کر ان کے لئے عذاب الٰہی کی دعا کی اور غصہ و ناراضگی کی حالت میں وہاں سے روانہ ہو گئے۔ جب آپ

دریائے فرات کے کنارے پہنچے تو وہاں ایک کشتی کھڑی تھی تو اس میں بیٹھ گئے۔ کشتی کو طوفانی ہواؤں نے گھیر لیا اور کشتی غرق ہونے لگی۔ جب ملاحوں کو معلوم ہو گیا کہ کشتی ڈوب جائے گی تو انہوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے جب حضرت یونسؑ نے سنا تو سمجھا کہ وحی الہی کے بغیر نینوا سے اس طرح بھاگ آنا اللہ کو پسند نہیں آیا یہ میری آزمائش کا وقت ہے اہل کشتی سے فرمایا کہ " غلام میں ہوں جو اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے مجھے کشتی سے باہر دریا میں پھینک دو۔ مگر ملاح اور اہل کشتی ان کی پاکبازی سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر قرعہ اندازی ہوئی جس میں بار بار آپ کا نام ہی نکلا۔ اس پر سب کو یقین ہو گیا یہی غلام ہے جو اپنے آقا سے بھاگا ہے آپ نے خود دریا میں چھلانگ لگا دی اور اللہ کے حکم سے ایک مچھلی نے نگل لیا مچھلی کو حکم تھا کہ یونس تمہاری غذا نہیں اس لئے اسے کوئی گزند نہ پہنچے۔ یونسؑ نے اپنے آپ کو مچھلی کے پیٹ میں زندہ پایا تو بارگاہ الہی میں توبہ استغفار کیا۔ ندامت محسوس کی کہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور حکم کا انتظار کیے بغیر نینوا سے کیوں نکل آئے۔ اللہ تعالیٰ نے یونسؑ کی دعا کو قبول کر لیا اور مچھلی نے اللہ کے حکم پر حضرت یونسؑ کو ساحل پر اگل دیا آپ زندہ سلامت تھے اور وہاں پر ایک جھونپڑی بنا کر رہنے لگے۔

ادھر نینوا میں جب اہل نینوا کو یونسؑ کے نکل جانے کا علم ہوا اور عذاب کے بھی آثار نظر آنے لگے تو ان پر خوف طاری ہو گیا وہ ان پر ایمان لے آئے اور عجز و نیاز سے بارگاہ الہی میں دعائیں مانگنے لگے جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا اور عذاب ٹال دیا۔

الغرض اہل نینوا کی توبہ قبول ہوئی۔ انہیں دولت ایمان سے نوازا۔ اور عذاب سے محفوظ کر دیا اس کے بعد حضرت یونس اللہ کے حکم پر دوبارہ نینوا آئے۔ لوگوں نے بے حد خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور ان کی رہنمائی میں راہ حق پر قائم رہے۔

مؤرخین اسلام اور اہل کتاب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت یونس کے والد کا نام متی تھا یہ بنی اسرائیل ہی سے تھے اور ان کا عہد حضرت یعقوب اور حضرت موسیٰ کے درمیان کا زمانہ ہے۔ آپ عراق کے مشہور شہر نینوا کے باشندوں کی ہدایت کے لئے آئے تھے نینوا / شوری حکومت کا دارالخلافہ اور علاقہ موصل کا مرکزی شہر تھا وہ زمانہ اشوری حکومت کے عروج کا زمانہ تھا اس شہر کی آبادی قریباً ایک لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔

حضرت یونسؑ کا عبرانی نام "یوناہ" تھا۔ تورات میں ان کا صحیفہ "کتاب یوناہ" موجود ہے قیاس ہے کہ ان کا زمانہ 700 ق م تھا۔

دیگر سرکش، متکبر اور کفر و شرک میں مبتلا اقوام کے برعکس جنہوں نے انبیاء کی دعوت کو ٹھکرا کر عذاب الہی میں مبتلا ہو گئے حضرت یونسؑ کا معاملہ ان کے برعکس ہوا۔ یعنی جب حضرت یونسؑ نے اپنی قوم کو آگاہ کیا کہ عذاب آنے والا ہے قوم نے فوراً اپنی روش بدل کر سرکشی، معصیت کاری کے بجائے عجز و نیاز سے خدا کے حضور

سجدہ ریز ہو گئے۔ عذاب ٹل گیا اور اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔ مگر یونس پیغمبر وحی کا انتظار کئے بغیر نا امید ہو کر چلے گئے تھے۔ نینوا ان دنوں تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔

ذوالقرنین 560 ق م

قرآن مجید نے ذوالقرنین کی جو خصوصیات بیان کی ہیں ان کے مطابق زمانہ حال کی تحقیق و انکشاف کے مطابق یونانی مؤرخ اس کو سائرس خورس یہودی عرب کے خسرو کے نام سے پکارتے تھے چھٹی صدی قبل از مسیح ایران کی مملکت دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی جنوب میں فارس اور شمال میں سیڈیا کی سلطنت تھی۔ 560 ق م کے قریب سائرس نامی بادشاہ نے دونوں کو ایک کر کے ایران کی وسیع و عریض سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ تخت نشینی کے بعد اس نے ایشیائے کوچک کے شمال اور مغربی حصہ کے فرمان رواؤں کو شکست دے کر ان پر قبضہ کر لیا۔ لیکن تمام ملک میں قتل و غارت گری کے بجائے امن و سلامتی کا سکہ رواں کیا اس کے بعد مکران اور بلخ کے وحشی قبائل پر فتح حاصل کر لی اور اسی زمانہ میں بابل کے باشندوں نے سائرس سے درخواست کی کہ وہاں کے ظالم بادشاہ سے ان کو نجات دلائیں۔ وہ ان کی مدد کے لئے بابل پر حملہ آور ہوا اور اس کو فتح و نصرت نصیب ہوئی۔ سائرس نے بابل پہنچ کر دانیال نبی کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ یہودیوں کو اجازت دی کہ وہ پھر یروشلم جا کر اسے آباد کریں اور اپنی امداد سے ھیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر شروع کرا دی۔ جھیل کیپسین کے کنارے کا کیشیا کے دامن میں بسنے والی ایک قوم نے "یاجوج ماجوج" کے حملوں اور ان کی تاخت و تاراج سے بچاؤ کی شہنشاہ سائرس خورس کیخسرو سے درخواست کی اس نے ان کے حملوں کو روکنے کے لئے پہاڑ کے اس درہ میں جس راستہ سے وہ آتے تھے ایک آہنی دیوار بنوا دی اور وہ محفوظ ہو گئے۔

یاجوج ماجوج: سطح مرتفع پامیر کے گردو پیش کا علاقہ جسے اب منگولیا کہا جاتا ہے۔ اس نسل کا اولین مسکن تھا اس کے بعد وسط ایشیاء میں پھیل گئے یہ خانہ بدوش وحشی قبائل تھے قتل و غارت گری اور لوٹ مار ان کا شیوہ تھا گردو پیش کی اقوام و ممالک ان کی وحشت اور درندگی سے ہمیشہ خائف رہتے۔ ان ہی کے حملوں کی روک تھام کے لئے چین نے سینکڑوں میل لمبی دیوار بنائی۔ ان کی ایک شاخ تاتاریوں کے نام سے مشہور ہوئی دوسری شاخ کا نام سیتھیں تھا۔ منگول قبائل کا ابتدائی نام موگ تھا۔

حضرت زکریا اور حضرت یحیٰ علیہ السلام

حضرات انبیاء کرام آسمانی انقلاب کے داعی ہوتے تھے ان کی زندگی کا مشن یہ ہوتا تھا کہ طاغوتی قوتوں کو شکست دے کر ان کی جگہ ایک ایسا معاشرہ قائم کریں جو قوانین خداوندی پر متشکل ہو حضرت عیسیٰ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھے اور ان کا مقصد رسالت بھی آسمانی انقلاب تھا یہ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ کی امت نے

اس انقلابی دعوت کی بجائے خانقاہیت کو زندگی کا مقصود اور دین بنا لیا۔

حضرت زکریا اللہ کے نبی تھے اور یعقوب کی نسل سے تھے آپ بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کے کاہن تھے آپ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی کہ اے اللہ مجھے ایسا وارث دے جو دین ابراہیم کی تبلیغ و اشاعت کرے اگرچہ بوڑھا ہوں اور میری بیوی الشیبہ بانجھ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور خوشخبری سنائی کہ تمہارے ہاں ایک لڑکا ہو گا اس کا نام یحییٰ رکھنا وہ بے نظیر ہو گا۔

چنانچہ آپ کے ہاں حضرت یحییٰ کی ولادت ہوئی اسے بچپن ہی سے فہم و بصیرت عطا کر دی گئی تھی اور جب بڑا ہوا تو اس کو نبوت عطا کی گئی اور حکم دیا گیا کہ خدا کی کتاب کو قوت و اقتدار کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے تھام لو۔ آپ نے رومیوں کی حکومت کے مظالم کے خلاف آواز بلند کی اور ان کی محکومی و غلامی سے نجات کے لئے جدوجہد کا اعلان کیا۔ اور اپنی خصوصیات حسنہ سے نوازا گیا جو باعث شرف انسانیت ہیں۔ وہ ایک عظیم جماعت کے رہنما صاحب نظم و ضبط اور بلند ترین صلاحیتوں کے مالک تھے۔

انجیل متی کے مطابق فلسطین کے رومی حکمران "ہیرودس" کے حکم پر اس کی محبوبہ کی فرمائش پر حضرت یحییٰ کا سر مبارک کاٹ کر جو اس وقت اس کی جیل میں تھے اس رقاصہ کے سامنے تھالی میں رکھ کر پیش کیا گیا۔ ان کے بعد اسلامی انقلاب کا پروگرام حضرت عیسیٰ کی طرف منتقل ہو گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ اسلام 25 دسمبر 1ء

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مورخہ 25 دسمبر کو فلسطین میں یہودیہ کے ایک علاقہ میں شہر "لحم" میں پیدا ہوئے۔ جو یروشلم سے چھ میل جنوب مغرب کی طرف واقع ہے۔ سن عیسوی کا آغاز آپ کی ولادت سے ہوتا ہے اب 1993ء ہے۔

حضرت عیسیٰ کی والدہ کا نام حضرت مریم تھا جن کے والد کا نام عمران یا عیلی اور والدہ کا نام حنا تھا۔ یہ خاندان فلسطین کے صوبہ گلیلی کے ایک شہر ناصرہ میں سکونت پذیر تھا۔ یہ یہودی خاندان اپنے مذہبی عقائد، تعلیمات اور رسم و رواج کا بڑا پابند تھا۔

اگرچہ حضرت مریم کی منگنی حضرت داؤد کی نسل سے ایک شخص یوسف نجار سے ہو چکی تھی مگر ابھی نکاح نہیں ہوا تھا کہ قدرت خداوندی سے آپ حاملہ ہو گئیں۔ آپ کے بطن سے بیت لالحم کے مقام پر ایک کھجور کے درخت کے نیچے باہر جنگل میں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ عربی زبان میں آپ کا نام عیسیٰ یونانی میں لیسوع اور عبرانی میں لیشوع ہے۔ جس کے معنی "نجات دہندہ" کے ہیں۔

حضرت مریم کی والدہ "حنا" نے منت مانی تھی کہ جو بچہ میرے بطن سے پیدا ہو گا میں اسے ہیکل سلیمانی کی

خدمت کیلئے وقف کر دوں گی۔ چنانچہ جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو آپ کی والدہ نے اپنی منت کے مطابق ان کو ہیکل کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ حضرت مریم کی والدہ حنا کی حقیقی بہن الیشبع حضرت زکریہ کی بیوی تھیں جو اس وقت ہیکل کے بڑے کاہنوں یعنی مذہبی پیشواؤں میں شامل تھے۔ چنانچہ حضرت مریم نے ہیکل میں حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت اور نگرانی میں خدمات سرانجام دیں۔

جب حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تو یوسف نجار کو جو حضرت مریم کا منگیتر اور اسی وقت بیت لاحم میں حضرت مریم کے ساتھ تھا معلوم ہوا کہ اس وقت کا رومی بادشاہ ہیرو ڈیس اس بچے کو قتل کرا دینا چاہتا ہے اس لئے وہ حضرت مریم اور بچے کو لے کر مصر چلا گیا۔ اور سات سال کی مدت کے بعد جب بادشاہ ہیرو ڈیس وفات پا گیا تو وہ حضرت مریم اور بچے کو لے کر مصر سے واپس آ گیا اور ناصرہ میں آ کر قیام کیا اسی لئے حضرت عیسیٰ کو مسیح ناصری بھی کہتے ہیں۔ بارہ سال کی عمر میں حضرت عیسیٰ یروشلم آئے اور ہیکل کے احبار و رہبان سے وعظ و نصیحت اور تعلیم حاصل کرنے لگے۔ پھر کچھ عرصہ بعد حضرت عیسیٰ ایسینسی فرقہ کے سربراہ یوحنا کے ساتھ مل کر درویشانہ زندگی بسر کرتے اور لوگوں کو درس انسانیت دیتے رہے۔ اس وقت یہودی پانچ بڑے بڑے فرقوں میں بٹے ہوئے تھے جن کے نام صدوقی، فریسی، ایسینسی، غالی اور سامری تھے۔

لوقا کی انجیل کے مطابق جب آپ کی عمر اکتیس برس کی تھی تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے شرف نبوت سے سرفراز فرمایا۔ (لوقا 3/23)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیش نظر دو عظیم مقاصد تھے۔ اول یہ کہ بنی اسرائیل کو رومیوں کی غلامی اور محکومی سے آزاد کرایا جائے جس طرح حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون مصر کی غلامی سے آزاد کرایا تھا اور دوسرے یہ کہ یہودی کاہنوں اور علماء و مشائخ کی ذہنی غلامی، مذہبی سیادت، قیادت اور معاشرتی و اخلاقی برائیوں سے نجات دلائی جائے۔ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے عظیم نبی اور پیغمبر تھے لہذا آپ کی بنیادی تعلیم خالص توحید الٰہی پر ایمان اور اعمال صالح کا درس حیات دینا تھی۔ آپ امن و سلامتی، محبت و رواداری صداقت و سچائی، عدم تشدد اور عدل و انصاف کا پیغام دیتے تھے۔ آپ کے نزدیک "خدا کی بادشاہت" اور آسمانی حکومت" کا مفہوم محض روحانی بادشاہت تھا۔ ان سے منسوب کیا گیا کہ "جو کچھ قیصر کا ہے ▪ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے ▪ خدا کو دو" حضرت عیسیٰ نے اپنی بعثت یعنی تیس برس کی عمر میں لوگوں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینی شروع کر دی اور یہ سلسلہ صرف دو تین سال تک جاری رہ سکا اس کے بعد رومی حکمران اور یہودی علماء کی سازش کے تحت آپ کو سزائے موت دلا دی گئی۔

31ء میں حضرت عیسیٰ کا یہودی احبار و رہبان کے ساتھ پہلا تصادم ہوا۔ اس زمانہ میں یہودی مذہبی پیشواؤں کا مرکز ہیکل سلیمانی تھا اور ہیکل کی حیثیت غیر ملکی رومی حکومت کے ایجنٹ کی بن چکی تھی۔ اس طرح عوام غیر ملکی حکومت کی سیاسی غلامی اور ہیکل کے مذہبی پیشواؤں کی ذہنی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے اور ان

دونوں حکومتوں کے سیاسی و مذہبی استحصال اور ظلم نے عوام کو شدید مصائب و پریشانیوں میں مبتلا کر رکھا تھا اور عوام بے چینی کے ساتھ کسی نجات دہندہ کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ آنیوالا مسیح بادشاہ بھی ہو گا یعنی مذہبی آزادی کے ساتھ سیاسی آزادی بھی دلائے گا۔ ظلم و استبداد اور غلامی کے خلاف اعلان جنگ کرے گا اور بنی اسرائیل کو محکومی کی ذلت سے نجات دلائے گا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ کی تبلیغ سے یروشلم میں ان کے بارہ حواری ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو گئے مگر جب ابتلاء کا وقت آیا تو انجیل کے مطابق تمام حواری ساتھ چھوڑ گئے۔ مگر قرآن نے ان کو وفادار ساتھی قرار دیا ہے ان کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی حضرت عیسیٰ کے قریباً ایک سو چھبیس شاگرد یعنی متبعین بن چکے تھے۔

یہودی علماء و مشائخ نے اپنے خلاف حضرت عیسیٰ کی تبلیغ و اشاعت سے تنگ آ کر آپ کے خلاف متحدہ محاذ بنا لیا اور آپ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے رومی گورنر یروشلم پیلاطس کے پاس شکایت کی کہ حضرت عیسیٰ لوگوں کو رومی حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر رہا ہے۔ خود کو یہودیوں کا بادشاہ کہتا ہے اور ان کو رومیوں کی غلامی و محکومی سے آزاد کرانے کا منصوبہ بنا چکا ہے۔ رومی گورنر پیلاطس کی عدالت میں پیش ہو کر یہودی کاہن اور علماء و مشائخ نے شکایت کی کہ حضرت عیسیٰ کے خلاف شدید کارروائی کی جائے اور ان کو سزائے موت دی جائے۔ رومی حکمران نے حضرت عیسیٰ کو بلا کر تحقیق کی تو یہودیوں کا الزام غلط ثابت ہوا۔ وہ حضرت عیسیٰ کو چھوڑنا چاہتا تھا مگر یہودی علماء اصرار کر رہے تھے کہ ان کو سزائے موت ضرور دی جائے۔ جب گورنر پیلاطس نے آپ کو بے گناہ قرار دیکر رہا کرنا چاہا تو یہودی علماء نے دھمکی دی کہ ہم تمہارے خلاف قیصر شاہ روم کے پاس شکایت کریں گے کہ تم ایک باغی اور حکومت کے مخالف کو چھوڑ رہے ہو۔ اس پر پیلاطس ڈر گیا اور یہودی علماء و مشائخ کے اصرار پر حضرت عیسیٰ کو سزائے موت دینے کا فیصلہ سنا دیا۔ جب ان دونوں طاغوتی طاقتوں کی سازش کے تحت آپ کو سزائے موت دینے کا وقت آیا تو اس سلسلہ میں حکم سزا پر عملدرآمد کے متعلق قرآن حکیم اور انجیل مقدس کے درمیان اختلاف ہے۔ انجیل کے مطابق رومی سپاہی حضرت عیسیٰ کو مصلوب کرنے کا پروگرام مکمل کرنے کے بعد اور لاش کو سولی سے اتار کر یوسف نامی ایک شخص کے باغ میں دفن کر کے اور قبر کے اوپر ایک بڑا سا پتھر رکھ کر واپس آ گئے، جس صلیب پر حضرت عیسیٰ کو لٹکایا گیا تھا اس کے اوپر ایک بورڈ پر یہ تحریر کر کے کہ "یہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع ہے"

قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ "حضرت عیسیٰ کو نا ہی قتل کیا گیا اور نا ہی مصلوب کیا گیا۔ بلکہ دشمن شبہ میں پڑ گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھا لیا۔"

انجیل کے مطابق وفات کے بعد حضرت عیسیٰ تین دن کے بعد قبر سے زندہ نکل آئے۔ چالیس روز تک مختلف مقامات پر اپنے مختلف شاگردوں سے ملتے رہے اور پھر آسمان کی طرف چلے گئے۔ عیسائی مذہب کی انجیل اربعہ

یعنی لوقا، متی، مرقس اور یوحنا کے علاوہ ایک اور انجیل بھی ہے جسے اکثر عیسائی صحیح تسلیم نہیں کرتے اس کا نام انجیل برنباس ہے۔ اس انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ کا حواری اسخر یوطی یہودہ حضرت عیسیٰ کو گرفتار کرانے کے لئے رومی سپاہیوں کو اس مقام پر لے کر گیا جہاں حضرت عیسیٰ اپنے حواریوں کے ساتھ چھپے ہوئے تھے اللہ کی قدرت کہ جب یہودہ اسخر یوطی اس مکان میں پہنچا تو اس کی شکل و صورت اور بول چال بالکل حضرت عیسیٰ جیسی ہو گئی۔ اس نے حواریوں سے پوچھا کہ حضرت عیسیٰ کہاں ہیں کیونکہ اس وقت حضرت عیسیٰ اس مکان سے جا چکے تھے۔ حواریوں نے کہا کہ آپ ہی حضرت عیسیٰ ہیں ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں اس نے بہت انکار کیا کہ میں عیسیٰ نہیں یہودہ ہوں مگر وہ اصرار کرتے رہے کہ آپ عیسیٰ ہیں۔ اس پر رومی سپاہیوں نے جو یہودہ کے ساتھ گئے تھے اس کو گرفتار کر لیا اور سولی کے پاس لا کر مصلوب کر دیا اس طرح انجیل برنباس کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ کو صلیب پر لٹکایا ہی نہیں گیا۔ الغرض انجیل برنباس کا بیان قرآن حکیم کے بیان کی حقانیت کی تائید و حمایت کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ کی نبوت و رسالت کے انکار اور آپ کو سزائے موت دلانے کے سنگین جرم کی پاداش میں یروشلم کے یہودیوں کو خوفناک سزا ملی۔ 70ء میں رومی سلطنت کے جرنیل ٹیٹس (Titus) نے یروشلم پر حملہ کر کے ہیکل سلیمانی کو جلا دیا بے شمار یہودیوں کا قتل عام ہوا بے شمار کو قیدی بنا لیا اور بہت سے یہودی دوسرے مقامات کی طرف بھاگ گئے۔ سقوط یروشلم کی قیامت خیز تباہی اللہ تعالیٰ کے مقررہ کردہ قانون مکافات عمل کے مطابق واقعہ ہوئی۔

عیسائی مذہب کی توسیع و ترقی کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں

1۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دیگر انبیاء کرام کی طرح اللہ کے نبی اور رسول تھے اس لئے آپ کی تعلیم بھی وہی تھی جو دیگر انبیاء کرام کی تھی اس تعلیم کی رو سے ہر قسم کے شرک و شخصیت پرستی سے پاک خالص توحید الٰہی پر ایمان اور اعمال صالح پر عمل کرنا۔

آپ شریعت موسوی کو تورات کے مطابق نافذ کرنا چاہتے تھے آپ امن و سلامتی مساوات واخوت و رواداری عدل و انصاف، حق و صداقت سچائی اور انسانیت کے پیغام بر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آپ کی بے انتہا شان و عظمت بیان فرمائی ہے۔ حضرت عیسیٰ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم مقدسہ کی بھی بے حد تعریف فرمائی ہے۔

"جب ملائکہ نے حضرت مریم سے کہا کہ اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے منتخب کر لیا ہے۔ تجھے پاکیزگی عطا کی ہے اور تجھے جہانوں کی تمام عورتوں کے مقابلے پر چن لیا ہے۔" (3/12)

حضرت مریم مقدسہ تاریخ عالم کی واحد خاتون ہیں جس کے بطن سے بغیر باپ بیٹا یعنی عیسیٰ پیدا ہوئے۔

2۔ جب رومی حکمرانوں اور یہودی مذہبی پیشواؤں کی سازش کے تحت حضرت عیسیٰ کو سولی پر لٹکا دیا گیا تو عوام میں اس بے گناہ معصوم اللہ کے نبی کے قتل کے خلاف شدید رد عمل ہوا ان میں ان دونوں کے خلاف نفرت اور

زبردست اشتعال پھیل گیا۔ لوگوں کی دلی ہمدردیاں آپ کی تحریک نبوت و انسانیت کے ساتھ ہو گئیں اور وہ جوق در جوق آپ کے مذہب میں داخل ہونے لگے ۔ اگرچہ وفات کے وقت آپ کے شاگردوں کی تعداد صرف ایک سو بیس کے قریب تھی مگر اس کے بعد اس میں زبردست اضافہ ہونا شروع ہو گیا اور یہودی مذہب کا زوال شروع ہو گیا۔ چنانچہ تھوڑی مدت میں ہی عیسائی مذہب فلسطین اور اس کے تمام ملحقہ علاقوں میں پھیل گیا۔ اکثر یہودی مذہبی پیشواء احبار و رہبان بھی یہودیت کو چھوڑ کر عیسائی ہوگئے۔ حضرت عیسیٰ کے شاگردوں اور عقیدت مندوں نے اس مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم حصہ لیا اور جان و مال کی ہر ممکن قربانیاں پیش کیں۔

3۔ ابتداً مسیحی نسلاً یہودی تھے اور پہلی صدی میں ہی بہت سے یہودی مسیحیت قبول کر چکے تھے اور بہت سے یہودی مذہبی پیشوا بھی مسیحیت میں شامل ہو چکے (اعمال 7:6) حضرت عیسیٰ کے مصلوب کے واقعہ کے قریباً چار سال بعد ایک نوجوان یہودی عالم جو حضرت عیسیٰ کا شدید مخالف تھا مسیحیت میں شامل ہو گیا اس کا نام ساؤل تھا جو دمشق میں عیسائی ہوا۔ بعد میں یہ شخص سینٹ پال کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے عیسائیت کی بے پناہ تبلیغ و اشاعت کی بلکہ حضرت عیسیٰ کی بنیادی مذہبی تعلیم میں انقلابی تبدیلیاں کیں حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے نبی و رسول تھے اور تمام انبیاء کرام کی طرح آپ کی تعلیم کا بنیادی مقصد بھی ہر قسم کے شرک و شخصیت پرستی سے پاک خالص توحید باری تعالیٰ پر ٹھوس ایمان تھا۔ مگر سینٹ پال نے مسیحیت کی تعلیم میں مندرجہ ذیل عقائد و نظریات کو شامل کر کے اس کو بالکل ایک نیا مذہب بنا دیا جو حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کے سراسر خلاف تھا۔

1۔ انبیت یعنی اللہ کا بیٹا ہونا

2۔ الوہیت یعنی خدا ہونا

3۔ باپ بیٹا روح المقدس

4۔ نظریہ کفارہ یعنی

حضرت عیسیٰ سولی پر چڑھ کر قیامت تک کے لئے تمام بنی نوع انسان کے گناہوں کا کفارہ ادا کر گئے۔ اب کسی کو بھی اس کے گناہوں کی سزا نہیں ملے گی۔

کیا کوئی اللہ کا نبی یا رسول شرک و شخصیت پرستی پر مبنی ایسی تعلیمات یقیناً ناممکن ہے۔ اور یہ تعلیم حضرت عیسیٰ کی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ افسوس یہ ہے کہ سینٹ پال کے بعد عیسائی علماء و مشائخ اور پوپ و پادری صاحبان نے بھی اس باطل عقیدہ و نظریہ کی تردید کی بجائے اس کی تائید کی ہے اور موجودہ عیسائی مذہب ان چاروں نظریات پر قائم ہے اور نظریہ توحید یکسر ختم ہو چکا ہے۔ اگرچہ عیسائی اب بھی عقیدہ توحید پر ایمان کا اقرار کرتے ہیں۔

4۔ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں سلطنت رومتہ الکبرا ایک عالمی سپر طاقت تھی جو یورپ، ایشیاء اور افریقہ کے اکثر ممالک پر حکمران تھی ۔ ابتداء میں یہ حکومت عیسائی مذہب کے خلاف تھی مگر 312ء میں جب رومن شہنشاہ

کو نشتنائن تخت نشین ہوا تو اس کا عیسائی مذہب کی طرف ہمدردانہ رویہ تھا اور اس نے مسیحوں کو اپنی سلطنت کے اندر مختلف صوبوں و علاقوں میں تبلیغ و اشاعت کی آزادی اور کلیساؤں کی تعمیر کی عام اجازت دے دی۔ 323ء میں کونسٹنٹائن نے عیسائیت قبول کر لی اور رومن ایمپائر کے زیر سرپرستی عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کا اہتمام کر دیا اور اس مقصد کے لئے ہر قسم کی مالی اعانت اور دیگر سہولیات مہیا کیں۔ اس طرح شہنشاہ روم کی زیر سرپرستی عیسائیت تمام دنیا میں بسرعت عام پھیلنے لگی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں تمام یورپ اور افریقہ و ایشیاء کا اکثر حصہ حلقہ بگوش عیسائیت ہو گیا۔ اسی شہنشاہ روم نے 326 میں روم کی بجائے قسطنطنیہ کو اپنا دارالخلافہ بنا لیا اور روم کو چھوڑ کر وہاں چلا گیا۔ روم کا شاہی محل روم کے بشپ کو رہائش کے لئے دے دیا۔ عیسائیت کو رومن ایمپائر کا سرکاری مذہب قرار دے دیا اور اس کی ترقی و توسیع کے لئے ہر ممکن امداد مہیا کی گئی۔

آج دنیا میں عیسائی مذہب کے لوگ ترقی و عروج کے بام کمال تک پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کی تعداد دنیا کے دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے زیادہ ہے۔

یعنی تعداد کے لحاظ سے اس مذہب کے پیراؤ دنیا کی سیاست، صنعت، تجارت اور معیشت پر چھائے ہوئے ہیں۔ ان کی تہذیب و ثقافت اور معاشرت سب سے زیادہ ترقی یافتہ قرار دی جاتی ہے۔ یہ لوگ علوم و فنون، سائنس و ٹیکنولوجی، علم و ادب، فلسفہ و حکمت اور دیگر سائنس اور معاشرتی علوم میں پوری مہارت اور دسترس کی وجہ سے تسخیر کائنات کر چکے ہیں اور یہاں تک کہ چاند اور ستاروں تک بھی پہنچ گئے ہیں۔ یہ حقیقت خاص طور پر قابل غور ہے کہ عیسائی قوم کو یہ محیر العقول ترقی عیسائی مذہب کی مرہون منت نہیں بلکہ یہ سب ان اقوام کے علوم و فنون سائینس و ٹیکنولوجی اور فلسفہ و حکمت کے حصول میں بے پناہ سعی و عمل اور جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

یورپ میں دور جدید کا آغاز تیرھویں صدی عیسوی میں ہو گیا تھا۔ جب رومی اور یونانی تمدن و علوم کے جمع ہونے سے ایک ذہنی انقلاب پیدا ہو گیا۔ کیونکہ جب سلطان محمد فاتح نے 1453ء میں قسطنطنیہ کو فتح کر لیا تو یونانی علماء قسطنطنیہ سے نقل مکانی کر کے روم چلے گئے لہذا عصر جدید کا آغاز دراصل 1453ء سے ہوا۔ اس سے پیشتر اندلس میں مسلمانوں نے علوم و فنون، فلسفہ و حکمت اور دیگر معاشرتی علوم کی بلند پایہ علمی درس گاہیں قائم کر رکھی تھیں غرناطہ اور قرطبہ وغیرہ اسلامی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے عظیم مراکز تھے اور یورپ اس وقت تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا یورپ سے علوم و فنون کے شائق سپین میں آکر ان درسگاہوں سے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا درس لے کر اسی علم کی روشنی کو اپنے اپنے ممالک میں پھیلاتے تھے اور اس طرح یورپ شاہراہ ترقی و عروج پر گامزن ہو گیا۔ بعد میں یورپ میں ذہنی انقلاب، انقلاب فرانس تحریک احیائے علوم اور تحریک اصلاح کلیسا وغیرہ یہ سب اندلس اور قسطنطنیہ کی عظیم درسگاہوں کے مرہون منت ہیں۔ جہاں تک موجودہ عیسائی مذہب کا تعلق ہے وہ انسان کے سیاسی معاشی، معاشرتی اور اخلاقی مسائل و مشکلات کا حل پیش نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے

کہ عیسائی اقوام و ممالک نے مذہب کو سیاست اور انسانی روز مرہ زندگی سے خارج کر رکھا ہے۔ پوپ اور دیگر مذہبی پیشوا ویٹیکن اور گرجوں و کلیساؤں کی چار دیواری تک محدود ہیں۔ وہ کسی ملک کے سیاسی، معاشی، معاشرتی معاملات میں دخل نہیں دے سکتے۔ ہر ملک کی حکومت سیکولر یعنی غیر مذہبی ہے۔ درحقیقت یورپ کی ترقی کا ایک راز یہ بھی ہے کہ وہاں کے لوگ مذہبی پیشواؤں کی ذہنی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں اور علم و دانش، فلسفہ، حکمت سائنس، ٹیکنولوجی تجربات، مشاہدات و مطالعہ فطرت کے ذریعے تسخیر کائنات کر کے قدرت کی خفیہ طاقتوں کو انسانیت کی خدمت کیلئے کام میں لا کر ترقی و کمال کے بام عروج تک پہنچ چکے ہیں۔ تمام کرہ ارض پر حکومت بھی کر رہے ہیں۔ اور انسانیت کی خدمت بھی اس میں عیسائی مذہب کا کوئی عمل و دخل نہیں۔

جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ و جغرافیہ

جزیرہ نمائے عرب ایشیاء کے جنوب مغرب میں واقع ہے جو دنیا کے تمام جزیرہ نماؤں سے وسعت رقبہ کے لحاظ سے بڑا ہے ۔ عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اسکا نام عرب اس لئے پڑا ہے کہ عربی زبان اصول فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے بلکہ اس زبان کو تمام زبانوں کی " ماں قرار دیتے ہیں اس لئے اس ملک کا نام اس زبان کی بناء پر عرب پڑ گیا۔ دوسروں کا خیال ہے کہ غیر آباد اور صحرائی حصہ کی زیادتی کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑا کیونکہ عرب کے معنی ایک " غیر ذی زرع " علاقہ کے بھی ہیں۔

محل وقوع

محل وقوع کے لحاظ سے عرب کا ملک تقریباً نصف منطقہ حارہ اور نصف منطقہ معتدلہ میں واقع ہے۔ گویا خط سرطان اس کے وسط سے گزرتا ہے ۔ عرب کی جنوبی حد تیرہ عرض بلد اور شمالی حد 33 عرض بلد ہے اور مغربی حد 33 طول بلد اور مشرقی 60 طول بلد ہیں۔

جزیرہ نمائے عرب کا حدود اربعہ

1۔ مشرق: خلیج فارس دریائے دجلہ و فرات اور خلیج عمان ہیں۔

2۔ مغرب: بحر قلزم

3۔ شمال: صحرائے شام اور فلسطین

4۔ جنوب: بحر ہند اور خلیج عدن

عرب کی شکل ایک بے قاعدہ مستطیل کی سی ہے اور پورا ملک ایسے محفوظ قلعے کی صورت میں ہے جس کے مغرب اور جنوب میں سمندر، مشرق اور شمال میں صحرا اور خلیج فارس نے گھیر رکھا ہے۔ عرب کی غیر ملکی استعمار سے نجات کا سبب اس کا حدود اربعہ، محل وقوع اور بے کراں وسعت بھی ہے۔ ساحل کی لمبائی ملک کی وسعت کے لحاظ سے بہت کم ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عمدہ بندرگاہوں کی کمی ہے ۔ عرب کا رقبہ تقریباً بارہ لاکھ مربع میل ہے۔

طول قریباً سولہ سو میل اور عرض قریباً سات سو میل، لیکن آبادی بہت کم ہے۔ موجودہ زمانہ میں بھی قریباً ایک کروڑ ہو گی۔

سطح زمین کے لحاظ سے عرب کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اول: ساحلی علاقہ جو ہموار زمین پر مشتمل ہے اور معتدل بھی دوسرا پہاڑی علاقہ جس کے درمیان وادیاں ہیں۔ تیسرا صحرائی علاقہ جو ریگستان ہونے کی وجہ سے عموماً بنجر اور غیر آباد ہے۔ عرب میں کوئی دریا نہیں ہے صرف وادیاں اور برساتی نالے ہیں جو بارش کے وقت نکلتے ہیں اور بعض اوقات سیلاب کی صورت پیدا ہو جاتی ہے لیکن عام طور پر پانی کی شدید قلت ہے اور بعض جگہ سینکڑوں میل تک پانی نہیں ملتا۔ کہیں کہیں چشمے ہیں جن کے گرد درخت اور باغات لگائے جاتے ہیں۔ یہ نخلستان عرب میں ایک نعمت سمجھے جاتے ہیں۔ عرب میں یمن کا علاقہ سب سے زیادہ زرخیز سرسبز و شاداب ہے اس میں ندی نالوں اور چشموں کی بھی کثرت ہے اور بارش بھی ہوتی ہے اس طرح مکہ سے جنوب مشرق کی طرف طائف کا علاقہ ہے جو زرخیز اور خوشگوار ہے جس میں پھل پیدا ہوتے ہیں۔ عرب میں عموماً بارش کی بہت قلت ہے پہاڑی علاقوں میں کچھ بارش ہو جاتی ہے خط سرطان کا ملک کے مرکز سے گزرنا بھی اس کی صحرائی حالت اور بارش کی کمی کی وجہ ہے۔ لہذا عرب آب و ہوا کے لحاظ سے ایک بہت گرم و خشک ملک ہے۔ عرب کے صحرائی علاقوں میں بعض اوقات ایک گرم ہوا چلتی ہے جسے باد سموم کہتے ہیں۔ کسی کسی علاقے میں سردیوں میں شدید سردی بھی پڑتی ہے۔

ملک کا بیشتر حصہ پہاڑیوں اور بنجر صحراؤں سے بھرا پڑا ہے۔ اس لیے یہاں پر پیداوار بہت کم ہے سب سے بڑی پیداوار کھجور ہے اور عربوں کی سب سے اصل اور بڑی خوراک یہی ہے۔ ملک کے بعض حصوں میں جہاں پانی مل جاتا ہے پھل بھی ہوتے ہیں۔ طائف اپنے باغوں کے باعث شہرت رکھتا ہے۔ بعض ساحلی علاقوں میں اور پہاڑوں کی وادیوں میں کچھ غلہ بھی پیدا ہوتا ہے جس میں گندم، جو، اور مکئی شامل ہیں۔ دالیں اور سبزیاں بھی کاشت کی جاتی ہیں اس کے علاوہ قہوہ اور گرم مصالحہ جات بھی ہوتے ہیں۔ بارانی علاقوں میں گھاس اگتی ہے جو جانوروں کے لئے چراگاہوں کا کام دیتی ہے۔ جس میں حیوانات گھوڑا گدھا اور اونٹ تو گویا عرب کی ضروریات زندگی کا حصہ ہیں۔ عرب میں بھیڑ بکریاں بھی بہت ہوتی ہیں اور کچھ گائے بیل وغیرہ بھی۔ جنگلی جانوروں میں شیر، چیتا، ہرن اور جنگلی بکری بھی پہاڑوں میں پائی جاتی ہے۔ عرب کے ریگستانوں میں شترمرغ بھی پایا جاتا ہے۔ ٹڈی بھی کثرت سے ہوتی ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے یہ باغات اور فصلوں کا نقصان بھی کافی کرتی ہے۔ ساحل کے قریب مچھلی بھی ملتی ہے موجودہ دور میں عرب میں پٹرول کے بڑے بڑے ذخائر معلوم ہوئے ہیں جن سے یہ ملک دولت سے مالا مال ہو گیا ہے۔

ملکی تقسیم کے لحاظ سے عرب کئی حصوں میں منقسم ہے جس میں بڑے بڑے حصے مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ مغرب میں حجاز اور تہامہ، یہ علاقہ بحیرہ قلزم کے ساتھ ساتھ جنوب میں یمن سے لے کر شمال میں شام تک

پھیلے ہوئے علاقے کا نام ہے۔ اس میں مکہ، مدینہ، جدہ اور طائف بڑے بڑے شہر آباد ہیں۔ ظہور اسلام کے وقت عرب مستعربہ میں قبائل بنو کنانہ، ہذیل، ہوازن اور قحطان وغیرہ اس علاقے میں آباد تھے۔

2۔ عرب کے جنوب میں یمن ہے جو ایک بہت سرسبز و شاداب اور زرخیز علاقہ ہے۔ زمانہ قدیم میں اچھی طاقتور اور متمدن حکومتوں کا مرکز رہا ہے۔ اس کا بڑا شہر صنا، بہت مشہور اور سلطنت یمن کا پایہ تخت تھا۔ سبا کی قوم جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے اس جگہ آباد تھی بنو قحطان کا مولد و مسکن بھی یمن تھا۔ یمن کے ساتھ ملا ہوا ایک علاقہ نجران ہے جو یمن کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ ظہور اسلام کے وقت یہ علاقہ عیسائیوں کا بڑا مرکز تھا۔

3۔ عرب کے جنوب میں یمن کے مشرق کی طرف حضر موت ہے اور حضر موت کے مشرق کی طرف مہرہ ہے یہ ہر دو مشہور علاقے ہیں۔

4۔ عرب کے جنوب مشرق میں عمان ہے جس کا دارالخلافہ مسقط ہے۔

5۔ مشرق میں خلیج فارس کے ساتھ ساتھ الحساء جس کے قریب میں بحرین کے جزائر ہیں۔ اسی وجہ سے بعض اوقات الحساء کو بحرین بھی کہتے ہیں۔ بحرین کے ساحل سے موتی نکالے جاتے ہیں۔

6۔ وسط عرب میں نجد ہے جو ایک وسیع اور مشہور علاقہ ہے۔

7۔ یمامہ اور حضر موت کے درمیان احقاف ایک مشہور علاقہ ہے قوم عاد کا یہی مسکن تھا۔

8۔ نجد کے شمال مشرق میں حجاز کے ساتھ ملا ہوا خیبر کہ چھوٹا سا علاقہ ہے جو یہود کا مرکز تھا۔

9۔ خیبر کے شمال مشرق میں تیماء بھی یہود کا ایک مرکز تھا۔ تیماء کے قریب ہی حجر کی بستی ہے جس میں ثمود کی قوم آباد تھی۔

10۔ حجر کے مغربی جانب سمندر کی طرف مدین کا علاقہ تھا۔ جہاں حضرت موسیٰ حضرت شعیبؑ کے پاس آکر ٹھہرے تھے۔ اور ان کی بیٹی سے شادی کی تھی۔

نسل کے لحاظ سے مؤرخین نے قبائل عرب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔ عرب عاربہ عرب کے قدیم ترین اور اصل باشندے تھے بعض اوقات عرب عاربہ کی اصطلاح صرف بنو قحطان کے واسطے استعمال کی جاتی ہے کیونکہ عرب کے قدیم اور اصل باشندوں میں سے یہی وہ قوم تھی جو مستقل طور پر ملک میں آباد تھی۔

عرب مستعربہ: ۔ یعنی باہر سے آئے ہوئے لوگ جو عرب میں آکر آباد ہو گئے ان میں زیادہ تر حضرت اسماعیلؑ کی اولاد حجاز میں آکر آباد ہوئی۔ ان کو عدنانی بھی کہتے ہیں۔ بنو عدنان جو بعد میں کئی قبیلوں میں منقسم ہو گئے۔ اور ملک کے مختلف حصوں میں پھیل گئے۔ قریش مکہ بھی بنو عدنان ہی کی ایک شاخ ہے۔ ظہور اسلام کے وقت مستعربہ کی عدنانی شاخ میں سے قبیلہ قریش ہی سب سے زیادہ طاقتور، صاحب اثر و رسوخ، خانہ کعبہ کا متولی اور تجارت

پیشہ تھا جس کی مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت قائم تھی۔ زمانہ قدیم میں مشرق و مغرب کی تجارت کا راستہ، مشرق و مغرب کے درمیان تجارتی قافلوں کے ذریعے تجارت جاری تھی۔ اس دور میں سوداگروں کے جو قافلے حضرموت اور خلیج فارس کی راہوں سے آتے انہیں حجاز سے ہو کر گزرنا پڑتا اور حجاز کے ان صحراؤں پر عرب کے بادیہ نشینوں کی حکمرانی تھی۔

ان تجارتی راستوں پر واقع نخلستانوں میں تجارتی قافلوں کے مرکز اور شہر بن گئے اور ضعیف الاعتقاد لوگوں نے یہاں بت خانے اور عبادت گاہیں تعمیر کر لیں۔ ان ریگستانوں میں بے شمار راستے تھے مگر دو ان میں بہت مشہور تھے اور ان پر زیادہ آمد و رفت رہتی تھی۔

1۔ خلیج فارس اور دریائے دجلہ سے ملتی ہوئی شاہراہ از صحرائے شام تا فلسطین یہ شاہراہ عرب مشرق کی حدود پر واقع ہونے کی وجہ سے طریق المشرق (مشرق کی گزرگاہ) کہلاتی تھی۔

2۔ بحیرہ قلزم کے قریب سے گزرتی ہوئی شاہراہ بحیرہ قلزم کے مغرب میں واقع ہونے سے یہ طریق الغرب (مغربی گزرگاہ) کہلاتی تھی۔ ان دونوں راستوں سے مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت کا سلسلہ قائم تھا۔ عرب کے صحرا نشین بدو ان ہی سوداگروں کے ذریعہ ضروریات کی اشیاء خریدتے اور اپنا سامان وغیرہ فروخت کرتے تھے۔

ظہور اسلام سے قبل عرب کا ملک سوائے چند ساحلی علاقوں کے بیرونی دنیا سے بالکل منقطع حالت میں تھا۔ اس پر کبھی کسی بیرونی حکومت یا قوم کا اثر ہوا اور نہ یہ خود کبھی اپنے ملک سے باہر نکلے۔ اسلام سے پہلے خود ملک کے اندر کبھی کوئی متمدن مرکزی سلطنت قائم نہیں ہوئی۔ بعض اوقات بعض علاقوں میں ریاستیں قائم ہوئیں مگر ان کا اثر صرف مقامی تھا اور تمام ملک کبھی بھی کسی ایک حکومت کے تحت نہیں آیا۔ عموماً ہر قبیلہ آزاد تھا اور اپنا الگ سردار رکھتا تھا۔ طرز زندگی کے لحاظ سے عربوں کی خوراک، رہائش اور لباس وغیرہ سادہ اور ابتدائی تھا۔ عام خوراک اونٹنیوں اور بکریوں کا دودھ، گوشت اور کھجور تھی۔ تقسیم آبادی کے لحاظ سے عرب دو حصوں میں منقسم تھے۔ الحضر اور البدو یعنی شہروں میں رہنے والے ایک جگہ سکونت رکھتے تھے اس لئے ان کا خاص تمدن تھا مگر بدو لوگ خانہ بدوش اور جنگلی تھے۔ اپنے بال بچوں سمیت کچھ عرصہ بعد کسی اور طرف نکل جاتے۔ اسی طرح ان کی ساری زندگی بسر ہوتی تھی۔

عربوں کے قومی پیشے تین تھے۔

1۔ اول زراعت جو ملک کے ایک قلیل حصہ تک محدود تھی۔ جہاں زمین ہموار اور پانی مل جاتا تھا۔

2۔ مویشی پالنا یعنی بھیڑ بکریاں اونٹ وغیرہ۔

3۔ تجارت ۔ یہ ملک کا سب سے بڑا پیشہ تھا۔ خصوصاً وہ قبائل جو ساحل سمندر کے قریب یا متمدن ممالک کے قریب یا بڑی شاہراہوں پر سکونت پذیر تھے تجارت میں مصروف تھے۔

ابتدائی زمانہ میں مشرق و مغرب کے درمیان تجارتی مال لانے اور لے جانے کا بڑا ذریعہ عرب کے لوگ ہی تھے۔ چنانچہ ایک طرف شام و مصر اور دوسری جانب بحر ہند کے ساحل کے درمیان ان کے تجارتی قافلے برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ یعنی شام، مصر اور ہندوستان کے درمیان تجارت عربوں کے ذریعے ہوتی تھی۔ مگر سمندر کا راستہ کھل جانے سے عربوں کی اس تجارت کو بہت نقصان پہنچا اور ملک کے اندر کی تجارت باقی رہ گئی۔ یہ اندرونی تجارت حجاز، یمن، بحرین اور نجد وغیرہ کے اندر اندر محدود تھی اور شام کے ساتھ تجارت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ عرب میں قاعدہ تھا کہ سال کے مختلف حصوں میں ملک کے مختلف مقامات پر تجارتی میلے لگا کرتے تھے۔ جن میں دور دراز سے تاجر لوگ آکر شامل ہوتے اور تجارت کرتے تھے۔ ان میلوں کے لئے شام کے قریب دومتہ الجندل، بحرین میں مشقر، عمان میں وبا، یمن میں صنا، اور حجاز میں عکاظ شہرت رکھتے تھے۔

عرب میں تعلیم بہت ہی کم تھی، سارا ملک ان پڑھ تھا۔ چند خواندہ لوگ صرف شہروں میں تھے مگر باوجود اس جہالت کے عربوں کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا حتیٰ کہ وہ اپنے مقابلہ پر باقی تمام دنیا کو عجمی (گنگ) کہتے تھے۔ اور اس میں شک نہیں کہ زبان کی فصاحت میں عربوں کو کمال حاصل تھا۔ زمانہ جاہلیت کے شعراء کا کلام اب تک محفوظ ہے جو عربی ادب کا شاہکار ہے۔ عرب میں شعراء گویا ملک کے لیڈر سمجھے جاتے تھے وہ اپنے کلام کے زور سے جنگ بھی کرا سکتے تھے اور رکوا بھی سکتے تھے۔ عرب کے خاص مقامات پر میلے لگا کرتے تھے اور شعراء وہاں جمع ہو کر طبع آزمائی کرتے تھے۔ عکاظ جو نخلہ اور طائف کے درمیان تھا ان میلوں کے لیے خاص شہرت رکھتا تھا۔ یہاں ہر سال ذیقعد میں میلا لگتا۔ دور دراز سے لوگ جمع ہوتے اور مختلف قبائل عرب کے درمیان فصاحت و بلاغت اور شاعری کے مقابلے ہوا کرتے تھے۔

عرب کے قومی خصائل میں ان کی چار عادتیں انتہائی رسوائے زمانہ تھیں اول لوٹ مار اور غارت گری، دوسری شراب نوشی۔ تیسری زناکاری اور چوتھی جوا بازی۔ ملک میں ان چاروں برائیوں کی انتہا ہو گئی تھی اور تعجب ہے کہ وہ ان پر فخر کرتے تھے۔ اور زمانہ جاہلیت کے شعراء ان کا خاص طور پر ذکر کرتے تھے۔

عربوں کی جنگوں میں عام طور پر انتقام کا بڑا دخل تھا اور ثار کا عقیدہ گویا عربوں کے دین و مذہب کا جزو اعظم تھا۔ بہادری اور شجاعت عربوں میں نہایت اعلیٰ وصف سمجھے جاتے تھے اور عرب شاعر اپنے قبیلے کی بہادری اور شجاعت کے کارنامے دلی جوش و جذبہ کے ساتھ منظوم کرتے تھے۔ عربوں کی غیرت و غرور کے قصے بہت مشہور ہیں۔ عرب لوگ اپنے مفاد کے مقابلے میں اپنے عہد و پیمان کا زیادہ پاس رکھتے تھے۔ عربوں میں سخاوت ایک اعلیٰ وصف سمجھا جاتا تھا پڑوسی اور مہمان کی خدمت اور حفاظت ان کے دین و مذہب کا حصہ تھا۔ مہمان نوازی ان کی فطرت تھی۔ حاتم طائی کی سخاوت اور مہمان نوازی کے قصے مشہور ہیں۔ قبائلی تعصب اور اپنے حسب و نسب پر فخر ان کی عام عادت تھی عرب لوگ نہایت ذکی اور ذہین تھے اور ان کا حافظہ بہت تیز تھا اور قدیم سے ان کا دستور تھا کہ اپنی

تمام قومی اور خاندانی روایات اور کارنامے یاد رکھتے تھے اور مختلف موقعوں پر فخریہ بیان کرتے تھے ۔ عرب میں عورتوں کی حالت بحیثیت مجموعی اچھی نہ تھی ۔ عورتوں میں پردہ کی رسم نہ تھی تعدد ازدواج کی حد نہ تھی ۔ طلاق کا رواج نہ تھا۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کی رسم بھی قبائل میں تھی لڑکیوں کو ورثہ نہ ملتا تھا۔

قدیم مذاہب عرب

عرب میں اسلام سے قبل مختلف مذاہب پائے جاتے تھے جن میں سے زیادہ تر بت پرست ، دہریہ ، مجوسی ، صابی ، عیسائی ، اور یہودی تھے لیکن سب سے زیادہ اور عام مذہب بت پرستی تھا۔ جسے عرب کا اصل مذہب کہنا چاہیئے بت پرست اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بھی قائل تھے مگر اس تک پہنچنے کا وسیلہ بتوں کو سمجھتے تھے۔ لیکن حقیقتاً اصل مقصد اور معبود کا صحیح تصور اور عقیدہ ان کے دلوں سے نکل گیا تھا۔ صنم پرستی اور اسلاف پرستی ہی ان کا مذہب بن گیا تھا۔ مشترکہ بتوں کے علاوہ ہر قبیلہ کا اپنا اپنا خاص بت بھی تھا۔ چنانچہ مکہ میں اساف اور نائلہ قریش کے بت تھے۔ عزیٰ نخلہ میں قریش اور بنو کنانہ کا مشترکہ بت تھا۔ طائف میں لات بنو ثقیف کا بت تھا۔ منات اوس اور خزرج کا بت تھا دومتہ الجندل میں ود بنو کلب کا بت تھا۔ قبیلہ ہذیل کا بت سراع تھا یغوث قبائل مذحج اور طے کا بت تھا۔ ہذیل کا بت تھا۔ نسر ذوالکلاع کا بت تھا اور نیوق یمن میں ہمدان کا بت تھا۔ سب سے بڑا بت ہبل تھا جو کعبہ میں نصب تھا جنگ میں فتح کے موقع پر اس کے نام کے نعرے لگتے تھے عرب کے بت پرستوں کا مذہبی مرکز کعبہ تھا جس میں انہوں نے تین سو ساٹھ بت جمع کر رکھے تھے ۔ عرب کے مشرک لوگ ملک کے مختلف حصوں میں ہر سال حج کے واسطے مکہ میں جمع ہوتے تھے مکہ کی اس مذہبی خصوصیت کی وجہ سے مکہ اور اس کے ارد گرد کا علاقہ حرم تھا۔ جو امن و سلامتی کا علاقہ تھا اور یہاں ہر قسم کا کشت و خون سخت ممنوع تھا۔ اسی طرح حج اور عمرہ کے لئے آمد و رفت کے سال میں چار مہینے یعنی محرم ، رجب ، ذیقعدہ اور ذی الحجہ خاص عزت و حرمت کے مہینے تھے جن میں کشت و خون بند کر دیا جاتا تھا اور لوگ آزادی اور امن و سکون کے ساتھ ہر جگہ آجا سکتے تھے۔ بت پرستی کے علاوہ عرب میں دہریت بھی تھی۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر تھے عرب میں مجوسی بھی تھے جو آتش پرست اور ستارہ پرست تھے ۔ مگر یہ لوگ خدا کی ہستی کے بھی قائل تھے اور عبادت بھی کرتے تھے یہ بھی الہامی مذہب تھا مگر بعد میں بگڑ گیا۔ پارسی قوم اسی مذہب کے تابع ہے۔

ایک مذہب صابی تھا جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے یہ لوگ بھی ستارہ پرست تھے عیسائیت عرب میں ظہور اسلام سے قبل داخل ہو چکی تھی اور بعض قبائل اسے اختیار کر چکے تھے نجران کا علاقہ اس مذہب کا بڑا مرکز تھا۔ عرب میں یہود بھی تھے جو ابتداً شام کی طرف سے آئے تھے اور بعد میں دوسرے قبائل بھی یہودی بن گئے تھے۔ یہود کے بڑے مرکز یثرب ، خیبر اور تیما تھے ، چند لوگ حضرت ابراہیم کے مذہب حنیفی پر قائم تھے اور بت پرستی کے خلاف تھے۔

زمانہ قدیم میں یمن کی طبعی حالت

سرزمین یمن طبعی طور پر سرسبز و شاداب اور زرخیز تھی۔ بارش کے علاوہ دیگر ذرائع آب پاشی بھی حاصل تھے وہ قدرتی طور پر تمدن کا مرکز تھا۔ جس میں بڑے بڑے پررونق شہر آباد تھے، جن میں عالی شان مکانات اور سربفلک عبادت گاہیں بھی تھیں۔ ملک کا ممتاز قبیلہ حمیر ذہنی طور پر عقل و تدبر سے بہرہ مند حکمران تھا جس زمانہ میں عرب کے غیر متمدن ہونے کی وجہ سے دنیا کی کوئی قوم ان سے متعارف نہ تھی۔ اس دور میں یمن اور اس کے نواحی علاقے جو خلیج فارس کے قرب و جوار میں تھے۔ انہیں اطراف عالم میں پوری شہرت حاصل تھی۔ کیونکہ انہیں خلیج فارس، بحر ہند اور بحر قلزم کا قرب و جوار حاصل تھا اور ان سے تجارتی رابطہ مضبوط اور نفع بخش تھا۔ قبیلہ حمیر کے دانش وروں نے مآدب شہر کے قریب پانی کا ایک بند تعمیر کیا تاکہ ان کے باغوں اور کھیتوں کو حسب ضرورت پانی ملتا رہے۔ حمیر کے صناعوں اور ماہر کاریگروں نے (جنہیں آج کل کی اصطلاح میں انجینئر کہہ سکتے ہیں) پہاڑوں سے آنے والے سیلابی پانی کو ذخیرہ کرنے کے لئے چالیس کلو میٹر لمبا ایک بند تعمیر کیا جس کے دونوں کنارے دونوں طرف کے پہاڑوں سے ملا دیئے اور بند میں نیچے اور اوپر دہانے رکھ دیئے گئے تاکہ ضروریات کے مطابق پانی لیا جائے۔ اس پانی سے کھیتوں اور باغوں میں آب پاشی کی جاتی مگر آج یہ شہر مآدب اور اس کا مشہور بند آب (سد مآدب) دونوں حوادث کے شکار ہو چکے ہیں۔ ماہر آثار قدیمہ تحقیق و تجسس کر رہے ہیں۔ ان کتبوں اور دیگر انکشافات سے حمیر کے تہذیب و تمدن نے اہل علم و دانش کو حیران کر رکھا ہے۔

یمن کی شادابی

تجارتی خوش حالی اور صنعت و حرفت کی ترقی کی وجہ سے باہر کے لوگ بھی یمن میں آباد ہو گئے۔ یمن کئی پشتوں سے شاہاں حمیر کے زیر نگیں تھا اور مذہباً بت پرست جب ذونواس حمیری کو یمن کی حکومت ملی تو اس نے یہودی مذہب اختیار کر لیا کیونکہ اسے بت پرستی سے سخت نفرت تھی۔

واقعہ اخدود کا پس منظر:

روم سے ایک خدا پرست عیسائی راہب یمن کے قصبے نجران میں آکر آباد ہو گیا جس کی تبلیغ و اشاعت سے اس بستی کے لوگوں نے آہستہ آہستہ عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ جب بادشاہ ذونواس نے یہ سنا تو خود نجران پہنچا اور عیسائیوں کو دوبارہ یہودیت قبول کرنے ورنہ قتل کی دھمکی دی۔ مگر انہوں نے مسیحت سے دست کش ہونے سے انکار کر دیا۔ ذونواس نے ان کو زندہ خندق میں جھونک کر ان پر آگ جلادی جو کوئی اس آگ سے بچ گیا اس کا مثلہ کر کے اسے قتل کرا دیا بعض روایات کے مطابق ان عیسائی شہیدوں کی تعداد بیس ہزار تھی۔

یہودی بادشاہ ذونواس کے عبرانی مظلوموں میں ایک عیسائی زندہ بچ کر روم کے عیسائی بادشاہ کے

حضور حاضر ہو کر فریادی ہوا اور انتقام کی استدعا کی مگر روم اور یمن کے درمیان طویل فاصلہ تھا۔ اس لئے شہنشاہ روم براہ راست ذونواس سے انتقام لینے سے قاصر تھا۔ یہ چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ تھا جب روم اور حبشہ دونوں سلطنتیں پورے عروج پر تھیں۔ دونوں ملکوں کے باشندوں کی بحری تجارت فروغ پر تھی ۔ دونوں حکومتوں کا مذہب عیسائی تھا اور آپس میں خوش گوار تعلقات تھے چنانچہ نجران کے عیسائی فریادی کی داستان سن کر قیصر روم نے حبشہ کے عیسائی بادشاہ کو لکھا کہ وہ یمن کے بادشاہ ذونواس سے عیسائی شہیدوں کا بدلہ لے ۔ اس پر نجاشی شاہ حبشہ نے قیصر کے سفیر روم کی معیت میں لشکر جرار بھیجا جس پر ارباط کو سپہ سالار مقرر کیا گیا ابرہہ الاشرام بھی اس فوج میں شامل تھا ارباط نے ذونواس کو شکست فاش دے کر یمن فتح کر لیا اور حبشہ کی سلطنت میں ضم کر لیا۔ کچھ دیر تک یہی ارباط یمن پر بطور حکمران رہا۔ مگر بعد میں ابرہہ نے اسے قتل کر کے یمن پر قبضہ کر لیا اور شاہ حبشہ نے اس کو اپنا نمائندہ گورنر تسلیم کر لیا۔ 570ء میں ابرہہ نے کعبتہ اللہ کو مسمار کرنے کے لئے تیس ہزار فوج اور ہاتھیوں کے ساتھ مکہ پر حملہ کیا مگر مشیت ایزدی نے اس کو تباہ و برباد کر دیا اور تھوڑی دیر بعد مر گیا۔ ابرہہ کے بعد اس کا بیٹا یمن پر حکمران بنا مگر وہ انصاف نہ کر سکا اور یمن کے باشندے اس کے ظلم سے تنگ آ کر اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے جس پر حمیر کے سردار سیف بن ذی زن نے کسریٰ ایران کی خدمت میں حاضر ہو کر ایرانی فوج کی امداد سے یمن کے حبشی حکمران کو شکست فاش دی اور یمن سلطنت ایران کے ماتحت آ گیا اور عرب اور اس کے نواحی ملکوں پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے تک یمن ایران کا باجگزار بنا رہا۔

یمن جس زمانہ میں سیاسی لحاظ سے ترقی یافتہ زرعی پیداوار، تجارت اور حرفت کی وجہ سے خوش حالی سے ہمکنار تھا اور دیگر ہمسایہ ممالک کے ساتھ روابط تھے ۔ دیگر عرب ممالک سیاسی نظام کی ابجد سے بھی ناواقف تھے یعنی یہ نظام حیات جسے سیاسی نظم و نسق سے تعبیر کرتے ہیں وہ لوگ ناآشنا تھے ۔ تہامہ، حجاز، نجد اور عرب کے دیگر خطے علاقے اور قبیلے شہروں کے بجائے ریگستانوں میں زندگی بسر کرتے تھے ۔ انہیں شہری زندگی بسر کرنے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ کیونکہ وہ اپنے مویشیوں کے چارہ اور پانی کے لئے خانہ بدوش زندگی اختیار کرنے پر مجبور تھے ۔ بدوی طریق حیات کا قانونی سہارا اپنے قبیلے میں مل کر رہنا تھا۔ عرب کے بادیہ نشین جو آج یہاں کل وہاں نظر آتے ہوں ان کے لئے اجتماعی قوانین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان عربوں کا قانون حیات فرد، قبیلہ اور خاندان کے لئے پوری آزادی کی بنیادوں پر استوار تھا وہ کسی قیمت پر بھی اپنی آزادی سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ تھا۔ ان کے ضابطہ میں ایک قبیلہ کے تمام افراد کا درجہ حفاظت جان و مال میں مساوی تھا کسی قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر تفوق حاصل نہ تھا۔ ہر فرد قبیلہ کی جان و مال، عزت و آزادی اور بنیادی انسانی حقوق برابر تھے۔ اور ان قوانین کا پوری طرح احترام کیا جاتا تھا۔ ان قبائل کے نزدیک اصول شرف اور عزت و تحفظ اس قدر ضروری تھا کہ باہمی تنازعات کا فیصلہ منصفانہ طور پر نہ ہو تو انتقام کے لئے قتل و غارت سے بھی اجتناب نہیں کرتے تھے اور اپنا حق لے کر رہتے تھے ۔ عرب کے

بادیہ نشین شجاعت اور سخاوت میں بے مثل ہونے کے ساتھ ساتھ ہمسایوں، مسافروں اور مہمانوں کی حمایت کے لئے بھی سر بکف اور دشمنوں کو معاف کرنے میں بہت فیاض تھے۔ یہ ایسے اوصاف ہیں جو صحرائی زندگی میں نمایاں مگر شہری زندگی میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ جہاں ، ذاتی مفاد کو ترجیح دی جاتی ہے لہذا ذرائع پیداوار اور دیگر سیاسی و مالی مفاد کے فقدان اور عربوں میں بہادری ، شجاعت، حریت و آزادی کے جذبہ کی وجہ سے ایرانی اور رومی سامراج طاقتوں کو عربوں کے مغلوب کرنے کی ضرورت اور جرات ہی نہ ہو سکی وہ صرف یمن پر قبضہ اور حکومت کرنے کے لئے جدوجہد کرتے رہے اور اس آزادی پسند عرب قوم کی طرف توجہ نہ دی۔ تجارتی راستوں اور نخلستانوں میں چند ایک شہر مثلاً مکہ ، یثرب اور طائف وغیرہ ان پہاڑی دروں یا صحرا کے دامن میں آباد ہو گئے تھے مگر بدوی تہذیب و تمدن ، عزت نفس اور جذبہ حریت و آزادی وغیرہ جملہ فضائل و عادات میں اپنے بدوی صحرا نشینوں کے ساتھ پوری مشابہت رکھتے تھے۔

مکہ معظمہ کی تاریخ

مکہ مکرمہ دنیا کا واحد قدیم ترین شہر ہے جو آج تک آباد چلا آتا ہے۔ اس شہر کی بنیاد آج سے تقریباً چار ہزار سال قبل یعنی 2200 ق م میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے رکھی تھی اور اس زمانہ سے آج تک اسے مذہبی ، سیاسی ، تجارتی اور جغرافیائی لحاظ سے بڑی اہمیت اور مرکزیت حاصل رہی ہے۔

امم سامیہ کا اولین مسکن جزیرہ نمائے عرب تھا اور یہیں سے یہ لوگ نکل کر مختلف اوقات میں کنعان ، بابل ، حبشہ اور مصر وغیرہ ممالک میں پہنچے اور وہاں عظیم الشان تہذیب و تمدن کی داغ بیل ڈالی۔

حضرت ابراہیمؑ کی مکہ میں آمد سے قبل وادی مکہ میں بنی جرہم کا قبیلہ آباد تھا۔ جس کا تعلق قبیلہ بنی قحطان سے تھا جو سامی نسل سے تھا جب حضرت اسمٰعیلؑ وادی مکہ میں آباد ہوئے تو اس وقت یہاں بنی جرہم کا قبیلہ قرب و جوار کی وادیوں اور پہاڑیوں پر آباد تھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے قبیلہ جرہم کے سردار مضاض کی بیٹی رعلہ سے شادی کر لی جس کے بطن سے بارہ بیٹے پیدا ہوئے ان میں سے قیدار اور نابت نے بہت شہرت حاصل کی۔ حضرت اسمٰعیل نے حضرت ابراہیم کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور مکہ شہر بسایا۔ حضرت ابراہیم فلسطین میں مستقل سکونت پذیر رہے۔ البتہ کئی بار مکہ آئے اور انہوں نے لوگوں کو حج کی دعوت دی۔ بنی جرہم سمیت گرد و نواح کے قبائل نے اس دعوت پر لبیک کہا۔ اور ہر سال ہزاروں زائرین حج اور طواف کعبہ کے لئے مکہ آنے لگے۔

ابتداء میں خانہ کعبہ کی تولیت اور خدمت حضرت اسماعیل کی اولاد میں رہی مگر بعد میں تولیت کا منصب بنی جرہم میں منتقل ہو گیا۔ چونکہ بنی جرہم حضرت اسماعیل کی اولاد کے ننھیال تھے اس لئے انتقال تولیت پر امن اور

خوش گوار طریقے سے ہو گئی۔ خانہ کعبہ کی تولیت کا منصب اگرچہ خالصتاً مذہبی تھا۔ مگر اس کی نوعیت سیاسی بھی ہوتی چلی گئی یعنی جو خاندان یا شخصیت تولیت کعبہ حاصل کر لیتی اس کو شہر میں سیاسی بالادستی بھی حاصل ہو جاتی۔ اسی وجہ سے خاندان اسمعیل کو مذہبی تقدس کی بنا۔ پر سیاسی تغلب بھی حاصل ہو گیا چونکہ انسانی معاشرہ کے ارتقائی مراحل میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب سیاسی اور مذہبی مناصب ایک ہی ذات میں جمع ہو گئے تھے۔ عدنان کے زمانہ تک مکہ پر سیاسی اور مذہبی تسلط آل اسمعیل کا ہی رہا۔ چنانچہ جب 562 ق م میں بخت نصر شاہ عراق نے مکہ پر حملہ کیا تو اس کا مقابلہ عدنان ہی نے کیا تھا جو اس مقابلہ میں مارا گیا مگر اس کا لڑکا زندہ بچ کر نکل گیا اور پورا خاندان منتشر ہو گیا یہ مکہ کی تاریخ کا پہلا دور تھا۔

قریش کا جد اعلیٰ فہر بن مالک جن کے نام فہر سے یہ خاندان معروف ہوا۔ اسی زمانہ جلا وطنی میں پیدا ہوا۔ خاندان قریش کے دوسرے اہم اور ممتاز فرد قصی بن کلاب نے اپنی حکمت عملی اور شجاعت سے 460 ء میں مکہ کی تولیت اور حکومت پر قبضہ کر کے اپنے خاندان کے منتشر افراد کو مکہ اور اس کے گرد و نواح میں جمع کیا۔ اسی لیے وہ خاندان قریش کی مذہبی اور سیاسی عزت و عظمت کا بانی کہلایا۔ اس واقعہ سے مکہ کی تاریخ کے نئے دور کا آغاز ہوا۔

خاندان اسمعیل اور قریش کی جلاوطنی کے دوران مختلف قبائل مکہ کی سیادت اور قیادت کرتے رہے۔ 207ء میں قبیلہ خزاعہ نے قبیلہ بنی جرہم کو شکست دے کر شہر مکہ پر قبضہ کر لیا۔ اس قبیلے کا سردار عمرو بن لحی تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے مکہ میں بت پرستی کو رواج دیا۔ خزاعہ کا آخری حکمران حلیل تھا۔ جس کی لڑکی حبی سے قصی بن کلاب نے شادی کر لی اور اس طرح مکہ کی حکومت اور تولیت کعبہ بھی حاصل کر لی۔ قصی بن کلاب نے اپنی دولت، قوت اور سیاسی تدبر کے ذریعے مکہ کی سیادت اور تولیت کعبہ حاصل کی تھی اس نے سرداران قریش کے تعاون اور مشورہ سے مکہ کا نظم و نسق چلایا اور اہم اصلاحات نافذ کیں۔ قصی کی حیثیت قائد اور بانی قریش کی تھی اس لیے اس کا مقام و مرتبہ انتہائی بلند تھا جو ایک تاریخ ساز شخصیت کا ہوتا ہے۔ قصی بن کلاب کا انتقال 480ء عیسوی میں ہوا۔

وادی مکہ شمالاً جنوباً دو میل لمبی ہے اور اس کا عرض کوہ جیاد سے کوہ قعیقعا تک ایک میل ہے۔ حضرت اسمعیل کے زمانے میں شہری آبادی شمال مشرق کی جانب کوہ قعیقعا کے نزدیک واقع تھی۔ کیونکہ خانہ خدا کے نزدیک رہائش رکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ بیت اللہ شریف کے نواحی علاقے کو حرم سمجھا جاتا اور یہ صرف قربانی، حج، طواف اور صلوۃ کے فرائض و رسومات ادا کرنے کے لئے مختص تھا شہری آبادی حدود حرم کے اندر شامل نہ تھی اور اس طرح قدیم شہر دو حصوں میں منقسم تھا یعنی مذہبی علاقہ اور شہری آبادی یہ تقسیم قصی کے زمانے تک قائم رہی مگر قصی نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد شہری تقسیم کی یہ حد بندیاں ختم کر کے مذہبی علاقے کے اندر رہائشی مکانات تعمیر کرنے کی اجازت دے دی اور اس طرح موجودہ شہر مکہ کی بنیاد پڑی۔ قصی نے قریش کے منتشر قبائل کو پرانی

آبادی میں بسانے کے بجائے ان کے لئے نئ بستیاں بسانا زیادہ بہتر خیال کیا اور خانہ خدا کے چاروں طرف اپنی قوم کو قبیلہ وار آباد کر دیا۔ نئ بستیاں بسانے میں سیاسی اور دفاعی مصلحتیں بھی شامل تھیں۔ کعبے کے گرد نئ آبادی ایک نقشہ اور منصوبہ بندی کے مطابق تعمیر کی گئ۔ کعبہ کے چاروں طرف قریش کے معزز قبائل کو اس طرح آباد کیا گیا کہ وسط میں خانہ خدا اور اس کے ساتھ طحہ قصی کا مکان اور دارلندوہ اور برابر میں معزز قبائل قریش آباد کیے گئے جو آبادی کا اندرونی حصہ تھا بیرونی حلقہ میں جو لوگ رہتے تھے اجتماعی زندگی میں ان کا مقام دوسرے نمبر پر تھا، اور شہر کے باہر جھگیوں اور خیموں میں عارضی یا مستقل سکونت رکھنے والے خانہ بدوش قبائل یا زائرین اور نو وارد تیسرے درجے کے لوگ رہائش پذیر تھے۔مکے کا جدید شہر ایک لحاظ سے خالص قریش کا شہر تھا۔ شہر کے درمیان میں ایک شاہراہ یمنی اور شامی تجارتی قافلوں کے لئے تھی مکہ میں تجارت کی ترقی کی وجہ سے ایک اقتصادی انقلاب آگیا اور قریش نے شاندار مکانات تعمیر کرائے جس سے مکہ ایک خوبصورت شہر بن گیا۔

مکہ کی سیاسی اہمیت

مکہ اس وقت نہ صرف عرب بلکہ متمدن دنیا کا مرکزی مقام تھا۔ کعبتہ اللہ کی وجہ سے تمام عرب پر اس کی مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت تسلیم شدہ تھی اور تجارتی شاہراہ پر واقعہ ہونے کی وجہ سے تجارت کا مرکز اور تجارتی قافلوں کی گزرگاہ بھی تھا لہذا اس مقام سے جو تحریک عالمگیر انسانیت کی اصلاح و تعمیر کے لئے اٹھتی اس کی کامیابی کے امکانات روشن تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مکہ کو ہی آنحضرتؐ کی پیدائش کے لئے منتخب فرمایا اور آپ کی بعثت اس مقام سے ظہور پذیر ہوئی۔

عرب اگرچہ غیر متمدن اور پس ماندہ تھا مگر یہ علاقہ خصوصاً نجد و حجاز وغیرہ بیرونی تسلط سے ہمیشہ آزاد تھا اور داخلی طور پر بھی کوئی منظم حکومت یہاں موجود نہ تھی۔ مکہ میں اگرچہ قریش کی منظم اور مضبوط طاقت تھی اور ان کو مذہبی سیادت، تجارتی ترقی اور سیاسی اقتدار حاصل تھا مگر ان کو منظم حکومت کی حیثیت اور طاقت حاصل نہ تھی۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے اسلامی تحریک کی زبردست مخالفت کی اور آخری دم تک مدینہ میں بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ جب تک کہ مکہ فتح نہ ہو گیا۔

دین کے نقطہ نظر سے مکہ کا انتخاب

دینی لحاظ سے دیکھیں تو مکہ کے اردگرد سابقہ انبیائے کرام کی دعوت و تبلیغ کے آثار اور نافرمان قوموں اور حکومتوں کی تہذیب تمدن کے کھنڈرات اور نشانات دعوت غور و فکر کے لئے موجود تھے جو ان کے عروج و زوال اور انبیائے کرام کی دعوت توحید کے انکار کی عبرتناک داستانیں زبان حال سے بیان کر رہے تھے۔ شمال میں حضرت

نوح اور حضرت ابراہیم کی دعوت کے منکرین کے مقامات دجلہ و فرات کے علاقہ عراق میں، فلسطین میں بنی اسرائیل کے عروج و زوال کے حالات و واقعات اور حضرت عیسیٰ کی امن ، محبت انسانیت اور توحید خالص کی دعوت کے آثار جنوب میں عاد و ثمود کی تباہ شدہ بستیاں اور ان کی عظیم الشان عمارات کے کھنڈرات ۔ عرب کے شمال مشرق میں مصر جو تہذیب عالم کا اولین گہوارہ اور فرعونوں کی خدائی کا نوحہ خواں نظر آرہے تھے۔ مکہ کی وادی غیر ذی زرع جسے حضرت ابراہیم اور اسمعیل نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کر کے مرکز توحید بنا دیا۔ لہذا توحید الہیٰ ، انسانیت کی اصلاح و فلاح اور اسلامی انقلاب کے آغاز کے لئے اس سے بہتر مقام کرہ ارض پر اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ جو تمام عالم انسانیت کے لئے زمان و مکان کی حدود و قیود سے آزاد سب کے لئے قیامت تک کے لئے مرکز توحید اور عالمگیر انسانی برادری کا مرکز ثابت ہو۔ مواد یعنی یہاں کے لوگ اس اسلامی انقلاب کے لئے اپنی خدا داد صلاحیتوں اور قوتوں کے لئے جوہر ذاتی سے مالا مال تھے۔ یہ کبھی کسی کے غلام نہیں ہوئے تھے اور ان میں غلامانہ ذہنیت اور نسبی کمزوری نہ تھی۔ ان میں وفاداری ، عہد و پیمان کی پابندی ، ایثار ، قربانی ، غیرت و حمیت ، اور انتقام کا جذبہ موجود تھا۔ ان کا حافظہ بلا کا تھا اور ان کی زبان ایک اعلیٰ وسیع اور ترقی پذیر زبان تھی جس کی فصاحت و بلاغت مسلمہ تھی۔ وہ علمی زبان کا درجہ حاصل کر سکتی تھی اور اپنے انفرادی پروگرام سے دوسروں کو متاثر کر سکتی تھی۔

عرب عزم و ہمت اور استقلال و جرات کے پیکر تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بہترین انسانی مواد بھی مہیا کیا۔ جو اس انسانی انقلاب کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکتا تھا۔ "

مکہ معظمہ بیت اللہ اور قریش

محل وقوع ، مکہ اس عام شاہراہ پر جو بحیرہ قلزم کی مشرقی جانب سے گزرتی ہے اسی راہ سے ملتا ہوا یمن اور فلسطین کے درمیان چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا سلسلہ چلا گیا ہے جو سمندر سے قریباً پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے اسی سلسلہ میں ایک درہ ، یمن ، جدہ اور فلسطین تین مشہور خطوں کا سنگم ہے یہی درہ مکہ معظمہ کا محل وقوع ہے۔

مکہ کی بستی ہزاروں سال قبل آباد ہوئی تھی مگر زمانہ متعین نہیں ہو سکا۔ ماسوائے اس کے کہ عہد قدیم میں جو قافلے فلسطین اور یمن کے درمیان سفر کرتے وہ ان اطراف میں پہنچ کر یہاں اس مقام پر پڑاؤ کرتے جہاں مکہ معظمہ واقع ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کی مستقل سکونت سے قبل مکہ ان تجارتی قافلوں کی وجہ سے تجارتی گزر گاہ تھا۔ جو یمن اور فلسطین سے ادھر ہو کر گزرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ کے اصرار پر دوسری بیوی ہاجرہ اور ان کے کم سن بچے حضرت اسماعیلؑ کو فلسطین سے یہاں مکہ میں لاکر چھوڑ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ان ماں

بیٹا کے لئے میٹھے اور صاف پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا اور اس درہ سے گزرنے والے سوداگر بھی اس چشمے کے پانی سے مستفید ہونے لگے اور کچھ عرصہ بعد ایک عرب قبیلہ جرہم حضرت ہاجرہ کی اجازت سے مکہ میں آباد ہو گیا۔ جب حضرت اسماعیلؑ بالغ ہو گئے تو ان کا نکاح قبیلہ جرہم کی ایک خاتون سے ہو گیا زوجہ اسماعیل کا نام بنت مضاض جرہمی العربی تھا۔ حضرت اسماعیل کی اولاد بارہ بیٹوں پر مشتمل تھی۔ جن کی رگوں میں حضرت ابراہیمؑ کا عبرانی خون اور والدہ ہاجرہ مصری ہونے کی وجہ سے مصری خون اور زوجہ اسماعیلؑ بنت مضاض جرہمی العربی کے خون کے آمیزش کی وجہ سے ان کی اولاد میں عزیمت، شجاعت اور قوت و طاقت کے سہ گونہ اوصاف تھے۔ حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر بیت اللہ (خانہ کعبہ) کو تعمیر کیا۔ اور یہ مقام دنیائے توحید کا مرکز بن گیا۔ اب تجارتی قافلوں کے علاوہ لوگ بیت اللہ کا حج کرنے کے لئے بھی آنے لگے اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے مطابق مکہ کو امن کا شہر بنا دیا گیا۔

شہر مکہ کو حضرت اسماعیلؑ نے بسایا۔ مکہ جدہ، یمن، شام، حجاز، نجد کے تجارتی قافلوں کی قیام گاہ تھا۔ وہ قصی بن کلاب 440ء سے پہلے ہی تمدن کا گہوارہ بن چکا تھا۔ حضرت اسماعیلؑ کی وجہ سے قبیلہ جرہم کو ترقی حاصل ہوئی جس سے وہ عیش پسند ہو گئے اور کعبہ کی دیکھ بھال اور زم زم کی حفاظت سے غافل ہو گئے۔ اس کے بعد چشمہ بند ہو گیا۔ جرہم سے بنو خزاعہ نے مکہ کی حکومت و اقتدار چھین لیا اور یہ قبیلہ خزاعہ قصی بن کلاب کے دور تک اس پر قابض رہا۔ قصی کا رسول اللہ سے نسبی تعلق پانچویں پشت سے ہے بنو عبد مناف نے اطراف و جوانب کے حکمرانوں کے ساتھ سلامتی، امن اور تجارتی مفادات کے معاہدات کر لیے۔ ان میں ہاشم نے قیصر روم اور امیر غسان والی شام کے ساتھ عبد شمس نے حبشہ کے بادشاہ کے ساتھ نوفل اور مطلب نے ایران و یمن کے بادشاہوں کے ساتھ ایسے معاہدات کیے ان معاہدات سے قریش کی ثروت وجاہت اور خوش حالی میں اضافہ ہوا اور تجارتی معاملات میں ماہر ہو گئے۔ ہاشم دوران سفر شام ایک بار یثرب پہنچے اور وہاں ایک خوبصورت مطلقہ عورت سلمیٰ بنت عمرو قبیلہ خزرج سے شادی کر کے اسے مکہ ساتھ لے آیا۔ یہاں اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ ہاشم نے دوران سفر فلسطین کے شہر غزہ میں وفات پائی۔ سلمیٰ اپنے بیٹے شیبہ کے ہمراہ مکہ سے یثرب واپس آ گئی جب شیبہ نوجوان ہوا تو ہاشم کا چھوٹا بھائی مطلب اس کو اس کی والدہ کی رضامندی سے مدینہ سے واپس مکہ لے آیا۔ یہاں پہنچے تو شیبہ اپنے چچا مطلب کی اونٹنی پر پیچھے سوار تھا لوگوں نے سمجھا کہ یہ مطلب کا غلام ہے اور اسے عبدالمطلب کہہ کر پکارا۔ اس وقت سے شیبہ ابن ہاشم کا نام عبدالمطلب پڑ گیا۔ جو آنحضرتؐ کے دادا تھے مطلب نے چاہا کہ شیبہ کو اس کے والد ہاشم کا مال و اسباب اور کل ترکہ دے دے مگر اس کے چچا نوفل نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر شیبہ نے مدینہ سے اپنے ننھیال کو مدد کے لئے بلایا۔ چنانچہ اسی خزرجی نوجوان اپنے بھانجہ کی مدد کے لئے ہر طرح سے تیار

ہو کر آئے مگر لڑائی تک نوبت نہ پہنچی اور نوفل نے اس کے باپ کا ترکہ اس کے حوالے کر دیا۔ مطلب کی وفات کے بعد ان کے تمام اعزاز مناصب انہی عبدالمطلب کو تفویض ہوئے۔ چاہ زم زم صدیوں قبل مضاض بن عمرو نے پاٹ دیا تھا اس لئے اہل مکہ کو بہت دور سے پانی لانا پڑتا تھا۔ عبدالمطلب کے پاس سقایہ کے فرائض تھے اس لئے حاجیوں کو پانی پلانے کے لئے اس کو دور سے پانی لانا پڑتا تھا اور اس کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح زم زم کا پتا چل جائے اور اس کو دوبارہ جاری کیا جائے چنانچہ اسے خواب میں کنواں زم زم کا محل وقوع معلوم ہو گیا اور اس نے اپنے بیٹے حارث سے مل کر اس کنوئیں کی کھدائی کی اور زم زم کے ساتھ ہی مضاض بن عمرو کے دفینہ سونے کے ہرن، طلائی شمشیریں اور بہت سا مال و منال بھی دریافت ہو گیا۔ زم زم کی کھدائی کے وقت عبدالمطلب نے منت مانی کہ اس کے دس نوجوان لڑکے ہوں تو وہ ان میں سے ایک کو قربان کر دیں گے چنانچہ اس کے دس بیٹے جوان ہو گئے تو انہوں نے اپنی منت پوری کر دی۔ ابرہہ حبشی والی یمن نے 570ء میں لشکر جرار کے ساتھ خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے لئے چڑھائی کی مگر ناکام و نامراد اور تباہ ہو کر واپس آگیا اس واقعہ سے مکہ کی مستقل اور مسلسل تاریخ کا آغاز ہوتا ہے اور "اصحاب الفیل" کی اس ناکامی اور بربادی سے مکہ کی دینی عظمت اور عزت و وقار میں بے حد اضافہ ہوا۔

سیدہ ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو وادی مکہ میں چھوڑ جانے کے بعد حضرت ابراہیم گاہے گاہے مکہ آیا کرتے تھے جب حضرت اسماعیل کی عمر قریباً تیرہ سال کی ہو گئی تو حضرت ابراہیم مکہ میں آئے اور آپ کو خواب میں حکم ہوا کہ اپنے بیٹے کی قربانی کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لئے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مشیت کے مطابق آپ کے بیٹے کو قربانی سے بچا لیا اور ایک مینڈھا قربان کرا دیا۔ اس واقعہ کی یاد میں مسلمان حج کے موقعہ پر قربانی کرتے ہیں۔

کعبتہ اللہ ایک دفعہ حضرت ابراہیم وادی مکہ میں اپنے بیٹے کے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ایک عبادت خانہ کی تعمیر کی۔ یہ عبادت خانہ دراصل بہت پرانا تھا مگر اس کے نشان مٹ چکے تھے مگر حضرت ابراہیم نے علم پا کر اسے نئے سرے سے تعمیر کرنے کی تجویز کی تھی۔ حضرت اسمعیلؑ اس تعمیر کے کام میں آپ کے مددگار تھے اور آپ کو پتھر اور گارا لا کر دیتے تھے۔ جب دیوار قد آدم تک پہنچی تو حضرت ابراہیم نے ایک خاص سیاہ رنگ کا پتھر لے کر کعبہ کے ایک کونہ میں نصب کیا تاکہ وہ لوگوں کے لئے طواف کی ابتداء کے لئے بطور نشان ہو۔ الغرض حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیلؑ نے مل کر ان گھڑت پتھروں کا ایک بے چھت چوکور کوٹھا تیار کیا جس کی بلندی نو ہاتھ طول بتیس ہاتھ اور عرض بائیس ہاتھ تھا۔ یہی خانہ کعبہ ہے جو آج تک مرجع خلائق ہے اور مقام حج ہے۔

قرآن حکیم میں اس تعمیر کی تکمیل کے بعد حضرت ابراہیم کی دردمندانہ دعا ہے اور تعمیر بیت اللہ کے مکمل واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ (دعائے خلیل سورہ آل عمران ع 10)

خانہ کعبہ کی تعمیر نو 605ء :

مکہ میں سیلاب آیا اور کعبہ کی عمارت میں شگاف پڑ گیا۔ اسی دوران میں معلوم ہوا کہ کسی مصری تاجروں کی کشتی سمندری لہروں سے ٹکرا کر ساحل جدہ پر آ پڑی ہے۔ اس کا مالک باقوم نامی مصری بھی وہیں پڑا ہے۔ قریش مکہ کا ایک وفد ولید بن مغیرہ کی سرکردگی میں باقوم کے پاس پہنچا اور کعبہ کی تعمیر کے لئے کشتی کے تمام تختے خرید لئے اور باقوم نجار بھی ان کے ہمراہ مکہ آ گیا اور تعمیر کے لئے اس کی خدمات حاصل کر لی گئیں اس سے قبل مکہ میں ایک بڑھئی بھی تعمیر کا کام جانتا تھا اس کو بھی باقوم کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔ ان دونوں نے مل کر تعمیر خانہ کعبہ کی ابتدا۔ کر دی شکستہ عمارت کو گرانے کے لئے قریش کے لوگ اس کے تقدس اور احترام کی وجہ سے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ آخر ولید بن مغیرہ نے حوصلہ کر کے شکستہ عمارت کے انہدام کی ابتدا۔ کر دی جب اسے کوئی نقصان نہ ہوا تو دیگر لوگ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور جب پتھر گرانے کے لئے تیار ہوئے تو دعا کی۔ " اے اللہ تجھے ناراض کرنا مقصود نہیں ہم لوگ تو فقط تیرے گھر کی بہتری اور تعمیر نو چاہتے ہیں " جب قدیم عمارت گرا چکے تو نئی عمارت کی تعمیر کے لئے مختلف قبائل قریش نے اس کے مختلف حصوں کی تعمیر کے لئے باہمی فیصلہ کر لیا اور تعمیر شروع ہونے لگی قریش کے لوگ رضا کارانہ طور پر اس تعمیری کام میں شامل ہو گئے۔ پتھروں کو جمع کر کے اور ان کے کنارے صاف اور درست کر کے جائے تعمیر پر لاتے۔ آنحضرتؐ بھی دیگر لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھا کر لاتے اور اس نیک کام میں سرگرم حصہ لیتے تھے جب عمارت اس حد تک پہنچی جہاں خانہ کعبہ میں حجر اسود نصب کرنے کا موقعہ تھا تو ہر قبیلے نے اپنے اپنے استحقاق پر زور دیا اور اس قدر کش مکش ہوئی کہ جنگ و قتال کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ تب امیہ بن مغیرہ کی تجویز پر اتفاق کیا گیا جو شخص کل صبح سویرے سب سے پہلے باب شعبہ سے داخل ہو گا وہی اس اختلاف کا فیصلہ کرے گا۔ اور اس کا فیصلہ سب کو منظور ہو گا جب صبح ہوئی تو حضورؐ سب سے پہلے اس دروازے سے داخل ہوئے۔ جب لوگوں نے آنحضرت کو دیکھا تو سب نے یک زبان ہو کر کہا " امین " آ گئے۔ ہمارے نزدیک امین و دیانت دار ہیں۔ ہمیں ان کا فیصلہ منظور ہو گا۔ پھر انہوں نے آپ سے صورت حال بیان کی۔ اس پر آپ نے اپنی چادر مبارک زمین پر بچھا دی اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس پر رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلے والا اس چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کر اوپر اٹھائے انہوں نے اس پر عمل کیا۔ جب وہ اس جگہ پہنچے تو آپ نے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس کی صحیح جگہ پر نصب فرما دیا اور اس پر سب لوگ راضی ہو گئے اور فتنے کا سد باب ہو گیا اس فیصلے سے نا صرف فساد کا خطرہ ختم ہو گیا بلکہ آنحضرت کی عظمت و فراست بھی مسلمہ ہو گئی اس واقعہ کے وقت آنحضرتؐ کی عمر قریباً پینتیس (35) سال تھی۔

قریش مکہ

قریش اس قبیلہ کا نام ہے جس میں آنحضرتؐ پیدا ہوئے یہ قبیلہ اس وقت مکہ میں آباد تھا اور خانہ کعبہ کا

متولی تھا۔ یہ قبیلہ عرب متفقہ روایات کے مطابق حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے ہے اور عدنانی قبائل کی ایک شاخ ہے۔ قبیلہ قریش کے بانی فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ہیں۔ قریش کی وجہ تسمیہ میں بھی اختلاف ہے بعض کا خیال یہ ہے کہ اس قبیلہ کو قریش کا نام ایک مچھلی کی مشابہت میں دیا گیا ہے جو بہت بڑی ہوتی ہے۔ اور باقی مچھلیوں کو کھا جاتی ہے جسے عربی زبان میں قریش کہتے ہیں دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ جب قصی نے کعبہ کی تولیت حاصل کرنے کے بعد اس قبیلہ کی مختلف شاخوں کو جمع کر کے مکہ میں آباد کیا تو اس وقت ان کا نام قریش ہوا کیونکہ عربی زبان میں قریش کی روٹ میں جمع کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں قریش کئی قبائل میں تقسیم ہو چکے تھے جن کے درمیان قیادت، سیادت اور وقار کے حصول کی کشمکش جاری تھی۔

تاریخ عالم پر ایک سرسری نظر

آنحضرتؐ کی بعثت سے قبل تاریخ عالم کے سیاسی، مذہبی، تمدنی اور اخلاقی حالات و واقعات کی تحقیق و مطالعہ اس لئے ضروری ہے کہ اس کا آنحضرتؐ کے حیات افروز انسانی انقلاب سے تقابلی موازنہ کیا جاسکے۔ جس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ واقعی یہ اسلامی انقلاب تاریخ عالم کا فقید المثال انقلاب تھا جو نوع انسانی کی پوری تاریخ میں محیرالعقول منفرد واقعہ ہے۔ اس عظیم انسانی انقلاب کی عظمت و شوکت اور اہمیت کا صحیح اندازہ لگانا اس وقت تک ممکن نہ ہوگا جب تک اس کا تاریخی پس منظر پیش نظر نہ ہو۔ لہذا اس ٹھوس حقیقت کی وضاحت کے لئے اقوام عالم کے سیاسی، مذہبی اور تہذیب و تمدن کے حالات و واقعات کی تاریخ بیان کی جارہی ہے۔

نوع انسانی کی عمر کا اندازہ

ابتدائے آفرینش سے آج تک دنیا کی عمر کا اندازہ ناممکن ہے۔ اس کی مدت کا علم صرف خالق کائنات کو ہی ہے۔ جو اس کا خالق، مالک اور رازق ہے۔ تاہم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے آج تک کی مدت کے متعلق یہ اندازہ صحیح و درست ہے کہ موجودہ نوع انسانی کی پیدائش کا عرصہ حیات قریباً سات آٹھ ہزار سال کے درمیان ہے۔ آنحضرتؐ کی پیدائش کے وقت حضرت آدمؑ کی تخلیق کو قریباً چھ ہزار سال گزر چکے تھے۔

انسانی تہذیب و تمدن کی ابتداء

تاریخ عالم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تہذیب و تمدن کی ابتداء مصر سے ہوئی۔ جب سکندر اعظم نے 333 ق۔م میں مصر کو فتح کیا تو اس وقت تک اس ملک پر تیس (30) خاندان حکومت کر چکے تھے اس سے اندازہ لگائیں کہ مصر کب تہذیب و تمدن انسانی کا گہوارہ بنا۔

اندازہ یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے خاندان کی حکومت قریباً 3400 ق م میں شروع ہوئی۔ لیکن حال کے مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ تہذیب اس سے بھی بہت قبل شروع ہو گئی تھی۔ دنیا میں تقویم کی ابتداء مصر

سے ہوئی اور سب سے پہلا کیلنڈر 4241 ق م میں مرتب ہوا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ باقاعدہ خاندان کی حکومت سے بھی بہت پہلے یہ ملک تہذیب و تمدن سے آشنا ہو چکا تھا۔ اہرام مصر میں سب سے بڑا ہرم شہنشاہ خوفو کا مقبرہ ہے۔ جو چوتھے خاندان کا دوسرا بادشاہ تھا۔ اسی زمانہ میں فن تعمیر، مصوری، طب اور جراحت وغیرہ علوم فنون کے ماہرین فراعنہ مصر کے دربار میں موجود تھے۔ اٹھارویں خاندان کے زمانہ میں (جو حضرت موسیٰ کا عہد ہے بادشاہوں کے ساتھ مذہبی پیشواؤں کا اقتدار بھی شروع ہو گیا تھا۔ یہ اقتدار بیسویں خاندان کے زمانہ میں اوج کمال تک پہنچ گیا۔ حکومت مندروں کے پجاریوں کے ہاتھوں میں چلی گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ملک تباہی و بربادی کے کنارے پر پہنچ گیا۔ اکیسویں خاندان کے زمانہ سے زوال و انحطاط شروع ہو گیا۔ جب چھٹی صدی ق م میں اہل فارسی نے اس پر قبضہ کر لیا تو ملک کے ہر گوشے پر جمود و تعطل چھا گیا اور تعمیر و ترقی کی تمام سرگرمیاں جنگی وجہ سے یہ ملک تہذیب و ترقی کی شاہراہ پر گامزن چلا آ رہا تھا ختم ہو گئیں۔ چھٹی صدی عیسوی میں یعنی آنحضرتؐ کے دور کے آغاز میں ان اہرام کے سوا جو اس کی عظمت رفتہ کے عبرتناک نقوش تھے۔ اس ملک کی تہذیب و تمدن کی زندگی میں کوئی شے قابل ذکر باقی نہ تھی۔ حضورؐ نے مقوقس شاہ مصر کو دعوت اسلام کا خط بھیجا تو وہ انتہائی ادب و احترام سے پیش آیا۔ حضورؐ کو تحائف ارسال کئے جن میں حضرت ماریہ قبطیہ بھی تھیں۔

مصر کے سامی حکمران۔ عمالقہ

تقریباً اڑھائی ہزار سال قبل مسیح حدود عرب سے ایک سامی قوم جو مختلف قبائل کا مجموعہ تھی۔ مصر پر حملہ آور ہوئی اور اسے فتح کیا۔ عرب اس کو عاد، ثمود اور معین وغیرہ قبائل کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔ اسرائیل اسے "عمالیق" کہتے ہیں، اہل بابل و عراق کے ہاں اس کا نام "عربی" اور "عمورانی" ہے اور خود مصری اس کو بہ نظر تحقیر "شاشو" اور "ہیک شاش" یعنی "شاہاں بادیہ" اور شاہاں چوپان" کہتے ہیں۔ کیونکہ عرب کے سامی بادیہ نشین در حقیقت اونٹوں کے چرواہے تھے۔

مصر عہد قدیم سے دو حصوں میں تقسیم ہے۔ مصر بالا اور مصر زیریں۔ مصر زیریں بالکل بحر احمر کے کنارے حدود عرب کے مقابل واقع ہے۔ نہر سویز کے کھدنے سے پہلے بحر روم اور بحر احمر کے مابین ایک چھوٹا سا خشک قطعہ ارض تھا۔ جو مصر کو حدود عرب و جزیرہ نمائے سینا سے ملاتا تھا۔ نہر سویز اسی خشک قطعہ ارض کو کاٹ کر اور دونوں سمندروں کو باہم ملا کر بنائی گئی ہے۔ در حقیقت اس نہر نے اس دیوار کو جو مشرق و مغرب یا یورپ و ایشیا کے درمیان حائل تھی منہدم کر دیا جس سے سیلاب فتنہ و فساد مغرب کو مشرق میں داخل ہونے کے لئے نہایت آسان راستہ مل گیا۔

شاشو عمالیق اسی خشک راستہ سے جزیرہ نمائے سینا ہو کر مصر زیریں میں چلے آئے۔ مصر کے خاص باشندے جو سام کے بھائی "حام" کی اولاد تھے شکست کھا کر مصر بالا میں چلے گئے۔ ان سامی فاتحین نے یہاں ایک عظیم

الشان حکومت قائم کی جو تقریباً تین چار سو برس تک عمالیق کے لئے نشان فخر و امتیاز رہی ۔ عام سامی قبائل مختلف اوقات و حالات میں اپنے ہم نسب و خاندان قوم کے پاس بغرض استمداد و استعانت کے لئے آتے جاتے تھے ۔

حضرت ابراہیم کا سفر مصر

یہی سبب ہے کہ 2300 ق ۔ م ۔ میں حضرت ابراہیم خلیلؑ کو بابل و عراق یعنی کلدان سے حدود مصر و شام کی طرف آتے دیکھتے ہیں ۔ پھر جب کنعان میں آکر آباد ہوئے تو اس ملک میں قحط نمودار ہوتا ہے تو حضرت ابراہیمؑ مع اپنی بیوی سارہ کے یہاں سے مصر کا رخ کرتے ہیں ۔ مصر زیریں کا سامی بادشاہ جب ایک سامی خاندان کی آمد کی خبر پاتا ہے اور اس کے ساتھ ایک خاتون کا ہونا بھی سنتا ہے تو اسے اپنے قدیم خاندان سے اتصال کے شوق میں نکاح کا پیغام دیتا ہے ۔ لیکن یہ سن کر کہ وہ شوہردار خاتون ہے افسوس کرتا ہے اور اپنی بیٹی "ہاجرہ" کو حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں دے دیتا ہے ۔ جس سے اسماعیل عربوں کی نسل پیدا ہوتی ہے ۔ حضرت ابراہیم اپنی دونوں بیویوں کے ساتھ بہت سا سامان جہیز میں لے کر کنعان واپس آتے ہیں ۔

بھائیوں میں تفرقہ اور اتصام

حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے اسماعیلؑ و اسحٰق پیدا ہوئے ۔ اسماعیل ملک عرب میں آباد ہوئے ۔ اسحاقؑ سے یعقوبؑ پیدا ہوئے جن کا دوسرا نام "اسرائیل" تھا ۔ ان کی اولاد "بنی اسرائیل" یعنی فرزندان اسرائیل کہلائی اور خدا نے خود اپنی زبان سے انہیں برکت دی ۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں میں سے جن کی نسل سے بنی اسرائیل کے بارہ گھرانے قائم ہوئے ایک بیٹے حضرت یوسفؑ تھے ۔ بھائیوں نے اسی حسد برادارنہ سے مغلوب ہو کر جس نے اس سے پہلے اس گھرانے کے دو بھائیوں یعنی "اسماعیل و اسحٰق" میں فراق پیدا کر دیا تھا ۔ اپنے بھائی یوسفؑ کو ایک اسماعیلی قافلے کے ہاتھ جو عرب سے مصر کو جا رہا تھا بیچ ڈالا ۔ مصر پہنچ کر اسماعیلی قافلہ نے حضرت یوسفؑ کو ایک مصری سردار کے ہاتھ فروخت کر ڈالا ۔ جہاں "عزیز" کی بیوی اور حضرت یوسفؑ کا واقعہ پیش آیا اور انہیں قید خانے جانا پڑا ۔ بالآخر خواب کی تعبیر سے شاہ مصر کے دربار میں پہنچے بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ بے گناہ تھا تو اس کو اپنا وزیر خزانہ بنا لیا ۔ اور رفتہ رفتہ اس نے زمام حکومت حضرت یوسفؑ کے ہاتھ میں دے دی ۔

حضرت یوسفؑ نے اب مناسب سمجھا کہ اپنے خاندان کو کنعان سے جہاں مبتلائے قحط تھا ۔ مصر بلا لیں کیونکہ یہاں اب اس کے لیے حکومت کا سامان تھا ۔ حضرت یعقوب مع اپنے خاندان کے مصر آ گئے ۔ شاہ مصر نے بزرگ خاندان سام کا استقبال کیا اور جاگیر و مناسب عطا کیے ۔ حضرت یعقوبؑ نے اتحاد نسل کے اظہار کے لئے کہا کہ "ہم بھی اے بادشاہ چرواہے ہیں ۔"

1 ۔ عام اصطلاحات مصر کے تعلق میں عموماً غلط فہمی پیدا کر دیتی ہیں ۔ مصر زیرین سے مراد شمالی مصر، جس میں ڈیلٹا

واقع ہے ۔ مصر بالا سے مراد جنوبی مصر یہ بھی ظاہر ہے کہ مصر زیریں ہی پر چرواہے بادشاہوں کا قبضہ ہوا تھا اور انہی میں کسی ایک فرمانروا کے زمانے میں حضرت یوسفؑ مصر پہنچے تھے ۔

2 ۔ یہودیوں کا بیان ہے کہ "شاہ مصر" نے زبردستی حضرت سارہ کو اپنے تصرف میں لانا چاہا تھا اور بالآخر حضرت سارہ کی کرامت دیکھ کر اور یہ سن کر اس کا شوہر موجود ہے ۔ اپنے ارادے سے باز رہا حضرت حاجرہ ام اسماعیلؑ کو لونڈی بھی یہودیوں کی حاسدانہ جہالت نے بنایا ہے اور افسوس ہے کہ مسلمان بھی غلطی سے اس کا یقین کرتے ہیں ، حالانکہ خود یہودیوں کی تاریخ سے اس کی پوری تردید ہوتی ہے ، کیونکہ [redacted] بادشاہ کی بیٹی تھیں ۔

2۔ کالڈیا کی تہذیب

مصر کے بعد تہذیب و تمدن کا مرکز دجلہ و فرات کا علاقہ یعنی عراق بن جاتا ہے ۔ اس زمانہ میں اس وادی کے شمالی حصہ کو آکاد کہتے تھے ۔ اور اس کا سب سے بڑا شہر بابل تھا اور جنوبی علاقہ کو سمیر کہتے تھے ۔ جس میں "کالڈیا اور ار مشہور شہر تھے ۔ زمانہ جدید کی تحقیق ہے اس زمانہ میں ان علاقوں یعنی اکادی اور کالدی تہذیب کے متعلق حیرت انگیز انکشافات ہوئے ہیں جن سے بڑی مفید تاریخی معلومات حاصل ہوتی ہیں ۔ 3000 ق م سے انکی تہذیب کے عروج کے آثار دکھائی دینے لگتے ہیں ۔ "ار" کا پہلا خاندان قریباً 3100 ق م سے سامنے آتا ہے ۔ اس زمانہ کی قبروں سے مصوری اور مرصع کاری کے عجیب و غریب نوادرات نکلے ہیں ۔ تیسرے خاندان کا بانی ار تمو (نمرود 2278 ق م کے قریب غالباً حضرت ابراہیم کے زمانہ کا نمرود تھا ۔ اس کے بارہویں سن اجلاس میں تمام اہل سمیر نے اس کے بیٹے ڈنگو کو خدا تسلیم کر لیا ۔ اس زمانہ کے بڑے بڑے مندروں کے کھنڈرات زمین کے تہہ خانوں سے برآمد ہوئے ہیں ۔ ان کے مکانات بالعموم دو منزلہ تھے اور ان میں ہر قسم کا سامان ضرورت موجود تھا ۔ جو انکی تہذیب و تمدن کا آئینہ دار ہے ۔ پجاریوں کا اثر و رسوخ وہاں غالب نظر آتا ہے ۔ یعنی مذہبی پیشوا بھی شریک اقتدار تھے ۔ اکادی تہذیب میں بابل کے پہلے خاندان کے چھٹے بادشاہ حمارابی 2123 ق م کے قوانین آج تک مشہور ہیں یہ قوانین مٹی کی تختیوں پر کندہ کئے جاتے تھے ۔ اور یہ تختیاں ہزاروں کی تعداد میں برٹش میوزیم میں جمع ہیں ۔ اس کے قوانین عدل و مساوات پر مبنی دکھائی دیتے ہیں ۔ تہذیب و تمدن کے اس عروج و کمال کے بعد ان میں بھی انحطاط و زوال شروع ہو گیا ۔ شاہی خاندان اور امرائے مملکت عیش و عشرت میں غرق ہو گئے ۔ مندروں کے اندر بھی بد اخلاقی اور فحاشی شروع ہو گئی ۔ ہیرو ڈوٹس کے بیان کے مطابق پانچویں صدی ق م میں بابل میں ہر نوجوان لڑکی کو شادی سے قبل اپنے آپکو مندر کے اندر کسی اجنبی سے ہم آغوش ہونا پڑتا تھا ۔ یعنی مذہبی پیشواؤں اور مندر کے پجاریوں کی بدکاری کی انتہا ہو چکی تھی ۔

چھٹی صدی ق م میں فارس کے مشہور بادشاہ کیخسرو نے اس ملک پر قبضہ کر لیا اور انکی عظیم الشان تہذیب و تمدن کا نام و نشان ان تختیوں کے سوا نہ رہ گیا ۔

1.3 اشوری تہذیب

سمیری اور کالڈی تہذیب کے ساتھ ساتھ انکی ہمسایہ سلطنت " شوریا " تھی۔ تاریخ تہذیب میں اشوری تہذیب بھی ایک نمایاں خصوصیت رکھتی ہے۔ یہ تہذیب اپنی سفاکی بربریت اور ظلم و جبر کے لئے دنیا میں مشہور ہے۔ بابل سے قریباً دو سو میل جانب شمال "اشور" کے شہر میں قریباً 3000 ق م میں اس سلطنت کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ زمانہ عروج میں اس کا دارالسلطنت نینوا تھا۔ لہذا اس کو نینوا کی تہذیب بھی کہتے ہیں۔ سارگوند جس نے یہودیوں کو تباہ و برباد کیا تھا اس سلطنت کا بادشاہ تھا اور اسی قوم نے بابل کی اینٹ سے اینٹ بجائی تھی۔ اس قوم کے قوانین بڑے سخت اور وحشیانہ تھے۔ یہ دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے۔ خصوصاً جنگ اور زراعت کے دیوتاؤں کی۔ ساتویں صدی ق م میں اہل مادیا اور بابل کے ہاتھوں اس عظیم الشان سلطنت کی تباہی ہوئی۔

4. تہذیب فارس

فارس اور مادیا کی الگ الگ سلطنتیں ایک زمانہ سے موجود تھیں۔ لیکن کیخسرو کے زمانہ 528-558 ق م میں یہ دونوں ملک ایک عظیم الشان سلطنت کی شکل میں صفحہ تاریخ پر ابھرے کیخسرو جسے ذوالقرنین بھی کہتے ہیں تاریخ عالم کی ایک عظیم شخصیت ہو گزری ہے۔ اس کے عہد میں فارس کی دولت و سطوت اور حکومت نے تیز رفتاری کے ساتھ عروج حاصل کرنا شروع کیا۔ اس نے اردگرد کے کئی ممالک کو فتح کر کے اپنی سلطنت کو بے انتہا وسعت دی اور دارا کے زمانہ 485-521 ق م میں یہ اپنے انتہائی نقطہ عروج تک جا پہنچی اس کے بعد سکندر اعظم یونانی کے حملہ 333 ق م میں فارس کی ترقی پر ضرب کاری لگی اور رفتہ رفتہ اس میں انحطاط شروع ہو گیا اور زوال کے آخری مقام تک پہنچ گئی اور اس کے ایک سو سال بعد 249 ق م میں پارتھین خاندان نے فارس میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

5. پارتھین تہذیب

پارتھین خاندان کی سلطنت بھی تاریخ میں ایک ممتاز حیثیت کی حامل نظر آتی ہے۔ لیکن سلطنت روما کے ساتھ ان کی مسلسل جنگ و تصادم نے انہیں بہت کمزور کر دیا۔ 212 ء میں اردشیر نے جو کیخسرو کے خاندان سے تھا علم بغاوت بلند کیا اور پارتھین سلطنت کو ختم کر کے فارس میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ جو تاریخ میں ساسانی سلطنت کے نام سے مشہور ہے۔

6۔ اردشیر نے نہ صرف قدیم فارس کی تہذیب و روایات کو زندہ کرنے کی کوشش کی بلکہ مذہب زرتشت کو بھی از سر نو رائج کیا۔ لیکن یہ زرتشتی مذہب اصل زرتشتی مذہب سے مختلف تھا۔ ساسانی خاندان کے زمانہ میں فارس کی سلطنت پھر بڑی وسیع ہو گئی۔ انہوں نے مصر بھی فتح کر لیا۔ قیصر دوم کے زمانہ میں ان کی فتوحات کا سلسلہ یروشلم کی

مقدس دیوراوں تک جا پہنچا ظہور اسلام کے وقت ساسانی خاندان ہی ایران پر حکمران تھا۔ لیکن اس وقت انکی عظمت و شوکت کے محض افسانے ہی باقی رہ گئے تھے۔ قوت کے انحطاط کے ساتھ ہی وہاں کی معاشرت اور تہذیب و تمدن کی حالت بھی انتہائی پستی تک پہنچ چکی تھی۔ 625ء میں ہرقل شاہ روم نے فارس سے فلسطین کو چھین لیا تھا اور ایران کو شکست فاش دی تھی۔ اگرچہ وہاں نام کو مجوسیت رائج تھی مگر یہ مذہب مانی نے مجوسیت اور مسیحیت کی آمیزش سے تیار کیا تھا۔ جس کی بنیاد رہبانیت پر تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خانقاہیں اور آتشکدے بد اخلاقی اور فحش کاری کے مرکز بن چکے تھے۔ عام معاشرتی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔ استبداد کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ اور امراء کی پرستش ہوتی تھی اور ان کے حضورً سجدے کئے جاتے تھے۔ مساوات و حریت کا تصور ہی جرم عظیم تھا۔ توہم پرستی اور جہالت زندگی کے ہر گوشے پر مسلط تھی۔ چھٹی صدی عیسوی میں ایران اور اسکی تہذیب یہ تھی جو کسی وقت دنیا کی عظیم قوت تھی۔

7. تہذیب یونان

اگرچہ دنیا سکندر اعظم کے فارس مصر اور ہندوستان تک کے علاقوں کے فتح کرنے سے ملک یونان سے متعارف ہوئی مگر سکندر کی فتوحات سے بہت قبل اس کا تعارف 2000 ق م سے ہے۔ جب کریٹ کا جزیرہ ایک ممتاز تہذیب کا گہوارہ تھا۔ 1600 ق م کے قریب وہاں کی تہذیب اپنے عروج تک جا پہنچی تھی۔ ٹرائے کا محاصرہ اس زمانہ سے متعلق ہے۔ اس کے بعد یونانی تہذیب کا مرکز ایتھنز قرار پایا۔ جہاں 600 ق م کے قریب سولن جیسے مدبر کی اصلاحات دنیا کے سامنے آتی ہیں۔ یہ تہذیب پانچویں اور چوتھی صدی قبل از مسیح اپنے معراج کمال پر پہنچی۔ جب یونان علم و حکمت اور سیاست و فراست کا گہوارہ قرار پا گیا۔ یہی زمانہ ہے جب یونان میں بڑے بڑے نامور ادیب، مورخ، ڈرامہ نویس اور فن تعمیر کے ماہر پیدا ہوئے علم و حکمت کی درسگاہوں میں سقراط المتوفی 399 ق م افلاطون 347 ق م اور ارسطو المتوفی 324 ق م جیسی شخصتیں نظر آتی ہیں۔ مصر میں سکندر کے سپہ سالار بطلیموس نے ایک نئی یونانی سلطنت کی بنیاد ڈالی جو علم و حکمت کے لحاظ سے ایک دوسرا یونان بن گئی۔ اقلیدس جیسا ریاضی دان اور ارشمیدس جیسا سائنسدان اسی دور کی پیداوار ہیں۔ اسکندریہ کی عظیم لائبریری جو عیسائی احبارو رہبان کے ہاتھوں نذر آتش ہوئی۔ اپنی نظیر آپ تھی۔ لیکن یہ علوم و فنون اور تہذیب و تمدن یونان پہلی صدی قبل مسیح سے پہلے پہلے ہو گزرے۔ 31 ق م میں یونانی علم و حکمت اور ثروت و سطوت کی شمع فروزاں قلو پطرہ کی خود کشی کے ساتھ ہی بجھ گئی اور اس کا ترکہ سلطنت روما کی طرف منتقل ہو گیا۔ لہذا چھٹی صدی عیسوی میں یونان کے فلسفہ و حکمت اور علوم و فنون صرف کتابوں میں تھے۔ عملی دنیا میں یونان قعر گمنامی میں گم ہو چکا تھا۔ مذہب کے معاملہ میں یونان باوجود علم و حکمت میں معراج کمال تک پہنچ چکا تھا۔ بت پرستی اور شرک کے اندھیروں میں گم تھا اور توحید کی روشنی سے محروم۔ پورا یونان ہزاروں دیوی دیوتاؤں کے معبدوں میں پتھروں کے

آگے سجدہ ریز تھا۔ اصنام پرستی کا لازمی نتیجہ توہم پرستی ہے۔ پھر یہی وہ یونان تھا جس کے افلاطون اور زینو نے دنیا کو وہ تصوف دیا جس نے خون رگ کائنات کو منجمد کر کے رکھ دیا۔ اور جس کے فلسفۂ ترک دنیا نے انسانوں کی آباد اور سرگرم عمل، تعمیر و ترقی میں مصروف دنیا کو گوشہ نشین اور خانقاہوں میں بے عملی کی زندگی کے سپرد کر دیا۔ دنیا میں اگرچہ یونان اپنے آئین جمہوریت کے لئے مشہور ہے مگر وہاں غلامی جیسی غیر جمہوری اور غیر انسانی لعنت زندگی کا عام معمول تھی۔ اور ارسطو جیسا مدبر اور مصلح اپنی کتاب "سیاست" میں لکھتا ہے کہ "فطرت کا منشا یہ ہے کہ تمام غیر یونانی یونانیوں کے غلام ہوں۔"

سکندر اعظم یونانی کی زندگی ایک شہاب ثاقب کی طرح تھی۔ وہ اگرچہ ارسطو کا شاگرد تھا مگر اس نے بے پناہ قتل و غارت اور ظلم بھی کیے۔ بطلیموس نے جو سکندریہ کا حکمران تھا مصریوں اور یونانیوں کو ایک مشترکہ مذہب کے رشتے میں مربوط کر کے ایک واحد قوم بنا دیا اور اس طرح عیسائیت کو ترقی و فروغ حاصل ہوا۔

8۔ رومتہ الکبریٰ

1200 ق م میں جب کریٹ کی سلطنت کا شیرازہ بکھرا تو وہاں کی آبادی کا ایک کثیر حصہ اٹلی کی طرف منتقل ہو گیا۔ جہاں پہنچ کر انہوں نے وہاں کے قدیم باشندوں کے ساتھ ملکر ایک جدید سلطنت کی بنیاد ڈالی جو بعد میں ترقی کرتی ہوئی رومتہ الکبریٰ (رومن ایمپائر) کی عالمی طاقت بن کر ابھری۔ وہاں کے قدیم باشندے زراعت پیشہ تھے اور کریٹ کے لوگ ایک عظیم تہذیب کے وارث لہٰذا ان کے میل ملاپ سے دنیا کے تختے پر ایک عظیم الشان قوم کا وجود عمل میں آیا جو صدیوں تک ایک وسیع و عریض علاقہ پر حکومت کرتی رہی۔

ظہور اسلام کے بعد جب مسلمانوں نے تمام جزیرۃ العرب میں اسلام کا نظام نافذ کر دیا تو بیرون عرب سب سے پہلے مسلمانوں کا اس رومتہ الکبریٰ کے ایک ماتحت ملک شام سے واسطہ پڑا جہاں ایک عرب غسانی خاندان حکومت روم کی طرف سے حکمران تھا۔ جنگ موتہ اور غزوہ تبوک قیصر روم کے ماتحت علاقہ شام کے خلاف پہلی مہمات تھیں اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے دور خلافت میں مجاہدین اسلام نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور خالد بن ولید کی قیادت میں اس کو زبردست شکستیں دیں اور پورے شام پر قبضہ کر لیا اور بعد میں حضرت امیر معاویہ نے رومی حکومت کے دارالخلافہ قسطنطنیہ تک یلغار کی۔ اور اس عظیم حکومت کا خاتمہ محمد فاتح ثانی عثمانی نے 1453ء میں کر دیا۔

753 ق م کے قریب روم کا شہر آباد ہوا جو رفتہ رفتہ رومن تہذیب کا مرکز بن گیا۔ اس سلطنت کی شان و شوکت اور قوت و طاقت کا یہ حال تھا کہ اس کے ایک بادشاہ قیصر کے نام پر شہنشاہ کے نام کا اطلاق ہوتا تھا۔ یعنی قیصر کا نام شہنشاہ کے مترادف قرار پا گیا۔ جو 49 ق م میں رومن حکومت کا سربراہ تھا۔ اس قیصر کا جانشین

شہنشاہ آگسٹس تھا جس کے عہد میں یونان کی تہذیب کے بقایا اثرات بھی روم کی طرف منتقل ہو گئے ۔ رومن ایمپائر نے علم و حکمت ، علوم و فنون شعر و ادب ، فنون لطیفہ کے علاوہ معاشرتی ، معاشی علمی اور تمدنی میدان میں بے حد و حساب ترقی کی اور تہذیب و تمدن اور سیاسی قوت اور وسعت کے لحاظ سے ایشیاء یورپ اور شمالی افریقہ کی ایک عظیم الشان حکومت بن گئی ۔ اور سلطنت رومتہ الکبری کا دماغ ایک عالمگیر سلطنت کے زعم میں لپنے آپ کو کرہ ارض کا مالک تصور کرنے لگا ۔

اسی زمانہ میں پولوس (سینٹ پال) کی عیسائیت روم میں پھیلنے لگی اور آہستہ آہستہ اتنی ترقی کر لی کہ 323 ۔ میں شہنشاہ قسطنطین نے اسے سلطنت کا مذہب قرار دے دیا ۔ لیکن در حقیقت رومتہ الکبریٰ کے انحطاط اور زوال کا سبب یہی " مبارک انقلاب " ہوا ۔ اس کی تفصیل گبن کی " تاریخ زوال و سقوط سلطنت روما " کی آٹھ جلدوں میں ملے گی ۔ حقیقت یہ ہے کہ عیسائیت کی وہ تعلیم جس کی اختراع و ترویج سینٹ پال کی مرہون منت ہے ۔ تہذیب و تمدن ، علم و حکمت ، ثروت و سطوت ، شان و شوکت ، معاشرت و عمرانیات ، غرضیکہ انسانیت کے ہر روشن پہلو کے لئے زہر قاتل کا حکم رکھتی تھی اور جس معاشرہ میں یہ تعلیم سرایت کر جائے اس کا زوال لابدی اور موت یقینی ہے ۔ اسی وجہ سے یورپ نے اس مذہب کو گرجا کی چاردیواری کے اندر محدود کر کے زندگی کے معاملات ، سیاست ، معیشت ، اور معاشرت سے خارج کر دیا ۔ اور مذہب کو انسان کا ذاتی معاملہ قرار دے دیا ۔ بحرحال یہ مذہبی انقلاب پہلی صدی عیسوی میں رومن تہذیب و تمدن میں آیا ۔ شہنشاہ قسطنطین روم چھوڑ کر بازنطین کی طرف منتقل ہو گیا اور قسطنطنیہ کو اپنا دارالخلافہ قرار دیدیا ۔ رومن سلطنت کی یہ شاخ دنیا میں بازنطینی حکومت کے نام سے روشناس ہوئی ۔ یہی وہ حکومت تھی جس کا مقابلہ اسلامی انقلاب سے ہوا ۔ اس وقت اس کا بادشاہ ہرقل تھا ۔ رومتہ الکبریٰ اور بازنطینی حکومت کے زوال اور سقوط کے کئی اسباب تھے ۔ مگر سب سے بڑا سبب مذہبی پیشواؤں اور ارباب حکومت کی ہوس اقتدار ، دولت کا لالچ ، عیش و عشرت اور عوام کا استحصال تھا ۔ جو انکی تباہی و بربادی کا باعث بنا ۔ رومن حکومت لوگوں کو لوٹ کھسوٹ کر خواص کو متمول بنانے کا ذریعہ تھی ۔ ان میں عدل و انصاف نہ تھا ایک طرف رعایا کے مصائب روز افزوں تھے اور دوسری طرف ٹیکسوں میں اضافہ اور عوام کا استحصال جاری تھا ۔ اس آمرانہ نظام نے انسانیت کی ترقی و ارتقا انکی خوشحالی اور امن و سکون کے لئے کچھ نہ کیا ۔ لیکن ان سیاسی اور معاشی خرابیوں سے بڑھ کر مذہبی پیشواؤں کا ظلم و ستم تھا جو انہوں نے مذہب کے نام پر جاری کر رکھا تھا ۔ ان میں یونان کی صنم پرستی ، توہمات اور رہبانیت منتقل ہو کر آچکی تھی جب روم میں عیسائیت آئی تو سینٹ پال کے ذریعے یہ تمام مجموعہ خرافات اس مذہب میں شامل ہو گیا ۔ عیسائیت نے اسلام کی طرح بت پرستی کا استیصال نہ کیا بلکہ عیسائیت میں حضرت عیسیٰ کی الوہیت عقیدہ تثلیث ، بت پرستی اور دیگر ایسی رسوم داخل کر دی گئیں جو ابتدا میں عیسائیت میں نہ تھیں ۔ سینٹ پال ایک یہودی تھا اور ابتداء میں عیسائیت کا شدید مخالف بعد میں عیسائیت قبول

کر کے اس کا مبلغ بن گیا اور عیسائی مذہب میں حضرت عیسیٰ کی توحید امن ، سلامتی اور انسانیت کی تعلیم میں بنیادی تبدیلیاں کر کے اس کو جدید مذہب بنا دیا۔ جو آج دنیا میں عموماً جاری ہے۔ اور یہی مسلک اور عقیدہ ان کا مذہب ہے اس وقت عیسائیوں میں فرقہ بندی شدید صورت اختیار کر چکی تھی۔ فروعی مسائل اور اختلافات پر قتل ، غارت کا بازار گرم ہو جاتا تھا۔ پادریوں نے مذہب کے ٹکرے ٹکرے کر رکھے تھے امن و محبت انسانیت اور اتحاد و رواداری مفقود ہو چکی تھی۔ پوپ اور شہنشاہ کی پرتش ہوتی تھی۔ ان تمام مفاسد سے بڑھ کر فتنہ خانقاہیت تھا۔ جس نے ان کے دل و دماغ اور جسمانی قوتوں اور صلاحیتوں کو بے کار کر دیا تھا۔ جاہل اور متعصب راہبوں کے ہجوم ہر شہر اور علاقے میں عام پھیلے ہوئے تھے۔ صرف قسطنطنیہ میں ایک سو سے زائد خانقاہیں تھیں جن میں ہزاروں راہب رہتے تھے۔ چھٹی صدی عیسوی میں یہ سلسلہ رہبانیت اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ ان کی جہالت نے دنیا کی ہر مہذب اور خوبصورت شے کو تباہ و برباد کر دیا اور انسانی زندگی فنون لطیفہ اور تمام مسرتوں سے محروم کر دی گئی۔

گبن اس سلسلہ میں رقمطراز ہے کہ ساتویں صدی کی عیسائیت نہایت محیرالعقول طریق پر عہد تاریک کی یادگار بن کر رہ گئی۔ چھ سو برس تک بائبل ان کے لئے صداقت اور نجات کا ذریعہ بنی رہی۔ لیکن اب عیسائیوں نے بائبل کے قوانین اور حضرت عیسیٰ کے مسلک دونوں کو بری طرح فراموش کر دیا ہے۔" جلد ہشتم صفحہ۔ (287-296)

9. آشور کا شمر نے تقریباً ایک ہزار سال سرحد ہندوستان تک سارے مغربی ایشیا پر حکومت کی تھی۔ نینوا کے بعد بابل پھر ایشیائی تہذیب کا مرکز بن گیا تھا۔ اس نے تمام علوم و فنون کو جو ایک ہزار سال کی ترقی کا حاصل تھا۔ اپنے دامن میں سمیٹ لیا اور سابقہ مذہبوں اور جدید اعتقادات و نظریات کا مرکز بن گیا۔ اشوریوں نے اکادیوں سے نہ صرف ان کا تمدن ، ادب حاصل کیا بلکہ ان کے مذہب سے بھی بہت کچھ حاصل کیا۔ بابل جس کی عظیم شان و شوکت نے نینوا کی خاکستر سے جنم لیا تھا ایک ایسے مذہب کا علمبردار تھا جو اشوری اور کلدانی مذہب کا نچوڑ تھا۔ بنو نصر (بخت نصر) کے عہد حکومت میں بابل کی سلطنت اپنے اوج اقتدار کو پہنچ گئی تھی۔ فلسطین اسکی قلمرو میں آگیا اور اس کے چیدہ چیدہ برگزیدہ لوگ غلام بنا کر بابل میں منتقل کر دیے گئے۔ یہ فاتح (بخت نصر) عرب میں داخل ہو گیا اور وہاں اس نے بنی اسمعیل کو شکست دے کر قریب قریب ختم کر دیا۔ اس نے صوریوں کو بھی زبردست ضرب لگائی اور فراعنہ مصر کا بھی خاتمہ کر دیا۔

یہودی بابل کی قید غلامی سے آزاد ہو کر پھر اپنے وطن فلسطین میں آباد اور خوشحال ہو چکے تھے۔ مگر قیصر ان روم نے انکو غلام بنا کر اور ان کے ہیکل کو مسمار کر کے اور قتل عام کے ذریعے بحیثیت قوم ان کا خاتمہ کر دیا تھا اور عیسائی قسطنطنیہ نے بھی بخت نصر کی طرح یہودیوں پر بے پناہ ظلم کئے اور ان کا کئی بار قتل عام کیا۔

حضرت عیسیٰ غریبوں میں پیدا ہوئے اور ان کا پیغام بھی غریبوں کے لئے تھا۔ انکی تبلیغ صرف دیہات کے مسکین لوگوں یعنی غریب کسانوں، دستکاروں اور ماہی گیروں کے لئے وقف تھی۔ ان کے حواری بھی غریب اور ان پڑھ تھے۔ اور وہ حضرت عیسیٰ کو ایک نیک اور سچا انسان سمجھتے تھے۔ ان کے مجسم خدا یا فرشتہ ہونے کا تصور تو بعد میں سینٹ پال نے عیسائیت میں داخل کیا۔ جب حضرت عیسیٰ نے تبلیغ شروع کی اس وقت روما کی سلطنت نصف سے زیادہ یورپ پر پھیلی ہوئی تھی۔ اور تقریباً سارا شمالی افریقہ اور مغربی ایشیا۔ کا بڑا حصہ اس کے ماتحت تھا۔ تاریخ کے ایک اتفاقیہ حادثے کی بدولت یہ سلطنت حلقہ بگوش عیسائیت ہو گئی اور آج پورا یورپ اور امریکہ عیسائی ہے۔

10. ہندوستان کی تہذیب و تمدن چھٹی صدی عیسوی میں

1۔ آریائی نسل کے لوگ دو ہزار سال قبل از مسیح وسط ایشیاء سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ یہ لوگ ہندوستان کے مقامی باشندوں کی نسبت زیادہ مہذب، طاقت ور، منظم اور ترقی یافتہ تھے۔ جسمانی قوت اور ذہنی صلاحیتوں کی برتری کے باعث بڑی آسانی سے انہوں نے مقامی باشندوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اور سارے ملک میں اقتدار حاصل کر کے یہاں کے اصلی باشندوں کو قتل کر دیا یا دکن کی طرف بھگا دیا اور یا انکو اپنا محکوم اور غلام بنا لیا۔ آریہ خود ہر لحاظ سے برتر و افضل بن گئے اور تمام غیر آریائی قوموں کو شودر کا نام دیکر انہیں ہمیشہ کے لئے ذلیل بنا دیا۔ آریوں نے اپنے نظام حیات کی بنیاد ذات پات کی تفریق و امتیاز پر رکھی۔ ہندوؤں کے ایک مذہبی راہنما منو نے ہندو معاشرہ کو چار طبقوں میں اس طرح تقسیم کیا کہ (1) برہمن جو پرماتما کے منہ سے پیدا ہوئے (2) کشتری جو مہاراج کے بازوؤں سے پیدا ہوئے اور (3) ویش جو بھگوان کی ٹانگوں سے پیدا ہوئے اور (4) شودر یہ ایشور کے پاؤں سے پیدا ہوئے۔ منوجی مہاراج کی اس تقسیم کے مطابق برہمن سب سے اعلیٰ و افضل ذات تھی جن کا کام تعلیم حاصل کرنا اور مذہبی رسومات ادا کرنا۔ کشتری کا فرض حکومت اور فوجی خدمات سرانجام دینا۔ ویش کا کام کھیتی باڑی اور تجارت کرنا اور شودر کا کام ان تینوں ذاتوں یعنی بڑی ذاتوں کے لوگوں کی خدمت کرنا تھا۔ منوجی مہاراج نے ذاتوں اور ورنوں کی تقسیم اور ان کے حقوق و فرائض کے متعلق اپنی مشہور کتاب منو سمرتی میں تمام تفصیلات بیان کر دی تھیں جو آج تک ہندو معاشرہ کے متعلق ایک مستند اور تسلیم شدہ مذہبی کتاب ہے۔ اس تعلیم نے منوسمرتی کے قوانین کے مطابق تقسیم ذات کو تسلیم کر لیا۔ نوع انسانی کی اس تقسیم پر جو بالکل غیر فطری اور غیر انسانی تھی۔ اقوام و افراد میں برتری اور تفوق کا مردہ تخیل پیدا کر دیا۔ حالانکہ شرف خصوصیت عمل پر موقوف ہے۔ نسلی غرور کوئی چیز نہیں بخلاف اس کے اسلام نے اعلان کیا ہے کہ جسمانی و روحانی عروج و کمال عمل پر منحصر ہے۔ نسل کی کوئی حیثیت نہیں عمل میں جو شخص یا جماعت جتنی پاکباز ہے اس کا درجہ بھی اتنا ہی

بلند ہے۔" اللہ کے نزدیک وہی شخص عزت و احترام کے قابل ہے جو متقی و پرہیزگار ہے۔"

بہر حال فطری حقیقت کے خلاف اس تعلیم نے ذات پات کو ہندو مذہب کی بنیاد تسلیم کر لیا۔ اور بنیادی عقیدہ کے طور پر اپنے مذہب میں داخل کر لیا۔ جو اب تک ہندو مذہب و معاشرہ کی بنیاد ہے۔

10. عقیدہ تناسخ

ہندو مذہب کا دوسرا بنیادی عقیدہ مسئلہ تناسخ پر ایمان ہے۔ تناسخ کیا ہے؟ بار بار پیدا ہونے کا عقیدہ۔ کیوں اور کس طرح؟ اپنے کرم یعنی اعمال کے اعتبار سے عذاب کے طور پر مختلف جسموں میں جس میں حیوانات نجس و ناپاک جانور اور غریب و معذور لوگ بھی۔ مرنے کے بعد ہر انسان کی روح، آتما جنم لیتی ہے۔ عذاب اور ثواب کے بارے میں یہ انکی بنیادی اینٹ ہے۔ کرم اچھے ہوتے ہیں تو کسی اچھے جنم کے لئے اچھا جانور منتخب ہوتا ہے۔ کسی امیر گھرانے میں یا کسی شودر کے گھر میں اپنے اعمال کے مطابق دوبارہ جنم لیتا ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ یہ خدائی اصول ہے اور فطرت نے اس پر مہر لگا دی ہے۔ ہندوؤں کے یہ دونوں اصول ذات پات کی تقسیم اور عقیدہ تناسخ ناقابل فہم اور ناقابل تسلیم ہیں۔ کسی حقیقی و منصفانہ مذہب کی بنیاد انسان دشمن اصولوں پر نہیں ہو سکتی اور نا ہی فطرت و انسانیت انکو تسلیم کر سکتی ہے اور نا ہی خالق کائنات ایسی ناانصافی اور ظلم کی اجازت دے سکتا ہے۔ یہ خود غرض انسانوں کا خود ساختہ مذہب اور عقیدہ ہے۔ ہندو مذہب نے مدت مدید سے ایک طبقہ انسانی کو ان کے انسانی حقوق سے محروم کر کے انکو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ اگر ہندوستان میں ہندو معاشرہ سے ذات پات کی اونچ نیچ کا یہ انسانیت سوز عقیدہ و رواج ختم ہو گیا تو یہ تاریخ انسانیت کا شاندار انقلاب ہوگا۔ اور اس سے ہندوستان کے پس ماندہ اور محروم الحقوق انسانوں کے پاؤں سے غلامی و پستی کی یہ بوجھل زنجیریں کٹ جائیں گی۔

افسوس کے مسلمانوں نے ہندوستان پر اپنے آٹھ سو سالہ دور حکومت میں ہندوستان کے شودر اور پسماندہ طبقوں کو انسانیت کے نام پر بھی اس ذلت آمیز زندگی سے آزاد کرانے کی کوشش نہ کی اگر ان مظلوم طبقوں کو اسلام کی حیات افروز دعوت دی جاتی جسکی بنیاد ہی انسانی مساوات اور اخوت اسلامی پر ہے تو یہ تمام آبادی بخوشی حلقہ بگوش اسلام ہو جاتی ہے۔ ان غریب پس ماندہ لوگوں کے مسلمان ہو جانے سے ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہوتی اس سے نہ صرف مسلمانوں کی حکومت کو زوال نہ آتا بلکہ انگریز بھی ہندوستان پر قابض نہ ہوتے اور پاکستان بنانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ کیونکہ پورا ہندوستان مسلم اکثریت کا ملک ہوتا۔ مگر مسلمان حکمران اور علماء کرام نے ان میں دعوت و تبلیغ اسلام کی بھرپور منظم اور نتیجہ خیز جدوجہد نہ کی۔

اس ہندو معاشرہ میں شودروں کا وجود بجائے خود ایک کھلی ہوئی غلامی کی شکل تھی۔ لیکن ان کے علاوہ مستقل غلامی کا رواج بھی کچھ کم نہ تھا۔ چنانچہ امیر آدمی کی جائداد اور املاک میں غلام سب سے زیادہ قیمتی متاع

تصور کیے جاتے تھے ۔ غلاموں کی خرید و فروخت اسی طرح ہوتی تھی جس طرح ازمنہ قدیمہ میں دیگر ممالک میں ۔
معاشی نظام یکسر سرمایہ دارانہ تھا اور سود کا کاروبار عام تھا ۔ شراب نوشی اور جوا بازی بکثرت تھی ۔ مندروں اور دیگر مقدس مقامات پر جن انسانیت سوز حرکات کا ارتکاب ہوتا تھا ۔ اس کے بیان سے حیا کانپتی ہے اور ان کی تفصیلات بیان کرنے کی جرآت نہیں ۔ اس سلسہ میں سوامی دیانند کی سیتارتھ پرکاش کا گیارھواں باب دیکھ لیجئے ۔
بہر حال یہ تھی چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان کی تہذیب کی عمومی حالت ۔

آریوں کے ہندوستان پر غلبہ و تسلط اور ذات پات کے غیر انسانی اور غیر فطری نظام معاشرت کے مدتوں بعد پانچ سو قبل مسیح میں مہاتما بدھ پیدا ہوئے ۔ انہوں نے برہمنی مذہب پر ضرب کاری لگائی اور اس غیر فطری فرسودہ نظام زندگی میں دور رس اہم بنیادی تبدیلیاں کیں ۔ انہوں نے ذات پات کی اونچ نیچ کے خلاف آواز اٹھائی اور مساوات انسانی کا سبق دیا ۔ انہوں نے پنڈتوں اور برہمنوں کے ظلم و ستم اور مذہبی رسومات پر قبضہ کو ختم کر دیا ۔ اور اعلان کر دیا ہر شخص مذہبی رسوم ادا کر سکتا ہے ۔ اس میں برہمنوں کی کوئی ضرورت نہیں ۔ بدھ مت نے ذات پات کی تمیز باطل قرار دے دی ۔ انسان کی نجات کے لئے رنگ و نسل اور ذات پات کی جو پابندیاں ہندو مذہب نے لگا رکھی تھیں مہاتما بدھ نے اسے غلط قرار دیا ۔ اور محض ذاتی اعمال کو نجات کا ذریعہ قرار دیا ۔

مہاتما بدھ کی تعلیم عالمگیر پیمانے پر نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر ممالک میں بھی پھیل گئی ۔ چنانچہ براہمنوں کا بنایا ہوا مذہبی نظام ناکام ہو گیا اور انکی بجائے مہاتما بدھ کا لایا ہوا انقلابی نظام پھیلتا چلا گیا ۔ چنانچہ چندر گپت اور مہاراجہ اشوک کے دور اقتدار میں یہ مذہب ہندوستان کا سب سے بڑا مذہب بن گیا ۔ مہاتما بدھ کے بعد ہندوستان میں ایک اور مصلح اور عظیم انسان مہاتما مہابیر (جین مت کا بانی) پیدا ہوا ۔ انکی تعلیم بھی برہمنوں اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف تھی وہ بھی ذات پات اور بت پرستی کے خلاف تھے ۔

آریوں کا مذہب بت پرستی اور مظاہر پرستی تھا اور وہ دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے ۔ ان میں ذات پات کی غیر انسانی اور غیر اخلاقی تفریق و تمیز انتہا تک پہنچی ہوئی تھی جو اب تک ہے ۔ یہ لوگ مسئلہ تناسخ پر ایمان رکھتے تھے اور نجات کا ذریعہ رہبانیت اور ترک دنیا تصور کرتے تھے ۔ جب چین میں کنفیوشش کا زمانہ تھا تو ہندوستان میں مہاتما بدھ مساوات انسانی ، ذات پات کی مخالفت اور خدا پرستی و نیک اعمال کا درس دے رہے تھے آنحضرتؐ کے عہد میں ہندوستان کے شمال میں مہاراجہ ہرش 606-648 تک حکومت کرتا رہا ۔ یہ بدھ مت کا پیروکار تھا ۔ اور اس نے ہندوؤں کے برہمن مذہب کو ختم کرنے کی بہت کوشش کی ۔ اس میں مہاراجہ اشوک اور ہرش کے زمانہ میں کامیابی بھی حاصل ہوئی ۔ مگر کچھ عرصہ بعد برہمنی مذہب نے دوبارہ تسلط حاصل کر لیا ۔ اور بدھ مت کو ہندوستان سے قریباً ملک بدر کر دیا ۔ اس وقت اگرچہ چین جاپان لنکا برما تبت وغیرہ کئی ممالک کا مذہب بدھ مت ہے ۔ مگر ہندوستان میں یہ قریباً ختم ہو چکا ہے ۔ الغرض حضورؐ کے عہد نبوت میں ہندوستان میں بھی ذات

پات ، نسل و قبیلہ کے امتیازات ، بت ، پرستی ، مسئلہ تناسخ اور دیگر جہالت توہم پرستی کے رسم و رواج تھے اور یہ ملک بھی توحید اور انسانیت کی روشنی سے محروم تھا۔

11. چین کے حالات

چین قدیم زمانہ سے ہی تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ اس پر کئی خاندانوں نے یکے بعد دیگرے حکومتیں کیں اور چین کو علوم و فنون ، علم و حکمت اور تہذیب و تمدن کے اوج کمال تک پہنچا دیا۔ لیکن اس نے سب سے زیادہ ترقی اور اپنی صلاحیتیوں کا مظاہرہ اپنے مصلح یا پیغمبر حضرت کنفیوشس کے زمانہ 551 تا 479 ق م میں کیا کنفیوشش کے بعد وہاں کی تہذیب اور مذہب زوال پذیر ہو گیا اور وہاں پر ہندوستان کے مہاتما بدھ کا مذہب پھیل گیا۔ اور آج تک چین کے لوگوں کی اکثریت بدھ مذہب کے ماننے والوں کی ہے۔

آخر یہ ترقی یافتہ ملک غیر ملکی حملہ آوروں کی آماجگاہ بن گیا اور عرصہ دراز کے بعد خاندان سوئی نے 589 تا 618 تک ملک میں ایک منظم اور مضبوط حکومت قائم کی مگر ہجرت نبوی کے پانچ سال قبل اس حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

الغرض آنحضرتؐ کے دور نبوت میں حضرت کنفیوشش کا چین بھی امن و سلامتی ، تہذیب و تمدن اور مذہب حقہ کی روشنی سے محروم ہو چکا تھا اور دنیا کے دیگر حصوں کی طرح یہاں بھی جہالت اور بت پرستی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور توحید کے نور سے محروم تھا۔

ساتویں صدی عیسوی میں عرب کے حالات

آنحضرت کی ذات اقدس مکمل تاریخ کی آئینہ دار ہے۔اس عہد کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی حالات و واقعات کا جائزہ لینا ضروری ہے جس عہد میں آپؐ مبعوث ہوئے۔571ء میں آپ دنیا میں تشریف لائے اور 610ء میں آپ نے اعلان نبوت فرمایااور اس کے 23 سال بعد 63 سال کی عمر میں 632ء میں وصال فرماگئے۔

قرآن حکیم کہتا ہے کہ اس زمانہ میں ہر جگہ یعنی بحروبر میں فتنہ وفساد برپا تھا۔اس وقت تمام مذاہب جن کی بنیاد عقیدہ توحید پر تھی اب ان میں شرک، شخصیت پرستی، مظاہر قدرت چاند سورج اور ستاروں وغیرہ کی پرستش، قبر پرستی بت پرستی۔آتش پرستی وغیرہ یعنی غیراللہ کی عبادت اور پرستش ہوتی تھی۔الہامی کتابوں میں مذہبی پیشواؤں نے تحریف کر کے اپنے نظریات اور مفاد کے مطابق تبدیلیاں کر کے حلال وحرام اور خیروشر میں تمیز ختم کر کے علم و حکمت اور انسانیت کی بجائے جہالت توہمات اور مشرکانہ رسم ورواج اور اندھی تقلید کو مذہب کا نام دے رکھا تھا اور غور و فکر کی صلاحیتیں ختم کر کے اپنی ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا تھا۔جس کی وجہ سے عوام خالص توحید الہٰی اور عبودیت کو چھوڑ کر اپنے مقام انسانیت اور مقصد حیات کو بھول چکے تھے۔مذہبی پیشوا ریاکاری اور فریب دہی کے طریقوں سے مذہب کے نام پر عوام کا استحصال کر رہے تھے اور انکو گمراہی اور شرک کی تاریکی اور جہالت سے اپنا ذہنی طور پر غلام بنا رکھا تھا۔

عرب میں اگرچہ کوئی مرکزی حکومت نہ تھی بلکہ قبائلی نظام تھا اور ہر قبیلہ آزاد تھا۔مگر قریش مکہ کو کعبۃ اللہ کے متولی ہونے کی وجہ سے مذہبی سیادت طاقتور بڑا قبیلہ ہونے کی وجہ سے سیاسی قیادت اور سرمایہ دار تاجر ہونے کی وجہ سے معاشی خوشحالی حاصل تھی اس لئے وہ نسلی تفاخر کے غیر انسانی اور غیر اخلاقی زعم میں مبتلا تھے۔یہود اور قریش وغیرہ کی معیشت کا انحصار سودخوری، تجارت، اجارہ داری اور استحصال پر تھا۔عوام معاشی غلامی، افلاس اور تنگ دستی میں مبتلا اور معاشی حقوق سے محروم تھے۔

اس دور میں عوام شرک، بت پرستی اور مذہبی پیشواؤں کی ذہنی غلامی کی وجہ سے توحید اور علم و حکمت کی روشنی سے محروم تھے۔معاشی نظام کی ان بنیادی خرابیوں کی وجہ سے لوٹ مار، غارتگری اور راہزنی عام ہو گئی تھی۔معاشرتی زندگی میں حرام وحلال اور نیکی وبدی میں کوئی تمیز نہ رہ گئی تھی۔کوئی شرم وحیا اور ضابطہ اخلاق نہ تھا۔ان کے ہاں لڑکی

پیدا ہونا باعث شرم وعار سمجھا جاتا تھا۔ غلامی کا عام رواج تھا اور انکی زندگی حیوانوں سے بدتر تھی۔ عورت کے کوئی حقوق نہ تھے اور اس معاشرہ میں ان کا کوئی مقام نہ تھا۔ احترام آدمیت کا معیار اخلاق وانسانیت کی بجائے دولت اور اقتدار پر تھا نمود ونمائش، رقص وسرود، شراب نوشی اور قمار بازی انکی ثقافتی زندگی کے اہم عناصر تھے۔

آپؐ کی بعثت کے وقت یعنی 610 ء میں دنیا دو ترقی یافتہ سپر پاورز یعنی قیصر روم جس کا دارالخلافہ قسطنطنیہ اور کسریٰ ایران جس کا دارالخلافہ مدائن تھا میں تقسیم ہو چکی تھی۔ مصر، شام حبشہ، اور فلسطین پر قیصر کا قبضہ تھا اور کسریٰ عراق، یمن اور بہت سے مشرقی ممالک پر حکمران تھا۔ ان دونوں کے درمیان شدید سیاسی رقابت اور عداوت تھی۔ ان دونوں سپر پاورز کے درمیان کمزور اور چھوٹے ممالک کو غلام بنانے یعنی سامراجی مقاصد کے لئے اکثر جنگ وجدال کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ مگر اندر سے یہ دونوں حکومتیں کھوکھلی اور کمزور ہو چکی تھیں۔ کیونکہ ان کے محکوم عوام ہر قسم کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور انسانی حقوق سے محروم تھے اور انکی حالت غلاموں سے بدتر ہو چکی تھی۔

اسلامی انقلاب جو ساتویں صدی عیسوی میں آنحضرتؐ کے ذریعے دنیا میں آیا وہ کوئی معمولی انقلاب نہ تھا بلکہ ساری دنیا کی طاغوتی قوتوں کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ اس فقید المثال انقلاب نے تاریخ عالم اور نوع انسان کی تقدیر کو بدل دیا۔ یہ ہر قسم کے جبر واستبداد، ملوکیت وآمریت مذہبی پیشواؤں کی ذہنی غلامی اور مفاد پرستی معاشرتی برائیوں، نسلی تفاخر اور ظلم ونا انصافی کے خلاف مسلسل جہاد کا پیغام خداوندی تھا۔ انسان کو انسان کی غلامی اور غیر اللہ کی عبودیت سے نجات دلا کر احترام آدمیت اور اشرف المخلوقات کے منصب جلیلہ پر سرفراز کرنے کی نوید مسرت اور عالمگیر مساوات واخوت انسانی کا درس حیات تھا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے عدیم النظیر انقلاب کے لئے مشیت ایزدی نے جزیرہ نمائے عرب اور مکہ کی سرزمین کو کیوں منتخب کیا۔ ہمارے خیال میں اس کے مندرجہ ذیل وجوہات ہو سکتے ہیں۔

1۔ نجد وحجاز کا عرب نہ کبھی کسی کا محکوم ہوا اور نا ہی اس نے کبھی کسی دوسری قوم یا ملک کو غلام بنایا۔ بلکہ خود اپنے ملک میں بھی کبھی ایک مرکزی حکومت قائم نہیں کی۔ ہمسایہ ممالک ایران، رومتہ الکبریٰ اور یمن کی حمیری اور حبشی حکومتوں نے کئی بار اس وسیع وعریض صحرا پر قبضہ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ہمیشہ ناکام رہے۔ حضورؐ اقدس کی پیدائش سے پچپن روز قبل ابراہہ حاکم یمن نے انہدام کعبہ کی ناکام کوشش کی۔ الغرض ابتدائے آفرینش سے ہی خطہ عرب سیاسی طور پر آزاد چلا آیا تھا۔ مذہبی لحاظ سے بھی اگرچہ یہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے توحید کے دین کو چھوڑ کر بت پرست بن چکے تھے۔ مگر یہ شرک اور بت پرستی بھی انکی فطری آزادی طبع پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی۔ وہ انکی پرستش ضرور کرتے تھے مگر اپنے معبودوں کے محکوم نہ تھے۔ بلکہ انکو اپنی مقصد براری کے لئے استعمال کرتے تھے۔

2۔ وہ چونکہ تعلیم سے بے بہرہ تھے اور اپنے ملک سے عموماً باہر نہیں جاتے تھے اس لئے ان پر ہمسایہ ممالک کی

تہذیب و تمدن اور ان کے مذہبی افکار و خیالات کا کوئی اثر نہ تھا۔ وہ سیدھے سادھے عملی انسان تھے۔ ان کی زندگی تکلفات اور تصنع و بناوٹ سے پاک تھی۔ سارے ملک میں چند شہر مکہ، طائف، یثرب اور خیبر وغیرہ تھے۔ باقی تمام لوگ صحراؤں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا بڑا پیشہ بھیڑ بکری اور اونٹ پالنا تھا۔ جہاں کوئی نخلستان یا چشمہ مل گیا وہاں ڈیرہ ڈال دیا اور جب چاہا اس کو چھوڑ کر پانی اور چارے کی تلاش میں دوسری جگہ چلے گئے یعنی وہ خانہ بدوش بدو تھے اور کسی جگہ ان کا مستقل قیام نہ تھا۔ فطرت کے اس سیدھے سادھے اور سادہ ماحول نے انکو اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا۔ صحرا کی وسعت سے ان کی نگاہوں میں کشادگی اور سینوں میں فراخی پیدا ہو گئی تھی۔ صحرا میں ان کو سب کچھ قدرت کی طرف سے مفت ملتا تھا اس لئے وہ دل کے سخی اور مہمان نواز تھے۔ ان حالات کی وجہ سے ان کے دلوں میں صحرا کی وسعت خیالات و احساسات میں چشموں کی سی پاکیزگی اور صفائی اور عزائم و ارادوں میں پہاڑوں کی سی بلندی اور مضبوطی اور ان کے چہروں پر چاند ستاروں کی سی چمک دمک اور سکون و اطمینان تھا۔

3۔ عربوں کی مہمان نوازی بے مثال تھی۔ ایفائے عہد کا یہ حال کہ جان و مال کی ہر قربانی دے کر بھی اپنے عہد و پیمان کو پورا کرتے تھے۔ احسان شناس ایسے کہ جب تک اپنے محسن کا بدلہ نہ چکالیں چین سے نہ بیٹھتے۔ شجاعت و بہادری کا یہ حال کہ میدان جنگ ان کے لئے کھیل کا میدان تھا اور بستر پر مرنا اپنی توہین خیال کرتے تھے۔ احساس برتری کا جذبہ عربوں کی تمام معاشرتی زندگی پر پوری طرح چھایا ہوا تھا انہیں اپنی فصاحت و بلاغت پر اس قدر ناز تھا کہ وہ ہر غیر عرب کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے۔ جس کی وجہ سے نسلی اور قبائلی تفاخر انتہائی شدت اختیار کر چکا تھا۔ یہ نسلی و نسبی تفاخر اس قدر محکم و مضبوط ہو چکا تھا کہ اس سے انکی قومی و ملکی وحدت پارہ پارہ ہو چکی تھی اور پوری قوم شعوب و قبائل میں تقسیم ہو چکی تھی اور عصبیت جاہلیہ اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

4۔ عربوں کا جذبہ انتقام جسے وہ ثار کا قانون کہتے تھے انتہائی شدید تھا۔ وہ جب تک دشمن سے انتقام نہ لے لیتے چین سے نہ بیٹھتے تھے اسی وجہ سے ان میں انتقام در انتقام کا چکر صدیوں جاری رہتا اور عربوں میں باہمی قتل و غارت کا سب سے بڑا سبب یہی انتقام یعنی ثار کا اصول تھا۔

5۔ اس زمانہ میں پوری عرب قوم اخلاقی جرائم اور معاشرتی برائیوں میں مبتلا تھی۔ شراب خوری، قمار بازی، زنا کاری، رہزنی، لوٹ مار، قتل و غارت وغیرہ انسانیت سوز سرگرمیوں میں ملوث تھی۔ اور کسی قسم کی اخلاقی تعمیری اور انسانی اقدار کا ان میں نام و نشان نہ تھا۔ ہر طرف فتنہ و فساد تھا اور کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ تھی۔ خصوصاً عورتوں اور غلاموں کی حالت حیوانوں سے بدتر تھی۔

الغرض آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت عربوں کے خصائل مثلاً غیرت و حمیت، جرأت و شجاعت، ایفائے عہد و پیمان، مہمان نوازی، نسلی و قبائلی تفاخر، عصبیت جاہلیہ انتقام و ثار کا جذبہ، معاشرتی برائیاں، تخریبی عادات، اور خداداد مضمر صلاحیتیں بھی موجود تھیں۔ اور آزادی خودسری اور انا و وقار کا بے پناہ جذبہ پایا جاتا تھا۔

اکثر غیر مسلم مستشرقین کا یہ خیال ہے کہ عربوں کے محیرالعقول انقلاب کی وجہ یعنی راز یہ ہے کہ عربوں میں خصائل، صفات، ذاتی جوہر اور مضمر صلاحیتیں موجود تھیں۔ انکی جغرافیائی پوزیشن طبعی افتاد اور جسمانی و ذہنی قوتیں بھی ان میں موجود تھیں جو اسلام سے قبل وہ آپس میں جنگ و جدل اور نسلی تفاخر کی وجہ سے خود ان کے خلاف استعمال ہوتی تھیں یعنی ان میں اتحاد و اتفاق اور کوئی نظم و ضبط قائم نہ تھا اور ہمیشہ باہم برسرپیکار رہنے کی وجہ سے یہ تمام خصائل اور صلاحیتیں ضائع ہو جاتی تھیں۔ آنحضرتؐ کا عظیم کارنامہ یہ تھا کہ آپؐ نے ان کی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو متحد کر کے ایک محاذ پر مرکوز کر کے ان کی مجموعی طاقت کا رخ اپنوں کی بجائے غیروں کی طرف پھیر دیا اور اپنی بے مثال ولولہ انگیز قیادت کے تحت تاریخ عالم کا یہ عدیم المثال انقلاب پیدا کر دیا۔

مذکورہ قسم کے مورخین کو یہ حقیقت معلوم نہیں کہ آنحضرتؐ کا پیدا کردہ انقلاب کوئی قومی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی انقلاب نہیں تھا بلکہ یہ ایک ہمہ گیر اور عالمگیر نظریاتی اور آفاقی انقلاب تھا جو زمان و مکان کی حدود و قیود سے آزاد تمام نوع انسان کے لئے قیامت تک قائم و دائم نتائج و نظریات کا حامل انقلاب تھا۔ یہ اسلامی انقلاب خدائی انقلاب تھا جس کا منشور و آئین قرآن حکیم ہے۔ یہ انقلاب مشیت ایزدی کے پروگرام کے تحت عمل میں آیا تھا۔ کیونکہ خالق کائنات نے اب انبیائے کرام کے سلسلہ رشد و ہدایت کو ختم کر کے اپنے آخری نبیؐ کو قیامت تک کے لئے تمام نوع انسان کی ہدایت اور آپ کی معرفت اپنے قوانین، احکام اور ہدایات کی آخری کتاب نازل کر کے نوع انسان کو ان کے مطابق اپنی انفرادی اجتماعی اور قومی زندگیوں کو امن و سلامتی آرام و سکون، مساوات و اخوت، عدل و انصاف، محبت و رواداری، عالمگیر انسانی برادری حریت و آزادی اور اخلاق و انسانیت کے حیات افروز اصولوں کے مطابق بسر کر کے سعادت دارین حاصل کرنی تھی۔

آنحضرتؐ کا ظہور ایسے غیر انسانی، غیر اخلاقی، اور غیر فطری دور میں ہوا اور آپؐ کا عظیم کارنامہ اور انقلاب یہ تھا کہ آپ نے انسان کو اندر سے بدل دیا۔ پوری کی پوری انسانیت کو تبدیل کر دیا انسان کو اللہ کا بندہ، خالق حقیقی کا پرستار، نوع انسانی کا دوست اور خدمت گار بنا دیا۔ آپؐ کی دعوت نے پورے کے پورے معاشرے کو اندر سے بدل دیا اور اللہ کا ایک ہی رنگ مسجد سے لے کر بازار تک مدرسہ لے کر عدالت تک اور گھروں سے لیکر میدان جنگ تک چھا گیا۔ ذہن بدل گئے، خیالات کی رو بدل گئی، نگاہ کا زاویہ بدل گیا، عادات و اطوار بدل گئے، رسوم و رواج بدل گئے، حقوق و فرائض کی تقسیمیں بدل گئیں۔ خیر و شر کے معیارات اور حلال و حرام کے پیمانے بدل گئے۔ اخلاقی قدریں بدل گئیں۔ دستور و قانون بدل گیا۔ جنگ و صلح کے اسالیب بدل گئے۔ معیشت اور ازدواج کے طور بدل گئے اور تمدن کے ایک ایک ادارے اور ایک ایک شعبے کی کایا پلٹ گئی۔ اس پوری کی پوری تبدیلی میں جس کا دائرہ ہمہ گیر تھا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک خیر و فلاح کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ ہر طرف بناؤ ہی بناؤ، تعمیر ہی تعمیر اور ارتقاء ہی ارتقا تھا۔ درحقیقت محسن انسانیت کے ہاتھوں انسانی، زندگی کو نشاۃ

ثانیہ حاصل ہوئی اور حضورؑ نے ایک نظام حق کی صبح درخشاں سے مطلع تہذیب کو روشن کر کے بین الاقوامی دور تاریخ کا افتتاح فرمایا۔ یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کی مثال کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔ خصوصاً ایسے حالات میں جب پوری انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہیں دور وحشت تھا اور کہیں شرک و بت پرستی۔ مصر، ہندوستان بابل نینوا، یونان اور چین میں قدیم تہذیبیں اپنی شمعیں گل کر چکی تھیں۔

مقام دعوت کے لحاظ سے عرب اور پھر اس میں مکہ تمام دنیا میں جو اس وقت مہذب اور ترقی یافتہ تھی ایک مرکزی حیثیت کا حامل تھا۔ کیونکہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے درمیان میں واقع اور ایشیا میں ہوتے ہوئے بھی افریقہ اور یورپ کے درمیان میں واقع تھا۔ خصوصاً ایران، رومتہ الکبریٰ، اور حبشہ کے ساتھ جزیرہ نمائے عرب کا سیاسی، تجارتی اور تہذیبی تعلق تھا۔ عرب کے مشرقی حصہ پر ایران کا قبضہ تھا۔ جنوب مغربی حصہ پر حبشہ تھا اور شمال مشرق اور مغربی حصہ پر روم کا قبضہ تھا۔ شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب کی طرف جانے والے تجارتی قافلے عرب سے ہو کر گزرتے تھے اور تمام ترقی یافتہ ممالک ہندوستان، ایران، مصر اور یورپ کی بیرونی تجارت عرب کے واسطہ سے ہوتی تھی۔ عمان، یمن، صنعا، مکہ، طائف جدہ، ینبوع، یثرب، اور دومتہ الجندل ان تجارتی راستوں پر واقع تھے۔ جو یمن، ایران، شام عراق اور حبشہ و مصر کے درمیان تجارت کرتے تھے اور ان کا تعلق ہندوستان، چین ایران، عراق، مصر، شام، حبشہ اور روم سے تھا۔ لہذا اگر عرب میں تمام نوع انسانی کی ہدایت اور راہنمائی اور انسانیت کی اصلاح و فلاح کے لئے کوئی تحریک شروع ہو تو اس کی کامیابی کے بہت زیادہ روشن امکانات تھے۔

تاریخی موقعہ

عرب کا یہ انسانی مواد ہر لحاظ سے ترقی اور ارتقاء کی منازل طے کرنے کے قابل اور اہل تھا۔ یہ بھی ایک قانون فطرت ہے کہ جب ترقی یافتہ متمدن قوموں اور ملکوں میں ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے زوال آجائے تو کسی نئی بدوی اور پس ماندہ قوم کو روبہ ترقی کر کے میدان عمل میں لایا جائے۔ جیسے رومی سلطنت کے مقابلہ پر وحشی جرمن، فرعون، کے مقابلہ پر بنی اسرائیل اور وسط ایشیاء کے آریوں اور ترکوں اور منگولوں کو میدان عمل میں لا کر متمدن قوموں اور حکومتوں کا تختہ الٹ دیا گیا اور گمنام اور پس ماندہ قوموں کو عروج و کمال تک پہنچایا گیا۔ یہی قانون قدرت اب عرب میں دہرایا جانے والا تھا اور عرب قوم کو اس ہمہ گیر انسانی انقلاب برپا کرنے کے لئے تیار کیا گیا۔

مشیت ایزدی نے انسانیت کو صراط مستقیم پر لانے اور انکی تعمیر و اصلاح اور ترقی و عروج کے لئے آنحضرتؐ کو انسانی انقلاب برپا کرنے کے لئے بہترین زمانہ، بہترین مقام یعنی مکہ اور بہترین قوم عرب، بہترین حالات زمانہ یعنی تاریخی و جغرافیائی و انسانی عوامل ایسے انقلاب کے لئے نہایت موزوں اور مناسب تھے۔

تاریخ یعنی زمانہ ایسا تھا کہ قبائلی دور ختم ہو چکا تھا اور بین الاقوامی دور شروع ہو رہا تھا۔ دور قدیم قریب

الاختتام اور دور جدید کا آغاز ہو رہا تھا اب علم و حکمت اور فلسفہ و سائنس کا دور شروع ہونے والا تھا۔ آپ کا زمانہ دو تاریخی دوروں کے درمیان حد فاصل تھا۔ لہذا عالمگیر انسانیت کے روشن اور ترقی و عروج کے دور کا افتتاح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری اور عظیم الشان نبی کو اپنی بہترین اور بے مثل شریعت، ضابطہ حیات اور قوانین و احکام کا آئین و دستور قرآن حکیم کی صورت میں نوع انسانی کو ودیعت کرنے کا تاریخ ساز فیصلہ کر لیا تھا تاکہ توحید الہیٰ اور عدل و مساوات پر مبنی انسان دوست اور حیات افروز معاشرہ کی تشکیل عمل میں لائی جائے۔

جناب رسول اللہ کی تاریخ کے ماخذ

عرب کا ملک اسلام سے پہلے نہ صرف بیرونی دنیا سے الگ تھلگ تھا بلکہ اندرونی تحریکات کے لحاظ سے بھی خالی تھا اس کی تاریخ کے ماخذ حسب ذیل ہیں:

1۔ روم اور فارس کی سلطنتیں جن کی حدود عرب سے ملتی تھیں ان حکومتوں کی تاریخ میں کہیں کہیں عرب کا ذکر بھی آجاتا ہے۔

2۔ یہود و نصاریٰ کی تاریخ اور روایات میں بھی عرب کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہو جاتی ہیں خصوصاً تورات اور انجیل میں

3۔ اگرچہ عرب میں فن تحریر و تصنیف کا رواج نہیں تھا لیکن زبانی روایات کو سینہ بہ سینہ محفوظ رکھنے کی طرف عام توجہ تھی اور اس مقصد کے لئے عربوں کا حافظہ اس قدر تیز تھا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان میں ایک خاص طبقہ ایسے لوگوں کا تھا جو اپنی روایات کو پوری صحت کے ساتھ یاد رکھتا تھا۔ اس فن کو عربوں میں علم انساب یعنی نسب ناموں کا علم کہتے تھے۔ ہر قبیلے کی تاریخ اس کے راویوں کے سینوں میں محفوظ رہتی تھی۔

4۔ قدیم عرب کی تاریخ ان اشعار سے بھی معلوم ہو جاتی ہے جو قبل از اسلام شاعروں نے کہے تھے اس زمانے میں عربوں میں شعر کا فن اپنے کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ زمانہ جاہلیت کے شعراء میں امراؤالقیس۔ نابغہ، ذبیانی، عنترہ، علقمہ، عسی، عمرو بن کلثوم، امیہ بن ابی سالک، کعب بن زہیر اور حسان بن ثابت خاص شہرت رکھتے ہیں۔

اسلام کی آمد سے عربوں کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ آنحضرتؐ کی سیرت و تاریخ اور آغاز اسلام کی تاریخ کے متعلق اس قدر مضبوط تاریخی مواد موجود ہے کہ یقیناً اس سے بڑھ کر آج تک کسی مذہب اور کسی بانی مذہب کو نصیب نہیں ہوا۔ یہ مواد متعدد صورتوں میں پایا جاتا ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1۔ قرآن حکیم

2۔ کتب احادیث

3۔ کتب مغازی و سیرت

4۔ کتب تاریخ

5۔ کتب تفاسیر

1۔ قرآن حکیم ۔اسلامی تاریخ کا مضبوط قلعہ قرآن حکیم ہے مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق قرآن حکیم بذریعہ وحی آنحضرتؐ پر 23 سال کی مدت میں نازل ہوا۔ یعنی اس مذہب کی ابتداء بھی قرآن سے شروع ہوئی اور انتہا بھی آپ کی وفات کے بالکل قریب ہوئی آنحضرتؐ کا یہ طریق تھا کہ جو آیت نازل ہوتی فوراً اس کو لکھوا لیتے اور یاد کرا دیتے اور ترتیب بھی خود ہی مقرر فرماتے جاتے تھے جن صحابہ کرام سے کاتب وحی کا کام لیا جاتا تھا ان کے نام اور حالات تفصیل کے ساتھ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ان میں زیادہ معروف صحابہ یہ تھے۔

1۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ

2۔ حضرت عمر فاروقؓ

3۔ حضرت عثمان غنیؓ

4۔ حضرت علیؓ

5۔ حضرت زبیرؓ

6۔ حضرت شرجیل بن حسیؓ

7۔ حضرت عبداللہ بن رواحؓ

8۔ ابی بن کعبؓ

9۔ زید بن ثابت

10۔ حضرت معاویہ بن ابو سفیانؓ

11۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

اس فہرست سے ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کو ابتدائے اسلام سے ہی ایک معتبر جماعت قرآنی وحی کے قلم بند کرنے کے لئے میسر رہی تھی ۔اور اس طرح قرآن نہ صرف تحریر میں آگیا تھا بلکہ اس کی موجودہ ترتیب بھی قائم ہو گئی تھی۔

آنحضرتؐ کی تاریخ کا پہلا ماخذ

قرآن مجید تاریخ رسول کا بنیادی ماخذ ہے اس الہامی کتاب کی (114) ایک سو چودہ سورتوں میں آنحضرتؐ کی حیات مبارکہ کے ضروری اجزاء جستہ جستہ مذکور ہیں۔آپ کی ابتدائی زندگی ۔آپ کی یتیمی ، غربت میں پرورش جوانی میں معاشی آسودگی ، بعثت سے پہلے کی پاکیزہ زندگی ، حقیقت کی تلاش کے لئے مجاہدے ، منصب نبوت سے

سرفرازی، آغاز وحی، مکہ میں تبلیغ اسلام، قریش کی مخالفت اور ایذا رسانی، سعید روحوں کا قبول اسلام، دعوت دین کے رستے کی مشکلات، واقعہ معراج، مظلوم مسلمانوں کی ہجرت حبشہ، کفار کی طرف سے آنحضرتؐ کے قتل کے ارادے حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ ہجرت مدینہ غار ثور میں چھپنا، مدینہ میں مہاجرین انصار، منافقین اور یہود کا اخلاق و کردار اور آنحضرتؐ سے ان کا سلوک اصحاب صفہ، مسجد ضرار کا انہدام، مسجد قبا کی تعمیر، تحویل کعبہ، غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ احزاب، غزوہ حنین، غزوہ تبوک، بیعت رضوان، صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور حجتہ الوداع وغیرہ کا ذکر اس صراحت سے موجود ہے کہ ان تمام آیات کو جمع کر کے آپ کی سوانح عمری مرتب کی جا سکتی ہے۔ ان واقعات میں بعض کا ذکر اجمالاً اور بعض کا تفصیلاً کیا گیا ہے۔

قرآن میں آپ کی ازدواجی زندگی، معاشرتی تعلقات، سیرت و کردار اور اخلاق و عادات کے بارے میں واضح اشارے ملتے ہیں۔ ازدواج مطہرات کی خصوصی حیثیت، واقعہ تحریم، حضرت زینب کا حضرت زید بن حارث سے نکاح، ازدواجی بدمزگی، وفد نجران کو دعوت مباہلہ۔ قرآن مجید میں آپ کے جان نثار دوستوں اور جانی دشمنوں کا ذکر بھی موجود ہے۔ جہاں غار ثور کے ساتھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کا نام لیے بغیر تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہاں آپ کے دشمن چچا ابو لہب اور اس کی بیوی کے لئے پوری سورۃ وقف ہے۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر وہ تمام جھوٹے الزامات بھی درج ہیں جو کفار نے آنحضرتؐ پر عائد کئے تھے وہ آپؐ کو (نعوذ باللہ) مجنوں، گمراہ، مفتری، جادوگر، کاہن اور شاعر قرار دے کر لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے تھے۔ قرآن نے ان الزامات کے بڑے منطقی اور مدلل جواب دے کر نبی اکرم کے حقیقی اوصاف کی طرف توجہ دلائی ہے۔ آپ سے معجزہ طلب کرنے پر فرمایا کہ قرآن مجید آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔

آپؐ کے اخلاق و آداب سے تو پورا قرآن بھرا پڑا ہے۔ اس مقدس کتاب میں آپ کی شجاعت و استقامت، ایثار و سخاوت، صبر و تحمل، حق و صداقت، قیادت و سیادت، بصیرت و حسن تدبیر، رحم دلی، شفقت اور درگزر، احسان و مروت، عبادت و ریاضت، رشد و ہدایت، عدل و مساوات، فیاضی و فراخ حوصلگی، عسکری صلاحیت، بشریت و عبودیت اور خلق خدا سے محبت اور خیر خواہی کا بار بار ذکر کر کے آپ کو حامل خلق عظیم رؤف و رحیم اور رحمتہ اللعالمین قرار دیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی سیرت کا کوئی جزو ایسا نہیں جس کے متعلق قرآن میں ایک سے زائد آیات نہ ہوں اسی لئے مولانا ابو الکلام آزاد کہتے ہیں کہ "اگر دنیا سے تاریخ اسلام کی ساری کتابیں معدوم ہو جائیں اور صرف قرآن ہی باقی رہے تب بھی آنحضرتؐ کی شخصیت مقدسہ اور آپ کی سیرت، حیات کے براہین، شواہد مٹ نہیں سکتے کیونکہ یہ صرف قرآن ہے جو ہمیشہ دنیا کو بتلاتا رہے گا کہ اس کا لانے والا کون تھا۔"

سر ولیم میور کہتے ہیں کہ "قرآن کی اس خصوصیت میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ محمدؐ کی سیرت اور اسلام کی

ابتدائی تاریخ معلوم کرنے کے لئے اس میں بنیادی باتیں موجود ہیں۔ اور محمدؐ کی زندگی کے تمام تحقیق طلب امور اس کے ذریعے صحت کے ساتھ جانچے جا سکتے ہیں۔" چنانچہ ہمیں محمدؐ کے مذہبی خیالات ان کے پبلک افعال اور ان کی نجی زندگی کے متعلق تمام مواد قرآن میں مکمل طور پر مل جاتا ہے۔ محمدؐ کی سیرت اور ان کا کردار معلوم کرنے کے لئے قرآن ایک ایسا شفاف آئینہ ہے جس میں ہمیں سب کچھ صاف صاف نظر آ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی مسلمانوں میں یہ بات ضرب المثل کے طور پر مشہور تھی کہ آپ کی سیرت قرآن ہے۔

قرآن حکیم کی آیات کی تفصیل

نمبر شمار	نام سورت	تعداد آیات
۱	سورۃ الفاتحہ	سات (۷) آیات
۲	سورۃ البقرہ	دو سو چھیاسی (۲۸۶) آیات
۳	سورۃ آل عمران	دو سو (۲۰۰) آیات
۴	سورۃ النساء	ایک سو ستتر (۱۷۷) آیات
۵	سورۃ المائدہ	ایک سو بیس (۱۲۰) آیات
۶	سورۃ الانعام	ایک سو چھیاسٹھ (۱۶۶) آیات
۷	سورۃ الاعراف	دو سو چھ (۲۰۶) آیات
۸	سورۃ الانفال	پچھتر (۷۵) آیات
۹	سورۃ التوبہ	ایک سو انتیس (۱۲۹) آیات
۱۰	سورۃ یونس	ایک سو نو (۱۰۹) آیات
۱۱	سورۃ ہود	ایک سو تیئس (۱۲۳) آیات
۱۲	سورۃ یوسف	ایک سو گیارہ (۱۱۱) آیات
۱۳	سورۃ الرعد	تینتالیس (۴۳) آیات
۱۴	سورۃ ابراہیم	باون (۵۲) آیات
۱۵	سورۃ الحجر	ننانوے (۹۹) آیات
۱۶	سورۃ النحل	ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) آیات
۱۷	سورۃ بنی اسرائیل	ایک سو گیارہ (۱۱۱) آیات
۱۸	سورۃ الکہف	ایک سو دس (۱۱۰) آیات

۱۹	سورۃ مریم	اٹھانوے (۹۸) آیات
۲۰	سورۃ طٰہٰ	ایک سو پینتیس (۱۳۵) آیات
۲۱	سورۃ الانبیاء	ایک سو بارہ (۱۱۲) آیات
۲۲	سورۃ الحج	اٹھہتر (۱۷۸) آیات
۲۳	سورۃ المومنون	ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) آیات
۲۴	سورۃ النور	چونسٹھ (۶۴) آیات
۲۵	سورۃ الفرقان	ستتر (۷۷) آیات
۲۶	سورۃ الشعرآء	دو سو ستائیس (۲۲۷) آیات
۲۷	سورۃ النمل	ترانوے (۹۳) آیات
۲۸	سورۃ القصص	اٹھاسی (۸۸) آیات
۲۹	سورۃ العنکبوت	انہتر (۶۹) آیات
۳۰	سورۃ الروم	ساٹھ (۶۰) آیات
۳۱	سورۃ لقمان	چونتیس (۳۴) آیات
۳۲	سورۃ السجدہ	تیس (۳۰) آیات
۳۳	سورۃ الاحزاب	تہتر (۷۳) آیات
۳۴	سورۃ سبآ	چون (۵۴) آیات
۳۵	سورۃ الملائیکہ	پینتالیس (۴۵) آیات
۳۶	سورۃ یاسین	تراسی (۸۳) آیات
۳۷	سورۃ الصفت	ایک سو بیاسی (۱۸۲) آیات
۳۸	سورۃ ص	اٹھاسی (۸۸) آیات
۳۹	سورۃ الزمر	پچھہتر (۷۵) آیات
۴۰	سورۃ المومن	پچاسی (۸۵) آیات
۴۱	سورۃ حم السجدہ	چون (۵۴) آیات
۴۲	سورۃ الشوریٰ	ترپن (۵۳) آیات
۴۳	سورۃ الزخرف	نواسی (۸۹) آیات
۴۴	سورۃ الدخان	انسٹھ (۵۹) آیات

۴۵	سورۃ الجاثیہ	سینتیس (۳۷) آیات
۴۶	سورۃ الاحقاف	پینتیس (۳۵) آیات
۴۷	سورۃ محمد	اڑتیس (۳۸) آیات
۴۸	سورۃ الفتح	انتیس (۲۹) آیات
۴۹	سورۃ الحجرات	اٹھارہ (۱۸) آیات
۵۰	سورۃ ق	پینتالیس (۴۵) آیات
۵۱	سورۃ الذریت	ساٹھ (۶۰) آیات
۵۲	سورۃ الطور	انچاس (۴۹) آیات
۵۳	سورۃ النجم	باسٹھ (۶۲) آیات
۵۴	سورۃ القمر	پچپن (۵۵) آیات
۵۵	سورۃ الرحمن	اٹھہتر (۷۸) آیات
۵۶	سورۃ الواقعہ	چھیانوے (۹۶) آیات
۵۷	سورۃ الحدید	انتیس (۲۹) آیات
۵۸	سورۃ المجادلہ	بائیس (۲۲) آیات
[illegible]	سورۃ الحشر	چوبیس (۲۴) آیات
۶۰	سورۃ الممتحنہ	تیرہ (۱۳) آیات
۶۱	سورۃ الصف	چودہ (۱۴) آیات
۶۲	سورۃ الجمعہ	گیارہ (۱۱) آیات
۶۳	سورۃ المنافقون	گیارہ (۱۱) آیات
۶۴	سورۃ التغابن	اٹھارہ (۱۸) آیات
۶۵	سورۃ الطلاق	بارہ (۱۲) آیات
۶۶	سورۃ التحریم	بارہ (۱۲) آیات
۶۷	سورۃ الملک	تیس (۳۰) آیات
۶۸	سورۃ القلم	باون (۵۲) آیات
۶۹	سورۃ الحاقہ	باون (۵۲) آیات
۷۰	سورۃ المعارج	چوالیس (۴۴) آیات

٧١	سورۃ نوح	اٹھائیس (٢٨) آیات
٧٢	سورۃ الجن	اٹھائیس (٢٨) آیات
٧٣	سورۃ المزمل	بیس (٢٠) آیات
٧٤	سورۃ المدثر	چھپن (٥٦) آیات
٧٥	سورۃ القیمۃ	چالیس (٤٠) آیات
٧٦	سورۃ الدھر	اکتیس (٣١) آیات
٧٧	سورۃ المرسلت	پچاس (٥٠) آیات
٧٨	سورۃ النبا	چالیس (٤٠) آیات
٧٩	سورۃ النزعت	چھیالیس (٤٦) آیات
٨٠	سورۃ عبس	بیالیس (٤٢) آیات
٨١	سورۃ التکویر	انتیس (٢٩) آیات
٨٢	سورۃ الانفطار	انیس (١٩) آیات
٨٣	سورۃ التطفیف	چھتیس (٣٦) آیات
٨٤	سورۃ الانشقاق	پچیس (٢٥) آیات
٨٥	سورۃ البروج	بائیس (٢٢) آیات
٨٦	سورۃ الطارق	سترہ (١٧) آیات
٨٧	سورۃ الاعلیٰ	انیس (١٩) آیات
٨٨	سورۃ الغاشیہ	چھبیس (٢٦) آیات
٨٩	سورۃ الفجر	تیس (٣٠) آیات
٩٠	سورۃ البلد	بیس (٢٠) آیات
[illegible]	سورۃ الشمس	پندرہ (١٥) آیات
٩٢	سورۃ الیل	اکیس (٢١) آیات
٩٣	سورۃ الضحیٰ	گیارہ (١١) آیات
٩٤	سورۃ الانشراح	آٹھ (٨) آیات
[illegible]	سورۃ التین	آٹھ (٨) آیات
٩٦	سورۃ العلق	انیس (١٩) آیات

۹۷	سورۃ القدر	پانچ (۵) آیات
۹۸	سورۃ البینہ	آٹھ (۸) آیات
۹۹	سورۃ زلزال	آٹھ (۸) آیات
۱۰۰	سورۃ العادیات	گیارہ (۱۱) آیات
۱۰۱	سورۃ القارعہ	گیارہ (۱۱) آیات
۱۰۲	سورۃ التکاثر	آٹھ (۸) آیات
۱۰۳	سورۃ العصر	تین (۳) آیات
۱۰۴	سورۃ الھمزہ	نو (۹) آیات
۱۰۵	سورۃ الفیل	پانچ (۵) آیات
۱۰۶	سورۃ قریش (الشتا)	چار (۴) آیات
۱۰۷	سورۃ الماعون	سات (۷) آیات
۱۰۸	سورۃ الکوثر	تین (۳) آیات
۱۰۹	سورۃ الکافرون	چھ (۶) آیات
۱۱۰	سورۃ النصر	تین (۳) آیات
۱۱۱	سورۃ لہب	پانچ (۵) آیات
۱۱۲	سورۃ الاخلاص	چار (۴) آیات
۱۱۳	سورۃ الفلق	پانچ (۵) آیات
۱۱۴	سورۃ الناس	چھ (۶) آیات

آنحضرتؐ کی تاریخ کا دوسرا ماخذ

کتاب احادیث: قرآن حکیم کے بعد آنحضرتؐ کی تاریخ کا دوسرا بڑا ماخذ احادیث نبوی ہیں جن کے راویوں کی تعداد قریباً ایک لاکھ ہے اس ذخیرہ میں قوی، صحیح، ضعیف اور موضوع سب حدیثیں شامل ہیں محدثین نے بے حد تلاش، محنت، خلوص اور احتیاط کے ساتھ کتب حدیث مرتب کی ہیں اور ایسا بے مثال ریکارڈ جمع کیا ہے جس کی دنیائے تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری جس نے مسلمانوں کی طرح "اسماء الرجال" کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت لاکھوں اشخاص کا حال معلوم ہو سکتا ہو۔ حجتہ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی ان میں گیارہ ہزار آدمی ایسے ہیں جن کے نام و نشان آج تحریری صورت میں موجود ہیں۔ جنہوں نے آنحضرتؐ کے اقوال و افعال اور واقعات میں کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا یعنی

انہوں نے روایت کی خدمت انجام دی۔ دین کے تمام مسائل مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، حج، جہاد اور ذکر الٰہی وغیرہ۔ دنیا کے تمام معاملات مثلاً نکاح، طلاق، خرید و فروخت، اخلاق و معاشرت اور سیاست وغیرہ کے متعلق قرآن کے احکام و ہدایت کے متعلق حضورؐ کی ذات گرامی سرچشمہ ہدایت ہے لہذا آنحضرتؐ کے اقوال و اعمال اور احوال دین کا لازمی جزو ہیں اس لئے حدیث کا یہ سرمایہ آپ کی تاریخ کے لئے بنیادی منبع و ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

کتب حدیث کی تدوین حدیث نبوی کی باقاعدہ تدوین حضرت عمر بن عبدالعزیز متوفی 101 ھ کے عہد حکومت میں ہوئی آپ نے اپنے عہد حکومت 99 سے 101 ھ تک تمام اسلامی ممالک کے گورنروں کو حکم بھیجا کہ "رسول اللہ کی جو حدیثیں ہیں۔ تلاش کر کے اور جمع کر کے مجھے بھیج دو۔" چنانچہ قاضی ابو بکر بن عمرو بن حزم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم پر حدیث کی متعدد کتابیں تصنیف کیں مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد قاضی ابو بکر بھی وفات پا گئے اور یہ مجموعہ حدیث ضائع ہو گیا۔ امام ابو حنیفہ نے ایک حدیث کی کتاب بعنوان "کتاب الآثار" ترتیب و تدوین کی یہ "کتاب الآثار" حضرت امام مالک کی موطا سے قبل کی ہے اور امام مالک نے اپنی کتاب حدیث میں اس سے استفادہ کیا تھا۔ ابو حنیفہ کی "کتاب الآثار" کے بعد احادیث کا دوسرا اہم مجموعہ امام مالک 93 تا 179 ھ کی تالیف "موطا" ہے اسے امام مالک نے 143 ھ میں مرتب کیا۔

احادیث نبوی کا سب سے بڑا مجموعہ "مسند امام احمد بن حنبل" ہے امام موصوف (163 تا 214 ھ) نے ساڑھے سات لاکھ احادیث میں سے چالیس ہزار کے قریب احادیث اپنے مجموعہ میں شامل کیں۔

اسلامی علوم میں فن حدیث، فن سیرت اور فن تاریخ کا آپس میں گہرا رشتہ ہے احادیث کی جانچ پڑتال کے لئے جو اصول قائم کئے گئے وہ سیرت اور تاریخ دونوں کے کام آئے ان تینوں میں حقیقت حال معلوم کرنے اور تصدیق واقعہ کے لئے خبر مع سند کا طریقہ رائج ہے اور اسی طرح روایات کا سلسلہ شروع ہوا اور اسی طرح حدیث، سیرت اور تاریخ کے فنون ایک دوسرے سے الگ ہونے کے ساتھ ساتھ ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے باہم مربوط و مماثل ہیں۔ حدیث، سیرت اور تاریخ تینوں روایت اور درایت کے اصولوں کے پابند ہیں۔

بعض مسلمان ارباب علم و دانش نے احادیث کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ہم قارئین کے غور و فکر کے لئے ان کے کچھ خیالات پیش کرتے ہیں۔

بقول سر سید احمد مرحوم:

"کسی مشہور محدث نے بجز ایک کے (شمائل ترمذی) کے کوئی خاص کتاب سیرت و تاریخ آنحضرت کی زندگی کے حالات میں نہیں لکھی لیکن تمام محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں ان حدیثوں کو بھی بیان کیا ہے جو آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات سے متعلق ہیں پس وہی حدیث کی کتابیں ہیں جن سے کم و بیش آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات صحیح صحیح دریافت ہو

سکتے ہیں اور صحیح کو غلط سے تمیز کرنے سے ایک معتبر تذکرہ آپ کی زندگی کا جمع ہو سکتا ہے۔"

(مقالات سرسید)

صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:

" مجھ سے قرآن کے علاوہ اور کوئی چیز نہ لکھو، جس نے قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز لکھی ہو اسے مٹا دے۔"

بخاری شریف میں یہ حدیث موجود ہے کہ حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم نے امت کے لئے کیا چھوڑا تھا تو آپ نے فرمایا کہ "آنحضرتؐ نے قرآن کے علاوہ امت کے لئے اور کچھ نہیں چھوڑا تھا۔"

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے بھی احادیث کے لکھنے اور اس کی تدوین کی مخالفت فرمائی تھی۔

عہد عباسی میں کتب احادیث کی نشر و اشاعت نے غیر معمولی وسعت اختیار کر لی اور بہت سی احادیث کی کتابیں مرتب کی گئیں۔ کتاب احادیث میں سب سے زیادہ مشہور صحیحین (صحیح بخاری و مسلم) ہیں۔ امام بخاری المتوفی 256 ھ نے قریباً چار لاکھ احادیث اکٹھی کیں۔ اور ان میں سے اکانٹ چھانٹ کر کے جو مجموعہ تیار کیا اس میں سے مکررات حذف کر دینے کے بعد دو ہزار چھ سو احادیث ہیں۔ احادیث کے چھ مجموعے ایسے ہیں جنہیں اہل سنت و الجماعت (سنی حضرات) صحیح مانتے ہیں۔ انہیں "صحاح ستہ" یعنی حدیثوں کو چھ صحیح ترین کتابیں کہا جاتا ہے "صحاح ستہ" یہ ہیں۔

1۔ صحیح بخاری
2۔ صحیح مسلم
3۔ ترمذی
4۔ ابو داؤد
5۔ ابن ماجہ
6۔ نسائی

امت مسلمہ صدیوں سے دو مذہبی فرقوں شیعہ و سنی میں منقسم چلی آرہی ہے جن کے اسلام کے متعلق عقائد و نظریات میں بنیادی اختلاف ہے شیعہ حضرات سنیوں کی احادیث کو تسلیم نہیں کرتے اسی طرح سنی حضرات بھی شیعہ حضرات کی احادیث کو تسلیم نہیں کرتے۔

شیعہ حضرات کی احادیث کے اپنے مجموعے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1۔ الکافی: جامع ابو جعفر محمد جو کلینی کے نام سے مشہور ہیں ان کی وفات 239 ھ میں ہوئی۔
2۔ حسن لا یستحضرہ الفقیہ: یہ شیخ محمد بن ابن علی متوفی 381 ھ کی تالیف ہے۔

3۔ تہذیب: مولفہ شیخ ابو جعفر بن حسن متوفی 460 ھ
4۔ استبصار: یہ بھی انہی کی تالیف ہے۔
ان میں کوئی بھی عرب نہیں

آئمہ حدیث کا تعارف

ان آئمہ حدیث کے اس مختصر سے تعارف سے حسب ذیل امور سامنے آتے ہیں۔

1۔ یہ سب کے سب ایرانی تھے ان میں عرب کا رہنے والا کوئی نہ تھا مقام حیرت ہے کہ عربوں میں سے کسی نے بھی اس عظیم کام کا بیڑا نہ اٹھایا اور حدیث کی جمع و تدوین کا کام غیر عربوں (عجمیوں) کے ہاتھوں سرانجام پایا۔

2۔ یہ تمام حضرات تیسری صدی ہجری میں گزرے۔

3۔ انہوں نے لاکھوں حدیثیں پائیں لیکن ان میں سے بہت تھوڑی ایسی تھیں جنہیں انہوں نے صحیح قرار دے کر اپنے مجموعوں میں درج کیا۔

4۔ یہ تمام احادیث، لوگوں نے انہیں زبانی سنائیں ان کا کوئی تحریری ریکارڈ اس سے پہلے موجود نہیں تھا۔

5۔ ان حضرات نے لاکھوں حدیثوں میں سے جن کا انتخاب کیا وہ انتخاب ان کی ذاتی بصیرت، غور و فکر اور فیصلے کا نتیجہ تھا ان احادیث کے صحیح ہونے کے متعلق نہ تو ان کے پاس خدا کی سند تھی یعنی خدا نے انہیں بذریعہ وحی نہیں بتایا تھا کہ فلاں حدیث صحیح ہے اور فلاں غلط ہے اسے مسترد کر دو اور نہ ہی اس کی سند رسول اللہ نے عطا فرمائی تھی نہ ہی ان کے پاس پہلے کا کوئی تحریری ریکارڈ تھا جس سے انہوں نے ان احادیث کا انتخاب کر لیا ہو اور نہ ہی وہ معصوم تھے انہوں نے اپنے علم و دانش، فہم و فراست اور تحقیق کے مطابق جن احادیث کو صحیح تصور کیا اپنے مجموعوں میں داخل کر لیا۔

غور کریں کہ محدثین کرام کو کس قدر حدیث ملیں اور ان میں انہوں نے کتنی احادیث کو منتخب کر کے اپنے مجموعہ حدیث میں داخل کیا۔

حدیث کی معروف کتابوں کے حالات و کوائف

نام حدیث	نام محدث	تفصیل
صحیح بخاری	مصنفہ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری ۱۹۴ھ تا ۲۵۶ھ	یہ سب کتب حدیث میں صحیح ترین کتاب سمجھی گئی ہے۔ امام بخاری صاحب نے چار لاکھ روایات کے مجموعہ میں صرف چار ہزار احادیث چن کر اس

		مجموعہ میں درج کی ہیں اور انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے بلا ریب ان کا معیار سب محدثین سے بالا وارفع ہے۔
۲۔ صحیح مسلم	مصنفہ امام مسلم بن حجاج ۲۰۴ھ تا ۲۶۱ھ	اس کا درجہ بخاری سے نیچے مگر باقی کتب احادیث سے اوپر سمجھا جاتا ہے جس روایت میں بخاری اور مسلم اتفاق کر لیں اسے متفق علیہ کہتے ہیں جو سب سے مضبوط سمجھی جاتی ہے۔
۳۔ جامع ترمذی	مصنفہ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۰۹ھ تا ۲۷۹ھ	یہ چار کتابیں مقدم الذکر دو کتابوں کے ساتھ مل کر صحاح ستہ کہلاتی ہیں۔
۴۔ سنن ابو داؤد	مصنفہ ابو داؤد سلیمان بن اشعث ۲۰۲ھ تا ۲۷۵	اور یہ سب معتبر کتابوں میں شمار ہوتی ہیں ان کا درجہ قریباً اسی ترتیب کے مطابق سمجھا جاتا ہے جو اس فہرست میں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔
۵۔ سنن ابن ماجہ	مصنفہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی ۲۰۹ھ تا ۲۷۳ھ	
۶۔ موطا امام مالک	مصنفہ امام مالک بن انس ۹۵ھ تا ۱۷۹	یہ کتاب بہت بلند پایہ ہے کہ بعض نے اسے بخاریؒ کے برابر قرار دیا ہے۔ مگر چونکہ اس کے بیشتر حصہ کا اسلوب فقہ کے طریق پر ہے اس لئے اسے حدیث کی کتاب کے طور پر صحاح ستہ میں شمار نہیں کیا گیا ورنہ اپنے مرتبہ کے لحاظ سے کسی مجموعہ حدیث سے کم نہیں۔ امام مالک فقہ کے آئمہ اربعہ میں سے ہے۔
۷۔ مسند امام ابو حنیفہ	مصنفہ امام نعمان بن ثابت ابو حنیفہ ۸۰ھ تا ۱۵۰ھ	فقہ کے آئمہ اربعہ میں سب سے بلند تر ہیں۔ یہ محدث نہیں تھے اور نہ ہی انہوں نے اس طرف توجہ کی مگر بعض احادیث اپنی فقہ کی بنیاد کے لئے جمع کی ہیں۔
۸۔ مسند امام شافعی	مصنفہ امام محمد بن ادریس شافعی ۱۰۵ھ تا ۲۰۴ھ	یہ بھی فقہ کے آئمہ اربعہ میں سے ہیں مگر ان کی احادیث کا مجموعہ اپنی فقہ کی تائید میں چند احادیث

		کا مجموعہ ہے۔
۹۔ مسند احمد	مصنفہ امام احمد بن حنبل	یہ بھی فقہ کے آئمہ اربعہ میں سے ہیں مگر ان کی احادیث کا مجموعہ بھی نہایت شاندار ہے اور حدیث کی کتابوں میں غالباً سب سے بڑا حدیث گو صحت و روایت کا معیار صحاح کے برابر نہیں ہے۔
۱۰۔ سنن دارمی	مصنفہ عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی ۱۸۱ھ تا ۲۵۵ھ	صحاح ستہ کے بعد اس کا اچھا مرتبہ ہے۔
۱۱۔ معجم کبیر دا واسط و صغیر	مصنفہ سلطان ابن طبرانی ۲۶۰ھ تا ۳۶۰ھ	مشہور محدث ہیں
۱۲۔ سنن دار قطنی	مصنفہ علی محمد قطنی ۳۰۶ھ تا ۲۸۵	مشہور محدث ہیں
۱۳۔ مستدرک حاکم	مصنفہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم ۳۲۱ھ تا ۴۰۵ھ	مشہور محدث ہیں
۱۴۔ متفرق کتب حدیث	مصنفہ احمد بن حسین بیہقی وسیرۃ ۳۸۴ھ تا ۴۵۸ھ	مشہور محدث ہیں

روایت و حدیث کی صداقت کا معیار

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی تصنیف سیرۃ النبی جلد اول صفحہ نمبر63 پر روایت و حدیث کے صحیح و ثقہ یا وضعی و ضعیف ہونے کی تصدیق کرنے کے لئے مندرجہ ذیل معیار و اصول بیان کئے ہیں۔

1۔ سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن مجید میں پھر احادیث صحیحہ میں، پھر عام احادیث میں کرنی چاہیئے اگر نہ ملے تو روایات سیرت کی طرف توجہ کی جائے۔

2۔ کتب سیرت محتاج تنقیح ہیں اور ان کی روایات و اسناد کی تنقید لازم ہے۔

3۔ سیرت کی روایتیں بہ اعتبار پایہ صحت، احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں اس لئے بصورت اختلاف احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی۔

4۔ بصورت اختلاف روایات احادیث، رواۃ ارباب فقہ و ہوش کی روایات کو دوسروں پر ترجیح ہو گی۔

5۔ سیرت کے واقعات میں سلسلہ علت و معلول کی تلاش نہایت ضروری ہے۔

6۔ نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہئے۔

7۔ روایات میں اصل واقعہ کس قدر ہے؟ اور راوی کی ذاتی رائے و فہم کا کس قدر جزو شامل ہے۔

8۔ اسباب خارجی کا کس قدر اثر ہے۔

9۔ جو روایت عام وجوہ عقلی مشاہدہ عام اصول مسلمہ اور قرائن حال کے خلاف ہو گی لائق حجت نہ ہو گی۔

10۔ اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق و جمع سے اس کی تسلی کر لینی چاہئے کہ راوی سے ادائے مفہوم میں تو غلطی نہیں ہوئی ہے۔

11۔ روایات احاد کو موضوع کی اہمیت اور قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کرنا چاہئے۔

آنحضرت کی تاریخ کا تیسرا ماخذ

1۔ سیرت اور مغازی کی کتب

2۔ تاریخ کی کتب

3۔ قرآن پاک کی تفسیرات

1۔ حضرت محمدؐ کی تاریخ کا ایک اہم ماخذ مغازی اور سیرت کی وہ کتابیں جو ابتدائی دور کے مؤلفین نے مرتب کیں۔ ان کا زیادہ تر تعلق حضورؐ کی مدنی زندگی سے ہے۔ سیرت اور مغازی کی تدوین کی باقاعدہ ابتداء بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد سے شروع ہوئی باقاعدہ مؤلفین مثلاً محمد بن اسحق اور اس کے محاصرین میں پہلے آبان بن عثمان، عروہ بن زبیر، شرجیل بن سعد اور دیگر تابعین اور تبع تابعین کے نام ملتے ہیں۔ ان میں حضرت آبان بن عثمان (20 ھ 100 ھ) جو حضرت عثمانؓ خلیفہ سوم کے بیٹے تھے خاص طور پر ممتاز ہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر بن العوام (23 ھ تا 94 ھ) بھی حدیث اور مغازی کے بہت بڑے عالم تھے محمد بن اسحاق (85 ھ تا 151 ھ پہلے سیرت نگار ہیں جن کی "کتاب المغازی" کا بیشتر حصہ اس کی مرتب اور مدون شکل میں محفوظ رہا ہے اور خاص طور پر ابن ہشام (المتوفی 213 ھ) کی "سیرت رسول اللہ" دراصل ابن اسحاق کی کتاب المغازی کی ایک بہتر اور توضیح شدہ شکل ہے ابن ہشام کی اس سیرت کی کتاب کے بعد اب ابن اسحق کی کتاب "المغازی" کی ضرورت پوری ہو گئی ہے۔

2۔ کتب تاریخ: اسلامی تاریخ پر متقدمین، متوسطین، متاخرین نے بے شمار قابل ذکر کتابیں لکھی ہیں اس طرح ابن جوزی المسعودی، تاریخ الکامل ابن اثیر بارہ جلدوں پر مشتمل ابتدائے عالم سے 628 ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ طبقات محمد ابن سعد، امام بخاری کی تاریخ "صغیر و کبیر" ابن قتیبہ کی "کتاب المعارف" بڑی جامع

تاریخ ہے تاریخ ابن خلدون اور مقدمہ مشہور تاریخ کی کتاب ہے۔ تاریخ اسلام ذہبی وغیرہ جامع تاریخ کی کتابیں ہیں۔

3۔ کتب تفسیر: روایات کا تیسرا مجموعہ تفسیر سے تعلق رکھتا ہے اس میں قرآن مجید کی تشریح کا تعلق ہے جو زیادہ تر علمی حیثیت رکھتی ہے اس لئے اس میں بھی حدیث کے برابر احتیاط نہیں برتی گئی مگر یہ بھی ایک مفید مجموعہ علم ہے جس کے متعلقہ حصوں سے آنحضرتؐ کی تدوین میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ یہ تفاسیر اس وقت بھی معلومات کا ایک قیمتی خزانہ ثابت ہوتی ہیں جب یہ معلوم کرنا ہو کہ آیات قرآنی کے نزول کے اوقات اسباب اور مقامات کون کون سے تھے۔ اور ان کا آنحضرتؐ کی ذات مبارکہ سے کیا تعلق تھا اس لئے کتب تفاسیر حضورؐ کی تاریخ کا ایک اہم مآخذ قرار دیا جا سکتا ہے۔

مندرجہ ذیل تینوں مآخذ وہ ذخیرہ علم ہیں جو تاریخی لحاظ سے آنحضرتؐ کی سیرت اور ابتدائی اسلامی تاریخ کا اصلی مآخذ و منبع ہے اور بعد کی سب کتابیں ان کی بنیاد پر تصنیف کی گئی ہیں اور وہ اصل مآخذ نہیں سمجھی جا سکتیں۔ خواہ وہ کیسی ہی مفید اور جامع کیوں نہ ہوں کیونکہ انہوں نے جو کچھ لیا ہے مندرجہ بالا مآخذ سے ہی لیا ہے۔

المختصر یہ کہ آنحضرتؐ کی ابتدائی تاریخ کے لئے مندرجہ ذیل اصل مآخذ سمجھے جاتے ہیں۔

1۔ قرآن حکیم
2۔ کتب حدیث
3۔ سیرت و مغازی کی کتب
4۔ کتب تاریخ
5۔ کتب تفسیر

مذکورہ بالا مآخذوں کے متعلق کتب کی تفصیل و کوائف حسب ذیل نقشہ سے پوری وضاحت کے ساتھ سمجھے جا سکتے ہیں۔

کتب تفسیر

نام تفسیر	نام مفسر	تفصیل
ا۔ تفسیر ابن جریر، ۳۰ جلد	مصنفہ امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری ۲۲۴ھ تا ۳۱۰ھ	منقولی تفسیر میں یہ سب سے جامع مجموعہ ہے مگر اس مجموعہ میں کمزور روایات بھی شامل ہو گئی ہیں۔

۲۔ تفسیر ابن کثیر ۴ جلد	مصنفہ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر ۷۰۰ھ تا ۷۷۴ھ	یہ تفسیر نہایت معتبر اور مستند سمجھی جاتی ہے جس کے متعلق علامہ زرقانی کا قول ہے کہ اس جیسی اور کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔
۳۔ الدر المنثور رضی للتفسیر بالماثور ۶ جلد	مصنفہ شیخ جلال الدین عبدالرحمان بن ابی بکر السیوطی ۸۶۹ھ تا ۹۱۱ھ	یہ بعد کی تصنیف ہے جس میں رطب و یابس سب کچھ جمع ہو گیا ہے۔

متاخرین کی کتب سیرت و تاریخ مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ الروض الانف	مصنفہ عبدالرحمن عبداللہ سہیلی ۵۰۰ھ تا ۵۸۱ھ	یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور سیرۃ ابن ہشام کی شرح کے طور پر لکھی گئی ہے نہایت مستند کتاب ہے۔
۲۔ تاریخ الکامل	مصنفہ حافظ بن اثیر الجزاری ۵۵۵ تا ۶۳۰ھ	یہ کتاب بارہ ضخیم جلدوں میں ہے اور زیادہ تر طبری سے ماخوذ ہے
۳۔ تاریخ الخمیس	مصنفہ حسین بن محمد فی احوال النفس النفیس حسن دیار لکبریٰ المتوفی ۹۶۶ھ	یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور بہت سی کتب کی معلومات کا ذریعہ ہے۔
۴۔ شرح مواہب اللدنیہ	مصنفہ علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المتوفی ۱۱۲۲ھ	یہ کتاب آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے جو سب کی سب آنحضرت کی سیرت سے متعلق ہیں۔

۵۔ انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون	مصنفہ علی بن برہان الدین الحلبی ۹۷۵ھ تا ۱۰۴۴ھ	کتاب جو تین جلدوں میں ہے اور عرف عام میں سیرت حلبیہ کے نام سے مشہور ہے نہایت جامع کتاب ہے۔
۶۔ معجم البلدان	مصنفہ ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحمدی المتوفی ۶۲۳ھ	یہ کتاب دس جلدوں میں ہے اور جغرافیہ کی نہایت مفصل معلومات پر مشتمل ہے۔

صحت کے مآخذ: سیرت النبیؐ کے واقعات جو قلم بند کیے گئے ہیں وہ تقریباً نبوت کے سو برس کے بعد قلم بند ہوئے اس لئے مصنفین کا مآخذ کوئی کتاب نہ تھی بلکہ اکثر زبانی روایتیں تھیں۔

نام کتب	مصنف	تفصیل
۱۔ سیرۃ ابن اسحٰق	مصنفہ محمد بن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ	ابن اسحاق امامُ زہری کے شاگردوں میں سے تھے اور سیرۃ میں بڑا پایہ رکھتے تھے ان کی کتاب سیرۃ و مغازی میں بطور بنیاد کے سمجھی گئی ہے۔
۲۔ سیرۃ ابن ہشام	مصنفہ عبدالمالک بن ہشام المتوفی ۲۱۳ھ	یہ کتاب پائے کے مورخ تھے اور نہایت ثقہ سمجھے جاتے تھے ان کی سیرت جو بیشتر طور پر سیرت ابن اسحاق پر مبنی ہے بہت جامع اور مکمل تصنیف ہے سیرت کی کتابوں میں ان کی سیرت سب سے زیادہ مقبول و معروف ہے۔

۳۔ تاریخ الامم و لملوک	مصنفہ ابو جعفر محمد ابن جریر الطبری ۲۲۴ھ تا ۳۱۰ھ	یہ کتاب سیرت کی کتاب نہیں بلکہ تاریخ کی کتاب ہے مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرۃ بھی اس کے اندر شامل ہے اس لئے اسے سیرۃ کی کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے ۔ طبری اسلام کے مشہور اور مستند علماء میں سے تھے اور ان کی کتاب جو بارہ جلدوں میں ہے نہایت جامع تاریخ سمجھی گئی ہے۔
۴۔ فتوح البلدان	مصنفہ ابو جعفر احمد بن یحییٰ بنجابر البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ	اس کتاب میں ان فتوحات کا ذکر ہے جو آنحضرتؐ اور آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر ہوئیں مشہور اور متداول کتاب ہے۔
۵۔ کتاب الخروج	مصنفہ قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم المتوفی ۱۸۲ھ	ابو یوسف مشہور فقیہ گزرے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے ۔
۶۔ عروج الذہب	مصنفہ ابو الحسن علی بن حسین مسعوی المتوفی ۳۴۶ھ	اس کتاب میں دنیا کے مختلف اقوام و ممالک کی تاریخ سے ابتداء کے باالآخر عرب کے حالات درج کرتے ہوئے خلفائے بنو عباس تک اسلامی تاریخ کو مکمل کیا گیا ہے۔

۷۔ تاریخ مکہ	مصنفہ ابو للولید محمد بن عبدالکریم ازرقی المتوفی ۲۲۳ھ	مکہ کی مستند اور ابتدائی تاریخ ہے۔
۸۔صفتہ جزیرۃ العرب	مصنفہ ابو محمد حسن بن احمد بن یعقوب الہمدانی المعروف باہن حائل المتوفی ۳۳۴ھ	جغرافیہ عرب کی ابتدائی اور مستند کتاب ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب

ماہرین انساب میں آنحضرتؐ کے نسب کے بارے میں معد بن عدنان تک کوئی اختلاف نہیں البتہ ان ماہرین نے عدنان سے اسمعیل تک اختلاف کیا ہے لیکن اس پر متفق ہیں کہ آپ کا سلسلہ نسب حضرت اسماعیلؑ تک پہنچتا ہے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کا نسب عدنان تک پہنچا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہاں سے اوپر اہل نسب نے غلط بیانی کی ہے۔

ابن ہشام کے مطابق جناب رسول اللہؐ کا شجرہ نسب عدنان بن عدو تک جسے آنحضرتؐ نے صحیح تسلیم فرمایا ہے حسب ذیل ہے۔

اسم گرامی	ولدیت	والدہ ماجدہ کا نام
1۔ حضرت محمدؐ	جناب عبداللہؓ	سیدہ آمنہؓ بنت وہب
2۔ جناب عبداللہؓ	جناب عبدالمطلب (شیبہ)	فاطمہ بنت عمر مخزومی
3۔ جناب عبدالمطلب	جناب ہاشم (عمرو)	سلمیٰ بنت عمرہ
4۔ جناب ہاشم	عبدالمناف	عاتقہ بنت عمرو
5۔ جناب عبدالمناف	جناب قصی (زید)	حسین بنت حلیل
6۔ جناب قصی	جناب کلاب	فاطمہ بنت سعد
7۔ جناب کلاب	جناب مرہ	ہند بنت ابی ہالہ
8۔ جناب مرہ	جناب کعب	بخشیشہ بنت شیبان
9۔ جناب کعب	جناب لوی	ماریہ بنت کعب
10۔ جناب لوی	جناب غالب	مائکہ بخلد بن النضر بن کناز
11۔ جناب غالب	جناب فہر	لیلیٰ بنت الحارث
12۔ جناب فہر	جناب مالک	جندلہ بنت عامر

13۔ جناب مالک	جناب نضر	عاتکہ بنت عدوان
14۔ جناب نضر	جناب کناز	برہ بنت مربن
15۔ جناب کناز	جناب خزیمہ	عوانہ بنت سعد
16۔ جناب خزیمہ	جناب مدرکہ (عامر)	سلمیٰ بنت اسلم
17۔ جناب مدرکہ	جناب الیاس	خرف لیلیٰ بنت حلوان
18۔ جناب الیاس	جناب مضر	رباب بنت حیدر
19۔ جناب مضر	جناب نزار	سودہ بنت عک
20۔ جناب نزار	جناب معد	معانہ بنت جوشم
21۔ جناب معد	جناب عدنان	معد بنت اللیم
22۔ جناب عدنان	جناب ادو	

جناب عدنان کے بعد حضرت آدم علیہ السلام تک حضورؐ کا شجرہ حسب ذیل ہے۔

عدنان بن ادو ابن مقوم بن ناحور، بن تیرح، بن یثجب، بن ثابت، بن اسمعیلؑ، بن ابراہیمؑ (خلیل الرحمان)، بن تارح، (اصل آزر) بن ناحور، بن ساروغ بن رہو، بن فالخ، بن عیبر، بن شالخ، بن ارفخشد، بن سام، بن نوحؑ، بن لمک۔ بن متلوشخ، بن اخنوع (بعض ان ہی کو ادریسؑ سمجھتے ہیں) اوریہی ادریسؑ اولاد آدم میں پہلے شخص ہیں جنھیں نبوت عطا ہوئی اور جنہوں نے قلم سے لکھنا ایجاد کیا۔ ابن یرزبن مہلیل، بن قینن، بن یانش بن شیث، بن آدم، صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت اسماعیلؑ کی زوجہ زعلہ، مضاض بن عمرہ جرہمی کی بیٹی تھیں اور جرہم قحطان کا بیٹا تھا اور قحطان تمام یمن والوں کا جد امجد ہے، سب کا نسب اس سے جا ملتا ہے اور وہ عامر بن شالخ، بن ارفخشد، بن سام، بن نوح کا بیٹا ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کی عمر اور مدفن:۔

حضرت اسماعیلؑ کی عمر ایک سو تیس سال کی ہوئی تو آپ نے وفات پائی اور مقام حجر (حطیم) خانہ کعبہ میں ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کے پاس دفن کر دیے گئے۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ عرب تمام کے تمام حضرات اسماعیلؑ اور قحطان کی اولاد ہیں۔ یمن کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ قحطان حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ہیں اسی لیے موصوف کو "ابو العرب" اور آپ کی والدہ ماجدہ کو "ام العرب" کہتے ہیں۔ (ابن ہشام جلد اول ص32،31)

جناب رسول اللہؐ کے آباؤ اجداد

حضورؐ کے سلسلہ نسب میں اگرچہ بہت سی ممتاز شخصیتیں گذری ہیں۔ مگر ان میں عدنان، معد فزار، الیاس فہر، کعب، مرہ، کلاب، قصی، عبد مناف، ہاشم اور عبدالمطلب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عدنان سے بہت سے قبائل پیدا ہوئے، فہر کا نام قریش تھا اور بعض کے نزدیک قبیلہ قریش انہی کے نام سے موسوم ہوا۔

قصی بن کلاب 400ء سے 480ء تک

قصی بن کلاب قریباً 400ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ کا نام کلاب بن مرہ اور والدہ کا نام فاطمہ بنت سعد بن سہیل تھا۔ فاطمہ کے بطن سے کلاب کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے زہرہ اور زید، کچھ دیر بعد کلاب فوت ہو گیا اور فاطمہ نے ربیعہ بن حدام قضاعی سے شادی کر لی اور ربیع اس کو ہمراہ لے کر شام چلا گیا۔ زہرہ مکہ میں اپنے خاندان والوں کے پاس رہا مگر زید شیر خوار ہونے کی وجہ سے اپنی والدہ کے ساتھ شام چلا گیا۔ شام میں ربیع کے ہاں فاطمہ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام زراح تھا۔ جب زید جوان ہوا تو اس کا نام قصی پڑ گیا۔ وہ بڑا بہادر اور عقلمند نوجوان تھا۔ ایک دن اسے معلوم ہوا کہ وہ ربیعہ کا بیٹا نہیں ہے اس نے اپنی والدہ سے آکر تصدیق کی تو اس نے بتایا کہ اس کا باپ کلاب بن مرہ تھا جو مکہ کے قبیلہ قریش کا ایک معزز شخص تھا اور اس کا بڑا بھائی زہرہ ابھی مکہ میں ہے۔ چنانچہ قصی نے اپنی والدہ کی اجازت سے مکہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ زمانہ حج میں جب شام کے زائرین کعبہ کا ایک قافلہ مکہ حج کے لئے آیا تو قصی بھی اس قافلے کے ہمراہ مکہ پہنچ گیا اور یہاں پہنچ کر مکہ میں اپنے اہل خاندان کے ساتھ مستقل رہائش پذیر ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ قصی نے تجارت شروع کر دی اور اپنی محنت، معاملہ فہمی اور قابلیت سے کافی سرمایہ اکٹھا کر لیا۔ اس زمانہ میں خانہ کعبہ کے متولی اور مکہ کا سردار حلیل بن حسشہ العزیٰ تھا۔ اس نے قصی کی اہلیت و قابلیت۔ اثر و رسوخ اور تجارتی مہارت کی وجہ سے اس کے ساتھ اپنی اکلوتی بیٹی "حبی" کا نکاح کر دیا اور قصی اپنے سسر حلیل کے پاس رہنے لگا۔ حلیل بوڑھا ہو چکا تھا اس لئے خانہ کعبہ کی تولیت کے فرائض اور حاجیوں کی خدمات سقایہ و رفادہ وغیرہ کے امور قصی سرانجام دینے لگا۔ حلیل نے اپنی وفات سے پیشتر قصی کو سقایہ و رفادہ کے کام مستقل طور پر سپرد کر دیے اور کلید کعبہ اپنی بیٹی حبی کے حوالے کر دی کچھ دیر بعد حبی نے کلید کعبہ اپنے بھائی ابو تکشان کے حوالے کر دی۔ ابو تکشان سلیم بن عمرہ شراب کا بہت رسیا تھا اور اس نے مشکیزہ شراب کے عوض کلید کعبہ یعنی کعبہ کی تولیت قصی کے پاس فروخت کر دی اس طرح ▪ خانہ کعبہ کا متولی اور مکہ کا سردار بن گیا۔ لیکن قبیلہ خزاعیہ اور بنو بکر نے قصی کی مخالفت شروع کر دی۔ قصی نے اپنے بھائی رزاع کو شام سے مدد کے لیے بلایا اور اپنے قبیلہ بنو کنانہ کی امداد سے بنو خزاعیہ اور بنو بکر کا زبردست مقابلہ کیا اور جنگ میں کامیاب ہو کر ان دونوں قبائل کو مکہ سے خارج کر دیا۔ خزاعیہ اور بنو بکر کے مکہ سے چلے جانے کے بعد قصی

نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو مختلف مقامات سے بلا کر مکہ میں جمع کر لیا اور ان کو بنو خزاعیہ کے مکانات اور مکہ کی گھاٹیوں ، وادیوں اور پہاڑوں کی چوٹی پر مختلف قبائل یکجا کر کے آباد کر دیا اس طرح قصی کی افرادی تعداد اور قوت میں بہت اضافہ ہو گیا۔ اب اس کو بلا شرکت غیرے خانہ کعبہ کی مذہبی سیادت اور مکہ کی سیاسی قیادت حاصل ہو گئی جس کی وجہ سے اس کا اثر و رسوخ عزت و وقار اور شہرت تمام عرب میں پھیل گئی۔

قصی نے اپنے قبیلہ کی فلاح و بہبود اور اصلاح و ترقی کے لئے مکہ میں جمہوری بنیادوں پر ایک ایسا نظام قائم کیا جس میں خانہ کعبہ کے مذہبی امور اور حاجیوں کی خدمات اور ضروریات کے اہتمام کے علاوہ مکہ کے سیاسی امور کے متعلق بھی مختلف قبائل کے سرداروں کو ان تمام معاملات میں ذمہ داری سپرد کر دی۔ خانہ کعبہ کے نزدیک ایک قومی مرکز " دارالندوہ " کے نام سے تعمیر کیا۔ اس میں قبائل قریش کے انفرادی اور اجتماعی معاملات کے فیصلے ہوتے تھے باہمی اختلافات کو رفع کرتے اور نکاح وغیرہ کے امور بھی اسی جگہ طے ہوتے اور قبائل قریش کی ترقی و خوشحالی ، فلاح و بہبود اور دیگر اجتماعی معاملات باہمی مشاورت سے طے ہونے لگے۔ آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت قصی کے قائم کردہ نظام حکومت و مذہبی امور کے متعلق مندرجہ ذیل تنظیم قائم تھی اور مختلف محکموں کے سربراہ مقرر تھے۔

قصی بن کلاب کے زمانے میں مکہ کا نظم و نسق

منصب	تفصیل ذمہ داری	جس خاندان کی تحویل میں یہ منصب تھا	اس دور میں جو شخص اس کام پر مامورؔ تھا۔
1۔ حجابہ	کعبہ کی کلید برادری		عثمان بن طلحہ
2۔ رفادہ	غریب حجاج کی خبر گیری	خاندان نوفل	حرثؒ بن عامر
3۔ سقایہ	حجاج کو پانی پلانے کا انتظام	خاندان ہاشم	عباس بن عبدالمطلب
4۔ مشورہ	باہمی مشاورت	خاندان اسد	یزید بن ربیع الاسود
5۔ دیات اور خارم	خون بہا کا فیصلہ کرنا	خاندان تیم	عبداللہ بن عثمان صدیق اکبر
6۔ عقاب	علم داری	خاندان امیہ	ابو سفیان
7۔ قلبۂ	خیمہ و خرگار	خاندان مخزوم	ولید بن مغیرہ
8۔ سفارت و	سفیر بننا اور قبائل کے امتیازات کا فیصلہ	خاندان عدی	عمر ابن الخطاب
9۔ ازلام و ایسیار	محکمہ مال کا انتظام	خاندان جمح	صفوان بن امیہ

10۔ اموال　　　اہتمام خزانہ　　　خاندان سہم　　　حرث بن قیس

قصی کے زمانہ میں خانہ کعبہ کے پجاری حج کی رسومات اور مناسک کی ادائیگی میں حاجیوں کو بہت پریشان کرتے تھے اور ان سے ناجائز مفاد حاصل کرتے تھے۔ قصی نے ان پجاریوں کو بیت اللہ اور حاجیوں کے مناسک حج ادا کرنے کی ذمہ داریوں سے علیحدہ کر دیا۔ جس پر پجاریوں نے قصی کا مقابلہ کیا مگر ایک خونریز لڑائی میں شکست کھانے کے بعد مکہ سے فرار ہو گئے یا مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بعد قصی نے کعبہ کی تولیت اور مناسک حج کی ادائیگی کے متعلق تمام امور اپنے قبضہ و اختیار میں لے لیے۔ اس نے تمام قبائل قریش کا اجلاس بلایا اور اس میں تقریر کی کہ زائرین جو عرب کے مختلف مقامات سے حج بیت اللہ کے لیے مکہ آتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں اور چونکہ ہم خانہ کعبہ کے متولی ہیں اس لئے ہمیں ان کی میزبانی کے فرائض احسن طریقہ سے سرانجام دینے چاہیئے ان کے لئے کھانے پینے اور رہائش کا معقول انتظام کرنا چاہیے اس مقصد کے لئے قصی نے تمام قبائل قریش پر عشر کا نظام نافذ کر دیا جو ایک ٹیکس تھا جو زمانہ حج سے پیشتر سب سے وصول کر کے ایام حج میں حجاج کرام کی خوراک، رہائش، پینے کے پانی اور دیگر ضروریات کے اہتمام کے لئے خرچ کیا جاتا تھا۔

قصی کے زمانے میں خانہ کعبہ کی عمارت فرسودہ ہو چکی تھی اس لئے تمام سرداران قریش کے مشورہ سے اس پرانی عمارت کو گرا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد پہلی بار کعبہ کی تعمیر نو کی گئی۔

قبیلہ قریش کی وجہ تسمیہ کے متعلق تین روایات ہیں۔

1۔ عدنان کی اولاد سے فہر بن مالک ایک بہت باوقار شخص تھا اس کا نام قریش بھی تھا اس لئے اس کی نسل سے جو قبائل پیدا ہوئے وہ اپنے آپ کو قریش کہلانے لگے۔

2۔ قریش ایک بہت بڑی مچھلی کا نام بھی ہے۔ مچھلی کی یہ قسم دوسری مچھلیوں کو اپنی طاقت کی وجہ سے کھا جاتی ہے کیونکہ قبیلہ قریش بہت بہادر اور طاقتور قبیلہ تھا اس لئے اس قبیلہ کو بھی لوگ قریش کہنے لگے۔

3۔ قصی نے اپنے زمانہ میں تمام قبائل کنانہ وغیرہ کو دور و نزدیک سے بلا کر مکہ میں جمع کر دیا اور باعزت طریقے سے ان کو آباد کیا۔ جمہوری نظام کے تحت منظم کیا تجارت میں ترقی ہوئی اور یہ قبیلہ بہت طاقتور اور خوش حال اور ایک جگہ اکٹھا ہو گیا جس پر لوگوں نے قصی کو "مجمع" (یعنی جمع کرنے والا) خطاب دیا اور قریش کی روٹ میں جمع کے معنی بھی ہیں۔ لہذا قصی کے زمانہ سے اس قبیلہ کو قریش کہنے لگے۔

حبی کے بطن سے قصی کے ہاں چار بیٹے عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزیٰ اور عبد قصی پیدا ہوئے۔ قصی نے اپنی زندگی میں تمام خدمات کعبہ و حاجیوں کے امور عبدالدار کے سپرد کر دیے اور خود سکون سے وقت گزارنے لگا۔ آخر تقریباً 480 میں قصی نے مکہ میں وفات پائی۔

قصی کے چار بیٹے تھے عبدالدار، عبدالعزیٰ عبد مناف اور عبد قصی، عبدالدار چونکہ سب سے بڑا تھا اس لئے

قصی کی وفات کے بعد اس کا جانشین بنا۔ کعبے کی تولیت کے علاوہ تینوں مناصب اور " دارالندوۃ " اور لوا بھی اس کے سپرد ہوئے۔ عبدالدار چونکہ اپنے باپ قصی کی قابلیت کا نہ تھا اس لئے قریش کی قیادت و سیادت عبد مناف نے حاصل کی جو بہت لائق اور قابل آدمی تھا۔ عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ چنانچہ عبد مناف کی موت کے بعد ان سب نے مل کر کوشش کی کہ عبدادلدار کی اولاد سے کعبے کی تولیت چھین لیں۔ اس پر طرفین کا شدید جھگڑا ہوا قریب تھا کہ جنگ شروع ہو جائے مگر چند لوگوں کی کوشش سے صلح و صفائی کے ساتھ فیصلہ ہو گیا اور دو مناصب رفادہ اور سقایہ بنو عبد مناف کو مل گئے اور بقایا بنو عبدالدار کے پاس رہے۔ بنو عبد مناف نے باہم مشورہ سے سقایہ اور رفادہ کا متولی ہاشم کو مقرر کر دیا۔ ہاشم بہت قابل معاملہ فہم اور سخی آدمی تھا اس نے حاجیوں کو بہت آرام پہنچایا اور ان کی ضروریات کا سامان مہیا کیا۔ ایک دفعہ مکہ میں قحط پڑا تو باہر سے غلہ منگوا کر لوگوں میں مفت تقسیم کیا۔ اس کی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے ہاشم کو بہت عزت اور شہرت ملی اس نے قحط کے دنوں میں کھانا پکوا کر اور شوربہ میں روٹیاں بھگو کر دعوت عام کی جسے لوگوں نے بہت پسند کیا۔

ہاشم تجارت کرتا تھا اس نے رومی اور غسانی حکمرانوں سے قریش کے لئے تجارتی حقوق حاصل کئے اور قریش کے تجارتی قافلوں کی شام اور یمن کی طرف ہاشم کے زمانہ میں آمدورفت شروع ہو گئی چنانچہ سردیوں میں تجارتی قافلے بحفاظت یمن کی طرف جاتے اور گرمیوں میں شام کی طرف۔ ہاشم کی عزت وقار اور ترقی کی وجہ سے اس کے چچا زاد بھائی امیہ بن عبد شمس کے دل میں حسد اور رقابت کا جذبہ پیدا ہو گیا اور اس نے ہاشم کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا اور اسی وجہ سے بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان رقابت اور عداوت کی ابتداء ہو گئی۔ ہاشم کی وفات کے بعد عبدالمطلب بن ہاشم نے بھی اپنی طاقت اور قابلیت کے ساتھ بنو ہاشم کو بنو امیہ پر غالب رکھا لیکن عبدالمطلب کی وفات کے بعد بنو ہاشم کمزور ہوتے گئے اور بنو امیہ آہستہ آہستہ زور پکڑتے گئے۔ ہاشم کا خاندان کمزور ہو گیا اور بنو امیہ تجارت، دولت اور طاقت کے زور پر صاحب قیادت و سیادت ہو گئے۔

ہاشم شام کی طرف تجارت کے لئے جا رہا تھا کہ راستہ میں یثرب میں قیام کیا وہاں قبیلہ خزرج کی شاخ بنو نجار کی ایک حسین و جمیل مالدار اور عقل مند عورت سلمیٰ سے شادی کر لی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عمرہ عرف شیبہ رکھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد شام میں غزا کے مقام پر ہاشم کا انتقال ہو گیا۔ وفات کے وقت اس کے چار لڑکے تھے۔ ابو سیفی، اسعد، نظلہ اور شیبہ۔ مگر چونکہ یہ چاروں کم عمر تھے اور شیبہ تو یثرب میں ہی اپنی والدہ کے پاس تھا اس لئے ہاشم کی وفات پر اس کی جگہ اس کا بھائی مطلب بنو عبد مناف کا سردار بنا اور سقایہ و رفادہ کے کام اس کے سپرد ہوئے۔ جب مطلب کو معلوم ہوا کہ یثرب میں اس کا بھتیجا شیبہ بن ہاشم جوان ہو گیا ہے اور بہت قابل اور بہادر ہے تو وہ یثرب جا کر اس کی والدہ کی اجازت سے اسے مکہ لے آیا۔

عبدالمطلب بن ہاشم 496ء تا 578ء تک

ہاشم بن عبد مناف نے ایک تجارتی قافلے کے ہمراہ شام جاتے ہوئے یثرب (مدینہ) میں قیام کیا وہاں تجارتی میلہ کے دوران آپ نے ایک حسین و جمیل تجربہ کار اور عقل مند عورت کو خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھا معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہ ایک بیوہ عورت ہے۔ اس کا نام سلمیٰ بنت عمرہ بن زید قبیلہ بنو خزرج کی شاخ سعد بنو النجار سے ہے ہاشم نے اس کو نکاح کی دعوت دی جو اس نے چند شرائط کے ساتھ منظور کرلی ہاشم نکاح کے بعد چند دن سلمیٰ کے ہاں سکونت پذیر رہا اور ابھی دوران وہ حاملہ ہو گئی ہاشم اپنا تجارتی قافلہ لے کر شام روانہ ہو گیا وہاں غزا کے مقام پر چند روز بیمار رہنے کے بعد وفات پا گیا اور وہاں " اومان " کے مقام پر دفن کر دیا گیا۔ اس کی وفات 510ء میں ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق ہاشم سلمیٰ کو اپنے ہمراہ مکہ بھی لے کر گیا تھا اور وہاں اس نے کچھ مدت قیام کیا اور اس کے بطن سے ہاشم کے ہاں ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی تھی بہرحال عام روایت یہی ہے کہ نکاح کے چند روز یثرب میں قیام کے بعد ہاشم شام روانہ ہو گیا اور اس کی وفات کے بعد سلمیٰ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عمرو رکھا گیا لیکن اس کے سر کے کچھ بال سفید تھے اس لئے اس کو شیبہ کہنے لگے شیبہ بن ہاشم جب نوجوان ہوا تو بڑا اچھا تیر انداز اور عقلمند تھا۔ جب اس کے چچا المطلب کو مکہ میں یہ اطلاع ہوئی کہ تمھارا بھتیجا شیبہ بن ہاشم بڑا ہونہار، اور بہادر ہے تو وہ یثرب میں آیا اور اس کی والدہ کی اجازت سے اس کو مکہ لے آیا جب مکہ کے لوگوں نے المطلب کے اونٹ پر اس کے پیچھے ایک نوجوان لڑکے کو بیٹھے دیکھا تو کہنے لگے کہ مطلب ایک غلام کو خرید کر لایا ہے۔ مطلب نے بہت کہا کہ یہ میرا بھتیجا شیبہ بن ہاشم ہے غلام نہیں مگر لوگوں نے شیبہ کا نام مطلب کا غلام یعنی عبدالطلب مشہور کر دیا اور آپ عام زندگی میں اسی نام سے پکارے جاتے رہے۔ المطلب نے شیبہ کو مکہ لاکر اس کے باپ ہاشم کی تمام جائیداد اس کے حوالے کر دی مگر شیبہ کے دوسرے چچا نوفل نے اس کے باپ کے ایک کنوئیں پر قبضہ کر لیا۔ عبدالمطلب نے یثرب سے اپنے ماموں ابو اسد بن عدی بن النجار کو اپنی امداد کے لئے بلایا جو اسی (80) شتر سواروں کے ساتھ اپنے بھانجے کی امداد کے لئے آیا اور نوفل سے عبدالمطلب کا کنواں اور دیگر جائداد واپس دلا کر چلا گیا۔ عبدالمطلب نے مکہ میں اپنی طاقت بنانے کے لئے جدو جہد شروع کر دی اس کے کچھ عرصہ بعد المطلب بن عبد مناف ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ یمن گیا مگر وہاں اومان کے مقام پر فوت ہو گیا اور اس کی وصیت کے مطابق عبدالمطلب بن ہاشم قبیلہ بنو ہاشم کا سردار مقرر ہوا اور المطلب کے مناصب سقایہ اور رفادہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا کھانا کھلانا اور دیگر خدمات بجالانا اپنے ذمہ لے لیا۔ یہی وجہ ہے کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب دونوں قبیلے ایک رہے اور بنو امیہ اور بنو نوفل آپس میں ایک ہو کر رہے۔

عبدالطلب بڑا مدبر، بہادر، خوش شکل، بلند قامت، بردبار تحمل مزاج اور فیاض تھا۔ اس نے چاہ زم زم کو کھود کر دوبارہ جاری کیا ابراہہ حاکم یمن سے مکہ اور خانہ کعبہ کو بچایا۔ حاجیوں کی خدمت کی اور کئی اور بھی کارہائے

نمایاں سرانجام دیے۔ ہمسایہ ممالک کے بادشاہ اور حکمران بھی ان کی عزت کرتے اور سفارش مانتے تھے۔ جب تک وہ زندہ رہے بہت مقبول اور قریش کے ہردلعزیز سردار تھے اور تمام عرب میں قدرو منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

محالفہ:

قبیلہ خزاعیہ کے کچھ لوگ جناب عبدالمطلب کے پاس آئے اور کہا "ہم سب لوگ گھر کے اعتبار سے آپس میں ہمسایہ و ہم جوار ہیں لہٰذا آپس میں باہمی امداد و نصرت کا عہدوپیمان کر لیں"۔ عبدلمطلب نے یہ درخواست قبول کر لی اور دارلسندوہ میں آکر دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کی مدد کے لئے عہدوپیمان کئے اور ایک عہد نامہ لکھ کر کعبہ میں لٹکا دیا۔ عبدلمطلب نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ میری موت کے بعد میرا وصی و جانشین میرا بیٹا زبیر اس معاہدے کا پابند رہے گا جو میرے اور فرزندان عمروخزاعی کے درمیان ہوا ہے وہ اس پر قائم رہے گا۔ زبیر نے اپنے بعد ابو طالب اور ابو طالب نے یہی وصیت عباس بن عبدلمطلب سے کی تھی۔ چنانچہ یہی تاریخی معاہدہ تھا جو عبدالمطلب اور بنو خزاعیہ کے درمیان ہوا تھا جس کی بنا پر صلح حدیبیہ کے موقعہ پر آنحضرتؐ نے قبیلہ بنو خزاعیہ کو اپنا حلیف بنا لیا تھا اور جب قریش بنو کنانہ نے مل کر بنو خزاعیہ پر حملہ کر کے ان کے کچھ لوگ قتل کر دیے تھے تو بنو خزاعیہ کا سردار حضورؐ کے پاس مدینہ حاضر ہوا اور اسی معاہدے کی بنا پر آپؐ سے قریش کے خلاف مدد کا خواستگار ہوا اور حضورؐ نے صلح حدیبیہ کو منسوخ کر کے مکہ پر حملہ کیا اور فتح عظیم حاصل کی۔

چاہ زمزم کی کھدائی:

عبدالمطلب بن ہاشم سقایہ اور رفادہ کے مناصب کا ذمہ دار تھا یعنی ایام حج میں حاجیوں کو پانی مہیا کرنا وغیرہ لیکن مکہ میں میٹھے پانی کا کوئی چشمہ نہ تھا اس لئے عبدالطلب مکہ کے اردگرد دور دور مقامات سے پانی لاکر مکہ کے حوضوں میں جمع کرتے تھے اور اس سلسلہ میں کافی تکلیف اور اخراجات برداشت کرنے پڑتے تھے۔ خانہ کعبہ میں چشمہ زمزم جو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ اور اس کی والدہ حضرتؑ ہاجرہ کو عطا کیا تھا وہ بنو جرہم نے مٹی سے بند کر دیا تھا۔ واقعات یہ ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ کے اس ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے کو جو لاکھوں بندگان خدا کو سیراب کرتا رہا جب بنو جرہم اور بنو خزاعیہ کے درمیان جنگ ہوئی اور بنو جرہم کو شکست ہوئی جو خانہ کعبہ کے متولی تھے تو مفاض جرہمی نے جو اس قبیلے کا سردار تھا مکہ چھوڑتے ہوئے کعبہ کے نذرانے کے سونے کے دو ہرن بہت سی تلواریں اور زرہیں چاہ زم زم میں پھینک دیں اور اوپر سے پتھر اور مٹی ڈال کر اسے پاٹ دیا تاکہ مکہ کے لوگ خود بھی تشنہ لب رہیں اور حاجیوں کو بھی پانی میسر نہ آئے۔ اس طرح فاتح قبیلہ سے انتقام لینے کے لئے اس کنوئیں کو پاٹ کر بھاگ گئے۔ جب عبدالمطلب کو حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری ملی تو اس نے اپنے فرائض کی بجاآوری کے لئے ہر ممکن کوشش کی مگر پانی کی کمی پر قابو پانا بہت مشکل تھا۔ عبدمطلب نے تین بار خواب میں

آواز سنی کہ " اٹھ اور چاہ زمزم کی کھدائی کر۔" آپ کو ■ جگہ بھی دکھائی گئی جہاں چاہ زمزم موجود تھا۔ چنانچہ جناب عبدالمطلب اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لے کر حرم کعبہ میں اس جگہ آئے جس کی نشاندہی خواب میں کی گئی تھی۔ آپ نے قریش کے سرکردہ افراد کو بلا کر کہا کہ حاجیوں کو پانی پلانے میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ مجھے زم زم کی کھدائی کا حکم ہوا ہے اور وہ جگہ بھی بتا دی گئی ہے۔ جہاں زم زم موجود ہے تم میرا ساتھ دو تاکہ زمزم کھود سکیں۔ مگر قریش نے اس سلسلہ میں تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ عبدالمطلب نے اپنے خواب کی صداقت پر پورا یقین کرتے ہوئے خود ہی اپنے بیٹے کی مدد سے زمزم کی کھدائی کا کام شروع کر دیا۔ تین روز کی مسلسل کھدائی کے بعد بنو جرہم کی پھینکی ہوئی تلواریں اور زرہیں برآمد ہونے لگیں اور پانی بھی نکلنے لگا۔ عبدالمطلب نے زرہوں اور تلوروں سے خانہ کعبہ کا دروازہ بنا دیا اور سونے کے دو ہرن برآمد ہوئے تھے وہ نذرانوں کی دوسری چیزیں جو صحیح سالم ملیں سب کو کعبہ میں جمع کر دیا۔ اس سے عبدالمطلب کے وقار میں بڑا اضافہ ہوا۔ ان کی محنت کے صدقے میں ٹھنڈے میٹھے پانی کا کنواں مل گیا جس میں کبھی کمی نہیں آئی جو پیاس کو گھٹاتا اور تازگی پیدا کرتا ہے۔

عبداللہ کی نذر:۔

زمزم کی کھدائی کے وقت عبدالمطلب نے بیٹوں کی کمی کو شدت سے محسوس کیا اور اللہ تعالی سے دعا مانگی اگر تو مجھے دس بیٹے دے گا اور وہ جوان ہوں گے تو ان میں سے ایک تیرے نام پر قربان کروں گا۔ سارے عرب میں لوگ بیٹوں کی کثرت پر فخر کرتے اور اپنی قوت و اقتدار کا ذریعہ سمجھتے تھے لیکن اس وقت عبدالمطلب کا صرف اکلوتا بیٹا حارث ہی تھا۔ عبدالمطلب کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالی نے انہیں دس بیٹے دیے جب ان کے بیٹے جوان ہوئے تو اپنے بیٹوں کی کثرت پر بہت شکر گزار تھے۔ ایک رات خواب میں کسی نے انہیں پکار کر کہا کہ " عبدالمطلب اٹھ اور اپنی منت پوری کر۔" صبح عبدالمطلب نے اپنے تمام بیٹوں کو بلایا اور کہا آج رات مجھے خواب میں کسی نے اپنی منت پوری کرنے کا اقرار یاد دلایا ہے بتاؤ تمھاری کیا رائے ہے؟ سب بیٹوں نے عرض کیا کہ آپ اپنی نذر پوری کریں ہم آپ کے حکم پر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ ہمارے دادا حضرت اسمعیلؑ نے بھی اپنے والد کے حکم پر سر جھکا دیا تھا ہم بھی سر جھکاتے ہیں۔ آپ ہمیں ہر حال میں فرمانبردار پائیں گے "۔ عبدالمطلب نے کہا کہ " میں قرعہ اندازی کرتا ہوں جس کا نام نکلے وہی قربان کیا جائے گا "۔ عبدالمطلب اپنے تمام بیٹوں کو لیکر کعبہ میں آئے اور قرعہ ڈالنے والے پجاری سے اپنا مقصد بیان کیا اس نے دس تیر لئے ہر ایک پر ایک بیٹے کا نام لکھا اور پھر کعبہ کے سب سے بڑے بت ہبل کے آستانے پر تیر رکھ کر قرعہ اندازی کی اور خدا کی قدرت عبدالمطلب کے بیٹوں میں سے اس کا نام نکلا جو انہیں سب سے زیادہ عزیز اور شکل و صورت فہم ■ فراست میں دوسروں سے ممتاز تھا۔ یہ آنحضرتؐ کے والد بزرگوار جناب عبداللہ تھے جو اپنے والد کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے قربان گاہ میں قربانی کے لئے تیار ہوگئے جناب عبدالمطلب ان کا ہاتھ پکڑ کر اساف و نائلہ بتوں کے سامنے لے گئے یہ دونوں وہ بت تھے جن

کے پاس لوگ اپنی قربانی پیش کیا کرتے تھے۔ قریش کو جب معلوم ہوا کہ عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کو ذبح کرنا چاہتے ہیں تو شہر میں کہرام مچ گیا۔ جناب عبداللہ کے ننھیال ان کے بھائی بہنیں اور اہل قبیلہ بھاگتے ہوئے کعبہ کی طرف آئے اور لوگوں کا ایک ہجوم حرم میں جمع ہو گیا اور ہر شخص جناب عبدالمطلب کو اپنے بیٹے کی قربانی سے باز رہنے کی تلقین کرنے لگا لیکن انہوں نے اعلان کر دیا کہ میں اپنی منت ہر حال میں پوری کروں گا۔ میں عبداللہ کو ضرور قربان کروں گا۔ کوئی مجھے اس ارادے کی تکمیل سے باز نہیں رکھ سکتا۔ قریش کے ایک سردار مغیرہ بن عبداللہ جو تجربہ کار اور مدبر شخصیت تھے۔ آگے بڑھ کر عبداللہ کے والد محترم عبدالمطلب سے کہا کہ "عبدالمطلب آپ عبداللہ کا خون بہا ادا کر دیجئے اس طرح آپ کی منت بھی پوری ہو جائے گی اور عبداللہ کی جان بھی بچ جائے گی"۔ تمام مجمع میں شور مچ گیا کہ "خون بہا ادا کر دو اور عبداللہ کو چھوڑ دو" چنانچہ سرواران قریش عبداللہ کے ننھیال اور اپنے بیٹوں و بیٹیوں کے اصرار پر عبدالمطلب نے یہ تجویز منظور کر لی کہ وہ بمقام خیبر کاہنہ کے پاس چلیں اور اس سے معلوم کریں کہ اس مسئلے کا کیا حل ہے؟ چنانچہ سب مل کر کاہنہ کے پاس خیبر پہنچے۔ عبدالمطلبؑ نے اس سے سب قصہ بیان کیا۔ اس نے ان کو دوسرے روز آنے کے لئے کہا اور جب دوبارہ گئے تو اس نے پوچھا کہ ایک آدمی کا خون بہا کس قدر ہوتا ہے انہوں نے کہا دس اونٹ کی دیت ہوتی ہے۔ کاہنہ نے کہا تم لوگ اپنے شہر جا کر دس اونٹوں اور عبداللہ کے نام تیر پھینکو اگر تیر تمھارے آدمی کے نام نکل آئے تو دس اونٹ اور بڑھا دو۔ پھر اسی طرح تیر پھینکتے رہو اور اونٹوں کا اضافہ کرتے رہو۔ یہاں تک کہ تمھارا رب تم سے راضی ہو جائے اور اگر وہ تیر اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو ان کو ذبح کر دو۔ اس سے تمھارا رب تم سے راضی ہو جائے گا اور تمھارا آدمی نجات پا جائے گا۔ اس پر لوگ مکہ واپس آئے اور عبداللہ اور دس اونٹوں کو حاضر کیا گیا جب تیر پھینکا گیا تو عبداللہ کے نام پر نکلا۔ اس پر دس اونٹوں کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد پھر بھی تیر حضرت عبداللہؓ کے نام پر ہی نکلا۔ اس طرح ہر مرتبہ وہ لوگ دس دس اونٹوں کا اضافہ کرتے رہے اور تیر برابر عبداللہؓ کے نام پر ہی نکلتا رہا حتیٰ کہ اونٹوں کی تعداد سو پر پہنچ گئی اس کے بعد جو تیر پھینکا وہ اونٹوں کے نام نکلا اس پر حاضرین بول اٹھے کہ اے عبدالمطلب اب تمھارا رب تم سے راضی ہو گیا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ واللہ یہ کافی نہیں بلکہ میں تین مرتبہ تیر پھینکوں گا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا مگر تینوں مرتبہ تیر اونٹوں کے نام پر ہی نکلا۔ تب ان کو ذبح کر کے وہیں چھوڑ دیا گیا اور انسانوں اور جانوروں کو ان کے گوشت کھانے کی عام دعوت و اجازت دے دی گئی۔

واقعہ اصحاب الفیل

جزیرہ نمائے عرب میں یمن سب سے زیادہ زرخیز، شاداب اور زرعی پیداوار کے لحاظ سے خوش حال علاقہ تھا بین الاقوامی تجارت کا مرکز، تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کا گہوارہ تھا اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک تھا۔

حمیری خاندان کے زیر تسلط اس ملک نے زرعی پیداوار، تجارت اور تمدن کے لحاظ سے بے حساب ترقی کی ۔ اس خاندان کے بادشاہ بت پرست تھے ۔ لیکن اس خاندان کے آخری بادشاہ ذونواس حمیری نے یہودی مذہب اختیار کر لیا اور اپنے اس مذہبی جنون اور تعصب میں نجران کے قریباً بیس ہزار عیسائیوں کو گڑھے کھدوا کر اور اس میں آگ جلا کر زندہ جلا دیا ۔ قرآن حکیم نے اس واقعہ کو "اصحاب الاخدود" کے نام سے بیان کیا ہے ۔ چنانچہ یہودی بادشاہ ذونواس کے ظلم سے ایک عیسائی زندہ بچ کر قیصر روم (شاہ روم) کے حضور پہنچ کر فریادی ہوا اور نجران کے قیامت انگیز مظالم کی داستان بیان کی ۔ قیصر روم نے یمن کے طویل فاصلے کی وجہ سے حبشہ کے نجاشی بادشاہ کو (جو عیسائی تھا) لکھا وہ ذونواس سے نجران کے عیسائی شہداء کا انتقام لے ۔ اس پر حبشہ کے نجاشی نے قیصر کے سفیر کے ساتھ یمن کے خلاف ایک لشکر جرار بھیجا جس کا سپہ سالار ارباط تھا ۔ ابرہ الاشرم ایک فوجی افسر بھی اس لشکر میں شامل تھا ۔ ارباط نے یمن فتح کر کے اسے حبشہ کی سلطنت میں شامل کر دیا اور نجاشی نے ارباط کو اپنا گورنر یمن مقرر کر دیا کچھ دیر بعد ابراہہ نے ارباط کو قتل کر کے یمن پر قبضہ کر لیا اور نجاشی نے اس کو اپنا گورنر تسلیم کر لیا اسی ابراہہ نے اپنے مذہبی جذبہ کے تحت صناء میں ایک عالی شان کنسیہ یعنی گرجا تعمیر کرایا اور لوگوں کو مکہ کی بجائے صناء آکر حج و طواف کرنے کی ترغیب دی اسی طرح قبیلہ غسان کے حکمران نے حیرہ میں اسی مقصد کے لئے ایک عالی شان گرجا تعمیر کروایا تھا ۔ ابراہہ نے بہت کوشش کی کہ یمن اور دیگر عرب علاقوں کے لوگ مکہ کعبتہ اللہ میں حج کی بجائے صناء میں آکر حج و طواف کریں مگر اس میں اسے کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی وہ باقاعدگی سے مکہ جاتے رہے ۔ ایک عرب نے ایک رات صناء کے اس عالی شان گرجے میں غلاظت پھینک دی جس پر ابراہہ نے مشتعل ہو کر خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور سن 570 میں ایک بڑا لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو پڑا ۔ ابراہہ کو روکنے کے لئے دو عرب سرداروں ذانفر اور نفیل نے اپنے اپنے قبیلہ کے نوجوانوں کے ساتھ مقابلہ کیا ۔ مگر دونوں شکست کھا گئے اور گرفتار ہو گئے ۔ جب ابراہہ طائف پہنچا تو طائف کے سرداروں نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ ابراہہ ان کے بت "لات" کو ہی کعبتہ اللہ سمجھ کر اس کو تباہ نہ کر دے ۔ اس کو مکہ اور طائف کا فرق بیان کیا اور مکہ کی راہنمائی کے لئے ایک راہبر کو اس کے ہمراہ کر دیا ۔ ابراہہ جب مکہ کے قریب پہنچا تو اس نے ایک سردار حناب حمیری کو عبدالمطلب کے پاس سفیر بنا کر بھیجا ۔ عبدالمطلب نے ابراہہ کے پاس پہنچ کر پیشکش کی کہ تہامہ کی آمدنی کا ایک ثلث تاوان میں لے لیں اور کعبے کو مسمار نہ کریں مگر اس نے انکار کر دیا ۔ ابراہہ نے عبدالمطلب سے پوچھا کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیان کرو ۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میرے سو اونٹ پکڑ کر لے آئے ہیں مہربانی فرما کر میرے اونٹ مجھے واپس دے دیے جائیں ۔ ابراہہ نے حیران ہو کر کہا کہ میرا خیال تھا کہ تم مجھ سے عرض کرو گے کہ خانہ کعبہ کو مسمار نہ کیا جائے ۔ اب میری نظروں میں تمھاری عزت ختم ہو گئی ہے کیونکہ تم اپنے سو اونٹوں کے متعلق تو کہہ رہے ہو جو میں نے پکڑ لئے ہیں مگر اپنے اس گھر کے متعلق کچھ نہیں کہا جو آپ کے

آباؤ اجداد کا دینی مرکز چلا آتا ہے۔اور میں اسے منہدم کرنے چلا آیا ہوں تم نے اس کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اپنے اونٹوں کا مالک ہوں۔باقی جو اس گھر کا مالک ہے وہ خود ہی اس کی حفاظت کرے گا۔ ابراہہ نے سو اونٹ اس کے حوالے کر دیے۔ وہ اونٹ لے کر مکہ پہنچ گیا اور اپنی قوم کو تمام حالات بتائے اور انہیں مکہ چھوڑ کر باہر نکل جانے اور پہاڑوں اور دروں میں جاکر چھپ جانے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ ابراہہ کے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ عبد المطلب اپنی قوم کے سرداروں کو لے کر خانہ کعبہ میں آیا اور خدا سے ابراہہ سے خانہ کعبہ کی حفاظت اور قریش کی فتح و نصرت کی دعا مانگی کہ تو اپنے گھر کی خود حفاظت فرما ایسا نہ ہو کہ نصاریٰ کی صلیب خانہ کعبہ پر بلند ہو جائے اور ان کی قوت تیری قوت پر غالب آجائے"۔

جب ابراہہ نے مکہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا اور اپنے سب سے بڑے ہاتھی "محمود" کو اس مقصد کے لئے آگے بڑھانے کا قصد کیا تو محمود مکے کی طرف بڑھنے کی بجائے زمین پر بیٹھ گیا جب اسے دوسری طرف چلاتے تو وہ کھڑا ہو کر دوڑنے لگتا مگر جب خانہ کعبہ کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرتے تو وہ بیٹھ جاتا اور ہر طرح کی کوشش کے باوجود ہاتھی نے خانہ کعبہ پر حملہ کرنے سے انکار کر دیا۔اس حملہ میں ابراہہ کے ساتھ تیرہ ہاتھی تھے۔ اسی کشمکش میں یکایک سمندر کی طرف سے ابابیل پرندوں کے غول نمودار ہوئے جن میں ہر ایک کے پنجوں میں اور چونچ میں ایک ایک کنکری تھی جو چنے اور مسور کے دانوں کے برابر تھیں ان پرندوں نے یہ کنکریاں ابراہہ کے لشکر پر پھینکی اور جس کو یہ کنکری لگ جاتی وہ اسی وقت ہلاک ہو جاتا۔ تمام فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور صرف تھوڑی سی فوج جان بچا کر بھاگ جانے میں کامیاب ہوئی بیشتر حصہ تباہ و ہلاک ہو گیا۔ ابراہہ اپنی بچی کھچی فوج کے ساتھ یمن کی طرف بھاگ گیا راستہ میں اس کے اعضا کٹ گئے اور کٹ کٹ کر گرنے لگے اور صنعاء تک پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں مر گیا۔اس کے بعد وہاں شدید بارش سے سیلاب آگیا اور تمام نعشیں بہا کر سمندر میں گرا کر زمین صاف کر دی۔

اس سلسلہ میں ایک دوسری روایت یہ ہے کہ جب ابراہہ نے مکہ پر حملہ کی تیاری مکمل کر لی تو سمندر کی طرف سے تند و تیز ہوا کا طوفان آیا جس میں خسرہ و چیچک کے جراثیم تھے جراثیم کی وجہ سے ابراہہ کی فوج چیچک میں مبتلا ہو گئی اور کثرت سے فوجی ہلاک ہونے لگے۔اس بیماری کی وجہ سے ابراہہ خانہ کعبہ پر حملہ نہ کر سکا۔ بیشتر فوج اور وہ خود بھی اسی بیماری کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔اور خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے محفوظ رہا۔

اولاد عبدالمطلب بن ہاشم

طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ 133 اور 134 کے مطابق عبدالمطلب کے ہاں بارہ لڑکے اور چھ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

1۔ حارث عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔انہی کے نام سے وہ کنیت کرتے تھے یعنی ابوالحارث۔ یہ اپنے

باپ کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ ان کی والدہ کا نام صفیہ بنت جنید ابن محسیر تھا۔

2۔ زبیر جو ایک شریف شاعر اور تاجر تھا بہادر سخی اور انسان دوست تھا۔ عبدالمطلب نے انہی کو وصیت کی تھی اپنا وصی بنایا تھا۔

3۔ عبداللہ جو رسولؐ اللہ کے والد تھے۔

4۔ ابو طالب جن کا نا عبد مناف اور عبدالکعبہ تھا۔

عبدالمطلب کی پانچ بیٹیاں تھی۔

(1) عاتکہ۔(2) ام حکیم بن کا البیضاء (3) برہ۔(4) امیہ۔(5) اروئی۔

ان تینوں بیٹوں یعنی زبیر، عبداللہ اور ابو طالب اور مذکورہ پانچوں بیٹیوں کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عایذا بن عمران مخذوم بن یقظتہ بن مرہ بن کعب بن لوئی تھا۔

5۔ حمزہ

6۔ المقدم

جن کا نام مغیرہ تھا اور ان کی ہمشیرہ صفیہ۔ ان چاروں کی والدہ کا نام ہالہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب تھا۔

7۔ عباس بن عبدالمطلب۔

8۔ ضرار بڑے خوبرو اور سخی تھے حضورؐ کی بعثت کے وقت انتقال کر گئے۔

9۔ حشتم بن المطلب یہ لاولد فوت ہو گئے۔

ان تینوں بھائیوں کی والدہ قبیلہ بنت جناب بن کلب بن مالک تھا۔

10۔ ابو لہب بن عبدلمطلب جن کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ ان کی ماں کا نام لبنیٰ بنت خاجز بن عبد مناف قبیلہ خزیمہ سے تھی۔

11۔ العیداق بن عبدالمطلب جن کا نام وہب تھا۔ ان کی ماں کا نام ممبعہ بنت عمرو مالک قبیلہ خزاعہ سے تھی۔

کلبی نے فرزندان عبدالمطلب کی تعریف میں بیان کیا۔ تمام عرب میں ان کی اولاد جیسی کسی کی بھی اولاد نہ تھی۔ یہ شریف جسیم، بلند نظر، روشن چہرہ، فیاض، بہادر اور نیک سیرت تھے۔

جناب عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے

جناب عبداللہ بن عبدالمطلب حسن و جمال میں مثل چاند اور سیرت و کردار میں اپنی مثال آپ تھے۔ یوں تو مکہ میں پہلے ہی سے ان کی عزت تھی لیکن واقعہ "نذر" کی وجہ سے ان کا چرچا ہونے لگا اور بہت سی عورتوں نے انھیں اپنی امیدوں کا محور بنا لیا اور شادی کی خواہش کا اظہار کرنے لگیں۔

عبدالمطلب اپنے بیٹے کے لیے مناسب رشتہ کی تلاش میں تھے ۔ وہ حسب و نسب اور عزت و شرف میں بہترین جوڑ کی تلاش میں تھے اس جستجو میں وہ بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کے ہاں گئے ۔ انہوں نے ان کی بھتیجی آمنہؓ کے متعلق سن رکھا تھا کہ وہ قریش کی تمام دوشیزاؤں میں سے ہر لحاظ سے افضل ہے لہذا اپنے بیٹے عبداللہؓ کے لیے وہب سے اس کی بھتیجی آمنہؓ کا رشتہ مانگا ۔ جسے انہوں نے قبول کر لیا کیونکہ وہ عبداللہ کی شہرت و نیک سیرت سے خوب واقف تھا ۔ چنانچہ حضرت آمنہؓ کا نکاح عبداللہؓ سے ہو گیا اس وقت جناب عبداللہ کی عمر چوبیس سال تھی ۔

اسی مجلس نکاح میں خود جناب عبدالمطلب بن ہاشم نے وہب سے اسکی بیٹی ہالہ کا رشتہ مانگا اس نے منظور کر لیا اور یہ نکاح بھی ہو گیا ۔ یہ دونوں عقد یعنی عبداللہ بن مطلب اور عبدالمطلب بن ہاشم کے نکاح ایک ہی مجلس اور ایک ہی نشست میں ہوئے ہالہ بنت وہب کے بطن سے حمزہؓ پیدا ہوئے جو نسب میں حضورؐ کے چچا تھے مگر سن و عمر میں حضورؐ کے برابر اور رضائی بھائی تھے ۔

جناب عبداللہ بن عبدالمطلب نے جب حضرت آمنہؓ بنت وہب سے نکاح کیا تو وہیں تین دن بسر کیے ۔ ان لوگوں میں یہ قاعدہ تھا کہ نکاح کے بعد بیوی کے پاس جاتے تو تین دن تک اسی کے گھر میں رہتے ۔

اس نکاح کے بعد جناب عبدالمطلب نے ایک شاندار ضیافت دی ۔ جس میں تمام اہل مکہ اور گردو نواح کے تمام لوگوں کو دعوت عام دی تھی ۔ جناب عبداللہؓ اور حضرت آمنہؓ کی ازدواجی زندگی انتہائی خوشگوار اور پر مسرت تھی ۔ کیونکہ دونوں حسن صورت اور حسن سیرت کے لحاظ سے یکتائے روزگار تھے ۔ اس خوش قسمت جوڑے نے قریباً چھ ماہ ابتدائی شادی کا وقت انتہائی خلوص و محبت ، سکون و مسرت اور باہمی عزت و احترام کے ساتھ گزارا ، سیدہ آمنہؓ اپنے سسرال میں بے حد عزت و توقیر اور محبت و احترام کے ساتھ دیکھی جاتی تھی وہ نہ صرف حسین و جمیل اور وفادار گھریلو خاتون تھیں ۔ شائستہ شعر و شاعری اور علم و ادب سے پوری طرح واقف تھیں آپ نے شوہر کی وفات پر جو مرثیہ لکھا ہے وہ ان کی ذہانت ، قابلیت علم و ادب اور پاکیزہ جذبات کا واضح ثبوت ہے ۔

جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کی وفات

قبیلہ قریش عرب کے تمام قبائل میں سب سے زیادہ منظم ، متمدن اور طاقتور قبیلہ تھا ۔ خانہ کعبہ کی تولیت سے ان کو تمام قبائل میں عزت و احترام اور مذہبی سیادت حاصل تھی ان کو روم ، مصر ، حبشہ ، یمن اور بحرین کے حکمرانوں کی طرف سے تجارتی مراعات حاصل تھیں اور ان کے تجارتی قافلے بھی سفر کے دوران محفوظ تھے ۔ ان کا عام پیشہ تجارت تھا اس لیے خوش حال تھے ۔

جناب عبداللہ کی شادی کے قریباً چھ ماہ بعد مکہ سے ایک تجارتی قافلہ شام کی طرف جا رہا تھا ۔ جناب عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو بھی مال تجارت دے کر قافلہ کے ساتھ شام روانہ کیا حضرت آمنہؓ کو جب خبر ملی

تو انہیں اپنے شوہر کی جدائی کا رنج تو بہت ہوا۔ مگر باپ کا حکم اور حصول معاش کا مسئلہ درپیش تھا اس لیے خاموش رہیں۔ جناب عبداللہ کو الوداع کہا اور دعا کی خدا آپ کو جلد بخیریت واپس لائے۔ شام میں غزہ کے مقام پر پہنچ کر قافلے نے اپنا سامان فروخت کیا اور وہاں سے مطلوبہ سامان خرید کر واپس مکہ روانہ ہوئے جب قافلہ یثرب (مدینہ) پہنچا تو جناب عبداللہؑ بیمار پڑ گئے۔ اور مدینہ لپنے ننھیال کے ہاں قیام کیا قافلہ جناب عبداللہؑ کو بیماری کی حالت میں مدینہ چھوڑ کر مکہ واپس آ گیا۔ اور جناب عبدالمطلب کو ان کے بیٹے کی بیماری کا حال سنایا۔ جسے سن کر عبدالمطلب کو شدید تشویش ہوئی اور لپنے بڑے بیٹے جناب زبیر کو (حارث اس وقت فوت ہو چکا تھا) عبداللہ کی خیریت دریافت کرنے کے لیے اور لپنے ساتھ واپس لانے کے لیے مدینہ روانہ کیا جب جناب زبیر مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ ان کے چھوٹے بھائی عبداللہؑ وفات پا چکے ہیں، اور ان کو بنو عدی النجار کے القابہ کے گھر میں دفن کر دیا گیا ہے۔ جناب زبیر لپنے بھائی کا سامان لے کر مکہ پہنچے اور لپنے باپ اور سیدہ آمنہؑ کو جناب عبداللہؑ کی وفات کی المناک خبر سنائی جس سے تمام قبیلہ میں کہرام مچ گیا۔ سیدہ آمنہؑ اور جناب عبدالمطلب کو خاص طور پر اس قیامت انگیز حادثہ پر بے حد صدمہ ہوا۔ بہر حال صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور جناب سیدہ آمنہؑ نے اس جانکاہ صدمے کو بڑے صبر و تحمل سے برداشت کیا۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت

حضرت محمدؐ کی ولادت باسعادت عام روایات کے مطابق مورخہ 12 ربیع الاول ۱ عام الفیل بمطابق 20 اپریل 570 اور مستند روایات کے مطابق مورخہ 9 ربیع الاول ۱ عام الفیل بمطابق 22 اپریل 571 بروز دو شنبہ (سوموار) بوقت صبح صادق اور قبل از طلوع آفتاب موسم بہار کی پر فضا سہانی صبح واقعہ اصحاب فیل کے پچپن (55) روز بعد مکہ معظمہ میں عالم ظہور میں آئی۔

حضور اکرمؐ کے والد محترم جناب عبداللہ بن عبدالمطلب تاریخ عالم کے سب سے زیادہ خوش قسمت انسان تھے۔ آپ حضورؐ کی پیدائش سے چند ماہ قبل ہی دوران سفر مدینہ منورہ میں انتقال فرما چکے تھے۔ حضورؐ کی والدہ ماجدہ تاریخ عالم کی تمام خواتین سے زیادہ خوش قسمت تھیں جن کو تاریخ عالم کے اس عظیم ترین انسان کامل کی "مادر مہربان" بننے کا شرف حاصل ہوا۔

آنحضرتؐ کی پیدائش کے فوری بعد آپؐ کی آیا ام ایمن جناب عبدالمطلب کو آنحضرتؐ کی پیدائش کی خوشخبری سنانے کے لیے خانہ کعبہ میں بھاگتی ہوئی آئیں۔ اس وقت عبدالمطلب خانہ کعبہ میں تھے اور طواف میں مصروف

تھے ۔ خوش خبری ملنے پر فوراً گھر آئے حضرت آمنہؓ نے آپ کو مبارک دی اور نومولود کو آپ کے ہاتھوں میں دے دیا جناب عبدالمطلب بچے کو لے کر خانہ کعبہ میں آئے اور حجر اسود کے پاس کھڑے ہو کر دعا کی اے اللہ میرے بیٹے کی اس نشانی کو سلامت رکھنا اور ایک عظیم انسان بنانا اس کے بعد آپ بچے کو لے کر اس کی والدہ کے پاس آئے اور اس کے سپرد کر دیا ۔ تمام قبیلہ میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی جناب عبدالمطلب نے اپنے پوتے کا نام " محمدؐ " اور والدہ ماجدہ نے " احمدؐ " رکھا لہذا آنحضرتؐ کے دونوں نام " محمدؐ " اور " احمدؐ " ہیں ۔

جناب عبدالمطلب نے حضورؐ کی پیدائش کی خوشی میں ایک بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا ۔ جس میں فرمایا کہ میں نے اپنے اس بچے کا نام " محمدؐ " اس لیے تجویز کیا ہے کہ اس کی دنیا بھی تعریف کرے اور خالق کائنات بھی پسند کرے ۔

جناب عبالمطلب اپنے مرحوم بیٹے عبداللہؓ کے فرزند ارجمند جناب محمدؐ سے بے حد محبت کرتے تھے آپؐ کی غیر معمولی کشش ، جاذبیت ، ذہانت و متانت اور شریفانہ عادات و اطوار کو دل سے محسوس کرتے تھے اور اپنی اولاد سے فرماتے تھے کہ میرے اس فرزند کو آزاد چھوڑ دو اس کی بڑی شان ہونے والی ہے ۔ مگر افسوس کہ جب آپؐ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کے شفیق دادا جناب عبدالمطلب بھی داغ مفارقت دے گئے ۔ انہوں نے 578 ء میں وفات پائی ۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو دس سال کی تھی ۔ آپ کو اہل مکہ کے قبرستان واقع حجون میں دفن کیا گیا آنحضرتؐ بھی جنازہ میں شامل ہوئے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش

عام مورخین کی روایت کے مطابق نبی اکرم کو آٹھ عورتوں نے دودھ پلایا ، جن میں سب سے پہلی آپ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہؓ بی بی تھیں ۔ پھر ابو لہب کی لونڈی صوبیہ تھی ۔ ان ہی میں خولہ بنت منظر اور ام ایمن برکہ بھی تھیں ۔ آپؐ کو دوسال تک دودھ پلانے والی خوش قسمت حضرت حلیمہ سعدیہؓ تھیں جن کے خاوند کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا اشراف مکہ میں عام رواج تھا کہ ان کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو بہتر نشوونما اور اچھے عادات و اطوار کے لیے باہر صحرائی ماحول میں بھیج دیتے تاکہ خوش گوار آب و ہوا اور سادہ ماحول میں بچے پرورش پا کر صحت مند اور توانا ہوں ۔ اس لیے آپؐ کو دودھ پلانے کے لئے بنی سعد بن بکر کی ایک عورت جس کا نام حلیمہ بنت ابی وہب تھا مقرر کیا اور آپؐ کی رضاعی بہن بھائیوں میں عبداللہ انیسہ اور خماط (خمامتہ) جس کا اصل نام الشماء تھا یہ سب حلیمہ ہی کے بچے تھے ۔ دو سال کے بعد بی بی حلیمہ حضورؐ کو لے کر ان کی والدہ کے پاس مکہ میں آئیں مگر ان دنوں مکہ میں بیماری اور وبا پھیلی ہوئی تھی اس لیے سیدہ آمنہؓ نے دوبارہ آپؐ کو بی بی حلیمہ کے ساتھ واپس بھیج دیا اور مزید دو سال تک آپ وہاں ہی رہے اور چار سال کی عمر میں واپس مکہ اپنی والدہ ماجدہ کے پاس آگئے ۔

ہمارے خیال میں آنحضرتؐ کو دوسری عورتوں کے دودھ پلانے اور حلیمہ سعدیہ کے پاس چار سال تک قیام

کی روایت مشکوک بلکہ غلط معلوم ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبیوں کے ساتھ خاص تعلق ہوتا ہے اور جن کو وہ منصب نبوت پر فائز کرتا ہے وہ لوگوں میں حسب و نسب کے لحاظ سے بلند، صداقت، دیانت، امانت اور دیگر اخلاق عالیہ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں اور ان کی ذات سے کوئی ایسی بات منسوب نہیں کی جا سکتی جو لوگوں کی نظروں میں حقیر اور شرافت سے گری ہوئی ہو ۔ چنانچہ اللہ کے حکم پر حضرت موسیٰ کو ان کی والدہ محترمہ نے دریا میں بہا دیا فرعون کے اہل بیت نے انھیں اٹھا لیا مگر اللہ نے موسیٰ پر والدہ کے سوا کسی دوسری عورت کا دودھ حرام کر دیا اور انہوں نے کسی دوسری عورت کا دودھ پینے سے انکار کر دیا۔ حضورؐ اقدس اپنی والدہ محترمہ کے اکلوتے فرزند ارجمند تھے ۔ پیدائش کے بعد اپنی والدہ کے دودھ پر پلنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی بھی تائید ہو گئی کہ " مائیں اپنے بچوں کو دو سال دودھ پلائیں " چنانچہ حضورؐ نے بھی دو سال تک اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ پیا ۔ یہ روایت کہ آپؐ نے دو سال تک لونڈیوں کا دودھ پیا بالکل غلط ہے ۔ آپؐ کی والدہ کے دودھ کو کیا ہو گیا تھا کہ اس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنے سینے سے جدا کر کے حلیمہ کے سپرد کر دیا ۔ حضرت موسیٰ کی والدہ تو بچے کو جدا کر کے بے قرار ہو گئی تھیں ۔ کیا سیدہ آمنہؓ کو اپنے بچے سے کوئی محبت نہ تھی یا انؓ کی ممتا کمزور تھی ؟ کسی ماں کی ممتا اپنے نومولود بچے کو اپنے سے جدا نہیں کر سکتی یہ خلاف فطرت اور ناممکن بات ہے خاص طور پر سیدہ آمنہؓ جن کا خاوند پہلے ہی فوت ہو چکا ہو اور ان کا اور بھی کوئی بچہ نہ ہو تو یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انہوںؓ نے اپنے نومولود لخت جگر کو کسی بدو عورت کے سپرد کر دیا ہو کہ وہ اسے صحرا میں لے جائے لہذا یہ روایت سراسر غلط اور بے بنیاد ہے ۔

اگر اس زمانے میں بچوں کو کھلی فضا میں پلنے کا دستور تھا تو اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ بنی ہاشم یا دیگر قبائل قریش کے کون کون سے اکابر کس کس قبیلے میں پلے خود نبی اکرمؐ نے اپنے فرزند کس قبیلے میں پلنے کے لیے بھیجے تھے ۔ آخر مکہ کی پہاڑی فضا میں کیا خرابی تھی ؟ یہ بھی افسانہ ہے کہ قبیلہ ھوازن کی فصیح زبان سیکھنے کے لیے بھیجا جاتا تھا سوال یہ ہے کہ بچہ دو تین سال کی عمر تک فصاحت و بلاغت کے کس مرتبے پر پہنچ جاتا ہے ۔ پھر یہ بھی کہ مکہ کی زبان فصاحت و بلاغت میں کم نہ تھی ۔ اور دنیا کا فصیح ترین کلام قرآن حکیم قریش کی زبان میں نازل ہوا ۔ اور مکہ ہی عربی شعرا کے کلام کو پرکھنے کا مرکز تھا ۔ پس حقیقت یہی ہے کہ آپؐ نے اپنی والدہ محترمہ کی آغوش محبت شفقت میں انہی کے دودھ پر مکہ میں پرورش پائی ۔ اپنے دادا، عبدالمطلب، چچوں، پھوپھیوں اور دیگر عزیز و اقارب کے پیار و محبت سے ایک لمحہ بھی الگ نہ ہوئے اور اسی میں آپؐ کی حقیقی عظمت اور شرف ہے ۔ حضورؐ اپنی والدہ کے پہلے اکلوتے بیٹے تھے اس لیے سیدہ آمنہؓ نے پیدائش کے چند روز بعد اپنے آپ سے جدا کرنا ہرگز گوارا نہ کیا ہوگا کیونکہ ان کی ممتا اس جدائی کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

مذکورہ مشہور روایت کی اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے کہ حضورؐ اپنی شیر خوارگی کی عمر میں دو

سال اپنی والدہ ماجدہ کے پاس گھر میں رہے ہوں اور اس کے بعد دو سال کے لیے صحرا میں بی بی حلیمہ سعدیہ کے پاس بھیج دیے گئے ہوں جہاں تک بنو سعد کی زبان کی فصاحت و بلاغت اور صحرا کے ماحول وغیرہ کا تعلق ہے مکہ میں بھی آپؐ کو بہترین ماحول میسر تھا اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے قریش مکہ کی زبان کسی سے کم نہ تھی لہذا حضورؐ کی پیدائش کے چند روز بعد باہر بھیجنے کی روایت درائت اور فطرت کے خلاف ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضورؐ اللہ کے عظیم الشان نبی تھے۔ لہذا اپنی والدہ ماجدہ کے پاکیزہ دودھ کی بجائے لونڈیوں کے دودھ پر پرورش پانے پر یقین نہیں آرہا۔ اگر حضرت موسیٰ نے اپنی ماں کے سوا کسی اور کا دودھ پینے سے انکار کر دیا تھا تو حضورؐ اقدس نے اتنی لونڈیوں کا دودھ کیسے پیا ہوگا۔ تمام انبیائے کرام کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ کے کسی نبی نے پیدائش کے بعد اپنی والدہ کے علاوہ کسی دوسرے کا دودھ پیا ہو۔

حضرت سیدہ آمنہؓ کا سفر مدینہ اور وفات 577ء

جب آنحضرتؐ کی عمر چھے سال کی ہوئی تو آپؐ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ آپؐ کو آپؐ کے والد کی قبر پر زیارت کے لیے یثرب لے گئیں یہ تقریباً دو سو میل کا انتہائی مشکل، طویل سفر اپنے معصوم بچے کے ساتھ آپ کی اپنے شوہر کے ساتھ بے پناہ خلوص و محبت، وفاداری اور پاکیزہ جذبات کے اظہار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یثرب میں ایک ماہ قیام کیا۔ سیدہ آمنہ اپنے مرحوم شوہر کی قبر کے نزدیک بیٹھی رہتیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری رہتی۔ حضورؐ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلتے رہتے۔ بنو نجار کی باؤلی میں آپؐ نے تیرنا بھی سیکھ لیا۔ تمام بچے آپ سے کھیلنا پسند کرتے تھے کیونکہ آپؐ کسی سے جھگڑتے نہ تھے۔ وہاں پہنچ کر بنو نجار کے گھر قیام کیا جو جناب عبدالمطلب کے ننھیال تھے وہاں اپنے نور نظر کو وہ مکان دکھایا جہاں آپؐ کے والد نے وفات پائی تھی اس کے بعد آپؐ ان کے مزار پر گئے جہاں پہلی بار آپؐ کے دل میں یتیمی کا احساس پیدا ہوا۔ سیدہ آمنہؓ پہلے بھی آپؐ کو آپؐ کے والد کے حالات، ان کی سیرت و کردار، عادات و اطوار اور موت کے سانحہ کے متعلق بتایا کرتی تھیں۔

حضرت آمنہ کی وفات:۔

مدینہ سے روانہ ہو کر قریباً چالیس میل کے فاصلے پر مدینہ اور جحفہ کے درمیان ابواء کے مقام پر پہنچیں۔ جب آپ مدینہ سے روانہ ہوئیں تھیں تو آپ کے دل و دماغ پر اپنے محبوب شوہر کی جدائی کا شدید اثر تھا۔ جب ابوا پہنچیں تو بیماری اور صدمات نے گھیر لیا۔ آخر نزع کا عالم طاری ہو گیا اور خالق حقیقی سے جا ملیں آپؐ کے والد جناب عبداللہ بھی دوران سفر پردیس میں فوت ہوئے تھے اور " مادر مہربان " حضرت آمنہؓ کا آخری وقت بھی دوران سفر پردیس میں آیا۔ سفر میں تین افراد تھے ایک محمدؐ دوسری سیدہ آمنہؓ اور تیسری ایک خادمہ ام ایمن۔ جب حضرت آمنہؓ وفات پا گئیں۔ حضرت محمدؐ اور خادمہ ام ایمن باقی دو مسافر رہ گئے ایک عورت ذات اور دوسرا یتیم بچہ جس کا

خدا کے سوا کوئی عزیز و اقارب، ہمدرد و غم خوار، اور تسلی دینے والا نہ تھا۔ بے یارو مددگار اور بے سہارا اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش محبت و شفقت سے محروم ہو گیا۔ ذرا چشم تصور سے دیکھیں ایک خوفناک ماحول میں صحرا، جنگل اور پہاڑ کا سفر جس کے آس پاس آبادی بھی نہیں ہے ایسا پردیس جہاں نہ کوئی اپنا پرایا۔ بیابان جنگل۔ ان پر پریشانی اور غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں گے۔ کیا ایسے حالات میں انسان کا دل نہیں بیٹھ جاتا، والدہ اپنے معصوم لخت جگر کو اپنے آخری لمحات میں کس حسرت و یاس سے دیکھ رہی ہونگی۔ حضرت محمدؐ امی امی پکار رہے ہونگے۔ اس وقت اس قیامت خیز منظر سے زمین و آسمان ضرور لرز گئے ہوں گے کہ دنیا کا عظیم ترین انسان کیا منظر دیکھ رہا ہے، جب اس عظیم ماں کو قبر میں اتارا ہوگا تو اس معصوم بچے کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ جس نے تمام بنی نوع انسان کے لیے سایہ رحمت بننا تھا تمام یتیموں، بیواؤں، غریبوں، مسکینوں، اور حاجت مندوں کی قیامت تک کے لیے حاجت روائی، ہمدردی اور دلجوئی کرنی تھی۔

اگرچہ آنحضرتؐ کی زندگی میں بے پناہ مصائب و مشکلات آتی رہیں اور آپ حیرت انگیز صبر و استقلال اور عزم و ہمت کے ساتھ ان کو برداشت کرتے رہے مگر آپؐ پر دو حادثات قیامت خیز گزرے ہیں پہلا حادثہ چھ سال کی عمر میں جنگل و صحرا میں دوران سفر بے یارو مددگار والدہ ماجدہ کی آغوش محبت اور سایہ عاطفت سے محروم ہو جانا اور دوسرے ساٹھ سال کی عمر میں اکلوتے لخت جگر ابراہیم کا داغ مفارقت دے جانا بہرحال اس بے پناہ مصیبت اور پریشانی کی حالت میں آپؐ کی وفادار خادمہ ام ایمن آپؐ کو ساتھ لے کر مکہ آئیں اور اس کے بعد آپؐ اپنے مشفق و مہربان دادا جناب عبدالمطلب اور تایا جناب زبیر بن عبدالمطلب کی کفالت اور حفاظت میں رہنے لگے۔

جناب رسول اللہؐ کی قرابت، خدمت اور کارہائے نمایاں کی روشنی میں تین معزز خواتین تاریخ اسلام کی عظیم ترین شخصیتیں ہیں۔

1۔ حضور کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ بنت وہب

2۔ آنحضرتؐ کی پہلی رفیقۂ حیات سیدہ خدیجتہ الکبریٰؓ

3۔ آنحضرت کی محبوب ترین رفیقۂ حیات سیدہ عائشہ صدیقہؓ

حضرت سیدہ آمنہؓ کے کردار کی عظمت و رفعت اس میں ہے کہ جب آپ بیوہ ہوئیں تو آپ کی عمر چوبیس سال کی تھی۔ آپ کا قریش کے ایک معزز خاندان سے تعلق تھا بھرپور جوانی، دلکش صورت، پاکیزہ سیرت اور اعلیٰ حسب و نسب کے **اور** عرب معاشرہ کے رسم و رواج کے باوجود دوسری شادی کرنے کا تصور بھی نہ کیا۔ حالانکہ قبیلہ قریش کے نامور سردار آپ سے شادی کرنے کے لئے تیار تھے۔ مگر آپ نے اپنے مرحوم شوہر سے بے پناہ خلوص و محبت اور وفاداری کے پاکیزہ جذبہ کے تحت پوری عمر اس کی یاد میں گزار دینے اور اس کی آخری نشانی اور اپنے لخت جگر کی دیکھ بھال، تعلیم و تربیت، پرورش، محبت و پیار۔ ان دونوں عزیزوں کی عزت و ناموس کی خاطر عیش و آرام

اور معاشی و ذاتی تحفظ کی پر سکون زندگی کے بجائے محنت و مشقت اور فقر و فاقہ کی زندگی قبول کر لی۔

آپ کی سیرت و کردار کا یہ بے مثال پہلو انتہائی قابل ستائش ہے بے شک حضرت آمنہؓ کا یہ فیصلہ مشیت ایزدی کے مطابق تھا کیوں کہ آپ تاریخ عالم کے عظیم ترین انسان کی " مادر مہربان " تھیں ۔ اس لیے جس قسم کے اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کیا وہ حضورؐ کی شایان شان اور بے مثال عظمت و بزرگی کا واضح ثبوت ہے اس وقت کے عرب معاشرے کے لحاظ سے یہ بلند کردار کا مظاہرہ واقعی محیرالعقول اور عدیم النظیر ہے ۔ ظہور اسلام سے قبل عرب معاشرے میں عورت کو عزت و احترام کا کوئی مقام حاصل نہ تھا اور عورتیں بیوہ یا مطلقہ ہونے کی صورت میں جلد از جلد دوسرا نکاح کرنے پر مجبور ہوتی تھیں ۔ مگر سیدہ آمنہؓ نے حیرت انگیز صبر و استقلال اور عزم و ہمت کے ساتھ اپنے نور نظر کی خاطر بیوگی کا زمانہ محنت و مشقت اور فقر و فاقہ کے ساتھ گزارنا برداشت کر لیا، تاکہ اس کے خاوند کی عزت و ناموس پر حرف نہ آئے اور اس کے بیٹے کی زندگی برباد نہ ہو۔

رسول اللہؐ کے والد اور والدہ کی سیرت و کردار اور شخصیت اس قدر عظیم ہیں کہ ملت اسلامیہ اس پر فخر کر سکتی ہے ۔ والد محترم کا اسم گرامی عبداللہ تھا یعنی اللہ کا بندہ خالص توحید حالانکہ قریش میں لوگ اپنے بچوں کے نام بتوں کے نام پر رکھتے تھے، مثلاً عبدالعزیٰ، عبد کعبہ، عبد مناف، وغیرہ مگر حضورؐ کے والد کا نام مشیت ایزدی کے مطابق حکمت توحید کے مطابق رکھا گیا ۔ حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں بشارت ہوئی اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو ذبح کرو آپ فوراً تیار ہو گئے، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کی بجائے مینڈھا ذبح کرا دیا ۔ اس طرح جناب عبدالمطلب کو خواب میں حکم ہوا کہ چاہ زمزم کے موقعہ پر مانی ہوئی نذر کے مطابق بیٹے کی قربانی کرو جناب عبدالمطلب بھی تیار ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے سو اونٹ کے عوض جناب عبداللہ کی جان بخشی کر دی یعنی عبداللہ دوسرے ذبیح اللہ تھے اسی طرح آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ عین جوانی میں بیوہ ہو گئیں ۔ عرب معاشرہ اور رواج کے مطابق آپ کو دوسری شادی کرنی چاہیے تھی مگر آپ نے اپنے مرحوم خاوند کی محبت اخلاص اور اس کے عزت و ناموس کی خاطر اور اپنے معصوم بچے محمدؐ کی دیکھ بھال، تعلیم و تربیت، محبت و پیار اور عزت و آزادی کی خاطر دوسری شادی کے تصور کو بھی اپنے ذہن میں نہ آنے دیا ۔ اور پورے صبر و استقلال اور عزم و ہمت کے ساتھ عمر بھر محنت و مشقت اور فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی گزارنے کا حتمی فیصلہ کر لیا اور اپنے مرحوم خاوند اور عظیم بیٹے کے نام پر حرف نہیں آنے دیا ۔ ملت اسلامیہ آپؑ کے عظیم والدین کی عظمت و بزرگی کو سلام کرتے ہیں اور ان کی پاکیزہ زندگیوں پر فخر کرتے ہیں ۔

حضرت ام ایمن برکتہ کی خدمات

آنحضرت صلعم کی پیدائش کے دن یہ لونڈی گھر میں موجود تھی اور آپ کی ولادت با سعادت سے اس کا غم زدہ دل خوشی اور مسرت سے لبریز ہو گیا اور اس کے دل میں محبت و پیار کے بے پایاں جذبات پیدا ہو گئے اور آپؐ

ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن گئے اور وہ اپنی غلامی کی تکلیف کو بھول گئی اور اپنی لافانی محبت و شفقت اور خلوص کے ساتھ آپؐ کی پرورش کرنے لگی اور آپؐ کا وجود مبارک اس کی لازوال خوشیوں و مسرتوں کا مرکز بن گیا ۔ اور اسے اپنی گمشدہ عزت، شرافت اور آزادی کا نعم البدل مل گیا۔

ام ایمن آپؐ کو لے کر مکہ آئی اور آپؐ کے دادا عبدالمطلب کو تمام دلخراش واقعات سنائے اب آپؐ صرف اپنی آیا کی پرورش پر رہ گئے تھے اور اپنی تمام محبت اور خدمات آپؐ کے لئے وقف کر دی تھی۔ اس وقت یہ سیاہ فام لونڈی آپؐ کی والدہ کے مقام کے برابر تھی اور آپؐ کی بچپن سے جوانی تک آپؐ کی خدمت اور خبر گیری کی ۔ اپنی زندگی صرف آپؐ کے لیے وقف کر دی تھی ۔ جب آپؐ جوان ہوئے تو آپ کی شادی سیدہ خدیجہؓ بنت خویلد کے ساتھ ہو گئی اور آپؐ نے اپنی آیا کو جس نے محبت و شفقت کے ساتھ آپؐ کی پرورش کی تھی آزاد کر دیا اور آزادانہ شریفانہ زندگی گزارنے کا حق عطا کر دیا۔

ام ایمن نے یثرب کے رہنے والے ایک شخص عبید کے ساتھ نکاح کر لیا ۔ جو مکہ میں مقیم تھا اور اس کے ساتھ نہایت خوشگوار زندگی بسر کی اور اس کے ساتھ مکہ سے مدینہ ہجرت کی ۔ اپنے شوہر عبید کی وفات کے بعد وہ اپنے بیٹے ایمن کو لے کر آنحضرتؐ کی پناہ میں دوبارہ آگئیں اور آپ کا لڑکا بھی حضورؐ کے پاس رہا ۔ آنحضرتؐ صحابہ کرام کے سامنے ام ایمن کی خدمات اور خلوص و محبت کا اظہار کرتے رہتے تھے اور عموماً یہ الفاظ دہراتے تھے کہ

" وہ ہمارے خاندان کی یادگار ہیں " یہ الفاظ آپؐ کے انتہائی محبت و خلوص کے آئینہ دار ہیں:

آنحضرتؐ کوشش فرماتے رہتے کہ ام ایمن بھی آزاد خواتین کی طرح مساویانہ حیثیت سے خوشگوار زندگی گزاریں ۔ اس مقصد کے لیے آپؐ نے ایک دفعہ اپنے صحابہ کرام سے فرمایا:

" جسے یہ بات پسند ہو کہ وہ جنتی خاتون سے نکاح کرے تو اسے چاہیے کہ وہ ام ایمن سے نکاح کرے ۔ "

چنانچہ یہ الفاظ سنتے ہی زید بن حارث نے آپؓ سے نکاح کر لیا جب آنحضرتؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو انھوں نے بھی مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کا سفر اختیار کیا۔

مدینہ پہنچنے پر آنحضرتؐ نے حضرت ام ایمن کا انتہائی محبت کے ساتھ استقبال کیا ۔ اور وہ وہاں بلا خوف و خطر اور پر امن زندگی گزارتی رہیں اور اس وقت بھی آنحضرت کے ساتھ انتہائی خلوص و محبت کا مظاہرہ کرتی رہی اور اکثر جنگوں میں بھی آپؐ کے ساتھ جاتی تھیں ۔ ام ایمن جنگ احد میں بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوئیں اور مسلمان زخمی اور پیاسے مجاہدین کو گھوم پھر کر پانی پلاتیں ۔ وہ اپنے فرزند اسامہ کے ساتھ جنگ خیبر میں بھی شامل ہوئیں اور خلوص و محبت اور رحم دلی کے ساتھ مجاہدین کی خدمت کرتی رہیں ۔ ام ایمن جنگ حنین میں بھی شامل ہوئیں اور مجاہدین اور زخمیوں کو پانی پلاتی رہیں مگر اس جنگ میں اس کا پیارا بیٹا ایمن شہید ہو گیا ۔ ام ایمن کا دوسرا فرزند زید بن حارث سے تھا ۔ حضرت اسامہؓ آنحضرتؐ کے بہت لاڈلے اور پیارے تھے اور آپؐ کو ان کی

بہادری شجاعت اور تدبر و بصیرت پر بہت اعتماد تھا۔ اسی لیے آپؐ نے اپنے آخری وقت میں یرموک کی مہم میں جانے والے لشکر جرار کا سپہ سالار حضرت اسامہؓ کو مقرر کیا۔ حالانکہ وہ اس وقت بہت کم عمر تھے اور اسی لشکر میں تمام اکابر صحابہ شامل تھے۔ بعض صحابہؓ نے اس وقت اسامہؓ کی قیادت پر اعتراض کیا مگر آنحضرتؐ نے تمام اعتراضات مسترد کرتے ہوئے اس کی سپہ سالاری کو برقرار رکھا اگرچہ آپؐ کی وفات کی وجہ سے یہ لشکر اس وقت آپؐ کی زندگی میں محاذ جنگ پر نہ جا سکا۔ حضرت ام ایمن نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ ام ایمن نے حضرت محمدؐ کی وفات پر فرمایا کہ اب اللہ کی وحی اور اس کا پیغام آسمان سے منقطع ہو جائے گا اور حضرت عمرؓ کی وفات پر فرمایا کہ "اب اسلام کمزور ہو گیا ہے۔"

کفیل محمدؐ

جناب عبدالمطلب بن ہاشم کی وفات کے بعد آنحضرتؐ کی کفالت اور سرپرستی کے متعلق دو مختلف روایات ہیں۔ چونکہ حضورؐ کے شفیق و مہربان دادا جناب عبدالمطلب کی وفات کے وقت آپ نابالغ و بے سہارا صرف آٹھ سال کے تھے۔ والد محترم پیدائش سے پیشتر مدینے میں وفات پا چکے تھے۔ والدہ ماجدہ صرف چھ سال کی عمر میں مدینہ سے مکہ آتے ہوئے تقریباً چالیس میل کے فاصلے پر ابواء کے مقام پر دوران سفر و تنہا چھوڑ کر داغ مفارقت دے گئی تھیں اور اب یہ دریتیم اپنے شفیق دادا کے سایہ عاطفت سے بھی محروم ہو گئے تھے لہذا اب آپ کی کفالت، سرپرستی اور پرورش کا سوال پیدا ہوا۔ اس وقت حضورؐ کے تایا زبیر بن عبدالمطلب اور چچا ابو طالب عبد مناف جو حضورؐ کے والد جناب عبداللہ کے حقیقی بھائی یعنی ایک ہی والدہ جناب فاطمہ بنت عمرو مخزومی کے بطن سے تھے۔

عام روایات کے مطابق جس کی اکثر متقدمین اور متاخرین، علماء و مؤرخین نے تقلید کی ہے یہ ہے کہ جناب عبدالمطلب کی وفات کے بعد حضورؐ کی کفالت اور سرپرستی جناب ابوطالب آپؐ کے چچا نے کی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جناب عبدالمطلب کے بعد حضورؐ کے تایا زبیر بن عبدالمطلب نے آپؐ کی کفالت سرپرستی اور پرورش کی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ دونوں تاریخی روایات ہیں۔ لہذا تاریخی حقائق روایات و واقعات کو بنظر تحقیق و انصاف دیکھنا چاہیئے۔ ان روایات کا مذہب و عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر کوئی روایت تحقیق و درایت کی رو سے خلاف واقعہ ہو تو مدلل طریق سے اس کی وضاحت اور اصلاح کرنی چاہیئے نہ کہ تعصب، اسلاف پرستی اور اندھی تقلید سے تاریخی حقائق کو مسخ کیا جائے۔ اب ہم آنحضرتؐ کے والد محترم جناب عبداللہ کے دونوں بھائیوں کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات و نظریات اور اپنے قبیلہ میں ان کے مرتبہ و مقام پر مستند تاریخی حقائق کی روشنی میں غیر جانبدار مبصر و مورخ کی حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں اور اس تجزیہ کے بعد فیصلہ خود قارئین کرام کی رائے پر چھوڑتے ہیں تاکہ وہ خود اپنے غور و فکر کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ کونسی روایت صحیح و درست ہے۔ کفیل محمدؐ

ابو طاہر زبیر بن عبدالمطلب   یا   ابو طالب عبد مناف بن عبدالمطلب

1۔ جناب زبیر بن عبدالمطلب کے مختصر حالات و کوائف:۔

(ا) آنحضرتؐ کے والد ماجد جناب عبداللہ کے حقیقی بڑے بھائی اور حضورؐ پر نور کے سگے تایا تھا۔ مکہ کے مشہور تاجر بلند پایہ شاعر اور فصیح البیان خطیب تھے جناب زبیر اپنے تمام بھائیوں میں سب سے بڑے تھے کیونکہ حارث عبدالمطلب کی زندگی میں ہی وفات پا چکے تھے۔ جناب عبدالمطلب اس وقت نابینا ہو چکے تھے اور خاندان کی تمام ذمہ داریاں زبیر ہی کو سونپ رکھی تھیں۔ تولیت کعبہ یعنی سقادہ اور رفادہ کے فرائض اور دیگر معاملات جناب عبدالمطلب کی طرف سے جناب زبیر ہی سرانجام دیتے تھے۔ اپنے بعد اپنے عہد ناموں کی تکمیل بھی زبیر ہی کے سپرد کی جیسا کہ بنو خزاعہ کے ساتھ دوستی و امداد کے معاہدہ سے ظاہر ہے ان میں بھی زبیر کو ہی وصیت کی تھی کہ میرے بعد اپنے اس حلیف قبیلہ کے ساتھ اس معاہدہ کی پابندی کرنا۔ جناب عبدالمطلب نے مرتے وقت زبیر ہی کو اپنا وصی اور جانشین مقرر کیا۔ تجارتی سفروں میں جناب زبیر ہی آنحضرتؐ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ حرب فجار میں اگرچہ تمام لشکر قریش کے سپہ سالار حرب بن امیہ تھے مگر بنی ہاشم کے سردار زبیر ہی تھے اور ان کی سرکردگی میں آنحضرتؐ بھی اس جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ جنگ کے بعد حلف الفضول کی تجویز، تحریر اور تکمیل میں زبیر نے ہی بنو ہاشم کی نمائندگی کی بلکہ نہ صرف آپ اس معاہدہ کے محرک تھے بلکہ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر منعقدہ اس اجلاس کے تمام اخراجات بھی جناب زبیر نے ہی برداشت کئے تھے۔ محبت اور فراست کی بناء پر خاندان بنو ہاشم میں سے صرف اپنے بھتیجے محمدؐ کو اپنے ساتھ شامل رکھا تھا۔ جناب زبیر کی وفات کے بعد آنحضرتؐ کی عمر 34-35 سال تھی۔ اس وقت حضورؐ ایک کامیاب تاجر، شادی شدہ اور سرپرستی کے محتاج اور حاجت مند نہ تھے۔ "عقائد کے لحاظ سے یہ زبیر ابن عبدالمطلب دین ابراہیمی پر قائم تھے۔ توحید پر ایمان رکھتے تھے۔ قیامت اور جزا و سزا کے قائل تھے زبیر بن عبدالمطلب بہادر و شجاع تھے۔ خوبصورت و باوقار تھے۔ خطاب و شاعر تھے۔ نیز سردار و سخی تھے۔"

زبیر بن عبدالمطلب کی کفالت کے ضمن میں علامہ بلاذری اپنی معروف تصنیف "انساب الاشراف" میں لکھتے ہیں۔

"رسول اللہ نے بھی زبیر کے پاس رہنا پسند فرمایا وہی آپ کے چچوں میں زیادہ شفیق تھے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ عبدالمطلب نے زبیر ہی کو وصیت کی تھی کہ میرے بعد تم ہی اس کی کفالت کرنا۔"

(جلد اول صفحہ نمبر 85)

2۔ زبیر ایک شفیق تایا

آنحضرتؐ کے والد محترم جناب عبداللہ اپنی شرافت حسن سیرت و صورت اور کاروبار کی بدولت ہی خاندان میں محبوب و عزیز نہ تھے۔ بلکہ اس لئے بھی کہ عبدالمطلب کی ایک نذر اور اس کے کفارے کے بعد موت کے منہ سے

بچے تھے اور ذبیح ثانی کہلاتے تھے لیکن اس کے سگے بھائی زبیران سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور اپنے ایک بیٹے کا نام بھی ان کے نام پر عبداللہ رکھا تھا اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے آنحضرتؐ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور اس قدر محبت و شفقت دی کہ باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ زبیر دولت مند تاجر تھے انہوں نے حضرت آمنہؓ اور ان کے دریتیم کی ذمہ داریاں حضورؐ کی پیدائش بلکہ جناب عبداللہؑ کی وفات کے دن ہی سے سنبھال لیں اور اس طرح حضورؐ نے آنکھیں کھولیں تو تایا زبیرؓ ہی کو باپ کی جگہ پایا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی اپنی شہرہ آفاق تصنیف " اصابہ فی تمیز الصحابہ " میں رقم طراز ہیں۔

کہتے ہیں کہ " زبیر بن عبدالمطلب نبی کریمؐ کو جب آپ صغیر سن تھے ہاتھوں پر جھلایا کرتے تھے اور یوں کہتے تھے۔ " یہ محمدؐ! میرے بھائی عبداللہ کی نشانی ہے خوب عیش و آرام سے جئے اور بڑی اعلیٰ منزلت و توقیر پائے۔ " (جلد 2 صفحہ نمبر 308)

کتاب " المنمق " کے مصنف ابو جعفر محمد حبیب الہاشمی متوفی 245 ھ یہی لوری کچھ اضافے کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

" زبیر بن عبدالمطلب (آپؐ کے تایا) نبی اکرمؐ کو بچپن میں ہاتھوں پر جھلاتے وقت کہا کرتے تھے کہ " محمدؐ میرے بھائی عبداللہ کی نشانی خوب عیش و آرام سے جیئے، اس کی عیش و آرام، حکومت اور مال غنیمت میں کمی نہ آئے۔ سب بچوں سے مستغنی ہو، اتنا جیئے کہ بوڑھا ہو جائے۔ "

آنحضرتؐ ہمیشہ اپنے تایا زبیر اور تائی عاتکہ کا ذکر محبت، احترام اور تشکر کے ساتھ فرماتے تھے۔ اسی تایا زبیر کے صاحبزادے طاہر کے نام پر آنحضرتؐ نے اپنے ایک فرزند کا نام بھی طاہر رکھا تھا اور جب عبداللہ بن زبیر مدینہ میں آپ کے پاس آئے تو آپ اس سے بغلگیر ہوئے اور انہیں ہدیہ سے نوازتے اور اپنی تایا زاد بہنوں ضباعہؓ اور امیمہؓ سے کمال شفقت سے پیش آتے۔ اسی محبت اور قرابت کا اثر تھا کہ زبیر کی اولاد اسلام سے مشرف ہوئی۔

ابن ابی الحدید مؤلف شرح نہج البلاغہ جلد 3 صفحہ نمبر 456 پر بیان کرتے ہیں کہ " زمانہ نبوت میں آنحضرتؐ اکثر اپنے تایا زبیر اور ان کی اہلیہ محترمہ کو محبت و احترام سے یاد کرتے تھے۔ زبیر کے بڑے بیٹے صاحبزادے طاہر خوش مزاج نوجوان تھے۔ آنحضرتؐ کے ہم عمر تھے۔ جوانی میں وفات پا گئے تھے۔ ان سے محبت کی بناء پر ہی آپؐ نے اپنے ایک صاحبزادے کا نام طاہر رکھا تھا۔ "

زبیر کے ایک صاحبزادے عبداللہ جوان ہوئے۔ ایمان لائے اور مجاہدانہ کارنامے سرانجام دیئے جب کبھی وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آنحضرتؐ انہیں پہلو میں جگہ دیتے اور فرماتے کہ " یہ میری ماں کے بیٹے ہیں۔ " (الاصابہ) ان کے والد تایا زبیر کی شفقتیں یاد آتیں تو فرماتے " ان کے والد میرے ساتھ بڑا نیک سلوک کیا کرتے تھے " (الاصابہ)۔ پس ان کی وفات پر ان کی دولت مویشی آنحضرتؐ کو ورثے میں ملے اس لئے آپ ابتداء ہی سے

مالی لحاظ سے کسی کے محتاج نہ تھے ان کی والدہ ماجدہ ایک مدبر اور دور اندیش خاتون تھیں۔ اس لئے اس نے اپنے مرحوم خاوند کے ترکہ کی حفاظت کی اور اسے کاروبار میں لگایا اور اپنے لختِ جگر کے شفیق تایا زبیرؓ کے ذریعے جو ایک کامیاب تاجر تھے اس سرمائے میں اضافہ کرتی رہیں۔ اور اس طرح جہاں آپ کی تربیت فرمائی وہاں آپ کا سرمایہ بھی کاروبار میں لگائے رکھا اور جوں جوں آپؐ بڑے ہوتے گئے۔ تایا کے زیر سایہ کاروبار۔ تجارت میں دلچسپی اور مہارت بڑھتی گئی۔ عمر و تجربہ کے ساتھ تجارت میں برکت ہوتی گئی حتیٰ کہ آپؐ آزادانہ تجارت کرنے لگے اور بعثت تک کاروبار تجارت میں مصروف رہے۔ آپؐ نے شمال، جنوب، مشرق اور مغرب میں کئی تاجرانہ سفر کیے آپؐ نے شادی کے وقت سیدہ خدیجہؓ کو معقول مہر ادا کیا۔ یعنی بیس اونٹ اور پانچ سو درہم اور ان کے لئے قیمتی سہارا بن گئے جس سے خدیجہ کی عزت، شہرت اور خوشحالی میں اضافہ ہوا۔

اس وقت تک آپؐ شام، یمن، بحرین وغیرہ کے کئی تجارتی سفر کر چکے تھے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ نے دس سال کی عمر میں اپنے تایا زبیر کی معیت میں یمن کا سفر کیا۔ حضورؐ کے تجارتی سفر کسی ثبوت کے محتاج نہیں۔ مدنی زندگی میں آپؐ قبائل کے خلاف لشکر کشی کے وقت اصحابہ کو جو ہدایات دیتے وہ آپؐ کے ان سفروں کی آئینہ دار ہوتیں۔

سال 597ء میں آپؐ نے بحرین کا سفر کیا ہجرت کے بعد جب عرب میں اسلام پھیلا تو بحرین سے عبدالقیس کا وفد آیا۔ آپؐ نے اس سے بحرین کے ایک ایک مقام کا حال پوچھا۔ لوگوں نے تعجب سے کہا کہ آپ ہمارے ملک کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ "میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔"

(مسند امام حنبل ص 206 - ص 124)

آپؐ فرماتے "ان کے والد میرے ساتھ بڑا نیک سلوک کیا کرتے تھے۔"

(الاصابہ)

ابن سید الناس "عیون الاثر" میں لکھتے ہیں:۔

آنحضرتؐ عبداللہ بن زبیر کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ "یہ میرے چچا کے فرزند میرے محب ہیں۔" بعض یہ روایت کرتے ہیں کہ آپ فرماتے کہ "میری ماں کے بیٹے ہیں۔"

(صفحہ نمبر 293)

اصابہ میں ذکر ہے "عبداللہؓ بن زبیر بن عبدالمطلب بھی غزوہ حنین میں علی اور عباس کے ساتھ ثابت قدم رہے۔" اصابہ ہی میں روایت ہے کہ "ایک دن یہی عبداللہ مکہ سے آنحضرتؐ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے اسے ایک حلہ بطور ہدیہ پہنایا اپنے پہلو میں جگہ دی اور فرمایا یہ میرے باپ (تایا زبیر) کے فرزند ہیں، جو مجھے انتہائی عزیز رکھتے تھے اور میرے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرتے تھے۔" عبداللہ آنحضرتؐ کے وصال کے وقت

تیس سال کے تھے اور رومیوں کے خلاف (جنگ اجنادین میں بعہد ابو بکر صدیقؓ) جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

حق پسند اہل فکر و نظران حوالہ جات میں "میری ماں کے بیٹے" اور "میرے باپ کے فرزند" کے الفاظ پر غور کریں۔ کیا یہ الفاظ ایک طرف آنحضرتؐ اور دوسری طرف اپ کے تایا زبیر اور تائی عاتکہ کے محبت بھرے تعلقات کے عکاس نہیں اور کیا کسی اور کے متعلق بھی آپ نے ایسے خلوص ممنونیت اور محبت کا اظہار فرمایا۔ اسی محبت کا اثر تھا کہ تایا زبیر کے سب بچے آنحضرتؐ پر ایمان لائے اور آج بھی ان کی اولاد بھارت کے صوبہ بہار میں بکثرت موجود ہے جن میں بڑے بڑے عالم اور اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔

آنحضرتؐ کے والد ماجد جناب عبداللہ تاجر تھے۔ شعب بنی ہاشم میں ان کا اپنا مکان تھا۔ ان کے پاس اونٹ بھی تھے اور بکریاں بھی اور واضح ہے کہ بیرونی ملکوں کے ساتھ تجارت کے لئے کافی سرمایہ درکار ہوتا ہے۔ ان حوالوں سے یہ عیاں ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے شفیق تایا زبیر کے تجارتی سفروں میں ان کی معیت، معاونت اور تربیت سے فائدہ حاصل کیا اور آپؐ اپنے تایا کے ساتھ شریک تجارت رہے حتیٰ کہ آپؐ جوان ہو گئے اور آزادانہ یا دیگر تجار کے ساتھ مل کر بھی تجارت کے لئے دیگر ممالک میں جانے لگے اور نوجوانی میں اپنی صداقت، امانت، دیانت، معاملہ فہمی اور لین دین کی صفائی کی بدولت ہر دلعزیز اور معروف ہو گئے۔

مشرکانہ عقائد سے حفاظت

جناب زبیر نے نہ صرف آپؐ کی یتیمی میں کفالت فرمائی اور آپؐ کو کسی کی محتاجی سے محفوظ رکھا۔ بلکہ اس فسق و فجور اور شرک و بت پرستی کے ماحول میں اس دین حنیفی کے پیرو، شرک سے متنفر، مواحد اور روز جزا و سزا پر ایمان رکھنے والے تایا کی بدولت، عقائد کی خرابیوں سے بھی محفوظ رہے۔

آپؐ کا خاندان کعبہ کا متولی تھا جہاں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے حتیٰ کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے اپنے دو بیٹوں کے نام دو بتوں مناف اور عزا کے نام پر عبد مناف اور عبد عزا رکھے تھے۔ مگر زبیر بن عبدالمطلب مکہ کے ان چند اہل بصیرت اشراف میں سے تھے جنہوں نے شرک و بت پرستی سے اجتناب کر کے دین حنیفی اختیار کر رکھا تھا وہ خدائے واحد پر ایمان رکھتے تھے۔ قیامت کے دن جزا و سزا پر اعتقاد رکھتے تھے اور مکہ کے مواحدین کے اس گروہ میں شامل تھے جو عثمان بن طلحہؓ عثمان بن حریس، زید بن عمرو اور ورقہ بن نوفل وغیرہ پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ بتوں سے متنفر عدل و انصاف کے داعی اور روز جزا و سزا پر ایمان رکھتے تھے۔

جناب زبیر کی شخصیت کے بارے میں ایک شیعہ مولف بتاتے ہیں کہ وہ بڑے صاحب فکر و نظر شخص تھے۔ اعمال انسانی کی جزا و سزا کے لئے معاد یعنی آخرت کے قائل تھے۔

علامہ سہیلی نے بھی اسی واقعہ پر جناب زبیر کا یہ قول درج کیا ہے کہ - مظلوموں کی داد رسی اللہ کے ہاں

ایک دن ہوتی ہے۔" میں فرمایا ہے کہ جناب زبیر کا یہ قول ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ قیامت کے قائل تھے بالفاظ دیگر مشرک و بت پرست نہ تھے۔

(وقائع زندگانی ام ہانی ص151-150)

نوٹ:۔ تیسری سطر کے آگے کسی ظالم شخص کے مرنے پر ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ " انسانوں کے واسطے معاد (جہان دیگر) ہے جہاں ظالم سے بدلہ اور انتقام مظلوم کا لیا جائے گا۔"

(شرح ابن ابی الحدید جلد ص 263)

جناب عبداللہ کی وفات کی وجہ سے پہلے ہی دن سے آنحضرتؐ اور آپؐ کا گھرانہ جناب زبیر کی کفالت اور نگرانی میں تھا اس لئے اپ کی تربیت مواحد کے طور پر ہوئی یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ شرک، بت پرستی، مشرکانہ توہمات اور ظلم و ستم سے پاک تھے۔ اور مشرکانہ اعمال سے محفوظ رہے۔ مشرکانہ رسوم میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے ایک بار چچا ابو طالب کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ " عید بوانہ " کے عنوان سے طبقات ابن سعد کی یہ روایت ہے کہ

" ابن عباس کہتے ہیں مجھ سے ام ایمن نے بیان کیا کہ بوانا ایک بت تھا جس کے حضور میں قریش حاضر ہو کے اس کی تعظیم کرتے تھے۔ قربانی دیتے تھے اپنے سر منڈواتے تھے۔ ایک رات دن اس کے پاس معتکف رہتے تھے اور یہ تمام رسمیں سال میں ایک دن ہوا کرتی تھیں۔ ابو طالب اپنے لوگوں کے ساتھ اس میں شریک ہوا کرتے تھے اور رسول اللہؐ انکار ہی کرتے تھے۔ حتیٰ کہ میں نے دیکھا ابو طالب آپؐ سے ناخوش ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو زبیر کی کفالت میں دے کر مشرکانہ رسومات سے محفوظ کر دیا۔"

حضورؐ اپنے تایا زبیر کی زندگی ہی میں بالغ ہو چکے تھے۔ حرب فجار اور حلف الفضول میں شرکت فرما چکے تھے۔ آزادانہ تجارت کرتے تھے اور حضرت خدیجہ سے شادی ہو چکی تھی لہذا بلوغت کے باعث اس عمر میں جناب زبیر کی کفالت ختم ہو چکی تھی۔ محض شفقت، خیر خواہی اور قبائلی سرپرستی رہ گئی تھی۔

حرب فجار میں حضورؐ کی زبیر کی سیادت میں شرکت ایک مسلمہ امر ہے۔ " شرح نہج البلاغہ " کا مؤلف ابن ابی الحدید لکھتا ہے۔

" بنی عبد شمس (بنی امیہ) کے سردار حرب بن امیہ تھے بنی ہاشم کے سردار الزبیر بن عبدالمطلب تھے۔ بنی تیم کے سردار عبداللہ بن جدآن تھے۔ بنی مخزوم کے سردار ہشام بن معزہ (ابو جہل کے والد) تھے اور دیگر قریش قبیلوں کے سردار اپنے افراد خانہ کے ساتھ محاذ جنگ پر تھے۔ آنحضرتؐ اپنے تایا اور چچاؤں کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوئے اور اپنے چچوں کو تیر لا کر دیتے تھے۔"

(شرح ابن ابی الحدید جلد 3 ص 456)

حرب فجار میں بہت سے لوگ مارے گئے چنانچہ آئندہ جنگ کو روکنے اور مظلوموں کی حمایت کے لئے جناب زبیر کی تجویز پر عبداللہ بن جدآن کے مکان پر چند قبائل کے سرداروں کا اجتماع ہوا اس اجتماع میں سب نے مظلوموں کی حمایت کا حلف اٹھایا جو حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے۔ جناب زبیر کی آنحضرتؐ سے محبت اور آپ کی اصابت رائے پر اعتماد کا اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ زبیر نے آنحضرتؐ کو نو عمری کے باوجود اس معاہدے میں اپنے ساتھ رکھا۔

آنحضرتؐ کے اس مشفق خدا پرست تایا کی وفات اس وقت ہوئی جب کہ آنحضرتؐ چو تنیس سال کے تھے اس ضمن میں دو شہادتیں کافی ہوں گی۔

نمبر1۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ "آنحضرتؐ چو تنیس سال کے تھے جب زبیر" ام النبی " کا انتقال ہوا۔"

(رحمتہ اللعالمین جلد 2 ص 81)

نمبر2۔ دوسری شہادت شیعہ عالم قاضی نور اللہ شوستری کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ " عبداللہ دروقت وفات حضرت رسالتؐ سی سالہ بود" (صفحہ 201)

ترجمہ:۔ عبداللہ ابن زبیر آنحضرتؐ کی وفات کے وقت تیس سال کے تھے۔ آنحضرتؐ وفات کے وقت 63 سال کے تھے۔ اگر 63 میں سے 30 سال نکال دیے جائیں تو عبداللہ کی پیدائش کے وقت آپ کی عمر 33 سال ہوتی ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ عبداللہ کی پیدائش یعنی آنحضرتؐ کی حیات کے 33 ویں سال تک زبیر زندہ تھے اور اس کے ایک دو سال بعد آپ کا انتقال ہوا۔

جناب ابو طالب عبد مناف بن عبدالمطلب

جناب عبدالمطلب کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے جن میں سے دو بیٹے حارث اور عبداللہ آپ کی زندگی ہی میں وفات پا چکے تھے دیگر دس بیٹوں میں زبیر سب سے بڑے تھے جناب عبداللہ اور جناب ابو طالب کے متعلق مختلف روایات ہیں کہ جناب عبداللہ بڑے تھے یا ابو طالب۔ بہر حال اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا یہ حقیقت ہے کہ زبیر عبداللہ اور ابو طالب عبدالمطلب کے تینوں بیٹے فاطمہ مخزومیہ کے بطن سے حقیقی بھائی تھے۔

اکثر روایات کے مطابق ابو طالب آنحضرتؐ کے دادا جناب عبدالمطلب کی وفات کے بعد کفیل و سرپرست بنے۔ اس سلسلہ میں جناب ابو طالب کے حالات زندگی مالی اور سماجی حالات و کوائف درج ذیل ہیں۔

جہاں تک روایات کا تعلق ہے وہ قرآن و حدیث کی طرح یقینی اور مستند تصور نہیں کی جا سکتیں۔ مولانا شبلی نعمانی اپنی مشہور تصنیف " سیرت النبی " کے مقدمہ ص 21 پر تحریر فرماتے ہیں کہ " خاص سیرت پر آج تک کوئی

ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں صرف صحیح روایات کا التزام کیا جاتا پہلا اصول روایت اور دوسرا اصول درایت تھا یعنی تحقیق واقعات کا دوسرا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ عقلی شہادت کے مطابق بھی ہے یا نہیں یعنی خلاف قیاس تو نہیں۔" مناقب اور فضائل اعمال میں کثرت سے ضعیف روایتیں شائع ہو گئیں اور بڑے بڑے علماء نے اپنی کتابوں میں ان روایتوں کو درج کرنا جائز رکھا۔ طالب کو جاننا چاہیئے کہ سیرت میں سبھی طرح کی روائیتیں ہوتی ہیں صحیح اور غلط بھی۔ (صفحہ 44)

- محدثین نے روایت کے جو اصول قرار دیے تھے سیرت کی روایتوں میں لوگوں نے اکثر نظر انداز کر دیئے۔"

مولانا شبلی نعمانی کے مندرجہ بالا خیالات و نظریات کی روشنی میں روایات کو درایت کی نقطہ نظر سے دیکھنا بھی ضروری ہے اور تمام روایات کو صحیح و مستند تصور کرنا مناسب نہیں بلکہ حقائق و واقعات اور علم و بصیرت کی روشنی میں غور و فکر اور تدبر ضروری ہے۔ روایات کی اندھی تقلید اسلاف پرستی کے مترادف ہے لہذا جناب ابو طالب کے متعلق روایات کو اسی نقطہ نظر سے دیکھنا اور پرکھنا چاہیئے۔

نمبر1۔ جناب ابو طالب قلیل المال اور کثیر العیال یعنی آپ کی مالی حالت انتہائی کمزور تھی جن کی پرورش کے لئے بمشکل گزر اوقات ہوتی تھی۔ آپ پیدائشی طور پر اپاہج یعنی ایک ٹانگ سے لنگڑے تھے اس لئے اچھی طرح کام کاج نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ابو طالب کی مفلوک الحالی اور تنگ دستی کا ذکر اکثر شیعہ اور اہل سنت ہر دو مورخین نے کیا ہے جیسا کہ نہج البلاغت کا شیعی شارح ابن ابی الحدید لکھتا ہے۔

" ابو طالب کو مال کی ایسی قلت تھی کہ اہل و عیال ان کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ یا جدا جدا کسی کا پیٹ نہ بھرتا اور اگر نبی اکرمؐ ان کے ساتھ تناول کرتے تو سب شکم سیر ہو جاتے۔

(نہج البلاغت جلد 3 صفحہ 261 سیرۃ حلبیہ 128)

2۔ " حالت یہ تھی کہ ابو طالب کے عیال و اطفال خود ایک ساتھ یا الگ الگ کسی طرح بھی کھانا کھاتے مگر سیر آسودہ نہ ہوتے، مگر جب رسول کریمؐ کھانے میں شرک ہوتے تو سب کے سب آسودہ ہو جاتے۔"

(اخبار النبی طبقات ابن سعد جلد اول)

3۔ ابو طالب جیسے قلیل المال اور کثیر العیال شخص پر ایک وقت ایسا بھی آگیا کہ جب آپ اس بات پر مجبور ہوئے کہ اپنے بھتیجے کو کسی عمل پر متعین کریں تاکہ اس سے کچھ کسب کیا جائے اور اس طرح ضروریات زندگی پوری کی جائیں۔

بعض روایات میں ہے کہ جناب ابو طالب حضورؐ پرنور سے بے حد محبت کرتے تھے اور ان کے دل میں آنحضرتؐ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اس کے برعکس تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب آنحضرتؐ جوان ہوئے تو آپؐ نے اپنے چچا ابو طالب سے ان کی دختر ام ہانی ہندیا (فاختہ) کا رشتہ مانگا۔ مگر انہوں نے بڑے روکھے پن سے انکار کر دیا۔ اس

انکار کا ذکر ملتے جلتے الفاظ میں تاریخ کی متعدد کتب میں مذکور ہے۔ مثلاً طبقات ابن سعد جلد 3 ، طبری ، الاصابہ جلد 3 کتاب المجر ص 98 وغیرہ میں ملتا ہے۔ (کتاب المجر مصنفہ ابو جعفر محمد بن حبیب بن امیہ ہاشمی بغدادی صفحہ 97-98)

" جن خواتین سے آپؐ (آنحضرتؐ کا ۔۔ ناقل) نکاح نہ ہو سکا۔ ان میں ام ہانی بھی ہیں۔ یہ ہند دختر ابو طالب ہیں۔ ان سے اپنے نکاح کا پیغام آنحضرتؐ کے زمانہ قبل از اسلام میں ابو طالب کو دیا تھا۔ اور ان ہی کو ہبیرہ بن ابو وہب بن عمرو بن عایذ بن عمران بن مخزوم کا پیغام بھی ملا تھا۔ ابو طالب نے ہبیرہ کو اپنی بیٹی ہند بیاہ دی ۔ اس پر آنحضرتؐ نے ابو طالب سے کہا۔ اے چچا! تم نے ہبیرہ کو تو اپنی بیٹی دے دی اور مجھے چھوڑ دیا۔" ابو طالب نے جواب دیا۔" اے بھتیجے ! ان لوگوں سے تو ہمارے رشتے ناطے ہوتے چلے آئے ہیں۔ معزز اور ذی حیثیت کے جوڑ (ہم کفو) معزز ذی حیثیت لوگ ہی ہوتے ہیں۔"

(بحوالہ وقائع زندگی ام ہانی)

جناب ابو طالب مشرک تھے تمام عمر مشرک رہے اور مشرک ہی مرے انہوں نے اپنے دو لڑکوں کو مشرک رکھا۔ جو شرک کی حالت میں آنحضرتؐ کے خلاف شمشیر بکف رہے۔ حتیٰ کہ بڑا بیٹا طالب جنگ بدر میں مارا گیا۔ عقیل جنگ بدر میں گرفتار ہوا۔ فتح مکہ کے بعد اسلام لایا۔ مگر آنحضرتؐ کا مکان بھی بیچ کر کھا گیا تھا۔ ابو طالب کی موجودگی میں کفار مکہ اور خود حضورؐ کے چچا ابو لہب اور چچا زاد بھائی صفیان بن حارث بد زبانی اور شدید مخالفت کرتے رہے۔ ابو طالب کی زندگی میں ہی آنحضرتؐ کے دروازے پر غلاظت پھینکی جاتی ۔ راستے میں کانٹے بچھائے جاتے۔ سر پر کوڑا پھینکا جاتا گلے میں پھندا ڈالا گیا۔ پیٹھ پر اوجڑی رکھی گئی۔ دنیا جہاں کا استہزا۔ کیا گیا۔ مگر ابو طالب نے کوئی مدد نہ کی حتیٰ کہ جب تک وہ زندہ رہے بنی ہاشم میں سے سوائے حضرت حمزہ کے کوئی قابل ذکر شخص ایمان نہ لایا اور حضورؐ مکہ میں ابو طالب کی وفات کے تین سال بعد تک اسی حالت میں رہے جس طرح ابو طالب کی زندگی میں تھے۔

ایک عام روایت کے مطابق 7 نبوی میں سرداران قریش نے دار لسندوۃ میں جمع ہو کر ایک معاہدہ مقاطع تحریر کیا جس کے مطابق فیصلہ کیا گیا کہ آنحضرتؐ ابو طالب اور اس کے پورے قبیلے بنو ہاشم اور بنو مطلب کا معاشی ، معاشرتی اور سماجی مقاطعہ کیا جائے چنانچہ بنو ہاشم وغیر کو ابو طالب کی سرکردگی میں شعب ابو طالب کی تنگ گھاٹی میں مقید ، محصور کر دیا گیا۔ یہ مقاطعہ قریباً تین سال تک جاری رہا۔ اس کے دوران محصورین کو کھانے پینے کی چیزیں بھی فراہم نہیں کی جاتی تھیں۔ بھوک سے عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار دور دور تک سنائی دیتی تھی مگر ابو طالب قریش کے ظلم و ستم نہ روک سکے۔ آخر اس طویل محاصرہ کے بعد مکہ کے چھ انسان دوست اشخاص نے انسانی ہمدردی کے جذبہ کے تحت ابو طالب اور آپ کے قبیلہ کو قید سے نجات دلائی۔ وہ آپ کو قریش کے مظالم سے نہ بچا

سکے ۔ حالانکہ اس کا پورا قبیلہ ماسوائے حضرت حمزہ کے مشرک یعنی قریش کا ہم مسلک تھا۔ وہ آنحضرتؐ کی کیا امداد اور حفاظت کر سکتا تھا۔ ان کی قوت و طاقت اور اثر و رسوخ کا اندازہ اسی ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

جناب ابو طالب کی غربت اور مفلسی کی وجہ سے صلح رحمی اور انسانی ہمدردی کے تحت آنحضرتؐ نے اپنے چچا عباس سے کہا کہ ہمیں اس غربت اور معذوری کی حالت میں ابو طالب کی امداد کرنی چاہئے اور ان کا معاشی بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ان کے ایک لڑکے کو آپ اور ایک کو میں اپنی کفالت میں لے لیتے ہیں۔ عباس اس کے لئے تیار ہو گئے اور دونوں ابو طالب کے گھر پہنچے اور کہا کہ اے چچا! ہمیں آپ سے ہمدردی ہے اور ہم آپ کا کچھ بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا کس طرح ؟ حضورؐ نے فرمایا کہ تمہارا ایک لڑکا عباس اور ایک کو میں اپنی پرورش میں لے لیتے ہیں۔ جناب ابو طالب فوراً رضا مند ہو گئے اور کہا کہ طالب اور عقیل کو میرے لئے چھوڑ دو اور جعفر اور علی کو لے جاؤ۔ چنانچہ جعفر کو عباس اور علی کو حضورؐ نے اپنی کفالت میں لے لیا۔ جناب علی کی اس وقت عمر پانچ سال کی تھی اور وہ ہجرت مدینہ تک بلکہ حضرت فاطمہ سے ان کی شادی تک حضورؐ کے زیر کفالت رہے اور حضورؐ نے خود ان کی پرورش کی لہذا جو شخص اپنے حقیقی بیٹوں کی پرورش نہیں کر سکا وہ ایک یتیم بھتیجے کی کفالت اور پرورش کس طرح کر سکتا تھا۔

صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل حدیث پر غور فرمائیں۔

مسیب سے روایت ہے جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہؐ ان کے پاس آئے اور ان کے پاس ابو جہل بن ہشام اور عبداللہ بن امیہ بن مغیرہ کو موجود پایا۔ رسول اللہؐ نے ابو طالب سے فرمایا اے چچا! کلمہ توحید پڑھ میں اللہ کے ہاں اس کی گواہی دوں گا۔ تو ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا اے ابو طالب کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے اور رسول اللہ کلمہ ان پر پیش کرتے رہے اور وہ دونوں وہی بات دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ ابو طالب نے جو آخری بات ان سے کہی یہ تھی " میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں " اور کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا " خدا کی قسم! میں تمہارے لئے مغفرت کی دعا مانگتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے روکا نہ جائے تو اللہ نے اس کے متعلق اتارا

ماکان للنبی الایتہ (التوبہ)

(بخاری کتاب الجنائز)

ابو جہل اور ابو طالب اور آنحضرتؐ تینوں کو معلوم تھا کہ کلمہ طیبہ اور مسلک عبدالمطلب دونوں الگ اور متضاد عقیدے ہیں۔ اور ایک کا اقرار دوسرے کا انکار ہے اس فرق کو جانتے ہوئے ابو طالب نے کلمہ کا انکار کر دیا۔ اور ابو جہل کی بات مان لی جس پر ابو جہل کو خوشی ہوئی اور حضورؐ مایوس ہوئے۔

حضرت علیؑ نے ابو طالب کی وفات پر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا حضرت! آپ کا بوڑھا گمراہ

چچا مر گیا ہے اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ جا کر تجہیز و تکفین میں حصہ لو۔ آپ نے فرمایا کہ میں ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا حتیٰ کہ وحی الہٰی نے آپ کو ابو طالب کے شرک کی وجہ سے دعا سے روک دے۔

(صحیح بخاری)

حضورؐ کے تایا زبیر بن عبدالمطلب اور چچا ابو طالب عبد مناف کے تمام حالات و کوائف کو پیش نظر رکھتے ہوئے قارئین خود فیصلہ کریں کہ کونسی روایت ، درایت اور حقائق و واقعات کے مطابق اور کونسی موضوع بے بنیاد اور غلط ہے۔

1۔ ابو طالب جو اس قدر مفلس اور غریب تھا کہ ■ لپنے بیٹوں کی پرورش نہ کر سکا وہ اپنے یتیم بھتیجے کی کفالت کس طرح کر سکتا تھا۔

2۔ جناب ابو طالب جو اپنے بھتیجے کو اپنی لڑکی کا رشتہ دینے کے لئے تیار نہ تھا اس کو حضورؐ سے کیا محبت اور ان کے دل میں آپ کی کیا قدر و منزلت ہو سکتی۔

3۔ ابو طالب جس نے مرتے دم تک شرک ، بت پرستی اور اپنے آباؤ اجداد کا مسلک و مذہب چھوڑ کر حضورؐ پر اعتماد کر کے توحید و رسالت پر ایمان نہ لایا اور ابو جہل کی بات پر عمل کیا وہ حضور کا خیر خواہ اور ان کا کفیل سرپرست کس طرح ہو سکتا تھا۔

4۔ جناب ابو طالب جو اس قدر کمزور اور قریش مکہ کے سامنے بے بس تھے کہ قریش نے اس کے تمام قبیلہ بنو ہاشم کے ساتھ نبوی 10 تک شعب ابو طالب کی تنگ گھاٹی میں محصور و مقید رکھا ہو وہ آنحضرت کی کیا امداد و اعانت و حفاظت کر سکتا تھا۔

بہرحال اندھی تقلید ، مذہبی عقیدت اور اسلاف پرستی کا تاریخی حقائق ، واقعات سے کم ہی تعلق ہوتا ہے ارباب فکر کو کھلے ذہن کے ساتھ تاریخی حقائق پر غور و فکر سے صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

کفیل محمدؐ

آخر میں ہم ارباب علم ، دانش کے سنجیدہ غور و فکر کے لئے اس مسئلہ کے متعلق ایک سوال پیش کرنے کی جسارت کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ :۔

1۔ جب تمام مکاتب فکر کے علماء و مورخین اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ جناب عبدالمطلب کے وصی اور جانشین ان کے بڑے بیٹے جناب زبیر بن عبدالمطلب ہی تھے اور عبدالمطلب کی وفات کے بعد ■ تمام فرائض اور ذمہ داریاں جو جناب عبدالمطلب بحیثیت سردار قبیلہ بنو ہاشم ادا کیا کرتے تھے ۔ اب ان کے بیٹے جناب زبیر ادا کرتے

تھے ۔ یعنی حاجیوں کی خدمات سقایہ و رفادہ، بنو خزاعیہ کے ساتھ معاہدہ کی شرائط کی پابندی حرب فجار میں اپنے قبیلہ کی سپہ سالاری ۔ معاہدہ حلف الفضول میں اپنے قبیلہ کی نمائندگی وغیر تمام امور کو بحیثیت سربراہ قبیلہ ادا کرتے تھے تو اس خاص مسئلہ پر کہ آپ نے اپنے حقیقی بھتیجا کی کفالت اور پرورش کا بوجھ اپنے چھوٹے بھائی جناب ابو طالب پر ڈال دیا ۔ جنکی مالی حالت بھی بہت کمزور تھی اور یہ اہم ترین ذمہ داری خود ادا نہ کی اس کی کوئی وجہ جواز نہیں ہو سکتی ۔

تاریخی حقیقت یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ کی عمر چونتیس پینتیس سال کی تھی تو جناب زبیر بن عبدالمطلب وفات پا گئے اور ان کے بعد جناب ابو طالب بن عبدالمطلب جو اب تمام بھائیوں میں بڑے تھے ۔ قبیلہ بنو ہاشم کے سردار مقرر ہوئے اور آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد قریش کے ظلم و ستم کے خلاف آنحضرتؐ کو تحفظ فراہم کرتے رہے ۔ قریش مکہ کے سرداروں کے تین مرتبہ وفود جناب ابو طالبؑ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے آنحضرتؐ کے خلاف انتقامی کاروائی کی اجازت چاہی مگر جناب ابو طالب نے اجازت نہ دی ۔ جب جناب ابو طالب نے 10ء نبوی میں وفات پائی اور قبیلہ بنو ہاشم کے سردار آپؐ کے دشمن چچا ابو لہب بن عبدالمطلب مقرر ہوئے تو اس نے آپؐ کو تحفظ دینے سے انکار کر دیا ۔ یعنی اپنے قبیلہ سے خارج کر دیا ۔ چنانچہ آنحضرتؐ جب 10ء نبوی کو طائف کے دورے سے واپس آئے تو مکہ کے باہر قیام فرمایا اور جناب مطعم بن عدی سے جو اپنے قبیلہ کا سردار تھا تحفظ طلب کیا ۔ اس نے خانہ کعبہ میں آ کر اعلان کر دیا کہ میں نے " محمدؐ " کو پناہ دے دی ہے ۔ لہذا آپؐ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے ۔ چنانچہ ہجرت مدینہ تک آنحضرتؐ مکہ میں مطعم بن عدی کے زیر تحفظ رہے ۔ اسی زمانہ میں عرب میں جو قبائلی نظام قائم تھا اس کے مطابق کوئی فرد قبیلہ اپنے قبیلہ کے تحفظ و پناہ کے بغیر آزاد نہیں رہ سکتا تھا ۔ اگر کوئی فرد قتل کر دیا جاتا تو پورا قبیلہ اس کے قصاص کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ۔

حرب فجار

جنگ فجار کے چار دور ہوئے

(i) جنگ فجار اول ۔ قبائل کنانہ اور ہوازن کے درمیان ہوئی

(ii) جنگ فجار دوم ۔ قبائل قریش اور کنانہ کے درمیان ہوئی ۔

(iii) جنگ فجار سوم ۔ قبائل بنو کنانہ اور بنو نصر کے درمیان ہوئی ۔

(iv) چوتھی اور آخری جنگ فجار قریش ہوازن اور تمام قبائل کنانہ کے درمیان برپا ہوئی ۔ اس آخری جنگ میں خود آنحضرتؐ اپنے قبیلہ کی طرف سے شریک ہوئے ۔ اس وقت آپؐ کی عمر 16 اور 20 سال کے درمیان تھی ۔ اس جنگ کو حرب فجار اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ابتداء خانہ کعبہ کے حرمت کے مہینوں ، ذیقعد ، ذالحج ، محرم اور

رجب میں ہوئی تھی ۔ جہاں لڑنا عرب کے دستور کے مطابق ممنوع تھا ۔ بنو کنانہ اور قریش ایک طرف اور قبیلہ ہوازن دوسری طرف تھے ۔

حرب فجار 586ء

آپؐ کی عمر سولہ سال کی تھی کہ چوتھی حرب فجار ہوئی ۔ اس جنگ میں ایک طرف قریش اور بنو کنانہ تھے اور دوسری طرف بنو قیس ، عیلان اور بنو ہوازن تھے ۔ اس جنگ کے اسباب یہ تھے کہ عرب میں حرام مہینوں کا نظام قائم تھا یعنی ان مہینوں میں ثار یعنی انتقام ، قتل و غارت اور لوٹ مار وغیرہ کی اجازت نہ تھی ۔ ان حرام مہینوں کے نام محرم ، ذیقعدہ ، ذوالحجہ اور رجب تھے ان میں سے کسی مہینے میں بھی حرمت شکنی ہو جاتی تو اسے فجار یعنی ناجائز فعل سمجھا جاتا تھا اور جنگ چھڑ سکتی تھی جسے حرب فجار کہتے تھے ۔ آنحضرتؐ کی بعثت سے قبل چار بار فجار کے واقعات ہو چکے تھے ۔ ان میں سے ایک آخری میں آپؐ نے بھی شرکت فرمائی تھی ۔ مگر جنگ میں تمام لشکر قریش کے سپہ سالار تو حرب بن امیہ تھے مگر قبیلہ بنو ہاشم کے سالار جناب زبیر بن عبدالمطلب تھے ۔ کیونکہ اس وقت وہی سردار قبیلہ تھے اس جنگ کی وجہ یہ تھی کہ حیرہ کے امیر نعمان بن منظر (منذر) نے اپنے تجارتی مال سے لدے ہوئے اونٹ بغرض تجارت عکاظ کے میلے میں بھیجے تھے ۔ اس تجارتی قافلہ کو قبیلہ ہوازن کے ایک شخص عسردہ نے اپنے پاس ٹھہرایا اور رات نامی کنوئیں کے پاس پڑاؤ ڈالا ۔ رات کے وقت قبیلہ بنو کنانہ کے ایک شخص براض نامی نے عروہ کو قتل کر ڈالا اور خود خیبر کی طرف بھاگ گیا اور وہیں چھپا رہا جب قبیلہ ہوازن کے سردار ابو براء کو خبر ملی تو اس نے کہا کہ ہمیں قریش نے دھوکا دیا ہے اور طرفین آئندہ میلہ عکاظ میں مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے چنانچہ اگلے سال عکاظ کے میلہ کے موقع پر میدان جنگ میں آ گئے ۔ دن کے ابتدائی حصہ میں قریش کو کامیابی ہوئی مگر دن کے آخری حصہ میں قبیلہ ہوازن اور قیس کو کامیابی ہوئی آخر عتبہ بن ربیعہ نے صلح کا نعرہ بلند کیا ۔ چنانچہ فریقین میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ مقتولین کو شمار کیا جائے ۔ قریش قیس کے مقتولوں کا خون بہا ادا کریں مگر قریش کے مقتولوں کا خون بہا ادا نہیں کیا جائے گا اس پر یہ جنگ ختم ہو گئی اور قیس و قریش اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے یہ آخری اور چوتھی حرب فجار تھی ۔

معاہدہ حلف الفضول

جب قریش حرب فجار سے واپس پہنچے تو جناب زبیر بن عبدالمطلب کی کوشش سے ایک معاہدہ امن انصاف حلف الفضول کے نام سے طے پایا ۔ جناب زبیر بن عبدالمطلب جو اپنے قبیلے بنو ہاشم کے سردار تھے اس معاہدہ کے داعی تھے ۔ چنانچہ بنو ہاشم بنو زہرح اور بنو تیم وغیرہ عبداللہ ابن جدآن کے مکان پر جمع ہوئے جہاں

جناب زبیر کی طرف سے حاضرین کے لئے دعوت کا انتظام و اہتمام کیا گیا تھا یہاں پر یہ معاہدہ ترتیب و تصدیق کیا گیا جس میں یہ عہد و پیمان کیا گیا تھا کہ ہم لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مظلوموں اور بے سہارا لوگوں کا ساتھ دیتے رہیں گے۔ کبھی کسی ظالم یا غاصب کا ساتھ نہیں دیں گے۔ اس تحریک کے محرک نیک سیرت زبیر بن عبدالمطلب تھے ان کی ترغیب پر عبداللہ بن جدآن تیمی کے گھر پر سرداران قریش کا اجتماع ہوا۔ جناب زبیر نے اپنے بھتیجے کو مشاورت میں ساتھ رکھا اور آخر کار بنو ہاشم بنو مطلب، بنو اسد، بنو تیم، بنو زہرہ اور بنو حارث وغیرہ کے نمائندہ اجتماع نے عہد نامہ حلف الفضول تیار کیا۔ علامہ شبلی نعمانی سیرت النبی میں رقم طراز ہیں۔

جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبدالمطلب نے جو رسول اللہؐ کے چچا اور خاندان کے سرکردہ تھے۔ یہ (حلف الفضول) کی تجویز پیش کی۔ خاندان بنی ہاشم، زہرہ اور تیم عبداللہ بن جدآن کے گھر میں جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔ آنحضرتؐ اس معاہدے میں شریک تھے اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھ کو سرخ اونٹ بھی دئے جاتے تو میں نہ بدلتا اور اگر آج بھی ایسے معاہدے کے لئے کوئی بلائے تو میں تیار ہوں۔

حضورؐ اقدس کا سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سے عقد

حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد ایک شریف، مالدار اور تاجر عورت تھیں۔ آپؑ کے والد کا نام خویلد بن اسد اور والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ حضرت خدیجہ نے آنحضرت سے قبل پہلی شادی عتیق بن عائد بن عبداللہ بن عمرو مخزومی سے کی تھی۔ اس سے سیدہ خدیجہ کے بطن سے ایک لڑکی ہندہ بنت عتیق پیدا ہوئی تھی۔ عتیق کی وفات کے بعد حضرت خدیجہؓ نے ابو ہالہ بناش بن زرارہ سے دوسرا عقد کیا تھا۔ اس سے ایک دختر ہندہ بنت ابی ہالہ اور ایک فرزند ہالہ بن ابی ہالہ پیدا ہوئے۔ ابو ہالہ بناش کی وفات کے بعد سیدہ خدیجہؓ نے آنحضرتؐ سے نکاح کیا تھا۔

جب انہیں آنحضرتؐ کی سچائی، امانت، دیانت، اعلیٰ اخلاق اور تجارت میں مہارت کے واقعات کی خبر ملی تو آپؐ کو بلا بھیجا اور درخواست کی کہ میرا مال تجارت لے کر میرے غلام میسرہ کے ساتھ تجارت کے لئے شام تشریف لے جائیں۔ آپؐ کو معاوضہ اس سے زیادہ دوں گی جو دوسرے تاجروں کو دیتی ہوں۔ آپؐ نے پیش کش منظور کر لی اور ان کا مال لے کر شام گئے۔ سیدہ خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا۔ حضورؐ نے اپنا سامان فروخت کیا اور جو خریدنا تھا وہ خرید لیا۔ پھر واپس مکہ پہنچے جو مال لائے اسے مکہ میں فروخت کیا تو حضرت خدیجہؓ کو پہلے کی نسبت دوگنا منافع ہوا۔ جب میسرہ نے حضرت خدیجہ کو حضورؐ کے اعلیٰ اخلاق اور کردار، امانت اور دیانت اور فہم و فراست کے متعلق بتایا اور اس کو منافع بھی دوگنا ہوا تھا۔ لہٰذا اس عقل مند اور بلند اخلاق عورت نے حضورؐ کے حسن و اخلاق، حسب و نسب، امانت و دیانت اور تجارت کی مہارت کی وجہ سے آپؐ سے نکاح کی استدعا کی تو آپؐ نے اپنے

چچاؤں کے مشورے سے اس دعوت کو قبول کر لیا۔ آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب آپؐ کے ساتھ حضرت خدیجہ کے چچا کے پاس گئے اور آپ کی نسبت کرادی اور عقد ہو گیا۔ رسول اللہؐ نے ان کے مہر میں بیس جوان اونٹنیاں اور پانچ سو دینار دیئے۔ یہ پہلی خاتون تھیں جن سے آپؐ نے عقد فرمایا ان کی زندگی میں آپؐ نے کوئی دوسرا نکاح نہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ دس نبوی میں انتقال فرما گئیں۔ حضورؐ کے ساتھ حضرت خدیجہ کا پچیس سال تک ازدواجی تعلق قائم رہا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے مطابق نکاح کے وقت آنحضرتؐ کی عمر پچیس سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر اٹھائیس سال تھی۔

آنحضرتؐ سے عقد کے وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی عمر

عام روایت کے مطابق حضرت رسولؐ خدا سے عقد کے وقت حضرت سیدہ خدیجہ کی عمر چالیس سال اور حضورؐ کی عمر پچیس سال تھی۔ مگر یہ روایات، درایت اور عقل و فطرت کے مطابق معلوم نہیں ہوتیں۔ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر علماء کرام اور مورخین و محققین کو اس پر غور و فکر اور تحقیق کی دعوت دیتے ہیں:۔

1۔ آنحضرتؐ کا جب حضرت سیدہ خدیجہ سے نکاح ہوا۔ اس وقت آپؐ کی عمر پچیس سال تھی یعنی عین بھرپور جوانی کا عالم تھا۔ آپؐ کی دیانت و امانت اور صداقت مسلمہ تھی۔ حسب و نسب کے لحاظ سے بھی آپ قریش کے بہترین قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ تجارتی معاملات میں بھی آپ ماہر تصور کئے جاتے تھے۔ اس لئے معاشی حالت بھی اچھی تھی۔ تمام مکہ میں عزت و احترام اور عزت و وقار حاصل تھا۔ یعنی حضور اقدسؐ خاندانی، اخلاقی، معاشی اور سماجی لحاظ سے تمام مکہ میں ایک ممتاز شخصیت تھے۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ آپؐ نے ایک چالیس سالہ معمر عورت سے شادی کرنا قبول کر لیا جو بیوہ تھی۔ اس کے پہلے خاوند سے ایک لڑکی اور دوسرے شوہر سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی بھی تھی۔ اگر اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے کہ حضورؐ نے ایک چالیس سالہ بیوہ عورت سے شادی کی تو مشرکین اور غیر مسلم مورخین حضورؐ پر زبان طعن دراز کریں گے کہ اس وقت حضورؐ کو اپنے قبیلہ میں یہ حیثیت تھی کہ کسی نے آپ کو رشتہ نہ دیا اور آپؐ کو مجبوراً اپنے سے پندرہ سالہ بڑی عمر کی بیوہ عورت سے شادی کرنا پڑی۔ صحیح مسلم کی اس حدیث کی روشنی میں کہ حضورؐ نے اپنے حقیقی چچا جناب ابو طالب سے ان کی بیٹی ام ہانی کا رشتہ مانگا مگر انہوں نے صاف جواب دے دیا اور اپنی بیٹی کا رشتہ ہبیرہ بن ابووہب کو دے دیا۔ حضورؐ نے جب جناب ابو طالب سے شکایت کی کہ چچا آپ نے اپنی بیٹی کا رشتہ مجھے نہ دیا اور ہبیرہ کو دے دیا تو انہوں نے انتہائی افسوسناک جواب دیا۔ ملاحظہ ہو حدیث صحیح مسلم۔

حضورؐ کی بعثت تک یعنی پندرہ سال کے عرصہ میں حضرت سیدہ کے بطن سے ایک لڑکا جناب قاسم اور چار بیٹیاں حضرت زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔ بعثت کے بعد جناب عبداللہ طاہر و طیب پیدا ہوئے۔

بیٹے دونوں بچپن میں ہی داغ مفارقت دے گئے اور بیٹیاں جوان ہوئیں۔ اسلام لائیں اور شادیاں ہوئیں۔ چالیس سال کی عمر کی عورت خاص طور پر عرب جیسے گرم ملک میں چھ بچے قریباً تین تین سال کے وقفہ میں بمشکل پیدا کر سکتی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں سیدہ خدیجہ کی عمر کے متعلق کسی وجہ سے مغالطہ لگ گیا ہے۔ آپ کی عمر اس وقت یقینی طور پر آنحضرت کی عمر کے برابر ہی ہو گی یعنی چوبیس پچیس سال۔

اس غلط فہمی کو دور کرنے سے حضورؐ اقدس کے متعلق دشمنانان اسلام کے الزامات اور شکوک و شبہات کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے۔ حضورؐ کی عزت و وقار میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور حضرت سیدہ خدیجہ پر بھی کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ امید ہے علماء و مفکرین اسلام اس اہم تاریخی حقیقت پر کھلے ذہن اور فطرت انسانی کی روشنی میں غور و فکر کریں گے۔ یہ کوئی مذہب یا عقیدہ کا مسئلہ نہیں بلکہ صرف ایک تاریخی واقعہ کی تحقیق و تدقیق ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کے مطابق نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر ۲۸ سال تھی اور یہ قرین قیاس بھی ہے۔

آنحضرتؐ کی اولاد

رسول اللہؐ کے پہلے فرزند قاسم تھے جن کے نام پر آپؐ ابوالقاسم کنیت بھی کرتے تھے۔ لیکن یہ بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔ اس کے بعد آپؐ کی سب سے بڑی بیٹی زینب اس کے بعد رقیہ، پھر فاطمہؓ اور اس کے بعد ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ عام روایت یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ سب سے چھوٹی بیٹی ہیں لیکن عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ ام کلثوم سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت فاطمہ کی شادی کے بعد حضرت ام کلثوم کی شادی ہوئی۔ بعثت کے بعد آپؐ کے سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ پیدا ہوئے جن کو طاہر اور طیب بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی شیر خوارگی میں وفات پا گئے اور ان کی وفات پر جب کفار مکہ نے طعن کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو تسلی دی اور سورۃ کوثر نازل ہوئی۔ ان تمام کی والدہ حضرت خدیجہؓ تھیں۔ آپؐ کے دونوں لڑکے وفات پا گئے تھے۔ آپؐ کے ہاں آخری صاحبزادے جناب ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے جو قریباً اٹھارہ ماہ کی عمر میں وفات پا گئے۔

آنحضرتؐ کی سیدہ خدیجہؓ کے ساتھ ازدواجی زندگی نہایت خوشگوار، پرسکون اور مثالی تھی۔ سیدہ خدیجہ کی وفات کے بعد بھی حضورؐ آپؐ کو انتہائی محبت و احترام سے یاد کرتے تھے اور اس قدر تعریف کرتے تھے کہ حضرت عائشہؓ جیسی زوجہ محترمہ بھی آپؐ سے رشک کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہ کی محبت و عقیدت اور اعتماد کا یہ عالم تھا کہ جب حضورؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی جس سے آپ پر دہشت طاری ہو گئی تو سیدہ خدیجہ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ "خدا کی قسم حق تعالیٰ آپؐ کو رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپؐ صلہ رحمی فرماتے، یتیموں اور محتاجوں کی کفالت و خبر گیری فرماتے۔ مہمانوں کی خاطر مدارت کرتے اور مصائب و مشکلات میں لوگوں کی مدد فرماتے ہیں۔" وہ پہلی

خاتون ہیں جو آپؐ پر سب سے پہلے ایمان لائیں۔

انہدام و تعمیر خانہ کعبہ 605ء

حضور نبی اکرمؐ کی پینتیس سالہ عمر تک خانہ کعبہ حضرت ابراہیم ہی کی تعمیر کردہ حالت پر باقی رہا لیکن سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ میں دراڑ اور شگاف پڑ گئے تھے اور خطرہ تھا کہ یہ منہدم ہو کر گر نہ جائے۔ اس لئے قریش مکہ اس کی از سر نو تعمیر کے متعلق سوچ بچار کر رہے تھے انہی دنوں سمندر میں ایک رومی جہاز آرہا تھا جس میں رومی سوار تھے اور باقوم نام کا ایک شخص اس جہاز کا مالک تھا جو معمار بھی تھا۔ سمندری طوفان نے اس جہاز کو جدہ کی بندرگاہ پر پہنچا دیا۔ جو یہاں آکر ٹوٹ گیا۔ قریش مکہ کو معلوم ہوا کہ ایک جہاز شیبہ کی بندرگاہ پر ٹوٹ پھوٹ کر پڑا ہے۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ خانہ کعبہ کی چھت کے لئے اس کی لکڑی خرید کر لائی جائے چنانچہ ولید بن مغیرہ مخزومی کچھ اہل قریش کو ہمراہ لے کر اس جہاز کی لکڑی برائے تعمیر کعبہ خریدنے کے لئے باقوم کے پاس پہنچا جس سے تعمیر کعبہ کے متعلق بات چیت ہوئی اور وہ مناسب قیمت پر لکڑی فروخت کرنے کے لئے رضامند ہو گیا اور ان کے ہمراہ مکہ آگیا چنانچہ تعمیر کعبہ کے متعلق لکڑی کا سودا اور تعمیر کے لئے اس کی خدمات حاصل کر لی گئیں۔ اس سے قبل مکہ میں ایک بڑھئی بھی تعمیر کا کام جانتا تھا۔ اس کو باقوم کے ساتھ ملا دیا اور ان دونوں نے مل کر تعمیر خانہ کعبہ کی ابتداء کر دی کعبہ کی فرسودہ شکستہ عمارت کو گرا دیا گیا۔ شکستہ عمارت کعبہ کو گرانے کے لئے قریش کے لوگ اس کے تقدس اور احترام کی وجہ سے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ آخر ولید بن مغیرہ نے حوصلہ کر کے شکستہ عمارت کے انہدام کی ابتداء کر دی جب اسے کوئی نقصان نہ ہوا تو دیگر لوگ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور جب پتھر گرانے لگے تو دعا کی کہ "اے اللہ! تجھے ناراض کرنا مقصود نہیں ہم لوگ تو فقط تیرے گھر کی بہتری اور تعمیر نو چاہتے ہیں۔" جب قدیم عمارت گرا چکے تو نئی عمارت کی تعمیر کے لئے مختلف قبائل قریش نے اس کے مختلف حصوں کی تعمیر کے لئے باہمی فیصلہ کر لیا۔ اور تعمیر شروع ہو گئی۔ قریش کے لوگ رضاکارانہ طور پر تعمیری کام میں شامل ہو گئے۔ پتھروں کو جمع کر کے اور ان کے کنارے صاف اور درست کر کے جائے تعمیر پر لاتے۔ آنحضرتؐ بھی دیگر لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھا کر لاتے اور اس نیک کام میں سرگرم حصہ لیتے تھے۔ جب عمارت اس حد تک پہنچی جہاں خانہ کعبہ میں حجر اسود نصب کرنے کا موقعہ تھا تو ہر قبیلے نے اپنے اپنے استحقاق پر زور دیا اور اس قدر کشمکش ہوئی کہ جنگ و قتال کا اندیشہ پیدا ہو گیا تب امیہ بن مغیرہ کی تجویز پر اتفاق کیا گیا کہ جو شخص کل صبح سویرے سب سے پہلے باب شیبہ سے داخل ہو گا وہی اس اختلاف کا فیصلہ کرے گا۔ چنانچہ صبح کے وقت سب سے پہلے آنحضرتؐ اس دروازہ سے داخل ہوئے۔ جب لوگوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ "امین آگئے۔" ہمارے نزدیک آپؐ امین و دیانت دار ہیں۔ ہمیں ان کا فیصلہ منظور ہو گا پھر انہوں نے آپؐ سے صورت حال بیان کی اس پر آپ نے اپنی چادر مبارک زمین میں بچھا دی اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس

چادر پر رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلے والا اس چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کر اوپر اٹھائے۔ انہوں نے اس پر عمل کیا۔ جب وہ اس کی جگہ تک پہنچے تو آپ نے اسے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس کی صحیح جگہ پر نصب فرما دیا اور اس پر سب راضی ہو گئے اور فتنے کا سد باب ہو گیا اس فیصلے سے نہ صرف فساد کا فتنہ ختم ہو گیا بلکہ آنحضرتؐ کی عظمت و فراست بھی مسلمہ ہو گئی۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت قریش میں ایک فرد کے ہاتھ میں قیادت و سیادت نہ تھی بلکہ باہمی عداوت و نفاق کا دور دورا تھا۔ ان کے جد اعلیٰ قصی بن کلاب کی عظمت، ہاشم کی وجاہت اور عبدالمطلب کا دبدبہ سب رخصت ہو چکے تھے۔

کعبہ بیت اللہ کا نام ہے جو مسجد حرام کے درمیان میں ایک چوکور شکل کی عمارت ہے اس کا دروازہ زمین سے قد آدم اونچا ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے مل کر خدا کی عبادت کے کے لئے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی اس کی ابتدائی تعمیر میں پتھروں پر پتھر رکھے ہوئے تھے اور اوپر پلستر نہ ہوا تھا۔ ایک دفعہ اس میں آگ لگ گئی۔ پھر ایک دفعہ اس میں قد آدم کے برابر سیلاب آگیا جس کی وجہ سے اس کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے تھے۔ باقوم رومی اور سعید بن عاص کے غلام نے جو نجاری کا کام جانتا تھا مل کر اس کی تعمیر کی۔

بعثت سے قبل آنحضرتؐ کی سرگرمیاں

آپؐ اپنے تجارتی کاروبار کے علاوہ اصلاحی، تعمیری اور فلاحی کاموں میں سرگرم حصہ لیتے ۔ شادی سے قبل اپنے تایا جناب زبیر بن عبدالمطلب کی زیر سرپرستی تجارتی کاروبار کا کافی تجربہ حاصل کر چکے تھے اور شام، یمن اور بحرین وغیرہ ممالک کے سفر کر چکے تھے اور آپؐ کی امانت، دیانت، صداقت اور ایفائے عہد و پیمان اور بلند اخلاق کی وجہ سے تجارتی حلقوں میں آپؐ کی نہایت اچھی ساکھ قائم تھی۔ تجارتی کاروبار میں یہ اوصاف کامیابی کے ضامن ہوتے ہیں۔ جو حضورؐ میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ اس لئے آپ کامیاب تاجر ثابت ہوئے ۔ آپؐ نے اس جدوجہد سے جو سرمایہ کمایا وہ دل کھول کر غریبوں، مسکینوں اور مستحق لوگوں کی ضروریات کے لئے بے دریغ خرچ کیا۔ آپ نے جذبہ صلہ رحمی کے تحت اپنے غریب چچا جناب ابو طالب کی ہر ممکن امداد کی اور ان کے بیٹے حضرت علیؑ کی پرورش اور کفالت مستقل طور پر اپنے ذمے لے لی ۔ دوسرے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کی بھی امداد و اعانت کرتے رہے۔ آپؐ کے والد جناب عبداللہؓ بھی تاجر تھے۔ اس لئے اپنی وفات کے بعد حضورؐ کے لئے معقول سرمایہ : پانچ اونٹ، بکریوں کا ایک ریوڑ، ایک کنیز ام ایمن برکہ اور اپنا ذاتی مکان شعب بنو ہاشم میں چھوڑ کر گئے تھے۔ یہ سب کچھ آپؐ کو وراثت میں ملا۔ آپؐ کے تایا زبیر نے آپؐ کا سرمایہ اپنے ساتھ تجارت میں لگا کر اس سے بھی منافع حاصل کیا جس کی وجہ سے آپ کی مالی حالت بڑی تسلی بخش تھی ۔ حضرت خدیجہ کے ساتھ شادی کے بعد آپؐ کو سرمائے کی کوئی کمی نہ رہی تھی ۔ کیونکہ ▪ بھی ایک متمول خاتون تھیں۔ اس طرح حضورؐ نے اپنی سعی و عمل، محنت و ذہانت اور تجربہ و مہارت سے کافی سرمایہ کمایا۔ عزت وقار کی خوش حال زندگی بسر کی اور اپنا سرمایہ تبلیغ دین اور غریب و حاجت مند لوگوں کی امداد و اعانت پر بے دریغ خرچ کیا۔

کعبتہ اللہ اور بت پرستی

جزیرۃ العرب :۔ وادی " ذی ذرع " مکہ میں کعبتہ اللہ خالق کائنات کا سب سے پہلا گھر تھا۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور ہدایات کے مطابق حضرت ابراہیم اور آپؐ کے فرزند رشید حضرت اسماعیل نے مل کر تعمیر کیا تھا۔ یہ

خالص توحید کا مرکز صرف اس کی ذات و صفات پر ایمان اور اس کی عبادت کے لئے مخصوص تھا۔ آنحضرت کی پیدائش کے زمانہ میں یہ مرکز توحید دنیا میں کفر، شرک اور بت پرستی کا سب سے بڑا، مرکز بن چکا تھا جہاں لوگ دور دراز مقامات سے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے اور زر کثیر خرچ کر کے اس کی زیارت طواف اور حج کے لئے آتے اور ان بتوں کی پوجا کرتے جو خانہ کعبہ کے اندر جمع تھے جن کی اس وقت تعداد تین سو ساٹھ (360) تھی۔ ان کے علاوہ ہر قبیلے کا علیحدہ بت بھی تھا جس کی یہ لوگ عبادت کرتے ان سے مرادیں مانگتے اور ان کو حاجت روائی کے لئے وسیلہ سمجھتے۔

تعمیر کعبہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس جلیل القدر پیغمبر حضرت خلیل اللہ نے رب العزت کے حکم سے تمام نوع انسانی کے نام یہ پیغام نشر کیا تھا کہ یہ دنیا میں امن و امان کا گہوارہ اور رشد وہدایت کا مرکز ہے۔ اس خانہ خدا کے طواف اور حج کے لئے آؤ۔ حضرت ابراہیم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ایک وقت آئے گا جب ان کی نسل کے لوگ اس مرکز توحید کو باطل خداؤں کا صنم خانہ بنا دیں گے اور اس طرح اللہ کے گھر پر غیر اللہ کا قبضہ ہو جائے گا بے شک لوگ دور دراز سے اس کے حج اور طواف کے لئے آتے تھے مگر توحید باری تعالیٰ کے بجائے شرک میں مبتلا ہو کر مٹی اور پتھر کے ان خود ساختہ مجسموں کے آگے سربسجود ہوتے اور ان کی پرستش کرتے۔ اس طرح یہ عظیم مرکز توحید غیر اللہ کی عبادت و سیادت کے مرکز میں تبدیل ہو گیا تھا۔

تاریخ عالم کی یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ توحید الہی اور دین حنیف کا یہ مرکز اولین مرور زمانہ کے ساتھ ان عظیم الشان انبیاء کرام کی اولاد قریش مکہ اور دیگر عرب قبائل جو سب کے سب حضرت ابراہیم کی اولاد سے تھے۔ بت پرستی اجرام فلکی اور دیگر عناصر زمین کو معبود مان کر ان کی پرستش و عبادت کرنے لگے۔

قریش کا سب سے بڑا بت ہُبل تھا جو کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ قریش لڑائیوں میں اس کا نعرہ بلند کرتے تھے تاکہ اس کی اعانت و نصرت حاصل کریں۔

مشہور بتوں اور ان کے پوجنے والوں کے نام حسب ذیل ہیں

نمبر شمار	نام بت	مقام	قبیلہ جو اس بت کو پوجتا تھا
۱	لات	طائف	ثقیف
۲	عزیٰ	مکہ معظمہ	قریش و کنانہ
۳	منات	مدینہ منورہ	اوس، خزرج، اور غسان
۴	ود	دومتہ الجندل	کلب
۵	سواع		ہذیل
۶	یغوث		مذحج اور بعض قبائل یمن

یعوق　　　　　　　　　　　　　　همدان

عرب میں بت پرستی کا بانی ایک شخص عمرو بن لحی تھا اس کا اصلی نام ربیع بن حارث تھا۔ عرب کا مشہور قبیلہ خزاعہ اس نسل سے ہے عمرو سے پہلے جرہم کعبہ کے متولی تھے۔ عمرو نے جرہم سے لڑ کر جرہم کو مکہ سے نکال دیا اور خود حرم کا متولی ہو گیا وہ ایک دفعہ شام کے کسی سفر میں گیا وہاں کے لوگوں کو بت پوجتے دیکھا تو پوچھا کہ ان کو کیوں پوجتے ہو انہوں نے کہا کہ یہ حاجت روا ہیں۔ لڑائیوں میں فتح دلاتے ہیں قحط پڑتا ہے تو پانی برساتے ہیں عمرو نے چند بت ان سے لیئے اور لا کر خانہ کعبہ کے آس پاس نصب کر دیئے۔

کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا اس لیے تمام قبائل میں بت پرستی کا رواج ہو گیا ان میں سے قدیم منات تھا یہ سمندر کے کنارے قدید کے قریب تھا اوس اور خزرج یعنی مدینہ کے لوگ اسی پر قربانی چڑھاتے تھے۔ کعبہ کا حج کر کے آتے تھے تو احرام نہیں اتارتے تھے ہذیل اور خزاعہ بھی اس کی پرستش کرتے تھے۔

اللہ کا اعتقاد:۔ عرب کے لوگ تقریباً سب کے سب بت پرست تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ اعتقاد ان کے دل سے کبھی نہیں گیا کہ اصلی خدائے برتر اور چیز ہے اور وہی تمام عالم کا خالق ہے اس خالق اکبر کو وہ لوگ " اللہ " کہتے تھے قرآن مجید میں ہے۔

" اگر ان لوگوں (کافروں) سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور چاند سورج کو کس نے تابعدار بنا رکھا ہے تو بول اٹھیں گے کہ اللہ نے پھر کدھر بہکے چلے جا رہے ہیں"۔

" پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خدا ہی کو خلوص کے ساتھ پکارتے ہیں پھر جب خدا ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو شرک کرنے لگتے ہیں (قرآن حکیم)

حضرت ابراہیم کا توحید خالص کا نظریہ بالکل معدوم نہیں ہو گیا تھا بلکہ جو لوگ صاحب بصیرت تھے وہ بت پرستی کو نفرت سے دیکھتے تھے اور اس کے خلاف تھے اور دین حنیف کی تعلیم اور نظریات کی تلاش میں تھے۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ایک دفعہ کسی بت پرست کے سالانہ میلہ میں ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویر، زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے۔ ان کے دل میں دفعتاً یہ خیال آیا کہ یہ کیسے بے ہودہ پن ہے کہ ہم پتھر کے سامنے سر جھکاتے ہیں جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ کسی کا نقصان کر سکتا ہے نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے یہ چاروں قریش خاندان سے تھے ورقہ حضرت خدیجہ کے عم زاد تھے زید حضرت عمر کے چچا تھے عبیداللہ بن جحش حضرت حمزہ کے بھانجے تھے عثمان عبدالعزیٰ کے پوتے تھے۔

یہ چاروں افراد مشورہ کر کے دین ابراہیم کی تلاش میں مختلف شہروں میں گئے مگر کوئی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا ان میں:۔

1۔ حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے پختہ طور پر مذہب عیسائیت کو اختیار کر لیا اور عیسائیوں کی کتابوں پر عمل کرتے رہے حتیٰ کہ اہل کتاب سے ان کے دین کا کافی علم حاصل کر لیا۔

2۔ رہے عبداللہ بن حجش سو وہ تردد کی حالت میں رہے (کوئی دوسرا مذہب اختیار نہ کیا) یہاں تک کہ اسلام لے آئے پھر مسلمانوں کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اس ہجرت میں ان کے ہمراہ ان کی مسلمان اہلیہ ام حبیبہ بنت ابو سفیان بھی تھیں لیکن پھر عبیداللہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور اسلام ترک کر دیا۔ یہاں تک کہ حبشہ ہی میں عیسائیت پر مرا۔ اس کی وفات کے بعد آنحضرتؐ نے اس کی اہلیہ ام حبیبہ سے عقد کر لیا۔

3۔ عثمان بن الحویر نے قیصر شہنشاہ روم کی خدمت میں حاضر ہو کر عیسائی مذہب قبول کر لیا اور شاہ کے دربار میں ان کی اچھی قدر و منزلت ہو گئی۔

4۔ زید بن عمرو دین ابراہیم کی تلاش میں شام گئے وہاں یہودی اور عیسائی علماء سے ملے لیکن کسی سے تسلی نہ ہوئی۔

"میں ابراہیم کا مذہب قبول کرتا ہوں" اور فرماتے ہیں "اے اہل قریش! تم میں سے کوئی شخص بجز میرے ابراہیم کے دین پر نہیں ہے۔" عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے زید پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس رسم کی ممانعت اور مخالفت کی۔ آنحضرتؐ نے نبوت سے پہلے زید کو دیکھا اور اس سے ملاقات کی ابن ہشام نے بت پرستی کی مخالفت کرنے والوں میں انہی چاروں کا نام لیا ہے لیکن اور تاریخی شہادتوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ عرب میں اور متعدد بت پرستی کے مخالف پیدا ہو گئے تھے۔ اگرچہ بت پرستی کے اس مرکز عظیم خانہ کعبہ کے متولی اور کلید بردار حضورؐ کا خاندان تھا اور یہی زیادہ تر ان کا ذریعہ معاش تھا لیکن حضورؐ نے قبل از نبوت بھی نہ کبھی ان بتوں کے آگے سر جھکایا اور نہ ہی کبھی ان کی جاہلیت کے رسم و رواج میں شرکت فرمائی۔ آنحضرت کے دین کا پہلا اور بنیادی اصول توحید باری تعالیٰ پر ایمان لانا ہے جو اس کائنات کا خالق مالک اور رازق ہے۔

قبل از بعثت آنحضرتؐ تلاش حق میں

آنحضرتؐ قبل از بعثت بیت اللہ میں جاتے تھے وہاں طواف کعبہ کرتے مگر وہاں بتوں کے سامنے سجدہ ریز نہ ہوتے آپ محو حیرت ہوتے کہ اپنے ہی ہاتھوں سے بنائے ہوئے بت جو نہ بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں وہ دوسروں کے معبود اور حاجت روا کیسے ہو سکتے ہیں عکاظ المجاز وغیرہ کے میلوں میں جاتے وہاں قریش کو اپنی عالی نسبی اور قبائلی تفوق پر فخر کرتے اور دوسروں کو اپنے سے کم تر خیال کرتے ہوئے دیکھتے تو آپ حسب و قبیلہ کے فخر و امتیاز کو تسلیم نہ کرتے اور ان کا دل گواہی دیتا کہ انسان کا جوہر ذاتی سیرت کردار اور اچھے اعمال و افعال ہی قابل فخر اور باعث فضیلت ہو سکتے ہیں۔ محض پیدائش کی بناء پر اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز

غیر انسانی اور غیر حقیقی ہے آپ کا قلب سلیم ان کی عیش و نشاط کی مجالس سے نفرت کرتا۔

آپؐ یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ سے پوچھتے کہ ان کے پاس کونسی روشنی ہے جسے وہ آسمانی کہتے ہیں لیکن یہاں سے بھی آپ کو کوئی اطمینان قلب کا سامان نہ ملتا وہ ان لوگوں سے ملاقات کرتے جو معبودان باطل سے متنفر اور صنم پرستی کے خلاف تھے اور اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا پیش رو ظاہر کرتے تھے مگر ان کی باتوں سے بھی آپ کو دلی تسکین حاصل نہ ہوتی اور جس سکون کی تلاش میں پھرتے تھے وہ کہیں حاصل نہ ہوتا تھا اور آپ اس بھری دنیا میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے۔ آپ انسانوں کی بستیوں سے مایوس ہو کر فطرت کی کھلی فضا میں چلے جاتے اور وہاں صحراؤں کی وسعت، پہاڑوں کی بلندی، اجرام فلکی، چاند، سورج، ستارے اور دیگر مظاہر فطرت پر غور و فکر کرتے کہ یہ عظیم الشان سلسلہ کائنات کس طرح وجود میں آیا اس کا خالق کون ہے انسان کیا ہے؟ انسان کا مقصد حیات کیا ہے؟ اس طرح کے خیالات و سوالات آپ کے دل میں پیدا ہوتے مگر ان کا کوئی معقول جواب نہ ملتا۔ آپ کا اضطراب اور بڑھتا گیا۔ آپ کی تشنگی ذوق اور تلاش حقیقت تیز سے تیز ہوتی گئی مگر آپ کو اپنے آپ پر مکمل ضبط حاصل تھا آپ دنیاوی معاملات اور گھریلو ذمہ داریوں کو چھوڑ کر کم حوصلہ لوگوں کی طرح ترک دنیا کر کے گوشہ نشین ہونے کی بجائے اپنے کاروباری معاملات، اہل و عیال کی دیکھ بھال، رفقاء اور احباب سے میل ملاقات اور معاشرتی زندگی کے تمام فرائض با احسن طریقے سے ادا کرتے رہتے اور تلاش حق و صداقت بھی جاری و ساری رہتی۔ عملی زندگی میں بھی آپ کی سیرت و کردار، امانت و دیانت، اور حق و انصاف کی پاس داری کی وجہ سے لوگوں نے آپ کو صادق و آمین کا خطاب دے رکھا تھا تمام شہر مکہ کے لوگ آپ کی عزت و احترام کرتے اور آپ کے خاندان اور قبیلہ کو آپ کی اعلیٰ صفات، شرافت، سچائی اور ایمان داری پر فخر تھا۔

حقیقت کا انکشاف مشاہدہ وحی کی روشنی کا محتاج ہے اور قبل از نبوت حضورؐ وحی سے واقف نہ تھے اس لئے یہ اضطراب اور بے چینی تھی اور دل کو اطمینان اور قلب کو سکون حاصل نہیں ہو رہا تھا وحی ملنے کے بعد آپ پر انسانی دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کا عظیم فریضہ عائد ہو گیا قرآن حکیم نے کہا کہ:

> "ہم نے تجھے تلاش حقیقت میں سرگرداں پایا تو راستہ دکھایا۔" مشہور مستشرق کارلائل نے اسی کیفیت کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے، "سفر و حضر میں ہر جگہ محمدؐ کے دل میں ہزاروں سوال پیدا ہوتے تھے میں کیا ہوں؟ نبوت کیا ہے؟ میں کن چیزوں کا اعتقاد کروں۔ کوہ حرا کی چٹانیں، کوہ طور کی سربفلک چوٹیاں، کھنڈر اور میدان کسی نے ان سوالوں کا جواب دیا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ گنبد گردوں گردش لیل و نہار، چمکتے ہوئے ستارے، برستے ہوئے بادل، کوئی ان سوالوں کا جواب نہ دے سکا۔ کائنات کیا ہے زندگی کیا ہے؟ موت کیا ہے؟ مجھے کس چیز پر ایمان لانا چاہئے؟ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ ان سوالات کا

جواب دینا انسان کی اپنی روح اور خدا کی اس وحی سے ملتا تھا جو اس روح کو اپنا مسکن بنانے والی تھی"۔

(ہیروز اینڈ ہیرو ص ۔49)

رسول اللہ پر اس دوران میں یہ کیفیت پیدا ہو گئی کہ آپ تنہائی اور گوشہ نشینی کو پسند فرماتے۔ غار حرا جو مکہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن وہاں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے جب خوراک ختم ہو جاتی تو واپس گھر آکر سامان خوراک ساتھ لے کر واپس چلے جاتے ۔ ہر سال رمضان کا پورا مہینہ غار حرا میں جا کر عبادت و ریاضت میں گزارتے یاد الٰہی اور کائنات کے رموز و اسرار پر غور و فکر کرتے واپس آ کر پہلے خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے اور پھر گھر لوٹتے۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی تھی ۔ کیفیت یہ تھی کہ جب بھی سوتے میں کوئی خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح واضح اور صحیح ثابت ہوتی پھر آپ خلوت پسند فرمانے لگے ۔ چنانچہ اکثر غار حرا میں گوشہ نشین رہتے اور اپنے متعلقین کے پاس آنے سے پہلے کئی کئی دن وہیں عبادت الٰہی میں مشغول رہا کرتے ۔یہاں تک کہ آپ کے پاس غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی۔

آنحضرتؐ پر پہلی وحی کا نزول

چالیس سال کی عمر میں جب آپ کی بعثت کے سال کا ماہ رمضان آیا تو حضورؐ حسب عادت عزلت گزینی کے لئے غار حرا میں تشریف لے گئے۔ مورخہ 17 رمضان 10 نبوی مطابق 16 اگست 610ء حضورؐ غار حرا میں محو خواب تھے ایک فرشتہ جس کے ہاتھ میں لکھا ہوا ایک ورق تھا آیا اور اس نے خواب میں ہی یہ ورق کھول کر آپ کے سامنے کیا اور کہا "اقراء" (اسے پڑھیے) آپ گھبرا گئے اور فرمایا "مااقراء" (میں پڑھنا نہیں جانتا) فرشتے نے زور سے معانقہ کرتے ہوئے پھر کہا "اقراء" "پڑھیے" آپ نے پھر وہی جواب دیا تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا۔ آپ ڈر گئے مبادا پھر معانقہ کی تکلیف سے دوچار ہونا پڑے اس لئے آپ نے کہا میں کیا پڑھوں؟ فرشتے نے کہا:۔

"پڑھ اس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا پڑھ تیرا خداوند کریم وہ ہے جس نے انسان کو قلم کے ذریعے سے علم سکھایا وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔"

رویاء ختم ہوتے ہی آپ کی آنکھ کھل گئی اور حیرت زدہ ہو کر سوچنے لگے کہ میں نے کیا دیکھا۔ چاروں طرف نظر دوڑائی مگر کوئی شے دیکھنے میں نہ آئی ہراس بڑھتا ہی گیا اور ذرا دیر بعد بدن پر کپکپی سرسرانے لگی۔ جس غار میں واقعہ پیش آیا اس سے بھی وحشت پیدا ہو گئی ہر قدم پر یہ خیال گزرتا "یہ کون تھا" جس نے مجھے پڑھنے پر یوں مجبور کیا اس قسم کے سوالات دل سے کرتے ہوئے پہاڑوں میں سے ہو کر چلنا شروع کر دیا اسی طرح ڈرے ہوئے اور سہمے ہوئے دماغ میں مختلف قسم کے تصورات تھے حتیٰ کہ پہاڑوں کے وسط میں آ پہنچے تو کسی نے دفعتاً آپ کو پکارا آسمان کی طرف ڈرتے ہوئے نظر کی تو انسان کی شکل میں ایک فرشتہ آپ کو پکار رہا تھا۔ آپ رک گئے اور وہاں کھڑے ہو گئے فرشتہ نے آواز دی "اے محمدؐ! آپ اللہؐ کے نبی ہیں اور میں فرشتہ جبریلؑ ہوں۔"

ادھر حضرت خدیجہؓ نے آپ کی تلاش میں ایک شخص کو حرا میں بھیجا۔ مگر آپ وہاں سے تشریف لے آئے تھے تلاش کنندہ ناکام لوٹ آیا۔ ادھر آپ کی یہ کیفیت تھی کہ اگرچہ وحی کے تصور سے روح سراپا انبساط و مسرور مگر دل ابھی تک کانپ رہا ہے اور جسم پر کپکپی چھائی ہوئی تھی دولت کدہ پر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا "مجھے

جلدی کپڑا اوڑھا دیا جائے" بدن پر کپکپی تھی جیسے بخار آگیا ہو ذرا دیر بعد اپنی اہلیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے خدیجہ مجھ پر کیسی بیتی اور ان کے سامنے اپنا تمام ماجرا دہرانے کے ساتھ اندیشہ ظاہر کیا" اے خدیجہ یہ کوئی لغزش یا دشمن کی جادوگری کا کرشمہ نہ ہو" حضرت خدیجہ نے حضورؐ کا خوف و ہراس دور کرتے ہوئے عرض کیا کہ " بخدا آپ کبھی ناکام نہ ہوں گے اس لئے کہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں۔ حاجت مندوں کی حاجت براری فرماتے ہیں۔ مہمانوں کی خاطر مدارت فرماتے ہیں۔ مصائب و مشکلات میں لوگوں کی مدد فرماتے ہیں۔" حضرت خدیجہ ایک عقل مند اور مدبر خاتون تھیں اس لئے پریشانی یا سراسیمگی دکھائے بغیر پرسکون لہجہ میں اپنے شوہر نامدار کی طرف محبت و احترام سے دیکھتے ہوئے یہ سب کچھ عرض کیا۔ حضرت خدیجہؓ کی تسکین دہی سے آپ کو راحت تسلی و تقویت ہوئی اور جلد ہی سو گئے ادھر حضور گہری نیند سو رہے تھے ادھر نیک طینت وفادار بیوی اپنے عظیم شوہر کے مستقبل کے متعلق امید و بیم کے تصورات میں کھو گئیں۔ کبھی نبوت و رسالت کے اس منصب عظمیٰ پر آپ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقرر پر آپ بے حد فخر و ناز کے جذبات سے مسرور و شادماں ہوتیں اور اپنی قوم اور نوع انسانی کو ضلالت و گمراہی کے قعر عمیق سے نکال کر انسانیت کے معراج کمال تک پہنچانے کے تصورات تھے اور دوسری طرف آپ کے ذہن میں کچھ خدشات بھی پیدا ہو رہے تھے کہ مبادا اس بار نبوت کے بوجھ اور طاغوتی طاقتوں کی مخالفت اور حسد و عناد کی وجہ سے ناقابل برداشت مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ صحیح راہ عمل اختیار کرنے کے خیال سے اس نے کسی حکیم و دانش مند شخص سے مشورہ حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ حضور کی اجازت سے وہ اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو بت پرستی ترک کر کے عیسائی مذہب اختیار کر چکے اور توریت و انجیل کے بڑے عالم بن چکے تھے۔ خدیجہ نے حضورؐ کے تمام واقعہ غار کی روئداد بیان کی فرشتہ کا آنا، معانقہ، سوال و جواب، سب کچھ تفصیل سے بیان کر دیا اور حضورؐ کے مستقبل کے بارے میں اپنے جذبات و احساسات اور خدشات کا بھی اظہار کر دیا۔

ورقہ بن نوفل کچھ دیر غور و فکر کے بعد بتانے لگے کہ اے خدیجہ اگر ایسا ہوا ہے جیسا کہ تم بیان کر رہی ہو تو یہ فرشتہ جبریل تھا جو حضرت موسیٰ کے پاس آیا تھا اور اے خدیجہ آپ کے شوہر اس امت کے نبی ہوں گے اور ان سے عرض کر دیجئے کہ خطرات و مشکلات سے نہ گھبرائیں۔ حضرت خدیجہ نے واپس آکر حضورؐ کو ورقہ بن نوفل سے اپنی تمام گفتگو بیان کی اور یقین دلایا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بے انتہا فضل و کرم ہے کہ آپ اس کے نبی اور رسول ہیں۔ حضرت خدیجہ نے اس وقت آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرتے ہوئے اپنے ایمان لانے کا اعلان کیا اور حضورؐ کی تائید و حوصلہ افزائی کی اور دنیائے اسلام میں پہلی مسلمان مومنہ خاتون جنت قرار پائیں۔ آنحضرت کے لئے رفیقہ حیات نے سب سے زیادہ مالی و جانی قربانیاں دیں۔ اور بلامبالغہ اولین اور عظیم خاتون جنت ہیں۔ رسول اللہ ورقہ بن نوفل کو خانہ کعبہ میں بوقف طواف ملے اور ان کو تمام واقعہ سنایا ورقہ نے کہا کہ " تم اللہ کے نبی ہو

تم کو ضرور جھٹلایا جائے گا آپ کو اپنے شہر سے نکالا جائے گا آپ سے آپ کی قوم جنگ کرے گی اگر میں اس وقت زندہ ہوا تو آپ کی مدد کروں گا۔ حضورؐ کو ورقہ کی باتوں سے اطمینان ہو گیا۔

دعوت رشد و ہدایت کا آغاز

آنحضرتؐ نے حکم خداوندی کے تحت پہلے مرحلے پر خفیہ طور پر دعوت و تبلیغ اسلام کا آغاز کیا۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد حضورؐ کے بچپن کے مخلص اور وفادار دوست حضرت ابو بکرؓ صدیق ایمان لائے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا نام عبداللہ تھا اور عتیق ان کا لقب تھا جو ان کی خوبصورتی و شرافت کے سبب سے مشہور ہو گیا۔ آپ کے والد کا نام عثمان بن عامر اور ابو قحافہ ان کا لقب تھا۔

آپ مکہ کی ایک ممتاز شخصیت، کپڑے کے تاجر اور صاحب مال و دولت تھے۔ پڑھے لکھے اور قریش میں (علم الانساب) کے سب سے بڑے عالم تھے۔ آپ کی شرافت، صداقت اور دیانت کی وجہ سے قریش مکہ آپ کی بے حد عزت و احترام کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر حضورؐ کے ابتداء سے ہی گہرے دوست اور مخلص تھے اور حضورؐ کی شخصیت تمام انسانی اوصاف اور زندگی کے تمام حالات، خیالات اور نظریات سے پوری طرح واقف تھے جب حضورؐ نے ان سے اپنی نبوت و رسالت کا حال بیان کیا تو آپ نے فوراً تصدیق کی اور سب سے پہلے قبول اسلام کی سعادت حاصل کی۔ آپ اپنی زندگی کے آخری دم تک حضورؐ سے وفاداری، جانثاری اور ایثار و قربانی کا عدیم المثال مظاہرہ کرتے رہے۔ بلا مبالغہ تاریخ انسانی میں اس سے اچھا اور وفادار دوست اور رفیق کسی کو نہیں ملا ہو گا۔ آپ نہ صرف خود مشرف بہ اسلام ہوئے بلکہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں حضورؐ کے دوش بدوش ابتداء سے ہی اپنی انتھک جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ آپ کی اس سعی و کوشش سے روز اول ہی میں قریش کے وہ گوہرہائے گران بہا حلقہ بگوش اسلام ہو گئے جو خدمت اسلام اور مقام درجات میں مشاہیر اسلام میں سرفہرست ہیں۔ ان میں حضرت عثمان بن عفان طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن العوام، ابو عبیدہ بن جراح، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف، ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، عثمان بن مظعون اور ابو سلمہؓ وغیرہ خصوصیات کے ساتھ قابل ذکر ہیں کیونکہ انہوں نے ایثار و خلوص، عزم و استقلال شجاعت و بہادری، حضورؐ سے والہانہ عقیدت و محبت اور فتح و نصرت اسلام کی عظیم انقلابی جدوجہد میں بے مثال کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی دعوت سے نہ صرف جید صحابہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے بلکہ آپؓ نے ان مظلوم و بے سہارا غلاموں اور لونڈیوں کو بھی زر کثیر خرچ کر کے پنجہ ظلم و ستم سے نجات دلائی جن میں حضرت بلال، عامر بن فہیرہ، حضرت لبنیہ، زبیدہؓ، نہدیہؓ اور ام عبسؓ وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ صدیق زندگی بھر سایہ کی طرح ہر مشکل و خطرات کے وقت آپؐ کے ساتھ رہے اور حضورؐ کو بھی آپ کی وفاداری خلوص و محبت، تدبر و دانش پر اس قدر اعتماد تھا کہ آپ نے ہر نازک سے نازک موقعہ پر

آنحضرتؐ پر پہلی وحی 610ء میں نازل ہوئی۔آپ تین سال تک خفیہ طور پر دعوت اسلام دیتے رہے اور حضرت ابوبکر کے بعد بہت سے نوجوان اور غریب طبقہ کے لوگ غلام و لونڈیاں وغیرہ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ قریش نے اس وقت کوئی اعتراض نہ کیا۔613ھ میں آپ نے اعلانیہ دعوت رشد و ہدایت کا آغاز کر دیا۔آپ لوگوں کو توحید خالص اور اعمال صالح کی تبلیغ کرتے تھے۔قریش نے اس پر بھی کوئی مخالفت نہ کی بلکہ آپ کی سرگرمیوں کو نظرانداز کرنے کی پالیسی اختیار کی۔آپ نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو اپنے گھر کھانے کی دعوت پر بلایا۔بنو ہاشم و بنو مطلب کے قریباً چالیس افراد نے دعوت میں حصہ لیا اور کھانے کے بعد حضور نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا مگر وہ تمسخر و مذاق اڑاتے ہوئے واپس چلے گئے۔

حضورؐ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قبائل قریش کے ہر قبیلہ کا نام لے کر پکارا اور وہ دامن کوہ میں جمع ہو گئے۔آپ نے ان کے کفر و شرک کی وجہ سے دردناک عذاب سے ڈرایا اور اللہ تعالیٰ کی توحید خالص کی دعوت دی مگر وہ لوگ بھی مذاق اور استہزاء کرتے ہوئے چلے گئے اور کسی نے بھی سنجیدگی سے اس دعوت حق و صداقت پر توجہ نہ دی۔ حضورؐ بے حد مایوس ہوئے مگر آپؐ نے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔قریش نے اس دعوت و تبلیغ کو نظر انداز کرتے ہوئے بظاہر کوئی مخالفت نہ کی کیونکہ قریش کا خیال تھا کہ ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو کی طرح جو دین حنیف کے متلاشی اور بت پرستی سے بیزار تھے ناکام ہو کر دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ حضرت محمدؐ بھی بت پرستی کی مخالفت اور توحید خالص کی دعوت و تبلیغ میں ناکام ہو کر گوشہ تنہائی میں چلے جائیں گے لہذا ہمیں ان کی مخالفت کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی لیکن جب آپؐ نے اللہ کے حکم کے تحت ان کی مٹی اور پتھر کے بنے ہوئے مجسموں کی مذمت کی اور کہا کہ یہ بت نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان اور ان باطل خداؤں کی مذمت کی اور یہ بھی کہ ان کے آباؤ اجداد جو ان بتوں کی پرستش کرتے تھے گمراہ تھے اور اب جہنم میں ہیں۔ قریش کے سرداروں کے متعلق کہا کہ یہ احمق اور بیوقوف ہیں جو ان خود ساختہ بتوں کی پرستش کرتے ہیں اس پر قریش کے جذبات مجروح ہوئے اور ان میں اشتعال پیدا ہو گیا اب انہوں نے حضورؐ کی مخالفت کا آغاز کر دیا اور یہ مخالفت دن بدن بڑھتی گئی اور یہاں تک کہ مسلمان مکہ چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے اور جب قریش نے حضورؐ کے قتل کا آخری فیصلہ کر لیا تو آپ خفیہ طور پر مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے۔

قریش مکہ کے مظالم

قریش مکہ آنحضرتؐ کے ساتھ مصالحت کی تمام کوششوں میں ناکام ہو گئے اور آپ نے ان کے بتوں کی مذمت ان کے بزرگوں کی گمراہی اور ان کے سرداروں کی حماقت کا بیان جاری رکھا اور ٹھوس دلائل و براہین سے اللہ

سوائے احکام وحی کے ہر کام حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مشورہ سے کیا یہ دونوں حضرات آپ کے انتہائی قابل اعتماد مشیر و رفیق تھے جو حضورؐ کی بعثت سے وفات تک پروانہ وار آپ پر نثار ہوتے رہے۔ جب حضورؐ کی وفات کے بعد خلیفہ رسولؐ اللہ منتخب ہوئے تو اس نازک ترین دور میں بھی حضورؐ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انتہائی ثابت قدمی، وفا شعاری، اعلیٰ ترین تدبر، فراست اور عزم و استقلال کے ساتھ حضورؐ کے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ حضرت اسامہ بن زید کی سپہ سالاری میں موتہ کی طرف لشکر اسلام کو روانہ کیا حالانکہ اس وقت کاذب مدعیان نبوت کا شدید فتنہ اور بعض عرب قبائل کا زکوٰۃ سے انکار اور بغاوت کے مہیب خطرات کے علاوہ اندرونی طور پر بھی مہاجر اور انصار دعویداران خلافت کی طرف سے مخالفت نہ سہی عدم تعاون ضرور تھا۔ لیکن آپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی آپ نے دشمنان اسلام کا قلع قمع کر کے اپنے نظم و نسق اور قوانین شریعت کے نفاذ کے علاوہ مجاہدین اسلام کو رومی اور ایرانی طاغوتی طاقتوں کے خلاف پیش قدمی کا حکم دیا۔ عراق میں ایران اور شام میں سلطنت رومہ کو شکست فاش دی۔ ہزاروں میل رقبہ پر قبضہ اور کئی مشہور شہروں کو فتح کر کے پرچم اسلام کو ہرا دیا۔ بے شک صدیق اکبر تاریخ اسلام میں حضورؐ کے بہترین اور کامیاب ترین خلیفہ ثابت ہوئے۔ جن سے عظمت و شوکت اور فتوحات اسلام میں بے حد اضافہ ہوا۔

بعض علماء مورخین نے عقیدت و محبت کی بناء پر بیان کیا کہ سب سے پہلے حضورؐ کی بیعت حضرت علیؓ نے کی۔ بعض کا بیان ہے کہ حضرت زید بن حارث نے کی۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ جب حضورؐ نے اعلان نبوت کیا تو حضرت علیؓ آپؐ کے زیر کفالت صرف چھ سات سال کے بچے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ کے تمام گھر والوں نے جو بالغ تھے یعنی حضرت خدیجہؓ، حضرت ام ایمن، حضرت زید بن حارث جو اس وقت زید بن محمدؐ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ حضورؐ کی بالغ دختران نیک اختر سیدہ زینب اور سیدہ رقیہ جو اس وقت سن شعور کو پہنچ چکی تھیں حلقہ اسلام میں داخل ہو گئیں۔ حضرت علی حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم جو ابھی کمسن اور نابالغ تھے ان کے اسلام لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ان کا تو وہی مذہب تھا جو حضور نبی کریمؐ کا دین تھا۔

بعثت کے تین سال بعد رسول اللہ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جو پیغام ہم نے تجھے دیا ہے وہ اعلانیہ بیان کریں اور ہماری طرف لوگوں کو دعوت دیں یعنی توحید کا پیغام عام لوگوں تک پہنچائیں اس اعلان سے پہلے رسولؐ اللہ تین سال تک اپنی دعوت و تعلیم کو خفیہ طور پر جاری کئے ہوئے تھے چنانچہ جب آپؐ نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی تو اس پر آپ کی قوم نہ تو آپ کے مخالف ہوئی اور نہ ہی اس کی تردید کی بلکہ خاموش تماشائی بن کر حالات کو دیکھتے رہے مگر جب آپ نے ان کے معبودوں کی برائی شروع کی ان کے بزرگوں کو گمراہ اور سرداروں کو احمق کہا تو وہ آپ کے مخالف ہو گئے اور عداوت پر اتر آئے۔ پہلے تین سالوں میں کل پچپن افراد اسلام لائے۔ چالیس مرد اور پندرہ عورتیں۔

تعالیٰ کی توحید اعمال صالح اور انسانیت کا درس دیتے رہے تو انہوں نے مایوس اور مشتعل ہو کر مسلمانوں کے خلاف ان کی ذہنی و جسمانی ایذاء رسانیوں کا لا متناہی سلسلہ شروع کر دیا جو لوگ اسلام لائے ان میں قریش کے قبیلوں کے افراد بھی شامل تھے۔ زیادہ تعداد غریب و بے سہارا لوگوں، اور غلاموں کی تھی لیکن انہوں نے بے مثال عزم و ہمت اور صبر و استقامت کے ساتھ کفار مکہ کے تمام مظالم، تشدد اور ایذا رسانیوں کو برداشت کیا ان میں چند ایک اور ان پر مظالم کی داستان حسب ذیل ہے۔

حضرت خباب بن الارت تمیمیؓ

زمانہ جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کر دیئے گئے تھے یہ سابقون میں سے ہیں اور ساتویں یا آٹھویں مسلمان ہیں۔ ان پر بڑے بڑے مظالم توڑے گئے لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔

2۔ حضرت بلال بن رواح حبشیؓ

جو مؤذن اول ہیں امیہ بن خلف کے غلام تھے ظالم ان کی مشکیں کس کر گرم ریت پر لٹا دیتا اور سینے پر بھاری چٹان رکھ دیتا اور اسلام چھوڑنے کو کہتا لیکن ان کی زبان سے "احد! احد" ہی نکلتا۔

3۔ حضرت عمار بن یاسر

حضرت عمارؓ سے پہلے صرف تین چار شخص اسلام لائے تھے۔ ان کے باپ کا نام یاسر اور ماں کا نام سمعیہؓ تھا جو ابو حزیفہ مخزومی کی کنیز تھیں۔ قریش ان تینوں کو تپتی زمین پر لٹا کر اس قدر مارتے کہ وہ بے ہوش ہو جاتے۔

4۔ حضرت سمعیہؓ والدہ حضرت عمارؓ

اسلام کے اولین شہیدوں میں سے ہیں۔ ابو جہل نے انہیں برچھی مار کر شہید کیا تھا۔

5۔ حضرت یاسر

حضرت عمار کے والد تھے۔ ان کو بھی شہید کر دیا گیا تھا۔

6۔ حضرت صہیب رومی

ان کو عبداللہ بن جدآن نے خرید کر آزاد کر دیا حضرت صہیب اور حضرت عمار دونوں اکٹھے ہی آنحضرتؐ کی دعوت پر ایمان لا کر تحریک اسلام میں شامل ہوئے تھے۔ قریش انہیں اس قدر اذیتیں دیتے کہ وہ حواس باختہ ہو جاتے۔

7۔ حضرت ابو فکعیہؓ

صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ ان کو بھی تپتی ریت پر لٹایا جاتا اور رسی باندھ کر گھسیٹا جاتا۔ وہ حضرت بلال کے ساتھ ایمان لائے تھے۔

8۔ حضرت لبینہؓ

یہ کنیز تھیں ان پر حضرت عمرؓ بہت تشدد کرتے تھے۔

9۔ حضرت زنیرہؓ

یہ بھی حضرت عمر کے گھرانے کی کنیز تھیں اور ان کے مظالم کا تختہ مشق بنتی رہتی تھیں۔

10۔ حضرت ندیہ اور ام عبیس

یہ بھی کنیزیں تھیں۔ ان پر قریش بے پناہ ظلم کرتے۔ مگر وہ صبر و استقامت سے برداشت کرتیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان میں سے مندرجہ ذیل کو بھاری قیمتیں ادا کر کے غلامی سے چھڑایا اور آزاد کر دیا۔ حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہ، لبینہؓ، زبیدہؓ، نہدیہؓ ام عبیسؓ۔

حضرت عثمان کو ان کے چچا رسی باندھ کر مارتے تھے حالانکہ وہ نوجوان اور صاحب حیثیت بھی تھے اسی طرح حضرت زبیر بن عوام اپنے چچا کے مظالم کا شکار ہوتے جو انہیں چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے۔

حضرت سعید بن زید جب اسلام لائے تو ان کے چچا زاد بھائی حضرت عمر نے ان کی مشکیں باندھ کر خوب پیٹا۔

الغرض ابتدائے اسلام سے لے کر ہجرت یثرب (مدینہ تک کی دردناک داستان ایک خون کے آنسو رلانے والے واقعات ہیں۔ قریش نے ان کو ہر طرح سے ستانا اور ظلم و ستم کا تختہ مشق بنانا شروع کر دیا جس کی مثال ملنا مشکل ہے لیکن توحید کا نشہ اور حضورؐ کی محبت ایسا نشہ نہ تھا جو ان جسمانی و ذہنی مصائب و آلام سے اتر جاتا۔ لحاظہ وہ صبر و استقلال کے ساتھ یہ انسانیت سوز اور قیامت خیز ظلم و ستم برداشت کرتے رہے۔

مکہ میں دارالسلام کا قیام

آنحضرتؐ نے قریش کے دارالندوہ کے مقابلے پر دارالارقم میں پہلا تبلیغی مرکز قائم کیا۔ یہ ایک نو مسلم ارقم بن ابی ارقم کا مکان کوہ صفا کے دامن میں خانہ کعبہ کے نزدیک واقع تھا اس مکان کو تبلیغی، مشاورتی اور معاشرتی مقاصد اور نماز کی ادائیگی کے لئے پہلا دارالسلام کہہ سکتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے قریباً تین سال تک دارالارقم میں کام کیا یعنی بعثت کے چوتھے سال سے چھٹے سال تک مسلمانوں کا یہی مرکز تھا۔ دارالارقم میں جو حضرات ایمان لائے ■

بھی سابقین میں شمار ہوتے ہیں ان میں زیادہ مشہور مصعب بن عمیر، زید بن خطاب عبداللہ بن مختوم جو نابینا تھے۔ جعفر بن ابی طالب ، عمار بن یاسر، صہیب بن منان جن کو صہیب رومی کہتے ہیں ابو موسیٰ اشعری جو یمن کے رہنے والے تھے اور حضرت عمر بن خطاب آخر حضرت عمر کے ایمان لانے کے بعد مسلمانوں کو بہت تقویت پہنچی اور اب دارالارقم سے نکل کر اعلانیہ دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

اسلام کی تعلیم جادو اثر تھی قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت ، قوانین و احکام خداوندی کی حکمت و بصیرت ، بت پرستی کی بجائے خالص توحید الہی ، اعمال صالح ، روز قیامت یعنی قانون مکافات عمل پر ایمان ، نیکی کی دعوت اور برائیوں سے روکنا ہر حال میں عدل و انصاف ، مساوات و اخوت ، وحدت نسل انسانی ، نسل و قبیلہ کے امتیازات ، نسلی و علاقائی تعصبات کی بجائے فضیلت کا معیار ، تقویٰ ، پرہیزگاری اور سیرت و کردار کی بلندی ، معاشی و معاشرتی انصاف اور جہان فانی کے بعد حیات جاودانی ، الغرض اسلام کی تعلیم ، قرآن حکیم کی حکمت و دانائی حضورؐ کی بلند سیرت و کردار ، صحابہ کرامؓ کا خلوص و ایثار ، اور عزم و استقلال اور تائید ایزدی ، غلبہ اسلام اور فتح و نصرت کا ضامن ہو رہی تھی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تبلیغ سے مندرجہ ذیل حضرات مشرف با اسلام ہوئے۔

1۔ حضرت عثمانؓ بن عفان جو خاندان بنو امیہ میں سے تھے ۔ اسلام لانے کے وقت ان کی عمر قریباً تئیس سال کی تھی حضرت عمرؓ کے بعد وہ آنحضرتؐ کے تیسرے خلیفہ ہوئے۔ حضرت عثمان نہایت باحیاء ، باوفا ، نرم دل ، فیاض اور دولت مند آدمی تھے ۔ چنانچہ کئی موقعوں پر انہوں نے اسلام کی بہت مالی اعانت کیں۔ حضرت عثمانؓ سے آنحضرتؐ کی محبت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے انہیں پے در پے اپنی دو دختران شادی میں دیں جس کی وجہ سے انہیں ذوالنورین کہتے ہیں۔

2۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ جو خاندان بنو زہرہ سے تھے جس خاندان سے آنحضرتؐ کی والدہ تھیں۔ نہایت سمجھدار اور بہت سلجھی ہوئی طبیعت کے آدمی تھے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا سوال انہی کے ہاتھ سے طے ہوا تھا۔ اسلام لانے کے وقت ان کی عمر قریباً تیس سال کی تھی ۔ عہد عثمانی میں فوت ہوئے۔

3۔ سعد بن ابی وقاصؓ جو اس وقت بالکل نوجوان تھے ۔ یعنی اس وقت ان کی عمر انیس سال کی تھی ۔ یہ بھی بنو زہرہ میں سے تھے اور نہایت دلیر اور بہادر تھے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عراق اور ایران انہی کے ہاتھ پر فتح ہوئے امیر معاویہ کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

4۔ زبیر بن العوامؓ آنحضرتؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے یعنی صفیہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے اور بعد میں حضرت ابو بکرؓ کے داماد ہوئے۔ اسلام لانے کے وقت ان کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی ۔ آنحضرتؐ نے زبیر کو غزوہ خندق کے موقعہ پر ایک خاص خدمت سرانجام دینے کی وجہ سے حواری کا خطاب فرمایا تھا۔ زبیر حضرت علیؓ کے عہد

حکومت میں جنگ جمل کے موقعہ پر شہید ہوئے۔

5۔ پانچویں طلحہ بن عبیداللہ تھے جو ابو بکرؓ کے خاندان یعنی قبیلہ بنو تیم میں سے تھے اور اس وقت بالکل نوجوان تھے۔ طلحہ بھی اسلام کے خاص فدایان میں سے تھے حضرت علیؓ کے عہد میں جنگ جمل میں شہید ہوئے۔

یہ پانچوں اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے ہیں یعنی ان دس اصحاب میں داخل ہیں جن کو آنحضرتؐ نے اپنی زبان مبارک سے خاص طور پر جنت کی بشارت دی تھی اور جو آپؐ کے نہایت مقرب صحابی اور مشیر شمار ہوتے تھے۔

ان لوگوں کے بعد اور لوگ جو شروع شروع میں آنحضرتؐ پر ایمان لائے وہ بعض تو قریش میں تھے اور بعض دوسرے قبائل میں سے تھے۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

1۔ ابو عبیدہ بن عبداللہ بن الجراحؓ جن کے ہاتھ پر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام فتح ہوا یہ نہایت نیک اور صوفی مزاج آدمی تھے۔ جنہیں آنحضرتؐ کی طرف سے امین الامت کا خطاب عطا ہوا تھا۔ ابو عبیدہ قریش کے قبیلہ بنو فہر میں سے تھے جنہیں بعض اوقات فہر بن مالک کی طرف منسوب کر کے فہری بھی کہہ لیتے تھے۔ حضرت عائشہ کی نظر میں حضرت ابو عبیدہ کی اتنی قدر و منزلت تھی کہ وہ کہا کرتی تھیں کہ اگر حضرت عمر کی وفات پر ابو عبیدہؓ زندہ ہوتے تو وہی خلیفہ ہوتے۔ حضرت ابو بکرؓ بھی ابو عبیدہؓ کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ ابو عبیدہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں وبائے طاعون سے شہید ہوئے۔

2۔ عبیدہؓ بن حارث جو بنو مطلب میں تھے اور آنحضرتؐ کے قریبی رشتہ دار تھے۔

3۔ ابو سلمہؓ بن عبدالاسد جو آنحضرتؐ کے رضاعی بھائی تھے اور بنو مخزوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی وفات پر ان کی بیوہ ام سلمہؓ کے ساتھ آنحضرتؐ کی شادی ہوئی۔

4۔ ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ جو بنو امیہ میں سے تھے ان کا باپ عتبہ بن ربیعہ سرداران قریش میں سے تھا۔ ابو حذیفہؓ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے جو حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ خلافت میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ ہوئی تھی۔

5۔ سعید بن زیدؓ جو بنو عدی میں سے تھے اور حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے۔ یہ زید بن عمرو بن نفیل کے صاحبزادے تھے جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں ہی شرک ترک کر رکھا تھا۔ سعید بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں امیر معاویہ کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

6۔ عثمان بن مظعونؓ جو بنو جمح میں سے تھے۔ نہایت صوفی مزاج آدمی تھے انہوں نے زمانہ جاہلیت میں ہی شراب ترک کر رکھی تھی اور اسلام میں بھی تارک دنیا ہونا چاہتے تھے مگر آنحضرتؐ نے یہ فرماتے ہوئے کہ اسلام میں رہبانیت جائز نہیں ہے اس کی اجازت نہیں دی۔

7۔ ارقم بن ابی ارقم جن کے مکان کو جو کوہ صفا کے دامن میں تھا آنحضرتؐ نے بعد میں اپنا تبلیغی مرکز بنایا۔ ارقمؓ

بنو مخزوم میں سے تھے۔

8۔ عبداللہ بن حجش اور عبیداللہ بن حجش۔ یہ دونوں آنحضرتؐ صلعم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ مگر قبیلہ قریش سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔

زینبؓ حجش جو بعد میں آنحضرتؐ کے عقد میں آئیں انہی کی بہن تھیں۔ عبیداللہ بن حجش ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں ہی بت پرستی ترک کر رکھی تھی۔ اسلام آیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔ لیکن جب وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گیا تو کسی وجہ سے وہاں اسلام سے منحرف ہو کر عیسائی ہو گیا۔ اس کی بیوہ ام حبیبہؓ جو قریش کے مشہور رئیس ابو سفیان کی لڑکی تھی بعد میں آنحضرتؐ صلعم کے عقد میں آئیں۔

9۔ ان لوگوں کے علاوہ عبداللہ بن مسعودؓ تھے جو غیر قریشی تھے اور قبیلہ ھذیل سے تعلق رکھتے تھے۔ عبداللہ ایک بہت غریب آدمی تھے اور عقبہ بن ابی معیط رئیس قریش کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد یہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آگئے اور آپ کی صحبت سے نہایت عالم و فاضل بن گئے۔ فقہ حنفی کی بنیاد زیادہ تر انہیں کے اقوال و اجتہادات پر مبنی ہے۔ پھر بلالؓ بن رباح تھے جو امیہ بن خلف کے حبشی غلام تھے۔

10۔ پھر عامر بن فہیرہ تھے جن کو حضرت ابو بکرؓ نے غلامی سے آزاد کر کے خود اپنے پاس نوکر رکھ لیا تھا۔

11۔ جناب خبابؓ الارت تھے جو ایک آزاد شدہ غلام تھے حضرت ابو ذر غفاری، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت طفیل دوسی، اور حضرت سلمان فارسی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ہجرت حبشہ رجب 5 نبوی بمطابق 615ء

جب قریش نے مسلمانان مکہ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو ان مصائب و آلام کی وجہ سے آنحضرتؐ نے اپنے بعض صحابہ کو حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی۔

اس وقت کے نجاشی کا نام اصحمہ بن الجبر تھا۔ حبشی لوگ مذہباً عیسائی تھے۔ آنحضرتؐ کی اجازت کے بعد مہاجرین حبشہ کی طرف خفیہ طور پر روانہ ہو گئے۔ یہ واقعہ 5 نبوی رجب بمطابق 615ء کو ظہور پذیر ہوا۔

مہاجرین کا یہ قافلہ بارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل تھا مکہ سے چل کر یہ لوگ شیبہ تک پہنچے۔ اس وقت تاجروں کی دو کشتیاں حبشہ جانے کو تیار تھیں یہ سب ان میں سوار ہو کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے کفار نے ان کا سمندر تک تعاقب کیا لیکن ان سے پہلے مسلمان کشتیوں میں سوار ہو کر روانہ ہو چکے تھے۔ وہ سب حبشہ پہنچ کر انتہائی اطمینان و سکون سے رہنے لگے ان کو مکمل جان و مال کا تحفظ اور مذہبی آزادی حاصل تھی تا انہیں کوئی اذیت پہنچاتا اور نہ نقصان۔ حبشہ قریش کی تجارتی منڈی تھی۔ جہاں جا کر وہ تجارت کیا کرتے تھے اب یہ لوگ یہاں امن و عافیت سے رہتے اور بذریعہ تجارت اپنی روزی کمانے لگے۔ ہجرت حبشہ اسلامی تاریخ میں ایک عظیم واقعہ ہے کیونکہ

یہ ہجرت اہل مکہ کے لئے مسلمانوں کے اپنے عقیدہ پر ثابت رہنے میں اعلیٰ اخلاص اور اس راہ میں تمام مشکلات و نقصانات برداشت کرنے کے عزم پر ایک واضح دلیل تھی اس ہجرت میں مہاجرین و مہاجرات کے نام حسب ذیل ہیں۔

1۔ حضرت عثمان بن عفانؓ مع زوجہ خود حضرت رقیہؓ دختر رسولؐ اللہ۔

2۔ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہؓ مع زوجہ خود حضرت سہلہ بنت سہیلؓ۔

3۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ

4۔ حضرت زبیر بن عوامؓ

5۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ

6۔ حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد مع زوجہ خود حضرت ام سلمہؓ۔

7۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ

8۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

9۔ حضرت عامر بن ربیعہؓ مع زوجہ خود حضرت لیلیٰ بنت ابی ہیثمہؓ

10۔ حضرت ابو سبرہ۔

11۔ حضرت حاطب بن عمروؓ

12۔ حضرت سہیل بن بیضاؓ

ان ہی کو سہیل بن وہب بھی کہا جاتا ہے۔

اس مختصر قافلے کے سردار حضرت عثمانؓ بن عفان تھے۔ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہؐ ان کے ساتھ تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا لوط و ابراہیم علیہ السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی ہے۔

اس کے کچھ عرصہ بعد اصحابہ کی ایک اور جماعت جس میں 83 مرد اور اٹھارہ عورتیں تھیں مکہ سے نکلے اور حبشہ کو روانہ ہوگئے۔ ان میں حضورؐ کے چچیرے بھائی جعفر طیارؓ بھی تھے۔ قریش نے سمندر تک ان کا تعاقب کیا مگر یہ بھی کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔

قریش کو مسلمانوں کے اس طرح بچ کر حبشہ پہنچ جانے کا بہت صدمہ ہوا۔ کیونکہ ان میں کچھ لوگ ان سرداران قریش کے عزیز و اقارب اور رشتہ دار تھے۔ چنانچہ قریش نے حبشہ جا کر نجاشی سے ان کو واپس لانے کی کوشش کے لئے اپنے میں سے دو بڑے مدبر سفارت کاروں کو جن میں سے ایک عمرو بن العاص اور دوسرے عبداللہ بن ربیعہ تھے۔ شاہ حبش اور اسکے وزراء کے لئے تحائف دیکر روانہ کیا۔ دونوں نجاشی کے پاس پہنچے اس کو تحائف پیش کئے اور بعد میں اس کے وزیروں کو بھی ہدیہ پہنچایا اور ان میں ہر ایک سے کہا کہ " ہم میں سے چند کم عمر

بیوقوف چھوکروں نے اپنی قوم کا دین بھی چھوڑ دیا اور تمہارے دین میں بھی داخل نہیں بلکہ ایک نیا دین ایجاد کر لیا جس سے ہم واقف ہیں اور نہ تم۔ انہوں نے تمہارے بادشاہ کے ملک میں پناہ لی ہے۔ ہماری قوم نے آپ کے بادشاہ کے پاس اپنے دو معزز نمائندے بھیجے ہیں تاکہ وہ انہیں ان کے حوالے کر دیں۔ اس لئے جب ہم بادشاہ سے ان کے متعلق گفتگو کریں تو تم مشورہ دینا کہ وہ انہیں ہمارے حوالے کر دے۔" وزراء نے وعدہ کیا کہ ■ دربار میں ان کے مطالبہ کی تائید کریں گے۔ اگلے روز قریش کا یہ وفد نجاشی کے دربار میں حاضر ہوا اور جناب عمرو بن العاص نے بادشاہ سے عرض کی کہ ہم میں سے چند کمسن بیوقوف چھوکروں نے اپنی قوم کے دین سے علیحدگی اختیار کر لی ہے وہ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے اور ایک نیا دین ایجاد کر لیا ہے جسے نا ہم جانتے ہیں اور نہ آپ۔ ہم کو آپ کے پاس ہماری قوم نے بھیجا ہے جس میں ان کے باپ، چچا اور دیگر رشتہ دار شامل ہیں تاکہ آپ ان کو ان کے پاس واپس روانہ کر دیں۔ اس کے بعد نجاشی کے وزیروں نے جو اس کے ارد گرد موجود تھے کہا " اے بادشاہ! ان دونوں نے سچ کہا ہے۔ لہٰذا انہیں ان دونوں کے سپرد کر دیجئے تاکہ وہ انہیں ان کے وطن اور قوم کے پاس پہنچا دیں۔" نجاشی نے جواب دیا کہ میں ان کو بلاتا ہوں اور جو ان سفیروں نے ان کے متعلق کہا ہے ان کی نسبت دریافت کرتا ہوں اس کے بعد نجاشی نے تمام مہاجرین کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم بادشاہ کے دربار میں وہی بات کہیں گے جو ہمارے نبی نے ہمیں تعلیم دی ہے اور جن باتوں کا آپؐ نے ہمیں حکم فرمایا ہے اس سے جو ہونا ہے ہو جائے۔ بہرحال ہم سچ بیان کریں گے جب یہ دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ نجاشی نے اپنے علماء کو بھی بلا لیا ہے۔ بادشاہ نے سوال کیا کہ "اس دین کی حقیقت کیا ہے جس میں داخل ہو کر تم نے اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ تم نا تو میرے دین میں داخل ہوئے اور نہ ہی موجود ■ دینوں میں سے کسی دین میں شامل ہوئے ہو۔" حضرت ام المومنین ام سلمہؓ کی روایت ہے کہ ہم نے باہم مشورہ کر کے جعفر بن ابی طالب کو مہاجرین کی طرف سے نمائندہ مقرر کر لیا تھا کہ وہی بادشاہ اور وفد مکہ کے سوالات کا جواب دیں۔ مہاجرین کی طرف سے حضرت جعفر بن ابی طالب نے جواب دیا " اے بادشاہ! ہماری قوم کی حالت یہ تھی کہ ہم سب جاہل تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے اور ہم میں سے طاقتور، کمزور کو کھا جاتا تھا۔ یہ ہماری حالت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک شخص کو ہماری جانب رحم دل بنا کر بھیجا۔ جس کے نسب، سچائی امانت اور پاک دامنی کو ہم سب جانتے ہیں، اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی جانب دعوت دی کہ ہم اسے یکتا مانیں اور اسی کی عبادت کریں۔ ہم اور ہمارے بزرگوں نے اسے چھوڑ کر بتوں اور پتھروں کی جو پوجا اختیار کر رکھی تھی اسے ترک کر دیں۔ اس رسولؐ نے سچی بات کہنے، امانت ادا کرنے، رشتہ داروں سے تعلقات کے قائم رکھنے، پڑوسیوں سے نیک سلوک کرنے، حرام باتوں اور قتل و خون ریزی سے باز رہنے کا حکم فرمایا اور ہمیں برائیاں کرنے جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ خدائے یکتا

کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں ، اس نے ہمیں زکوۃ ، نماز اور روزوں کا حکم دیا" غرض انہوں نے نجاشی کے سامنے دین کے تمام احکام بیان کر دیے اور کہا" پس ہم نے اس کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے ■ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب لایا ، ہم نے اس کی پیروی کی ۔"

حبشہ میں پناہ لینے کا سبب

" پس ہم نے خدائے یکتا کی عبادت کی۔ کسی کو اس کا شریک نہیں بنایا۔ اور ان تمام چیزوں کو حرام جانا ، جو ہم پر حرام کی گئیں اور ان چیزوں کو حلال جانا جو ہم پر حلال کی گئیں ۔ ہماری قوم نے ہم پر ظلم اور زیادتیاں کیں۔ انہوں نے ہمیں تکلیفیں پہنچائیں اور دین کے متعلق مصیبتوں میں مبتلا کیا۔ تاکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پھیر کر بتوں کی پوجا کی جانب لوٹائیں ، ان تمام بری چیزوں کو حلال سمجھ لیں ، جنہیں ہم پہلے حلال سمجھا کرتے تھے ۔ جب ان لوگوں نے ہمیں مجبور کیا ، ظلم ڈھائے ہمارے لئے زندگی کا میدان تنگ کر دیا اور دین کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنے لگے تو ہم آپ کے ملکوں کی جانب نکل آئے ۔ ہم نے آپ کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دی ۔ آپ کی ہمسائیگی کی جانب ہمیں رغبت ہوئی اور اے بادشاہ ! ہمیں امید ہوئی کہ آپ کے پاس ہم پر ظلم نہ ہو گا ۔"

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: " نجاشی نے کہا: کہ رسول اللہ کے پاس جو اللہ کا کلام نازل ہوا ہے اس میں کچھ تمہارے ساتھ ہے ۔ جعفر نے کہا ہاں نجاشی نے کہا وہ مجھے پڑھ کر سناؤ ۔ چنانچہ انہوں نے سورۃ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سنایا ۔ سن کر نجاشی پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ رو پڑا اس کے علماء نے یہ کلام سنا تو ■ بھی بے حد متاثر ہوئے ۔ پھر نجاشی نے کہا بے شک یہ چیز اور ■ چیز جو عیسیٰ لائے تھے ایک ہی طاق سے نکلی ہوئی روشنی ہے ۔ قریش کے سفیروں سے کہا کہ تم چلے جاؤ ۔ میں انہیں تمہارے حوالے نہیں کروں گا ۔ اگلے روز عمرو بن العاص دوبارہ نجاشی کے دربار میں پیش ہوا اور عرض کی کہ بادشاہ سلامت ! ان مسلمانوں سے ان کا عقیدہ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں معلوم کریں ۔ چنانچہ نجاشی نے پھر مسلمانوں کو بلوا بھیجا تاکہ عیسیٰ کے متعلق ان سے دریافت کریں ۔ چنانچہ جب مسلمان دربار میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان سے سوال کیا کہ تم عیسیٰ بن مریم کے متعلق کیا کہتے ہو ۔ حضرت جعفر نے کہا ہم ان کے متعلق وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبیؐ ہمارے پاس لائے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے ، اس کے رسول ، اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں ۔ جسے اللہ نے کنواری مریم کی جانب ڈال دیا ۔ نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھا کر کہا واللہ ! جو کچھ تم نے کہا اس سے اس تنکے کے برابر بھی عیسیٰ بن مریم زیادہ نہیں ۔ چنانچہ مکہ کا وفد (قریش مکہ کا وفد) ناکام اور مایوس ہو کر واپس آگیا ۔"

واقعہ غرانیق کی حقیقت

بعض مؤرخین نے روایت بیان کی ہے کہ حضورؐ نے کعبہ کے قریب کفار قریش کی مجلس میں ان کے ساتھ

بیٹھے سورۃ النجم کی تلاوت فرمانی شروع کی۔ حتیٰ کہ جب آپ "آیتہ کیا تم نے لات و عزیٰ اور تیسرے بت منات کو دیکھا ہے" پر پہنچے تو ساتھ ہی شیطان نے آپ کی زبان سے دو کلمے زیادہ کہلوا دیئے "یہ غرانیق بلند مرتبہ والے ہیں جن کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے۔" چنانچہ آنحضرتؐ کی زبان سے یہ کلمات ادا ہو گئے پھر آپ نے باقی سورت کی تلاوت مکمل فرمالی۔ اور سجدہ تلاوت ادا فرمایا۔ آپ کے ساتھ حاضرین نے بھی سجدہ ادا کیا۔ ولید بن مغیرہ مٹی کا ڈھیلا اٹھا کر اپنی پیشانی کے قریب لایا اور اس پر سجدہ کیا کیوں کہ وہ بوڑھا بوجہ ضعف سجدے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اور یہ لوگ آنحضرت کے مذکورہ کلمات پر راضی ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہمیں بھی یقین ہو گیا کہ خدا ہی مخلوق کو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہی اسے رزق دیتا ہے لیکن ہمارے یہ دوسرے خدا یعنی بت خدا کی بارگاہ میں ہماری سفارش کرتے ہیں۔ پس اگر آپ خدائی میں ان کا بھی حصہ رکھیں تو پھر ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آنحضرتؐ پر ان کی یہ بات گراں گزری اور آپ خانہ نشین ہو گئے شام کو حضرت جبرائیل نے حاضر خدمت ہو کر آپ پر سورہ النجم پیش کی اور عرض کیا کہ دو کلمے جو آپ نے پڑھے ہیں یہ زائد ہیں میں یہ لے کر نہیں آیا تھا۔ اس پر آنحضرتؐ نے تاسف کے لہجے میں فرمایا میں نے اللہ کے کلام میں وہ کلمے ملا دیئے جو اس نے نہیں فرمائے تھے۔

ابن سعد نے اپنی طبقات میں اس روایت کو عبداللہ بن خطب سے نقل کیا ہے اور ترمذی کا قول ہے کہ خطب نے آنحضرت کا زمانہ نہیں پایا۔

امام فخر الدین رازی نے شفاعت غرانیق کا قصہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ روایت عام ظاہر بین مفسرین کی بیان کردہ ہے لیکن اہل نظر و محقق مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ روایت غلط اور من گھڑت ہے اس کے ثبوت میں انہوں نے قرآن، حدیث اور عقلی دلائل کو پیش کیا ہے۔

"آپ کفار سے (جو آیات میں تغیر و تبدل کو کہتے ہیں) کہہ دیجئے کہ مجھ پر یہ امر دشوار ہے کہ میں اپنی طرف سے آیتوں کو بدل ڈالوں میں تو صرف ان ہی آیات کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہیں۔"

"اور حضرت محمدؐ اپنے دل سے کوئی بات بیان نہیں کرتے بلکہ وہ جو فرماتے ہیں۔ وہ وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔"

پس اگر آنحضرتؐ اس آیت کے بعد غرانیق والی عبارت پڑھ دیتے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی غلط بیانی ظاہر ہو جاتی اور اس کو کوئی مسلمان بھی قبول نہیں کر سکتا۔ از روئے حدیث ہمارے دعوے کا ثبوت وہ روایت ہے جو محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے مروی ہے کہ ان سے اس قصہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ قصہ منافقین کا گھڑا ہوا ہے اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے انہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے۔ یہ روایت صحیح بخاری اور دیگر احادیث کی کتابوں میں درج نہیں ہے۔

1۔ اس واقعہ کے متعلق عقلی دلائل یہ ہیں کہ جس نے بھی حضورؐ سے بتوں کی تعظیم کا جواز ثابت کیا اس نے کفر

کیا۔ آنحضرتؐ کی زیادہ جدوجہد بتوں کے توڑنے کی تھی۔

2۔ امام فخرالدین رازی نے مزید دوسری تفصیلات بیان کی ہیں فرماتے ہیں ہمارا یقین ہے کہ یہ قصہ بالکل غلط اور منافقین کا من گھڑت ہے جو اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں علاوہ ازیں یہ بات ناقابل فہم ہے کہ نبی کریمؐ کسی صورت میں بھی غرانیق کی شفاعت کے معترف ہو جائیں حالانکہ آپ کا تبلیغی مقصد ہی بندوں کو خدا کی عبادت کی طرف بلانا اور بتوں کے خلاف جنگ کرنا تھا اور اگر یہ مان لیا جائے کہ شیطان کو (خدانخواستہ) اس حد تک آپ پر قدرت حاصل ہو گئی تھی کہ وہ آپ سے وحی لکھواسکے اور آپ کی زبان سے کفریہ کلمات جاری کرا سکے تو پھر اسی ایک قصہ پر کیا موقوف ہے دوسرے مواقع پر بھی وحی ربانی شیطان کا ایک کھلونا بن کر رہ جائے گی۔ حالانکہ نبی کریم شیطان کے غلبہ سے محفوظ قرار دیئے گئے ہیں۔

امام نووی نے امام بیہقی سے یہ نقل کیا ہے کہ مؤرخین اور مفسرین نے جو بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ مشرکوں کے سجدہ کرنے کا سبب وہ کلمات ہیں جو ان کے بتوں کی تعریف میں آنحضرتؐ کی زبان پر جاری ہو گئے تھے یہ قول بالکل باطل ہے اس واقعہ کی کوئی بھی بات عقلاً صحیح ہے نہ روایتاً۔ کیونکہ خدا کے سوا دوسرے فرضی خداؤں کی مدح سرائی کفر ہے اور آنحضرتؐ کی طرف کفر کی نسبت کرنا ہرگز درست نہیں اور نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ شیطان نے یہ کلمات آنحضرتؐ کی زبان سے کہلوا دیئے کیونکہ شیطان کا آپؐ پر قادر ہو جانا ہرگز درست نہیں ورنہ اس سے وحی پر عدم اعتماد لازم آتا ہے۔

اس قصہ کے غلط ہونے پر تاریخی نقطہ نظر سے ایک دلیل اور سن لیجئے اور وہ یہ ہے کہ حبشہ کی طرف صحابہ کی پہلی ہجرت ماہ رجب سن 5 نبوت کو ہوئی تھی اور سجدہ کا حکم اسی سال ماہ رمضان میں نازل ہوا تھا۔ یعنی حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے اسلام سے قبل تمام مسلمان دارارقم میں چھپے ہوئے تھے اور وہیں اپنے دینی فرائض ادا کرتے تھے۔ اور صحابہ کرام اس وقت تک کعبہ کے پاس نماز ادا کرنے پر قادر نہ تھے جب تک کہ حضرت عمر اسلام نہ لے آئے جب وہ مشرف با اسلام ہوئے تو انہوں نے قریش سے جھگڑا کیا اور پہلی مرتبہ تمام صحابہ کو لے کر کھلم کھلا کعبہ کے پاس نماز ادا کی۔ پس جب یہ حال تھا کہ حضرت عمرؓ کے اسلام سے قبل مسلمان کعبہ کے پاس نماز پڑھنے کی ہمت و قدرت ہی نہ رکھتے تھے تو پھر یہ کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے کعبہ کے پاس سجدہ ادا فرمایا۔ اور آپ کے ساتھ پوری قوم نے بھی سجدہ کیا پس حقیقت واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت سر تا سر جھوٹ اور محض من گھڑت اور بناوٹی ہے۔

کتاب تاریخ قرون وسطیٰ مرتبہ کیمبرج یونیورسٹی جزو دوم صفحہ نمبر 111،110 میں بیان کرتا ہے بہت سے مسلمان محقق اس قصہ کو خرافات سمجھتے ہیں۔ خیر ان سے تو یہی توقع کی جا سکتی تھی۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ مسٹر کائتنی نے جو ایک بلند پایہ اطالوی مورخ ہے جنہوں نے تاریخ اسلام پر متعدد ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ اس قصہ

کا انکار کیا ہے اس کی صرف یہی ایک وجہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے صرف وہی بات بیان کی ہے جو ان کے نزدیک تحقیق سے ثابت ہو سکی ہے اسی لئے اس نے اس قصے کی صحت سے انکار کیا ہے۔

حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام

حضرت حمزہ جناب عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ ان کی والدہ کا نام ہالہ بنت وہب تھا۔ وہ آنحضرتؐ کے چچا اور رضاعی بھائی تھے۔ ہجرت کے بعد آنحضرتؐ نے ان کے اور حضرت زید بن حارثؓ کے درمیان بھائی چارے کا رشتہ قائم کر دیا تھا۔ آپ نبوت کے چھٹے سال اسلام لائے۔ آپ کی کنیت ابو عمارہ تھی۔ آپ بڑے بہادر جنگجو، طاقت ور اور قد آور تھے آپ کو آنحضرتؐ نے شیر خدا کا خطاب دیا تھا اور جنگ احد میں شہادت کے بعد سید الشہدا کے لقب سے سرفراز فرمایا تھا۔

آپ کے اسلام لانے کا یہ واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ کوہ صفا کے پاس بیٹھے تھے کہ ابو جہل بن ہشام وہاں آیا اس نے آپ کو تنگ کیا۔ گالیاں دیں اور آپ کے دین کی مذمت کی اور کہا کہ "تمہاری حقیقت ہی کیا ہے؟" وغیرہ وغیرہ۔ رسولؐ اللہ نے اس کو کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ صبر و برداشت سے سنتے رہے اور خاموشی سے اٹھ کر اپنے گھر کو چلے گئے۔ عبداللہ بن جدآن کی ایک لونڈی نے یہ تمام واقعہ دیکھا تھوڑی دیر بعد وہاں سے حضرت حمزہ شکار سے واپسی پر گزرے۔ لونڈی نے آپ کو ابو جہل کی تمام خباثت اور حضورؐ کے ساتھ ظلم و زیادتی کا حال بیان کیا۔ جناب حمزہؓ کو بہت غصہ آیا۔ سیدھا خانہ کعبہ پہنچے۔ جہاں قریش جمع ہو کر ادھر ادھر کی باتیں کرتے تھے۔ قریش کی اس محفل میں ابو جہل موجود تھا۔ حضرت حمزہ اس کی طرف بڑھے اس زور سے اسؓ کے سر پر اپنی کمان ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور وہ لہولہان ہو گیا۔ حمزہؓ نے کہا کہ تو اس ہستی کو گالیاں دیتا ہے جو میرا بھتیجا ہے اور میں اس کا ہم مذہب ہوں اور اسلام لے آیا ہوں۔ اگر ہمت ہے تو میرے مقابلے پر آ۔ اتنے میں بنی مخزوم کے کچھ آدمی ابو جہل کی حمایت میں حضرت حمزہ کے مقابلہ پر اٹھنا چاہتے تھے مگر ابو جہل نے کہا کہ ابو عمارہ سے تعرض نہ کرو۔ بے شک میں نے ان کے بھتیجے کو گالیاں دی تھیں۔ اس لئے ان کو جوش آ گیا ہے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت حمزہ مسلمان ہو گئے اور اس سے مسلمانوں کی طاقت میں بہت اضافہ ہوا اور قریش حضورؐ کو دق کرنے سے قدرے کچھ باز آ گئے۔

حضرت عمر کا قبول اسلام

حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ بنت خطاب اور ان کا شوہر سعید بن زید مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر انہوں نے اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ حضرت خباب بن الارث فاطمہ اور اس کے شوہر کے پاس آکر قرآن پڑھایا کرتے تھے۔ ایک روز عمر ہاتھ میں تلوار اٹھائے رسولؐ اللہ کے پاس کسی غلط ارادہ سے

جانے کے لئے نکلے ۔ راستہ میں ان کو نعیم بن عبداللہ ملے جو مسلمان ہو چکے تھے اور آپ کے وہاں جانے کا سبب معلوم کیا۔ انہوں نے اس نئے دین سے بیزاری اور عداوت کا اظہار کیا۔ عبداللہ نے کہا کہ یہ دین خود تمہارے گھر میں داخل ہو چکا ہے اور تمہارے بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ حضرت عمر وہاں سے سیدھے اپنی ہمشیرہ کے گھر پر گئے دروازہ کھٹکھٹایا اس وقت حضرت خباب آپ کی بہن و بہنوئی کو قرآن پڑھا رہے تھے جونہی انہوں نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی۔ حضرت خباب دوڑ کر اندر چھپ گئے۔ بہن نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ تونے اپنا دین بدل ڈالا ہے یہ کہہ کر غصہ اور جوش میں اپنی بہن کو مارنے لگے جس سے اس کے خون بہہ نکلا۔ اس پر آپؐ کی بہن نے برملا کہا اے عمر! جو تمہارا جی چاہے کر لو میں نے تو اسلام قبول کر لیا ہے ۔ بہن کا خون دیکھ کر حضرت عمر کو بہت افسوس ہوا وہاں پر قرآن حکیم کے کچھ ورق پڑے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو پڑھنے کی کوشش کی لیکن اس کی بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو پہلے غسل کرو پھر اس پاک کلام کو چھو سکتے ہو۔ حضرت عمر نے غسل کیا اور سورۃ طہٰ کی تلاوت کی تو لرز اٹھے ۔ لکھا تھا "آسمانوں میں اور زمین پر جو مخلوق ہے وہ سب کی سب اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔" پھر اس آیت تک پہنچے "اے لوگو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور جو مال تمہیں ورثہ میں ملا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ اگر تم ایمان لانے والے ہو۔" حضرت عمرؓ نے کلمہ شہادت پڑھا اور جو لوگ گھر میں تھے سب نے نہایت مسرت سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور خدا کی حمد و ثنا بیان کرنے لگے۔ حضرت خبابؓ نے کہا "اے ابن خطاب! تمہیں بشارت ہو کیونکہ آنحضرتؐ نے دو شنبہ کے دن تمہارے حق میں دعا کی تھی کہ "اے خدا! ان دو شخصوں عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابو جہل) میں سے کسی ایک کو اسلام سے مشرف کر کے اسلام کو غالب اور سربلند فرما۔" ہمیں امید ہے کہ آنحضرتؐ کی دعا آپ کے لئے مقبول ہوئی۔ اس لئے آپ کو بشارت ہو۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب ان لوگوں نے میری صداقت ایمان کو جان لیا تو میں نے ان سے کہا مجھے بتاؤ آنحضرتؐ کہاں تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس وقت آپؐ صفا کے نزدیک ارقم کے مکان میں تشریف رکھتے ہیں۔ چنانچہ میں وہاں پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آواز آئی کون ہے؟ میں نے کہا ابن خطاب یہ لوگ آنحضرتؐ کے خلاف میری شدت سے واقف تھے۔ مگر انہیں میرے اسلام لانے کا علم نہ تھا۔ اس لئے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ دروازہ کھول دے۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ کیونکہ اگر خدا کو اس کی بھلائی منظور ہوئی تو اسے ہدایت دے گا۔ اس پر لوگوں نے دروازہ کھول دیا اور دو آدمیوں نے میرا بازو پکڑ لیا۔ جب میں آنحضرتؐ کے قریب پہنچا تو آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو۔ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آنحضرتؐ نے میری قمیض پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا اے ابن خطاب اسلام قبول کر لو۔ اے خدا! اسے ہدایت دے تب میں نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا دوسرا کوئی اور خدا نہیں اور یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں"۔ یہ سنتے ہی آنحضرتؐ نے زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا جس کی آواز دور تک سنی گئی۔ حضرت عمرؓ کے

قبول اسلام کا واقعہ نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہ کے اسلام لانے کے تین دن بعد ظہور پذیر ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر 26 سال تھی انہوں نے اسلام لاتے ہی عرض کیا تھا کہ یا رسولؐ اللہ جب ہم حق پر ہیں تو پھر ہمیں چھپنے کی کیا ضرورت ہے۔ اب باہر نکلئے پس ہم سب کو مکان سے باہر کر کے دو صفوں میں تقسیم کیا۔ ایک صف میں حضرت حمزہ چلے گئے اور دوسری میں خود چلے گئے۔ حتیٰ کہ ہم مسجد میں داخل ہوگئے۔" قریش نے جب مجھے اور حضرت حمزہ کو دیکھا تو انہیں ایسا شدید صدمہ ہوا کہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ پس اس وقت آنحضرتؐ نے مجھے الفاروق یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والے کا لقب عطا فرمایا۔"

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق ابن اسحق نے کہا کہ بعض راویوں نے حضرت عمر کے اسلام کا حال خود ان کی زبانی یوں بیان کیا ہے وہ کہا کرتے تھے" میں اسلام سے بہت دور بھاگنے والا اور جاہلیت کے زمانے کے تمام برے کام کرنے والا تھا ایک رات میں اپنے دوستوں کی مجلس کی طرف گیا۔ مگر وہاں کسی کو نہ پایا پھر میں نے سوچا کہ کعبتہ اللہ جاؤں اور طواف کروں چنانچہ میں خانہ کعبہ پہنچا تو رسولؐ اللہ کو وہاں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ جب نماز پڑھا کرتے تو شام کی جانب منہ کرتے۔ اور کعبتہ اللہ کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان رکھتے۔ آپؐ کا نماز پڑھنے کا مقام رکن اسود اور رکن یمانی دونوں کے درمیان تھا۔ جب میں نے آپ کو دیکھا تو دل میں کہا آج رات محمد کی طرف توجہ کروں اور سنوں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اگر میں سننے کے لئے ان کے نزدیک ہوا تو وہ ڈر جائیں گے۔ اس لئے میں حجر (حطیم) کی جانب سے آیا اور کعبتہ اللہ کے غلاف کے اندر ہو گیا۔ آہستہ آہستہ قریب تر ہونے لگا۔ رسولؐ اللہ کھڑے ہوئے نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ میں آپ کے قبلے کی سمت میں آپ کے مقابل ہو گیا۔ آپ کے اور میرے درمیان غلاف کعبہ کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ جب میں نے قرآن سنا تو اس سے میرے دل میں رقت پیدا ہو گئی میں رو پڑا اور مجھ پر اسلام اثر کر گیا۔ غرض میں اسی جگہ کھڑا رہا یہاں تک کہ رسولؐ اللہ نے نماز پوری کر لی اور لوٹ گئے۔ آپ جب واپس تشریف لے چلے تو میں اس کے بعد اپ کے پیچھے ہو گیا جب آپؐ کے پاس پہنچ گیا اور رسولؐ اللہ نے میری آہٹ سنی تو مجھے پہچان لیا۔ آپؐ نے خیال فرمایا کہ میں نے صرف آپ کو ستانے کے لئے آپ کا پیچھا کیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا " اے خطاب کے بیٹے تجھے اس وقت کون سی چیز لائی ہے۔" میں نے عرض کیا اللہ کے رسولؐ " اس چیز پر ایمان لانے کے لئے آیا ہوں جو اللہ کے پاس سے لائے ہیں۔" پھر تو رسول اللہؐ نے شکر ادا کیا اور فرمایا " اے عمرؓ اللہ نے تجھے سیدھی راہ دکھا دی۔" پھر آپؐ نے میرے سینے پر دست مبارک پھیرا اور میرے لئے ثابت قدمی کی دعا فرمائی۔ پھر میں رسولؐ اللہ سے لوٹ کر اپنے گھر آ گیا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کونسی روایت صحیح ہے۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے اسلام کی تاریخ میں نئے دور کا آغاز ہوا۔ مسلمان مسجد حرام میں اعلانیہ نماز پڑھنے لگے۔ مذہبی فرائض کی بجا آوری اور دعوت اسلام کی ابتداء کر دی۔ اس سے مسلمانوں کی قوت و طاقت میں بے

پناہ اضافہ ہوا۔ قریش مرعوب اور مایوس ہونے لگے۔ عزم راسخ، قوت ارادہ، استقلال و استقامت اور شدت عمل انسان کے اصل جوہر ہیں۔ اگر ان کی صحیح تعلیم و تربیت اور تعمیری و اصلاحی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے تو حیرت انگیز نتائج پیدا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی تعلیم و تربیت ہونے سے وہ تاریخ عالم کی ایک عظیم شخصیت بن کر ابھرے۔ علم و عمل، تدبر و تفکر، سیرت و کردار، عزم و ہمت، استقلال و استقامت، سیاسی بصیرت، تنظیمی صلاحیت اور اپنے عظیم کارہائے نمایاں اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمات جلیلہ کی بناء پر حضرت عمرؓ بلامبالغہ شاہکار رسالت کے خطاب و امتیاز کے حق دار ہیں۔ بعض مورخین و مفکرین کا یہ قول ہے کہ " مسلمانوں میں اگر ایک عمر اور پیدا ہو جاتا تو تمام دنیا میں اسلام پھیل جاتا " اس سے یہ مراد ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو پانچ دس سال اور خلافت کے مل جاتے تو جس طرح آپ نے ایران اور عراق کو مکمل طور پر فتح کر کے کسریٰ کی سلطنت کا خاتمہ کر کے وہاں اسلام کو غالب کر دیا تھا۔ اسی طرح شام و مصر کی فتح کے بعد اگر حضرت عمرؓ کو مزید پانچ سال حکومت کرنے کا موقع مل جاتا تو آپ بازنطینی سلطنت روم پر مکمل غلبہ حاصل کرنے کے بعد قسطنطنیہ پر اسلام کا پرچم لہرا کر اس علاقے کے تمام عوام کو حلقہ بگوش اسلام کر لیتے اس کے بعد یورپ کی فتوحات کا آغاز ہو جاتا۔

مقاطعہ قریش کی حقیقت

جب قریش نے دیکھا کہ بہت سے مسلمان حبشہ ہجرت کر کے امن و سکون سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور وہاں ان کو مکمل مذہبی آزادی اور نجاشی کا تحفظ حاصل ہے ادھر حضرت عمرؓ اور حمزہؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہوا ہے اور ان کے حوصلے بلند ہو گئے ہیں اور کعبۃ اللہ میں آ کر نمازیں ادا کرنے اور اپنے دین کی تبلیغ میں سرگرم عمل ہیں اور اسلام دور دراز کے قبائل تک پھیلنے لگا ہے۔ تو انہوں نے باہم مشورہ کر کے مسلمانوں کے معاشی اور معاشرتی مقاطعہ کا معاہدہ مرتب کیا اس کے مطابق قریش نے مسلمانوں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات، خرید و فروخت میل جول اور گفت و شنید بند کرنے یعنی مکمل سوشل بائیکاٹ کا عہد کر لیا اور محرم 7 نبوت بمطابق 617ء کو ایک دستاویز جو بغیض بن عامر بن ہاشم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی کعبہ کے وسط میں آویزاں کر دی۔ اس معاہدہ مقاطعہ کے متعلق عام روایت حسب ذیل ہے۔

1۔ طبقات ابن سعد حصہ اول صفحہ نمبر 159 کے مطابق " قریش کے ایک شیخ سے مروی ہے کہ جب بنو ہاشم نے رسول اللہ کو قریش کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تو قریش نے باہم ایک عہد نامہ لکھا کہ وہ بنی ہاشم کو نہ بیٹی دیں گے نہ ان کی بیٹی لیں گے نہ ان سے کچھ خریدیں گے اور نہ ان کے ہاتھ کچھ فروخت کریں گے نہ کسی امر میں ان سے میل جول کریں گے اور نہ ان سے بولیں گے۔" قریش نے باہم یہ عہد نامہ لکھا تو بنی ہاشم تین سال تک اپنے شعب میں (جو مکہ کے قریب ایک مقام ہے) محصور رہے۔ سوائے ابو لہب کے باقی عبدالمطلب بن عبد مناف کا

خاندان شعب میں چلا گیا۔

2۔ تاریخ طبری حصہ اول صفحہ 100 پر بھی اس قسم کا معاہدہ قریش کا ذکر کیا ہے کہ

"قریش نے آپس میں مشاورت کر کے یہ عہد کیا کہ اس کے لئے باقاعدہ عہد نامہ لکھا کہ ان میں سے اب آئندہ کوئی بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے نہ مناکحت کرے اور نہ تجارت کرے اس کے لئے انہوں نے باضابطہ تحریری معاہدہ لکھا اور اس دستاویز کو کعبہ کے وسط میں لٹکایا۔"

قریش کے اس مقاطعہ کے بعد بنو ہاشم اور بنو مطلب ابو طالب کے پاس چلے گئے اور اس کی گھاٹی میں رہنے لگے وہ تین سال مسلمان اس بے کسی کی حالت میں رہے یہاں تک کہ ان کو زندگی گزارنا مشکل ہو گیا۔ کھانے پینے کی تکلیف ہونے لگی۔ کوئی چیز ان کو پہنچتی نہ تھی البتہ قریش میں سے کوئی ان پر ترس کھا کر کوئی چیز بھیجنا چاہتا تو خفیہ طور پر پہنچا آتا۔ غرض وہ دو یا تین سال تک اسی حالت میں رہے یہاں تک کہ بہت تنگ ہو گئے اگر کوئی شخص ان کے پاس کوئی چیز پہنچانا چاہتا تو قریش سے چھپ چھپ کر ہی پہنچا سکتا۔ باوجود ان حالات کے رسول اللہ اپنی قوم کو دن رات جلوت و خلوت میں اللہ کے حکم سے تبلیغ فرماتے رہے اس تبلیغ کے بارے میں آپ کسی سے بھی خوف نہ کرتے تھے۔

3۔ سیرت "محمد رسول اللہ" تالیف شیخ محمد رضا جامعہ فواد قاہرہ صفحہ نمبر 204 پر تحریر کرتے ہیں کہ قریش نے باہم مشورہ کر کے بنی ہاشم اور بنی المطلب کے خلاف ایک معاہدہ مرتب کیا جسکی رو سے قریش نہ ان سے ازدواجی تعلقات قائم کریں نہ تجارتی معاملات اور میل جول رکھیں، چنانچہ 7۔ نبوی بمطابق 617ء کو اس مقاطعہ کی ایک دستاویز لکھ کر کعبہ کے وسط میں آویزاں کر دی۔ یہ دستاویز بغیض بن عامر بن ہاشم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی قریش کے قطع تعلق کے بعد بنو ہاشم اور بنو مطلب ابو طالب کے پاس شعب ابی طالب میں چلے گئے یہ لوگ صرف زمانہ حج میں اس سے باہر نکل سکتے تھے تین سال تک ان پر عرصہ حیات تنگ رہا۔ وادی کے عقب سے بچوں کے رونے اور تڑپنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ یہ مظلومین تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور و محبوس رہے۔"

4۔ "حیات محمد" تالیف محمد حسین ہیکل صفحہ نمبر 215

قریش کی طرف سے رسول خدا اور آپ کے رفقاء۔ اور بنو ہاشم کا مقاطعہ مسلسل تن سال تک جاری رہا۔ مکے سے باہر پہاڑ کی گھاٹی میں محصور طرح طرح کی تکلیف سے دوچار تھے۔"

5۔ رحمتہ اللعالمین کے مورخ قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری نے اس واقعہ کا عنوان بھی یہی دیا ہے کہ "نبی اپنے قبیلہ سمیت تین سال تک پہاڑوں کی گھاٹی کے اندر محصور رہے، نبی صلعم اور ان کا قبیلہ مجبور ہو گئے گھر بار چھوڑ کر پہاڑ کی گھاٹی میں محبوس و محصور ہو کر رہنے لگے قریش نے اجناس خوردنی کا جانا بھی بند کیا بنی ہاشم کے

بچے بھوک کے مارے اس قدر رویا کرتے کہ ان کی آواز گھاٹی کے باہر سنائی دیتی۔ تین برس تک نبی اور ان کے خاندان نے اس طرح کاٹے (جلد اول صفحہ 64)

6۔ ابن اسحاق نے کہا ہے "جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ کے صحابہ ایسے ملک میں جا بسے ہیں جہاں انہوں نے امن و سکون حاصل کر لیا اور نجاشی کے پاس ان کی حفاظت و حمایت ہوتی ہے ان کو مذہب و عقیدہ کی آزادی ہے حضرت عمر نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے اور حضرت حمزہ بھی اور رسول اللہ اور صحابہ آپ کے ساتھ ہو گئے ہیں اور اسلام قبیلوں میں پھیلنے لگا ہے تو وہ لوگ جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ ایک کاغذ لکھیں جس میں بنی ہاشم و نبی مطلب کے خلاف ایک معاہدہ کیا جائے کہ ان سے شادی بیاہ یا خرید و فروخت کے تعلقات قائم نہ کئے جائیں۔" ابن ہشام صفحہ 385

ہمارے قابل احترام متقدمین اور دور حاضر کے ممتاز مورخین نے اس واقعہ مقاطعہ کی قریباً ایک جیسی صورت حال بیان کی ہے علاوہ ازیں اس مقاطعہ کے اسباب بھی ایک جیسے بیان کیے ہیں۔ یعنی تمام مورخین نے بیان کیا ہے کہ قریش مکہ نے اس واقعہ مقاطعہ کے مطابق تین سال تک بنو ہاشم اور بنو مطلب کو ایک پہاڑ کی تنگ گھاٹی میں محبوس رکھا ان کے اور ان کے اہل و عیال کے صبر آزما حالات بھی بیان کئے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس روایت مقاطعہ میں حد سے زیادہ مبالغہ آرائی کی گئی ہے کیونکہ قریش مکہ کے لئے بنو ہاشم بنو مُطلب اور تمام مسلمانوں کو تین سال تک مکہ کے باہر ایک گھاٹی میں مقید و محبوس رکھنا ناممکن تھا۔ ان دونوں قبائل کے بالغ مرد افراد کی تعداد پچاس سے کم نہ ہو گی جس میں آنحضرت صلعم کے علاوہ جناب ابی طالب ان کے فرزندان حضرت حمزہ، شیر خدا، ابو سفیان بن حارث نذر بن حارث اور دیگر بڑے بڑے جرات مند اور بہادر اشخاص موجود تھے۔ اور اگر ان کے ساتھ مسلمانوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو حضرت عمر سعد بن وقاص اور دیگر صاحب عزم و ہمت صحابہ کی تعداد قریباً پچاس تک ضرور ہو گی پھر ان سب لوگوں کی مستورات اور بچے قریباً تین صد کے قریب ضرور ہوں گے الغرض یہ کل تعداد پانچ صد نفوس کے قریب ہو جاتی ہے ادھر قریش مکہ کی افرادی قوت بھی ہزاروں تک نہیں پہنچی تھی ان میں زیادہ سے زیادہ ایک ہزار بالغ افراد ہوں گے پھر قریش کے پاس کوئی باقاعدہ پولیس یا فوج نہ تھی کہ اتنے بہادر اور شجاع مردان میدان کو تین سال تک اس پہاڑ کی تنگ گھاٹی میں محصور و مقید رکھ سکتے۔ عربوں کی حریت و آزادی کا جذبہ سب کو معلوم ہے اور سب سے بڑا یہ کہ بنو ہاشم و بنو مطلب قریش کا سب سے بہادر اور ممتاز قبیلہ تھا حسب و نسب کے لحاظ سے کسی سے کم نہ تھے اور ان کی قریبی رشتہ داریاں قریش مکہ کے معزز خاندانوں کے ساتھ تھیں۔ ان کی غیرت خود داری اور جوان مردی کبھی بھی ان کو تین سال کی قید قبول کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی پھر ان کی عورتیں اور بچے بھی ساتھ تھے لہذا یہ قریش کے لئے ناممکن تھا کہ وہ جنگجو اور باوقار لوگوں کو تین سال تک اپنا قیدی بنائے رکھیں۔ بنو ہاشم کسی حالت میں بھی ایسی توہین برداشت نہیں کر سکتے تھے لہذا یہ

روایت ناقابل یقین ہے اور ناممکن العمل ہے۔

2۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب میں صرف حمزہ ، علی ، اور جعفر ایمان لائے تھے بقایا تمام قبیلہ مشرک کفار مکہ کا ہم عقیدہ اور مسلمانوں کا دشمن تھا۔ جنگ بدر میں بنو ہاشم کے اکثر افراد عباس ، طالب اور عقیل فرزندان ابی طالب اور بہت سے دوسرے لوگ حضورؐ کے خلاف لڑے تھے لہذا یہ کیسے ممکن تھا کہ قریش ان لوگوں کو جو حضورؐ کے مخالف تھے ان کے ہم مسلک اور بت پرست تھے ان کو بھی مجبوس ، محصور کرتے ۔ اس زمانہ میں مکے کا معاشرہ دو واضح حصوں میں منقسم ہو چکا تھا جو حضور پر ایمان لا کر حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے اور جو مشرک و کافر تھے بلا لحاظ نسل و قبیلہ ، سب ایک جماعت بن چکے تھے۔ اب وفاداریاں مسلک اور عقیدہ کی بناء پر تھیں۔ قبیلہ ورشتے کی بناء پر نہ تھیں لہذا قریش مکہ جو مشرک اور اسلام کے خلاف تھے وہ قبیلہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ان لوگوں کو جو ان کے ہم مشرب یعنی مشرک ، بت پرست تھے کسی صورت میں بھی مقید و مجبوس کر کے اپنا دشمن بنانے کو تیار نہ تھے لہذا مسلمانوں اور مشرکین کو مشترکہ طور پر تین سال تک ایک تنگ گھاٹی میں محصور رکھنے کی روایت سراسر ناقابل اعتبار ہے اس زمانے میں ابو جہل ابو سفیان بن حرب اور ابی طالب ، ابو سفیان بن حارث ، عباس بن عبدالمطلب ابو لہب بن عبدالمطلب عقیل اور طالب پسران جناب ابی طالب و عبدالمطلب وغیرہ سب ایک جماعت ایک پارٹی اور ایک متحدہ محاذ تھا اور دوسری طرف حضور اقدس اور آپ کے صحابہ کرام حضرت عمر ، حضرت ابو بکر ، حضرت علی اور دیگر تمام مسلمان ایک جماعت ایک امت اور آپس میں بھائی بھائی تھے۔ لہذا قریش مکہ کا آنحضرت صلعم اور بنو ہاشم و بنو مطلب کے مشرکین کو ایک ہی جگہ تین سال کی طویل مدت تک مقید اور محصور رکھنا اور ان پر انسانیت سوز مظالم ڈھانا عورتوں اور بچوں کو بھوکے مارنا ، ناممکن بلکہ خلاف فطرت اور خلاف عقل ہے۔

اس عجیب واقعہ میں ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس طویل قید و بند کے مصائب سے رہائی کے متعلق بھی دو متضاد روایات ہیں ایک روایت یہ ہے کہ تین سال کے بعد آنحضرتؐ نے ابو طالب سے فرمایا کہ جو " معاہدہ مقاطعہ کی دستاویز تحریر کر کے خانہ کعبہ کے اندر آویزاں کی تھی اس کو دیمک چاٹ گئی ہے اس میں صرف اللہ کا نام باقی ہے جناب ابی طالب خانہ کعبہ میں سرداران قریش کے پاس گئے اور کہا کہ میرے بھتیجے نے کہا ہے کہ معاہدہ مقاطعہ کی دستاویز دیمک چاٹ چکی ہے صرف اللہ کا نام باقی ہے اگر یہ صحیح ہو تو ہم کو قید سے آزاد کر دو۔ چنانچہ قریش اس بات پر رضا مند ہو گئے اور کعبہ کے اندر سے دستاویز منگوا کر اس کو دیکھا گیا جو حضورؐ نے فرمایا تھا وہ درست ثابت ہوا دستاویز دیمک چاٹ چکی تھی اور صرف اللہ کا نام بقایا تھا۔ اس پر قریش نے جناب ابی طالب اور تمام مقید و محصور لوگوں کو آزاد کر دیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ مکہ کے چھے انسان دوست حضرات نے ازروئے انسانی ہمدردی جن کے نام ہشام

بن عمرو العامری، ظہیر بن ابی امیہ بن میرہ مخزومی، مطعم بن عدی۔ ابو البختری بن ہاشم، زمعہ بن الاسود کو تین سال بعد اپنی رشتہ داری، انسان دوستی اور ہمدردی کا احساس پیدا ہوا اور انہوں نے متفق اور متحدہ ہو کر خانہ کعبہ میں جا کر ابو جہل اور دیگر سرداران قریش کی مخالفت کے باوجود معاہدہ مقاطعہ کی دستاویز کو خانہ کعبہ کے اندر سے لا کر برسرعام تلف کر دیا اور اعلان کر دیا کہ آج سے بنی ہاشم اور بنی مطلب آزاد ہیں۔

امید ہے کہ علمائے کرام اور مورخین و مفکرین ہماری متذکرہ بالا تحقیق و تجسس پر تقلید سے اجتناب فرماتے ہوئے کھلے ذہن کے ساتھ غور و فکر فرمائیں گے۔ کیونکہ اس روایت کا عقیدہ یا مذہب سے کوئی تعلق نہیں بلکہ تاریخی واقعہ کی حقیقت و اصلیت سے واسطہ ہے۔

ہمارے خیال میں معاہدہ مقاطعہ کی حقیقت یہ ہے کہ جب کفار مکہ نے دیکھا کہ تمام مخالفتوں اور ظلم و ستم کے باوجود مسلمانوں کی طاقت اور تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو انہوں نے تشدد کا راستہ چھوڑ کر عدم تعاون اور سوشل بائیکاٹ کا حربہ آزمانا چاہا اور ظاہر ہے کہ یہ حربہ صرف مسلمانوں کے خلاف ہوگا انہوں نے فیصلہ کیا ہوگا کہ تمام مکہ کے لوگ رسول اللہ اور آپ کے ساتھیوں کا معاشی و معاشرتی مقاطعہ کریں تاکہ یہ مٹھی بھر مسلمان مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیں گے اور مجبور ہو کر اپنے آباؤ اجداد کے مذہب و مسلک پر آجائیں گے مگر یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا یہ حربہ بھی مکمل طور پر ناکام ہوا اور چند ماہ کے اندر انہوں نے خود ہی یہ مقاطعہ یعنی مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ ختم کر دیا ہوگا۔

حضور کے خلاف قریش مکہ کی حکمت عملی

قریش مکہ کی حکمت عملی یہ تھی کہ جناب ابو طالب کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے آنحضرت کو مجبور کریں کہ وہ دین اسلام کی تبلیغ بند کر دیں اور ان کے بتوں کی مذمت ان کے اسلاف کی برائی اور قریش کے عقلمند و مدبر سرداروں کو احمق وغیرہ قرار دینے سے اجتناب کریں۔ چنانچہ سرداران قریش کا ایک وفد جناب ابو طالب کی خدمت میں پیش ہوا اور شکایت کی کہ آپ کا بھتیجا ہمارے بتوں کی برائی کرتا ہے، ہمارے بزرگوں کو گمراہ قرار دیتا ہے اور ہم لوگوں کو احمق کہتا ہے چونکہ آپ بھی ہمارے ہم مسلک ہیں، بتوں کے پجاری اور محمد کے دین کے مخالف ہیں یہ آپ کے بزرگوں کو بھی اسی طرح گمراہ سمجھتا ہے جیسے ہمارے بزرگوں کو۔ لہذا آپ کا اور ہمارا عقیدہ مشترکہ ہے آپ اپنا ذاتی اثر و رسوخ استعمال کریں اور ان کو ان کی سرگرمیوں سے باز رکھیں۔ ابو طالب نے وفد کو یقین دلایا کہ میں ان کو اس کام سے منع کروں گا۔

دوسری بار پھر سرداران قریش کا وفد ابو سفیان کی زیر قیادت ابو طالب کے پاس آیا اور کہا کہ آپ نے حسب وعدہ اپنے بھتیجے کو دعوت اسلام سے نہیں روکا اور اگر آپ نے اس کو منع نہ کیا تو ہم مجبور ہو کر آپ کے خلاف سخت

اقدام کریں گے ۔ ابو طالب نے نرمی کے ساتھ ان کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور یقین دلایا کہ میں ان کو روکنے کی کوشش کرتا ہوں ۔ جناب ابو طالب نے حضور کو بلایا اور کہا کہ اب دوسری بار قریش کا وفد میرے پاس آیا ہے ۔ میرے بھتیجے! میں یہ بوجھ برداشت نہیں کر سکتا اپنی پوری قوم کی دشمنی نہیں خرید سکتا میری حالت پر رحم کرو اور اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو ختم کر دو۔

حضورؐ بڑے پریشان ہوئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ اب چچا جان بھی جو سردار قبیلہ ہونے کی بناء پر میری حفاظت کے ذمہ دار تھے وہ بھی مجھے تنہا چھوڑتے نظر آرہے ہیں۔ تاہم حضورؐ نے اپنے چچا کو صاف لفظوں میں بتا دیا کہ میں کسی صورت اور کسی قیمت پر بھی اپنے فرائض نبوت کی ادائیگی سے دستبردار نہیں ہو سکتا خواہ یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج بھی رکھ دیں یعنی دنیا بھر کی تمام چیزیں مجھے دینے کو تیار ہو جائیں میں اپنی جدوجہد جاری رکھوں گا۔ یہاں تک کہ میں حق و صداقت کے اس مقصد میں کامیاب ہو جاؤں یا اسی راہ میں اپنی جان قربان کر دوں۔ چچا نے پھر تسلی دینے کی کوشش کی لیکن حضورؐ سخت مایوس اور پریشان ہو کر اپنے گھر چلے گئے۔

تیسری بار پھر قریش کا وفد اپنے ہمراہ عمارہ بن ولید ایک نوجوان لڑکے کو لے کر آئے جو خالد بن ولید کا بھائی تھا اور کہا کہ اے ابو طالب! ہم نے ایک تجویز آپ کے سامنے پیش کرنی ہے جس سے آپ کو ایک آدمی کی بجائے دوسرا آدمی مل جائے گا۔ آپ اس نوجوان لڑکے کو قبول کر لیں یہ آپ کی خدمت کرے گا اور محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دیں۔ ہم اسے جو چاہیں سزا دیں گے۔ جناب ابو طالب نے کہا کہ یہ سراسر ظلم اور بے انصافی ہے کہ تمہارے نوجوان کی تو میں پرورش کروں اور تم میرے بھتیجے کو قتل کر دو نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ مطعم بن عدی نے کہا کہ ابو طالب! تیری قوم نے تجھ سے انصاف کیا تھا لیکن تم اپنی قوم کی کوئی بات ماننے کو تیار نہیں ہو۔ جناب ابو طالب نے کہا کہ اے مطعم بن عدی یہ انصاف نہیں بلکہ ظلم ہے میں ایسا نہیں کر سکتا چنانچہ قریش کا وفد انتہائی غصہ اور اشتعال کی حالت میں واپس چلا گیا۔

اب قریش نے آنحضرتؐ سے مصالحت کی ایک نئی پالیسی اختیار کی انہوں نے باہم مشورہ کر کے اپنے ایک بہت بڑے مدبر سردار عتبہ بن ربیع کو حضورؐ کے پاس بات چیت کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے آنحضرتؐ سے کہا کہ آپ ہماری قوم کی قابل فخر ہستی ہیں۔ آپؐ کی امانت، دیانت، صداقت اور سچائی پر تمام قوم گواہ ہے اب آپ نے اپنی قوم کے معبودوں ان کے آباؤ اجداد اور خود سرداران قریش کے خلاف ایک تحریک شروع کر رکھی ہے اور ہر قبیلہ و ہر گھر میں تفریق و انتشار پیدا ہو گیا ہے اور مکے کا امن خطرے میں ہے۔ آپؐ کی قوم آپؐ کو اپنا حاکم اور بادشاہ بنانے کو تیار ہے اگر دولت چاہو تو آپ کو مکے کا سب سے بڑا دولت مند بنا دیتے ہیں اگر آپ شادی کرنا چاہیں تو حسین و جمیل عورت مہیا کر سکتے ہیں اور اگر آپ کو کوئی بیماری ہے تو اس کے علاج کے لئے بھی ہر ممکن

کوشش کرنے کے لئے تیار ہیں۔آپؐ اسلام کی دعوت و تبلیغ ختم کر دیں۔ حضورؐ نے عتبہ کے سامنے قرآن حکیم کی تلاوت فرمائی جسے سن کر عتبہ بہت متاثر ہوا۔اور حضورؐ سے واپس اپنی مجلس میں آیا اور بیان کیا کہ میری رائے یہ ہے کہ محمدؐ کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اس کی حمایت یا مخالفت نہ کریں اور اسے عرب قبائل کے ساتھ کشمکش کا موقعہ دیں۔ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو چونکہ وہ ہم میں سے ہیں اس لئے ہماری عزت اور وقار ہو گا اور اگر وہ ناکام ہو جاتے ہیں اور عرب قبائل انہیں ختم کر دیتے ہیں تو ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔اس نے اعتراف کیا کہ میں نے محمدؐ کی زبانی جو کلام سنا ہے اس کی فصاحت و بلاغت کی مثال نہیں اور اس کا پیغام بھی آفاقی ہے ۔ لہذا ہمیں ان کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے مگر قریش نے عتبہ بن ربیع کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

ایک بار قریش کا بہت بڑا سردار ولید بن مغیرہ مخزومی آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی قوم کے خیالات و جذبات سے آگاہ کرتے ہوئے کسی نہ کسی طور پر مصالحت کے لئے اصرار کیا۔ حضورؐ نے ان کے سامنے بھی پیغام رسالت ، اس کی تعلیم اور مقاصد بیان کرنے کے علاوہ تلاوت قرآن بھی کی۔آپ نے (سورۃ مدثر) کی تلاوت فرمائی وہ اگرچہ دل سے اسلام کی حقانیت کا قائل ہو چکا تھا لیکن کثرت مال ، دولت و اولاد کی بناء پر مغرور اور متکبر بھی تھا اور صاحب قیادت و سیادت بھی ۔وہ کچھ دیر تک حق و باطل کی کشمکش پر غور و فکر کرتا رہا لیکن آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ قبول اسلام سے اس کو دولت اقتدار ، منصب ، سیادت اور نسلی تفاخر کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ لہذا قبول حق پر لالچ اور خود غرضی غالب آ گئی اور قبول اسلام سے محروم رہا اس نے بھی جا کر قریش کو زیادہ سخت رویہ اختیار کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔اسی ولید بن مغیرہ نے قریش مکہ سے کہا کہ جو لوگ حج بیت اللہ کے لئے باہر سے آئیں ان کو محمد کے متعلق کہو کہ وہ جادو گر ہے۔ایک جادو بھرا کلام لے کر آیا ہے جس کے ذریعے سے باپ بیٹے ، بھائی بھائی ، میاں بیوی اور فرد و خاندان کے درمیان تفرقہ ڈالتا ہے۔غرض سب کے سب ولید کی اس بات پر متفق ہو کر حضورؐ کو جادوگر قرار دینے لگے اور جو لوگ حج و زیارت کے لئے مکہ آئے یہ لوگ ان کو آپ سے ملنے سے ڈراتے اور آپ کا حال بیان کر کے کہتے کہ اس جادوگر کی بات نہ سنیں۔

قریش مکہ نے مصالحت کی آخری کوشش یہ کی کہ ایک دن حضورؐ خانہ کعبہ میں عبادت میں مصروف تھے کہ انہوں نے آپ کو اپنی مجلس میں بلایا اور مصالحت کی بات چیت کی ابتداء کی ۔انہوں نے لالچ اور ترغیب و تحریص سے کام لینے کا ہر ممکن طریقہ اختیار کیا آپ کی سابقہ زندگی کی بھرپور تائید و تعریف کی اور آپ کی دعوت اسلام سے جو ان کو دکھ اور تکلیف پہنچ رہی تھی وہ بھی تفصیل سے بیان کی۔ حضورؐ نے جواب دیا کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں اور نہ کوئی لالچ ہے میں آپ لوگوں کی دنیا اور آخرت کی بہتری کے لئے ازراہ انسانی ہمدردی دعوت توحید دیتا ہوں۔جاہلیت کے نظام زندگی کے بجائے حیات آفرین نظام زندگی کا پیغام دیتا ہوں آپؐ کو اللہ کی وحدت پر ایمان اور اعمال صالح کی تبلیغ کرتا ہوں اور اس کے عوض میں کسی اجر و معاوضے کا طلب گار نہیں ہوں پھر بھی آپ میری

بات پر غور و فکر نہیں کرتے ۔ قریش نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ نبی رسولؐ ہیں تو ہمیں کچھ معجزات دکھائے جائیں ہماری بنجر اور غیر آباد زمینوں کو طائف کی زمینوں کی طرح سرسبز و شاداب اور زرخیز بنا دیں۔ الغرض اسی قسم کے غیر معقول اور فوق الفطرت معجزات کا مطالبہ کرتے رہے حضورؐ نے فرمایا کہ میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں میں جو کچھ کہتا اور کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتا ہوں۔ الغرض قریش اپنی جہالت ، حماقت اور باطل عقائد پر جمے رہے۔ یہ قریش کی آخری کوشش تھی کہ کسی طرح رسول اللہؐ اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے باز آجائیں۔

اب قریش نے تحریک اسلامی کو طاقت کے زور سے کچلنے کے لئے تشدد اور ایذا رسانی کا راستہ اختیار کر لیا جو غریب اور غلام لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ ان پر بے پناہ اور انسانیت سوز ظلم و ستم کیا گیا۔ جو نوجوان مختلف قبائل قریش سے تعلق رکھتے تھے ان کو متعلقہ قبائل کے سرداروں اور ان کے رشتہ داروں کے ذریعے ہر ممکن طریقہ سے اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا مگر وہ اس میں بھی کامیاب نہ ہوئے ۔ مسلمانوں کے علاوہ قریش نے آنحضرتؐ کی ذات کے خلاف بھی ظلم و زیادتی کا آغاز کر دیا۔ جب آپ طواف کرتے یا بازار میں پھرتے جہاں کہیں مل جاتے قریش کے لوگ آپ کا مذاق اڑاتے ، تمسخر اور استہزاء کرتے ، راستہ میں کانٹے پھینک دیتے ۔ گھر کے باہر کوڑا کرکٹ اور غلاظت پھینک دیتے۔ ایک دفعہ بیت اللہ میں عقبیٰ بن ابی معیط نے حضورؐ کے گلے میں چادر ڈال کر اور گلا گھونٹ کر ختم کرنے کی کوشش کی مگر حضرت ابو بکرؓ وہاں پہنچ گئے اور بمشکل اس ظالم کے پنجہ سے چھڑایا۔ حضرت ابو بکرؓ رو رہے تھے اور کہتے تھے کہ او ظالمو! اس شریف انسان کو صرف اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ " میرا پروردگار وحدہ لاشریک ہے۔" ایک دفعہ اس بدبخت عتبیٰ بن ابی معیط نے کعبۃ اللہ میں حضورؐ نماز کی حالت میں سجدہ میں تھے تو حضورؐ کے اوپر اونٹ کی گوبر اور غلاظت سے بھری ہوئی اوجھڑی رکھ دی۔ الغرض قریش مکہ نے آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔

جناب ابو طالب کی وفات 620ء

جب حضورؐ کی عمر 34-35 سال کے قریب تھی تو جناب زبیر بن عبدالمطلب وفات پا گئے اور جناب ابو طالب قبیلہ بنو ہاشم کے سردار منتخب ہوئے۔ جب حضورؐ نے اعلان نبوت فرمایا اور قریش کی مخالفت دن بدن شدت اختیار کرتی گئی تو جناب ابو طالب بن عبدالمطلب نے حضورؐ کی پشت پناہی کی قبائلی عصبیت اور سردار قبیلہ کے علاوہ آپ حضورؐ کے حقیقی چچا تھے۔ اس لئے حضورؐ کے دفاع اور امداد و اعانت کے لئے ہر ممکن امداد کی۔ تین بار قریش مکہ کے وفود آنحضرتؐ کے خلاف انتقامی کاروائی کی اجازت حاصل کرنے یا حضورؐ کو اسلام کی دعوت و تبلیغ سے روکنے کے لئے جناب ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ آنحضرتؐ ان کے بتوں کی مذمت کرتے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتے ہیں اور ہمارے عقل مند سرداروں کو بیوقوف اور احمق قرار دیتے ہیں۔

آپ کو ایسی اشتعال انگیز باتوں سے منع کیا جائے۔ جناب ابو طالب ان کو تسلی دے کر اور مطمئن کر کے واپس کر دیتے مگر ان کا دباؤ بڑھتا گیا۔ آخر میں جناب ابو طالب نے آنحضرتؐ سے بھی کہا کہ "اے میرے بھتیجے! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال جو میں برداشت نہ کر سکوں کیونکہ تمام قوم قریش تمہاری وجہ سے میرے بھی مخالف ہو چکی ہے"۔ مگر آنحضرتؐ کے غیر متزلزل عزم و ثبات کی وجہ سے آپ کو تسلی دیتے کہ ذرا حکمت عملی و خاموشی کے ساتھ اپنا مشن جاری رکھو۔ عام روایات کے مطابق قریش نے آنحضرتؐ کی وجہ سے جناب ابو طالب اور ان کے پورے قبیلہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کو بمعہ بچوں اور عورتوں کے تین سال تک شعب ابی طالب کی تنگ گھاٹی میں مقید و محصور رکھا۔ بحر حال جناب ابی طالب نے حضورؐ کے لئے ہر ممکن امداد و اعانت فرمائی لیکن حضورؐ کے بے حد اصرار کے باوجود دعوت اسلام کو قبول نہ کیا اور آخر 10 نبوی میں شرک کی حالت میں ہی وفات پا گئے۔ جس سے آنحضرتؐ ایک ہمدرد، بزرگ کی امداد سے محروم ہو گئے۔

سیدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات 10 نبویؐ بمطابق 620ء

جناب ابو طالب کے انتقال کے چند روز بعد ہی سیدۃ خدیجۃ الکبریٰ کا وصال 10 نبوی بمطابق 620ء کو ہوا۔ وصال کے وقت ان کی عمر قریباً پچاس سال تھی۔ آنحضرتؐ کے ساتھ عقد کے وقت آنحضرتؐ کی عمر پچیس سال اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی عمر بھی قریباً اتنی ہی تھی۔ آنحضرتؐ نے آپ کو بمقام حجون میں دفن کیا۔ آنحضرتؐ کو اس حادثے کا سخت صدمہ ہوا اور آپ نے خود ان کی قبر کے اندر اتر کر انہیں سپرد خاک کیا۔ حضرت خدیجہ ایک نیک دل، وفادار اور مخلص رفیقہ حیات تھیں انہوں نے انتہائی صبر آزما حالات میں نا صرف حضورؐ کا ساتھ دیا بلکہ ہر ممکن جانی و مالی قربانی پیش کی۔ آپؐ کو خوف و ہراس اور مشکلات میں حوصلہ اور تسلی دی جب حضورؐ نے اپنی نبوت کا اظہار کیا تو سب سے پہلے آپؐ کی تصدیق کی اور ایمان لائیں۔ دس سال تک مشرکین مکہ نے حضورؐ پر جو ظلم و ستم کیا حضرت خدیجہ نے اس میں ہر ممکن امداد و اعانت کی۔ آپ کے صبر و تحمل عزم و استقلال اور اخلاق و روحانی اوصاف کو بیان کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور آخری کامیابی کا یقین دلاتی رہیں۔ حضورؐ کو گھریلو زندگی میں ہر قسم کا آرام و سکون مہیا کیا اور گھر کے معاملات کو خود سنبھال کر آنحضرتؐ کو نبوت و رسالت کی گراں بہا ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے آزادی و بے فکری کے ساتھ جدوجہد کرنے کے مواقع مہیا کئے۔ الغرض حضرت سیدہ خدیجہ حضورؐ کی ناصرف زوجہ محترمہ، رفیقہ حیات بلکہ فرائض نبوت کی ادائیگی میں بھی بہت بڑی معاون و مددگار تھی۔ آنحضرتؐ کو حضرت خدیجہؓ سے جو دلی تعلق تھا وہ اسے عمر بھر نہ بھول سکے۔ ہمیشہ ان کی تعریف کرتے اور عزت و احترام کے ساتھ یاد کرتے۔ حضرت خدیجہ کی وفات آنحضرتؐ کے لئے ایک صدمہ عظیم تھا۔

اسراء و معراج 621ء

معراج کا واقعہ ہجرت مدینہ سے ایک سال قبل 27 رمضان 12 نبوی بمطابق 621ء کو پیش آیا۔ اسراء آنحضرتؐ کی بیت المقدس تک تشریف بری اور معراج آسمانوں کے اوپر تشریف لے جانے کو کہا جاتا ہے۔ اسی شب آپؐ پر نمازیں فرض کی گئیں۔ اسراء اور معراج کے سلسلہ میں علماء و مورخین میں اختلاف ہے علماء کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ آنحضرتؐ کو جسمانی معراج کا شرف حاصل ہوا۔ یعنی آپ بیداری کی حالت میں براق پر سوار ہو کر حضرت جبرائیل کے ہمراہ جسمانی طور پر پہلے بیت المقدس میں تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے اسی طرح جسمانی طور پر آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور راز و نیاز کی باتیں ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو اپنی نشانیاں یعنی عجائبات قدرت کا بچشم خود ملاحظہ کرایا۔ معراج کا ذکر سورۃ نجم میں ہے۔ اس میں بیت المقدس کا ذکر نہیں اور سورۃ بنی اسرائیل میں جس سفر کا بیان ہے وہ اسراء ہے جس میں بیت المقدس تک سفر کا ذکر ہے مگر آسمانوں کا ذکر نہیں ہے۔ حدیث بخاری میں بھی معراج اور اسراء کے علیحدہ علیحدہ باب باندھے گئے ہیں اور ان کو دو مختلف واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ ابن ہشام اور ابن سعد نے بھی ان واقعات کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے لیکن بعض لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ یہ دونوں سفر آنحضرتؐ کے جسمانی اور مادی سفر تھے بعض ان کو روحانی سفر تسلیم کرتے ہیں کہ آپؐ نے خواب میں یہ سفر کئے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ کا معراج اور اسراء ایک روحانی سفر تھا نہ کہ جسمانی اور ظاہری جو بصورت رویا۔ یعنی خواب میں وقوع پذیر ہوا۔ حضرت معاویہ، حضرت حسن بصری اور حضرت حذیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ الغرض ان کے متعلق دو مختلف نقطہ نظر ہیں ایک یہ کہ معراج و اسراء ایک روحانی سفر روحانی سیر تھی جو ایک رات میں خواب میں وقوع پذیر ہوئی اور دوسرا نقطہ نظریہ ہے کہ یہ جسمانی اور ظاہری سفر تھا اور آنحضرتؐ نے اپنے مادی جسم کے ساتھ کیا۔ حضرت مالک حصہ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے ان سے شب معراج کا واقعہ اس طرح بیان کیا کہ میں حطیم (خانہ کعبہ) میں سویا ہوا تھا کہ میرے پاس جبرائیل آیا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ام ہانی بنت ابی طالب کا قول ہے کہ حضورؐ معراج کی رات ہمارے گھر میں تھے حضورؐ نے نماز عشاء ہمارے گھر میں ادا کی اور صبح فجر کی نماز بھی ہمارے ساتھ ادا کی یعنی آپ کا جسم مبارک ہمارے گھر میں موجود تھا اور معراج و اسراء ایک روحانی سفر تھا۔ یہ روایت مشکوک اور وضعی معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت خدیجہ سے شادی سے قبل آنحاضرتؐ نے اپنے چچا جناب ابو طالب سے ام ہانی کا رشتہ مانگا تھا اور انہوں نے جواب دے دیا اور اپنی بیٹی کا عقد ہبیرہ سے کر دیا۔ اب یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ حضورؐ اپنے گھر کی بجائے ام ہانی کے گھر رات کو سوئے ہوئے ہوں جبکہ ہبیرہ نے اسلام بھی قبول نہیں کیا تھا۔

حضورؐ نے خانہ کعبہ میں آکر اپنے سفر معراج کا ذکر کیا کہ میں نے رات معراج اور اسراء کی سعادت حاصل کی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر کرائی اور اپنی قدرت کاملہ کے نشانات دکھائے تو قریش مکہ

مذاق اور تمسخر اڑانے لگے جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کو یہ خبر ملی کہ یہ حضورؐ نے فرمایا ہے تو آپ بغیر ملاقات کیے فرمانے لگے یہ بالکل حق و سچ ہو گا۔ کیونکہ حضور ہمیشہ سچ کہتے ہیں چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے سب سے پہلے واقعہ معراج و اسراء کی تصدیق کی اور آنحضرتؐ نے ان کو صدیق کا خطاب دیا۔

سفر طائف شوال 10 نبویؐ بمطابق جنوری 620ء

طائف حجاز کا ایک مشہور شہر ہے جو مکہ سے جنوب مشرق کی طرف 65 میل کے فاصلے پر واقع ہے یہ پہاڑ پر واقع ہے اور صحت افزاء مقام ہے۔ سرداران مکہ و دیگر عرب قبائل کے سردار موسم گرما میں وہاں قیام کرتے تھے اس شہر کی زمین انتہائی زرخیز سر سبز و شاداب ہے۔ مویشیوں کے لئے عمدہ چراگاہیں اور پھلوں کے باغات خاص کر انگور، انار، آڑو وغیرہ کی اعلیٰ اقسام اور کثرت پیداوار کی وجہ سے مشہور ہیں۔ جس "پہاڑ پر شہر آباد ہے اس کا نام عزوان ہے اور یہ عزیٰ بت کی قدیم عبادت گاہ ہے۔ آنحضرتؐ 27 شوال 10 نبوی بمطابق جنوری 620ء لپنے متبنیٰ زید بن حارث کو ہمراہ لے کر طائف کی طرف روانہ ہوئے تاکہ قبیلہ ثقیف کے لوگوں کو دعوت اسلام دیں۔ طائف پہنچ کر آنحضرتؐ قبیلہ ثقیف کے سرداران کو ملے جو تین بھائی تھے۔ عبدیالیل، مسعود اور حبیب بن عمرو ان میں ایک کی زوجیت میں قریش کی شاخ بنی جمع کی ایک عورت تھی۔ انہیں اللہ کی جانب دعوت دی اور اشاعت اسلام کے لئے ان کی امداد طلب کی۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ اگر اللہ نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو میں کعبتہ اللہ کا غلاف ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ دوسرے نے کہا رسول بنا کر بھیجنے کے لئے کیا اللہ کو تمہارے سوا کوئی اور نہ ملا؟ تیسرے نے کہا واللہ میں تجھ سے گفتگو نہ کروں گا۔ اگر حقیقت میں تو اللہ کی طرف سے رسول ہے جیسا کہ تو کہتا ہے تو اس لحاظ سے بڑا خطرناک شخص ہے کہ تجھ سے بات کرنے اور تیرا جواب دینے میں خطرہ ہے اور اگر تو اللہ پر افترح کر رہا ہے تو بھی مجھے لازم ہے کہ تجھ سے بات نہ کروں۔ رسول اللہ ان کے پاس سے مایوس ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے فرمایا کہ جو کچھ میں نے تم کو بتایا ہے اسے راز میں رکھو کیونکہ حضور چاہتے تھے کہ کوئی ہنگامہ آرائی نہ ہو۔ ان تینوں نے گفتگو راز میں نہ رکھی بلکہ انہوں نے لپنے غلاموں اور اوباش لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکایا جنہوں نے آپ کو گالیاں دیں، آپ پر پتھر برسائے اور آپ کے خلاف شور و غوغا کیا اور لوگ بھی جمع ہو کر آپ پر حملہ آور ہوئے۔ اینٹیں پھینکیں اور آپ کے پیروں کو لہولہان کر دیا جب غنڈے آپ کو شہر سے باہر چھوڑ کر چلے گئے تو آپ کو قدرے اطمینان ہوا تو حضورؐ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی جو دعائے طائف کے نام سے مشہور ہے جو کہ حسب ذیل ہے۔

"یا اللہ! میں اپنی کمزوری، ضعف تدبیر اور لوگوں میں اپنی ذلت کی شکایت تجھی سے کرتا ہوں، اے رحم

کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والے! تو کمزوروں کو ترقی پر پہنچانے والا ہے اور تو میری پرورش کرنے والا ہے تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے۔؟ (کیا) ایسے شخص سے جو مجھ سے ترش رو ہو کر پیش آتا ہے یا ایسے دشمن کے جو میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے اگر مجھ پر تیرا غصہ نہیں تو میں کوئی پرواہ نہیں کرتا مگر تیری عافیت میرے لئے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے اس نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے اندھیرے دور ہوتے ہیں دنیا و آخرت کے معاملے سدھرتے ہیں۔ اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ پر تیری ناراضگی ہو۔ تیری ہی خوشنودی و رضا کی طلب ہے۔ نیکی کرنے یا برائی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔ تو راضی ہو جائے اور تیرے سوا کسی میں نا کوئی مصیبت دور کرنے کی قوت ہے اور نہ ہی نفع پہنچانے کی۔

جب آپ طائف کے باہر ایک باغ کی دیوار کے ساتھ بیٹھے تھے تو عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ جو اس باغ کے مالک تھے حضورؐ کے ساتھ ان بدکرداروں (لوگوں) کا سلوک دیکھ رہ تھے تو ان کے دل میں رحم اور انسانیت کا جذبہ پیدا ہوا۔ انہوں نے اپنے ایک نصرانی غلام عداس سے کہا کہ انگور کا ایک خوشہ لے کر تھالی میں رکھ اور اس شخص کے پاس لے جاتا کہ وہ اسے کھائے۔ عداس نے ویسا ہی کیا وہ خوشہ لے کر رسولؐ اللہ کے سامنے رکھ دیا اور پھر آپؐ سے کہا کہ کھائیے۔ جب رسول اللہ نے اس پر ہاتھ ڈالا تو فرمایا بسم اللہ۔ عداس آپؐ کی صورت دیکھنے لگا اور کہا کہ یہ تو ایسی بات ہے کہ یہاں کے لوگ نہیں کہا کرتے۔ حضورؐ نے پوچھا تو کہاں کا رہنے والا ہے اور تیرا دین کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا کیا تو یونس بن مطیع کی بستی کا رہنے والا ہے۔ عداس نے کہا آپ کو کیا خبر کہ یونس بن مطیع کون تھا۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا میرے بھائی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ سنتے ہی عداس نے جھک کر حضورؐ کے سر، ہاتھ اور پاؤں کو چوما۔ ربیع کے دونوں بیٹوں نے اپنے غلام سے کہا تجھے کیا ہو گیا ہے کہ اس شخص کا سر، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا ہے اس نے کہا اے میرے سردار! انہوں نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

آنحضرتؐ نے قریباً دس دن طائف میں قیام کیا اور پھر واپس مکہ کی طرف لوٹ آئے جب آپ مکہ کے باہر نخلہ کے مقام پر پہنچے تو آپؐ نے ایک شخص کے ہاتھ مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ "کیا تم مجھے اپنی پناہ میں لے سکتے ہو تاکہ میں اطمینان سے اپنی تبلیغ جاری رکھ سکوں۔" اس نے جواب دیا ہاں آپ مکہ آ جائیں میں آپ کو پناہ دیتا ہوں۔ قاصد نے جا کر آنحضرتؐ کو یہ جواب پہنچا دیا۔ ادھر مطعم اور اس کے بیٹوں اور بھتیجوں سب نے ہتھیار باندھ لئے اور مسجد حرام میں پہنچے۔ جب ابو جہل نے انہیں دیکھا تو پوچھا کس ارادے سے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے محمدؐ کو پناہ دی ہے۔ ابو جہل نے کہا جسے تم نے پناہ دی ہم نے بھی اسے پناہ دی۔ تب نبی اکرمؐ مکہ میں داخل ہوئے۔ طواف کعبہ کیا اور اپنے گھر گئے۔

رسول اللہؐ کی قبائل عرب کو دعوت اسلام

طائف سے مکہ واپس آکر حضورؐ نے اسلام کی دعوت و تبلیغ حسب سابق شروع کر دی۔ آپ ہر سال زمانہ حج میں باہر سے آنے والے حجاج کرام کے ڈیروں اور مقامات قیام پر جاتے اور ان کو دعوت توحید دیتے۔ مکہ کے نزدیک عکاز، مجنہ اور ذوالمجاز میں میلے لگتے۔ جس میں دور دراز مقامات سے لوگ شامل ہوتے۔ شعر و شاعری کی مجالس ہوتیں، خرید و فروخت کے بازار لگتے اور مختلف قسم کے عیش و تفریح کے پروگرام ہوتے۔ آنحضرتؐ ان میلوں میں جا کر دعوت و تبلیغ کرتے۔ عرب کا قاعدہ تھا کہ شوال کے مہینے میں ایک ماہ تک عکاز میں قیام کرتے تھے۔ پھر مجنہ بازار میں آتے وہاں بیس دن تک ٹھہرتے پھر بازار ذوالمجاز میں آتے اور وہاں بقیہ ایام حج میں مقیم رہتے۔ پس آنحضرتؐ ان قبائل کے پاس جاتے اور یہ تبلیغ کرتے کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کیا کرو کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ ادھر ابو لہب آپ کے پیچھے ہو لیتا اور کہتا جاتا کہ لوگو اس کی بات نہ سنو یہ ہدایت کرتا ہے کہ تم اپنے آبائی دین کو چھوڑ دو۔ آنحضرتؐ قبائل بنو عبس، بنو سلیم، بنو محارب، ففارہ میرہ، بنو نظر، عذرہ اور حضاربہ کے پاس آئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی وہ آپ سے بری طرح پیش آئے اور کہا کہ تمہارا کنبہ اور قبیلہ تمہیں زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں اسی لئے انہوں نے تمہارا اتباع نہیں کیا۔ مسیلمہ کذاب کا قبیلہ بنو حنیفہ اور ثقیف تمام عرب سے آپ کی مخالفت میں سب سے پیش پیش تھے۔ آنحضرتؐ ہر سال حج کے دنوں میں بیرون مکہ سے آنے والے قبائل پر اسلام پیش کرتے رہے۔ لیکن افسوس کہ کسی نے بھی نا آپؐ کا ساتھ دیا اور نا آپؐ کی دعوت پر ایمان لائے۔ وہ عموماً یہی کہتے کہ ہر شخص کی اپنی قوم اس کے حالات سے زیادہ باخبر ہوتی ہے۔ جب آپؐ کی قوم نے آپؐ کو مسترد کر دیا ہے تو ہم کیسے آپ کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ آپ ہماری کیا اصلاح کر سکتے ہیں۔ جبکہ آپ نے خود اپنی قوم میں فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے۔ یعنی قریش مکہ کا یہ پروپیگنڈا کہ آپ ایسے جادوگر ہیں کہ اپنے کلام سے تمام قوم میں انتشار پھیلا دیا ہے۔ باپ کو بیٹے سے بھائی کو بھائی سے، بیوی کو خاوند سے اور دیگر عزیز و اقارب اور قبیلوں کے اندر تفریق و انتشار پیدا کر دیا ہے۔ قوم کی یکجہتی و اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ قریش کے اسی زہریلے پروپیگنڈے کی وجہ سے قبائل عرب حضورؐ کی دعوت رشد و ہدایت پر کسی سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ حضرت زید بن حارث متبنیٰ رسول اللہ ان تبلیغی دوروں میں عموماً آپؐ کے ہمراہ ہوتے تھے۔

انصار مدینہ کے اسلام لانے کا آغاز

حضورؐ ہر سال زمانہ حج میں تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ 11 نبوی میں قبائل عرب سے مل کر ان پر اسلام کو پیش فرما رہے تھے۔ عقبہ کے مقام پر جو مکہ سے منیٰ کی طرف جانے والے راستے پر دائیں جانب واقع ہے تو وہاں آپ

کی ملاقات قبیلہ اوس و خزرج کی ایک جماعت سے ہوئی۔ یہ لوگ حج کے لئے آئے ہوئے تھے۔ آپؐ سے ملنے والے قبیلے خزرج کے لوگوں میں اسد بن زرارہ اور عوف بن معارث بھی تھے۔ ان دونوں کا تعلق بنو نجار سے تھا۔ رافع بن مالک، عامر، جابر بن عبداللہ، قطبہ بن عامر اور عقبہ بن عامر۔ آنحضرتؐ نے ان سب پر اسلام پیش فرمایا اور قرآنی آیات کی تلاوت فرمائی جس کا ان کے دلوں پر گہرا اثر ہوا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ مدینہ میں یہودی قبائل اوس و خزرج کے ساتھ رہتے تھے وہ اہل کتاب تھے اور اوس و خزرج مشرک و بت پرست تھے۔ جب ان میں باہم کوئی جھگڑا ہوتا تو یہودی کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں ان کے ظہور کا زمانہ قریب آ رہا ہے۔ ہم ان کا اتباع کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر تمہیں قوم عاد ارم کی طرح ہلاک کر ڈالیں گے۔ یہ لوگ ان قبائل کے سامنے آنے والے نبی کے اوصاف و نشانیاں بیان کیا کرتے تھے۔ جب مذکورہ چھ حضرات مدینہ واپس پہنچے تو انہوں نے اپنی قوم سے آنحضرتؐ کے ظہور کا واقعہ بیان کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ ان کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔ پھر اگلے سال حج کے زمانہ میں (12) انصاری حج کے لئے آئے یہ نبوت کا بارھواں سال 631ء تھا۔ ان حضرات نے آپؐ سے عقبہ میں مل کر آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ یہ بیعت بیعت النساء کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس بیعت کی تکمیل کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت معصب بن عمیر کو ان کے ہمراہ مدینہ روانہ فرما دیا تاکہ وہ انہیں قرآن پڑھائیں اور اسلام کی تعلیم دیں۔ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیر مدینہ میں قاری کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ آپ کے ہاتھ پر حضرت سعد بن معاذ اور اسد بن حفیر مشرف با اسلام ہوئے۔ حضرت سعد کے اسلام لانے کے بعد مدینہ میں اسلام پھیل گیا۔ کیونکہ حضرت سعد نے اپنے قبیلہ بنو عبدالاشہل کو ایک ہی دن میں دائرہ اسلام میں داخل کر لیا۔

مدینہ کے جو چھ لوگ 11 نبوی میں سب سے پہلے اسلام لائے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ یہ سب کے سب قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔

1۔ قبیلہ بنی النجار میں سے اسد بن زرارہ

2۔ عوف بن الحارث بن عفراء

3۔ رافع بن مالک

4۔ قتبہ بن عامر بن ہدیدہ قبیلہ بنی سلمہ

5۔ عتبہ بن عامہ قبیلہ بنی حرام بن کعب

6۔ جابر بن عبداللہ قبیلہ بنی عبیدہ عدی بن صلبہ

مدینہ کے بارہ خوش قسمت حضرات جو عقبہ اولیٰ کی بیعت میں شامل ہوئے۔

1۔ اسد بن زرارہ

2۔ عوف بن حارث

3۔ معاذ بن حارث ان دونوں کی والدہ کا نام عفرہ تھا۔

4۔ ذکوان بن قیس

5۔ رافع بن مالک

6۔ عبادہ بن الصامت

7۔ یزید بن ثعلبہ

8۔ عقبہ بن عامر بن نابی بنی سلمہ میں سے

9۔ کتبہ بن عامر بن ہدیدہ بنی حواد میں سے

10۔ عبائس بن عبادہ بن فضلہ

یہ دس آدمی قبیلہ خزرج کے تھے۔ قبیلہ اوس میں دو شخص تھے۔

11۔ ابو الہثیم بن التیہان قبیلہ بنی حلیف بنی عبدالاشہل

12۔ عویم بن سعدہ قبیلہ بنی عمرو بن عوف ہے۔

یہ لوگ اسلام لائے اور بیعت خواتین کی کہ " اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گے۔چوری، زنا اور قتل اولاد نہ کریں گے کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے، کسی نیک کام میں نافرمانی نہیں کریں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم ان احکام پر عمل کرو گے تو تمہارے لئے جنت ہو گی اگر نہ کرو گے تو معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہ جو چاہے کرے اس زمانے میں جہاد فرض نہیں کیا گیا تھا۔ آنحضرتؐ نے مصعب بن عمیر کو ان کی تعلیم و تربیت کے لئے ان کے ساتھ بھیج دیا وہ حضرت ابو عمامہ اسد بن زرارہ کے پاس ٹھہرے۔ حضرت مصعب اگلے سال ستر انصار کے ساتھ موسم حج میں رسول اللہ کے پاس مکہ پہنچے۔

بیعت عقبہ ثانی 13 نبوی

ماہ ذالحجہ 13 نبوی میں حج کے موقعہ پر قبیلہ اوس و خزرج کے کئی سو آدمی مکہ میں آئے۔ ان میں ستر آدمی (مرد) اور دو عورتیں ایسے تھے جو یا مسلمان ہو چکے تھے یا اب ہونا چاہتے تھے اور آنحضرتؐ سے ملاقات کے لئے مکہ آئے تھے۔ آنحضرتؐ نے اجتماعی طور پر خلوت میں انصار مدینہ کے ساتھ ملاقات کرنے کا پروگرام بنایا ان کو اطلاع کر دی کہ ذوالحجہ کی وسطی تاریخ کو کچھ رات گذر جانے کے بعد وہاں اسی عقبہ کی گھاٹی میں پہنچ جائیں اور دوسروں کو اس ملاقات کی خبر نہ ہو چنانچہ مقررہ وقت پر آنحضرتؐ جناب عباس کو اپنے ہمراہ لے کر عقبہ کی گھاٹی میں پہنچ گئے اور انصار بھی ایک ایک کر کے سب وہاں جمع ہو گئے یہ کل ستر مرد اور دو خواتین تھیں۔ خواتین کے نام حسب ذیل ہیں (۱) حضرت نسیبہ ام عمارہ، (۲) حضرت سعد بن معاذ کی والدہ۔ اور یہ اوس و خزرج دونوں قبیلوں سے تعلق

رکھتے تھے۔

سب سے پہلے جناب عباس نے گفتگو شروع کی اور کہا کہ "اے خزرج کے لوگو! محمد اپنے خاندان اور قبیلہ میں معزز ہیں اور ان کا خاندان آج تک ان کی حفاظت کرتا آرہا ہے اور ہر خطرہ کے وقت آپ کا ساتھ دیتا ہے۔ اب محمدؐ کا ارادہ اپنے وطن کو چھوڑ کر تمہارے پاس چلے جانے کا ہے۔ اگر تم ان کو اپنے پاس لے جانے کی خواہش رکھتے ہو تو تمہیں ان کی حفاظت کرنی ہو گی اور ہر دشمن کے سامنے سینہ سپر ہونا ہو گا۔ اگر تم اس کے لئے تیار ہو تو بہتر ورنہ ابھی سے صاف جواب دے دو۔ کیونکہ صاف بات اچھی ہوتی ہے۔" ابراء بن معرور جو قبیلہ انصار کے ایک معمر اور بزرگ بااثر شخصیت تھے کہا "اے عباس! ہم نے تمہاری بات سن لی۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ خود بھی اپنی زبان مبارک سے کچھ فرماویں کہ جو ذمہ داری ہم پر ڈالنا چاہتے ہیں وہ بیان فرماویں۔" اس کے بعد آنحضرتؐ نے قرآن کی چند آیات تلاوت فرمائیں اور پھر ایک مختصر تقریر میں اسلام کی تعلیم بیان کی۔ جب آپ تقریر ختم کر چکے تو ابراء بن معرور نے عرب کے دستور کے مطابق آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا "یا رسولؐ اللہ! ہمیں اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق و صداقت کے ساتھ نبی مبعوث فرمایا ہے۔ ہم اپنی جانوں کی طرح آپ کی حفاظت کریں گے۔ ہم لوگ تلواروں کے سایہ میں پلے ہیں۔" ابوالہیثم بن تیہان نے کہا "یا رسولؐ اللہ یثرب کے یہود کے ساتھ ہمارے دیرینہ تعلقات ہیں آپ کا ساتھ دینے سے منقطع ہو جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب اللہ آپ کو غلبہ دے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے وطن واپس آجائیں اور ہم نہ ادھر کے رہے نا ادھر کے۔" آپؐ نے فرمایا "نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ تمہارا خون میرا خون ہو گا۔ تمہارے دوست میرے دوست اور تمہارے دشمن میرے دشمن ہوں گے۔" اس پر سعد بن عبادہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "تم سمجھتے ہو کہ اس عہد و پیمان کے کیا معنی ہیں۔ اس کے بعد اب تمہیں ہر اسود و احمر کے مقابلے کے لئے تیار ہونا چاہئے اس بیعت کا مقصد عرب و عجم کے ساتھ اعلان جنگ ہے اور ہر قربانی کے لئے آمادہ رہنا چاہئے۔" لوگوں نے کہا "ہم جانتے ہیں مگر یا رسولؐ اللہ اس کے بعد ہمیں کیا ملے گا۔ آپ نے فرمایا تمہیں خدا کی جنت ملے گی جو اس کے سارے انعاموں میں سب سے بڑا انعام ہے۔" آپ نے اپنا دست مبارک آگے بڑھایا اور یہ ستر جانثاروں کی جماعت ایک معاہدہ کے تحت آپ کے ہاتھوں پر بک گئی۔ اس بیعت کا نام "بیعت عقبہ ثانیہ" ہے۔ جب بیعت ہو چکی تو آپؐ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ کی طرف سے ان کے نگران اور محافظ تھے۔ میں بھی تم میں بارہ نقیب مقرر کرنا چاہتا ہوں جو تمہارے نگران اور محافظ ہوں گے اور وہ میرے لئے حضرت عیسیٰ کے بارہ حواریوں کی طرح ہوں گے۔ اور میرے سامنے اپنی قوم کی طرف سے جوابدہ ہوں گے۔ پس تم مناسب لوگوں کے نام تجویز کر کے پیش کرو۔ چنانچہ مندرجہ ذیل بارہ آدمی تجویز کیے گئے جو آپ نے منظور کر لئے اور ان کو ایک ایک قبیلے کا نگران مقرر کر دیا گیا۔ جب نقیبوں کا تقرر ہو چکا تو تمام انصار جس طرح آئے تھے اسی طرح ایک ایک دو دو کر کے واپس اپنے ڈیرے پر چلے گئے۔

1۔ سعد بن عبادہ

2۔ اسعد بن زرارہ

3۔ سعد بن ربیع

4۔ سعد بن خیثمہ

5۔ منذر بن عمرو

6۔ عبداللہ بن رواحہ

7۔ براء بن معرور

8۔ ابو الہیثم بن تیہان

9۔ اسید بن حضیر

10۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام

11۔ عبادہ بن صامت

12۔ رافع بن مالک بن عجلان

قریش کو کچھ شبہ ہوا کہ انصار اور آنحضرتؐ کے درمیان کوئی خفیہ اجتماع ہوا ہے اور اس میں کچھ عہد و پیمان بھی ہوئے ہیں وہ اہل یثرب کے کیمپ میں آئے اور تصدیق کرنی چاہی مگر جو لوگ انصار میں سے ابھی مشرک تھے اور ان کو رات کے اس اجتماع کی کوئی خبر نہ تھی جن میں مدینے کا رئیس عبداللہ بن ابی بن سلول بھی شامل تھا۔ وہ سخت حیران تھے اور صاف انکار کرتے کہ قطعاً کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ مگر تھوڑی دیر بعد قریش کو تصدیق ہو گئی کہ واقعی آنحضرتؐ اور انصار کے درمیان کوئی عہد و پیمان ہوا۔ اس سے پیشتر تمام مسلمان انصار مدینہ روانہ ہو چکے تھے مگر حضرت سعد بن عبادہ پیچھے رہنے کی وجہ سے ان کے ہاتھ لگ گئے جن کو ان مشرکین نے زدو کوب کیا۔ مگر جبل بن مطعم اور حارث بن حرب کی دخل اندازی سے ان کی جان بچی۔

ہجرت مدینہ ربیع الاول 14 ستمبر 622

جب قریش نے دیکھا کہ رسولؐ اللہ کی حمایت میں مدینہ میں ایک جماعت تیار ہو گئی ہے اور مکہ کے مسلمان بھی، ہجرت کر کے ان کے ساتھ جا ملے ہیں تو ان کو یقین ہو گیا کہ اب حضورؐ کے ساتھ ایک طاقتور جماعت نے مدینہ کے محفوظ مقام کو اپنی قیام گاہ بنا لیا ہے اور انہیں خوف پیدا ہوا کہ آنحضرتؐ بھی وہاں پہنچ کر ہمارے خلاف جنگ کی تیاریاں کریں گے اور ہم پر حملہ آور ہوں گے۔ چنانچہ تمام سرداران قریش " دارالندوۃ " میں آپ کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں:۔

1۔ بنو امیہ سے:۔ عتبہ، شیبہ، فرزندان ربیعہ اور ابو سفیان بن حرب

2۔ بنو جمح سے:۔ امیہ بن خلف

3۔ بنو مخزوم سے:۔ ابو جہل بن ہشام

4۔ بنو نوفل سے:۔ طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم، حارث بن عامر

5۔ بنو اسد بن عبدالعزیٰ سے:۔ ابو البختری بن شہتام،
زمعہ بن اسود اور حکیم بن حزام

6۔ بنو عبدالدار سے:۔ نوفل بن حارث بن کلدہ

7۔ بنو سہیم سے:۔ نبیہ و منبہ فرزندان حجاج۔

چنانچہ کافی بحث و تمحیص کے بعد حضور سے نجات حاصل کرنے کے لئے مختلف تجاویز زیر غور آئیں ایک تجویز یہ تھی کہ آپ کو گرفتار کر کے کسی محفوظ مقام پر مقید کر دیا جائے اور وہاں ہی تاحیات رہیں اور آخر بھوک پیاس سے مر جائیں گے۔ دوسری تجویز کہ آپ کو وطن بدر کر دیا جائے یعنی مکہ سے باہر نکال دیا جائے اس تجویز کو بھی خطرناک قرار دے کر مسترد کر دیا گیا کیونکہ آپ جہاں بھی جائیں گے تو لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیں گے اور ایک نئی طاقتور جماعت تیار کر کے مکہ پر بھرپور حملہ کر کے ہمیں نیست و نابود کر دیں گے۔ آخر ابو جہل نے یہ تجویز پیش کی تمام قبائل قریش میں سے ایک ایک طاقتور نوجوان منتخب کیا جائے اور یہ تمام لوگ متفقہ طور پر جمع ہو کر ایک

نعوذ باللہ

ہی بار آپ پر حملہ کر دیں اور قتل کر دیں۔ اس سے ایک طرف محمدؐ سے نجات حاصل ہو جائے گی اور دوسری طرف بنو ہاشم کسی ایک قبیلہ سے مقابلہ نہیں کریں گے۔ انہیں تمام قبائل کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گا اور آخر میں بات چیت کے ذریعے دیت فیصلہ ہو گا اور ہم سب مل کر خون بہا ادا کر دیں گے اور اسطرح معاملہ ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا اور اس پر عمل درآمد کی تیاری شروع کر دی گئی۔ ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی لے کر حضورؐ پر حملہ کے لئے رات کا وقت مقرر کر لیا گیا تاکہ آپؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیا جائے اور صبح کے وقت جب حضورؐ نماز کے لئے مسجد حرام جانے کے لئے گھر سے نکلیں تو آپ کو قتل کر دیا جائے۔ ادھر آنحضرتؐ کو اللہ کی طرف سے مشرکین مکہ کی قتل کی سازش کی اطلاع ہو گئی اور اجازت مل گئی کہ آج رات مکہ سے باہر چلے جائیں اور مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے اہل و عیال کو جن میں دختران ام کلثومؓ و فاطمہؓ، خادمہ ام ایمن برکہؓ، زید بن حارثؓ، حضرت علیؓ اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت سو[redacted] بھی شامل تھیں گھر پر رہیں۔ آپؐ دوپہر کے وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر پر آ گئے اور ان کو اپنی ہجرت کے فیصلے سے آگاہ کیا اور ساتھ چلنے کے لئے تیاری کرنے کا حکم دیا۔ مکہ سے غار ثور کی طرف روانہ ہوئے جو مکہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آنحضرت اور حضرت ابو بکر صدیقؓ تین رات غار ثور میں قیام کرنے کے بعد چوتھی شب وہاں سے عازم مدینہ ہو گئے۔ آپؐ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور ان کا آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ آپ ایک اونٹنی پر حضورؐ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ سوار ہوئے اور دوسری پر عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط سوار ہوئے جسے معاوضہ پر راستے کی راہنمائی کے لئے ساتھ ملا لیا تھا۔ حضرت ابو بکر نے اپنی تمام پونجی جو تقریباً چھ ہزار درہم کے قریب تھی ساتھ لے لی۔

سراقہ بن مالک بن جعشم نے آپؐ کا تعاقب کیا کیونکہ قریش مکہ نے اعلان کیا تھا کہ جو محمدؐ اور ابو بکرؓ کو زندہ یا مردہ گرفتار کر کے لائے گا اسے سو اونٹ بطور انعام دیا جائے گا۔ اسی لئے سراقہ بن مالک بن جعشم سو اونٹ کے لالچ میں آپؐ کا پیچھا کر رہا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو محفوظ رکھا۔ راستہ میں آپؐ نے مکہ کی ایک عورت ام معبد کے ڈیرے پر آرام کیا۔ اس کی دبلی سی بکری سے دودھ دوہا سب نے مل کر پیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ام معبد نے اپنے خاوند کے آنے پر حضورؐ کی آمد کا اور بکری سے دودھ دوہنے کا واقعہ بیان کیا اور ایک دلکش انداز میں حضورؐ کا حلیہ بیان کیا جو درج ذیل ہے۔

" پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، نہ توند نکلی ہوئی، نہ چندریہ کے بال گرے ہوئے، زیبا صاحب جمال آنکھیں، سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں بھاری پن، بلند گردن، روشن مردمک سے سرگیں چشم، باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگھریالے بال، خاموش وقار کے ساتھ، گویا دل بستگی کیے ہوئے، دور سے دیکھنے میں دل فریب، قریب سے نہایت شیریں و کمال حسین، شیریں کلام واضح الفاظ، کلام کی و بیشی الفاظ سے معرا، تمام گفتگو موتیوں کی جیسی لڑی۔ میانہ قد کوتاہی سے حقیر نظر نہیں آتے، نہ طویل کہ آنکھیں اس سے نفرت کرتیں، نہال کی تازہ

شاخ، والا قدر، رفیق ایسے کہ ہر وقت لوگ اس کے گرد و پیش رہتے ہیں، جب وہ کچھ کہتا ہے تو چپ چاپ سنتے ہیں حکم دیتا ہے تو فوراً تعمیل کرتے ہیں۔"

الغرض حضورؐ کے چہرے اقدس، قد و قامت، خدو خال، چال ڈھال اور وجاہت کا جو عکس صدیوں کے پردوں سے چھن کر ہم تک پہنچتا ہے وہ بہرحال ایک ایسے انسان کا تصور دلاتا ہے جو ذہانت، شجاعت، صبر و استقامت، راستی و دیانت، عالی ظرفی، سخاوت، فرض شناسی، وقار و انکسار اور فصاحت و بلاغت جیسے اوصاف حمیدہ کا جامع تھا۔

ہجرت مدینہ کے وقت آنحضرتؐ کی دعا

حضرت عائشہؓ اور عمرو بن زبیر کی روایت ابن اسحٰق نے بیان کی ہے کہ "ہجرت سے کچھ پہلے آنحضرتؐ ان کے یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مکان پر یا تو صبح کے وقت منہ اندھیرے یا پھر رات گئے تشریف لایا کرتے تھے اور روز ہجرت بھی آپ تشریف لائے تو صبح صادق سے قبل کافی اندھیرا تھا۔ حضورؐ نے اسی دن ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ نے سفر ہجرت کے لئے دو اونٹ خرید رکھے تھے اور عبداللہ بن اریقد جو اسلام لانے سے قبل عبداللہ بن اریقط کے نام سے مشہور تھے۔ یہ قبیلہ بنی دئل بن بکر سے تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن اریقد کو بلا کر دونوں سواریاں مکہ سے باہر لے جانے کے لئے کہا اور اپنا سامان وغیرہ بھی ساتھ کر دیا اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ آپؐ کو لے کر اپنے مکان کے عقبی دروازے سے مکہ کے بیرونی حصے کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت آنحضرتؐ نے بارگاہ رب العزت میں یہ دعا کی۔

> "یا اللہ تو نے مجھے پیدا کیا ہے تیرے سوا میرے پاس دنیا کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں زمانے کے حادثات اور دن رات کی تکلیف سے نجات حاصل کرنے کے لئے تیرے حکم سے تیری راہ میں ہجرت کر رہا ہوں۔ تو اس سفر میں میرے ساتھ رہنا مجھے میرے اہل و عیال میں پہنچا دے، میرے رزق میں برکت دے، مجھے تجھ پر بھروسہ ہے مجھے اسی نیکی پر قائم رکھ جس پر تو نے مجھے پیدا کیا ہے میں صرف تجھ ہی کو چاہتا ہوں، تو بھی مجھے محبوب رکھ تو اپنے بندوں کو تکلیف نہیں دیتا۔ تو مظلوموں کا رب ہے، میرا رب بھی تو ہی ہے میں تیرے نور عظیم و کریم کی پناہ چاہتا ہوں جس سے زمین و آسمان روشن اور جس سے اندھیروں کا پردہ چاک ہوا ہے، میرے لئے جملہ امور زوال نعمت سے تیری پناہ چاہتا ہوں میں تیرے غضب سے ڈرتا ہوں اور حوادث عالم سے تیری پناہ چاہتا ہوں تاکہ میں انہیں برداشت کر سکوں، مجھ سے جو کچھ ہو سکا وہ بھی تیرے ہی کرم سے ہو سکا، جو زور و قوت کسی کو حاصل ہے وہ تیرے ہی کرم سے ہے۔"

آنحضرتؐ نے مکہ سے روانگی کے وقت شہر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "اے مکہ! تو مجھے دنیائے جہاں سے زیادہ عزیز ہے میں تجھے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا مگر تمہارے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے اس لئے مجبوراً جا رہا ہوں۔"

ہجرت مدینہ کی اہمیت

تاریخ عالم کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ہر داعی انقلاب کو ہجرت کرنا پڑی۔ خواہ یہ انقلاب انسانی و روحانی تھا جیسا کہ انبیاء کرام کی تاریخ سے ظاہر ہے خواہ یہ انقلاب سیاسی، معاشی، معاشرتی یا نظریاتی انقلاب تھا۔ چنانچہ اس قانون فطرت کے مطابق تاریخ عالم کے عدیم المثال انسانی انقلاب کے عظیم داعی انقلاب آنحضرتؐ کو بھی مکہ سے مدینہ ہجرت کرنی پڑی جو تاریخ اسلام کا عظیم ترین تاریخ ساز واقعہ ہے۔ اب اسلام کی انقلاب انگیز تحریک قریش مکہ کے ظلم و استبداد سے آزاد ہو کر مدینہ کی آزاد فضا میں پہنچ گئی۔ مکہ میں قریش کی مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت کی وجہ سے عرب قبائل اس تحریک میں شمولیت سے خوفزدہ تھے۔ اب وہ مدینہ آکر آنحضرتؐ کی تحریک اسلامی کے مقاصد اور اس کی تعلیم سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔

ہجرت مدینہ کا مقصد اس شہر کو تحریک اسلامی کا مستقل مرکز بنا کر یہاں مملکت اسلامیہ کا قیام عمل میں لانا تھا۔ اور وہاں ایک مثالی معاشرہ کی تعمیر کرنا تھا۔ اس تحریک کی نشوونما، ترقی وسعت اور ہر لحاظ سے ناقابل تسخیر بنانا تھا۔ چنانچہ ہجرت مدینہ کے آٹھ سال کے اندر اندر آنحضرتؐ کی بصیرت افروز اور ولولہ انگیز قیادت میں جزیرہ نمائے عرب کے دس لاکھ مربع میل رقبہ کو مملکت اسلامیہ میں شامل کر کے تمام لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کر لیا گیا۔ کفر و شرک ظلم، جہالت اور استحصالی قوتوں کی ذہنی، جسمانی اور سیاسی غلامی سے نجات دلا کر وہاں مساوات و اخوت، عدل، انصاف، محبت و رواداری، حریت و آزادی امن و سلامتی، انسان دوستی، سچائی و حق و صداقت اور تقویٰ و پرہیزگاری کے انسانی و آفاقی اصولوں پر ایک نئے حیات افروز معاشرہ کی بنیاد رکھی۔

قریش مکہ کی مخالفت کی وجوہات مندرجہ ذیل تھیں

1۔ اہل مکہ شروع دن سے ہی اسلامی تعلیمات کو اپنی مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت کے لئے پیغام موت تصور کرتے تھے انہیں یقین تھا کہ اسلام کا فلسفہ حیات ان کو نیست و نابود کر دے گا۔ اس لئے باوجودیکہ لوگ آنحضرتؐ کی صداقت، ایمان داری، صبر و تحمل اور اخلاق و کردار کے معترف تھے اور آپؐ کو امین کا خطاب بھی دے رکھا تھا۔ لیکن جب آپؐ نے اسلام کے فلسفہ حیات کی تبلیغ شروع کی تو وہ آپؐ اور آپ کے متبعین کے شدید مخالف ہو گئے۔ ظلم و ستم اور ایذاء رسانیوں کے بعد قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دین اسلام کو اپنے مذہب، معاشرے اور طریقہ حیات کے لئے کس قدر خطرناک اور تباہ کن تصور کرتے تھے۔ آنحضرتؐ اور

مسلمانوں کے خلاف قریش کی کشمکش اور جنگ و قتال صرف نظریہ حیات اور اختلاف عقیدہ کی جنگ تھی یہ تمام لوگ ایک ہی ملک ایک ہی شہر اور ایک ہی نسل و قبیلہ کے لوگ تھے۔ ان کے آپس میں انتہائی قریبی خونی رشتے تھے۔ قریبی عزیز برادریاں اور رشتہ داریاں تھیں ایک فریق انقلاب اسلامی اصلاح و تعمیر معاشرہ اور نظام نو کے لئے جو انسانیت کو جہالت اور توہم پرستی سے آزاد کرا کر ایک خالق حقیقی کے پرستار اور وحدت نسل انسانی کے اصول کے مطابق مساوات و اخوت عدل و انصاف اور حریت و آزادی کے لئے سرگرم عمل تھا اور جان و مال کی بے مثال قربانیاں دے رہا تھا۔ اور دوسرا فریق اپنے آباء و اجداد کے فرسودہ اور جہالت پر مبنی نظام زندگی کو قائم و دائم رکھنے کے لئے داعیان انقلاب کا جانی دشمن بنا ہوا تھا۔ الغرض یہ فریقین کے درمیان نظریاتی جنگ تھی۔ سیاسی اقتدار یا دولت کی جنگ نہ تھی۔ یہ حق و باطل کی جنگ تھی۔

قریش مکہ بانی اسلام کو امین و صدیق مانتے تھے اور آپؐ کی حکومت و بادشاہت کو بھی تسلیم کرنے کو تیار تھے بشرطیکہ آپؐ دین اسلام کی دعوت و تبلیغ بند کر دیں اور اپنے سابقہ مذہب پر لوٹ آئیں۔ مگر آپؐ نے ان کی پیشکش اور ہر قسم کے لالچ اور ظلم و ستم کے باوجود اپنے دین اور نظریہ حیات کو جو وہ اللہ کی طرف سے لائے تھے چھوڑنے کو تیار نہ تھے خواہ ان کے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیا جائے وہ دعوت حق کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور قریش اس دین اور نظام حیات کو اپنے مذہب اور نظام حیات کے لئے پیغام اجل متصور کرتے تھے۔ وہ بت پرستی اور اپنے آباء و اجداد کے طرز زندگی اور مسلک کو ہرگز چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ تو گویا یہ "دو متضاد نظریہ ہائے حیات اور فلسفہ زندگی کے درمیان جنگ تھی۔" جس میں کوئی فریق بھی اپنے مؤقف سے دستبردار ہونے اور دوسرے کا دین و عقیدہ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا اور اب دونوں متحارب فریقوں کے درمیان کھلی جنگ تھی

2۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان

اہل مکہ کو نہ صرف مکہ کے اندر مسلمانوں کا وجود ناقابل برداشت تھا بلکہ وہ باہر بھی کسی جگہ مسلمانوں کو اپنے مذہب اور عقیدہ کی آزادی کے ساتھ امن اور سکون سے رہنا گوارہ نہ تھا۔ اگر ▪ حبشہ ہجرت کر کے گئے تو وہ ان کے پیچھے حبشہ میں انہیں واپس لا کر ظلم و ستم کا نشانہ بنانے کے لئے حبشہ گئے۔ اور اب اگر وہ مدینہ گئے تو وہاں کے ایک سردار عبداللہ بن ابی سلول کو دھمکی آمیز خط لکھا کہ "مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم مدینہ پر حملہ کر کے تم لوگوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیں گے۔"

مدینہ میں مملکت مدینہ جو آنحضرتؐ کی سربراہی میں قائم ہو چکی تھی اور پریشانی کا باعث ہوئی۔ کیونکہ ▪ جس نظریہ و فلسفہ حیات سے خائف تھے وہ عملی طور پر نظام خداوندی کی شکل میں ایک آزاد مملکت کی صورت میں آ چکا تھا۔ ان کے باشعور افراد پہلے ہی کہا کرتے تھے کہ اگر مسلمانوں نے کسی جگہ جڑ پکڑ لی تو ہم سے زیادہ طاقتور ہو

جائیں گے اور پھر ہم پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔

3۔ اسلاف پرستی

قریش مکہ دین اسلام کی مخالفت اس وجہ سے بھی کرتے تھے کہ یہ دین ہمارے آباء و اجداد کے مسلک کے خلاف ہے ▪ اصنام پرست تھے یہ توحید کی تعلیم دیتا ہے۔ لہذا ہم اپنے اسلاف کے بت پرستی کے مذہب کو ترک کرنے کو تیار نہیں۔ اسلاف پرستی اور شخصیت پرستی نے ہمیشہ انسان کی فکر و تدبر کی صلاحیتوں کو جمود و تعطل کا شکار بنائے رکھا اور علم و حکمت کی شاہراہوں پر گامزن ہونے سے روکا۔ یہ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید نے نہ صرف انسان کو تعمیر و ترقی اور ارتقاء کے مدارج طے کرنے سے باز رکھا بلکہ انسان کو تسخیر کائنات اور فلسفہ و سائنس کے علوم ، اسرار و رموز فطرت اور کائنات کے نظام قدرت پر عبور حاصل کرنے سے منع کیا حالانکہ قرآن حکیم علم ▪ بصیرت دیتا ہے مگر نہ صرف قریش مکہ بلکہ مذہبی پیشواؤں کے نزدیک بھی آنکھیں بند کر کے اسلاف کے نقوش قدم پر چلتے جانا ہی مسلک حق و صداقت تھا۔" اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو ہدایت نازل کی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں نہیں۔ ہم تو اسی طریقہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے اسلاف کو چلتے دیکھا ہے۔" قرآن) 2/170)

" اور جب ان سے کہا جاتا ہے (عقل و دانش) کی اس بات کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے نیز اللہ کے رسول کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں ہمارے لئے تو وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے دیکھا ہے۔" (5/104 قرآن)

اپنے اسلاف اور آباؤ اجداد کے اندھے مقلد اس بات کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے کہ اس پر غور کریں کہ یہ توحید کا راستہ فلاح و سعادت کی جنت کا راستہ ہے یا ہلاکت و بربادی کے جہنم کی طرف لے جاتا ہے ان مقلدین کا آخری جواب یہ ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف تعلیم خداوندی کو ہم سے بہتر سمجھتے تھے اس لئے خدا کا حکم اسی طرح ہو گا جس کے مطابق ہم آنکھیں بند کر کے عمل کر رہے ہیں۔

4۔ مکی معاشرہ باقی دنیا کے اکثر ممالک کی طرح طبقات میں بٹا ہوا تھا اور قبائلی تعصب بہت گہرا تھا۔ غلام کا مقام اس معاشرہ میں جانوروں کا سا تھا اور وہ انسانی مقام کی توقع اور آرزو تک نہیں کر سکتے تھے۔ الغرض قریش مکہ کے معاشرہ کی بنیاد نسل و قبیلہ کے امتیازات اور طبقاتی تقسیم پر استوار تھی۔ جس پر غلاموں اور پسماندہ طبقوں کے لئے کوئی انسانیت کا مقام نہیں تھا۔ دوسری طرف اسلام کی بنیادی تعلیم مساوات میں داخل ہونے سے نسل و قبیلہ کے تمام تفاخر ذات پات کے امتیازات ، رنگ و زبان ، وطن و قومیت کے تمام تصورات خود بخود ختم ہو جاتے تھے ۔ وحدت نسل انسانی ، عالمگیر انسانی برادری ، مساوات و اخوت ، احترام آدمی اور شرف انسانیت پر یقین دین اسلام کی

بنیادی، تعلیم تھی۔ فضیلت اور عزت و احترام کا دار و مدار نسل و قبیلہ، دولت و حکومت، مکہ کی قیادت اور کعبہ کی تولیت پر نہیں بلکہ اعمال صالح سیرت و کردار اور کارہائے نمایاں پر تھا مگر قریش مکہ اس قسم کی تعلیم کی جس کی بنیاد مساوات و اخوت، عدل و انصاف، حریت و آزادی اور محبت و رواداری پر ہو اور آقا و غلام کا کوئی امتیاز نہ ہو، غیر طبقاتی معاشرہ جس میں سب برابر ہوں اور فضیلت صرف اعمال صالح کی بناء پر ہو۔ کبھی قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ یہ دونوں نظام ہائے زندگی کے درمیان بنیادی فرق اور بعد المشرقین تھا جو اس قدر دشمنی اور مخالفت کا سبب تھا۔

5۔ قریش پرلے درجے کے بت پرست تھے اور بتوں کی محبت اور عزت و عقیدت ان کے دلوں میں اس قدر جڑ پکڑ چکی تھی کہ وہ اپنے ان خود ساختہ معبودوں کے خلاف ایک لفظ سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے ادھر اسلام کا تو بنیادی اصول ہی توحید باری تعالیٰ تھا اور حکم تھا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی عبادت شرک ہے۔ اور شرک ناقابل معافی گناہ عظیم ہے۔ قریش نے مرکز توحید خانہ کعبہ کو بھی سینکڑوں بتوں کا مسکن بنا رکھا تھا۔

مکہ کی عزت کعبہ کی وجہ سے تھی۔ قریش چونکہ مکہ کے رہنے والے تھے اور خانہ کعبہ کے متولی تھے اس لئے ان کو تمام عرب کی مذہبی سیادت حاصل تھی۔ حرم کعبہ جو دنیا بھر میں مرکز توحید تھا اب بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز بن چکا تھا۔ خود خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے اور ہر قبیلہ کا اپنا اپنا علیحدہ بت بھی تھا۔ ہبل ان کا سب سے بڑا بت تھا اور ان کے نزدیک خیر و شر کا مالک تھا۔ لہذا بت پرستی اور کعبہ کی تولیت و مجاوری کی وجہ سے قریش مکہ کو تمام عرب میں عظمت و اقتدار اور عزت و احترام حاصل تھا اور اس کے علاوہ ان کو اس منصب کی وجہ سے معاشی مفاد اور تجارتی مراعات بھی حاصل تھیں۔ اسلام کی تعلیم کا بنیادی مقصد ہی بت پرستی کی مذمت اور بتوں کا خاتمہ تھا۔ اس لئے قریش کے لئے اپنے ان خداؤں، معبودوں یعنی بتوں کی برائی اور مذمت ناقابل برداشت تھی اس لئے قریش مکہ حضورؐ کے شدید مخالف ہو گئے۔ کیونکہ بت پرستی کے خاتمہ اور توحید الٰہی پر ایمان سے قریش کی عظمت و اقتدار، تجارتی مفاد اور عالمگیر اثر کا خاتمہ تھا۔

6۔ اہل مکہ کی نظر میں مدینہ کی ہجرت اور وہاں حضورؐ کا خود تشریف لے جا کر میثاق مدینہ کے مطابق ایک نئی اور منظم مملکت کا قیام جس کی سربراہی اور تمام اختیارات آپؐ کے ہاتھ میں تھے کسی صورت بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی تھی اور اس کی طاقت و قوت اور استحکام میں ان کو اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ مدینہ جزیرہ نمائے عرب کی ایک اہم بستی تھی۔ درمیان میں کوئی سمندر بھی نہ تھا۔ مکہ سے فاصلہ بھی زیادہ نہ تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا محل وقوع شام کی تجارتی شاہراہ سے خطرناک حد تک قرب واقع تھا اور مسلمانوں کے مدینہ میں طاقت حاصل کرنے سے ان کی تجارت شام شدید خطرہ میں پڑ سکتی تھی جو ان کی شہ رگ تھی اور انہوں نے مدینہ میں اسلام پھیلنے کے نتائج کو اپنے لئے پیغام موت سمجھ لیا تھا کیونکہ انہوں نے تیرہ سال تک مکہ میں مسلمانوں اور حضورؐ پر جو مظالم ڈھائے تھے اور جس مجبوری کے تحت وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ گئے تھے۔ سب حالات اور ان کے انتقامی رد عمل کو قریش بھی

اچھی طرح جانتے تھے اور ان کو اپنی تجارت، سیادت اور اقتدار بھی شدید خطرے میں نظر آرہا تھا۔

7۔ قریش کا مذہب اعلیٰ طبقوں کے افراد کی تفریح اور خوش حال زندگی کا ذریعہ تھا۔ وہ اپنے مذہب کو چنداں اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اور اپنے عیش و عشرت یعنی لوٹ مار قمار بازی، زناکاری، شراب خوری اور عشق و محبت سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے اور مذہبی پابندیوں کو قبول کرنے کے قائل نہ تھے۔ مگر اسلام قبول کرنے کے بعد ہر قسم کی معاشرتی برائیوں اور عیش و عشرت سے اجتناب لازمی شرط تھی۔ اب سادہ اور پاکیزہ زندگی گزارنی پڑتی تھی۔ اب صرف عدل و انصاف کے اصولوں کے مطابق حق و صداقت کا ساتھ دینا فرض ہوتا تھا۔ اسلام میں ہر فرد ایک دوسرے کے برابر اور مساوی ہوتا اور ایک دوسرے کا بھائی ہوتا تھا۔ اب عرب و عجم، سیاہ و سفید، آقا و غلام، امیر و غریب کا سب فرق مٹ جاتا تھا اور نیکی اور تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی گزارنا ہوتی تھی جو قریش مکہ کے لئے ناقابل برداشت اور ناقابل قبول تھی اور ایسے نظام حیات کو دنیا سے مٹا دینے کے لئے ہر ممکن جدوجہد کر رہے تھے۔ وہ عیش و عشرت اور فسق و فجور کی زندگی چھوڑ کر سادہ اور پاکیزہ زندگی اختیار کرنے پر تیار نہ تھے۔ وہ اسلام کے پیدا کردہ مساوات و اخوت عدل و انصاف حریت و آزادی اور محبت و رواداری پر استوار معاشرہ کو اپنے مفاد کے سراسر خلاف تصور کرتے تھے۔ لہٰذا وہ اس دین کو نہ صرف مکہ بلکہ کسی دوسری جگہ بھی کامیاب و کامران ہوتے گوارا کرنے کو تیار نہ تھے۔

8۔ اہل مکہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر انصار نے آپؐ کو یقین دلا دیا تھا کہ آپؐ مدینہ تشریف لے چلیں تو "ہم آپؐ کی پوری مدد کرینگے اور اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہیں۔" اور جب اہل مدینہ نے بیعت کی تو حضرت اسعد بن زرارہ نے ان کو مخاطب کر کے اس بیعت کی اہمیت کے متعلق واضح کر دیا تھا کہ "تم جانتے ہو کہ تم کس بات پر بیعت کر رہے ہیں۔" یہ بیعت عرب و عجم کے ساتھ جنگ کی بیعت ہے۔ یہ انسانیت کے لئے جنگ کی بیعت ہے۔"

اس لئے مدینہ میں مملکت کے قیام اور آپؐ کی طاقت میں اضافہ سے اہل مکہ کو اپنے معاشی، معاشرتی اور مذہبی نظام کی موت نظر آرہی تھی۔ اب یقین ہو گیا تھا کہ مدینہ میں نہ صرف تمام مہاجرین جمع ہو چکے ہیں اور انصار کے ساتھ مواخات کی وجہ سے ان کی مشکلات بھی حل ہو چکی ہیں۔ بلکہ یہ بھی یقین آچکا تھا کہ انصار مدینہ کی بھی پوری قوت آپؐ کے ساتھ ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہو چکی ہے۔

9۔ کفار مکہ نے اپنی انتہائی کوشش کی تھی کہ آنحضرتؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ نہ جا سکیں بلکہ آپؐ کو مکہ میں ہی قتل کر دیا جائے۔ آپؐ کو جب اس سازش کا علم ہوا تو آپؐ حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر اور غیر معروف اور مشکل راستوں سے سفر کرتے ہوئے مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ قریش کو اپنی ناکامی پر شدید غم و غصہ ہوا اور انہوں نے اپنی سازش کی ناکامی کو اپنی ذلت اور بدنامی تصور کر لیا اور جب مدینہ پہنچ کر آنحضرتؐ نے وہاں میثاق مدینہ کے ذریعے مہاجرین اور انصار اور یہود و مشرکین مدینہ سب کے درمیان ایک تحریری دستور اور آئین منظور کرا

کر اور مملکت مدینہ کا قیام عمل میں لا کر خود اس کے سربراہ منتخب ہو گئے اور مملکت مدینہ کی حدود متعین ہو گئیں۔ مدینہ اور بحر احمر کے درمیان قبائل بنو ضمرہ بنو مدلج اور بنو جہینہ کے ساتھ معاہدات امن و دوستی اور باہمی امداد طے ہو گئے ۔ تو قریش کی آتش حسد و انتقام اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور انہوں نے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا تہیہ کر لیا۔ مدینہ کے رئیس کو دھمکی آمیز خط تحریر کر کے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے۔

10۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں مکہ میں عزت و وقار اور فضیلت کا معیار دولت ، اولاد اور قبیلے کی طاقت پر تھا۔ اس وقت جناب عبدالمطلب کی وفات کے بعد قبیلہ بنو ہاشم بہت کمزور ہو چکا تھا۔ بنو امیہ اور بنو مخزوم اپنی تجارت ، قبیلے کی طاقت اور دولت کی وجہ سے سب سے زیادہ اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ ابو جہل (عمر و بن ہشام) آنحضرتؐ کا نوجوانی کے زمانے ہی سے حسد کی وجہ سے ذاتی مخالف تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اگرچہ وہ ایک تاجر اور سردار قبیلہ کا بیٹا تھا اور اس کا قبیلہ بھی باوقار تھا مگر ابو جہل ابتداء سے ہی بدمزاج ، متکبر اور مغرور تھا اس لئے عام لوگ اس سے نفرت کرتے تھے اور دل سے کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ مگر آنحضرتؐ جو اس کے ہم عمر تھے اگرچہ پیدائش ہی سے یتیم تھے۔ اور کوئی بہن بھائی بھی نہ تھا اور نہ ہی مال و دولت تھی مگر حضورؐ کی سیرت و کردار اور بلند اخلاق کی وجہ سے تمام لوگ آپؐ کی دل سے عزت و احترام کرتے تھے اور امین و صدیق کے لقب سے پکارتے تھے۔ لہذا آپ کی ہردلعزیزی اور عوام میں اثر و رسوخ کی وجہ سے ابو جہل اور اس کے ہم مشرب حسد کی بناء پر آپ کے مخالف تھے جب قدرت کی طرف سے آپ کو حجر اسود اپنی جگہ نصب کرنے کا شرف حاصل ہوا تو ابو جہل مزید حسد کی آگ میں جلنے لگا جب حضورؐ نے مکہ کی ایک متمول اعلیٰ حسب و نسب اور خوبرو خاتون حضرت خدیجتہ الکبریٰؓ سے شادی کر لی تو ابو جہل آتش حسد سے جل کر حضورؐ کا شدید مخالف ہو گیا اور آخر میں جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو نبوت و رسالت کی سعادت اور منصب عظیم سے سرفراز فرمایا تو ابو جہل اور ان کے ساتھیوں کے لئے حضورؐ کی یہ عظمت و شان برداشت نہ ہو سکی اور وہ آپؐ کا اور آپؐ کے دین کا شدید ترین دشمن ہو گیا۔ مکہ میں آنحضرتؐ اور مسلمانوں پر بے پناہ ظلم و ستم کئے اور آخر قتل تک کا منصوبہ بنا لیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو صحیح و سلامت مدینہ پہنچا کر وہاں مملکت مدینہ کا منتخب صدر بنا کر دن بدن آپؐ کی قوت و طاقت میں اضافہ ہوتا گیا تو ابو جہل حضورؐ کو ختم کرنے کے لئے اپنی پوری قوت اور لاؤ لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے میدان بدر میں آپہنچا۔ عین میدان جنگ میں حکیم بن حزام اور عتبہ بن ربیع کے مصالحانہ رویے کی شدید مخالفت کرتے ہوئے جنگ کا آغاز کر دیا اور آخر اسی آتش حسد میں جل کر ذلت آمیز طریقہ سے قتل ہوا اور اس کا انجام ہر صاحب فکر و نظر کے لئے باعث عبرت ہے۔ الغرض قریش کی طرف سے آنحضرتؐ اور مسلمانوں کی شدید مخالفت کی۔ ایک وجہ ابو جہل اور اس کے ہم مشرب حاسدین رسول اللہؐ کا ذاتی حسد دشمنی اور انتقام کا جذبہ بھی تھا۔

11۔ قریش میں جن لوگوں نے اسلام کی زیادہ مخالفت کی اور اس تحریک میں وہ دوسروں کے لیڈر سمجھے جاتے تھے ۔ دو قسم کے تھے ایک گروہ وہ جو قریش کے سردار تھے ۔ مگر مخالفت میں شرافت اور انسانیت کا بھی کچھ خیال رکھتے تھے۔ ان میں مطعم بن عدی ، ابو البختری ، زبیر بن ابو امیہ ، عتبہ بن ربیعہ ، شیعبہ بن ربیعہ ، ولید بن مغیرہ ، عاص بن وائل سہمی ابو سفیان اور حکیم بن حزام وغیرہ تھے ۔ دوسری قسم میں وہ گروہ شامل تھا جن میں شرافت و انسانیت کا نام ، نشان نہ تھا۔ اور آنحضرتؐ کی مخالفت میں اندھے ہو رہے تھے اور چاہتے تھے کہ ہر جائز ، ناجائز طریقہ سے اسلام اور بانی اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں اور مسلمانوں کو پاؤں تلے کچل دیں اور قریش میں آنحضرتؐ کی مخالفت میں انہیں لوگوں کا زور تھا اور کثرت تھی۔ خاص طور پر سربراہ لوگ یہ تھے۔

1۔ ابو جہل بن ہشام
2۔ ابو لہب بن عبدالمطلب
3۔ اسود بن عبد یغوث
4۔ حارث بن قیس جس کی ماں کا نام غیطلہ تھا۔
5۔ امیہ بن خلف
6۔ ابی فرزندان حلف
7۔ ابو قیس بن الفاکہ بن المقیرہ
8۔ نضر بن الحارث
9۔ منجہ بن الحاج
10۔ سائب بن صیفی بن عابد
11۔ اسود بن عبد الاسد
12۔ عاص بن ہاشم
13۔ عاص بن سعید بن العاص
14۔ عقبیٰ بن ابی معیط
15۔ ابن الاصدی ۔الہذبی جس کو اروئ (بنت عبدالمطلب) نے نکال دیا تھا۔
16۔ حکم بن ابی العاص
17۔ عدی بن الحمراء

(طبقات ابن سعد ۔ حصہ اول ص 269)

مذکورہ بالا لوگ شرارت اور عداوت میں سرگرم حصہ لیتے تھے مگر ان سب کا انجام انتہائی عبرتناک ہوا۔

12۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب بھی کوئی نبی اور رسولؐ اپنی قوم کی طرف رشد وہدایت کا پیغام لے کر آیا اس کی قوم نے خاص طور پر بڑے لوگوں سرمایہ داروں حکمرانوں اور مذہبی پیشواؤں نے ان کی شدید مخالفت کی اگرچہ غرباء و محنت کش لوگوں نے عموماً پیغام حق کو قبول کیا۔ ساتھ دیا اور قربانیاں دیں اور یہ بھی اصول قدرت ہے کہ نبی اور پیغمبر آتا ہی اس وقت ہے کہ جب قوم اپنی بداعمالیوں اور فسق و فجور اور ظلم و سرکشی کی وجہ سے فتنہ و فساد پیدا کر چکی ہو۔ چنانچہ آنحضرتؐ بھی قریش میں اس وقت مبعوث ہوئے جب ان کی بت پرستی، شرک اور ظلم و سرکشی اور بداعمالیاں، انتہاء کو پہنچ چکی تھیں۔ لہٰذا ان کی طرف سے آنحضرتؐ کی شدید مخالفت اور ظلم و ستم ایک فطری رد عمل تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء کرام اور ان کے متبعین کے ساتھ ایسا ہی ہو چکا تھا۔

13۔ مترفین کا گروہ وہ لوگ جو غریب، مزدور محنت کش اور دستکار کی خون و پسینہ کی کمائی پر عیش و عشرت اور آرام و سکون اور عزت و وقار کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ خواہ وہ حکمران ہوں، سرمایہ دار، صنعت کار اور جاگیردار ہوں یا مذہبی پیشوا ہوں یہ تمام استحصالی طبقے آنحضرتؐ کی اس انسانی انقلاب کی حیات بخش تحریک میں سب سے زیادہ مخالفت کرتے تھے۔ کیونکہ اس تحریک کی کامیابی یعنی اسلامی نظام زندگی قائم ہونے سے ان کے مفاد متاثر ہوتے تھے۔ ان کو بھی رزق حلال کمانے کے لئے جس کی اسلام تاکید کرتا تھا محنت کرنی پڑتی تھی اور ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ اقتدار اور دولت سے محروم ہو جانے کا خطرہ تھا۔ لہٰذا مکہ کے قریش جن کو خانہ کعبہ کی مجاوری کی وجہ سے تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی اور یہود و نصاریٰ کے احبار و راہبان یعنی علماء و مشائخ اور سرداران قبائل، قریش کے تاجر اور یہودی سرمایہ دار مدینہ کے ہوں یا خیبر کے سب متحدہ محاذ بنا کر اسلام کے خلاف میدان عمل میں آچکے تھے۔

14۔ مشرکین مکہ اور عرب قبائل کے علاوہ جو بت پرست تھے۔ حضورؐ کے مخالفین میں ایک گروہ اہل کتاب کا بھی تھا یعنی یہود و نصاریٰ اگرچہ ان کی مذہبی کتابوں میں جن کو وہ آسمانی اور الہامی کتب تورات، انجیل، زبور اور دیگر صحیفائے انبیاء تسلیم کرتے تھے صاف اور واضح طور پر ایک آنے والے نبی کی بشارت موجود تھی اور وہ اس موعودہ رسول کا بڑی شدت سے انتظار بھی کر رہے تھے اور نبی اکرمؐ میں اس آنے والے نبی کی تمام علامات موجود تھیں اس لئے دل سے آنحضرتؐ کو پہچانتے بھی تھے۔ مگر پھر بھی اپنے ذاتی مفاد، اور انا کا سوال بنا کر آپؐ کی نبوت و رسالت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے رہے۔ ان کے مذہبی پیشوا جو ہر مذہب کے محافظ اور اجارہ دار ہوتے ہیں۔ ان کا بنیادی اعتراض یہ تھا کہ نبوت بنی اسرائیل کے لئے مخصوص ہے اور یہ بنی اسماعیل میں سے ہیں۔ اسی لئے ہم ان کے اس دعوے نبوت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اسی نسلی عصبیت کے علاوہ ان کے سامنے اپنی مذہبی سیادت کا مسئلہ بھی تھا کیونکہ قرآن مذہبی پیشوائیت کو ختم کرنے کے لئے آیا تھا جس کو یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان یعنی علماء

مشائخ نے اپنا خدائی استحقاق مختص کر رکھا تھا اور جس کے ذریعے وہ اپنی قوم کے ذہن و قلب پر حکومت کرتے تھے اور مذہب کے اجارہ دار تھے لہذا وہ اپنے خدائی حقوق کے تحفظ کے لئے اسلام کی تعلیم اور آنحضرتؐ کو اللہ کا سچا اور برحق نبی تسلیم کرنا اپنی مذہبی سیادت اور مفاد پرستی کے لئے پیغام اجل تصور کرتے تھے اور اس طرح یہود و نصاریٰ نے بھی مشرکین قریش کے ساتھ متحدہ محاذ بنا کر اس دین کی تبلیغ و اشاعت اور ترقی و استحکام کے خلاف ہر محاذ پر زبردست مقابلہ کیا مگر آخر اللہ کا دین تمام دینوں اور مسلکوں پر غالب آگیا اور آخر حق و صداقت کو کامیابی اور شرک و کفر اور باطل قوتوں کو شکست فاش ہوئی۔

15۔ قریش کو عیسائیوں سے شدید نفرت تھی کیونکہ ابراہہ الاشرم حاکم یمن جس نے خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے لئے ایک زبردست فوج اور ہاتھیوں کے ساتھ مکہ پر حملہ کیا تھا۔ عیسائی تھا اس لئے قریش عیسائیت کے شدید مخالف ہو گئے تھے۔ چونکہ عیسائیت بھی بت پرستی کے خلاف تھی اس لئے قریش نے خیال کیا کہ اسلام اور نصرانیت میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ بت پرستی کی مخالفت کے علاوہ دونوں مذاہب کا اس وقت قبلہ بھی بیت المقدس تھا اور مسلمان حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم کی بھی عزت و توقیر کرتے تھے۔ اس لئے قریش کو یقین ہو گیا تھا کہ حضرت محمدؐ بھی عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ روم اور ایران کی جنگ میں بھی قریش کی ہمدردیاں عیسائی روما کے خلاف مجوسی ایران کے ساتھ تھیں۔

16۔ قبائلی اور خاندانی رقابت :۔ قریش میں تین خاندان ممتاز، باوقار اور ایک دوسرے کے حریف تھے اور ایک دوسرے کی عظمت و ترقی کو ازروئے حسد اور مخالفت برداشت نہیں کرتے تھے۔ ان میں بنو ہاشم، بنو امیہ اور بنو مخزوم شامل تھے۔ عبدالمطلب کے زمانہ میں بنو ہاشم کا زور اور اثر زیادہ تھا۔ مگر اس کی وفات کے بعد بنو امیہ اور بنو مخزوم کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا اور بنو ہاشم بہت کمزور ہو گئے۔ آنحضرتؐ کا تعلق بنو ہاشم سے تھا اس لئے دیگر قبائل خصوصاً بنو امیہ اور مخزوم نے محض قبائلی تعصب اور حسد کی وجہ سے حضورؐ کی نبوت و رسالت کا نہ صرف انکار کیا بلکہ آپؐ کی شدید مخالفت کی ان کا خیال تھا کہ حضورؐ کی نبوت کی وجہ سے ان کے حریف بنو ہاشم کی عزت و وقار میں زبردست اضافہ ہو گا۔

قرآن حکیم آنحضرتؐ کا سب سے بڑا معجزہ

گر تو مے خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

غیر اسلامی معاشرے کی بنیاد خواہشات نفسانی پر استوار ہے مگر اسلامی معاشرے کی بنیاد " رضائے الٰہی " پر قائم ہے۔

آنحضرتؐ کا معجزہ قرآن ہے۔ حضورؐ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی و رسول ہیں۔ اس لئے آپؐ کا معجزہ بھی ابدی معجزہ ہے جو قیامت تک کے لئے نوع انسانی کی راہنمائی کرتا رہے گا۔ قرآن کے معجزہ ہونے کے تین پہلو ہیں۔

1۔ عام انسانی تاریخ کے برخلاف قرآنی زبان کا زندہ کی حیثیت سے باقی رہنا۔

2۔ مذہبی کتابوں کی تاریخ میں قرآن کا یہ استثناء کہ اس کے متن میں کسی قسم کا فرق نہ آسکا۔

3۔ قرآن کے اس چیلنج کے باوجود کسی کے لئے ممکن نہ ہو سکا کہ وہ قرآن کے جواب میں قرآن جیسی کوئی کتاب یا کوئی آیت ہی لکھ سکے۔

جتنی بھی قدیم کتابیں آج دنیا میں پائی جاتی ہیں ان میں قرآن ایک حیرت انگیز استثناء ہے کہ اس کی زبان آج بھی بدستور زندہ ہے اور کروڑوں لوگ اس زبان کو لکھتے اور بولتے ہیں اور یہ ان کی مادری زبان ہے جس میں چودہ سو سال قبل قرآن اتارا گیا تھا۔ انسانی تاریخ کا سب سے حیرت انگیز واقعہ عربی زبان ہے۔ یہ زبان قدیم تاریخ میں ایک غیر معروف زبان تھی۔ پھر اچانک وہ ایک کامل زبان کی حیثیت سے ظاہر ہوئی۔ اس کے بعد اس میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں ہوئی۔ وہ اپنے ظہور کے اول دن جیسی تھی ویسی ہی آج بھی ہے۔ یہ دراصل قرآن کا اعجاز ہے کہ جس نے عربی زبان کو تبدیلی کے اس عام تاریخی قانون سے مستثنیٰ رکھا۔ الغرض عربی زبان کے ادب پر قرآن نے ایسا غیر معمولی اثر ڈالا۔ جس کی مثال کسی اور دینی کتاب کی دوسری زبانوں میں نہیں ملتی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کی تمام زبانیں تبدیلی کا شکار رہی ہیں۔ جن کی تبدیلی کے اسباب دو قسم کے رہے ہیں۔ ایک اجتماعی انقلاب دوسرا ادبی ارتقاء۔ عربی زبان کے ساتھ بھی یہ دونوں اسی شدت کے ساتھ پیش آئے جس طرح دوسری زبانوں کے ساتھ پیش آسکتے تھے۔ مگر وہ اس زبان کے لسانی ڈھانچے کو تبدیل نہ کر سکے۔ عربی زبان اب بھی وہی زبان ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے نزول قرآن کے وقت مکہ میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ قرآن واحد مثال ہے جو مختلف قسم کے علمی اور سیاسی انقلابات کے باوجود اپنی زبان کو مسلسل اسی حالت پر باقی رکھے ہوئے ہے۔ جس حالت میں وہ نزول قرآن کے وقت تھی۔ انسانی سماج اور سیاسی انقلابات کی کوئی تبدیلی اس میں تبدیلی کا باعث نہ بن سکی۔ گذشتہ چودہ سو سال کی تاریخ نے قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن ایک معجزہ ہے اور اس کا ہر دوست دشمن نے برملا اعتراف بھی کیا ہے اس کے بعد اعجاز قرآن کے لئے مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

دنیا کی لسانی تاریخ کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر زبان مختلف سماجی حالات کے تحت بدلتی رہی۔ یہاں تک کہ ابتدائی زبان ختم ہو گئی اور اس کی جگہ دوسری بدلی ہوئی زبان نے لے لی۔ قومی اختلاط، تہذیبی تصادم، سیاسی انقلاب، زمانی تبدیلی اور معاشرتی و معاشی حالات کے تغیر و تبدیلی سے زبان تبدیل ہو گئی۔ پس تمام حالات عربی زبان کے ساتھ بھی پیش آئے۔ مگر حیرت انگیز بات ہے کہ عربی زبان میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ اس تغیر پذیر لسانی دنیا میں عربی کا غیر تغیر پذیر رہنا تمام تر قرآن حکیم کا معجزہ ہے۔ قرآن کی ادبی عظمت عربی زبان کے لئے

ڈھال بنی رہی اور اس زبان میں تبدیلی نہ ہوئی۔

زبان میں تبدیلی کا دوسرا سبب ادیبوں اور مصنفوں کے کارنامے ہیں۔ جب کوئی غیر معمولی ادیب یا مصنف پیدا ہوتا ہے وہ زبان کو کھینچ کر نئے لسانی اسلوب کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی طرح زبان تبدیلی اور ارتقاء کے مراحل طے کرتی رہتی ہے اور بدلتے بدلتے کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ عربی زبان میں اس کے برعکس یہ ہوا کہ قرآن نے اول روز ہی ایسا برتر معیار سامنے رکھ دیا کہ کسی انسانی ادیب کے لئے ممکن ہی نہ ہو سکا کہ وہ اس سے اوپر جا سکے۔ اس طرح زبان اس اسلوب پر باقی رہی جو قرآن نے اسی کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں قرآن کے بعد عربی زبان میں کوئی دوسرا قرآن نہ لکھا جا سکا۔ اس لئے زبان بھی قرآنی زبانی کے سوا کوئی اور زبان نہ بن سکی اور کوئی شخص قرآن جیسی کتاب وضع نہ کر سکا اور قرآن عربی زبان و ادب کا حاکم بن گیا اور قرآن کے سوا تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہیں کہ کسی ایک کتاب نے کسی قوم کو اتنا زیادہ متاثر کیا ہو۔ اور قرآن نے عربی زبان میں تصرف کر کے جو اعلیٰ تر ادب تیار کیا وہ اتنا ممتاز اور بدیہی ہے کہ کوئی بھی عربی جاننے والا شخص کسی بھی دوسری عربی کتاب کی زبان قرآن کی زبان کا تقابل کر کے ہر وقت اس کو دیکھ سکتا ہے۔ قرآن کا الٰہی ادب عام انسانی ادب سے اتنا نمایاں طور پر فائق ہے کہ کوئی عربی دان اس کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

گذشتہ چودہ سو سال میں جزیرہ نمائے عرب میں زبردست سماجی، تہذیبی اور سیاسی انقلابات آئے اور عرصہ دراز تک یہاں غیر عرب قوموں کی حکومت بھی رہی۔ صرف ایک صدی تک بنی امیہ کی حکومت رہی جو خالص عربی حکومت تھی۔ کیونکہ اموی حکمران عرب، قومیت اور عربی زبان و ادب کی حمایت میں جانبدار اور تعصب کی حد تک سخت عرب تھے۔ انہوں نے دارالسلطنت دمشق کو بنایا تھا۔ جو عرب میں واقع تھا۔ ان کی فوج، عمال حکومت، دفتری عملہ اور افسران سب عربی تھے اور زبان بھی عربی، مگر عباسی حکومت میں ایرانیوں اور عجمیوں کا غلبہ تھا۔ انہوں نے ایرانیوں کی ہی مدد سے امیہ خاندان کا خاتمہ کیا تھا۔ اس لئے ان کے عمال حکومت فوجی افسران اور دفتری عملہ بھی زیادہ تر ایرانی تھا۔ عباسیوں نے اپنا دارالخلافہ بغداد کو بنایا تھا جو ایران سے بہت قریب تھا اور ان کی حکومت کا تمام کاروبار ایرانیوں اور عجمیوں کے ہاتھ میں تھا۔ عربی عصبیت کمزور پڑ گئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عباسی دور حکومت میں ایرانی، ترکی، سریانی، رومی، مصری اور بربری عناصر حکومت اور سماج کے تمام معاملات پر چھا گئے۔ عربوں اور غیر عربوں میں شادیاں ہونے لگیں۔ آریائی تہذیب اور سامی تہذیب کے ملنے سے زبان اور تہذیب و تمدن میں نیا انقلاب آ گیا۔ ایران کے شاہی خاندان اور حکمران، جاگیردار طبقہ کی نسل کے لوگ حکومت میں حصہ دار بن کر اپنے آباؤ اجداد کی تہذیب کو از سر نو زندہ کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ ان واقعات و انقلابات کا عربی زبان پر بہت گہرا اثر پڑا۔ 656ھ میں ہلاکو خان نے بغداد کی سلطنت کو برباد کر دیا۔ 898ھ میں اندلس کی عرب حکومت کو یورپی اقوام نے ختم کر دیا۔ 923ھ میں مصر و شام سے فاطمیوں کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے بعد عرب علاقوں کی حکومت

عثمانی ترکوں کے قبضہ میں آ گئی۔ سرکاری زبان عربی کی بجائے ترکی قرار پائی۔ عربی زبان میں غیر زبانوں کے الفاظ اور اسالیب کثرت سے آنے لگے۔ ترکوں کی جہالت اور ایرانیوں کے تعصب نے عربی زبان کو نقصان پہنچانے کی از حد کوشش کی۔ 1882ء میں مصر پر انگریز کے قبضہ کے بعد انہوں نے عربی کے خلاف اپنی طاقت صرف کر دی کہ تمام تعلیم انگریزی کے ذریعے لازمی کر دی گئی۔ اس طرح جس عرب علاقوں پر فرانسیسیوں کا غلبہ ہوا وہاں انہوں نے فرانسیسی کو رواج دیا مگر صدیوں کی اس تہذیبی یورش، سیاسی اقتدار اور عسکری انقلابات کے باوجود یہ قرآن حکیم کی عظمت اور اعجاز ہے کہ عربی زبان اپنی اصلی حالت میں قائم دائم ہے اور قرآن کی وجہ سے ہی عرب قومیت قائم اور اسلام ان کا دین ہے۔

لہذا قرآن آنحضرتؑ کا قیامت تک کے لئے ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور اس کے سہارے نہ صرف عرب قومیت بلکہ اسلام قیامت تک اپنی حقانیت اور شان و شوکت کے ساتھ دنیا میں قائم و دائم رہے گا۔ البتہ مسلمانوں کے اعمال و کردار کے مطابق مسلمانوں پر عروج و زوال کے ادوار آتے جاتے رہینگے۔

گذشتہ دو صدیوں سے عرب ممالک کے خلاف مغربی تہذیب و تمدن اور زبانوں کی یلغار جاری ہے۔ مگر قرآن حکیم کی زبان و ادب کی فصاحت و بلاغت کے عظیم روشنی کے مینار کی وجہ سے عربی زبان پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

مکی دور میں قرآن کی تعلیم کا خلاصہ

اگرچہ مکہ معظمہ میں آنحضرتؑ کو بے شمار مشکلات و مسائل کا سامنا تھا اور قریش کی شدید مخالفت کی وجہ سے بہت کم لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی وحی قرآن حکیم کی آیاتکے ساتھ بتدریج عالمگیر حقائق کو بیان کرتی اور اسلام کے بنیادی اصولوں و تعلیمات کی وضاحت کے ساتھ نازل ہوتی رہی جس کے مطابق نوع انسانی بلکہ کائنات قائم ہے اور جو قرآن حکیم کو اللہ کی بے مثل کتاب ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم کی جو آیات آنحضرتؑ پر تیرہ سالہ مکی زندگی میں نازل ہوئیں ان کی تعلیمات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

1۔ یہ کائنات یونہی وجود میں نہیں آ گئی۔ بلکہ اسے ایک ایسی ہستی نے بنایا ہے جو ہر جگہ موجود ہے، ہر چیز کو دیکھ رہی ہے اور جس نے ہر چیز کو اس طرح قابو میں کر رکھا ہے کہ وہ سر مو تجاوز نہیں کر سکتی۔ وہ اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ اکیلا خدا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، کوئی بیٹا نہیں۔ اسے کسی مددگار، کسی سفارش، کسی دوسرے خدا کی ضرورت نہیں۔ سب نفع و نقصان اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ خالق ہے، وہ رازق ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ اس کا ایک لفظ دنیا کو وجود میں لایا ہے اور اس کا ایک اشارہ پوری کائنات کو مٹا سکتا ہے۔

وہ غالب اور حکمت والا خدا ہے، رحم کرنے والا اور معاف کر دینے والا خدا ہے، پکڑنے والا اور سزا دینے والا خدا ہے۔

2۔ یہ آسمان و زمین کوئی کھیل تماشہ نہیں، بغیر علم و حکمت نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے اور وہ ٹھوس قوانین پر بنائے گئے ہیں ہر چیز اپنے مدار میں، اپنے قانوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ یہ کائنات ایک مدت تک رہے گی پھر فنا ہو جائے گی۔

3۔ انسان کو بہترین ساخت پر بنایا گیا ہے۔ اللہ نے اس میں اپنی روح یعنی صفات کا ایک حصہ پھونکا ہے۔ فرشتے یعنی خدائی قوتیں اس کے آگے سربسجو ہیں سوائے ابلیس کے جو انسان کو بہکا کر اسے جہنمی بنا رہا ہے آسمان و زمین میں جو کچھ ہے۔ انسان کے لئے ہے اور اس حسن عمل کے بدلے انعام میں مل سکتا ہے۔ خدا نے انسان کو خلیفہ بنایا ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ خلافت کا حق ادا کرے، کائنات کو تسخیر کرے اور اپنے رب سے ملاقات کے لئے تیار رہے۔

4۔ نوع انسان ایک امت ہے۔ ایک ہی نسل ہے، قومیں اور قبیلے پہچان کے لئے ہیں۔ سب اللہ کے بندے ہیں، انہیں متحد العمل ہونا چاہئے۔ تفرقہ اور فساد منشائے الٰہی کے خلاف ہے۔ انسانیت ایک مشترکہ امانت ہے اور زندگی کا مقصد تکمیل انسانیت ہے۔

5۔ دین قانون واحد ہے۔ سب انبیاء ایک قانون ابدی لائے، سب اللہ کی غلامی سکھانے آئے، فرقے بنانے اور لڑانے نہیں آئے۔

6۔ جزا کا تعلق صرف عمل سے ہے۔ خوشامد، سفارش، اقوال و رسوم کچھ فائدہ نہیں دے سکتے، کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا، ہر شخص کو اس کی کوشش کے مطابق دیا جاتا ہے سبہاں انصاف ہے، پورا بدلہ چکایا جاتا ہے۔ نیکوں کے لئے دنیا میں عزت اور خوش حالی ہے اور آخرت میں جنت ہے۔ بروں کے لئے دنیا میں ذلت اور مسکنت ہے اور آخرت میں جہنم ہے۔

7۔ تاہم گناہگاروں کو مایوس نہ ہونا چاہئے۔ اللہ کا قانون مغفرت بھی ہے جو توبہ کرنے والوں یعنی خدا کی طرف لوٹ آنے والوں اور برائیوں سے رک جانے والوں کے لئے ہے۔ اللہ سب پچھلی خطائیں معاف کر دیتا ہے۔ بشرطیکہ سزا یا موت کا وقت آن پہنچا ہو۔

8۔ غیر صالح، ظالم اور بدکار قومیں مٹا دی جاتی ہیں۔ بیمار حصوں کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ تاکہ باقی جسم نشوونما پائے جو قوم ایک بار مٹ جائے اس کا پھر ابھرنا محال ہے۔

9۔ یہ کائنات ایک دن اپنے انجام کو پہنچے گی۔ بگل بجا دیا جائے گا۔ مردے قبروں سے نکل پڑیں گے، میدان حشر ہو گا۔ پائی پائی کا حساب ہو گا، جنت اور جہنم حاضر کیے جائیں، ابدی راحت اور ابدی دکھ ہو گا۔ ہر جان پورا بدلہ پائے گی۔

10۔ اللہ کی عبادت (غلامی) اختیار کرو۔ اس کی یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کی مدد کرو سائل اور محروم کو اس کا حق دو۔ مال یتیم نہ کھاؤ، مسکینوں کو کھانا دو، غلاموں کو آزاد کرو، صاف پاک کھانا کھاؤ۔ قتل نہ کرو، قتل اولاد نہ کرو۔ چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، بے حیائی کے قریب نہ جاؤ، عہد پورا کرو، اماتنیں پوری کرو، شہادت قائم کرو، رشتوں کو جوڑو، نیکی سے برائی کو دور کرو، لوگوں کو معاف کر دو، اچھی بات کرو، سچ بولو، قسمیں نہ کھاؤ، طعنے نہ دو، چغلی نہ کھاؤ۔ آپس میں مشورہ کرو۔ بدلہ لے سکتے ہو مگر معاف کر دینا بہتر ہے۔ دلوں کو سخت نہ ہونے دو، بے حس ہو کر گناہوں میں مست نہ ہو جاؤ، ہمیشہ اپنی اصلاح میں لگے رہو۔ یہی انسانی فلاح کے زریں اصول ہیں۔ یہی مکارم اخلاق ہے۔

11۔ نبی بشر ہوتا ہے وہ علم غیب نہیں رکھتا، خدائی خزانوں میں قدرت نہیں رکھتا، اپنی مرضی سے معجزے نہیں دکھا سکتے۔ البتہ وہ خدا کا پیغمبر اور کار بردار ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو خدا کے بندے بنانے آتا ہے وہ حق کی حمایت میں اور باطل کی مخالفت میں کمر بستہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہیں مانگتا۔ اس کا اجر صرف اللہ کے پاس ہوا کرتا ہے۔ خدا کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔

12۔ قرآن من گھڑت کتاب نہیں، شعبدہ نہیں، افسانہ نہیں جھوٹ نہیں، اس میں کجی نہیں۔ اس میں جھوٹ داخل نہیں ہو سکتا۔ وہ اللہ کے علم کو لے کر آیا ہے۔ وہ راہنمائی کرتا ہے۔ قانون حق کو بیان کرتا ہے۔ اسے ماننا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے، ورنہ نافرمانیوں پر سزا اٹل ہے۔

13۔ رسولؐ اور مومنوں کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے، وہ نجات پاتے ہیں۔ جیت کے رہتے ہیں، غالب ہوتے ہیں اعلان ہوتے ہیں، خوش حال کئے جاتے ہیں، عزت دیے جاتے ہیں، انہیں کوئی خوف، کوئی غم نہیں ہوتا، انہیں خوش خبری ہے۔ دنیا کی زینتیں ان کے لئے ہیں، آخرت کے انعام ان کے لئے ہیں یہ اللہ کا وعدہ ہے۔

14۔ کافر ہلاک کیے جاتے ہیں، مغلوب کیے جاتے ہیں، ذلیل کیے جاتے ہیں، تنگی میں ڈالے جاتے ہیں۔ مال اور اولاد ان کو نہیں بچا سکتے۔ ان کے لئے آخرت میں جہنم ہے۔

15۔ قولی ایمان کچھ شے نہیں۔ ایمان والو کو آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ جو پورا اترے وہی مومن ہے۔ لوگوں کی ایذا رسانی پر عذاب الٰہی نازل ہوگا۔ اللہ کی راہ میں تکلیفیں آیا ہی کرتی ہیں۔ دکھ کے بعد ہی راحت ملتی ہے۔

16۔ اگر مجبور ہو جاؤ تو دوسری جگہ چلے جاؤ۔ اللہ کی زمین وسیع ہے۔ ہجرت کرنے والوں کو دنیا بھی اچھی ملے گی اور آخرت بھی۔ کوئی جانور اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتا۔ سب کا رزق اللہ تعالیٰ مہیا کر رہا ہے۔ رزق سے بے نیاز ہو کر اللہ کی راہ میں چل نکلو۔

17۔ صبر کرو، مشکلات کو برداشت کرو، ڈٹے رہو، جان و مال اور اولاد و زن قربان کر کے بھی حق پر قائم رہو۔

18۔ اللہ اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جو اپنی حالت نہ بدلے سب سے پہلے اپنے آپ کو بدلو۔

19۔ اللہ نے انبیاء کو سلطنت دی، پہاڑوں، پرندوں، ہوا، لوہے، تانبے وغیرہ پر انہیں قدرت بخشی ۔ تم بھی صحیح عمل کرو تم بھی بادشاہ بنو گے۔

20۔ اپنے آپ کو جہاد کے لئے تیار کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے جو جہاد کرے گا اپنے فائدے کے لئے کرے گا۔

دس سالہ مدنی دور

622ء سے 632ء

آنحضرتؐ کا مدینہ میں ورود مسعود

آنحضرتؐ مورخہ 12 ربیع الاول 14 نبوی بروز دو شنبہ بمطابق 20 ستمبر 622ء کو پہنچے۔ مدینہ پہنچ پر آپؐ نے پہلے چند دن اپنا قیام "قبا" میں کیا جو مدینہ کے باہر دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپ کلثوم بن الہدم کے مکان پر فروکش ہوئے۔ آپ نے قبا میں ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور صحابہ کے ساتھ مل کر اس کی تعمیر کی۔ قبا میں آپؐ نے دس دن قیام فرمایا اور جب وہاں سے مدینہ شہر کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں بنو سالم بن عوف کے محلے میں نماز جمعہ ادا کی اس جمعے کی یاد میں اس جگہ ایک مسجد تعمیر کی گئی جس کا نام "مسجد الجمعۃ" ہے۔ آپ مدینہ کی گلی بازاروں سے گزرتے ہوئے بنو نجار کے محلے میں پہنچ کر کھڑے ہوگئے اور اونٹنی قصوہ از خود بیٹھ گئی۔ چنانچہ ابو ایوب انصاری کے گھر قیام کا فیصلہ کیا۔ مدینہ پہنچنے کے چند دن بعد حضورؐ نے زید بن حارث اور رافع غلام کو دو اونٹنیاں اور کچھ رقم دے کر مکہ بھیجا کہ وہ آپ کے اہل بیت حضرت سودہ، حضرت فاطمہ، ام کلثوم اور ام ایمن وغیرہ سب گھر والوں کو لے آئیں۔ عبداللہ بن ابو بکر بھی ان کے ساتھ اپنے گھر والوں کو بلانے کے لئے گئے اور سب کو ساتھ لے کر واپس مدینہ پہنچ گئے۔ مدینہ کے قیام میں آنحضرتؐ نے سب سے پہلے مسجد اور اپنی رہائش گاہ کے حجرات تعمیر کروائے جس مقام پر مسجد و حجرے تعمیر کئے گئے وہ دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی ملکیت تھی۔ جو حضرت اسعد بن زرارہ کی نگرانی میں رہتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے دس دینار دے کر یہ زمین خرید لی اور وقف کر دی۔ صحابہ کرامؓ مہاجرین و انصار نے مل کر مسجد کی دیواریں پتھر کی اور چھت کھجور کے تنوں اور پتوں کی اور فرش کچی مٹی کا تعمیر کیا۔ اس مسجد کی اونچائی دس فٹ، طول ۱۰۵ فٹ اور عرض ۹۰ فٹ تھا۔ مسجد کے ایک گوشے میں ایک چھت دار چبوترہ بنایا گیا جسے صفہ کہتے تھے یہ ان غریب مہاجرین کے لئے تھا جو بے گھر تھے یہ لوگ "اصحاب الصفہ" کہلاتے تھے۔ قرآن کی تلاوت، عبادت، تبلیغ اسلام اور آنحضرتؐ کی صحبت میں ہر وقت رہتے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ جنگل میں سے لکڑیاں لا کر گزارہ کرتے اور اکثر کو حضورؐ امداد دیتے۔ مسجد کے ملحق آنحضرتؐ کے لئے حجرہ تعمیر

کر دیا گیا۔ پھر آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات کے آنے پر ان حجروں کی تعداد بڑھتی گئی۔ مسجد کے آس پاس بعض صحابہ کے مکانات بھی بن گئے۔ ابتداء میں یہ مسجد نبوی ہی ہر قسم کی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔

مدینہ منورہ کی تاریخ

جبل احد اور جبل عیر کے درمیان شمالاً جنوباً اور حرہ واقم اور حرہ الوبر کے درمیان شرقاً غرباً دس مربع میل پر پھیلا ہوا یہ علاقہ انتہائی زرخیز اور شاداب ہے۔ آب و ہوا معتدل اور خوشگوار اور پانی وافر مقدار میں دستیاب ہے۔ ساحل سمندر سے زیادہ فاصلہ نہیں یمن اور شام کے درمیان قدیم تجارتی شاہراہ یہیں سے ہو کر گزرتی تھی اور قریش مکہ کے تجارتی قافلے اسی شاہراہ سے ہو کر گزرتے تھے۔ جوف مدینہ میں پانچ زرخیز وادیاں تھیں۔ وادیوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی بستیوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ بستیاں ایک دوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر واقع تھیں وادیوں کے اس مجموعہ کو یثرب کہا جاتا ہے۔

رسول اکرمؐ جب مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے اپنا علیحدہ شہر بسایا یہی شہر "مدینتہ الرسول" کے نام سے مشہور ہوا اور یہ شہر آنحضرتؐ کے سیاسی غلبہ اور قوت کی یاد تازہ کرتا ہے۔ جوف کی تمام آبادیاں آنحضرتؐ کے ماتحت آگئیں جو مدینہ کہلائیں جس کا سیاسی مفہوم "رسول کے زیر نگیں علاقہ" ہے۔

تاریخی شواہد کی عدم موجودگی کی وجہ سے یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ مدینہ کا شہر پہلے پہل کب اور کس نے آباد کیا یعنی بسایا۔ مختلف قیاس آرائیاں کی گئیں ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

1۔ یہ شہر بنی جرہم نے آباد کیا جو حضرت اسماعیلؑ کے ہمعصر تھے۔
2۔ یہ شہر بنی عمالقہ نے آباد کیا۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں یہ شہر موجود تھا۔
3۔ ابن سعد کے مطابق یہ شہر قبیلہ عبیل نے آباد کیا تھا۔ جن کو نکال کر عمالقہ نے قبضہ کر لیا تھا۔
4۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ اس شہر کے بانی وہ ہیں اور بعض مورخین نے یہودیوں کے اس دعویٰ کی تائید کی ہے۔

مندرجہ بالا چاروں روایات کو سامنے رکھ کر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ شہر بہت قدیم زمانہ سے آباد چلا آتا ہے۔ محل وقوع، دفاعی پوزیشن، خوش گوار آب و ہوا، با فراط پانی اور زرخیز وادیاں قدیم آباد کاروں کے لئے زبردست کشش رکھتی تھیں۔ تاریخی واقعات و حالات کی روشنی میں اندازہ ہے کہ یہ شہر 1600 ق م میں بسایا گیا ہو گا۔ مدینہ کا قدیم نام یثرب نہیں بلکہ مسلع تھا۔

1۔ یثرب یا مسلع میں یہود کی پہلی بار آمد حضرت موسیٰ کے زمانہ میں 1200 ق۔م میں ہوئی۔ جب وہ ایک لشکر لے کر اس پر حملہ آور ہونے کے لئے آئے اور کچھ یہاں ہی آباد ہو گئے۔

2۔ دوسری بار بخت نصر کے حملہ 587 ق۔م میں جب بنی اسرائیل فلسطین سے منتشر ہوئے تو ان کا ایک گروہ یثرب آکر آباد ہو گیا۔

3۔ 70ء میں فلسطین پر رومی حملے کے بعد 130ء میں جب یہودیوں کو وطن سے نکالا گیا تو یہ یثرب، تیما اور وادی القریٰ وغیرہ میں آکر پناہ گزین ہو گئے۔ یہودیوں نے یہاں آنے کے بعد مضبوط اور مستحکم قلعے تعمیر کئے اور اپنا علیحدہ شہر بسایا اور اس کا نام یثرب رکھا۔ یہ قصبہ جوف مدینہ کے شمالی جانب وادی قناہ کے نزدیک تھا مگر آنحضرتؐ کی ہجرت کے وقت یہود کے باحیثیت قبائل بنی نضیر اور بنی قریظہ وغیرہ جوف کے انتہائی مشرقی سمت وادی ہزور اور وادی زینب میں آباد تھے۔

قبائل اوس و خزرج کے یثرب آنے کے بعد ان کی یہودیوں کے ساتھ سیاسی و معاشی کشمکش شروع ہو گئی۔ خزرجیوں نے بیرونی امداد و تعاون سے یہودیوں سے اقتدار چھین لیا اور زرخیز زمینوں سے بھی ان کو بے دخل کر کے خود قبضہ کر لیا۔ شہر کے مرکزی حصہ پر خزرج کی شاخ بنی النجار نے قبضہ کر لیا۔ یہود یہاں سے نکل کر انتہائی جنوب مشرق میں چلے گئے۔ اور اپنی محنت و مشقت سے وہاں کی زمین کو بھی زرخیز و شاداب بنا دیا۔ اور حضورؐ کی آمد کے وقت یہ خطہ سب سے زیادہ آباد و شاداب اور باغات کا مرکز تھا۔ البتہ بنی قینقاع کی رہائش ہجرت کے وقت جبل مسلع کے مشرق میں مدینہ کے قریب ہی تھی ان کا بازار بڑا بارونق، لوگ خوش حال اور جنگجو تھے۔

اوس و خزرج کی آمد

اوس و خزرج کے قبائل یمن سے مدینہ آئے تھے۔ یمن کے علاقہ "حض الاعزاب" میں جو کتبے دریافت ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک پر "اوس" کا لفظ کندہ ہے۔ اندازہ ہے کہ یہ اوس کے "جد اعلیٰ" کا نام ہے اور یہ قیاس بھی کیا جا سکتا ہے کہ یثرب آنے سے پہلے یہ قبیلے کافی اہمیت رکھتے تھے۔ انہیں یمن کی طرف سے آنے کی وجہ سے "قحطانی النسل" کہا گیا ہے۔ مگر زیادہ صحیح رائے یہ ہے کہ وہ عدنانی اور اسمٰعیلی عرب تھے اور ان کا تعلق بنی ازد کی ایک شاخ سے تھا۔ اپنی ماں کی طرف منسوب کر کے ان دونوں قبیلوں کو "بنو قیلہ" بھی کہا جاتا تھا۔ واضح رہے کہ اوس اور خزرج دونوں حقیقی بھائی تھے سد مآرب کی تباہی و باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے یہ یمن سے نکلے اور قریباً 300ء میں یثرب آئے۔ یہاں یہود کا غلبہ تھا۔ کچھ دیر بعد ان کے اور یہود کے درمیان اقتدار اور املاک کے لئے کشمکش کا آغاز ہو گیا۔ قبیلہ خزرج کے سردار مالک بن عجلان نے شاہ غسان ابو جبیلہ کی مدد سے یہود سے اقتدار چھین کر 493ء میں ان کی املاک اور زرخیز و شاداب زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ اوس نے بھی خزرج کا ساتھ دیا۔ مگر یہود کی سیادت و قوت ختم ہونے کے بعد خزرج کا قبیلہ بنی النجار سب سے طاقت ور ہو کر ابھرا۔ مرکزی اور زرخیز علاقوں پر قبضہ جما کر اپنی قوت و اقتدار کو مستحکم بنانا شروع کر دیا۔ جس کے خلاف اوس والوں کے دلوں میں حسد اور

رقابت کے جذبات پیدا ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اوس اور خزرج کے درمیان اقتدار و املاک کے لئے خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ جو 497ء سے لے کر 615ء تک وقفوں وقفوں کے ساتھ جاری رہی۔ اس خانہ جنگی کے سلسلے کی پہلی لڑائی جنگ سمیر تھی اور آخری جنگ بعاث۔ یہ بعاث بنی قریظہ کا علاقہ تھا۔ اس میں اوس کا سپہ سالار حضرت اسید کے والد حضیر کتائب اور خزرج کا سپہ سالار عمرو بن نعمان بیاضی تھا۔ یہ دونوں لڑائی میں مارے گئے۔ اس لڑائی میں خزرج کو بے پناہ نقصان اٹھانا پڑا مگر لڑائی فیصلہ کن نہ تھی اور مزید جنگ کی تیاری طرفین نے شروع کر دی کہ ظہور اسلام کا زمانہ آگیا۔

اوس اور خزرج کے درمیان یہ لڑائیاں قبائلی تعصب کی بناء پر نہیں بلکہ سیاسی و اقتصادی مفاد کے لئے لڑی جا رہی تھیں۔ عبداللہ بن ابی بن سلول جنگ بعاث میں غیر جانبدار رہا تھا۔ اس لئے اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کے لئے کوئی سیاسی غلبہ کا موقعہ نکل آئے اور غیر جانبدار رہنے کی وجہ سے دونوں فریق اس کی سیادت و قیادت قبول کر لیں۔ چنانچہ اس کی پالیسی کامیاب ہونے ہی والی تھی اور فریقین نے اس کو اپنا حاکم اور بادشاہ تسلیم کر ہی لیا تھا کہ مدینہ میں اسلام پہنچ گیا اور آنحضرتؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے اور اس کی حکومت کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

اسلام کا فروغ شروع میں خزرج میں ہوا جو جنگ بعاث میں شکست کھا چکے تھے۔ مکہ میں آنحضرتؐ سے پہلی ملاقات میں جن چھ لوگوں نے اسلام قبول کیا وہ سب خزرجی تھے۔ بیعت عقبہ اولیٰ میں بارہ اشخاص میں سے اکثریت خزرج کی تھی اور بیعت عقبہ ثانی میں بھی خزرج کی اکثریت تھی۔ یہ مدینہ کے لوگ طویل جنگ و جدل سے تنگ آ چکے تھے۔ اور وہ امن و سلامتی کے ساتھ رہنا چاہتے تھے اسی لئے اکثر لوگ عبداللہ کی حکومت پر رضا مند ہو گئے تھے۔ انصار مدینہ میں سے جن قبائل نے اسلام لانے میں سبقت کی ان میں بنو النجار، بنو عبدالاشہل اور بنی ساعدہ خاص طور پر ممتاز ہیں۔ ان تینوں قبائل نے جنگ بعاث میں ایک فریق کے طور پر لڑ کر شکست کھائی تھی۔

رسول اللہ کی یثرب میں آمد کے وقت قبائلی تقسیم کچھ اس طرح تھی۔

1۔ یہود کے قریباً اکیس قبیلے اور ان کی شاخیں تھیں جن میں بنو قینقاع، بنو نضیر، اور بنو قریظہ با اثر اور ممتاز تھے۔

2۔ خزرج کے پانچ بڑے بطون تھے جو مزید کئی شاخوں میں بٹے ہوئے تھے۔

3۔ اوس کے بطون اور شاخوں کی تعداد ان سے زیادہ تھی۔

4۔ مدینہ کے قدیم باشندے ان کے علاوہ تھے۔

5۔ عربی نژاد یہود کا ایک بڑا طبقہ بھی موجود تھا۔

ہجرت کے وقت یثرب میں کم و بیش یک صد قلعے تھے۔ اہل یثرب کی اکثریت بت پرست اور مشرک تھی۔ ان کی سب سے بڑی دیوی "منات" کا بت جوف یثرب کے بیرون ساحل سمندر کے قریب واقع تھا۔ یثرب میں

سیاسی انتشار کی ایک وجہ مذہبی عدم اتحاد بھی تھا۔ اگرچہ شہر کے لوگ مذہب کے معاملہ میں تنگ نظر نہ تھے اور یہودی اور مشرک باہمی اتحاد اور رواداری سے رہتے تھے۔ مکہ کے مقابلہ میں یثرب کے مکانات پختہ اور شاندار تھے اور عموماً دو منزلہ ہوتے تھے خصوصاً اہل ثروت لوگوں کے مکانات عمدہ اور خوبصورت تھے اور ان کا معیار زندگی بلند تھا۔

1ھ 623ء کے حالات وواقعات

مہاجرین مدینہ کی مشکلات

1۔ مہاجرین مکہ نے اپنے وطن مالوف میں خانہ کعبہ کو چھوڑا تھا جو اسلام میں بھی ایک مقدس مقام ہے اب مہاجرین کعبتہ اللہ کے حج، عمرہ اور طواف سے محروم ہو چکے تھے جو ان کے لئے انتہائی پریشان کن اور صبر آزما تھا تمام عرب کے مشرکین کو مکہ جا کر حج و عمرہ کرنے کی اجازت تھی۔ مگر مسلمان وہاں جانے کے لئے مضطرب تھے قریش مکہ کی طرف سے اجازت نہ تھی۔

2۔ مکہ میں اکثر مہاجرین کے اہل وعیال رہ گئے تھے جن کی یاد ان کو بے چین رکھتی تھی اور یہ بھی خدشہ تھا کہ وہ دوبارہ مشرک نہ ہو جائیں۔

3۔ مہاجرین مکہ اپنے گھربار کے علاوہ اپنا گھریلو سامان اور تجارتی مال و اسباب بھی چھوڑ آئے تھے۔ جس کی اب ان کو اشد ضرورت تھی۔

4۔ مہاجرین مدینہ پہنچ کر تبدیلی آب و ہوا کی وجہ سے اکثر بخار میں مبتلا رہتے تھے اور ان کی صحت خراب ہو گئی تھی۔

5۔ مہاجرین کو وطن کییاد اور محبت بھی پریشان کئے ہوئے تھی جس وطن میں وہ پیدا ہوئے پروان چڑھے اور اس کے گلی کوچوں، پہاڑوں اور گھاٹیوں میں کھیل کود کر جوان ہوئے تھے۔ اس وطن کے ذرے ذرے سے ان کو پیار اور محبت تھی اور اپنے محبوب وطن کی یاد ہر وقت ان کے دل و دماغ پر چھائی رہتی تھی۔ انہوں نے دین حق کی خاطر ۱۳ سال تک مظالم برداشت کئے اور دین کی حفاظت کے لئے وطن چھوڑ کر مدینہ آئے اور ان کے دل میں بے پناہ تڑپ اور بے چینی تھی کہ اپنے وطن میں ایک فاتح کی حیثیت سے جا کر وہاں عزت و آزادی کے ساتھ اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گزاریں۔

6۔ مہاجرین اپنی عزت نفس، حفاظت عقیدہ احترام انسانیت کی خاطر قریش کو ان کے ظلم و ستم کی سزا دینے کے لئے بھی مضطرب تھے۔ تاکہ ان سے انتقام لیا جائے جو انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔

آنحضرتؐ نے مکہ سے ہجرت کے وقت مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا "اے مکہ! تو مجھے تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے مگر افسوس کہ تمہارے شہر کے لوگ مجھے یہاں امن سے رہنے نہیں دیتے۔ اس لئے مجبوراً بادل نخواستہ چھوڑ کر جا رہا ہوں۔" ان حسرت بھرے الفاظ کے ساتھ حضورؐ نے مکہ کو خدا حافظ کہا تھا۔

آنحضرتؐ نے مدینہ پہنچ کر تعمیر مسجد کے بعد اسلام کی تبلیغ کے طریقہ کار پر غور و فکر اور صحابہ کے ساتھ صلاح و مشورہ شروع کر دیا۔ ان کا بنیادی مقصد امن و سلامتی کی فضا اور ایسے حالات پیدا کرنا تھا جس میں اختیار و اظہار عقیدہ کی مکمل آزادی ہو۔ کیونکہ یہی آپ کی بعثت کا مقصد اور نصب العین تھا۔ حضورؐ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں کی تمام آبادی چار مختلف گروہوں میں منقسم تھی۔

(1) مسلمانوں میں مہاجرین و انصار۔

(2) اوس و خزرج میں سے جو لوگ ابھی مشرک و بت پرست تھے۔

(3) مدینہ میں بعد میں ایک اور گروہ پیدا ہو گیا جو اگرچہ بظاہر ایمان لا چکا تھا مگر منافق تھا۔

(4) یہود۔ جو چار حصوں پر مشتمل تھے۔ (i) مدینہ کے اندر بنو قینقاع (ii) بنو قریظہ اور بنو نضیر جو شہر سے باہر ملحقہ آبادی میں تھے (iii) مدینہ کی شمال کی سمت خیبر فدک القراء و تیما وغیرہ میں دوسرے قبیلوں کے یہود آباد تھے۔

مہاجرین و انصار دونوں نئے دین کے رشتے میں منسلک ہونے کی وجہ سے باہم متحد ہو چکے تھے۔ آنحضرتؐ نے انتہائی علم و حکمت، تدبر و بصیرت اور اپنے وزراء جناب ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مشورہ سے یہ فیصلہ کیا کہ جدید وطن کو ایسی وحدت میں منسلک کر دیا جائے جو آج تک عرب میں کبھی قائم نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی ان کے وہم و خیال میں تھی۔ حضورؐ نے وحدت ملی کے اس تصور کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے مسلمانوں کو نسل و قبیلہ اور علاقہ وغیرہ کے تمام اختلافات کو ختم کر کے مساوات انسانی اور اخوت اسلامی کے رشتہ کی بنیاد پر منظم و متحد کر کے ملت واحدہ بنا دیا۔ فضیلت و بزرگی اور عزت و وقار کی بنیاد نسل و قبیلہ کے تفاخر کی بجائے تقویٰ و دین داری اور اعمال صالح قرار دیا۔ ہر قسم کی غیر اسلامی غیر انسانی اور غیر اخلاقی تفریق و امتیاز ختم کر کے ایک اور نیک بننے کو فتح و نصرت کی بنیاد قرار دیا۔ پیدائش کی بناء پر بحیثیت انسان سب برابر ہیں۔ ایک ہی خالق کی مخلوق اور جد امجد کی اولاد ہیں اور فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ حضورؐ نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم کی۔ یعنی ان کو بھائی بھائی بنا دیا جو تاریخ عالم کا بے مثال کارنامہ ہے۔ حضرت انس بن مالک کے مکان پر مہاجرین و انصار کے اجتماع میں قریباً باہم مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ۴۵ مہاجرین اور ۴۵ انصار کے درمیان یہ رشتہ اخوت قائم ہوا۔

اس سلسلہ مواخات پر طرفین کی طرف سے جس خلوص و محبت اور وفاداری کے ساتھ عمل درآمد ہوا آج کل کی حقیقی اخوت کو بھی شرماتا ہے۔ مہاجرین کی پریشانی اور بے اطمینانی جو بے وطنی کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ بڑی حد تک دور ہو گئی۔ رشتہ دار عزیزوں کی جدائی کا احساس کم ہو گیا۔ مہاجرین و انصار کے درمیان اس محبت و اتحاد

کی وجہ سے مذہبی، سیاسی اور تمدنی تعلقات استوار ہو گئے اور مہاجرین کو ایک سہارا اور ذریعہ معاش مل گیا۔
جن حضرات کے درمیان یہ رشتہ مواخات قائم ہوا ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔

	مہاجر	انصار
1۔	حضرت ابو بکر صدیقؓ	حضرت خارجہ بن زید بن ابی زہیر انصاریؓ
2۔	حضرت عمر بن خطابؓ	حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ
3۔	حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ	حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ
4۔	حضرت صہیب بن نسانؓ	حضرت حارث بن صمہؓ
5۔	حضرت زبیر بن عوامؓ	حضرت سلمہ بن سلامہ انصاریؓ
6۔	حضرت مسعود بن ربیعہؓ	حضرت عبید بن تیہان انصاریؓ
7۔	حضرت عثمان بن عفانؓ	حضرت اوس بن ثابت انصاریؓ
8۔	حضرت واقد بن عبداللہ بن منافؓ	حضرت بشر بن براء انصاریؓ
9۔	حضرت مصعب بن عمیرؓ	حضرت ابو ایوب انصاریؓ
10۔	حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ	حضرت طلحہ بن زیٔد انصاریؓ
11۔	حضرت عمار بن یاسرؓ	حضرت خذیفہ بن یمان عنسی انصاریؓ
12۔	حضرت سلمان فارسیؓ	حضرت ابو الداد انصاریؓ
13۔	حضرت ابو سبرہ بن ابی ارہمؓ	حضرت سلامہ بن دقش انصاریؓ
14۔	حضرت صفان بن وہبؓ	حضرت رابع بن عجلان انصاریؓ
15۔	حضرت عبداللہ بن مخرمہؓ	حضرت فروہ بن عمرو بن واقد انصاریؓ
16۔	حضرت معمر بن حارث بن معمرؓ	حضرت معاذ بن عفراء انصاریؓ
17۔	حضرت زید بن خطابؓ	حضرت حسن بن عدی انصاریؓ
18۔	حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ	حضرت زید بن حاتلہ انصاریؓ
19۔	حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	حضرت سعد بن ربیع انصاریؓ
20۔	حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ	حضرت کعب بن مالک انصاریؓ
21۔	حضرت سعید بن زیدؓ	حسنرت ابی بن کعب انصاریؓ
22۔	حضرت ابو حذیفہ بن عتبہؓ	حضرت عباد بن بشرا انصاریؓ

23- حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ　　　　حضرت عویم بن ساعدہ انصاریؓ

24- حضرت ابو ذر غفاریؓ　　　　حضرت منذر بن عمرو انصاریؓ

25- حضرت خباب بن امثؓ　　　　حضرت تمیم مولیٰ خراش بن صمہ انصاریؓ

انصار نے مہاجرین کا بے حد عزت و احترام کیا۔ ان کی ضروریات اور مشکلات کے سلسلہ میں ہر ممکن امداد کی۔ اور اپنی ذات اور مفاد پر ان کی ذات اور مفاد کو ترجیح دی۔ کچھ عرصہ بعد جب مہاجرین معاشی لحاظ سے خود کفیل ہو گئے تو انصار کی امداد و اعانت کی ضرورت نہ رہی۔ تاہم بھائی چارے کا رشتہ زندگی بھر قائم رہا۔

مسلمانوں کا ایک طبقہ جو عرب کے دیگر مقامات سے ہجرت کر کے مدینہ آیا ہوا تھا۔ بہت نادار اور کمزور تھا حضورؐ نے ان کے لئے مسجد نبوی کے ایک کونے میں صرف ستون بنا کر اس پر کھجور کے تنوں اور پتوں سے چھت ڈلوا دی اس جگہ کو "صفہ" کہتے تھے اور یہاں پر رہنے والوں کو "اصحاب صفہ" کے لقب سے پکارا جانے لگا۔ یہ لوگ دن رات عبادت و ریاضت، خدمت دین اور تربیت اسلام میں مشغول رہتے۔ جنگل سے لکڑیاں لا کر اپنا گزارا کرتے۔ حضورؐ خود اور صحابہ کرامؓ بھی ان کی مدد کرتے۔

آنحضرتؐ نے یہود کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے اور مواحد ہونے کی وجہ سے ان کے بہت قریب ہونے کی کوشش کی اور آخر ان کے ساتھ میثاق مدینہ کے نام سے ایک تحریری آئین و دستور امن و دوستی کر لیا جو طرفین کی رفاہیت اور حقوق کی نگہبانی میں جامعیت کے اعتبار سے ایک تاریخی دستاویز ہے جس کا مکمل متن درج کیا جا رہا ہے۔

آنحضرتؐ اللہ کے رسول بھی تھے اور دور اندیش مدبر، مجاہد اور فاتح بھی جو اللہ کے دین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور یہ تمام صفات آپ کے قول و فعل سے نمایاں ہیں۔

میثاق مدینہ کی تکمیل کے بعد آپؐ کو کچھ اطمینان حاصل ہوا اور مسلمان بھی سکون کے ساتھ اپنے مذہبی فرائض آزادی کے ساتھ انجام دینے لگے۔ حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے رخصتی کا فیصلہ کر لیا جس کا عقد مکہ ہی میں ہو چکا تھا۔ حضرت سودا بھی مکہ سے آچکی تھیں اور دونوں مسجد کے قریب حجروں میں رہنے لگیں۔

اسی زمانے میں زکوۃ، روزہ اور حدود بھی مسلمانوں پر فرض ہو گئے۔ نماز مکہ ہی میں فرض ہو چکی تھی۔ کچھ دیر بعد اذان کا موجودہ طریقہ بھی جاری ہو گیا جو حضرت عمرؓ کے مشورے پر بذریعہ وحی الہام ہوا تھا۔ اور یہی طریقہ اذان حضرت عبداللہ بن زید بن ثقلبہ نے بھی خواب میں دیکھا تھا۔

اسلام کا بنیادی رکن توحید الہی پر کامل ایمان ہے۔ آنحضرتؐ نے اسلامی تمدن کی بنیاد مساوات انسانی، اخوت اسلامی، عدل و انصاف، حریت و آزادی اور محبت و رواداری کے آفاقی اصولوں پر استوار کی۔ حضورؐ صرف وعظ و ارشاد کے ذریعے ہی تبلیغ اسلام نہیں کرتے تھے بلکہ آپؐ کی زندگی کا ایک ایک عمل تبلیغ کا جامع اور کامل

ترین نمونہ تھا۔ آپؐ دوسروں کے مقابلہ پر تفوق اور برتری کے خواہاں نہ تھے۔ آپؐ نے فرمایا" جس طرح نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کر کے انہیں کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ مبادا میرے متعلق بھی تم یہی وطیرہ اختیار کرو۔ نہیں! نہیں! میں اللہ کا بندہ ہوں میرا تذکرہ کرتے ہوئے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔" ایک دفعہ دولت خانہ سے عصاء پر ٹیک لگاتے ہوئے تشریف لائے۔ اصحاب دیکھتے ہی استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے فرمایا "ایک دوسرے کے استقبال میں عجمیوں کی طرح کھڑا ہو جانا اچھا نہیں ایسا مت کرو۔"

حضورؐ بچوں کے ساتھ پیار کرتے۔ عوام کے ساتھ حسن سلوک اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ بلا امتیاز اشراف، غریب، امیر، غلام کنیز اور مساکین ہر شخص سے عزت و احترام سے پیش آتے۔ حضورؐ کی سخاوت کو دیکھ کر کسی نے کہا کہ "حضورؐ کو عطا اور سخاوت کے موقعہ پر اپنے فقر و فاقہ کا خیال بھی نہیں رہتا۔" مدینہ میں لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہود و مشرکین دونوں کی مشترکہ جمعیت کے مقابلہ میں بھی مسلمان زیادہ طاقتور ہو چکے تھے اور ان کی قوت و شوکت میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔

ہجرت کے پہلے سال آنحضرتؐ کو اپنے دو مخلص اور جانثار اصحاب کی وفات کا صدمہ اٹھانا پڑا یعنی کلثوم بن الہدم جن کے مکان پر قبا میں آپؐ نے قیام کیا تھا اور دوسرے انتہائی مخلص اور وفادار صحابی حضرت اسعد بن زرارہؓ بھی انتقال فرما گئے یہ ان ابتدائی چھ اشخاص میں سے تھے جو مکہ میں اسلام لائے ان کے مکان پر حضرت مصعب بن عمیرؓ نے مدینہ میں قیام کیا اور جوش و جذبہ سے تبلیغ اسلام کی اور مدینہ میں نماز باجماعت اور جمعے کا انتظام کیا۔ آپ بنو نجار کے نقیب بھی تھے۔ اسی سال کفار مکہ کے دو رئیس بھی فوت ہوئے جس میں ولید بن مغیرہ مخزومی حضرت خالد بن ولید کے باپ اور عاص بن وائل حضرت عمرو بن العاص کے والد۔

ہجرت مدینہ کے بعد آنحضرتؐ کی مصروفیات

1۔ فرائض نبوت و رسالت:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے جو احکام ہدایات قرآن حکیم کی آیات کی صورت میں نازل ہوتے تھے ان کی تبلیغ و اشاعت اور دین اسلام کا رشد و ہدایت کا پیغام لوگوں تک پہنچانا برائیوں سے روکنا اور نیک اعمال کا حکم دینا یہ سب سے اہم کام تھا۔

2۔ سربراہ مملکت مدینہ کے فرائض سرانجام دینا:۔ جس میں مملکت کے نظم و نسق کو منظم کرنا اور عوام کے مفاد میں چلانا۔ امن و سلامتی، عدل و انصاف اور فلاح و بہبود کا اہتمام کرنا۔

3۔ مملکت کے خارجی و دفاعی معاملات کو چلانا:۔ ملک کے دفاع اور دیگر قبائل اور ہمسایہ لوگوں کے ساتھ امن و دوستی اور دفاع کے معاملات کے ذریعے اپنی مملکت کی حدود کو مستحکم کرنا اور دشمن کے خلاف سیاسی و سفارتی مہمات اور وفود کے ذریعے دوستانہ تعلقات قائم کرنا۔

4۔ قریش مکہ اعلان جنگ کر چکے تھے اور کسی وقت بھی ان کا بڑا حملہ متوقع تھا اس کے دفاع اور حفاظت کے لئے

ان میں جذبہ جہاد اور شوق شہادت پیدا کرنا اور تمام مسلمانوں کو دشمن کے خلاف کلی جنگ کے لئے تیار کرنا۔ سامان و اسباب جنگ فراہم کرنا۔ مجاہدین اور سپہ سالاروں کی عسکری تعلیم و تربیت اور نظم و ضبط پیدا کرنا۔ الغرض پوری ملت اسلامیہ مہاجرین وانصار کو ملک و ملت اپنے نظریہ، عقیدہ اور دین کی حفاظت کے لئے کلی جنگ کے لئے انفرادی، اجتماعی، جسمانی اور سامان حرب و ضرب عسکری تربیت اور فوجی نظم و ضبط کے ساتھ ہر وقت تیار رکھنا۔ اسلام اور مسلمانوں کی فتح و نصرت بلکہ زندگی اور بقا کے لئے پوری ملت کو تیار کرنا ضروری تھا۔

5۔ حضورؐ کی ازدواجی زندگی اور گھریلو ضروریات کی فراہمی کے لئے بھی آپؐ کو کافی وقت درکار تھا۔ آپؐ اپنے تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ بازار سے خرید و فروخت سے لے کر گھر کے اندرونی معاملات میں بھی ازواج مطہرات کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔

6۔ مسلمانوں کے درمیان یا مسلمانوں اور دیگر لوگوں کے درمیان تنازعات اور اختلافات کو پورے عدل، انصاف اور غیر جانبداری کے ساتھ فیصلے صادر فرماتے تھے اور ان عدالتی معاملات کے تصفیہ میں بھی کافی وقت صرف ہوتا تھا۔

7۔ مدینہ سے باہر سفارتی و سیاسی مہمات اور مختلف قبائل کے وفود آتے جاتے رہتے تھے ان کے ساتھ حکمت عملی اور تدبر و تفکر کے ساتھ معاملات طے کرنا اور ان کی مہمانداری کے فرائض سرانجام دینا۔

8۔ دشمن کی خبر رسانی اور ان کی حرکات و سکنات سرگرمیوں، تیاریوں اور عزائم کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے تلاشی گشتی دستوں کو بھیجنا۔ بعض اوقات فوجی مہمات یعنی سرایا کے لئے مجاہدین کے فوجی دستے اپنے سپہ سالاروں کی کمان میں ارسال کرنا، بعض اوقات خود غزوات کی سپہ سالاری کرتے ہوئے دشمن کے مقابلہ پر مدینہ سے باہر جانا اور اس سلسلہ میں تمام امور کو سرانجام دینا بڑا صبر آزما اور مشکل کام تھا۔ مندرجہ بالا تمام معاملات میں بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی راہنمائی حاصل تھی۔ مگر پھر بھی عام حالات اور معاملات و مسائل میں حضورؐ اپنے صحابہ کرامؓ سے ہر وقت صلاح و مشورہ کرتے رہتے تھے۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق حضورؐ کے سب سے بڑے اور اہم ترین وزیر و مشیر تھے۔ صدیق اکبرؓ کا خلوص، دانائی اور دور اندیشی اور فاروق اعظمؓ کا بے مثال تدبر، سیاسی بصیرت نظم و نسق کی مہارت اور دین اسلام کے لئے والہانہ عشق محبت آپؐ کے لئے زبردست تقویت اور ہمت و حوصلہ کے سبب تھے۔ ان کے علاوہ سعد بن وقاص، عبدالرحمن بن عوف، ابو عبیدہ الجراح، علی بن ابو طالب، عثمان بن عفان، زبیر بن العوام، طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، زید بن حارث، حباب بن منذر، محمد بن مسلمہ، حضرت حمزہ، عبداللہ بن مسعود و دیگر مہاجرین و انصار مجلس شوریٰ میں شامل ہوتے اور ہر وقت اپنی بہترین صلاحیتوں کے مطابق صلاح و مشورہ دیتے رہتے تھے۔ حضورؐ نے مسجد نبوی کے فرش پر اپنے مجاہدین کو جو تعلیم و تربیت دی تھی اس کی وجہ سے ان مسلمانوں نے ہمیشہ اپنی کم

تعداد اور کم وسائل جنگ کے باوجود دشمن کی کثیر تعداد اور وافر وسائل کے باوجود ہمیشہ شکست دی اور حضورؐ کی وفات کے چند سال بعد دنیا کی دو سپر پاورز کو بیک وقت شکست فاش دیکر فناہ کے گھاٹ اتار دیا۔ تاریخ عالم ان سے بڑے سپہ سالار کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

9۔ حضورؐ کے پیش نظر دفاع مدینہ کا اہم ترین مسئلہ تھا۔ کیونکہ عرب کی سب سے بڑی طاقت آپ کے خلاف اعلان جنگ کر چکی تھی۔ انہوں نے تمام عرب میں مشہور کر رکھا تھا کہ حضورؐ ان کے دین، مذہب، معبودوں، آبا ؤاجداد اور نظریہ زندگی سب کو تباہ کرنے اور نیا دین اور نیا فلسفہ حیات عرب میں نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی اس کو مذہب اور عقائد کی جنگ بنا رہے تھے جس میں تمام قبائل ان کے ہم مذہب، ہم مسلک اور ہم عقیدہ ان کے ساتھ شامل تھے۔ قریش کعبہ کے متولی اور مجاور ہونے کی وجہ سے تمام قبائل ان کی مذہبی سیادت کے زیر اثر تھے اور ان کی امداد کرنا اپنا فرض خیال کرتے تھے۔ نجد کے قبائل بھی قریش کے ہم خیال تھے اور اہل عرب میں مکہ ممتاز مقام تھا ان کو افرادی و مالی امداد مل سکتی تھی۔

10۔ مسلمان مجاہدین کی فوجی تربیت اور عسکری تعلیم یعنی صبر و استقلال، بہادری و شجاعت، عزم و حوصلہ اپنے نصب العین کی صداقت پر یقین محکم، جہاد کے فضائل اور اسلام کی دعوت سے عائد شدہ فرائض کی بجا آوری، منصب مجاہد یعنی غازی یا شہید وغیرہ کی اہمیت اور عزم راسخ پیدا کرنا۔ تاکہ اپنی عسکری قوت کا استعمال صحیح وقت پر اور صحیح مقام پر کر سکیں۔ اس کے لئے خبر رسانی اور عسکری استخبارات کا انتظام بہت مفید اور ضروری تھا۔

11۔ قریش مکہ کو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ صلح و امن پر مجبور کرنے کے لئے ان کی تجارتی شاہراہ کو جو مکہ سے شام کو مدینہ کے قریب سے ہو کر گزرتی تھی اس کو غیر محفوظ بنانا اور ان کے تجارتی قافلوں کو ہراساں اور پریشان کرنا تاکہ وہ اپنی تجارت کو خطرہ میں محسوس کرتے ہوئے صلح پر آمادہ ہو سکیں۔ اور مسلمانوں کو اسلام کی تبلیغ، مکہ آنے جانے کی آزادی، مدینہ میں امن و سکون کے ساتھ رہنے اور اپنے نصب العین کے حصول کے مواقع حاصل ہو سکیں۔

میثاق مدینہ کا مکمل متن

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ نوشتہ یا معاہدہ محمد (صلی الہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو نبیؐ ہیں، قریش اور اہل یثرب میں سے مومنوں اور اطاعت گزاروں (مسلمانوں) نیز ان لوگوں کے مابین ہے جو ان کے تابع ہوں، ان کے ساتھ شامل ہو جائیں، اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں:

(۱) یہ سب مسلمان دوسرے لوگوں کے مقابل میں ایک امت (یعنی سیاسی وحدت) ہیں۔

(۲) قریش کے مہاجر قبل اسلام کے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے، اور اپنے اسیروں کا فدیہ ادا

کیا کریں گے تاکہ ایمان داروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(۳) بنی عوف کے لوگ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ ادا کر کے چھڑائے گا تاکہ ایمان داروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(۴) بنی حارث اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(۵) بنو ساعدہ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(۶) بنو جشم اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمانداری کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(۷ تا ۱۰) بنو نجار، (۸) بنو عمرو بن عوف، (۹) بنو نبیت (اوس) اور بنو اوس اپنے دستور کے مطابق خون بہا خود ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان داروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(۲ سے ۱۰ تک تمام شقوں کی عبارت ایک ہے، البتہ گروہوں کے نام بدلتے گئے ہیں)

(اہل ایمان کی ذمہ داریاں)

(۱۱) اہل ایمان اپنے میں سے کسی ایسے شخص کو جو مفلس ہو یا قرض کے بوجھ تلے دبا ہو، امداد دیے بغیر نہیں رہیں گے تاکہ اس کا فدیہ یا خون بہا بخوبی ادا ہو سکے۔

(۱۲) کوئی مومن کسی دوسرے مومن کی اجازت کے بغیر اس کے مولیٰ (معاہداتی بھائی) سے معاہدہ نہیں کرے گا۔

(۱۳) متقی مومن ہر اس شخص کی مخالفت پر تیار اور متحد رہیں گے، جو سرکشی اختیار کرے، ظلم، گناہ یا زیادتی کا مرتکب ہو یا ایماندار لوگوں میں فساد پھیلائے۔ ایسے شخص کی مخالفت میں اہل ایمان کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے، اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی ہو۔

(۱۴) کوئی ایماندار کسی ایماندار کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کرے گا اور نہ کسی ایمان والے کے خلاف کسی کافر کو امداد ہی دے گا۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ کا عہد و ذمہ ایک ہی ہے۔ اہل ایمان میں سے کوئی معمولی سا فرد بھی کسی شخص کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا۔ ایمان والے دوسروں کے مقابلے میں باہم بھائی بھائی ہیں۔

(۱۶) یہودیوں میں سے جو ہمارا اتباع کرے گا، اسے امداد و مساوات حاصل ہو گی۔ نہ ایسے لوگوں پر ظلم ہو گا

اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔

(١٧) اہل ایمان کی صلح ایک ہی ہو گی۔ اللہ کی راہ میں جنگ میں ہو تو کوئی ایمان والا دوسرے ایمان والے کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا۔ یہ صلح سب ایمان والوں کے لئے برابر اور یکساں ہونی چاہیئے۔

(١٨) ان تمام گروہوں کو جو ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے، نوبت بہ نوبت آرام کا موقع دیا جائے گا۔

(١٩) ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو نقصان جان اٹھانا پڑے، اس کا بدلہ وہ مل کر لیں گے۔

(٢٠) بلاشبہ متقی مومن سب سے اچھے اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔

(٢١) کوئی مشرک (جو اس معاہدے میں شریک ہے) قریش کے مال و جان کو پناہ نہ دے گا اور نہ اس سلسلے میں کسی ایمان والے کے مانع آئے گا۔

(٢٢) جو شخص کسی ایمان والے کو قتل کرے گا اور اس کا ثبوت بھی مل جائے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا، بجز اس صورت کے کہ مقتول کا والی خون بہا لینے پر رضا مند ہو۔ تمام ایمان داروں پر لازم ہو گا کہ وہ اس کی تعمیل پر اٹھیں۔ اس کے سوا ان کے لئے کوئی صورت جائز نہیں ہو گی۔

(٢٣) کسی ایماندار کے لئے، جو اس نوشتے (صحیفے یا عہد نامے) کے مندرجات کا اقرار کر چکا ہے، نیز اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہے، جائز نہیں ہو گا کہ وہ کوئی نئی بات نکالنے والے (بدعتی یا محدث) فتنہ انگیز کی مدد کرے یا پناہ دے۔ جو اس کی حمایت کرے گا یا پناہ دے گا، وہ قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور غضب کا مستوجب ہو گا جہاں کوئی فدیہ یا بدلا قبول نہیں کیا جائے گا۔

(٢٤) جب کبھی تم (یعنی اس عہد نامے کے پابند لوگوں) میں کسی معاملے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(یہودیوں کے حقوق)

(٢٥) یہودی جب تک مومنوں کے ساتھ مل کر جنگ کرتے رہیں گے، اپنے مصارف بھی خود ہی برداشت کرتے رہیں گے۔

(٢٦) بنی عوف کے یہودی مومنوں کے ساتھ ایک امت (سیاسی وحدت) متصور ہوں گے۔ یہودی اپنے دین پر رہنے کے مجاز ہیں اور مسلمان اپنے دین پر، خواہ موالی ہوں یا اصلی البتہ جو لوگ ظلم یا جرم کے مرتکب ہوں گے، وہ اپنی ذات اور گھرانے کے سوا کسی کو مصیبت میں نہیں ڈالیں گے۔

(٢٧) بنی نجار کے یہودیوں کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کے ہیں۔

(٢٨) یہود بنی حارث کے وہی حقوق ہوں گے، جو یہود بنی عوف کے ہیں۔

(۲۹) یہود بنی ساعدہ کے بی وہی حقوق ہوں گے جو یہود بنی عوف کے ہیں۔

(۳۰) یہود بنی جشم کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو یہود بنی عوف کے ہیں۔

(۳۱) یہود بنی اوس کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو یہود بنی عوف کے ہیں۔

(۳۲) یہود بنی ثعلبہ کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو یہود نبی عوف کے ہیں، البتہ جو ظلم یا جرم کا ارتکاب کرے گا، وہ اپنی ذات یا گھرانے کے سوا کسی کو مصیبت میں نہیں ڈالے گا۔

(۳۳) جفنہ بنی ثعلبہ کی شاخ ہیں، لہٰذا یہود بنی جفنہ کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو یہود بنی ثعلبہ کے ہیں۔

(۳۴) بنی شطیبہ کے حقوق بھی وہی ہوں گے جو یہود بنی عوف کے ہیں، وفا شعاری ہو، نہ کہ عہد شکنی۔

(۳۵) بنی ثعلبہ کے موالی کے حقوق بھی وہی ہوں گے جو اصل کے ہیں۔

(۳۶) یہود کی تمام شاخوں کے حقوق بھی وہی ہوں گے جو اصل کے ہیں۔

(۳۷) کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر جنگ کے لئے نہ نکلے (یعنی معاہدے کا کوئی فریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بغیر کسی سے لڑائی کرنے یا لڑائی کے ارادے سے نکلنے کا مجاز نہیں۔

(۳۸) زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی، جو شخص خونریزی کرے گا تو اس کی ذمہ داری اس پر اور اس کے گھرانے پر ہو گی، بجز اس کے جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ اس کے ساتھ ہے۔

(۳۹) یہود اپنے خرچ کے ذمے دار ہوں گے اور مسلمان اپنے خرچ کے ذمے دار ہوں گے۔

(۴۰) اس معاہدے کے شرکاء کے خلاف جو بھی جنگ کرے گا تو وہ (یعنی یہود و مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور ایک دوسرے کی خیر خواہی پر کار بند رہیں گے اور باہم مشورہ کریں گے۔ ان کا شیوہ وفاداری ہو گا نہ کہ عہد شکنی۔

(۴۱) کسی شخص کو حلیف کی بد عملی کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا اور مظلوم کو ہر حال میں مدد دی جائے گی۔

(۴۲) یہود جب تک ایمان والوں کے ساتھ ہو کر جنگ کرتے رہیں گے، اپنے مصارف جنگ خود ادا کریں گے۔

(۴۳) یثرب کا میدان اس عہد نامے کے شرکاء کے لئے مقدس و محترم ہو گا۔

(۴۴) پناہ گزین کے ساتھ وہی برتاؤ ہو گا جو پناہ دہندہ کے ساتھ ہو رہا ہو۔ نہ اسے نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ وہ خود عہد شکنی کرے گا۔

(۴۵) کسی عورت کو اس کے کنبے والوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی۔

(۴۶) اس معاہدے کے شرکاء کے درمیان کوئی نئی بات، معاملہ یا جھگڑا پیدا ہو جائے، جس سے فساد کا اندیشہ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس صحیفے یا عہد نامے میں جو کچھ درج ہے، اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ اس کی پابندی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفا شعاری سے کی جائے۔

(۴۷) نہ قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ اس شخص کو جو ان کا معاون ہو۔

(۴۸) اگر کوئی یثرب پر حملہ آور ہو تو ان معاہد فریقوں، یعنی یہودیوں اور مسلمانوں، پر ایک دوسرے کی امداد کرنا لازم ہو گا۔

(۴۹) اگر یہودیوں کو صلح کر لینے اور اس میں شریک ہونے کی دعوت دی جائے گی تو وہ اسے قبول کر لیں گے اگر یہودی کسی سے صلح کریں گے اور مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دیں گے تو ان کے لئے بھی اسے قبول کر لینا لازم ہو گا، بجز اس صورت کے کہ جنگ دین کے لئے ہو (یعنی دین کے لئے جنگ ہو تو تعاون کسی فریق پر لازم نہ ہو گا۔)

(۵۰) ہر شخص یا گروہ کے حصے میں اسی رخ کی مدافعت آئے گی جو اس کے بالمقابل ہو۔

(۵۱) اوس کے یہودیوں کو خواہ وہ موالی ہوں یا اصل، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہ معاہدہ قبول کرنے والوں کو حاصل ہیں۔

(۵۲) اس عہد نامے کے حکم میں ظالم و خطاکار داخل نہیں۔ جو جنگ کے لئے نکلے وہ بھی اور جو گھر میں بیٹھا رہے وہ بھی اس کا حقدار ہو گا۔ صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو ظلم و جرم کے مرتکب ہوں گے۔

(۵۳) اللہ اس کا حامی و نگہبان ہے جو عہد و قرار میں وفا شعار اور پرہیز گار ہو، اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے حامی ہیں۔

میثاق مدینہ کی اہمیت

میثاق مدینہ تاریخ عالم کا اولین تحریری آئین و دستور جناب رسول اللہ کے بے مثال سیاسی تدبر اور حکمت عملی کا شاہکار ہے۔

13 نبوی میں جب آنحضرتؐ قریش مکہ سے چھپ کر جس طرح اور جن حالات میں مدینہ پہنچے ان پر غور کریں اور ان صبر آزما مشکلات و مسائل کا جائزہ لیں جن حالات میں آپؐ آتے ہی گھر گئے تھے اور پھر ایک سال کے اندر اندر آپؐ کے حالات میں جو شاندار انقلاب آیا وہ آنحضرتؐ کی عدیم النظیر سیاسی بصیرت، فہم ، فراست اور انتھک جدو جہد کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

1۔ آپؐ نے یہود اور مشرک قبائل کو اعتماد میں لے کر میثاق مدینہ کے نام سے ایک تحریری معاہدہ طے کیا جس کے مطابق مملکت مدینہ کے نام سے ایک ریاست و حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ حضورؐ خود اس مملکت کے سربراہ منتخب ہوئے اور روز اول سے ہی مذکورہ دستور کے مطابق اس مملکت کی بنیاد نظام خداوندی پر قائم کی گئی۔ یہ صدارتی نظام حکومت تھا اس وجہ سے حکومت کے تمام عہدے، محکمے عدلیہ انتظامیہ امور خارجہ، داخلہ اور دفاع آپؐ کے ماتحت تھے اور آپؐ پوری طرح بااختیار سربراہ مملکت تھے۔ مملکت مدینہ کی حدود متعین کی گئیں اور اردگرد میلوں تک تمام آبادی اور علاقہ کو مملکت مدینہ میں شامل کیا گیا۔ تمام ملحقہ علاقوں کے عرب قبائل نے ملت مسلمہ کو دینی، سیاسی و قومی لحاظ سے ایک قوم تسلیم کر لیا اور اس طرح انکو ایک قومی تشخص حاصل ہو گیا جس سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں آسانیاں پیدا ہو گئیں۔

2۔ آئین کی منظوری اور اسلامی ریاست و حکومت کے قیام سے مذہبی، تمدنی اور نسلی لحاظ سے متضاد عناصر کو ایک نظام حکومت کے تحت لا کر آپؐ نے ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ اس میثاق کی دفعات کے مطابق مدینہ کے یہود و مشرک قبائل نے نہ صرف آنحضرتؐ کی سیاسی قیادت اور حکومت تسلیم کر لی بلکہ آپؐ کے حلیف بن گئے اور مملکت مدینہ کے دفاع کی مشترکہ ذمہ داری قبول کر لی۔ اور وعدہ کیا کہ قریش مکہ کی کسی قسم کی امداد نہیں کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ قریش مدینہ میں اپنے حلیف اور مددگار پیدا نہ کر سکے۔ بدر اور احد میں بھی قریش کو مدینہ کے غیر مسلموں کی طرف سے کوئی امداد نہ مل سکی اور مدینہ کے اندر امن و سکون رہا۔ الغرض اس میثاق نے اسلامی مملکت کے حصار یعنی تحفظ کا کام دیا

3۔ اس معاہدہ کے مطابق مدینہ کے تمام لوگوں کو بلا امتیاز مذہب، ملت اور نسل و قبیلہ سب کو بنیادی انسانی حقوق حاصل ہو گئے۔ ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف، مذہب و عقیدہ کی آزادی معاشی عدل، مساوات اور معاشرتی امن و سلامتی کی ضمانت دی گئی۔ الغرض ایسی منظم اور مضبوط مرکزی حکومت کا قیام جس میں تمام لوگوں کو مکمل سیاسی۔ معاشی اور معاشرتی حقوق حاصل تھے آنحضرتؐ کا فقید المثال کارنامہ تھا۔

4۔ اہل مکہ کو آنحضرتؐ کی تمام تعمیری، ترقیاتی اور تبلیغی سرگرمیوں، دفاعی تیاریوں اور ان کی تجارتی شاہراہ کو غیر محفوظ بنانے اور عسکری مہمات کے منصوبوں کا پوری طرح علم ہو رہا تھا۔ ان کو آپؐ کے مملکت مدینہ کے قیام اور اس کا سربراہ مملکت منتخب ہونے اور اسلامی نظام حیات کے قیام سے سخت تشویش تھی۔ ان کو نہ صرف اپنی مذہبی سیادت، اور سیاسی قیادت بلکہ شام اور عراق وغیرہ سے تجارت کو بھی سنگین خطرات لاحق نظر آ رہے تھے۔ ان کو اپنا نظام حیات بھی خطرہ میں نظر آ رہا تھا جس کی بنیاد

بت پرستی، شرک، نسلی تفاخر، قبائلی امتیازات، عیش و عشرت، معاشرتی اورا خلاقی برائیوں پر قائم تھی کیونکہ اسلامی نظام حیات کی بنیاد خالص توحید، روز قیامت پر ایمان، عالمگیر انسانی مساوات، اخوت عدل و انصاف، حریت و آزادی، احترام آدمیت، محبت و رواداری اور امن و سلامتی پر قائم تھی۔ لہٰذا اب دو نظام ہائے زندگی یعنی حق و باطل کے درمیان آخری فیصلہ کن جنگ کا آغاز ہونے والا تھا۔

5- اس معاہدہ کا پہلا حصہ مہاجرین و انصار کے حقوق و فرائض اور دوسرا حصہ یہود مدینہ کے حقوق و فرائض سے متعلق ہے۔ اس معاہدہ میں مدینہ کے تمام طبقات کو شامل کر لینے کے بعد آنحضرتؐ نے گرد و نواح کے قبیلوں کو بھی اس معاہدہ امن و سلامتی میں شامل کرنے کی کوشش کی تاکہ ان قبائل کے درمیان صدیوں سے جاری محاذ آرائی ختم کر کے ان میں اتحاد پیدا کیا جائے تاکہ قریش مکہ ان کو مملکت مدینہ کیخلاف استعمال نہ کر سکیں۔

لہذا ہجرت کے پہلے ہی سال قبیلہ بنو ضمرہ بن بنو بکر اور ہجرت کے دوسرے سال قبیلہ بنو مدلج کو بھی اس معاہدہ میں شامل کر لیا گیا۔

6- سیاسی لحاظ سے یہ ایک تحریری آئین تھا جسے مملکت مدینہ کی اساس بنایا گیا اور اس کے مطابق مرکزی ریاست و حکومت قائم کی گئی۔ جس کے سربراہ آنحضرتؐ منتخب کئے گئے یہ ایک نیا معاشرہ تھا جس کے اندر مکمل سیاسی وحدت موجود تھی۔ اس میں مختلف اقوام و قبائل کے باہمی تعلقات کو ضابطوں کے تحت لایا گیا جس سے فوجی و سیاسی حلیفی کی وضاحت ہوتی ہے۔ صلح و جنگ اور دفاع مملکت مرکزی مسئلہ قرار دیا گیا۔ اور اس سلسلہ میں تمام اختیارات سربراہ مملکت کے حوالے کئے گئے۔ مدینہ پر قریش کے حملہ کی صورت میں مشترکہ جنگ اور باہمی امداد ضروری قرار دی گئی۔ البتہ یہودیوں کے معاشرتی و خانگی مسائل و معاملات میں وہ خود مختار ہونگے اور آنحضرتؐ ان میں مداخلت نہیں کریں گے۔ ان کو مذہب و عقیدہ، دیت اور دوسرے رسم و رواج میں بھی مکمل آزادی دی گئی۔ یہی وجہ تھی کہ یہود مدینہ میں ایک مرکزی ریاست قائم کرنے، انکا متفقہ دستور بنانے۔ آنحضرتؐ کو اس کا سربراہ منتخب کرنے اور معاہدہ میں آپؐ کی رسالت پر بھی کوئی اعتراض نہ کیا اور قریش مکہ کی حیثیت اہل یثرب کے مشترکہ دشمن کی تسلیم کر لی اور ان کے حملہ کی صورت میں مل کر مدینہ کا دفاع کرنے کا بھی اقرار کر لیا۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر میثاق مدینہ کو آنحضرتؐ کی سیاسی بصیرت اور کامیاب حکمت عملی کا شاہکار قرار دیا گیا ہے۔

آنحضرتؐ کی دفاعی حکمت عملی

افرادی قوت کی فراہمی اور تیاری کے علاوہ مادی وسائل کی فراہمی کا مسئلہ بھی درپیش تھا۔ دفاع سے متعلق

اولین ذمہ داری نظریاتی پہلو سے تھی۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق تصور جنگ فرائض رسالت میں شامل تھا۔ ان کی تکمیل کے لئے حضورؐ اقدس کو سربراہ مملکت اور سپہ سالار اعظم کے مناصب اختیار کرنے تھے۔ فرائض رسالت دین و دنیا کو ایک ہی لڑی میں پرونے کا عمل تاریخ میں نسل انسانی کے لئے نیا بھی تھا اور مشکل بھی۔ اب روح و بدن کو ایک ہی قانون کے تابع کرنا تھا۔ اب زندگی ایک وحدت بن گئی تھی۔ اس لئے اب حکومت، سپہ سالاری، عبادت گزاری اور دنیا داری ایک ہی کل کے جزو بن چکے تھے اور یہ کل اور جزو دونوں کا سبق دینے والا اللہ کا آخری رسولؐ ہر پہلو پر عمل کر کے مثال قائم کر رہا تھا۔ تاکہ دنیا نسل انسانی کے بہترین باخدا کے طرز عمل سے شناسار ہے۔ ہر نظریہ حیات دفاع ملت کے متعلق خاص تصور جنگ کا حامل ہوتا ہے۔ رسول اللہؐ کے نظریہ حیات کے مطابق اللہ کے سوا کسی کی اطاعت کی اجازت نہیں۔ اس لئے حضورؐ کے نو سالہ جنگ کے دوران حضورؐ کے ایک سپاہی نے بھی ہتھیار ڈال کر دشمن کی اطاعت قبول نہیں کی۔ جنگ موتہ میں تین ہزار مجاہدین کا ایک لاکھ سے زائد فوج کے ساتھ مقابلہ تھا۔ مگر ایک سپاہی نے بھی کفار کا قیدی بن کر جان بچانا قبول نہ کیا اگر یہ لڑائی دوسرے نظریہ حیات یا غیر اسلامی تصور جنگ کے مطابق لڑی جاتی تو یقیناً یہ فوج کامیابی کو ناممکن سمجھتے ہوئے ہتھیار ڈال دیتی یا ان کا سپہ سالار شکست قبول کر لیتا لیکن چونکہ ان کا نظریہ حیات اسے غیر اسلامی قانون کے تابع اور غیر اللہ کی اطاعت قبول کرنے کی اجازت نہ دیتا تھا اس لئے اس لشکر کے بہادر سالار خالد بن ولید جو اگرچہ بہت بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے فوجی حکمت عملی کے مطابق اپنی تمام فوج کو بچا کر واپس لے آیا۔ مگر ہتھیار نہ ڈالے۔ دور رسالتؐ میں مسلمانوں کے سامنے دعوت اسلام قیام عدل و انصاف اور امن و سلامتی تھا۔ اپنے آپ کو بہترین امت سمجھتے تھے اور معاشرے کو گناہوں اور برائیوں سے پاک کرنا چاہتے تھے۔

وہ دشمن کی تعداد اور بے شمار وسائل سے بھی واقف تھے مگر اپنے مقاصد کی حقانیت پر اس قدر یقین تھا کہ وہ بہرحال اپنے آپ کو کامیاب سمجھتے تھے اور نتیجہ بھی یہی ہوا۔ یقین محکم کا قدرتی نتیجہ۔ ہر جنگ کا ایک مقصد اعلیٰ ہوا کرتا ہے۔ اگر یہ مقصد اعلیٰ جنگ و قتال کے بغیر ہی حاصل ہو جائے تو یہ سپہ سالار اور قائد ملت و قوم کی سیاسی بصیرت اور اعلیٰ تدبر و حکمت عملی کا عظیم الشان ثبوت ہوتا ہے۔ حضورؐ نے بھی اپنا مقصد اعلیٰ عموماً بغیر جنگ و قتال یا بہت معمولی فوجی جھڑپوں اور کم از کم جانی نقصان کے بعد حاصل کر لیا آپؐ کا مقصد اعلیٰ توحید الٰہی، صحت مند معاشرے کا قیام، پر امن زندگی، عدل و انصاف، حریت عقیدہ و دین، انسانی مساوات، محبت و رواداری اور انسان دوستی پر مبنی پاکیزہ معاشرہ کا قیام تھا۔ اس لئے آپؐ نے قتال کی طرف رجوع کیے بغیر بھی دوسرے فریق کے بیچ بچاؤ کے ذریعے سفارتی تعلقات اقتصادی دباؤ، دفاعی اور غیر جانبداری کے معاہدات با اثر قبائل سے عہد نامے وغیرہ غرضیکہ بغیر جنگ کے بھی کامیابی حاصل کرنے کے لئے کئی اقدام اٹھائے۔ حضورؐ نے جب سفارتی ذرائع اقتصادی دباؤ، افرادی قوت کے استعمال، ملت کے اجتماعی معاشی وسائل اور نفسیاتی عوامل کو کامل طور پر استعمال

کیا تو جنگ کی تاریخ میں پہلی بار کلی جنگ اور ملی جنگ کا آغاز ہوا۔ حضورؐ نے کلی جنگ اور دیگر پر امن ذرائع کے استعمال سے اپنے مقصد اعلیٰ یعنی غلبہ اسلام اور اسلام کے حیات بخش اصولوں کے لئے استعمال کیا تو آخری جنگ لڑے بغیر ہی فتح مکہ کے نتیجہ میں تاریخ عالم کی بے مثال فتح و نصرت حاصل ہو گئی اور نو سال کے مختصر عرصہ میں دس لاکھ مربع میل رقبہ پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اور نظام اسلام مکمل طور پر نافذ ہو گیا۔ حضورؐ نے اپنی زندگی میں ہی تاریخ عالم کا عدیم المثال معجزہ کر دکھایا اور وفات سے قبل آپؐ جزیرہ نمائے عرب کے سیاسی راہنما اور مقدس رسول کی حیثیت سے نئے دین اور نئی تہذیب و تمدن کو دنیا میں قائم و دائم کر چکے تھے۔ یہ معراج انسانیت تھا اور آپؐ تاریخ عالم کے عظیم ترین انسان اور اللہ تعالیٰ کے عبد اور رسولؐ تھے۔

آنحضرتؐ کے غزوات و سرایہ کے مقاصد

ابتدائی گشتی دستوں سے حضورؐ کا مقصد قریش مکہ کو ایسے معاہدہ پر مجبور کرنا تھا۔ جس کے مطابق نہ صرف مسلمانوں کو امن و تحفظ حاصل ہو، مذہب کی مکمل آزادی اور مکہ آنے جانے میں کوئی رکاوٹ اور خطرات نہ ہوں اور یہ مقاصد قریش کے تجارتی قافلوں کو خوفزدہ کرنے سے حاصل ہو سکتے تھے۔ کیونکہ تجارت کی بندش سے قریش کی شہہ رگ کٹ جاتی تھی۔ بس ان عسکری مہمات کا مقصد دفاعی اور قریش پر دباؤ ڈالنا تھا۔ اور اسی مقصد کے لئے تجارتی مراکز کے قریب آباد قبائل سے دفاعی معاہدات کئے گئے۔ تاکہ قریش کو صلح و آشتی پر آمادہ کیا جائے۔ بواط و عشیرہ کے گشتی دستوں کا یہی مقصد تھا۔ حضورؐ نے بنی ضمرہ اور بنی مدلج کے ساتھ جو دفاعی معاہدات کئے ان کا مقصد قریش کو مرعوب اور مجبور کرنا تھا کہ ان کو خطرہ محسوس ہو کہ ان کی تجارت خطرہ میں ہے۔ لہذا حضرت حمزہ، عبیدہ بن حارث اور سعد بن ابی وقاص کے گشتی دستوں کے جنگی اغراض نہیں بلکہ دفاع اور امن و سلامتی کے معاملات و معاہدات کی ضرورت تھی۔ لہذا حضورؐ کا ابواء، بواط اور عشیرہ کی طرف گشتی دستے لیکر جانا غزوات نہ تھے اور یہ عسکری مقاصد کے تحت نہ تھے۔ جنگ بدر سے پہلے چھوٹی چھوٹی جھڑپیں اور گشتی سرگرمیاں جن کو سرایا اور غزوات کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کا مقصد جہاد یا جنگ نہ تھا۔ بلکہ دفاع، دباؤ اور قریش کو معاہدہ امن کے لئے مجبور کرنا تھا۔ ہمارے بعض مورخین کی تائید میں مستشرقین نے بھی ان نمائشی گشتی دستوں کو قریش کے تجارتی قافلوں پر غارت گری بتایا ہے کیونکہ پہلے ہی ان بادیہ نشینوں کا پیشہ لوٹ مار اور غارگری تھا اور اب حضورؐ کی قیادت میں مال غنیمت اور لوٹ مار میں اپنا حصہ اور نفع حاصل کرنے کے لئے یہ عسکری مہمات شروع کر دیں۔ لہذا غزوات اور سرایا کا آغام محض لوٹ مار اور مال غنیمت کے لئے تھا۔ اشاعت دین، امن و سلامتی اور اپنے دفاعی مقاصد کے لئے نہ تھا۔ بے شک بادیہ نشین عربوں کی عادت لوٹ مار اور غارت گری ہی تھا مگر مہاجرین مکہ اس تمدنی زندگی کے خوگر تھے جس میں لوٹ مار اور غارتگری کا شائبہ تک نہ تھا اور پھر اسلام کی روحانی اور اخلاقی تعلیم نے ان کو انسان دوستی اور اخلاقی اقدار کا پابند بنا دیا تھا۔ دوسرے انصار مدینہ کے ساتھ بیعت عقبہ ثانی کے

مطابق انصار صرف دفاعی جنگ میں حضورؐ کی امداد کے پابند تھے۔ حملہ آوری اور لوٹ مار کے لئے ساتھ دینے کے پابند نہ تھے۔ علاوہ ازیں یہ لوگ زراعت پیشہ اور آرام و سکون کی زندگی کے خوگر تھے اور شدید مجبوری کے سوا جنگ و جدل کو برا سمجھتے تھے ۔اس لئے مہاجرین و انصار کے لوٹ مار اور مال غنیمت کے لئے یہ عسکری نمائشی گشتی دستے نہ تھے۔

جہاد اور لوٹ مار کے تصور میں بنیادی فرق ہے۔ جہاد صرف اللہ کی راہ میں اپنے عقیدہ اور دین کے تحفظ اور ظلم و جبر کے ساتھ ٹکراؤ کا نام ہے اس میں ذاتی مفاد، ظلم و زیادتی اور انسانی جانوں کا زیاں ہرگز مقصود نہیں۔ صرف دین خداوندی کی آزادی اور حق و انصاف کے لئے باطل طاقتوں اور فتنہ و فساد کو ختم کرنا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے جب آنحضرتؐ کو جہاد یعنی دفاعی جنگ کی اجازت دی تو فرمایا کہ " اب تمہارے لئے صرف یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ ان سے لڑتے رہو۔ یہاں تک کہ ظلم و فساد باقی نہ رہے اور دین کا سارا معاملہ اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔" اور " اجازت جہاد کے متعلق دیگر آیات " سے بھی ظاہر ہے۔" ابتداء میں یہود مدینہ نے حضورؐ سے معاہدہ امن و دوستی کر لیا۔ مگر بعد میں جب انہوں نے مدینہ اور مضافات میں اسلام کا عروج دیکھا تو حسد کی وجہ سے دل سے مخالف ہو گئے ۔ مگر اپنی تجارت اور سود خوری کے پیش نظر اپنی دشمنی کا اظہار نہ کیا اور بظاہر معاہدہ کے پابند رہے۔ مسلمانوں نے بھی یہود پر اپنا رعب و داب قائم رکھنے کے لئے اپنی شان و شوکت اور طاقت کا مظاہرہ اپنے گشتی عسکری دستوں کے ذریعہ جاری رکھا تاکہ یہود اور منافق مرعوب رہیں اور ان کے دلوں پر ہیبت اور خوف طاری رہے اور کھلم کھلا مسلمانوں کی مخالفت پر نہ اتر آئیں۔

لہذا ان عسکری گشتی دستوں کی نمائش کے ذریعے ایک طرف قریش کو اپنی شان و شوکت اور طاقت و قوت کے ذریعے معاہدہ کے لئے مرعوب و مجبور کرنا اور دوسری طرف یہود و منافقین مدینہ پر اپنا رعب اور قوت و شوکت کا دباؤ جاری رکھنا تھا۔ جنگ و جدل اور مال غنیمت لوٹ مار یا قریش کے تجارتی قافلوں پر غارت گری ہرگز نہ تھا۔

اسلام میں دفاع اور اپنے عقیدہ کی حفاظت اور اظہار رائے کی آزادی میں جنگ کرنا جائز بلکہ فرض ہے لیکن ساتھ میں یہ شرط بھی ہے کہ دشمن پر حد سے زیادہ سختی اور تجاوز نہ کیا جائے۔" جنگ میں کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہیئے۔ اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو زیادتی کرنے والے ہیں۔"

غزوات و سرایا کے اسباب

1۔ دشمنان اسلام نے مدینہ پر حملہ کیا اور ان کا مقابلہ کیا گیا۔ جیسے بدر، احد اور خندق وغیرہ۔

2۔ جب یہ معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے تو اپنے دفاع کے لے ان کے خلاف پیش قدمی کی گئی بعض اوقات اچانک اور بعض اوقات ان کو اطلاع کرنے کے بعد یعنی حالات کے مطابق ۔

3۔ محکمہ تفتیش کا قیام:۔ دشمنوں کی نقل و حرکت سرگرمیوں اور سازشوں کا پتہ لگانے اور خبر رسانی کے لئے جاسوسی کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا گیا اور ابتداء ہی میں اس غرض سے مسلح اور جمعیت کی صورت میں جاسوسوں کے دستے بھیجے گئے جو دس دس بارہ بارہ افراد پر مشتمل ہوتے تھے۔

4۔ دشمن کے حملہ کی خبر سن کر مدافعت کے لئے پیش قدمی کر کے ان کے حملہ کرنے سے قبل ہی جا کر قابو پانا۔ یعنی دشمن پر اچانک حملہ کر کے اس پر کامیابی حاصل کر لینا، دومتہ الجندل اور مریسیع وغیرہ میں اسی طرح کامیابی حاصل ہوئی۔

5۔ قریش نے نہ صرف مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ بلکہ کعبہ کے عمرہ، حج اور طواف سے بھی محروم کر دیا اور مکہ میں چھوڑی ہوئی ان کی تمام جائیدادوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ اب ان کے تجارتی قافلوں کو جو شام کے لئے آتے جاتے تھے اور مدینہ کے پاس سے گزرتے تھے ان کو روکا جائے۔ ان پر دباؤ ڈالا جائے اور ان کی یہ تجارت جو ان کی شہ رگ تھی کو غیر محفوظ بنا دیا جائے تاکہ وہ مجبور ہو کر مسلمانوں سے معاہدہ صلح اور امن و سلامتی کرنے پر مجبور ہوں چونکہ ان قافلوں کی روک ٹوک کے وقت کبھی کبھی ٹکراؤ بھی ہو جاتا تھا۔ اور جنگ پر نوبت آ جاتی تھی۔ اس لئے قریش کی شکست اور فرار کی صورت میں ان کے قافلوں کا مال تجارت بھی بطور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگ جاتا تھا۔ درحقیقت قافلہ کو لوٹنا اصل مقصد نہ تھا۔ بالآخر اس معاشی اور تجارتی دباؤ کی وجہ سے قریش صلح حدیبیہ پر مجبور ہو گئے تھے۔

6۔ امن و آمان قائم کرنا:۔ تمام قبائل آپس میں لڑ رہے تھے۔ تجارت بالکل غیر محفوظ تھی۔ عرب کی معاش کا بڑا ذریعہ رہزنی، قتل و غارت اور لوٹ مار تھا۔ مگر اسلام ان چیزوں کو مٹاتا تھا۔ وہ امن و آمان سلامتی اور انسانیت کا مذہب تھا۔ وہ ہر شخص کی جان و مال اور عزت و آزادی کے تحفظ کا سبق دیتا تھا۔ اس لئے عرب اسلام سے بڑھ کر وہ کسی کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ بہت سی مہمات اس لوٹ مار اور قتل و غارت کو روکنے اور امن و آمان قائم کرنے کے لئے بھی بھیجی گئیں۔ ان خانہ بدوش بادیہ گرد قبائل کی لوٹ مار اور غارت گری کو روکنے کے لئے ان پر اچانک حملے کئے جاتے تھے۔ تاکہ وہ خبر ملتے ہی پہاڑوں اور دور دراز مقامات پر نہ بھاگ جائیں۔ اکثر اوقات ایسا ہی ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے آنے کی خبر سن کر منتشر ہو جاتے پہاڑوں اور صحراؤں میں بھاگ جاتے۔

7۔ اشاعت اسلام:۔ چونکہ ملک میں امن و آمان نہیں تھا اس لئے تبلیغی جماعتوں کی حفاظت کے لئے فوجی دستے بھی ساتھ کر دیئے جاتے تھے تاکہ مبلغین کی جان و مال محفوظ رہے مگر بئر معونہ اور رجیع کے مقام پر مبلغین کی تمام جماعتوں کو قتل کر دیا گیا۔ اشاعت اسلام کے ساتھ جانے والے فوجی دستوں کو ہدایت تھی کہ مقصد صرف دعوت رشد و ہدایت ہے۔ جنگ و قتال نہیں لہذا لڑائی سے اجتناب کریں۔

8۔ صنم کدوں اور بتوں کو مسمار کرنے کے لئے مہمات بھیجی گئیں۔ کیونکہ فتح مکہ کے بعد اگرچہ تمام عرب حلقہ

بگوش اسلام ہو گیا تھا مگر پھر بھی لوگ بڑے بڑے مشہور بتوں اور بت خانوں کو تباہ کرنے سے اجتناب کرتے تھے چنانچہ بت شکنی کے لئے بھی چند سرایا بھیجے گئے اور تمام بت نیست و نابود کر دیے گئے۔

جنگ افعال انسانی کا بدترین منظر ہے۔ خصوصاً زمانہ جاہلیت میں عرب کی جنگیں ظلم ، بربریت میں اپنی مثال نہ رکھتی تھیں۔ ہر قسم کے وحشیانہ اور سفاکانہ افعال عمل میں لائے جاتے تھے۔ ان کے مقابل اسلام نے جنگ میں اور مقتولین کے ساتھ انسانی سلوک کرنے کی اصلاحات نافذ کیں اور آخر وہی جنگ جو ہر طرح کے ظلم ، ستم اور جہالت ، وحشت کا مجموعہ تھی۔ اسلام کی تعلیم نے اس کو قیام امن و عقیدہ کی آزادی ، رفع فساد ، نصرت مظلوم اور راہ خدا میں جہاد میں تبدیل کر دیں۔

غزوات و سرایا میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب

1۔ آپ پیغمبرؐ تھے اس لئے آپؐ کو تائید خداوندی ضرور حاصل تھی۔ مگر آپؐ نے دوران جنگ عظیم سپہ سالار کی طرح بہترین حربی تدابیر اور فنون جنگ کی بہترین صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ جو کہ آپؐ کی کامیابی کا باعث ہوا۔

2۔ آپؐ اور صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ پر انتہائی توکل تھا۔ اپنی پوری قوت ، استعداد ، جان نثاری اور ہمت و شجاعت کے باوجود تائید ایزدی پر ہر وقت بھروسہ رہتا تھا۔ عین اس وقت جب دونوں طرف کی فوجیں برسرپیکار ہوتیں رسول اکرمؐ نہایت خضوع و خشوع اور اطمینان قلب کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں سربسجود ہوتے اور فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے۔ کبھی مجاہدین کو جنت کی بشارت دیتے ۔ بدر ، احد ، خندق اور خیبر جیسے بڑے غزوات میں یہی کیفیت تھی۔

3۔ آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ بے مثال عزم و استقلال ، ہمت و شجاعت ، صبر و قناعت ، دیانت و صداقت ، قوت برداشت ، ثابت قدمی اور بلند حوصلگی کا مظاہرہ کرتے کہ دشمن پس پا ہونے پر مجبور ہو جاتا۔

4۔ میدان جنگ میں فتح و نصرت کے بعد قیدیوں کے ساتھ بہترین انسانی سلوک کیا۔ ان کو اکثر معاف کر دیا۔ ہمیشہ مفتوح قوموں اور عوام کے دل جیتنے کی کوشش کی اور اپنے اخلاق و کردار کا ایسا مظاہرہ کیا کہ وہ خود بخود حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔

5۔ ہر جنگ کے دوران حضورؐ کی حربی حکمت عملی اور تدابیر بڑی کامیاب اور کارگر ثابت ہوئیں اور دشمن پر غلبہ حاصل کرتے۔

6۔ آپ جنگوں کے اصول اور سامان حرب و ضرب کا بہترین استعمال کرتے اور بوقت ضرورت ہر قسم کا سامان جنگ حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔

7۔ اصول جنگ کے مطابق اکثر غزوات میں حضورؐ اپنا ارادہ اور پروگرام پہلے سے ہی عام لوگوں کو نہیں بتا دیتے

تھے بلکہ ہر بات راز میں رکھتے تھے۔ اور بوقت مناسب دشمن پر اچانک حملہ کر کے اس کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے۔ میدان جنگ میں صف بندی، نظم و ضبط اطاعت آمیر وغیرہ۔ تدابیر اختیار کرتے یعنی جنگ میں فتح یاب ہونے کے لئے ہر ممکن ذرائع اور تدابیر اختیار کرتے۔

8۔ محکمہ تفتیش کے ذریعے دشمن کی نقل و حرکت اور اس کے تمام منصوبوں کے متعلق پیشگی معلومات حاصل کر لیتے دشمن کی فوجی طاقت، تعداد، اسلحہ اور سامان جنگ وغیرہ سے واقفیت حاصل کر لیتے اور اسی طرح دشمن کے مقابلہ کے لئے پوری قوت اور تیاری کے ساتھ میدان میں آتے۔

9۔ اکثر حالات میں جغرافیائی پوزیشن اور محل وقوع کا فائدہ اٹھانے کی حکمت عملی اختیار کی۔ فوج کی معنویت اور ہمت افزائی کی وجہ سے ہر مسلمان نے میدان جنگ میں جان توڑ کر دشمن کا مقابلہ کیا اور قیدی بن جانے یا راہ فرار اختیار کر جانے کا تصور بھی نہ کیا۔

10۔ ہر قسم کا سامان جنگ مہیا کرنے کی کوشش کی گئی۔ تیر، کمان، ڈھال، تلوار، خود، زرہ، برچھی و بھالا کے علاوہ قلعہ شکن آلات سے بھی کام لیا گیا اور دوران جنگ اپنا شعار مقرر کیا گیا تاکہ پہچان ہو سکے۔ الغرض فتح و ظفر کے لئے ہر ممکن جدوجہد اور سعی و عمل سے کام لیا گیا۔ ہر قسم کا سامان حرب و ضرب حاصل کر کے دوران جنگ استعمال کیا گیا۔ ہر قسم کی حربی و عسکری تدابیر اختیار کی گئیں اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی تائید و حمایت پر انحصار کیا گیا۔

11۔ حضورؐ نے اتلاف جان کے بغیر دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے طاقت استعمال کرنے کی بجائے اپنی دفاعی طاقت کو تعداد، تنظیم، جفاکشی، جنگی تیاریوں اور اخلاقی تربیت کے لحاظ سے تیزی سے نشوونما دی اور پھر اس طاقت کو مشین کی طرح نقل و حرکت میں رکھا۔ مخالف طاقتوں کو مرعوب اور خوف کا ہدف بنائے رکھا۔ مکہ والوں کی شاہراہ تجارت کی ناکہ بندی کر کے ان کو کمزور کیا۔ معاہداتی رابطوں کے ذریعے مختلف قبائل کو بتدریج دشمن سے توڑ کر اپنے ساتھ ملا لیا۔

12۔ فوجی کاروائیوں کے لئے کبھی اچانک دشمن کو موقع دیے بغیر حملہ کر دیا۔ مثلاً فتح مکہ، کبھی غیر متوقع راستے اختیار کر کے اور نقل و حرکت کی منزل مقصود کو اخفا میں رکھ کر مخالف طاقت کو غلط فہمی میں ڈالا۔ کبھی اپنا نقشہ جنگ پہلے سے اپنے حق میں بنا لیا۔ مثلاً بدر اور احد اور کبھی ایسی دفاعی تدابیر اختیار کیں جس کا تجربہ دشمن کو نہ تھا۔ مثلاً بدر میں صف بندی اور غزوہ خندق کی خندق کھودنا وغیرہ۔ آپؐ کا پورا نظام دفاع مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق رہا اور یہی وجہ تھی کہ آپؐ نے قلیل تعداد اور سامان حرب کی کمی کے باوجود دشمن کی کثیر تعداد اور اسلحہ کی فراوانی کے باوجود فتح حاصل کی۔ حضورؐ کی تمام لڑائیاں صرف قریش اور ان کے چند حلیف قبائل اور یہود کے ساتھ ہوئیں۔ قریش نے خود بدر، احد اور خندق کے مواقع پر حملہ کیا اور جب ان کا زور ٹوٹ گیا تو خاموشی کے ساتھ مکہ پر

حملہ کر کے بلا جنگ و قتال اس پر قبضہ کر لیا اور حنین کی لڑائی اور طائف کے محاصرہ کے بعد دشمن کی تمام طاقت ختم ہو گئی۔یہود کا بھی حکمت عملی کے ساتھ خاتمہ کر دیا گیا۔

اس تمام کشمکش کے دوران تمام عرب کے قبائل اور آبادی دونوں طاقتوں کے مقاصد، کردار اور سیاسی عسکری قوت کا جائزہ لیتی رہیں۔اور جب مسلمانوں نے اپنی قوت اور برتری ثابت کر دی تو تمام قبائل کے وفود نے مدینہ میں آکر اسلام قبول کر لیا۔

13۔ جنگ بدر سے قبل مہمات کا مقصد تصادم نہ تھا اور نا ہی یہ عسکری مہمات تھیں بلکہ ان کے ذریعے ریاست مدینہ کی سرحدات کی حفاظت اور دیکھ بھال تھا اور قریش کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنا تھا۔اور سب کو اس حقیقت کی اطلاع کرنا کہ اب اس علاقہ میں ایک حکومت قائم ہے اور مدینہ اس کا مرکز ہے۔مجاہدین کو اس علاقہ کے جغرافیائی حالات سے روشناس کرانا۔مجاہدین کو جنگ کی عملی تربیت اور دفاع کے لئے تربیت دینا اور علاقہ کے حالات بتانا تھا۔قریش کی تجارتی شاہرہ پر کنٹرول کرنا اور قریش کو یقین دلانا کہ اب یہ شاہراہ مملکت مدینہ کے اندر سے ہو کر جاتی ہے۔اسی طرح ان پر معاشی و تجارتی دباؤ بڑھانا تاکہ وہ مجبور ہو کر صلح پر آمادہ ہو جائیں۔کیونکہ قریش شام اور عراق کی شاہراہ پر تجارتی سفروں سے 2-1/2 لاکھ اشرفی سالانہ کی آمدنی حاصل کرتے تھے۔

14۔ آپؐ نے خبر رسانی کا ایک مضبوط نظام قائم کیا جس کے ذریعے آپؐ کو نہ صرف قریش کی تمام نقل و حمل اور تیاریوں کا پتہ چلتا رہتا بلکہ دیگر قبائل کی تیاریوں اور ان کے منصوبوں اور یہودیوں کی سازشوں کا بھی علم قبل از وقت ہو جاتا تھا۔

15۔ آنحضرتؐ کے ہر غزوہ اور سرایا کو جنگ کہنا غلط ہے۔کیونکہ ہر غزوہ اور سرایا میں جنگ و قتال نہیں ہوا۔ رسولؐ اللہ کے غزوات و سرایا کا سلسلہ آپؐ کے اسوہ حسنہ کا ایک اہم اور نہایت ہی سبق آموز باب ہے۔

اگر جنگ اپنے حقوق کی حفاظت اخلاق و سیاسی آزادی اور حق و صداقت کے غلبہ کے لئے لڑی جائے تو کم تعداد بھی بڑی تعداد پر غالب آسکتی ہے۔1020 تا 1004 ق۔م میں طالوت کے صرف 313 مجاہدین نے جالوت کے اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر کو شکست فاش دی اور حضرت داؤد نے جالوت جیسے بڑے پہلوان سپہ سالار کو میدان جنگ میں قتل کر دیا اس پر قرآن نے کہا" بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے حکم سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے۔اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔"

16۔ عہد نبوی کی جنگیں تاریخ انسانی میں غیر معمولی طور پر ممتاز ہیں۔اکثر دگنی، تگنی اور بعض اوقات دس گنا طاقت سے مقابلہ اور قریب قریب ہمیشہ ہی فتح حاصل ہوئی اور مدینہ کی شہری مملکت سے جو آغاز ہوا دس سال بعد جب آنحضرتؐ کی وفات ہوئی تو دس لاکھ مربع میل سے بھی زائد رقبہ زیر اقتدار آچکا تھا۔اس برصغیر پاک و ہند کے برابر وسیع علاقے کی فتح میں فریقین کے ایک ہزار کے قریب افراد کام آئے۔انسانی خون کی یہ عزت و حرمت

تاریخ عالم میں بلا خوف تردید بے نظیر ہے۔ ان فتوحات کا دوسرا پہلو قبضے کا استحکام، مفتوحہ علاقوں کے لوگوں میں ذہنی انقلاب اور حلقہ بگوش اسلام ہو جانا۔ اور ایسے یگانہ روزگار انسانوں کی تعلیم و تربیت جنہوں نے حضورؐ کے بعد صرف پندرہ سال کے عرصہ میں دنیا کی دو سپر پاورز کو میدان جنگ میں شکست فاش دے کر تین براعظموں ایشیاء افریقہ اور یورپ پر پھیلے ہوئے بائیس لاکھ مربع میل رقبہ پر قبضہ کر کے وہاں عالمگیر انسانیت کے اصولوں کے مطابق تہذیب و تمدن کے ایک دور جدید کا آغاز کر دیا۔ جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی اور یہ ایک شاندار انقلاب تھا۔

17۔ آنحضرتؐ کی تمام حربی مہمات غزوات و سرایا کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی کی ذلت سے نجات دلا کر انہیں عزت، وقار اور عدل و انصاف مہیا کیا جائے۔ دنیا کو اجتماعی، امن، سکون اور محبت و رواداری سے بہرہ ور کیا جائے۔ آنحضرتؐ کی زندگی اور صحابہ کرام کے دور میں ہی اسلام کا عدل و انصاف اور عالمگیر مساوات و اخوت کا پیغام ہر جگہ پہنچ چکا تھا اور دنیا سے ظلم و استبداد، ناانصافی اور استحصال کی تمام شکلیں مٹا کر حریت و آزادی، احترام انسانیت اور ایثار و قربانی کی درخشاں روایات قائم ہو چکی تھیں۔ ان غزوات کا مقصد ملک گیری فتوحات، توسیع پسندی اور ہوس اقتدار نہ تھا بلکہ خدا کی زمین کو ظلم اور ظالموں سے پاک کرنا اور امن و سلامتی کا قیام تھا۔

جہاد کی اجازت اور اہمیت

قرآن پاک نے جہاد کے متعلق جو احکام دیے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے صرف دفاعی ضروریات کے لئے جنگ کی اجازت دی ہے تاکہ مسلمان اپنی جان و مال اور عزت و آزادی کا تحفظ کر سکیں۔ اور دعوت حق کی راہ میں جو فتنے کھڑے ہوں ان کا سدباب کر کے امن و سلامتی کی فضا پیدا کی جائے اور لوگ اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی زندگی آزادی کے ساتھ گزار سکیں۔ مسلمان زیادتی کے مرتکب کسی حالت میں نہ ہوں۔ جب کوئی صلح کی جانب بلائے تو جنگ بند کر کے فوراً صلح کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ حضورؐ کے یہ غزوات و سرایا درحقیقت حق و باطل عدل و انصاف، حریت و آزادی، مساوات و اخوت اور دنیا میں عقیدہ و مذہب کی آزادی، ہر شخص کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ اور امن و سلامتی کے قیام کے لئے تھے۔

ہجرت کے دوسرے سال بارہ صفر 2ھ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کی اجازت کا حکم سورۃ حج کی اس آیت کے ذریعے دیا گیا۔

> "ان لوگوں کو جہاد کی اجازت دے دی گئی ہے۔ جن سے کفار کی طرف سے جنگ کی جاتی ہے۔ اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ حق تعالیٰ ان کو غلبہ عطا فرمانے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے

صرف اتنی بات پر کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اگر حق تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہونے سے نہ بچاتا تو نصاریٰ کے عبادت خانے اور گرجا گھر اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں بکثرت اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ سب کے سب منہدم اور ویران کر دیئے جاتے۔ بے شک حق تعالیٰ اس شخص کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا۔ بلاشبہ حق تعالیٰ قوت اور غلبہ والا ہے۔ یہ مسلمان وہ ہیں کہ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت عطا کر دیں تو وہ نماز کو جاری رکھنے کا اہتمام کریں گے اور اپنے مالوں کی زکواۃ ادا کیا کریں گے اور لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے منع کریں گے۔ بالآخر سب کاموں کا انجام خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔"

غزوات و سرایا کا آغاز

قریش کے خلاف رمضان 1 ھ سے 2 ھ تک نو مہمیں بھیجی گئیں جن میں سے پانچ رسولؐ خدا کی اپنی سرکردگی میں گئیں۔ نویں مہم جنگ بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی اور حق و باطل کا فیصلہ کر گئی۔

i۔ پہلی مہم :۔ رمضان 1 ھ حضرت حمزہؓ کی سرکردگی میں سمندر کی طرف جہنیہ کے علاقے میں بھیجی گئی۔ اس میں تیس مہاجر تھے۔ قریش کے قافلے میں (300) سو آدمی تھے ابو جہل بھی ان میں موجود تھا۔ سمندر کے ساحل کے قریب عیس کے مقام پر آمنا سامنا ہوا مگر کوئی لڑائی نہ ہوئی۔

ii۔ دوسری مہم :۔ دوسری مہم شوال 1 ھ میں حضرت عبیدہ بن حارث کی زیر قیادت ساٹھ مہاجرین پر مشتمل رابغ کی طرف بھیجی گئی وہاں قریش کے دو سو آدمیوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ ان میں ابو سفیان اور عکرمہ بن ابو جہل بھی شامل تھے۔ سعد بن ابی وقاص نے اسلام کا پہلا تیر چلایا لیکن کوئی جنگ نہ ہوئی۔ فریقین واپس ہوگئے۔

iii۔ تیسری مہم :۔ ذیقعد 1 ھ میں سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں خرار تک پہنچے۔ اس میں (20) بیس مہاجرین شامل تھے جو پیدل تھے رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے۔ خرار پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش کا قافلہ نکل گیا ہے۔

iv۔ چوتھی مہم :۔ صفر 2 ھ میں رسول خدا کی سرکردگی میں ساٹھ مہاجرین کا فوجی دستہ نکلا۔ قریش کا قافلہ تو نہ ملا مگر قبیلہ بنو ضمرہ کے ساتھ معاہدہ امن و سلامتی ہو گیا جس میں بنو ضمرہ نے بوقت ضرورت مسلمانوں کی امداد کا وعدہ کیا۔ بنو ضمرہ کا سردار مخشی بن عمرو تھا اس غزوہ کو غزوہ ودان یا ابواء کہتے ہیں۔ ان دونوں مقامات کے درمیان چھ میل کا فاصلہ ہے۔ ابواء کے مقام پر آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ کا مزار ہے۔ حضورؐ نے وہاں قیام کیا اور مغفرت کی دعا کی۔

v- پانچویں مہم :- یہ غزوہ بواطہ کے نام سے مشہور ہے - ماہ ربیع الاول 2 ھ بمطابق جولائی 623 - غزوہ بواط پیش آیا۔ اس کا سفید علم حضرت سعد بن وقاص کے ہاتھ میں تھا اور سعد بن معاذ کو مدینہ پر اپنا جانشین مقرر کیا تھا آپ کے ہمراہ دو سو مہاجرین تھے - آپؐ بواط کے مقام پر پہنچے مگر امیہ بن خلف اپنے سو آدمیوں اور اڑھائی ہزار اونٹوں کے قافلے کو لے کر نکل چکا تھا۔

vi- چھٹی مہم :- غزوہ صفوان کرز بن جعفر فہری مدینہ کی چراگاہ سے حضورؐ کے مویشی چرا کر لے گیا۔ حضورؐ نے اس کا تعاقب کیا اور وادی صفوان تک گئے مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ اور حضورؐ واپس تشریف لے آئے۔

vii- ساتویں مہم :- غزوہ عشیرہ جمادی الاول 2 ھ بمطابق اکتوبر 623ء میں پیش آیا۔ حضرت حمزہ سفید علم اٹھائے ہوئے تھے - آپؐ دو سو مہاجرین کے ساتھ روانہ ہوئے مگر صرف تیس اونٹ تھے ان پر باری باری سوار ہوتے تھے - آپؐ بمقام عشیرہ یعنی ینبع تک پہنچے - قریش کے قافلہ سے ٹکراؤ نہ ہوا۔ کیونکہ یہ قافلہ شام کی طرف نکل چکا تھا۔ البتہ یہاں پر ایک سیاسی کامیابی حاصل ہوئی وہ یہ کہ قبیلہ بنو مدلج سے معاہدہ امن و سلامتی ان ہی شرائط پر طے پا گیا جن کے مطابق بنو ضمرہ سے ہوا تھا۔ ینبع مدینہ سے ایک سو ساٹھ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔

viii- آٹھویں مہم :- سریہ عبداللہ بن جحش اسدی :- رجب 2 ھ م نومبر 623 ۔ کو عبداللہ بن جحش کی زیر سرکردگی دس مہاجرین پر مشتمل ایک گشتی دستہ مکہ اور طائف کے درمیان مقام نخلہ کی طرف ایک خط دے کر روانہ کیا گیا جس میں حکم تھا کہ دو دن کی مسافت کے بعد وہاں پہنچ کر خط کو کھولو اور اس میں درج ہدایات کے مطابق عمل کرو۔ لیکن اپنے ساتھیوں کو اس پر عمل کے لئے مجبور نہ کریں۔ تحریر تھا کہ نخلہ میں واقع باغ میں جا کر قیام کرو۔ اور قریش کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھو اور ان کے متعلق ہم کو اطلاع کرتے رہو۔ ان دنوں مکہ کے قریب جانا سخت خطرناک تھا۔ اس لئے عبداللہ بن جحش نے ساتھیوں کو اختیار دیا کہ چاہیں تو آگے جائیں نا چاہیں تو نا جائیں۔ سب نے آمادگی ظاہر کر دی۔ آگے چل کر دو آدمیوں کے اونٹ بھٹک گئے باقی نخلہ پہنچے وہاں سے قریش کا ایک قافلہ گزر رہا تھا۔ مجاہدین نے آپس میں مشورہ کر کے ان پر حملہ کر دیا ان کا سامان تجارت اپنے قبضے میں کر لیا۔ واقد بن عبداللہ تیمی کے تیر سے عمرو بن حضرمی قتل ہو گیا۔ عثمان بن عبداللہ اور حکیم بن کیسان گرفتار ہوئے۔ نوفل بن عبداللہ بھاگ گیا۔ مسلمان تمام مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر مدینہ پہنچ گئے۔ اس مال میں سے خمس اللہ اور رسول کے لئے علیحدہ کیا اور بقایا مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ یہ اسلام کی کفار سے پہلی جھڑپ تھی - جس میں پہلا کافر قتل ہوا۔ پہلی دفعہ دو کافر قیدی بنائے گئے اور ان کا مال بطور غنیمت لیا گیا اور پہلا خمس نکالا گیا۔ رسولؐ اللہ نے اس لڑائی پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ جب لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا تو لڑے کیوں اور یہ مہینہ بھی حرمت کا تھا۔ قریش، یہود اور دیگر قبائل نے بھی شور مچایا کہ مسلمانوں نے حرمت والے مہینے میں مال لوٹا اور جنگ کی آخر اللہ کی طرف سے مجاہدین کے حق میں آیت نازل ہوئی اور عبداللہ بن جحش کے عمل کو جائز قرار دیا۔

حضورؐ نے خمس وصول کر لیا اور سعد بن وقاص اور عتبہ بن غزوان کی واپسی کے بعد جس کا اونٹ گم ہو گیا تھا عثمان بن عبداللہ سے فدیہ لے کر آزاد کر دیا اور حکم بن کیسان نے اسلام قبول کر لیا۔ اور پھر بیئر معونہ کے حادثے میں شہید ہوئے۔

اس مذکورہ نخلہ کی جنگ میں عمرو بن حضرمی کا قتل جنگ بدر کا ایک اہم سبب تھا۔

2 ھ 624 ء کے حالات و واقعات

"غزوہ بدر کے وجوہات، واقعات اور نتائج"

جنگ بدر کے وجوہات حسب ذیل تھے:۔

بدر کا محل وقوع

بدر ایک بیضوی شکل کا میدان ہے ۔ قریباً ساڑھے پانچ میل لمبا اور قریباً چار میل چوڑا چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ بدر کا مقام مکہ سے قریب 160 میل اور مدینہ سے نوے (90) میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔یہاں سے ایک راستہ شمال کی جانب شام کو جاتا ہے اور دوسرا مشرق کی جانب مدینہ کو اور تیسرا جنوب کی طرف مکہ کو اور ایک چوتھا راستہ مغرب کی طرف بحر احمر کی طرف جاتا ہے اس سلسلہ کوہ اور سمندر کے درمیان میدانی علاقہ ہے ۔ بدر سے ساحل سمندر قریباً بارہ میل ہے۔ بدر کے مقام پر ہر سال ایک میلہ لگتا تھا جو ایک ہفتہ جاری رہتا تھا۔

غزوہ بدر کی وجوہات

1۔ مملکت مدینہ کے قیام، بیثاق مدینہ کے تحریری آئین و دستور کی منظوری اور آنحضرتؐ کے اس مملکت مدینہ کا سربراہ منتخب ہونے کے بعد اب مملکت مدینہ کی حدود کی حفاظت آپؐ کی ذمہ داری قرار پا چکی تھی اور شاہراہ تجارت جو مکہ سے شام جاتی تھی مملکت مدینہ کے اندر سے گزرتی تھی اب یہ شاہراہ مسلمانوں کی ملکیت اور ان کے زیر انتظام تھی بنو ضمرہ اور بنو مدلج سے معاہدات امن و باہمی امداد اور بنو جہینہ کے ساتھ معاہدہ غیر جانبداری طے پا چکے تھے ۔اب یہ تمام علاقہ یا تو مملکت مدینہ کی حدود میں شامل تھا یا اس کے حلیف قبائل کے ماتحت تھا۔ لہذا اب قریش کے قافلوں کا اس علاقہ سے بغیر مملکت مدینہ کی اجازت کے گزرنا خلاف آئین و قانون تھا۔اب یہ شاہراہ تجارت مملکت مدینہ کی ملکیت اور زیر کنٹرول تھی۔ لہذا کسی مکی قافلہ کا آنحضرتؐ کی اجازت کے بغیر اس شاہراہ پر سے گزرنا بین

الاقوامی قانون کے خلاف تھا۔ لہذا جب مکی قافلہ ابو سفیان کی سرکردگی میں مکہ سے روانہ ہوا تو اسی وقت آپؐ کو خبر رسانی کے ذرائع سے معلومات حاصل ہو گئی تھیں اور آپؐ مہاجرین کی ایک پارٹی کو لے کر ذی العشیرہ تک گئے تھے مگر ابو سفیان آگے نکل کر جا چکا تھا اب اس قافلہ کی واپسی پر حضورؐ نے اس قافلہ کو روکنے کا پروگرام مرتب کیا کیونکہ اگر اس طرح قریش پر تجارتی دباؤ نہ ڈالا جاتا۔ ان کی شاہراہ تجارت غیر محفوظ نہ بنائی جاتی اور مسلمانوں کی قوت و طاقت کا مظاہرہ نہ کیا جاتا تو قریش مطلوبہ معاہدہ امن و صلح کرنے پر مجبور و آمادہ نہ ہوتے جس کے مسلمان زبردست ضرورت مند تھے اور اگر مسلمان قافلہ کو روکتے ہیں اور ان کے پچاس ہزار دینار کے مال و اسباب پر قبضہ کرتے ہیں تو فریقین کے درمیان جنگ ناگزیر تھی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

قریش مکہ کی شروع کی ہوئی جنگ کو اقتصادی مفاد یا سیاسی اغراض کے لئے استعمال نہیں کیا۔ شاہراہ شام مدینہ کے قریب سے ہو کر گزرتی تھی اور قریش قافلوں کا اس شاہراہ پر سے گزرنا بجائے خود جنگی عمل کے مترادف تھا۔ لہذا اگر آپؐ ان تجارتی قافلوں کو لوٹنے یا ان پر قبضہ کرنے کے لئے فوجی دستوں کو روانہ فرماتے بھی تو آپ بین الاقوامی قانون کے مطابق حق بجانب ہوتے مگر مدینہ کے گشتی دستوں اور عسکری پارٹیوں نے مکی قافلوں کو لوٹنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مدینہ کے پاس اس وقت مسلمانوں کی تعداد اور وسائل کی بے حد کمی تھی۔ قرآن کہتا ہے کہ " تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک نہ لیں" جو اس قدر کمزور اور خوفزدہ ہوں انہوں نے آگے بڑھ کر دوسروں کے قافلوں کو لوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ان کا اخلاق و کردار اور تعلیم و تربیت ہی لوٹ مار اور غارت گری کے خلاف تھی۔

-2 آنحضرتؐ قریش کے ساتھ دل سے صلح چاہتے تھے اور یہ نمائشی دستے صرف ان پر اقتصادی دباؤ ڈالنے کے لئے تھے تاکہ وہ اپنی تجارت کو خطرہ میں محسوس کرتے ہوئے معاہدہ امن و سلامتی پر آمادہ ہو جائیں آپ کی ہر ممکن کوشش تھی کہ قریش کے ساتھ آپ کا تنازعہ اور اختلافات بغیر جنگ کے ختم ہو جائیں آپؐ قریش کو بہت چاہتے تھے نہ صرف اس لئے کہ وہ آپ کی قوم اور نسل تھے ان کے ساتھ آپؐ کے اور اصحابہ کے خونی رشتے تھے۔ دونوں طرف عزیز و اقارب اور قریبی رشتہ دار تھے بلکہ آپؐ قریش کی خداداد صلاحیتوں اور ان کی افرادی قوت کو اسلام کے غلبہ و ترقی کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی قریش مسلمان ہوتا تو آپؐ کو بے حد خوشی ہوتی تھی۔ اس کی تمام سابقہ عداوتوں، ایذا رسانیوں اور ظلم و ستم کو بھلا کر اسے اپنے سینے سے لگا لیتے تھے۔ عزت و احترام دیتے تھے۔ اس پر اعتماد و بھروسہ کرتے اور اس کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کرتے۔ خالد بن ولید، عمرو بن العاص ابو سفیان

بن حرب اور دیگر بے شمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

3۔ نخلہ کے مقام پر واقد بن عبداللہ سہمی کے تیر سے عمرو بن الحضرمی کی موت جو مسلمانوں کے ہاتھوں پہلا قتل ہوا ایک تاریخی واقعہ بن گئی۔ اور اس کے بعد قریش اور مسلمانوں نے اپنے اپنے طریقہ کار کو تبدیل کر دیا۔ قریش نے حضرمی کے قتل کو حرمت والے مہینے میں بہانہ بنا کر رسول اللہؐ اور مسلمانوں کے خلاف تمام عرب کو مشتعل کرنے اور انتقام کے لئے آمادہ کرنے کا آغاز کر دیا۔ اور اب آنحضرتؐ کا یہ خیال پختہ ہو گیا کہ قریش مکہ سے سمجھوتہ امن و صلح کی توقع بے سود ہے۔ اور اب فیصلہ میدان جنگ میں ہی ہو گا۔

4۔ قریش آنحضرتؐ اور صحابہ کے خون کے پیاسے تھے اور وہ اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ لہذا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ بدر کی جنگ محض عمرو بن حضرمی کے قتل اور ابو سفیان کی قیادت میں شام سے آنے والے قافلہ کو لوٹنے سے بچانے کے لئے عمل میں آئی۔ بلکہ اس کی وجہ قریش کی یہ زبردست خواہش اور کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے وہ مختلف سازشیں قوت اور طاقت کا استعمال اور دیگر تخریبی حربے استعمال کرتے تھے اور بدر کی جنگ بھی قریش کے خفیہ منصوبے کی وجہ سے عمل میں آئی۔ کیونکہ اگر قافلہ کا خطرہ تھا وہ تو بچ کر نکل چکا تھا اور جحفہ کے مقام پر ہی ان کو ابو سفیان کا پیغام مل چکا تھا۔ اور عمرو بن حضرمی کا خون بہا تو میدان بدر میں عتبہ بن ربیعہ ادا کرنے کو تیار تھا۔ پھر جنگ کیوں؟ پس حقیقت یہی ہے کہ قریش مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کا مکمل استیصال کر دینا چاہتے تھے۔

5۔ جنگ بدر آنحضرتؐ اور مسلمانوں نے دفاع ملک و ملت اور اسلام کی سربلندی کے لئے لڑی اور یہ جنگ ہر پہلو اور ہر معیار کے مطابق ایک دفاعی جنگ تھی۔ قریش اپنی پوری طاقت کے ساتھ قافلہ تجارت کی حفاظت کا بہانہ بنا کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے تاکہ مسلمانوں کو مکمل طور پر ختم کر دیں۔ قریش نے ہجرت کے ساتھ ہی جب آنحضرتؐ ان کی قتل کی سازش سے زندہ بچ کر مدینہ پہنچ چکے تھے۔ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ انہوں نے عبداللہ بن ابی بن سلول کو ایک دھمکی آمیز خط میں تحریر کیا تھا کہ "تم نے ہمارے آدمیوں کو پناہ دی ہے ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تم کو قتل کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کرینگے اور اب جب انہوں نے دیکھا کہ مدینہ میں مسلمانوں کی قوت و طاقت اور تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ آنحضرتؐ نے مدینہ میں ایک آزاد و خود مختار حکومت و ریاست "مملکت مدینہ" کے نام سے قائم کر لی ہے اور آپؐ اس مملکت کے قیام کی وجہ سے ہماری شام کے ساتھ تجارت بھی

خطرہ میں پڑ چکی ہے۔ جو ان کی معیشت کی شہ رگ ہے۔ تو انہوں نے باہمی مشورہ سے ایک سازش کے تحت ابو سفیان کو قریباً پچاس ہزار درہم مالیت کا قافلہ تجارت دے کر شام روانہ کیا تاکہ وہاں سے مکہ پیغام ارسال کرے کہ میرا قافلہ تجارت مسلمانوں کی زد میں ہے اسی لئے ایک لشکر جرار لے کر اس کی مدافعت کے لئے مدینہ کی طرف چل پڑو۔ اور اسی طرح مسلمانان مدینہ کے خلاف اس جارحیت کا یہ جواز ہو گا کہ ہم تو اپنا تجارتی قافلہ مسلمانوں کی دست برد سے بچانے کے لئے گئے تھے اور اس طرح ہمیں مسلمانوں کو کچل دینے کا بہانہ مل جائے گا۔ چنانچہ ابو سفیان نے بمقام زرقہ شام سے ضمضم بن عمرو غفاری کو معاوضہ دے کر مکہ بھیجا کہ قریش کو اطلاع کرے کہ ان کا قافلہ تجارت خطرہ میں ہے۔ فوراً اس کو بچانے کے لئے پوری طاقت کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو چلو۔ چنانچہ ضمضم نے مکہ آکر شور مچایا کہ محمدؐ اور اس کے صحابہ تمہارے قافلہ پر غارت گری کرنے والے ہیں اس کو بچانے کے لئے جلد روانہ ہو جاؤ۔ ورنہ قافلہ کا سب مال و اسباب مسلمان لوٹ کر لے جائیں گے۔

6۔ قریش کا مسلمانوں پر بے پناہ مظالم توڑ کر انہیں جلا وطنی پر مجبور کرنا، ان کے مال و اسباب اور جائیدادوں پر قبضہ کرنا، ان کو کعبہ کے حج اور زیارت سے محروم کرنا۔ ان کے نئے مسکن حبشہ اور پھر مدینہ کے حکمرانوں اور بااثر لوگوں کو ان مہاجرین کو پناہ نہ دینے کی ترغیب دینا اور دوسری طرف ان ناانصافیوں اور مظالم کا بدلہ لینے کے لئے مدینہ سے مسلمانوں کا قریش پر معاشی دباؤ ڈالنا اور شام کی تجارتی شاہراہ کو بند کرنا اور نخلہ کے مقام پر عمرو بن حضرمی کا قتل وغیرہ ہیں۔ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی مالی حالت بہت کمزور ہو گئی تھی کیونکہ وہ اپنا سب کچھ، مال و دولت، ساز و سامان اور املاک و جائیداد مکہ چھوڑ آئے تھے۔ یہاں انصار کا پیشہ زراعت تھا اور تجارت پر یہود قابض تھے۔ اس لئے مہاجرین قریش مکہ سے انتقام لینے اور اپنے مال و اسباب واپس لینے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ جنہوں نے ان کو ان کے وطن عزیز سے نکالا اور عزیز و اقارب سے جدا کیا تھا۔

مدینہ سے آنحضرتؐ کی روانگی کا مقصد

1۔ معلوم ہوتا ہے کہ مکی لشکر کے مکہ سے روانہ ہونے کی اطلاع حضورؐ کو مدینہ میں مل چکی تھی اور آپؐ اس لشکر کے متوقع حملہ کا مقابلہ مدینہ سے دور بدر کے میدان میں کرنا چاہتے تھے تاکہ دشمن مدینہ پہنچ کر مدینہ کا محاصرہ نہ کر لے۔ مکہ سے لشکر قریش بدر میں اس وقت پہنچا جب مدینہ کا لشکر بھی وہاں پہنچ چکا تھا ثابت کرتا ہے کہ آنحضرتؐ کو قریش کے لشکر کی قبل از وقت اطلاع مل چکی تھی اور آپؐ مدینہ سے اس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے تھے۔ قرآن حکیم کی اس آیت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ مدینہ میں ہی مسلمانوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ قافلہ اور لشکر دونوں آرہے ہیں۔ کمزور دل مسلمان قافلہ پر حملہ

کرنا چاہتے تھے ۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کا لشکر کے ساتھ مقابلہ کرا کر کفر کی طاقت کو پاش پاش کرنا چاہتا تھا۔

2۔ آنحضرتؐ 13 رمضان 2 ھ کو مدینہ سے جنگ بدر کے لئے روانہ ہوئے۔ قریباً 313 مہاجرین و انصار مجاہدین ساتھ تھے۔ مدینہ سے ایک میل بیرَابی عتبہ کے مقام پر حضرت طلحہ اور زید سے ملاقات ہوئی جو قافلہ قریش کی معلومات حاصل کرنے کے لئے ارسال کئے تھے۔ انہوں نے قافلہ کے نکل جانے کی اطلاع دی۔ اس کے بعد چار میل چل کر جب آپؐ بیعت السقیا پہنچے تو آپؐ نے مجاہدین کے لشکر کا جائزہ لیا اور ان میں سے کم عمر نوجوان صحابہ عبداللہ بن عمر، آسامہ بن زید، رافع بن محمد، براء بن عذب، آسیر بن حضیر، زید بن ارقم اور زید بن ثابت کو واپس کر دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کے چھوٹے کم عمر بھائی عمیر بن ابی وقاص کو جب واپسی کا حکم دیا گیا تو وہ رو پڑے اور حضورؐ نے محبت و شفقت کے تحت اس کی ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ آپؐ کی اجازت سے حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنے عزیز مجاہد بھائی کو رسم شمشیر بندی ادا کی جو میدان بدر میں جام شہادت نوش کر گئے۔ یہ واقعہ بھی ثابت کرتا ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت ہی آنحضرتؐ کو معلوم تھا کہ مقابلہ لشکر مکہ سے ہو گا ورنہ نو عمر شیر دل نوجوانوں کو واپس جانے کا حکم نہ دیتے۔

3۔ سب کو معلوم تھا کہ ابو سفیان کے قافلہ کے ہمراہ صرف تیس چالیس افراد ہیں۔ ان تیس چالیس افراد کے قافلہ کو لوٹنے کے لئے 313 کے لشکر مجاہدین کی ضرورت نہ تھی یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ مقابلہ لشکر مکہ سے ہی ہونا تھا۔

4۔ غلط فہمی محض حضرت کعب بن مالک کی ایک روایت سے پیدا ہوئی حالانکہ حضرت کعب بذات خود جنگ بدر میں شامل نہ تھے۔ لہٰذا روایات کی تصدیق کو قرآن کی آیات، درآیت اور عقل و دلائل کے مقابلے میں فوقیت نہیں دی جا سکتی۔ وہ بدر میں شامل نہ تھے اس لئے ان کی روایت سنی سنائی باتوں کا نتیجہ تھی۔

مدینہ سے روانگی سے قبل مسجد نبوی میں حضورؐ نے تمام صحابہ کا ایک اجلاس عام بلایا اور اس میں تمام حالات بیان فرمائے۔ چونکہ ایسے اجلاسوں میں منافقین بھی شامل ہوتے تھے اس لئے آپؐ نے اپنی خفیہ معلومات اور لشکر قریش کی روانگی کے متعلق کھل کر تفصیلات بیان کرنا مناسب خیال نہ کیا تاکہ دفاع ملک و ملت کے راز دشمن تک نہ پہنچ جائیں بہرحال آپؐ نے آشارات کی زبان میں سب کچھ بیان کر دیا جو صحابہ کے علم میں لانا ضروری تھا تاکہ مکمل طور پر تیاری ہو سکے ۔ صحابہ کرام کو موقع کی نزاکت کا احساس بھی ہو جائے مگر لوگ خوف زدہ بھی نہ ہوں اور بے دلی بھی نہ پھیلے۔ لشکر قریش کے ساتھ آپؐ نے قافلہ ابو سفیان کا بھی ذکر کیا اور قرآن کی یہ آیت کہ " دونوں جماعتوں میں سے ایک

تمہارے ہاتھ لگے گی" کا بھی بیان کر دیا تاکہ صرف وہی افراد ساتھ جا سکیں جو اخلاق و کردار میں بلند معیار کے حامل ہوں اور میدان جنگ میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں جن کی تعلیم و تربیت ہر طرح مکمل ہو چکی ہو اور جو توحید و رسالت اور حکم الٰہی پر جان دے کر شہادت کی سعادت اور بلند ترین مقام حاصل کرنے کے لئے تیار ہوں۔

5۔ مسلمان صحابہ کا اجتماع بدر سے ایک منزل دور ذفران کے مقام پر نہیں ہوا تھا بلکہ مدینہ میں ہوا تھا۔ جب حضورؐ نے اس نازک مسئلہ پر روشنی ڈالی اور تمام صورت حال سے سب کو مطلع کیا تو مشاورت کے اصول کے مطابق پہلے مہاجرین کی طرف نگاہ اٹھائی حضرت ابو بکرؓ اور عمر فاروقؓ نے باری باری اپنے خیالات و آراء کا اظہار کیا اور ہر حکم کی تعمیل کے لئے پیش کیا۔ پھر حضرت مقداد نے اعلان کیا کہ یا رسولؐ اللہ آپؐ جب اور جہاں جائیں گے ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ " اے موسیٰ! آپ اور آپ کا خدا جنگ کریں۔ ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔" ہم آپ کے حکم پر جانیں قربان کر دیں گے ۔ اس کے بعد جناب رسولؐ اللہ نے انصار کی جانب نگاہ اٹھائی۔ اس سے قبل چار سرایا اور چار غزوات ہو چکے تھے مگر ان میں انصار شامل نہ ہوئے تھے ۔ اب حضورؐ نے ان کی رائے معلوم کی تو سعد بن عبادہ اٹھے اور کہا " یا رسولؐ اللہ! ہم آپؐ کی رسالت پر ایمان لائے ۔ ہم آپؐ کی صداقت کا اعلان کرتے ہیں۔ جہاں جی چاہے تشریف لے چلئے ہم آپؐ کے ساتھ ہونگے ۔ اگر آپؐ سمندر میں بھی کود جائیں گے۔" تو حضرت سعد بن عبادہ نے حضورؐ کو انصار کی طرف سے مکمل جان نثاری، قربانی اور وفاداری کا یہ یقین مدینہ ہی میں دلایا تھا کیونکہ آپ جنگ بدر میں شامل نہ ہو سکے اور مدینہ سے ہی لشکر اسلام کو وداع کیا۔ اس سے بھی صاف واضح ہوتا ہے کہ حضورؐ مدینہ سے لشکر کفار کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے تھے نہ کہ قافلہ کو لوٹنے کے لئے۔ آپؐ نے یہ سن کر فرمایا " اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ دونوں جماعتوں میں سے ایک تمہارے ہاتھ لگ جائے گی" ۔ یہ آیت کریمہ مدینہ میں اتری تھی۔ ظاہر ہے کہ اجلاس عام بھی مدینہ کے اندر منعقد ہوا ہوگا۔

6۔ اگر آپؐ قافلہ لوٹنے کے لئے روانہ ہوئے تھے تو ذفران کے مقام پر پہنچ کر جب یقین ہو گیا تھا کہ قافلہ نکل چکا ہے اور اب اہل مکہ کا لشکر مقابلہ کے لئے آ رہا ہے تو آپؐ ذفران سے واپس مدینہ کیوں نہ آ گئے اور میدان بدر کی طرف کیوں بڑھ کر لشکر کفار کے مقابلہ کے لئے میدان جنگ میں پہنچ گئے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ لشکر کفار کے مقابلہ ہی کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔

7۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مکی لشکر کے متعلق آپؐ نے صحابہ کو مدینہ میں نہیں بلکہ ذفران پہنچ کر مطلع کیا اور وہاں مہاجرین و انصار کی آراء دریافت فرمائیں ۔ مگر قرآن کی آیت کریمہ پر غور کرنے سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدینہ سے نکلنے کے موقع کی بات ہے۔ بدر کے میدان میں پورے مدنی لشکر نے انتہائی صبر و ثبات کا ثبوت پیش کیا۔ ان 313 افراد میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا۔ جو خوفزدہ ہوا ہو کہ "ان کو موت کی طرف ہانکا جا رہا ہے" یا آپؐ سے "درست بات میں جھگڑا کرتے تھے۔"

جنگ بدر کے واقعات

جنگ بدر مورخہ 17 رمضان 2 ھ جنوری 624ء بروز جمعہ واقعہ ہوئی۔ مکہ سے قریش قریباً ایک ہزار افراد جن میں چھ سو زرہ پوش، سات سو اونٹ اور سو گھوڑے تھے روانہ ہوئے۔ ان کے علمبردار سائب بن یزید تھے۔ لشکر قریش کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ تھا مگر ہر قبیلہ کا علیحدہ علیحدہ قائد بھی تھا۔ ان کے ساتھ گانے والیاں بھی تھیں جو رقص و سرود کے ذریعے لشکر قریش کو خوش کرتیں اور ڈھول بجا کر گانا گا کر مسلمانوں کی ہجو کرتیں اور قریش کا دل بڑھاتیں۔ قریش کو اپنی عددی برتری اور کثرت اسلحہ پر ناز تھا۔ اس لئے بڑے تکبر، غرور اور فرعونیت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ قریش کے ساتھ رسد کا معقول انتظام تھا اور ان کے بارہ سردار باری باری ہر روز نو یا دس اونٹ ذبح کر کے پورے لشکر کی دعوت کرتے تھے۔

آنحضرتؐ کی زیر قیادت لشکر اسلام جس کی تعداد تین سو تیرہ (313) تھی۔ ستر اونٹ اور صرف دو گھوڑے تھے۔ اور سامان حرب و ضرب اور رسد و خوراک کی بھی شدید قلت تھی۔ 12 رمضان 2 ھ کو مدینہ سے باہر نکلے اور شہر کے باہر قیام کیا۔ اور 13 رمضان کو روانہ ہو کر 16 تاریخ کو میدان بدر میں پہنچ گئے۔ لشکر اسلام کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔ خزرج کا جھنڈا حباب بن منذر اور اوس کا جھنڈا حضرت سعد بن معاذ اٹھائے ہوئے تھے۔ اس دن مسلمانوں کا علامتی کلمہ یعنی شعار "احد ۔ احد" یا "منصور امت" تھا۔ آنحضرتؐ نے حباب بن منذر اور دیگر صحابہ کے مشورہ سے لشکر کفار کے نزدیک ترین چشمے پر قبضہ کر کے وہاں ایک حوض تیار کرا کر اس میں پانی ذخیرہ کر لیا اور دیگر چشموں کو بند کرا دیا۔ یہ پانی جنگ کے دوران پینے، غسل کرنے اور وضو کرنے کے کام آتا رہا۔

قریش بدر میں بطن وادی یلیل کے دوسرے کنارے پر عقنقل ٹیلہ کے پیچھے فروکش ہوئے۔ بدر کے کوئیں بطن یلیل سے مدینہ کی سمت والے کنارے کے قرب تھے یہ وادی بہت نرم اور دھنسنے والی تھی۔ رات کو بارش ہو گئی جس کی وجہ سے خاک دب کر زمین سخت ہو گئی۔ اس کے برخلاف قریش کی جگہ نشیب میں تھی بارش کا پانی جمع ہونے کی وجہ سے زمین دلدلی ہو گئی تھی۔ قریش کے لئے چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔ دوران جنگ مسلمانو کو پانی ملتا رہا اور قریش اس سے محروم رہے۔ اس سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔ اس کے علاوہ چونکہ مسلمانوں کا کیمپ ایسی جگہ واقع تھا کہ طلوع سورج ان کے پیچھے تھا اور ان کا منہ مغرب کی طرف تھا۔ جبکہ قریش کا منہ مشرق کی

طرف تھا اور سورج ان کے سامنے سے طلوع ہوا تھا۔ لہذا پیش قدمی کرنے اور جنگ کے دوران سورج کی روشنی ان کے سامنے تھی لہذا ان کو مشکلات پیش آرہی تھیں۔

حضرت سعد بن معاذ کے مشورہ سے کیمپ کے پیچھے اونچی جگہ پر حضورؐ کے لئے ایک کھجور کی شاخوں کی جھونپڑی یعنی عریشہ بنا دیا گیا۔ اور آپؐ اس میں قیام پذیر ہوئے۔ کچھ تیز رفتار سواریوں کو بھی آپؐ کے پاس کھڑا کر دیا گیا تاکہ ہنگامی صورت حال اور ضرورت کے وقت کام آسکیں۔ حضرت سعد بن معاذ تلوار ہاتھ میں لے کر حضورؐ کی جھونپڑی کے باہر پہرہ دینے اور حفاظت کے لئے کھڑے ہو گئے اور حضرت ابو بکر آپؐ کے پاس ہی رہے۔ لڑائی شروع ہونے سے قبل آنحضرتؐ نے یہ دعا فرمائی۔ "اے اللہ! ایمان والوں کی یہ چھوٹی سی جماعت آج ختم ہو جاتی ہے تو پھر قیامت تک تیرے احکام کو ماننے والے کوئی نہ رہیں گے۔"

13 رمضان 2 ھ کو مدینہ کے باہر سے جب حضورؐ بدر کی طرف روانہ ہوئے تو ابو لبابہ بن المنذر کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرما دیا۔

جب قافلہ کے واپس آنے کا وقت آیا تو حضورؐ نے طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید کو قافلہ کی خبر رسانی کے لئے مقرر کیا جو مقام "حور" میں آکر گھات میں بیٹھ گئے۔ جب وہاں سے قافلہ گزرا تو دونوں اصحاب تیز رفتاری سے رسول اللہ کے پاس پہنچے لیکن آنحضرتؐ کو ان کے مدینہ پہنچنے سے بھی پہلے یہ خبر مل چکی تھی اس قافلہ تجارت میں مکہ کے تمام لوگوں نے سرمایہ کاری کی تھی جن کی مجموعی رقم پچاس ہزار دینار تھی۔ رسولؐ اللہ نے مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا "قریش کا قافلہ واپس جا رہا ہے۔ اے مسلمانو! ہمت کرو امید ہے کہ اللہ تمہیں تمہارے مال سے بھی کچھ زیادہ دلوائے۔" ابو سفیان مرد دانا تھا۔ اس کو بھی مسلمانوں کے عزائم کا علم ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ صرف تیس چالیس افراد تھے۔ اس لئے اس نے ایک شخص ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر قریش مکہ کو خطرہ سے آگاہ کرنے کے لئے ان کے پاس مکہ بھیج دیا۔ ضمضم نے مکہ پہنچ کر شور مچایا کہ ابو سفیان کے قافلے کو بچانے کے لئے فوراً نکل کھڑے ہو ورنہ مسلمان اس کو لوٹ لیں گے۔ چنانچہ ابو جہل نے ابو سفیان کے قافلہ کو بچانے کے لئے فوراً تیاریاں شروع کر دیں اور ایک ہزار فوج قریش کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ مالک بن جعشم نے بنو کنانہ کی طرف سے ذمہ داری اٹھائی کہ وہ ان کی غیر حاضری میں قریش کے گھروں پر حملہ نہیں کریں گے۔ چنانچہ بنی کنانہ کی طرف سے اس یقین دہانی کے بعد ابو جہل اپنے لشکر کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جس میں ایک ہزار جنگجو سوار تھے۔

آنحضرتؐ کے دو مخبروں بسبس بن عمرو اور عدی نے ایک ٹیلہ کے قریب پانی کے چشمہ پر اپنے اونٹ بٹھا کر دو لڑکیوں کی گفتگو سن کر اور مجدی بن عمرو الجہنی سے ملاقات کے بعد آنحضرتؐ کو آکر اطلاع دی کہ ابو سفیان کا قافلہ اس وقت سمندر کے ساحل کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ جحفہ کے مقام پر لشکر قریش کو ابو سفیان کا

پیغام ملا کہ قافلہ بخیریت بچ کر نکل آیا ہے۔ اس لئے اب جنگ کی ضرورت نہیں۔ واپس مکہ چلے آؤ مگر ابو جہل نہ مانا اور اصرار کیا کہ تین دن تک بدر قیام کر کے اور داد عیش دے کر واپس مکہ جائیں گے۔ ابو سفیان ایک مدبر اور عقلمند انسان تھا۔ اس کا خیال تھا کہ چونکہ مسلمانوں نے قافلہ پر حملہ نہیں کیا لہذا اب قبائل قریش اور دیگر عرب کے عوام کو مدینہ پر حملہ کرنے کا کیا جواز پیش کریں گے۔ لہذا اب لڑائی کا الزام اہل مکہ پر آئے گا۔ ابو جہل کے واپس جانے کے انکار پر اخنس بن شریق بن عمر جو بنو زہرہ کا حلیف تھا نے بنو زہرہ سے کہا کہ اللہ نے تمہارا مال بچا دیا ہے اور تمہارا عزیز مخرمہ بن نوفل بھی بچ گیا ہے۔ اب تمہیں آگے جانے اور جنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ واپس چلو۔ اس مشورہ پر قبیلہ بنو زہرہ کے تمام افراد حجفہ سے واپس چلے گئے اور ان کے ساتھ ہی بنو عدی بن کعب کے تمام لوگ بھی واپس چلے گئے اور اس طرح ان دونوں قبیلوں کے لوگوں نے جنگ میں حصہ نہ لیا۔ طالب بن ابی طالب مکہ سے قریش کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ مگر نہ وہ قتل ہوئے۔ نہ گرفتار ہوئے اور نہ ہی واپس مکہ پہنچے۔ اس کے بعد ان کا کوئی پتہ نہ چل سکا کہ اس کا کیا انجام ہوا۔ لڑائی کی ابتداء میں حضرت عمر کے غلام مہجع کو دشمن کا ایک تیر آ کر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ مسلمانوں میں یہ پہلے شخص ہیں جو شہید ہوئے۔

آنحضرتؐ نے بدر کے میدان میں پہنچ کر ایک مقام پر معسکر قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس پر حباب بن منذر نے دریافت کیا کہ " حضورا کیا یہ مقام اپنے معسکر کے لئے جو آپؐ نے منتخب فرمایا ہے حکم الٰہی کے تحت ہے یا آپ کی جنگی تدبیر اور ذاتی رائے ہے؟ " آپؐ نے فرمایا " میری ذاتی رائے اور جنگی تدبیر ہے۔ " حباب نے عرض کیا " اس سے بہتر ہے کہ ہم بدر کے آخری چشمہ پر ڈیرہ ڈالیں۔ " آپؐ نے اس کی رائے کو پسند فرمایا۔ رسولؐ اللہ نے اس موقع پر صحابہ کے سامنے اعلان فرمایا " میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں، رائے کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہو گا۔ میں بغیر تمہارے مشورہ کے (دنیاوی امور میں) کوئی کام نہیں کروں گا۔ میں اچھے مشورہ کا طالب ہوں لوگوں کو چاہئے کہ اپنے مناسب مشوروں سے مجھے آگاہ کرتے رہا کریں۔"

(آنحضرتؐ۔ بحیثیت سپہ سالار صفحہ ۱۳۳)

بعد میں آنحضرتؐ نے علی، زبیر اور سعد بن وقاص کو لشکر کفار کی معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجا جو قریش کے دو سقوں کو کنوئیں سے پکڑ کر لے آئے۔ آپؐ نے ان سے قریش کے لشکر کے متعلق بہت سی مفید معلومات حاصل کیں اور ان کو چھوڑ دیا۔

بدر پہنچ کر حضورؐ نے لشکر کو وادی کے شمالی سرے پر اتارا اور چند صحابہ کے ہمراہ بدر کے چشمے پر حالات دریافت کرنے اور میدان جنگ کا جائزہ لینے کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وادی کے جنوبی سرے پر جبل عقنقل کے پیچھے مکی لشکر خیمہ زن ہو چکا ہے۔ ان کی تعداد ایک ہزار ہے اور تمام بڑے بڑے سردار اس میں شامل ہیں۔

دونوں لشکر بدر کے میدان کے شمال اور جنوب میں اپنے اپنے ڈیرے ڈالے پڑے ہیں اور اگلی صبح حق و باطل کا تاریخ ساز معرکہ ہونے والا ہے۔ جس نے تاریخ عالم میں ایک شاندار انقلاب پیدا کرنا تھا۔ ادھر مدنی لشکر نماز عشاء کے بعد پرسکون نیند میں ڈوب گیا اور ان کا قائد بارگاہ رب العزت میں رات بھر سر بسجود رہا۔ ادھر غرور و تکبر اور اپنی طاقت کے نشہ میں بدمست اہل مکہ رات بھر شراب و کباب اور رقص و سرور کی محفلوں میں داد عیش دیتے رہے اور رات بھر نہ سو سکے۔ صبح مسلمان مجاہدین پرسکون اور تازہ دم تھے مگر قریش تھکاوٹ اور نیند کی حالت میں۔

میدان جنگ میں آنحضرتؐ نے سب سے پہلے اپنے ہاتھ سے مجاہدین کی صف بندی کی یہ دو صفیں بالکل سیدھی اور بنیان مرصوص کی طرح ناقابل تسخیر۔ یہ صف بندی عرب میں اسلوب جنگ کا ایک نیا تجربہ تھا۔ اس لئے مجاہدین میں عزم و ہمت، شجاعت و بہادری اور استقامت کا زبردست جوش و جذبہ پیدا ہوا۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ حکم ملنے سے قبل کوئی شخص آگے بڑھنے یا حملہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اس طرح آپؐ نے دفاعی طریقہ جنگ اختیار کیا۔ کیونکہ دشمن کو ایک کے مقابلے میں تین کی برتری حاصل تھی۔ اس لئے ظاہر تھا کہ وہ حملہ آور ہونے کو ترجیح دے گا۔ اس لئے آپؐ نے دفاعی تدابیر اختیار کی تھیں تاکہ جب مکی لشکر کا زور ٹوٹ جائے تو ایک ہی زبردست جوابی حملہ میں مکی لشکر کو دھکیل کر میدان جنگ سے باہر نکال دیا جائے۔ آپؐ نے اس منصوبہ بندی کے اعلان کے ساتھ ہی ایک پرجوش تقریر میں جہاد کی اہمیت خصوصاً اس حق و باطل کے تصادم کو زندگی و موت اور اسلام کی بقاء قرار دیا تھا اور فرمایا کہ جنت کے دروازے کھلے ہیں۔ شوق شہادت سے آگے بڑھو اور غازی یا شہید کا درجہ حاصل کرو۔ اس سے بہتر موقعہ زندگی میں میسر نہیں آئے گا۔

میدان بدر میں سب سے زیادہ سخت امتحان مہاجرین کا تھا۔ کسی کے مقابلہ پر اس کا باپ تھا۔ کسی کے مقابلہ پر اس کا بیٹا، کسی کے مقابلہ پر اس کا بھائی اور کسی کے مقابلہ پر اس کا چچا اور بھتیجا یا کوئی اور رشتہ دار۔ قریش جب میدان میں اترے تو آپؐ نے حضرت عمرؓ کو قریش کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ مکہ لوٹ جائیں۔ ہم ایک ہی قبیلہ کے لوگ آپس میں نہ لڑیں۔ حکیم بن حزام اس تجویز پر بہت خوش ہوئے اور سرداران قریش کو مشورہ دیا کہ آپؐ کی یہ تجویز مان لی جائے اور بغیر جنگ کے ہم واپس مکہ چلے جائیں۔ عتبہ بن ربیع نے بھی اس تجویز کو بہت پسند کیا بلکہ عمرو بن حضرمی کے قتل کا خون بہا بھی دینے کے لئے تیار ہو گیا۔ مگر ابو جہل اور اس کے ساتھی نہ مانے۔

میدان جنگ میں لشکر اسلام کی صف آرائی عربوں کے لئے نیا تجربہ تھا۔ عرب چھاپہ مار جنگ کے عادی تھے مگر مسلمان کندھے سے کندھا ملا کر دو صفوں میں کھڑے تھے۔ جس سے ان کے استقلال اور ثابت قدمی میں آسانی پیدا ہوئی۔ ہجوم میں ایسا ممکن نہیں ہوتا۔ حضورؐ نے ہاتھ میں چھڑی لے کر صفیں سیدھی کیں اور حکم دیا کہ جب تک آپؐ حکم نہ دیں تیر اندازی نہ کی جائے۔ اور نہ ہی کوئی دوسرا ہتھیار استعمال کیا جائے۔ حکم ملنے سے قبل آگے

بڑھنے یا حملہ کرنے سے بھی قطعی طور پر منع فرما دیا تھا۔ اور اس طرح حضورؐ نے دفاعی حکمت عملی پر عمل کیا اور اسلامی لشکر سیسہ پلائی دیوار کی طرح اپنے مقام پر قائم رہا اور جب دشمن نے حملہ کیا تو مسلمانوں کی صفیں قائم رہیں اور جب دشمن کے حملے کا زور ٹوٹ گیا تو مسلمانوں نے بیک وقت ایک ہی زبردست حملے سے دشمن کو دھکیل کر میدان جنگ سے باہر نکال دیا۔

میدان بدر میں فریقین ایک دوسرے کے مقابلہ پر صف بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ قریش سے اسود بن عبدالاسد مخزومی پانی کے حوض کی طرف بڑھا مگر حضرت حمزہ نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد عتبہ بن ربیعہ، اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ اور بیٹا ولید بن عتبہ میدان جنگ میں آئے۔ اور مبارزت طلب کی۔ انصار کے تین جوان عبداللہ بن رواحہ اور الحارث کے دونوں بیٹے عوف اور معوذ تھے جن کی والدہ کا نام عفراء تھا ان کے مقابلے کے لئے بڑھے مگر انہوں نے قریش مسلمانوں کے ساتھ مبارزت کا مطالبہ کیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے حضرت حمزہ، علی اور عبیدہ بن حارث کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ حضرت حمزہ اور حضرت علی نے شیبہ اور ولید بن عتبہ کو جلد ہی قتل کر دیا۔ عتبہ نے عبیداللہ کو زخمی کر دیا۔ یہ دیکھ کر حمزہ اور علی نے عتبہ پر مل کر وار کیا اور وہ جلد ہی اسے بھی قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ لشکر اسلام سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا۔ لشکر قریش اب مزید صبر نہ کر سکا۔ اور بے سوچے سمجھے ایک ہجوم کی شکل میں اسلامی لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ مکی لشکر کی تعداد تین گناہ تھی اور وہ گھیرا ڈالنے کے فن سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے مکی لشکر نے مدنی لشکر کے دونوں بازوں کو لپیٹ میں لینے کی کوشش کی مگر دونوں پہلوؤں پر جو تیر انداز متعین تھے۔ ان کی تیر اندازی نے مکی لشکر کی اس کاروائی کو ناکام بنا دیا۔ بلکہ الٹا اثر یہ ہوا کہ مکی لشکر کا قلب آگے بڑھ آیا اور میمنہ اور میسرہ پیچھے رہ گئے۔ اس کمزوری سے مکی لشکر کا توازن بگڑ گیا اور وہ مدنی لشکر کی اگلی صف تک پہنچتے پہنچتے غیر منظم ہجوم کی شکل اختیار کر گئے وہ لشکر اسلام کی زد میں آ گئے اور مجاہدین نے جس ثابت قدمی، جرات و بہادری اور سکون قلب کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا تاریخ جنگ میں ایک بے مثال واقعہ ہے۔ مکی لشکر بے ترتیبی مگر بے جگری اور بہادری کے ساتھ مجاہدین اسلام پر پے در پے حملے کر رہے تھے مگر اس ناقابل تسخیر بنیان مرصوص کے ساتھ ٹکرا کر ناکام واپس ہو رہے تھے۔

آنحضرتؐ اپنی جھونپڑی کے باہر حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ کھڑے ہوئے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور ہدایات و احکام جاری فرما رہے تھے۔ لڑائی کا لحہ بہ لحہ جائزہ لے رہے تھے اور حق و باطل کی اس فیصلہ کن جنگ کو دیکھ رہے تھے۔ مجاہدین اسلام ناقابل تسخیر قلعہ کی دیوار کی طرح اپنے اپنے مقام پر کھڑے شوق شہادت سے بے قرار موت اور زندگی کو برابر سمجھتے ہوئے حملہ کرنے کے حکم کے منتظر تھے۔ مکی لشکر کے حملہ میں اب وہ پہلا سا جوش و جذبہ نہ رہا تھا اور اب ان کے نوجوان آگے بڑھنے سے جھجک محسوس کرتے تھے اور ان میں کمزوری کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔

عبیدہ بن سعید العاص سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا صف سے نکلا۔ حضرت زبیر اس کے مقابلے کو

نکلے اور چونکہ اس کی صرف آنکھیں ہی نظر آتی تھی اس لئے تاک کر آنکھ میں برچھی ماری۔ وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔ حضرت زبیر نے اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر بڑی مشکل سے برچھی اس کی آنکھ سے نکالی مگر اس کے دونوں سرے خم ہو گئے۔ زبیر کے پاس یہ برچھی تمام عمر رہی اور پھر اس کے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ آئی۔

دو نوجوان انصاری بھائیوں معوذ اور معاذ پسران عفراء حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے ابو جہل کا پتہ معلوم کر کے اس پر باز کی طرح جھپٹے اور ابو جہل خاک پر تھا۔ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے عقب سے آکر معاذ کے بائیں شانے پر تلوار ماری جس سے اس کا بازو کٹ گیا۔ معاذ نے عکرمہ کا تعاقب کیا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ بعد ازاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ابو جہل کا سر کاٹ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا۔

چنانچہ کفار قریش کی کمزوری کا اندازہ کرتے ہوئے آپؐ نے اپنے مجاہدین کو حکم دیا کہ "اب حملہ کرو ان کو شکست فاش ہو گی۔" لشکر اسلام کا جوابی حملہ شروع ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں مکی لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ حضورؐ نے اس جنگ کا آغاز دفاع سے کیا تھا اور دشمن کو حملہ کرنے کا موقع دیا تھا۔ جب ان کا حملہ ناکام ہو گیا جوش و خروش اور طاقت میں کمی آ گئی تو آپؐ نے دفاع کی بجائے پر زور حملہ کرنے کا حکم دے دیا جو جنگی حکمت عملی کا کمال تھا۔ پوری اسلامی فوج نے پورے محاذ جنگ پر حملہ کیا تھا۔ جسے سپاہ مکہ نہ روک سکی یہ ایک سیل بے پناہ تھا۔ جو لشکر قریش کو بہا کر لے گیا۔ مجاہدین صف بندی کی صورت میں ہی بڑھتے چلے گئے اور اپنی صفوں کو قائم رکھا۔ مکی لشکر کے ستر جانباز میدان جنگ میں مارے گئے۔ اتنے ہی گرفتار ہوئے اور بقایا نے مکہ کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ اس جنگ میں چودہ مسلمان بھی شہید ہوئے ان میں آٹھ انصار اور چھ مہاجر تھے۔ قریش کے بے شمار لوگ زخمی بھی ہوئے۔ مجاہدین اسلام اس عظیم الشان کامیابی پر فخر و غرور کی بجائے عجز و نیاز کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں سربسجود ہوئے۔ قلب و ذہن کو سکون اور حقیقی خوشی و مسرت حاصل ہوئی۔ بدر کی جنگ حق و صداقت، احترام آدمیت اور آزادئ عقیدہ و ایمان کے تحفظ کی جنگ تھی۔ یہ انسانیت کے تحفظ مساوات و اخوت، عدل و انصاف اور حریت و آزادی کی جنگ تھی۔

قریش بری طرح شکست کھا کر بھاگ نکلے اور مکہ پہنچ کر بہت شرمسار ہوئے۔ حیسیان بن عبداللہ خزاعی ایک برق رفتار سواری پر مکہ پہنچا اور اہل مکہ کو ان کے سرداروں کی ہلاکت اور شکست کی خبر سنائی۔ جس سے مکہ میں ایک کہرام مچ گیا اور تمام شہر ماتم کدہ بن گیا ہر ایک کو از حد صدمہ ہوا۔ کچھ دن بعد بقایا سرداران مکہ نے دارالندوہ میں جمع ہو کر اس شکست و ناکامی اور نقصان پر غور کیا اور آئندہ کے لئے انتقام لینے کے متعلق پروگرام پر غور و فکر اور مشورہ ہونے لگا۔ سب سے پہلے دو تجویزیں منظور کی گئیں۔

1۔ ہماری کوئی عورت اپنے مقتولین پر نالہ و ماتم نہ کرے اور اس صدمہ کو اندر ہی اندر برداشت کرنے کی کوشش کریں تاکہ محمدؐ اور آپؐ کے ساتھی ہمارا مذاق نہ اڑائیں۔

2۔ مسلمانوں سے گفت و شنید نہیں کرنی چاہئے۔ ورنہ وہ فدیہ کی رقم بڑھا دیں گے ۔ چنانچہ اہل مکہ مرد اور عورتوں نے اپنے غیض و غضب اور جوش انتقام کو اپنے سینوں میں دبائے رکھا۔ ہندہ زوجہ ابو سفیان نے جو عتبہ بن ربیع کی بیٹی تھی ۔ قسم کھائی کہ جب تک اپنے عزیزوں کے قاتلوں کے جگر نہ چباؤں گی نہ سر میں تیل ڈالوں گی اور نا ہی اپنے خاوند کو اپنے پاس آنے دوں گی۔

اسلام میں عہد و پیمان کا پاس ضروری تھا۔ لہذا جب دو مسلمان حافظ بن یمان اور ابو خصیل راستہ بھول کر مکی لشکر میں چلے گئے اور وہاں یہ وعدہ کر آئے کہ ہم جنگ میں حصہ نہ لیں گے تو حضورؐ نے ان کو جنگ میں حصہ لینے سے منع کر دیا۔ تاکہ معاہدہ کا پاس ہو۔

مجاہدین جنگ ختم ہونے کے بعد غروب آفتاب تک کفار کا متروکہ مال و سامان یکجا جمع کرتے رہے اور اسیران جنگ کا انتظام کرتے رہے۔ حضورؐ اور مسلمانوں کو یقین تھا کہ یہ تاریخ ساز کامیابی محض قوت ایمانی کی وجہ سے ہی نصیب ہوئی ہے۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لا رہے تھے۔ حضورؐ نے دشمن کی لاشوں کو ایک جگہ جمع کر کے ایک گڑھے میں دفن کرا دیا اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "اے سرداران قریش ! تم نے دیکھ لیا کہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ تمہارا ظلم و ستم اور غرور تمہاری تباہی و بربادی کا سبب ہوا۔" مقتولین قریش کے پاس حضرت ابو حذیفہ کو دیکھا کہ پریشان ہیں۔ آپؐ نے اس سے پوچھا" ابو حذیفہ ! اپنے باپ کے انجام پر پریشان ہو۔" حضرت ابو حذیفہ نے جواب عرض کیا کہ افسوس تو نہیں مگر یہ قلق ضرور ہے کہ وہ بڑے دور اندیش اور حلیم تھے ۔ مجھے امید تھی کہ وہ ایمان لے آئیں گے ۔ یہ سن کر حضورؐ نے عتبہ کی تعریف کی اور ابو حذیفہ کے صبر و تحمل کے لئے دعا مانگی۔

مال غنیمت کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف رائے پیدا ہوا تو حضورؐ نے فرمایا کہ مال و اسباب جمع کرو بعد میں اس کی تقسیم کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اور عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارث کو مدینہ فتح کی خوش خبری کے لئے روانہ کر دیا۔ اور آپؐ تمام مجاہدین کے ساتھ مال و اسباب غنیمت اور اسیران جنگ کو ہمراہ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو پڑے۔

مال غنیمت کی نگرانی عبداللہ بن کعب بن زید انصاری کے سپرد ہوئی۔

آنحضرتؐ نے کوہ صفا کے درے میں پہنچ کر قیام کیا اور وہاں مال غنیمت کی تقسیم کی۔ تمام مال میں سے پانچواں حصہ یعنی خمس حضورؐ نے بیت المال کے لئے اور بقایا تمام مال و اسباب مجاہدین اور دیگر حقداروں کا برابر حصہ مقرر فرمایا اور تمام مال تقسیم کر دیا۔

اس مقام پر حضورؐ نے اسیران قریش میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط کو قتل کرا دیا کیونکہ یہ دونوں مکہ میں مسلمانوں اور حضورؐ پر بے پناہ مظالم ڈھاتے رہے ۔ ان کے ان جرائم کی سزا دی گئی ۔ دیگر اسیران

کو مدینہ لے جا کر فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ آنحضرتؐ نے اسیران جنگ کے متعلق اپنے وزراء حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ سے مشورہ لیا تو حضرت ابو بکرؓ نے تمام اسیران سے فدیہ لے کر رہا کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر حضرت عمرؓ نے ان کو قتل کرنے کا مشورہ دیا۔ حضورؐ نے ان دونوں کی تشبیہہ فرشتوں اور انبیاء کرام سے دی۔ حضرت ابو بکرؓ میکائیل اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یحییٰؑ کی مانند رحم دل ہیں۔ جبکہ حضرت عمرؓ جبرائیل اور حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ کی طرح سخت دل ہیں۔ بہرحال آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کے مشورہ اور رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اسیران قریش کو فدیہ لے کر رہا کرنے کا اعلان کر دیا۔ جو فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے ان کو بلا معاوضہ رہا کر دیا۔ اور جو پڑھے لکھے ہیں ان کو مدینہ کے چند لوگوں کو پڑھا کر رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

سیدہ زینب بنت رسولؐ اللہ کا شوہر ابو العاص بن الربیع بھی اسیران بدر میں شامل تھا حضرت زینب نے اس کی رہائی کے لئے اپنا ہار جو ان کی والدہ حضرت خدیجہ نے دیا تھا فدیہ کے لئے بھیجا۔ جب حضورؐ نے یہ ہار دیکھا تو آپؐ پر رقت طاری ہو گئی اور تمام صحابہ کے مشورہ سے ہار زینب کو واپس بھیج دیا اور ابو العاص کو بلا معاوضہ یعنی بلا فدیہ رہا کر دیا۔ اہل قریش نے اپنی بدر کی ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینے کا عزم کر لیا اور تیاریاں شروع کر دیں۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور قریش کی شکست کے اسباب

1۔ لشکر قریش کی اس شکست فاش کی سب سے بڑی وجہ ان کی یہ شدید غلطی تھی کہ ابتدائے جنگ میں قریش کا سپہ سالار عتبہ بن ربیع اپنے چھوٹے بھائی شیبہ بن ربیع اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کے ہمراہ میدان مقابلہ میں مبارزت طلبی کے لئے اترے۔ عتبہ بن ربیعہ سالار لشکر یہ جنگ دل سے نہیں چاہتا تھا۔ وہ بلند اخلاق، مدبر انسان تھا۔ اس نے حکیم بن حزام کے مشورے پر بغیر جنگ کئے واپس جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن ابو جہل کے اصرار پر اسے بادل نخواستہ لڑائی میں حصہ لینا پڑا۔ اس کا اپنا بیٹا حضرت حذیفہ بن عتبہ مسلمان ہو کر لشکر اسلام میں شامل ہو چکا تھا۔ اس لئے اس نے ابو جہل سے کہا تھا کہ ہمیں اپنے ہی جگر گوشوں کے ساتھ جنگ نہیں کرنی چاہیئے۔ دوسری طرف اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں لہذا ہر صورت اپنا ہی نقصان ہو گا۔

عتبہ و شیبہ وہ شریف انسان تھے جنہوں نے طائف سے واپسی پر حضورؐ کو ازراہ ہمدردی اپنے باغ میں پناہ دی اور انگوروں کا خوشہ پلیٹ میں رکھ کر اپنے غلام عداس کے ہاتھ بھیجا تھا۔ یہ وہی عتبہ بن ربیعہ تھا جو حضورؐ کے ساتھ مصالحت کی بات کرنے کے لئے بیت اللہ میں ملا اور دولت، حکومت اور دیگر ہر قسم کی پیشکش کی کہ آپؐ نئے دین کی تبلیغ چھوڑ دیں اور حضورؐ سے قرآن پاک اور دین کی تعلیم لے کر واپس جا کر قریش کو مشورہ دیا تھا کہ وہ حضورؐ کی مخالفت ترک کر کے آپؐ کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔

الغرض یہ شریف النفس انسان تھا۔ اور دل سے جنگ کے خلاف تھا لہٰذا اس کا اس بے دلی کے ساتھ میدان جنگ میں آنا اسے کامیاب نہیں کر سکتا تھا اس لئے جب سپہ سالار لشکر بمعہ اپنے بھائی اور بیٹے کے ابتداء ہی میں مارا گیا تو لشکر قریش میں کہرام مچ گیا۔ مایوسی اور بددلی چھا گئی۔ حوصلے پست ہو گئے اور اپنی ناکامی اور شکست کا یقین ہو گیا۔ دوسری طرف حضرت حمزہؓ اور علیؓ کی کامیابی کے بعد جب عام جنگ کا اعلان ہو گیا تو مسلمان مجاہدین بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عمرؓ، سعد بن وقاص، زبیر بن عوام، طلحہ، ابو عبیدہ، ابو سلمہ، زید بن حارث، سعد بن معاذ، محمد بن مسلمہ، عبداللہ بن رواح، حباب بن منذر، ابو دجانہ اور دیگر مجاہدین اسلام نے ایک ہی حملہ میں دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور ذلت آمیز شکست کھا کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔

الغرض عتبہ بن ربیع جو تمام فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس کو فوج کو لڑانا چاہیئے تھا۔ سب سے پہلے خود ہی میدان جنگ میں نہیں آنا چاہیئے تھا چنانچہ اس کی اس شدید غلطی کی وجہ سے جب وہ اور اس کے ساتھی مارے گئے تو قریش کی فوج کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی وہ ذہنی طور پر شکست کھا گئے۔ مرعوب ہو گئے۔ اب ان کے کامیاب ہونے کا سوال ہی نہ تھا۔ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور انہیں اپنی کامیابی اور فتح و نصرت پر یقین کامل پیدا ہو گیا۔ وہ جان توڑ کر لڑے۔ غزوہ بدر کے متعلق قرآن حکیم میں مفصل ذکر موجود ہے اور "سورۃ انفال" بدر کے متعلق ہے۔ اس غزوہ کو دیگر غزوات پر امتیاز حاصل ہے۔

2۔ میدان جنگ میں مسلمانوں نے صف بندی کا بہتر طریقہ اختراع کیا مگر مشرکین اس فرسودہ اور پرانے طریقہ جنگ "اقدام اور پسپائی" کے مطابق جنگ کرتے رہے۔ "اقدام اور پسپائی کے طریقہ کے مطابق کبھی دشمن پر حملہ کیا جاتا ہے اور ناکامی کی صورت میں پسپا ہو کر اور دوبارہ منظم اور تیار ہو کر پھر پہلے سے زیادہ طاقت اور شدت کے ساتھ حملہ کیا جاتا ہے۔ مگر بعد میں جب قریش اپنے پہلے اقدام پیش قدمی اور حملہ کے بعد ناکام ہو کر پیچھے ہٹے تو حضورؐ نے مسلمانوں کو آگے بڑھ کر پوری طاقت کے ساتھ حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اور کفار جو منتشر حالت میں تھا۔ سنبھل نہ سکا۔ اس کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اسی طرح حضورؐ کی عسکری تربیت ترکیب اور حکمت عملی سے مسلمانوں کو فتح عظیم اور کفار کو شکست فاش ہو گئی۔

3۔ میدان جنگ میں مجاہدین پر حضورؐ کا مکمل کنٹرول رہا۔ صفوں میں مکمل نظم و نسق اور ضبط و ربط رہا، ہر مرحلہ پر آپؐ کے حکم کے مطابق جنگ لڑی گئی۔ دفاع کے وقت بھی حملہ کے وقت اور دشمن کے تعاقب کے وقت بھی ہر کام حضورؐ کے حکم کے مطابق ہوا۔ مسلمان مجاہدین جذبہ شہادت سے سرشار

اور اطاعت امیر کے حکم کے مطابق صبر و استقلال، عزم و ہمت اور بہادری و شجاعت کے ساتھ اپنے ملی فرائض انجام دیتے رہے۔

4۔ وطن کی طرف کامیابی کی صورت میں لوٹنے کی امیدیں جس سے ان کا جوش و جذبہ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ مجاہدین انسانیت کی خاطر آزادی اور ظلم کے خلاف نبرد آزما تھے۔ صلح و امن کے داعی تھے وطنیت اور عقیدہ کی آزادی اور انسانی ہمدردی کے ساتھ قوت ایمانی یعنی اللہ کی رضا بھی شامل ہو تو انسان میں بے پناہ قوت عمل اور جذبہ ایثار و قربانی پیدا ہو جاتی ہے۔ میدان بدر میں حضورؐ کی تعلیم و تربیت سے ان مجاہدین کی معنوی قوت عروج پر آ گئی تھی۔ رسول اللہ کی مسلمانوں کی صفوں کے سامنے تشریف لا کر ان کی ہمت بڑھانے اور مقابلہ پر آمادہ کرنے سے ان کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا "آج جس شخص نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اس کا صلہ جنت ہے۔"

5۔ مسلمانوں کی طرف سے بدر کی جنگ حق و صداقت کے تحفظ کی جنگ تھی۔ احترام آدمیت کی بقاء کی جنگ تھی یہ انسانیت اور عدل و انصاف کی جنگ تھی۔ ظلم و سرکشی کے خلاف جنگ تھی۔ لیکن قریش کی طرف سے یہ اپنے غلبہ و تسلط کو قائم رکھنے، اپنے نظریہ حیات، نسلی تفاخر مذہبی سیادت، سیاسی بالادستی اور باطل قوتوں کی سربلندی کی جنگ تھی۔ لہذا اخلاق اور انسانیت مدینہ کی طرف اور ظلم و استبداد مکہ کی طرف تھا۔ کامیابی ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔

وہ رضائے الٰہی اور اپنے فلسفہ حیات کے مطابق اپنا نظام زندگی تشکیل دینا چاہتے تھے۔ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کو قرآن و سنت کے مطابق معاشرہ کی تشکیل سے عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود اور قیام امن چاہتے تھے۔ جان و مال اور عزت و آزادی کے تحفظ کے لئے ہر ایک کے لئے مساوی حقوق چاہتے تھے۔ اور اس عظیم نصب العین اور مقصد کے حصول کی خاطر وہ ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار تھے۔ یہی عظیم مقصد حیات بدر میں ان کی کامیابی اور فتح و نصرت کا اصل اور بنیادی سبب تھا۔

6۔ اس جنگ میں حضورؐ کے عسکری فضائل و کمالات پہلی بار کھل کر سامنے آئے۔ شجاعت، ضبط اعصاب خود اعتمادی، جنگ کے معاملات کے متعلق جنگ سے پہلے جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد مجلس مشاورت کا انعقاد اور تمام معاملات و احوال میں اپنے اور صحابہ کے درمیان مکمل مشاورت کا قیام اور صحیح وقت پر صحیح فیصلے کرنا وغیرہ۔

اطاعت آمیر اور ہر حکم کی تعمیل اپنا دینی فریضہ یقین کرتے تھے۔ آپؐ کی قیادت اعلیٰ کا سب سے بڑا کمال اور کرشمہ یہ تھا کہ آپؐ فیصلہ کن وقت میں فیصلہ کن مقام پر فیصلہ کن اقدام کا حکم دیتے تھے۔ ایک کامیاب اور برتر سپہ سالار کی سب سے بڑی خوبی اور وصف یہی ہوتا ہے۔

شمال
مغرب
مشرق
جنوب

مسلمانوں کا پڑاؤ

مدینہ کو جانے والا راستہ

وادی الصفرۃ کو جانے والا راستہ

حضور نبی اکرمؐ کا ہیڈ کوارٹر

XXXXXXXXXXXXXXX
مسلمانوں کا کیمپ

تالاب

کنواں جس پر مسلمانوں کا
قبضہ تھا

سلسلہ کوہ جس کے پیچھے ابوسفیان نے اپنے قافلے کو چھپایا۔ قرآن مجید میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "اور قافلہ تمہارے پیچھے تھا"

مسلمان شہداء کا مدفن

کنوئیں جن کو مسلمانوں نے کفار کے پہنچنے
سے پہلے ہی ناقابل استعمال بنا دیا۔

XXXX XXXXXXX
کفار مکہ کا کیمپ

کنواں جس میں کفار مکہ کی
لاشیں ڈالی گئیں

راستہ جدھر سے کفار مکہ کا
لشکر میدان جنگ میں داخل ہوا

میدان جنگ کا دوسرا سرا

میدان بدر کا ایک سرسری خاکہ

جنگ بدر کی اہمیت

1۔ تاریخ جنگ میں غزوہ بدر پہلی جنگ تھی جو عقیدہ و نظریات کے تحفظ کی خاطر لڑی جا رہی تھی ۔ تاریخ عالم میں پرانے اور نئے نظام حیات کے درمیان یہ پہلا معرکہ تھا۔ اس لڑائی کے ذریعے انسانیت کو آزادی دلانا۔ اس کی نظریاتی اور روحانی اقدار کی آزادی اور بقاء کا آغاز تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ملت کے وجود کے احساس پر اس کی بنیاد ایمان ، ایقان اور نظریات پر استوار کی گئی اور انسانیت کو نسل و قبیلہ ، رنگ و زبان ، جغرافیائی و وطنی ، ذات پات اور خاندان و خانوادہ کے تنگ نظر اور محدود حدود سے نکال کر وحدت نسل انسانی و عالمگیر انسانی برادری ، مساوات و اخوت ، عدل و انصاف ، حریت و آزادی اور محبت و رواداری کے آفاقی اصولوں کے مطابق تمام نوع انسانی کو ایک ہی خالق حقیقی کی تخلیق اور ایک ہی جد امجد کی اولاد قرار دے کر ہر قسم کے طبقاتی امتیازات و تعصبات کو یکسر مٹا دینا مقصد و نصیب العین تھا۔ اس جنگ میں ملت اسلامیہ کا ہر فرد اپنی اپنی استعداد، صلاحیت مالی وسائل ، سفارتی نفسیاتی اور دیگر زندگی کے ہر شعبہ کو جنگی مقاصد کے لئے استعمال کر رہا تھا۔ اس طرح یہ جنگ اور اس کے بعد کی ہونے والی تمام لڑائیاں پوری قوم کی ملی و کلی جنگ کی صورت اختیار کر چکی تھیں۔

2۔ غزوہ بدر نے ملکی اور مذہبی معاملات پر انقلاب انگیز اثرات ڈالے اور یہ فتح اسلام کی ترقی کی طرف پہلا زبردست قدم تھا۔ قریش کے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے اور قریش کی قیادت ابو سفیان کے ہاتھ آ گئی۔ اور یہاں سے ہی دولت اموی کا آغاز ہو گیا اور قریش کی اصلی طاقت اور شان و شوکت بہت کم ہو گئی۔ قبائل عرب میں بھی قریش کے وقار سیاسی اقتدار اور مذہبی سیادت کو نقصان عظیم پہنچا۔

3۔ بدر کی فتح سے مسلمانوں کی قوت و طاقت ، عزت و وقار اور اثر و رسوخ میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ تمام عرب اور خصوصاً مدینہ کے یہود و منافقین پر آپؐ کا رعب و داب چھا گیا۔ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے اور تمام عرب میں مسلمانوں کی طاقت کا اعتراف کیا جانے لگا۔ یہود کو خاص طور پر بڑا دکھ اور صدمہ ہوا اور وہ اندر ہی اندر مسلمانوں کی کامیابی سے بے حد پریشان اور متفکر ہوئے اور کفار قریش کے ساتھ ہمدردی کرنے لگے مسلمانوں کے خلاف یہود قریش اور دیگر عرب مشرکین کے ساتھ مل کر متحدہ محاذ قائم کرنے کی سازشوں میں مصروف ہو گئے۔

4۔ اس جنگ میں اہل مکہ کا بے پناہ جانی و مالی نقصان ہوا اور جزیرہ نمائے عرب میں ان کی عزت و وقار خاک میں مل گیا۔ ادھر مدینہ کی قوت و طاقت اور شوکت و سطوت میں بے پناہ اضافہ ہوا اور نئے نظام حیات اور دین اسلام کی کامیابی و کامرانی کے امکانات روشن ہو گئے۔ بدر کی لڑائی اور اس کے بعد ہونے والی لڑائیوں سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ یہ نیا نظام زندگی اور اس کے تحت دی جانے والی تعلیم و تربیت

سے انفرادی اور اجتماعی کردار ایسا تعمیر و ترقی یافتہ ہو گا کہ جو بھی اس پر عمل کرے گا وہی تسخیر عالم کے لئے اپنی حدود سے نکل کر نسل انسانی کی راہبری اور ہدایات پر معمور ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ قانون فطرت ہے جو اٹل ہے اور ناقابل تسخیر۔

5۔ قریش مکہ کی مذہبی سیادت، سیاسی قیادت اور تجارتی بالادستی کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں اور ان کے وقار کو شدید دھچکا لگا۔ ان کی اپنی طاقت و قوت اور شجاعت و بہادری مشکوک نظر آنے لگی۔

قریش کو اپنے نظریہ حیات اور مسلک و عقیدہ پر اعتماد کو ٹھیس پہنچی اور مسلمانوں کو اپنے فلسفہ حیات نظریہ زندگی اور دین کی حقانیت اور سچائی پر یقین بڑھ گیا توحید کا علم بلند اور شرک و بت پرستی کا جھنڈا سرنگوں ہو گیا۔

6۔ عرب کے مختلف قبائل دین اسلام کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ اور حقیقت معلوم کرنے کی طرف متوجہ ہونے لگے اور اس نئی اسلامی طاقت کو ابھرتے ہوئے دیکھ کر مستقبل کے متعلق غور و فکر شروع ہو گیا۔

7۔ مدینہ کے یہود اور مشرکین و منافقین پر مسلمانوں کا رعب و داب اور قوت طاقت کی دھاک بیٹھ گئی اور وہ خوفزدہ ہو گئے۔

قریش مکہ کی سازش

بعض مورخین و مفکرین کے نزدیک غزوہ بدر قریش مکہ کی ایک گہری سازش کے تحت عمل میں آیا۔ چونکہ وہ آنحضرتؐ اور مسلمانان مدینہ کو ہر قیمت پر نیست و نابود کر دینا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ایسی سازش تیار کی کہ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو ختم بھی کر دیا جائے اور جارحیت کا الزام بھی ان پر نہ لگ سکے۔ چنانچہ ابو سفیان کا قافلہ مکہ میں یہ سازش تیار کر کے ہی شام کی طرف گیا تھا۔

واقعات و حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ 16 رمضان کو لشکر اسلام کفار مکہ کا لشکر اور ابو سفیان کا تجارتی قافلہ تینوں بدر کے مقام پر تھے۔ دونوں لشکر میدان بدر میں اور قافلہ کچھ فاصلہ پر ساحل سمندر کے قریب قرآن حکیم بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ "جب تم درے کے نزدیک والے نالے پر تھے اور وہ درے کے دورے پر تھے اور قافلہ تم سے نیچے تھا۔" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مدنی لشکر 16 رمضان کو بدر پہنچا اور مکی لشکر بھی اس دن پہنچا اور مکی قافلہ بھی ابھی قریب ہی تھا اور ابو سفیان اس کو ساحل سمندر کی طرف لے کر گیا تھا اور جنگ بدر کے دن قافلہ ابھی بدر کے علاقہ میں بدر کے مقام سے صرف چند میل دور تھا اور اس میں بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ ابو سفیان نے ضمضم کو بدر پہنچنے سے کافی دن قبل مکہ روانہ کیا تھا تاکہ منصوبہ کو کامیاب بنایا جا سکے حیرانگی کی

بات یہ ہے کہ مدینہ کا لشکر نوے میل کا فاصلہ طے کر کے بدر کے مقام پر جس تاریخ کو پہنچا اس تاریخ کو (160) ایک سو ساٹھ میل کا سفر طے کر کے مکی لشکر بھی بدر پہنچا۔ حالانکہ ابو سفیان نے ضمضم کو دمشق کے قریب سے کئی دن قبل مکہ اطلاع کے لئے روانہ کیا تھا۔ پھر ضمضم کے مکہ پہنچنے کے بعد قریش نے لشکر کی تیاری میں قریباً چار دن لگائے اور بنو بکر سے بھی یقین دہانی حاصل کی گئی وغیرہ اور پھر (160) ایک سو ساٹھ میل کا سفر طے کرنے میں کتنے دن صرف ہوئے ان تمام حقائق و واقعات پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ قریش نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ایک سازش کی تھی کہ عوام کی نظروں میں ہم مظلوم بھی ثابت ہوں اور مسلمان جارح اور عرب قبائل کی ہمدردیاں بھی ہمارے ساتھ ہوں کہ ہم نے اپنی حفاظت اور دفاع کے لئے مدینہ پر لشکر کشی کی ہے۔

اہل مکہ جانتے تھے کہ اس شاہراہ پر مدینہ کے حلیف بنو ضمرہ اور بنو مدلج بھی ہیں۔ ان کو مطمئن کرنے کے لئے کہ مدینہ ان کے قافلے کو لوٹنا چاہتا ہے جو بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے اس لئے ہم اپنے قافلہ کی حفاظت کے لئے جا رہے ہیں۔ جارحیت کا ارتکاب نہیں کر رہے۔ مکہ کے اندر بھی ایسے لوگ موجود تھے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے ان کے اعتراض کو ختم کرنے کے لئے یہ تشہیر کی گئی کہ ہم تو صرف اپنے قافلہ کی حفاظت کے لئے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں سے جنگ و قتال ہمارا مقصد نہیں اس طرح وہ اس پروپیگنڈہ سے تمام عرب کی رائے عامہ کو اپنے حق میں اپنی جارحیت پر پردہ ڈالنے اور مسلمانوں کو غارت گر لٹیرے اور جارح ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ نے حضورؐ کے اس فرمان پر کہ بنو ہاشمؓ کے لوگوں کو قتل نہ کرنا اور عباس کو بھی قتل نہ کرنا۔ اظہار ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ہم تو اپنے باپ، بھائی، چچا اور دیگر رشتہ داروں کو قتل کریں مگر آپؐ اپنے چچا کو قتل نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں یہ قرین انصاف نہیں ہے۔ آپؐ کو معلوم ہوا تو حضرت عمر سے شکایتؓ کی کہ ابو حذیفہ نے یہ بات کہی ہے۔ عمر نے کہا کہ اگر آپؐ حکم فرما دیں تو میں اس کا سر اڑا دوں۔ مگر حضورؐ نے ان کو منع فرمایا ابو حذیفہ نے بھی اپنی بات پر اظہار افسوس کیا۔ حضورؐ کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ جو میرے اہل قبیلہ ہیں بخوشی جنگ میں نہیں آئے۔ مجبوراً آئے ہیں۔ بہرحال یہ بات ہوئی تھی۔ ابو حذیفہ نے اپنے باپ چچا اور بھائی کی نعش پر بھی بہت پریشانی کا اظہار کیا آخر خون کا رشتہ تھا۔ ایک ہی وقت میں باپ، چچا اور بھائی کا قتل ایک بہت بڑا سانحہ تھا اور یہ قدرتی امر ہے کہ انسان صدمہ محسوس کرتا ہے۔

حضرت رقیہ بنت رسول اللہؐ کی وفات

17 رمضان 2 ھ جنگ کے دن آنحضرتؐ کی لخت جگر سیدہ رقیہ زوجہ حضرت عثمان بن عفان وفات پا گئیں۔ جب زید بن حارث مسلمانوں کی فتح کی خبر لے کر مدینہ پہنچے تو لوگ حضرت رقیہ کو دفن کر رہے تھے۔ آپ

نے دو بار ہجرت کی پہلے حضرت عثمان کے ساتھ حبشہ گئیں اور دوسری بار مدینہ ہجرت کی آپ سے ایک بیٹا عبداللہ پیدا ہوا۔

حضرت سیدہ زینب بنت رسولؐ اللہ کا سفر مدینہ

ابو العاص بن ربیع نے آنحضرتؐ سے وعدے کے مطابق مکہ جا کر سیدہ زینب کو مدینہ روانہ کرنے کے لئے اپنے بھائی کنانہ بن ربیع کے ساتھ اونٹ پر سوار کرا کر روانہ کیا تاکہ مکہ سے باہر زید بن حارث کے حوالے کر دے جسے آنحضرتؐ نے ایک اور آدمی کے ساتھ زینب کو لانے کے لئے مکہ روانہ کیا تھا۔ ذی طویٰ میں قریش کے کچھ لوگوں نے کنانہ کو روکا اور ہبیرہ بن اسود الفہری نے ان کو ہودج میں بیٹھے ہوئے برچھی ماری جس سے سیدہ زینب زخمی ہو گئیں۔ وہ اس وقت حاملہ تھیں۔ جب ان کو ڈرایا دھمکایا گیا تو ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ ان کا دیور بیٹھ گیا اور اپنے ترکش کے تیر زمین پر رکھے اور اعلان کیا کہ جو کوئی آگے آئے گا اسے تیر کا نشانہ بنا دونگا۔ آخر لوگ اس کے پاس سے چلے گئے۔ اس کے بعد ابو سفیان آیا اور کنانہ کو کہا کہ اس وقت سیدہ زینب کو گھر لے جاؤ۔ جب معاملہ خاموش ہو جائے گا پھر ان کو مدینہ روانہ کر دینا۔ ہم محمدؐ کی بیٹی کو روکنا نہیں چاہتے۔ مگر اس طرح جانے سے ہماری بے عزتی ہو گی۔ کنانہ نے ایسا ہی کیا اور کچھ دیر بعد رات کے وقت سیدہ کو لے کر نکلا اور شہر کے باہر زید کے سپرد کر کے واپس چلا گیا۔ زید بن حارث نے سیدہ کو مدینہ ان کے والد محترم کے پاس پہنچا دیا۔

جب سیدہ زینب مدینہ پہنچ گئیں اور آنحضرتؐ کو تمام حالات معلوم ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم ہبار بن الاسود اور اس کے ساتھی کو جنہوں نے حضرت زینبؓ کو ڈرایا دھمکایا اور نیزہ سے زخمی کیا تھا قابو پاؤ تو ان دونوں کو قتل کر دو۔

کچھ عرصہ بعد ابو العاص بن ربیع کے قافلہ تجارت کو مسلمانوں نے لوٹ لیا اور تمام مال پر قبضہ کر لیا۔ ابو العاص بچ کر مدینہ آ گیا اور سیدہ زینب سے پناہ طلب کی جو انہوں نے دے دی۔ صبح کے وقت سیدہ زینب نے مسجد میں آواز دی کہ میں نے ابو العاص کو پناہ دی ہے۔ جب حضورؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ زینب نے ابو العاص کو پناہ دی ہے وہ ہم سب کی طرف سے ہے آپؐ اپنی بیٹی کے پاس تشریف لے گئے اور جن لوگوں نے ابو العاص کا مال لوٹا تھا ان سے تمام مال اس کو واپس دلایا۔ ابو العاص تمام مال لے کر مکہ گیا جن لوگوں کا مال تھا ان کو واپس کیا اور پھر مکہ میں تمام قریش کے سامنے اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور مدینہ آ گئے۔ رسولؐ اللہ نے اپنی بیٹی زینب کو چھ سال بعد ان کی زوجیت میں پہلے ہی نکاح کے لحاظ سے دے دیا اور کسی طرح تجدید نہ کی۔

آنحضرتؐ کی چار حقیقی بیٹیاں زینب، رقیہ، فاطمہ اور ام کلثوم، حضرت خدیجتہ الکبریٰ کے بطن سے تھیں۔ حضورؐ کو اپنی چاروں بیٹیوں سے یکساں طور پر بے حد محبت تھی اور آپ ان کا احترام کرتے تھے۔

حضرت سیدہ فاطمہؓ کا عقد۔ ذی الحج ۲ھ

آنحضرتؐ نے بدر کے بعد ذی الحجہ 2 ھ کو حضرت فاطمہ کا عقد حضرت علی سے فرما دیا۔ حضرت علی سے روایت ہے کہ میں اپنی کنیز کے اصرار پر حضورؐ سے فاطمہ کا رشتہ مانگنے کے لئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ کی خاص جلالت شان و ہیبت کی وجہ سے آپؐ کے سامنے بیٹھا تو ساکت رہ گیا اور کچھ عرض کرنے کی جرات نہ ہوئی تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "کس لئے آئے؟" میں خاموش رہا آپؐ نے فرمایا "شاید تم فاطمہ سے اپنا رشتہ لے کر آئے ہو۔" میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے جس سے تم ان کا مہر ادا کر سکو میں نے عرض کیا۔ یا رسولؐ اللہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ فرمایا تمہاری زرہ کیا ہوئی جس سے میں نے تمہیں مسلح کیا تھا۔ میں نے عرض کیا وہ میرے پاس ہے لیکن وہ حطمی زرہ ہے۔ جس کی قیمت چار سو درہم نہیں ہوتی۔ فرمایا میں نے تمہارا عقد کر دیا تم وہی زرہ بھیج دو۔ چنانچہ یہ زرہ حضرت عثمانؓ کے پاس چار سو نقری درہم میں بیچ دی۔ بعد میں انہوں نے یہ زرہ مفت واپس کر دی۔ یہی حضرت فاطمہ کا مہر تھا۔ عقد سے ساڑھے سات ماہ بعد شب عروسی ہوئی۔ حضرت علی اس وقت تک حضورؐ ہی کے پاس رہتے تھے۔ شادی کے بعد الگ گھر کی ضرورت پیدا ہوئی۔ چنانچہ حضرت حارث بن نعمان سے حضورؐ نے ان کے لئے ایک مکان حاصل کیا اور وہ اس مکان میں منتقل ہوگئے۔ عقد کے وقت فاطمہ کی عمر پندرہ سال پانچ ماہ تھی اور حضرت علی کی عمر اکیس سال پانچ ماہ تھی۔ حضرت فاطمہ کا جہیز کھجور کے پتوں سے بنا ہوا پلنگ اور کھجور کی چھال سے بھرا ہوا چمڑے کا تکیہ، آنحضرتؐ نے حضرت اسماء بنت عمیس کو بھیج کر ان کا مکان درست کرایا۔ نماز عشاء کے بعد آنحضرتؐ نے فاطمہ کو حضرت ام ایمن برکہ کے ہمراہ ان کے مکان میں بھیج دیا۔ حضرت فاطمہ کا مہر چار سو نقری درہم تھا۔ آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت حضرت فاطمہ کی عمر صرف چند ماہ اور علی کی عمر قریباً چھ سال تھی۔ حضرت فاطمہ کے بطن سے دو بیٹے حضرت حسن اور حضرت حسین اور دو بیٹیاں حضرت زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئے۔ آپ کی وفات (3) رمضان المبارک 11 ھ کو تقریباً (25) پچیس سال کی عمر میں ہوئی۔

سیدہ فاطمہؓ سے شادی کے وقت حضرت علی کی عمر 21 سال 5 ماہ تھی یہ عقد ذالحجہ 2 ھ میں ہوا۔ لہذا ہجرت مدینہ کے وقت حضرت علیؓ کی عمر قریباً 19 سال۔

آنحضرتؐ کی بعثت سے ہجرت مدینہ تک کا وقت 13 سال

لہذا بعثت کے وقت حضرت علی کی عمر قریباً 6 سال

حضرت فاطمہ کی وفات حضورؐ کی وفات کے 6 ماہ بعد ہوئی۔

لہذا وفات کے وقت حضرت فاطمہ کی عمر قریباً 25 سال تھی۔

روزوں کا حکم:۔ 2 ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ صدقہ عید الفطر کا حکم بھی اسی سال جاری ہوا اور عید الفطر کی نماز باجماعت عید گاہ میں اسی سال ادا فرمائی گئی۔

غزوہ بنو سلیم 28 رمضان 2 ھ

بدر سے واپسی پر سات دن کے بعد حضورؐ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بنو سلیم کے خلاف روانہ ہوئے اور حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کو اپنی جگہ حاکم مدینہ مقرر فرمایا اور نماز کے لئے حضرت ابن ام مکتوم کو مامور فرمایا۔ آپؐ بنو سلیم کے ایک کنوئیں پر پہنچے جس کا نام " کدر " تھا۔ یہاں آپ نے تین دن قیام فرمایا پھر مدینہ واپس آگئے جنگ کی نوبت نہ آئی۔ کیونکہ مخالف میدان چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا ان کے جانوروں اور مال و اسباب پر آپؐ نے قبضہ کر لیا اور مدینہ سے تین میل پر مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ باہر رہنے کی مدت پندرہ دن تھی۔

غزوہ سویق۔ ذی الحجہ 2 ھ اپریل 624ء

ابو سفیان نے مکہ میں حلف اٹھایا اور نذر مانی کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لونگا نہ غسل جنابت کروں گا اور نہ ہی آرام سے بیٹھوں گا۔ یہ اپنی قسم پوری کرنے کے لئے دو سو سواروں کے ساتھ ذی الحجہ 2 ھ میں مکہ سے روانہ ہوا اور مدینہ سے تقریباً 12 میل کے فاصلہ پر قیام کیا، پھر رات کو نکل کر قبیلہ بنو نضیر کے پاس پہنچا اور وہاں حی بن اخطب کے پاس آیا۔ جو بنو نضیر کا سردار اور حضرت صفیہ کا باپ تھا۔ اس کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن اس نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ پھر یہاں سے وہ سلام بن مشکین کے پاس پہنچا جو بنو نضیر کا سردار تھا۔ اس نے اندر آنے کی اجازت دی۔ پر تکلف مہمانداری کی شراب پلائی اور مسلمانوں کے متعلق معلومات بہم پہنچائیں۔ ابو سفیان پچھلی رات نکل کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور قریش کے چند آدمیوں کو مدینہ کی طرف بھیجا جو عریض کے مقام پر آئے۔ وہاں کے نخلستان کو آگ لگا دی اور وہاں انہوں نے حضرت معبد بن عمرو انصاری اور اس کے ایک ساتھی کو قتل کر دیا جو اپنے کھیت میں سو رہے تھے اور واپس لوٹ آئے۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو دو سو مجاہدین کے ہمراہ اس کا تعاقب کیا۔ آپؐ مقام قرۃ الکدر تک پہنچ کر واپس لوٹ آئے کیونکہ ابو سفیان اور اس کے ساتھی دور جا چکے تھے۔ البتہ مسلمانوں نے ان کا غذائی ذخیرہ پایا جو وہ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے کھیت میں چھوڑ گئے تھے۔ یہ غزوہ غزوہ سویق کے نام سے اس لئے مشہور ہوا کہ اہل مکہ نے جو غذائی ذخیرہ چھوڑا تھا۔ اس کا بیشتر حصہ ستو تھے۔ بظاہر اس حملہ سے ابو سفیان کا مقصد صرف اپنی قسم پوری کرنا تھا۔

غزوہ بنو قینقاع ماہ شوال 2 ھ۔ فروری 624ء

مدینہ میں بسنے والے ایک یہودی قبیلہ کا نام قینقاع تھا۔ ان کی تعداد کم تھی۔ زرگری کا کام کرتے تھے۔ ان کے نام پر مدینہ میں ایک بازار بھی تھا۔ " بازار قینقاع " یہ لوگ قبیلہ خزرج کے دوست اور حلیف تھے۔ اور عبادہ بن صامت اور عبداللہ بن ابی سلول کے حلیف تھے۔ یہ مدینہ کا دولت مند طبقہ تھا۔ آنحضرتؐ نے ان کے بازار میں جا کر ان کو جمع کیا اور ان کے سامنے دین اسلام پیش کیا اور دعوت توحید و رسالت دی۔ مگر ان لوگوں نے اس پر

امن اور محبت و رواداری پر مبنی دعوت رشد و ہدایت کا برا منایا اور دھمکی آمیز لہجہ میں کہنے لگے کہ اے محمدا ہم آپؐ کی قوم کی طرح بزدل نہیں ہیں۔ آپؐ مغالطہ میں نہ رہیں۔ اگر کہیں آپؐ نے ہم سے جنگ کی تو آپؐ کو پتہ چل جائے گا کہ ہم مرد میدان ہیں۔ آپؐ کو بدر میں ایسی قوم سے واسطہ پڑا تھا جنہیں فنون حرب کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اس لئے آپؐ کو ان پر غلبہ کا موقع مل گیا۔ وغیرہ وغیرہ اس قسم کی بیہودہ اور متکبرانہ گفتگو کی اور اس طرح آنحضرتؐ کو جنگ کا چیلنج دیا۔ ایک غیر مستند روایت یہ بھی ہے کہ بنی قینقاع کے ایک سنار کی دکان پر ایک مسلمان خاتون کی توہین کی گئی جو اس جنگ کا باعث بنی۔ بنو قینقاع پہلا یہودی قبیلہ تھا جس نے یہودی اور آنحضرتؐ کے درمیان طے شدہ میثاق مدینہ یعنی معاہدہ امن و صلح کو توڑا۔ عورت کی توہین کے واقع کو ابن اسحاق طبری اور ابن سعد نے ذکر نہیں کیا۔

آنحضرتؐ نے پندرہ دن تک بنو قینقاع کے قلعہ کا محاصرہ کئے رکھا۔ ان کے حلیف نے ان کی امداد نہ کی۔ آخر مجبور ہو کر انہوں نے آپؐ کی اطاعت قبول کی اور ہتھیار ڈال دئے۔ آپؐ کا ارادہ ان کو قتل کرنے کا تھا مگر عبداللہ بن ابی سلول اور عبادہ بن صامت کی پر زور سفارش اور اصرار پر ان کو مدینہ بدر کر دیا گیا۔ بنو قینقاع کی تعداد سات سو تھی۔ ان کے مال و اسباب کو بطور مال غنیمت قبضہ میں لے لیا اور پانچواں حصہ بطور خمس بیت المال رکھ کر بقایا سامان مجاہدین میں برابر تقسیم کر دیا۔

غزوہ بنی قینقاع کے موقعہ پر اسلام کا علم سفید تھا جو حضرت حمزہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس جنگ کے بعد بنو قینقاع کے مکانات پر بھی مسلمانوں نے قبضہ کر لیا وہ زرگر یعنی سنار تھے۔ سرمایہ دار تھے مگر ان کی زمینیں نہیں تھیں۔

تحویل کعبہ شعبان 2 ھ

بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف قبلے کی تبدیلی نصف شعبان 2 ھ میں اس وقت عمل میں آئی جب حضورؐ نماز ظہر پڑھا رہے تھے۔ نماز کے دوران ہی حضورؐ پر وحی نازل ہوئی جس کے مطابق حضورؐ نے اپنا منہ بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف پھیر لیا۔

آنحضرتؐ کے قتل کی سازش:۔ عمرو بن وہب مکہ میں صفوان بن امیہ کے ساتھ آنحضرتؐ کو قتل کرنے کی سازش کر کے مدینہ آیا مگر حضورؐ نے اس کا راز فاش کر دیا اور وہ مسلمان ہو گیا اور مکہ جا کر تبلیغ اسلام کرنے لگا۔

3ھ 625ء کے حالات و واقعات

"غزوہ احد کی وجوہات، واقعات اور نتائج"

جنگ احد۔ 15 شوال 3ھ / 625ء

جنگ احد کی وجوہات مندرجہ ذیل تھیں:۔

1۔ جنگ بدر میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے جن میں سے اکثر ان کے سردار اور رؤسا تھے۔ نامور ممتاز شخصیات جس کی وجہ سے مکہ کا ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ رنج و غم کا جوش اور انتقام کا جذبہ سب کو بے چین کئے ہوئے تھا اور انہوں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ ہر قیمت پر اہل مدینہ سے انتقام لیا جائے گا۔ قافلہ تجارت جو ابو سفیان شام سے لے کر بحفاظت مکہ پہنچ گیا تھا۔ اس کا راس المال تو حصہ داروں کو واپس کر دیا گیا تھا لیکن منافع کا پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار اونٹ محفوظ تھے۔

2۔ عبداللہ بن ربیع، عکرمہ بن ابو جہل اور صفوان بن امیہ وغیرہ چند سرداران جن کے باپ اور دیگر عزیز و اقارب بدر میں مارے گئے تھے۔ ابو سفیان کے پاس آئے اور باہمی مشورہ کیا کہ قافلہ تجارت کا منافع اور دیگر ذرائع سے سرمایہ اکٹھا کر کے بدر کے بدلہ کے لئے لشکر جرار تیار کیا جائے۔ اور تمام قبائل عرب کو بھی اپنی امداد کے لئے تیار کیا جائے۔ ابو عزہ شاعر جس کو حضورؐ نے محض احسان کر کے اور اس وعدہ پر کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف کسی تحریک میں حصہ نہ لے گا صفوان بن امیہ کی ترغیب و تحریص پر مال کی محبت میں آکر حضورؐ کے مقابلہ کے لئے قریش کو اشتعال انگیز اشعار کے ذریعے ایک دوسرے شاعر مافع کے ساتھ مل کر قبائل کا دورہ کرنے لگا اور اپنی آتش بیانی سے قریش کے تمام قبائل میں آگ لگا دی انہوں نے احابیش، بنو کنانہ اور اہل تہامہ وغیرہ قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ جبیر بن معطم نے اپنے حبشی غلام وحشی کو آزادی دینے کے وعدہ پر اپنے چچا کے انتقام کے لئے حضرت حمزہ کو قتل کرنے پر آمادہ کر لیا۔ ہندہ بنت عتبہ نے بھی وحشی کو لالچ دیا۔

3۔ جنگ میں مردوں کو جوش دلانے اور ثابت قدم رکھنے کے لئے بعض معزز خاندانوں کی عورتیں بھی لشکر کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئیں۔ جن کے باپ، بیٹے اور عزیز مارے گئے تھے ان میں ہند بنت عتبہ کے علاوہ ام حکیم بنت طارق اپنے شوہر عکرمہ کے ساتھ ربط بنت سمیعہ اپنے شوہر عمرو بن عاص کے ساتھ اس کے علاوہ اور بھی قریش کے معزز گھرانوں کی عورتیں مل کر بدر کے مقتولین پر روتیں، نوحہ و ماتم کرتیں اور مردوں کو مردانہ وار جنگ کرنے کا جوش دلانے کے لئے ساتھ تھیں۔

4۔ یہ لشکر مکہ سے پانچ شوال کو روانہ ہوا۔ قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب احد پہاڑ کے اوپر جو مدینہ سے شمال کی جانب تین میل کے فاصلے پر ہے پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ احد مدینہ کے شمال مغربی سمت ایک مشہور پہاڑ ہے اور اس کے اور مدینہ کے درمیان تین میل کا فیصلہ ہے۔

آنحضرتؐ نے حضرت عباسؓ کا خط جو انہوں نے قریش کے لشکر کے متعلق مکہ سے لکھا تھا۔ کھول کر حضرت ابی بن کعب سے پڑھوا کر سنا اور انہیں صیغۂ راز میں رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ اس لئے کہ آپ امی تھے اور خود لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ خط ہذا کے متعلق آپؐ نے سعد بن ربیع کو بھی بتا دیا تھا اور صیغہ راز میں رکھنے کی ہدایت کی تھی۔

5۔ قریش کی خوش حالی اور عزت و وقار کا دار و مدار اور ذریعہ معاش صرف تجارت تھا۔ اب جنگ بدر کے بعد ان تجارتی راستوں پر مسلمان مکمل طور پر قابض اور متصرف ہو چکے تھے جو شام اور عراق کو جاتے تھے اب ان کے پاس تجارت کی منڈی صرف ملک حبشہ اور یمن رہ گئے تھے جو زیادہ فائدہ مند نہ تھے۔ لہذا اپنی تجارتی آزادی، ذریعہ معاش، وسیلہ حیات، شاہراہ تجارت، شام کو دوبارہ اپنے لئے محفوظ اور آزاد کرنا چاہتے تھے۔

6۔ قریش کو غزوہ بدر میں جو ذلت آمیز شکست اور غزوہ سویق میں جو عبرتناک توہین ہو چکی تھی۔ اس توہین و ذلت کا انتقام لے کر اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے اور اپنی مذہبی سیادت سیاسی قیادت اور عزت وقار کو بحال کرنے کے لئے پورے جوش و خروش اور جذبہ سے تیاریاں کر رہے تھے۔

7۔ یہود کے قبیلہ بنو قینقاع کی مدینہ سے جلاوطنی اور کعب بن اشرف کے قتل کی وجہ سے یہود مدینہ اور دیگر علاقوں کے یہودی مسلمانوں کے شدید دشمن ہو چکے تھے اور قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف زبردست حملہ کرنا چاہتے تھے۔

8۔ مسلمانان مدینہ اپنی جان دے کر بھی قریش کے حملہ اور یلغار کو روکنا چاہتے تھے تاکہ مدینہ مشرکوں کے تسلط اور تغلب سے آزاد رہے۔ مدینہ کی آزادی ان کی زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ اس کے بغیر نہ وہ اپنی حریت و آزادی قائم رکھ سکتے تھے اور نہ ہی اسلام کی دعوت رشد و ہدایت اور تبلیغ کر سکتے تھے

اور ان کی حالت مکہ کی زندگی جیسی ہو سکتی تھی جہاں نہ عقیدہ کی آزادی ہو اور نا ہی جان و مال اور عزت و آبرو آزاد اور محفوظ ہو۔ لہذا مسلمان ہر قیمت پر مدینہ کا دفاع اور اس کی آزادی و خود مختاری کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔

جنگ احد کے واقعات

سرداران قریش نے دار لندوۃ مکہ میں جمع ہو کر جنگ کی تیاری کا نقشہ اور منصوبہ تیار کیا۔ ابو سفیان لشکر قریش کے سپہ سالار تھے۔ قریش اپنے ساتھ تین ہزار شمشیرزن نوجوانوں پر مشتمل لشکر جرار لے کر مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں بنو ثقیف، طائف کے دو سو شمشیرزن سپاہیوں کے ماسوا اٹھائیس سو قریش جن میں ان کے حلیف قبائل اہل تہامہ اور بنو کنانہ اور احابیش کا ایک دستہ بمعہ بے شمار سامان رسد و آلات بھی تھے۔ تین جھنڈے تیار کئے گئے جن میں سے بڑا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا۔ گھوڑے دو سو، اونٹ تین ہزار، زرہ پوش سات سو، اسلحہ اور دیگر سامان حرب و ضرب بے حد و حساب تھا۔ جب قریش کا لشکر مقام ابواء میں پہنچا جہاں رسولؐ اللہ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے تو جوش انتقام سے بھرے ہوئے۔ قریش کے چند کوتاہ اندیش نوجوان حضرت آمنہ کے مزار کی بے حرمتی پر آمادہ ہو گئے۔ ان کو ان کے سربراہوں نے بمشکل اس بربریت اور انسانیت سوز حرکت سے روکا۔ ابواء سے روانہ ہو کر لشکر قریش احد پہاڑ کے دامن میں ایک ہموار میدان میں پڑاؤ ڈال کر جم گیا جو مدینہ سے تین میل کی مسافت پر ہے۔

قریش مکہ سے روانہ ہو کر وادی قناۃ کے مدینہ سے متصلہ کنارے پر بطن جنجہ کے پہاڑ میں مقام عینین پر آکر فروکش ہوئے۔ یہ بدھ کا دن تھا۔

جنگ احد سے قبل آنحضرتؐ نے ایک خواب دیکھا کہ میری کچھ گائیں ذبح ہو رہی ہیں۔ میری تلوار میں ایک دندانہ پڑ گیا ہے۔ یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں داخل کر لیا ہے۔

مدینہ میں مجلس مشاورت

آنحضرتؐ کو حضرت عباسؓ کے خفیہ خط کے ذریعے قریش مکہ کی مدینہ پر حملہ کی تیاریوں اور روانگی کا علم ہو چکا تھا۔ لہذا آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ کرام کو مشورہ کے لئے مسجد نبوی میں جمع کیا اور ان کی رائے طلب فرمائی۔ آپ نے اپنی رائے کا بھی اظہار فرما دیا کہ شہر کے اندر رہ کر اگر دفاع کیا جائے تو بہتر ہو گا۔ آپؐ نے مکانوں کا استعمال اور مکانوں کی چھتوں سے دشمن پر وار کرنے کی طرف بھی اشارہ کیا اور فرمایا کہ مدینہ کا شہر زرہ کا کام دے گا۔ شہر کے اندر رہ کر لڑنے کے تمام فوائد بیان فرمائے یعنی مدینہ کے اندر رہ کر اگر لڑیں گے تو دشمن کو کھلی جگہ سے آگے بڑھنا ہو گا اور اس کے اتلاف زیادہ ہوں گے۔ عبداللہ بن ابی نے بھی آپؐ کی تائید کی اور کہا شہر کے اندر مرد بھی لڑ

سکیں گے اور عورتیں اور بچے مکانوں کی چھتوں سے خشت باری کر سکیں گے۔ اس نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ جب کبھی اہل مدینہ نے شہر کے اندر رہ کر دفاع کیا ہے تو کامیاب رہے ہیں۔

نوجوان صحابہ اور حضرات جو جنگ بدر کی سعادت سے محروم رہے تھے ان کا اصرار تھا کہ باہر میدان جنگ میں نکل کر قریش کا مقابلہ کیا جائے ورنہ ہمیں کمزور اور بزدل خیال کریں گے۔ حضرت حمزہ، سعد بن عبادہ نعمان بن مالک اور انصار کی ایک جماعت نے بھی ان پرجوش نوجوانوں کی تائید کی اگرچہ حضورؐ اور اکابر صحابہ اور عبداللہ بن ابی بن سلول کی رائے مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی تھی۔

حضورؐ اپنے گھر کے اندر گئے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ نے آپؐ کو ہتھیار پہنائے اور زرہ سے مسلح ہو کر گھر سے برآمد ہوئے۔ لوگ اس بات پر نادم اور شرمندہ تھے کہ ہم نے آپؐ کی رائے کے خلاف آپ کو مجبور کیا۔ انہوں نے عرض کی کہ آپؐ اپنی رائے کے مطابق عمل کریں اور مدینہ کے اندر رہ کر ان کا مقابلہ کریں۔ مگر آپ نے فرمایا کہ "کسی نبی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ جب وہ زرہ پہن لے تو بغیر لڑے ہوئے اسے اتار دے۔"

آپؐ ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ احد کے لئے روانہ ہوئے۔ آپؐ نے مجاہدین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "اگر تم ثابت قدم رہو گے تو فتح یاب ہو گے۔" جب آپؐ مدینہ سے روانہ ہو گئے تو کچھ فاصلے پر عبداللہ بن ابی سلول اپنے تین سو آدمیوں کے ساتھ آپؐ کا ساتھ چھوڑ کر واپس آگیا اور کہا کہ رسولؐ اللہ نے ہماری بات نہیں مانی اور ان چھوکروں کی بات مان لی جن کو جنگ کا کوئی تجربہ نہیں۔ اس طرح ہماری توہین کی ہے۔ جناب عبداللہ بن عمر بن حرام جو بنو سلمہ میں سے تھے۔ اس کے پیچھے گئے اور ان پر زور دیا کہ اپنے نبی اور قوم کا ساتھ نہ چھوڑو مگر نہ مانے۔ چنانچہ شوط کے مقام سے جو مدینہ اور احد کے درمیان ہے۔ عبداللہ بن ابی سلول اپنے تین سو ساتھیوں کے ہمراہ واپس لوٹ گیا اور اب مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو مجاہدین رہ گئی تھی۔ صرف سو مسلمان زرہ پوش تھے۔ ان کے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک رسولؐ اللہ کا اور ایک ابو بردہ بن ینار الحارثی کا تھا۔

شام کے وقت آنحضرتؐ نے شیخین کے مقام پر اپنی جماعت کا فوجی نقطہ نظر سے معائنہ کیا اور بعض کو واپس کر دیا ان میں زید بن ثابت، اسعد بن ظہیر، براء بن عاذب اور عرابیہ بن روسی تھے ابو سفید انحسدری کو بھی واپس کر دیا۔ سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج کو ان کی کشتی کرانے پر ان کو ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ بنو حارثہ بن الحارث کے ابو حثمہ نے لشکر اسلام کی راستہ کی راہنمائی کی اور احد کے میدان میں لے آیا۔

احد کی لڑائی میں جس طرح جغرافیہ کا استعمال کیا گیا وہ فن جنگ کا شاہکار کہلا سکتا ہے۔ احد: پہاڑ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مدینہ سے شمال کی جانب واقع ہے۔ اس کے اردگرد پتھریلا میدان ہے۔ اہل مکہ بدھ کے روز احد پہنچ گئے تھے۔ مسلمان نماز جمعہ کے بعد مدینہ سے روانہ ہوئے اور قریباً دو میل پر شوطہ کے مقام پر معسکر قائم کیا اور وہاں پر مکمل طور پر دفاعی انتظامات کئے گئے کیونکہ وہاں سے صرف دو میل کے فاصلہ پر مکی لشکر کا معسکر

تھا۔ جہاں انہوں نے اپنے رسالہ کو مدینہ کی طرف تعین کر رکھا تھا۔ آپؐ نے حضرت زبیر بن عوام کو رات کے لئے مکی معسکر کی جانب متعین فرمایا تھا تاکہ مکی رسالہ کے خلاف رکاوٹ قائم کی جائے۔ معسکر کو رات کے وقت گشت کے ذریعے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری حضرت محمد بن مسلمہ کو تفویض کی گئی تھی۔ انہوں نے معسکر کے اندر اور باہر گشت کے ذریعے باخبر رہنا تھا۔

مکی لشکر نے جبل احد کی مغربی جانب وادی قناط کے کنارے ایک باغ میں اپنا معسکر قائم کیا تھا۔ یہاں جانوروں کے لئے چارہ اور لشکر کے لئے سایہ موجود تھا۔ لڑائی کے تمام مراحل وادی قناط کے شمال میں وقوع پذیر ہوئے۔ جبل عینین پر حضورؐ اقدس نے اپنے تیر اندازوں کو متعین فرمایا تھا۔ حضورؐ نے لڑائی کا منصوبہ اور تدبیرات ایسی فنی حکمت عملی سے تیار کی تھیں کہ دشمن کو آپؐ کے پسند کردہ مقام پر لڑائی لڑنی پڑی۔ آپؐ نے شوط پہنچتے ہی معسکر محافظ اور معسکر احاطہ گشتی دستے متعین کر دیے تھے اور تمام محافظ دستوں کی کمان مرکزی طور پر محمد بن مسلمہ کو عطا کی تھی جن کے ماتحت ستر مجاہد رکھے گئے تھے۔

حضور نے جبل احد کے جنوب مغربی کونے پر جا کر لشکر کو رکنے کا حکم دیا۔ یہاں صبح کی نماز ادا کی گئی اور پھر لشکر کی صف بندی کی گئی۔ لشکر کا رخ اب جنوب مغرب کی طرف تھا اور یہاں سے مدینہ جنوب کو تھا۔ اس لئے اب مدینہ لشکر کے قریباً سامنے تھا۔ آپ نے جبل عینین کے درے پر اپنے عقب کے تحفظ اور دفاع کے لئے حضرت عبداللہ بن جبیر کی کمان میں پچاس تیر اندازوں کے دستے کو متعین فرما دیا۔ اور انہیں حکم دیا گیا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے تم نے یہ جگہ خالی نہیں کرنی۔ ہم کو غالب دیکھو یا مغلوب ہماری امداد کے لئے بھی ہر گز نہ آنا۔

اس علاقہ کا جائزہ لیا جائے تو مسلمانوں کے اس سات سو مجاہدین کے لشکر کے لئے جنہوں نے اپنے سے چار گنا تعداد کے مسلح لشکر سے مقابلہ کرنا تھا۔ اس سے بہتر دفاعی پوزیشن کہیں نہیں مل سکتی تھی۔ جبل احد آپؐ کے دائیں طرف تھا۔ لہذا اس طرف سے دشمن کی پیادہ یا سوار فوج نہیں آ سکتی تھی۔ بائیں جانب وادی قناط کا عمودی کنارہ تھا۔ جو پوری طرح رکاوٹ کا کام دے رہا تھا۔ اس طرف سے بھی قریش مکہ پیدل یا رسالہ حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ عقب میں جبل عینین پر متعین تیر انداز پورا تحفظ اور دفاع مہیا کر رہے تھے۔ اب جبل احد کے اس کونے اور وادی قناط کے درمیان تقریباً چار سو (400) گز کا فاصلہ تھا۔ اس فاصلہ کو پر کرنے کے لئے آپؐ کے پاس چھ سو پچاس مجاہدین تھے۔ جن کو دو صفوں میں تقسیم کر کے دشمن کے مقابلہ کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑا کر دیا گیا اور فرمایا کہ اگر صبر و استقامت سے کام لو گے تو فتح تمہاری ہو گی۔

جہاں تک دشمن کی فوج کی افرادی برتری کا سوال تھا وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا کیونکہ حضورؐ نے اپنی حربی مہارت اور تدبیر سے اپنی پوزیشن جبل احد اور وادی قناط کے کنارے کے درمیان رکھ کر محاذ کو اس قدر محدود کر دیا تھا کہ اسے مسلمان تو سنبھال سکتے تھے مگر مکی لشکر کے زائد افراد کو پہلی صف کے پیچھے بے کار کھڑا رہنے

پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ یعنی اہل مکہ اپنی فوج کے قریباً تین سو افراد سے زائد تعداد کو اگلی صف میں کھڑا نہیں کر سکتے تھے اور ان کے سامنے بھی مدنی لشکر کی اتنی ہی تعداد صف بستہ تیار کھڑی تھی۔ غرضیکہ جغرافیہ کو تدابیر اور منصوبہ بندی کے مطابق استعمال کرنے سے آپؐ نے دشمن کی عددی برتری کو مکمل طور پر ناکارہ بنا دیا اور دشمن کو ایسی جگہ لڑنے پر مجبور کر دیا جو مسلمانوں کے لئے مفید اور کفار کے لئے مشکل تھا۔

جنگ احد میں جب مقابلہ شروع ہوا تو ابو عامر بن عمرو بن صیفی بن مالک جو قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا تھا اور مدینہ چھوڑ کر مکہ قریش کے ساتھ جا ملا تھا۔ میدان جنگ میں آیا اس کے ساتھ قریباً پچاس نوجوان تھے اس نے قریش سے کہا تھا کہ اگر محمدؐ سے مقابلہ ہوا تو اوس کا کوئی شخص میری مخالفت نہیں کرے گا۔ جب اس نے میدان میں آکر آواز دی کہ "اے قبیلہ اوس میں عامر ہوں۔" انہوں نے جواب دیا اے فاسق! اللہ تیری صورت نہ دکھائے اسے زمانہ جاہلیت میں راہب کہتے تھے جب اس نے قبیلہ اوس کا غیر متوقع جواب سنا تو کہنے لگا کہ میرے بعد میری قوم بگڑ گئی ہے۔

جب فریقین میدان جنگ میں صف آراء ہو گئے تو ابو سفیان نے پکار کر کہا اے جمیعت اوس و خزرج! تم ہمارے اور ہمارے ہم جد برادران کے درمیان سے ہٹ جاؤ ہمارا ان کا راستہ چھوڑ دو۔ ہم ان سے نپٹ لیں گے اور تم سے درگزر کریں گے۔ اس پر اوس و خزرج والوں نے انہیں بہت برا بھلا کہا اور دندان شکن جواب دیا۔

پھر طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا جس کے ہاتھ میں مشرکین کا جھنڈا تھا اس نے مقابلے کے لئے پکارا۔ حضرت علیؓ اس کے مقابلہ پر نکلے اور اسے قتل کر دیا اس کے بعد طلحہ کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے مشرکوں کا جھنڈا اٹھایا اس پر حضرت حمزہ نے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد ان کا علم اس کے بھائی ابو سعید بن ابی طلحہ نے اٹھایا۔ اس کو حضرت سعد بن ابی وقاص نے اس کے حلق میں تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ پھر یہ جھنڈا مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے اٹھایا اسے حضرت عاصم بن ثابت نے قتل کر دیا۔ پھر اسے مسافع کے بھائی حارث بن طلحہ نے اٹھایا مگر اسے بھی حضرت عاصم نے ہی قتل کر دیا۔ پھر کلاب بن طلحہ نے جھنڈا اٹھایا اسے حضرت زبیر نے قتل کر دیا۔ تب یہ جھنڈا اجلاس بن طلحہ نے سنبھالا اسے حضرت طلحہ بن عبیداللہ نے قتل کر دیا پھر اسے ارطاۃ بن شرجیل نے سنبھالا اسے بھی قتل کر دیا۔ پھر اسے ابو زید بن عمرو نے تھاما تو اسے قزمان نے قتل کر دیا۔ پھر اسے شرجیل بن ہاشم کے فرزند نے تھاما اسے بھی قزاں نے قتل کر دیا۔ پھر اسے ان کے حبشی غلام صواب نے سنبھالا اسے بھی قتل کر دیا گیا۔ پھر یہ جھنڈا دیر تک بغیر کسی علمبردار کے زمین پر پڑا رہا۔ بالآخر اسے عمرہ بن حارثیہ نے اٹھایا اور قریش کے لئے اسے بلند کیا۔ اس طرح قریش کے متواتر گیارہ علمبردار مشرک قتل کر ڈالے گئے۔ جب تمام علمبردار قتل ہو چکے تو اس کے بعد قریش نے پوری شدت کے ساتھ جنگ کا آغاز کر دیا۔ بدر کی جنگ میں اپنے سرداروں کے قتل کے انتقام کا جوش انہیں بے خود کئے ہوئے تھا۔ مردوں کی صفوں کی پشت پر مشرک عورتیں دف بجا بجا کر اور

رزمیہ اشعار پڑھ پڑھ کر اپنے مردوں میں ایک نیا ولولہ وجوش اور عزم واستقلال پیدا کر رہی تھیں۔
کفار کے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابو جہل تھے اور پیدل فوج پر صفوان بن امیہ تھے۔ حضورؐ نے خالد کے مقابلے پر زبیر بن عوام کو تعینات کیا۔ میدان جنگ میں قریش کے گیارہ علمبردار مشرک یکے بعد دیگرے قتل ہوئے اور قریش کے حوصلے پست ہوگئے۔

رسولؐ اللہ نے جنگ احد کے دن ایک تلوار ابو دجانہ کو اس شرط کے ساتھ دی کہ وہ اس کا حق ادا کرے گا۔ اس کا حق یہ تھا کہ کسی مسلمان اور عورت کو قتل نہ کرے اور کوئی کافر بھاگ کر بچنے نہ پائے۔ ابو دجانہ نے تلوار ہاتھ میں لے کر اور اپنے سر پر ایک سرخ کپڑا باندھ کر دونوں صفوں کے درمیان اکڑتے ہوئے چلنے لگے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "اس موقعہ پر یہ اکڑ جائز ہے۔"

(عام روایات کے مطابق جنگ احد (15) پندرہ شوال 3ھ بروز ہفتہ واقع ہوئی مگر موجودہ تحقیق کے مطابق یہ جنگ مورخہ سات شوال بمطابق سات مارچ 625ء یک شنبہ کو پڑتی ہے۔)

لشکر قریش حسب معمول بڑے غرور اور تکبر کے ساتھ اپنے معسکر سے روانہ ہوئے۔ عورتیں دف بجا بجا کر رزمیہ گیت گا رہی تھیں اور تین ہزار کا لشکر جرار پورے جوش وخروش اور انتقامی جذبہ سے سرشار آگے بڑھ رہا تھا۔ ادھر مسلمانوں کو اپنی تعداد کی کمی اور وسائل وذرائع کے محدود ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت پر پورا ایمان تھا۔ آنحضرتؐ پورے خضوع وخشوع کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں عجز ونیاز سے فتح وکامیابی کے لئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ اسلامی لشکر کی صفوں میں انصار دائیں اور بائیں بازوؤں پر تھے اور مہاجرین درمیان میں تھے۔ آپؐ کا مرکز قیام دوسری صف کے چند گز پیچھے اور درمیان میں تھا اور آپؐ نے حکم دیا تھا کہ ہماری جانب سے احکام ملنے سے قبل کوئی آدمی لڑائی شروع نہ کرے اور نہ ہی کوئی صف آگے بڑھنے کی کوشش کرے یعنی دفاعی پوزیشن پوری طرح مستحکم تھی اور مکمل نظم وضبط قائم تھا۔

اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ ابو دجانہ نے دشمن پر زبردست حملہ شروع کر دیا۔ ادھر حمزہ، علی، زبیر، طلحہ، سعد بن وقاص، زید بن حارثؓ، حضرت عمر بن خطاب، سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، حباب بن منذر، محمد بن مسلمہ عبداللہ بن رواحہ، ابو عبیدہ بن جراح اور دیگر مہاجرین وانصار کے شیر دل اور بہادر مجاہدین نے دشمنوں کی صفوں میں گھس کر مشرکین کو تلواروں پر رکھ لیا۔ ان کو سامنے سے مار ہٹایا اور بلاشبہ ان کو شکست ہو گئی۔ ابو سفیان کا حوصلہ پست ہو چکا تھا اور لشکر قریش میں بزدلی اور مایوسی پھیل چکی تھی۔ اب ابو سفیان نے پورے محاذ پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا اور خالد بن ولید نے بھی اپنے رسالہ کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کی کوشش کی۔ مگر وہ کسی طرف سے بھی حملہ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ محاذ جنگ محدود تھا اور مسلمانوں کے عقب پر تیر انداز متعین تھے۔ اس لئے وہ بے بس تھا اور کسی موقع کی تلاش میں تھا۔ لشکر قریش کی دس صفیں آگے پیچھے تھیں اس لئے صرف پہلی

صف لڑ رہی تھی اور بقایا فوج انتظار میں اپنی صفوں میں کھڑی تھی۔ لشکر اسلام کو ایمان و یقین کی برتری بھی حاصل تھی۔ بہترین قیادت اور نظم و ضبط تھا اور جوش جہاد سے لبریز جانیں نثار کرنے کو تیار کھڑے تھے۔ دشمن کے علمبرداروں کے قتل، محدود محاذ جنگ اور سپہ سالار کی کمزوری اور نااہلی کی وجہ سے فوج قریش کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ بالآخر مکی صفیں ٹوٹنی شروع ہو گئیں اور پھر یکایک وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔

مکی لشکر جبل احد سے مغرب کی جانب بھاگے جا رہا تھا۔ ان کا معسکر جبل احد کے جنوب مغربی کونے سے چھ سات سو گز پر تھا۔ وہ لڑائی کے بعد ذہنی و جسمانی تھکاوٹ کے شکار تھے۔ مکی سواروں نے چند بار جبل عینین کی جانب بڑھنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ مدنی لشکر کا بیشتر حصہ اس وقت مکی معسکر تک پہنچ چکا تھا اور مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھا۔ حضرت زبیر سے مروی ہے کہ ہندہ بنت عتبہ کے خادموں اور اس کی ساتھی عورتوں کو تیزی سے میدان سے بھاگتے ہوئے دیکھا۔ اتنے میں جب ہم نے دشمن کو مقابلہ سے مار بھگایا تو ہمارے تیر انداز لوٹنے کے لئے دشمن کی فرودگاہ چلے آئے اور انہوں نے دشمن کے رسالہ کے لئے ہمارے عقب کو غیر محفوظ چھوڑ دیا۔ چنانچہ دشمن کے رسالہ نے پیچھے سے ہمیں آلیا۔ اس وقت کسی نے چلا کر کہا کہ "محمدؐ مارے گئے"۔ اس کے سنتے ہی ہمارے حوصلے پست ہو گئے اور دشمن کے حوصلے بلند ہو گئے۔ حالانکہ ہم دشمن کے علمبرداروں کو ختم کر چکے تھے اور ان میں سے کسی کو اپنے جھنڈے کے پاس آنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔

تیر اندازوں کے لالچ اور نافرمانی کی وجہ سے جب مسلمانوں کو ان کے عقب سے آلیا گیا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے تین حصے ہو گئے۔ ایک حصہ مارا گیا۔ ایک زخمی ہوا اور ایک حصہ شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اور کچھ لوگ حضورؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ ابن قیمیہ نے آپؐ کے سر کے بائیں حصہ پر تلوار ماری اور آپؐ کو عتبہ بن ابی وقاص نے بھی زخمی کیا تھا۔ آپؐ کے سامنے کے چوکے میں سے نیچے کے دو دانت ٹوٹ گئے تھے۔ آپؐ کا منہ شق ہو گیا۔ رخسار اور بالوں کی جڑوں کے پاس پیشانی زخمی ہوئی۔ خون آپؐ کے منہ سے بہہ رہا تھا۔ آپؐ پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ "جس قوم نے اپنے نبی کا چہرہ اس کے خون سے رنگین کیا وہ کیونکر فلاح پا سکتی ہے۔" مگر اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی۔ "اس معاملہ میں تمہارا کوئی دخل نہیں۔" حضورؐ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پانچ انصاری زیاد بن السکن کے ساتھ آپؐ کے گرد جمع ہو گئے اور دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے سب کے سب شہید ہو گئے۔ زیاد نے آپؐ کے قدموں پر سر رکھ کر شہادت حاصل کی۔ ابو دجانہ نے اپنے جسم کو دشمن کی طرف کر کے رسول اللہؐ کو بچانے کے لئے بمنزلہ ڈھال بن گئے۔ تیر آ کر ان کی پیٹھ پر لگ رہے تھے مگر وہ آپؐ پر جھکے ہوئے آپؐ کو دشمن سے بچا رہے تھے۔ سعد بن ابی وقاص رسولؐ اللہ کو اپنی آڑ میں لے کر دشمن پر تیر چلا رہے تھے۔ سعد کا بیان ہے کہ خود رسولؐ اللہ مجھے تیر اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ "تم پر میرے ماں باپ نثار تیر چلاؤ۔

ایک انی کے بغیر بھی مجھے تیر دیا جو میں نے چلا دیا۔ مصعب بن عمیر کو جو علمبردار تھے بہادری سے لڑ رہے تھے مگر ان کو قیمیہ نے شہید کر دیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہی رسولؐ اللہ ہیں۔ چنانچہ اس وقت قریش کے پاس پلٹ کر چلا گیا اور ان کو بتایا کہ میں نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے۔

حضرت حمزہ بڑی بہادری اور شجاعت سے لڑ رہے تھے اور کئی مشرکین کو خاک و خون میں ملا چکے تھے کہ جبیر بن مطعم کے وحشی غلام نے اپنا بھالہ نشانہ زنی کے لئے ہاتھ میں لیا اس کو ہلایا اور جب وہ حضرت حمزہ کے بالکل قریب ہوا تو اس نے اپنا بھالہ ان پر پھینکا جو آپ کے پیڑوں پر لگا اور دونوں ٹانگوں کے بیچ میں سے نکل گیا ۔ وحشی کی طرف بڑھے پھر زمین پر گر پڑے اور شہید ہو گئے۔ سید الشہداء، شیر خدا، شیر رسولؐ حضرت حمزہ وفات پا چکے تھے۔

جب مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ زندہ ہیں تو وہ بھاگتے ہوئے آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپؐ درہ کی طرف چلے آپ کے ہمراہ حضرت ابو بکر، عمر، علی، طلحہ زبیر، سعد بن وقاص، زید بن حارث، محمد بن مسلمہ، سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور کچھ اور مسلمان بھی تھے۔

ایک روایت ہے کہ بنی الحارث بن عبد مناۃ بن کنانہ کے ابن قیمیہ الحارثی نے رسول اللہ کے قریب آکر آپ پر پتھر پھینکا جس سے آپؐ کی ناک اور چوکا ٹوٹ گیا۔ آپؐ کا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ اس صدمہ سے آپؐ حرکت نہ کر سکے۔ رسول اللہؐ لوگوں کو آواز دینے لگے کہ اے اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ۔ تیس (30) صحابہ آپؐ کے پاس جمع ہو گئے۔

آپؐ کے خود کی دو کڑیاں آپؐ کے رخسار میں چبھ گئیں اور خون آپؐ کے چہرہ مبارک پر بہہ نکلا کفار نے آپؐ پر پتھراؤ کیا تھا جس کی وجہ سے آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ نے آپؐ کو اپنے اوپر اٹھا کر گڑھے سے باہر نکالا اور حضرت عبیدہ بن الجراح نے آپؐ کے رخسار مبارک میں دھنسی ہوئی کڑیوں کو نکالا۔ انہوں نے اپنے دانتوں سے انہیں کھینچا تو ان کے دو دانت ٹوٹ گئے ۔ حضرت ابو سعید خدری کے والد حضرت مالک بن منان نے آنحضرتؐ کے رخساروں کا خون چوسا پھر اسے نگل لیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا "جس کے خون میں میرا خون جا ملا اسے دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی۔"

رسولؐ اللہ چند صحابہ کے ہمراہ درے میں بیٹھے تھے۔ قریش کی ایک جماعت خالد بن ولید کی سرکردگی میں پہاڑ پر چڑھ آئی۔ آپؐ نے فرمایا خداوندا ایسا نہ ہونے پائے کہ وہ یہاں چڑھ آئیں۔ عمر بن خطاب نے مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ ان حملہ آوروں کا مقابلہ کیا اور ان کو پہاڑ سے نیچے اتار دیا۔ حضورؐ پہاڑی کی ایک بڑی چٹان پر چڑھنے کے لئے اٹھے مگر ایک تو آپؐ پہلے سے تھکے ہوئے تھے دوسرے دوہری زرہ پہن رکھی تھی۔ اس لئے آپؐ اپنی جگہ سے نہ اٹھ سکے۔ طلحہ بن عبیداللہ آپؐ کے لئے بیٹھ گئے۔ تب آپؐ اٹھ کر ان پر سوار ہو گئے۔ زبیر سے مروی ہے کہ اس دن میں نے رسولؐ اللہ کو کہتے سنا کہ اس خدمت گزاری کی وجہ سے طلحہ نے اپنا حق واجب کر لیا۔

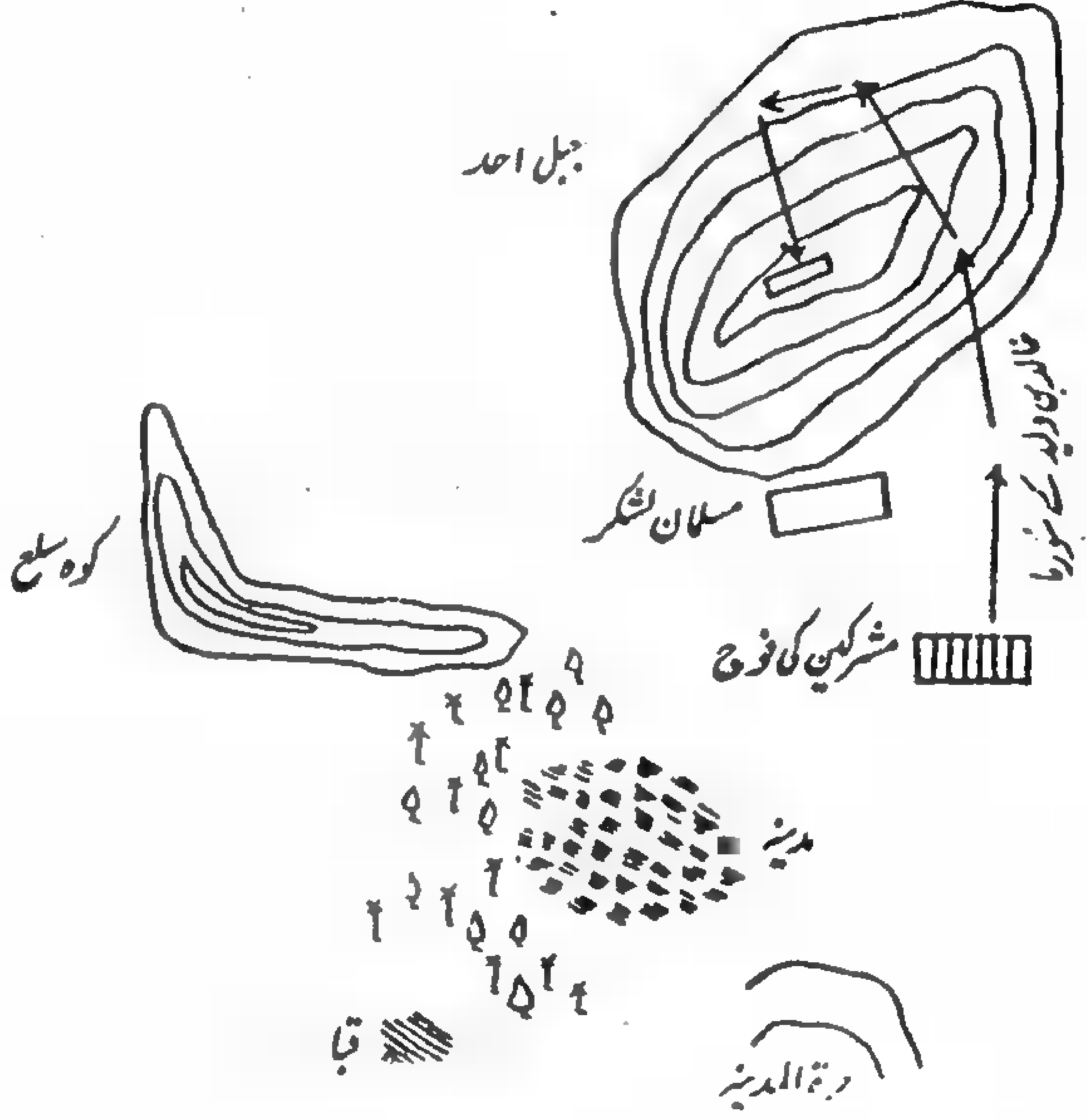
حضرت صفیہ کا صبر و تحمل جب حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب اپنے بھائی حمزہ کو دیکھنے آئیں تو حضورؐ نے ان کے بیٹے زبیر بن عوام سے فرمایا کہ اس کے پاس جاؤ اور اس کو واپس لوٹا دو۔ مگر اس نے یقین دلایا کہ وہ اپنے بھائی کی حالت دیکھ کر صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے گی۔ اس پر حضورؐ نے اسے حضرت حمزہ کی لاش دیکھنے کی اجازت دے دی۔ وہ حمزہ کے پاس گئیں بڑے پیار و محبت سے دیکھا اور دعائے مغفرت کی۔

عبداللہ بن جحش آمیمہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے ان کو بھی حضرت حمزہ کے ساتھ ہی دفن کر دیا گیا۔ یہ سریہ نخلہ کے سربراہ تھے۔

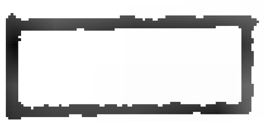
جنگ ختم ہونے کے بعد ہندہ بنت عتبہ اپنی ساتھیوں کے ساتھ شہید صحابہ کے اعضائے جسم کو قطع و برید کرنے لگیں۔ حضرت حمزہ کا کلیجہ چیر کر نکالا اور چبا ڈالا۔ پھر اگل دیا۔ پھر ایک بلند چوٹی پر چڑھ کر بلند آواز سے وہ شعر پڑھے جو اس نے اپنی جماعت کی فتح اور صحابہ کے قتل کی خوشی میں کہے تھے۔

ادھر خالد بن ولید نے جب جبل عینین پر جبل رماطہ کو جہاں سے اس پر تیر برسے تھے۔ خالی دیکھا تو اپنے گھوڑے کی باگ موڑ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ جبل قناط کی طرف پلٹا۔ درے رماط میں دس تیر اندازوں کو بمعہ حضرت عبداللہ بن جبیر کے شہید کرنے کے بعد انہوں نے بقایا چالیس تیر اندازوں کو بھی جو وادی قناطر کو عبور کر رہے تھے اور مال غنیمت کے لالچ میں نکی معسکر کی طرف جا رہے تھے۔ راستہ ہی میں شہید کر دیا۔

غزوہ احد میں مسلمانوں کی پہلی فتح ان کی حربی قابلیت اور اپنے عقیدہ و ایمان کا معجزہ تھا۔ جب آنحضرتؐ کی جنگی مہارت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کا ایک گروہ بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب کرنے لگا اور ایک گروہ ان کے مال و اسباب کو لوٹنے میں مصروف ہو گیا۔ ادھر درے کے محافظ دستے کے اکثر افراد نے مال غنیمت کے لالچ میں آپؐ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے درے کو چھوڑ کر مال غنیمت لوٹنے لگے۔ خالد بن ولید نے درہ کو خالی دیکھ کر اپنے رسالہ کے ساتھ پیچھے سے حملہ کر کے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ ادھر بھاگتے ہوئے قریش نے خالد کی للکار پر واپس مڑ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور اس طرح مسلمان کفار کے گھیرے میں آ گئے۔ اس افراتفری میں خود مسلمان مسلمانوں پر وار کرنے لگے۔ اس پریشانی کے عالم میں جبکہ مسلمان دشمن کے محاصرہ میں آ چکے تھے۔ ناگہان رسولؐ اللہ کی شہادت کی افوہ پھیل گئی۔ مسلمانوں کے دل بیٹھ گئے۔ پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ فوج میں پہلے ہی انتشار تھا۔ اب مصیبتوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جب قریش کا لشکر آنحضرتؐ کے قریب آ پہنچا تو وہاں موجود مسلمانوں نے آپؐ کے گرد گھیرا اپنا لیا۔ ان کی قوت ایمانی ہزار گنا بڑھ گئی۔ اور ہر شخص موت سے بے خوف ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے لگا۔ حضورؐ اپنے صحابہ کے ہمراہ احد کی چوٹی پر چلے گئے اور مسلمانوں نے آپؐ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ حضورؐ نے شدت سے پیاس محسوس کی مگر وہاں پانی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ بڑی دور سے حضورؐ کے لئے پینے کا پانی لائے۔



میدان احد


مسلمان


مشرکین

جنگ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے ان میں سے چھ مہاجر اور چونسٹھ (64) انصار تھے۔ مشرکین مکہ بائیس (22) مارے گئے۔ ان میں سے گیارہ علمبردار تھے جو انفرادی مقابلوں میں مارے گئے اور بقایا گیارہ میدان جنگ میں مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

قرآن پاک میں سورہ آل عمران کی ساٹھ (60) آیات اس غزوہ کے متعلق نازل ہوئیں۔ جن میں مسلمانوں کی شکست کے حقیقی وجوہات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ سب سے بڑی وجہ مسلمانوں کا باہمی اختلاف اور آنحضرتؐ کے حکم کی نافرمانی ہے۔ جب پچاس تیر اندازوں نے مال غنیمت کے لوٹ مار کے لئے اپنے مقام کو چھوڑ دیا جس کو کسی حالت میں بھی نہ چھوڑنے کا حکم ان کو دیا گیا تھا تو فتح شکست میں بدل گئی۔

مسلمانوں نے احد میں باوجود تکالیف اور گھیرے میں آجانے کے اور ستر مجاہدین کی شہادت کے نا تو میدان جنگ سے فرار اختیار کیا اور نا ہی ہتھیار ڈال کر جنگی قیدی بنے۔ بلکہ پورے عزم و ہمت اور صبر و استقلال کے ساتھ ابو سفیان کا آئندہ سال جنگ کا چیلنج قبول کیا اور میدان جنگ سے قریش کے لشکر کے بعد واپس روانہ ہوئے۔ لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس جنگ میں مسلمانوں کا جانی نقصان تو بہت زیادہ ہوا مگر اسے شکست نہیں کہہ سکتے اور نا ہی یہ کفار کی فتح قرار دی جا سکتی ہے۔

مشکرین نے اپنے مقتولوں کی لاشوں کو دفن کیا مگر مسلمان شہداء کی لاشوں کی بے حرمتی کی اور اکثر کا مثلہ کیا اور ان کے ناک و کان وغیرہ کاٹ دیئے گئے۔ جس سے مسلمانوں کو از حد قلق اور صدمہ ہوا۔

حضرت نصیبہ ام عمارہ

جب احد میں مسلمان شکست کھا گئے اور ادھر ادھر منتشر ہو گئے تو اس حالت میں حضرت نصیبہ ام عمارہ زوجہ زید بن عاشم ثابت قدم رہیں۔ وہ اپنے ساتھ مشکیزہ لئے ہوئے زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ آنحضرتؐ تک پہنچیں تو آپؐ صحابہ کے ہجوم میں تھے۔ اس وقت تک مسلمانوں کو غلبہ حاصل تھا۔ لیکن جب مسلمان شکست کھا گئے تو آنحضرتؐ کے قریب پہنچ کر آپؐ کے اطراف جنگ کرنے اور اپنی تلوار سے آپؐ کا دفاع کرنے لگیں۔ تیر کمان سے تیر پھینکنے لگیں۔ اس نے بیان کیا کہ "مجھے ایک مونڈھے پر زخم ابن قیمیہ سے لگا تھا۔ ابن قیمیہ آگے بڑھا اور کہا کہ مجھے بتاؤ کہ محمد کہاں ہیں اگر وہ بچ کر نکل گئے تو میری خیر نہیں پس میں نے اور مصعب بن عمیر نے اس کا مقابلہ کیا تو اس نے مجھے زخم لگایا۔ جواباً میں نے بھی اس پر حملہ کیا مگر اس دشمن خدا کے جسم پر دو زرہیں تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے اس خاتون کو دیکھا کہ یہ دائیں بائیں متوجہ ہوئے بغیر صرف میرے بچاؤ کے لئے لڑتی رہیں اور نیزوں اور تلوار سے اس بہادر عورت کے جسم پر بارہ زخم آئے تھے۔ یہ اس کی غیر معمولی شجاعت تھی۔ جس نے اللہ کی راہ میں اپنے زخموں کو برداشت کیا۔ جبکہ انہیں معلوم تھا کہ بہت سے مجاہد کفار کے پلٹ کر حملہ کی گھبراہٹ میں میدان چھوڑ کر بھاگ چکے تھے۔ حضرت ام عمارہ بیعت عقبہ ثانی میں شریک ہوئیں۔ بیعت رضوان

اور جنگ یمامہ میں شریک ہوئیں۔ ■ برابر جہاد میں حصہ لیتی رہیں۔یہاں تک کہ ان کا ایک ہاتھ ضائع ہو گیا اور اس دن اسے بارہ زخم آئے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ احد کے دن نصیبہ ام عمارہ اپنے شوہر زید بن عاصم اور دو بیٹوں عبداللہ اور حبیب میدان جنگ میں نکلے تو آنحضرتؐ نے ان کو فرمایا۔ " اے اہل بیعت رسول! اللہ تمہیں برکت عطا فرمائے "۔ حضرت ام عمارہ نے آپ سے عرض کیا آپؐ خدا سے دعا کریں کہ ہمیں جنت میں آپ کا ساتھ نصیب ہو۔ آپؐ نے فرمایا اے خدا! ان سب کو جنت میں میرا ساتھی بنانا یہ سن کر نصیبہ ام عمارہ نے کہا" اب مجھے دنیا کی کسی مصیبت کی بھی پرواہ نہیں ہے۔"

جب میدان جنگ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضورؐ کو شہید کر دیا گیا ہے تو مجاہدین نے بھاگنا شروع کر دیا اس پر قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی۔

" اور محمدؐ صرف رسول ہی ہیں۔آپؐ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر گزرے ہیں۔ پس اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم پچھلے پیروں لوٹ جاؤ گے۔" اور جب رسولؐ اللہ نے زخمی حالت میں یہ فرمایا کہ " وہ قوم کس طرح فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر کے چہرہ کو رنگین کر دیا ہو۔ حالانکہ وہ انہیں خدا کی طرف بلاتا ہے"۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ " آپؐ کا اس معاملہ میں کوئی دخل اور اختیار نہیں ہے۔ خدا ہی کو اختیار ہے کہ وہ یا ان کی توبہ قبول فرمائے یا انہیں مبتلائے عذاب فرما دے "۔

حبشی غلام وحشی کا بیان

وحشی غلام حبشی نے کہا کہ میں نے اپنے حربہ کو حرکت دے کر نشانہ کے مطابق حمزہ پر پھینکا۔ حربہ حمزہ کی ناف کے اوپر والے حصے پر پیٹ میں جا گھسا۔ حمزہ اس حالت میں میری طرف بڑھے مگر بے بس ہو چکے تھے وہیں گر پڑے۔یہاں تک کہ جاں بحق ہو گئے۔

وحشی غلام حبشی نے مدینہ آکر حضورؐ کے سامنے اسلام قبول کر لیا۔ اور حضورؐ کے حکم پر حمزہ کے قتل کا تمام واقعہ سنایا آپؐ نے اس کو تاکید کی کہ پھر کبھی مجھے اپنا چہرہ نہ دکھانا۔ چنانچہ جب تک آپؐ زندہ رہے وہ آپؐ کے سامنے کبھی نہ آیا۔ جنگ تہامہ میں اس نے لشکر اسلام کے ساتھ اس حربہ سے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا تھا۔

جنگ احد میں مسلمانوں کی ناکامی کے اسباب

جنگ احد میں مسلمانوں کی ناکامی کے اسباب درج ذیل ہیں:۔

1۔ مسلمانوں نے اس جنگ میں ایک حربی غلطی یہ کی کہ جنگ کے ابتدائی حصہ میں جب مشرکین شکست خوردہ ہو کر پس پا ہو رہے تھے تو مسلمانوں نے بجائے اس کے کہ وہ ان کے مال ■ اسباب کو لوٹنے میں مصروف ہو جاتے اور مال غنیمت کے لالچ میں جنگ میں کمزور پڑ جاتے ان کو دشمن کا تعاقب کرنا

چاہئے تھا اور ان کو میدان جنگ اور ان کے فوجی مرکز سے دھکیل کر میلوں دور لے جانا چاہئے تھا۔ اگر ان کی شکست و ہزیمت کے بعد مسلمان ان کا سرگرم تعاقب کرتے اور مال غنیمت کے لالچ میں نہ پڑ جاتے تو بدر کی طرح احد میں بھی مسلمانوں کی مکمل فتح یقینی تھی۔

2- حکم کی تعمیل کو عسکری روح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ہر جنگ و معرکہ میں بڑی حد تک فتح و شکست کا دار و مدار اور انحصار اسی نظم و ضبط اور احکام کی مکمل تعمیل پر ہوتا ہے تیر اندازوں کا حضورؐ کے سخت حکم کے باوجود اپنی جگہ کو چھوڑنا۔ آپؐ کے حکم کی نافرمانی کرنا اور مال غنیمت کے لالچ میں پڑ جانا۔ بہت بڑی غلطی تھی جو ان مسلمانوں سے سرزد ہوئی اور ناقابل تلافی ثابت ہوئی۔ اس سے مسلمانوں کا عقب خالی ہو گیا اور خالد بن ولید نے اسی موقع سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو عقب سے گھیرے میں لے لیا۔ اور اس سے مسلمان ہر جانب سے پورے طور پر محاصرے میں آ گئے اور اس قدر اتلاف جان کے علاوہ فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

3- اچانک حملہ :۔ مبادیات جنگ میں اچانک حملے کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ فوجی اصطلاح میں اچانک حملے سے مراد یہ ہے کہ دشمن پر ایسی جگہ اور ایسے وقت یا ایسے اسلوب سے اچانک وار کیا جائے جو اس کے لئے تمام تر غیر متوقع ہو اور حملے کی نوعیت ایسی ہو کہ دشمن کی مادی اور معنوی قوت پارہ پارہ کر کے رکھ دی جائے۔ مشرکین کی شکست کے بعد خالد بن ولید کا سنبھل کر مسلمانوں کے عقب سے حملہ آور ہونا ایک اچانک حملہ تھا۔ اس سے مسلمان حواس باختہ ہو گئے اور کئی مسلمان خود مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔

4- عین دوران جنگ دشمن نے یہ خبر یا افواہ پھیلا دی کہ آنحضرتؐ شہید کر دیئے گئے ہیں اس افواہ کی وجہ سے جو ایسے وقت میں مشہور کی گئی۔ جب کفار نے مسلمانوں کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ایک زبردست بلکہ ناقابل برداشت خبر تھی۔ مسلمان محاصرہ کی وجہ سے اس خبر کی تصدیق بھی نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور آسمان سر پر گر پڑا۔ ذرا چشم تصور سے اندازہ کریں کہ اس خبر سے مسلمانوں پر کیا گزری ہو گی۔ اب ان میں جنگ کرنے کی سکت اور جذبہ کیا رہ گیا ہو گا۔ اس وحشت ناک اور قیامت خیز خبر سے مسلمان پراگندہ اور مایوس ہو گئے۔ کچھ بھاگ گئے۔ کچھ بیٹھ گئے اور کچھ لڑتے ہوئے شہید یا زخمی ہوئے۔ الغرض احد کی شکست کی سب سے بڑی وجہ عین جنگ کے دوران آنحضرتؐ کی شہادت کی افواہ تھی۔

5- معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر کی طرح اس جنگ کے لئے مسلمانوں نے پوری احتیاطی تدابیر اختیار نہیں کی تھیں اور شائد بہت زیادہ خود اعتمادی اور دشمن کی طاقت و قوت کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔

حالانکہ جنگ بدر کے مقابلہ میں جنگ احد میں کفار مکہ کی تعداد اور سامان حرب و ضرب بہت زیادہ تھا۔ بدر میں مسلمانوں کے تین سو تیرہ کے مقابلہ پر دشمن کی تعداد ایک ہزار تھی۔ مگر احد میں مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو اور دشمن کی تعداد تین ہزار تھی۔ یعنی یہاں جنگ میں ایک اور چار سے بھی زیادہ کی نسبت تھی۔ پھر ان کے پاس دو سو گھوڑوں کا رسالہ سات سو زرہ پوش اور تین ہزار اونٹ تھے۔ مسلمانوں نے دشمن کے مقابلہ کے لئے پوری طرح منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ بدر میں آنحضرتؐ کے لئے انہیں فوج کے عقب میں ایک اونچے ٹیلہ پر جھونپڑی بنادی تھی۔ جہاں سے آپؐ نہ صرف اپنی فوج کی کمان کر رہے تھے بلکہ ہر وقت جنگ کے حالات اور رفتار پر آپؐ کی نظر تھی۔ علاوہ ازیں حضرت ابو بکر صدیقؓ ہر وقت آپ کے ہمراہ رہے اور حضرت سعد بن معاذ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ برہنہ تلواریں لئے جھونپڑی کے دروازہ پر پہرہ دیتے رہے تاکہ کسی دشمن کو ادھر آنے کی جرات نہ ہو۔ بلکہ خطرناک صورت حال کی صورت میں آپؐ کے پاس چند تیز رفتار اونٹنیاں بھی کھڑی تیار رکھی گئی تھیں تاکہ آپؐ کو فوراً مدینہ پہنچا دیا جائے۔ افسوس کہ جنگ احد میں ایسا کوئی اہتمام نہ کیا گیا۔

اس حد سے زیادہ خود اعتمادی اور ضروری منصوبہ بندی اور احتیاطی تدابیر کے فقدان کی وجہ سے جنگ احد میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

6۔ احد کی جنگ میں پانی کا انتظام بھی نہ کیا گیا اور زخمی ہونے کے بعد جب آپؐ کو شدید پیاس لگی تو حضرت محمد بن مسلمہ بڑی دور سے اور بہت کوشش سے پانی کے ایک ذخیرہ سے پینے کا میٹھا پانی لا سکے۔ حالانکہ بدر میں سب سے پہلے پانی کے چشمہ پر قبضہ کر کے وہاں حوض تعمیر کیا گیا تھا اور اسے پانی سے بھر لیا تھا۔

7۔ یہ آنحضرتؐ کی بے مثال اور یکتا فوجی قیادت کا کرشمہ تھا کہ انتہائی نازک اور سنگین حالات میں بھی آپؐ نے مسلمانوں پر اپنا کنٹرول اور اختیار قائم رکھا۔ آپؐ نے کفار کا حلقہ توڑنے میں مسلمانوں کی قیادت اور راہنمائی فرمائی۔ ایک بلند چوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ حالانکہ شدید زخمی ہو گئے تھے اور اپنی منتشر طاقت کو منظم کیا اور ان میں پھر سے نیا ولولہ اور حوصلہ پیدا کیا اور اس شکست کو جس کا انجام ہلاکت اور مکمل تباہی نظر آرہا تھا۔ فتح سے بدل دیا۔ دشمن جو چار گناہ زیادہ تھا اس میں مایوسی کی لہر پیدا ہو گئی اور فاتح ہونے کے باوجود بھاگ جانے پر مجبور ہوا وہ مسلمانو کو مٹا دینے کے لئے آئے تھے اور حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کی ہلاکت تباہی ایک قطعی اور یقینی چیز نظر آرہی تھی۔ مگر تائید ایزدی اور حضورؐ کے تدبر، فوجی تدابیر اور جرات، شجاعت اور صحابہ کی جان نثاری، وفاداری اور عدیم المثال بہادری عزم، ہمت اور استقامت و استقلال کی بناء پر کفار مکہ مایوس، نا امید اور شکست

فاروقؓ مسلمان مجاہدین کا ایک مختصر دستہ لے کر اس پر جھپٹ پڑے اور ایک زبردست مقابلہ کے بعد خالد کو پسپا خوردہ ذہنیت کے ساتھ میدان جنگ سے فرار ہونے پر مجبور ہوئے۔

8 تعاقب لازمی تھا:۔ ہر کامیاب حملہ کرنے کے بعد یہ لازمی ہوتا ہے کہ اگر دشمن کے پاؤں اکھڑ جائیں تو اس کا شدت کے ساتھ تعاقب کیا جائے تاکہ اس کی قوت پارہ پارہ ہو جائے ۔ مسلمان اگر اپنی ابتدائی کامیابی کے بعد دشمن کا سرگرم تعاقب کرتے اور ان کی عورتوں ، اونٹ ، مویشی اور دولت و مال کے لالچ میں نہ پڑتے اور دس میل تک بھی ان کا تعاقب کرتے تو دشمن کی طاقت کا مکمل خاتمہ ہو جاتا۔ اسے واپس آنے کی جرات و حوصلہ نہ ہوتا اور مکہ پہنچ کر ہی دم لیتے اور جنگ احد کا انجام بھی جنگ بدر جیسا ہوتا۔

براء سے مروی ہے کہ ابو سفیان پہاڑ پر چڑھ کر ہمارے قریب آیا اس نے دو مرتبہ پوچھا کیا تم میں محمدؐ ہیں؟ رسولؐ اللہ نے فرمایا اس کو جواب نہ دو۔ پھر دوسری مرتبہ پوچھا تم میں ابن ابی قحافہ ہیں؟ پھر اس نے تیسری مرتبہ عمر بن خطاب کا پوچھا رسولؐ اللہ نے فرمایا کوئی جواب نہ دے۔ اس خاموشی پر ابو سفیان نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ یہ سب ضرور مارے گئے ہیں۔ زندہ ہوتے تو جواب دیتے ۔ اب عمر بن خطاب سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے کہا اے دشمن خدا تو جھوٹا ہے ۔ اللہ نے ان سب کو محفوظ رکھا ہے جو تیری ذلت کا باعث ہونگے ۔ ابو سفیان نے کہا " ہبل کی جے ، ہبل کی جے ۔ رسول اللہ نے فرمایا کہو " اللہ بڑا ہے ، بزرگ و برتر ہے۔ "

جب حضرت عمرؓ نے ابو سفیان کو جواب دیا تو اس نے ان سے کہا کہ یہاں آؤ۔ رسولؐ اللہ نے ان سے کہا کہ جاؤ دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔ عمر اس کے پاس آئے۔ ابو سفیان نے ان سے کہا اے عمرؓ میں تم کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم سچ بتاؤ کہ کیا واقعی ہم نے محمد کو قتل کر دیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا بخدا ہرگز نہیں وہ اس وقت بھی تمہاری گفتگو سن رہے ہیں۔ ابو سفیان نے کہا تم کو میں ابن قیمیہ سے زیادہ صادق القول سمجھتا ہوں اور اس دعویٰ کے مقابلہ میں کہ اس نے محمد کو قتل کر دیا ہے تمہارے بیان کو زیادہ صحیح سمجھتا ہوں۔ پہاڑ سے واپسی پر اس نے بلند آواز سے کہا کہ آئندہ سال تم سے پھر بدر میں مقابلہ ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا ضرور۔ "

اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ احد میں مشرکین کو فتح اوز مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ لیکن جنگی حقائق اور واقعات اس کی تصدیق نہیں کرتے ۔ مسلمانوں پر تفوق اور برتری رکھنے اور ان کو گھیرے میں لے چکنے کے باوجود مشرکین ان کا صفایا نہ کرسکے یہ ان کی بہت بڑی شکست ہے ادھر مسلمان دشمن کے گھیرے کو توڑ کر اپنی نوے فی صد فوج کو صحیح سلامت بچا کر لے آئے جس کا بظاہر کوئی امکان نہیں تھا۔ لہذا دشمن کا مضبوط حلقہ توڑ کر صحیح و سلامت باہر نکل آنا۔ مسلمانوں کی بہت بڑی فتح ہے۔ آخری وقت پر خالد بن ولید اپنے طاقتور سپاہیوں کا دستہ لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ آیا۔ جہاں آنحضرتؐ اپنے چند صحابہ کے ساتھ کھڑے تھے۔ مگر حضورؐ کے ارشاد پر حضرت عمر

ہونے پر مجبور کر دیا۔ اگر ان تمام حقائق و واقعات کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے تو ماننا اور تسلیم کرنا پڑے گا کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست نہیں فتح حاصل ہوئی تھی خصوصاً اس افواہ کے پیش منظر جو عین میدان جنگ میں شدت جنگ کے وقت آنحضرتؐ کی شہادت کے متعلق کفار قریش نے پھیلا دی تھی جس سے نفسیاتی طور پر مسلمانوں کے حوصلے پست اور دشمن کے حوصلے بلند ہو گئے تھے۔

حضورؐ نے اپنی بے مثال جرات و بہادری اور عزم و استقلال کے ساتھ دشمن کا نا صرف چیلنج منظور کیا کہ اگلے سال پھر بدر میں ایسی ملاقات ہو گی بلکہ میدان جنگ میں دیر تک دشمن کا انتظار کیا کہ شاید پھر پلٹ کر آ جائے بلکہ اگلے روز مدینہ سے آٹھ میل حمر الاسد تک دشمن کا تعاقب کیا اور وہاں تین دن قیام کر کے صرف اپنی بچی کھچی فوج کے ساتھ اس کے تین ہزار کے لشکر کا انتظار کیا۔ اور کسی ذہنی یا جسمانی کمزوری یا پریشانی کا مظاہرہ نہیں کیا اور شکست خوردہ مسلمانوں کو نیا عزم و حوصلہ دیا اور انہوں نے فاتح فوج کی حیثیت اختیار کر لی۔

غزوہ حمراالاسد 16 شوال 3 ھ

آنحضرتؐ مجاہدین کے ساتھ پندرہ (15) شوال 3 ھ کو احد سے مدینہ واپس تشریف لائے آپؐ کو معلوم ہوا کہ لشکر قریش مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر روحاء کے مقام پر ڈیرہ ڈالے پڑا ہے اور دوبارہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنا رہا ہے چنانچہ آپؐ نے صبح ہی اعلان کر دیا کہ ہم کفار مکہ کا تعاقب کریں گے ۔ صرف وہی مجاہدین اسی لشکر میں شامل ہوں جو جنگ احد میں موجود تھے۔ چنانچہ لشکر اسلام مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر حمراء الاسد کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ آنحضرتؐ ایسی حالت میں روانہ ہوئے کہ چہرہ مبارک مجروح تھا۔ پیشانی مبارک زخمی تھی۔ دندان مبارک ٹوٹے ہوئے تھے اور نیچے کا ہونٹ اندر کی جانب سے مجروح تھا۔ داہنا شانہ ابن قیمیہ کی تلوار کی ضرب سے سست تھا اور دونوں گھٹنے چھلے ہوئے تھے ۔ آنحضرتؐ نے دو آدمیوں کو معلومات حاصل کرنے کے لئے آگے بھیجا مگر وہ قریش کے ہاتھ لگ گئے اور انہوں نے دونوں کو شہید کر دیا۔ مجاہدین نے حمر الاسد کے مقام پر قیام کیا اور رات کو پانچ سو مقامات پر آگ روشن کی تاکہ دشمن کو مرعوب کیا جائے ۔ ادھر ابو سفیان کو صفوان بن امیہ نے مشورہ دیا کہ اب فوراً مکہ واپس جانا چاہیئے ورنہ بدر والا حال ہو گا۔ اس موقع پر معبد خزاعی رسولؐ اللہ کی طرف سے گزرا اور اظہار ہمدردی کے بعد روحائے کے مقام پر ابو سفیان کو ملا اور ابو سفیان کو ڈرایا کہ رسولؐ اللہ زبردست حملہ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اور تھوڑی دیر تک ان کا لشکر انتقامی جوش و جذبہ کے ساتھ تم پر حملہ کر کے سب کو تباہ و برباد کر دے گا۔ ابو سفیان پریشان ہو کر فوراً مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ آپؐ نے تین رات وہاں قیام کیا اور پانچویں دن جمعہ کے روز مدینہ واپس تشریف لائے۔

غزوہ غطفان صفر 3 ھ

آنحضرتؐ نے غزوہ سویق سے واپس ہو کر مدینہ میں تقریباً ذی الحجہ کے باقی دن قیام فرمایا۔ پھر نجد کی جنگ کا قصد فرمایا۔ جس میں غطفان سے مقابلہ کا ارادہ تھا۔ اس کا نام غزوہ ذی امر بھی ہے کیونکہ بنو ثقلبہ اور محارب کی ایک جماعت مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے مقام ذی امر مین جمع ہوئی۔ انہیں وعثور بن حارث محاربی نے اس غرض کے لئے جمع کیا تھا۔ یہ خبر سن کر آنحضرتؐ ساڑھے چار سو صحابہ کو لے کر روانہ ہوئے اور مدینہ پر اپنے قائم مقام حضرت عثمان بن عفانؓ کو حاکم مقرر فرما گئے جب ان حملہ آوروں نے آپ کے آنے کی خبر سنی تو پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے اس لئے آنحضرتؐ واپس آ گئے اور آپؐ کو کوئی معرکہ پیش نہ آیا۔ آپ مقام نجد میں تقریباً پورے صفر کا مہینہ مقیم رہے۔

کعب بن اشرف اور محمد بن مسلمہ

کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ ہجرت کے پچیسویں مہینے 14 ربیع الاول 3 ھ کو ہوا۔ [redacted] شاعر تھا اور آنحضرت اور صحابہ کرامؓ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ مخالفت پر لوگوں کو برانگیختہ کرتا اور ذہنی ایذائیں پہنچاتا۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کا اس کو از حد صدمہ ہوا اور کہا کرتا تھا کہ آج زمین کا شکم اس کی پشت سے بہتر ہے۔ وہ مکہ گیا اور اپنے اشعار کے ذریعے مقتولین قریش کے ورثاء اور لوگوں کو رلایا۔ مدینہ آکر بھی مسلمانوں کو بہت پریشان کرتا۔ الغرض وہ مسلمانوں کا شدید دشمن تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کوئی ہے جو کعب بن اشرف کو قتل کر کے میرا انتقام لے۔ محمد بن مسلمہ انصاری نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔ اس نے کہا یا رسولؐ اللہ میں اس کو قتل کر دونگا۔ آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا کہ سعد بن معاذ سے مشورہ کر لو۔ محمد بن مسلمہ اور قبیلہ اوس کے چند آدمی جمع ہوئے۔ جس میں عباد بن بشر، ابو نائلہ، سلکان بن سلامہ، الحارث بن اوس اور انو عس بن جبیر بھی تھے۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے کوئی بہانہ بنانے کی اجازت حاصل کر لی تاکہ اس کو قابو کیا جا سکے۔ ابو نائلہ کعب بن اشرف کا رضائی بھائی تھا۔ وہ رات کے وقت اس کے پاس گئے وہ ڈر گیا اس پر ابو نائلہ نے کہا میں تمہارا بھائی نائلہ ہوں۔ اسے تسلی ہوئی اور آنے کا سبب معلوم کیا۔ اس نے کہا کہ ہم محمدؐ سے تنگ ہیں۔ تمام عرب ہمارا دشمن ہو گیا ہے۔ ہم اس سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح اس پر اعتماد بحال کر لینے کے بعد کہا کہ ہمیں کچھ غلہ اور کھجوریں چاہیئے جو چیز قابل اعتبار ہو تیرے پاس رہن رکھ دیں۔ وہ ان کی باتوں سے مطمئن ہو گیا اور کہا کہ جب چاہو اپنے ساتھیوں کو میرے پاس لے آؤ۔ انہوں نے آکر آپؐ کو تمام واقعہ بتایا۔ آپؐ نے ان کی کامیابی کی دعا کی اور وہ رات کے وقت اس کی طرف روانہ ہو گئے۔ رات کے وقت اس کے گھر جا کر ابو نائلہ نے آواز دی۔ اس کی بیوی نے جس سے اس کی شادی نئی نئی ہوئی تھی اس کو روکا مگر اس نے کہا کہ یہ ابو نائلہ میرا بھائی ہے۔ ابھی ان

کی بات سن کر آتا ہوں۔ کعب ان کے پاس آیا انہوں نے کچھ دیر اس کو باتوں میں لگایا پھر ابو نائلہ نے اس کے سر کے بال پکڑے اور دوسرے ساتھی اس کو مارنے لگے۔ محمد بن مسلمہ نے اپنی تلوار سے ایک گیتی نکال کر اس کے پیٹ میں ماری ▪ مر گیا اور اس کا سر کاٹ کر حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔ نعرہ تکبیر بلند کیا اور کعب بن اشرف کا سر آپؐ کے قدموں میں ڈال دیا۔

ابو عفک شاعر کا قتل

مدینہ میں ایک شخص ابو عفک نامی شاعر تھا۔ یہ قبیلہ بنی عمرو بن عوف سے تھا اور رسولؐ اللہ کے خلاف ہجو کرتا اور اپنی قوم کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا کرتا تھا۔ موسم گرما کی ایک شب جب ابو عفک اپنے گھر کے صحن میں سو رہا تھا۔ جناب سالم بن عمیر دوسی پہنچے اور ابو عفک کے کلیجہ میں نوک سنان چھید کر اسے ہلاک کر دیا۔ عصما بنت مروان کا قتل :۔ عصماء بن بنت مروان بن زید کی بیٹی تھی اور شاعرہ تھی۔ یہ بھی آنحضرتؐ اور مسلمانوں کے خلاف ہجو کرتی اور لوگوں کو مسلمانوں کے قتل و غارت کے لئے ابھارتی اس کو اس کے گھر کے اندر حضرت عمیر بن عوف نے رات کے وقت قتل کر دیا اور اس طرح دو غیرت مند مسلمانوں سالم بن عمیر قبیلہ اوس اور عمیر بن عوف نے ابو عفک اور عصماء بنت مروان بن زید کو مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز شعر اور ہجو کہنے کے جرم میں ابدی نیند سلا دیا۔

سریہ زید بن حارث۔ جمادی الآخر 3 ھ / ستمبر 624ء

حضرت زید بن حارث کی مقام قدر کی طرف لشکر کشی کا جو نجد کے چشموں میں سے ایک چشمہ ہے۔ یہ سبب ہوا کہ قریش جس قدیم راستے سے تجارتی قافلے ملک شام کو لے جایا کرتے تھے۔ بدر کے واقعات کی وجہ سے انہیں اس راہ میں اندیشے پیدا ہو گئے تھے اس لئے اس مرتبہ وہ عراق کے راستے سے روانہ ہوئے ان کے تجار کا قافلہ جس میں ابو سفیان بن حرب، صفوان بن امیہ اور حویطب بن عبدالعزیٰ شامل تھے اور یہ سب بعد کو فتح مکہ کے سال اسلام لائے تھے۔ ان کے ساتھ نگینہ جڑی ہوئی بہت سی انگوٹھیاں تھیں۔ پس آنحضرتؐ نے حضرت زید بن حارثؓ کو سو سوار دے کر ان کی طرف روانہ فرمایا جو چشمہ کے پڑاؤ پر ان سے جا ملے۔ انہیں دیکھتے ہی قافلہ والے فرار ہو گئے۔ اس طرح مال سے لدے ہوئے بہت سے اونٹ حضرت زید بن حارثؓ کے ہاتھ آئے۔ جنہوں نے یہ اونٹ لے جا کر آنحضرتؐ کے سامنے پیش کر دے۔ اس میں سے آپ نے اپنا پانچواں حصہ نکالا تو اس پانچویں حصہ کی قیمت بیس ہزار درہم تک پہنچی۔

ام کلثوم بنت رسولؐ اللہ کی شادی

آنحضرتؐ نے اپنی بیٹی حضرت رقیہ کی شادی حضرت عثمان بن عفان سے کی تھی لیکن وہ 17 رمضان ا۔

2 یوم بدر وفات پا گئیں تھیں۔ اب آنحضرتؐ نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی ام کلثوم کی شادی ماہ ربیع الاول 3 ھ میں حضرت عثمان سے کر دی اور اسی سال ماہ جمادی الآخر میں رخصتی عمل میں آئی۔ ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ 4 ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اکثر علماء و مورخین کی رائے یہ ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ آنحضرتؐ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ مگر بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ آنحضرتؐ کی سب سے چھوٹی بیٹی حضرت ام کلثوم تھیں۔ اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ حضرت فاطمہ کی شادی حضرت علی سے 2 ھ میں ہوئی تھی لیکن حضرت ام کلثوم کی شادی حضرت عثمان کے ساتھ 3 ھ میں ہوئی تھی۔

آنحضرتؐ کی شادی حضرت حفصہؓ بنت عمر کے ساتھ شعبان 3 ھ

حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمر فاروقؓ کی شادی حضرت حنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ لیکن وہ جنگ بدر میں زخمی ہو کر وفات پا گئے۔ آنحضرتؐ نے ماہ شعبان 3 ھ میں حضرت حفصہ سے عقد فرمایا۔ آپ کا حضرت معاویہ کے دور خلافت میں 41 ھ میں انتقال ہوا۔

4ھ 626ء کے حالات و واقعات

سریہ بیرٔ معونہ۔ صفر 4ھ / مئی 625ء

صفر 4ھ میں حضورؐ نے ابو براء عامر بن مالک بن جعفر کی استدعا پر چالیس یا ستر قاری صحابہ کو منذر بن عمرو کی قیادت میں تبلیغ کے لئے نجد روانہ کیا۔ یہ مدینہ سے چل کر بیرٔ معونہ آگئے جو بنی عامر کے علاقہ اور بنی سلیم کے پتھریلے علاقہ کے درمیان واقع ہے۔ مسلمانوں نے حرام بن یلمان کو رسولؐ اللہ کا خط دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا اس نے خط پڑھنے سے قبل ہی قاصد کو قتل کر دیا۔ اور بنی عامر کو حکم دیا کہ تمام مسلمانوں کو قتل کر دو مگر انہوں نے اس بناہ پر انکار کر دیا کہ چونکہ ابو براء نے ان کو پناہ دی ہے۔ اور حفاظت کا عہد و پیمان کیا ہے۔ اس پر اس نے بنو سلیم کے قبائل عصیہ، رعل اور ذکوان کے ذریعے تمام مسلمانوں کو قتل کرا دیا۔ صرف کعب بن زید کے سوا کوئی زندہ نہ بچا۔ عمرو بن امیہ ضمری اور ایک انصاری مجاہد اس وقت وہاں موجود نہ تھے۔ اس لئے وہ بعد میں کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ عمرو بن امیہ کو انہوں نے قید کر لیا اور بعد میں عامر بن طفیل نے ان کو آزاد کر دیا کیونکہ اس کی ماں نے ایک غلام کو آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ عمرو بن امیہ وہاں سے چل کر جب قناۃ کی چڑھائی پر قرقرۃ کے مقام پر آئے تو وہاں اسے دو شخص درخت کے نیچے لیٹے ہوئے ملے اور معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہ بنی عامر سے ہیں۔ یہ سن کر عمرو نے ان کو بنی عامر سے بدلہ لینے کے لئے قتل کر دیا۔ جب اس نے رسولؐ اللہ کے پاس حاضر ہو کر تمام حالات بیان کئے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ مسلمان تھے اور مسلمانوں کے حلیف لہٰذا اب مجھے ان کی دیت ادا کرنی پڑے گی۔ چنانچہ آپؐ نے ان کی دیت ادا کر دی۔ شہداء بیرٔ معونہ میں جید قاری اور صحابہ شامل تھے۔ منذر بن عمرو کے علاوہ حضرت ابو بکر کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ بھی شامل تھے۔ ہجرت مدینہ کے وقت آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے۔ ابو براء کو اپنے بھتیجے کے اس قتل پر از حد افسوس و صدمہ ہوا۔ اس نے اسی پر حملہ کر کے اس کو زخمی کر دیا۔ کچھ دیر بعد عامر بن طفیل مر گیا۔

حادثہ رجیع صفر 4ھ م مئی 625ء

رجیع مکہ اور طائف کے درمیان "ہداۃ" کے قریب قبیلہ ہذیل کا کنواں تھا۔ ماہ صفر 4ھ / مئی 625ء میں

قبیلہ ہذیل کے بنولحیان، قبائل عفل وقارہ کے پاس آئے اور انہیں کہا کہ وہ آنحضرتؐ کے پاس جا کر عرض کریں کہ آپ اپنے کچھ مبلغین یعنی قاری حضرات کو ان کے علاقہ میں اسلام کی تبلیغ و تعلیم کے لئے روانہ فرمادیں۔ جو قرآن پڑھائیں اور شریعت اسلامی کی تعلیم دیں۔ چنانچہ انہوں نے یعنی قبائل عفل وقارہ نے اپنے سات آدمی حضورؐ کی خدمت میں بھیجے۔ انہوں نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا اور عرض کیا کہ ہمارے قبائل میں اسلام پھیل رہا ہے۔ آپ ہمارے ہمراہ چند صحابہ کو دعوت و تبلیغ اسلام کے لئے بھیج دیں۔ جو ہمیں دینی مسائل بتائیں۔ قرآن پڑھائیں اور شریعت اسلامیہ کی تعلیم دیں۔ حضورؐ کا پہلے سے ہی ارادہ تھا کہ چند صحابہ کو جاسوس بنا کر مکہ کی طرف روانہ فرمادیں تاکہ وہ آپؐ کو قریش کے ارادوں اور تیاریوں کی خبر لا کر دیں۔ جب یہ لوگ اہل علم و فقہا کی مانگ لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کے ہمراہ دس صحابہ کو دونوں خدمات یعنی دین کی تعلیم اور قریش کی معلومات حاصل کرنے کے لئے ان کے ساتھ روانہ فرما دیا۔ یہ صحابہ کرام کا دستہ حضرت عاصم بن ثابت یا حضرت مرشد بن ابی مرشد کی قیادت میں جب الرجیع پہنچے تو ان لوگوں نے صحابہ کرام سے غداری کی اور قبیلہ ہذیل کو بلا کر ان کو گھیر لیا۔ مسلمان مجاہدین نے بھی تلواریں نکال لیں اور میدان میں نکل آئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تم کو قتل کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ تم لوگوں کو گرفتار کر کے اہل مکہ کے پاس فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن عاصم بن ثابت، مرشد بن ابی مرشد، خالد بن ابی البکیر اور محتسب بن البکیر نے کہا کہ ہم مشرکین کا عہد و پیمان کبھی قبول نہیں کریں گے۔ ان لوگوں نے ان سے جنگ کی اور شہید ہوگئے۔ مگر زید بن اسد شنہ، حبیب بن عدی اور عبداللہ بن طارق گرفتار کر لئے گئے۔ عبداللہ بن طارق مرانظران میں ان سے لڑ کر شہید ہو گئے۔ خبیب اور زید کو مکہ لا کر خبیب بن عدی کو حجر بن ابی اہاب تیمی اور زید کو صفوان بن امیہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ کفار مکہ نے ان دونوں کو کچھ دیر قید میں رکھا اور پھر بعد میں دونوں کو قتل کر دیا۔ جنہوں نے قتل سے قبل دو رکعت نماز ادا کی۔

غزوہ بدر الآخر۔ شعبان 4ھ

غزوہ احد کے خاتمہ پر ابو سفیان نے اعلان کیا تھا کہ اگلے سال پھر بدر میں مقابلہ ہو گا اور آنحضرتؐ نے یہ چیلنج منظور کر لیا تھا۔ چنانچہ آپؐ 1500 مجاہدین کو لے کر میدان بدر میں پہنچ گئے۔ ابو سفیان دو ہزار سے زائد لشکر کو لے کر مکہ سے روانہ ہوا۔ مگر دو دن کی مسافت کے بعد اس بہانہ سے واپس مکہ چلا گیا کہ اس سال قحط ہے لہذا اگلے سال مقابلہ ہو گا۔ اس غزوہ سے مسلمانوں کی طاقت اور اثر و رسوخ میں اضافہ ہوا۔ مدینہ کے اندر اور باہر بھی۔

آپؐ نے عبداللہ بن رواحہ کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر کیا اور جھنڈا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔ مسلمانوں کی تعداد پندرہ سو تھی۔ صرف دس گھوڑے ساتھ تھے مسلمان اپنے ساتھ اپنا اسباب تجارت بھی لے گئے۔ کیونکہ ان دنوں وہاں ایک میلہ لگتا تھا جو آٹھ دن رہتا تھا اور خرید و فروخت عام ہوتی تھی۔ مسلمانوں نے وہاں آٹھ دن قیام

کیا اور اپنا اسباب تجارت فروخت کیا اور کئی گنا منافع کمایا اور حضورؐ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا مگر ابو سفیان جھوٹا ثابت ہوا اور اس کی مذمت ہونے لگی۔

سریا ابن ابی سلمہ

غزوہ احد کے دو ماہ بعد حضرت رسولؐ اللہ کو اطلاع ملی کہ خویلد کے دونوں بیٹے طلحہ اور سلمہ اپنے قبیلے کو مدینہ پر چڑھائی کے لئے تیار کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابن ابو سلمہ بن عبدالاسد کی زیر قیادت ڈیڑھ سو سوار و پیادہ مجاہدین کا ایک لشکر ان کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا جس میں ابو عبیدہ بن جراح اور سعد بن ابی وقاص بھی شامل تھے۔ مقصد یہ تھا کہ ان کی تیاری سے پہلے ہی ان سے نپٹ لیا جائے۔ آپؐ نے تاکید کی کہ رات کو سفر کریں اور دن کو کسی مناسب جگہ پر پوشیدہ ہو جائیں اور ایسا راستہ اختیار کریں جس پر عام طور پر آمد و رفت نہ ہو تاکہ دشمن کو ان کے آنے کی اطلاع نہ ہو سکے اور اس طرح بنو اسد پر یہ اچانک اور غیر متوقع حملے کر کے انہیں حواس باختہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ابن ابو سلمہ بنو اسد کے علاقے میں داخل ہوئے اور اچانک دشمن کے سر پر آن پہنچے اور ان کو گھیرے میں لے لیا۔ بنو اسد کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے کچھ مجاہدین نے ان کا تعاقب کیا۔ مگر وہ بھاگ گئے کافی مال غنیمت ہاتھ آیا اور ابن ابو سلمہ کامیاب ہو کر مدینہ واپس آئے۔

عبداللہ بن انیس کا سریہ

جناب رسول اللہ کو پتہ چلا کہ خالد بن سفیان ہذلی اعراب کی خاصی بڑی جمیعت کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تاکہ ان پر غارت گری کرے۔ آنحضرتؐ نے عبداللہ بن انیس کو تنہا اس مہم پر روانہ کیا کہ [redacted] اس کے عزائم کے متعلق صحیح معلومات حاصل کر کے اطلاع کرے۔ عبداللہ بن انیس روانہ ہوئے۔ اچانک ایک جگہ آپ کی خالد بن سفیان سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے عبداللہ سے اس کا حال معلوم کیا تو اس نے کہا کہ میں بھی حضرت محمدؐ کے ساتھ لڑائی کے لئے تمہاری فوج میں شامل ہونے کے لئے آیا ہوں۔ جب خالد بن سفیان حضرت عبداللہ کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گیا اور آپ نے اندازہ کر لیا کہ اس کے آدمی اس سے خاصے فاصلے پر ہیں اور ساتھ صرف چند عورتیں ہیں تو حضرت عبداللہ نے خالد بن سفیان پر تلوار کا ایک زبردست وار کر کے اس کو قتل کر دیا اور مدینہ واپس آگیا۔ خالد بن سفیان کا لشکر جو وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کر رہا تھا خود بخود منتشر ہو گیا۔

غزوہ بنی نضیر ربیع الاول 4 [redacted] / جون 625ء

مدینہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلے پر قبیلہ بنو نضیر یہودیوں کی آبادی تھی۔

عمرو بن امیہ ضمری نے مدینہ واپس آتے ہوئے قبیلہ بنو عامر کے دو افراد کو اپنے مسلمان شہداء کا بدلہ لینے کے لئے قتل کر دیا۔ بو رجیع کے مقام پر دھوکے سے قبیلہ بنو عامر نے قتل کر دیئے تھے۔ مگر ان دو افراد کو جو مسلمان ہو چکے تھے وعدہ حفاظت اور امان دے رکھی تھی۔ آنحضرتؐ قبا آئے اور وہاں سے بنو نضیر کے گھروں کو گئے۔ آپؐ کے ہمراہ دس صحابہ بھی تھے جن میں حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ اور علیؓ بھی شامل تھے۔

رسولؐ اللہ نے جب گفت و شنید کا آغاز فرمایا اور بنو عامر کے دو مقتولوں کی دیت میں حصہ طلب کیا تو یہودیوں نے آمادگی کے ساتھ تعاون اور اعانت کا وعدہ کیا۔ آپؐ ایک یہودی کے مکان کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اس اثناء میں بعض یہودی تو آپؐ کے ساتھ گرمجوشی سے گفتگو کر رہے تھے بعض کچھ کانا پھوسی بھی کر رہے تھے ایسا اندازہ ہوا کہ وہ کعب بن اشرف کے قتل کے متعلق سرگوشیاں کر رہے ہیں۔ اتنے میں ایک یہودی عمرو بن جحش اس گھر میں داخل ہوا جس کی دیوار سے آپؐ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ آنحضرتؐ کو یہودیوں کی باتوں اور حرکتوں سے شبہ پیدا ہوا۔ آپؐ دیوار کے پاس سے اٹھے اور تن تنہا مدینہ واپس آگئے۔ صحابہ نے خیال کیا کہ کسی ضرورت کے لئے باہر گئے ہیں ذرا دیر میں واپس آجائیں گے لیکن جب کافی مدت گزر گئی تو پریشانی پیدا ہوئی اور آپؐ کی تلاش میں باہر نکلے۔ اتنے میں ایک آدمی مدینہ سے آتا ہوا ملا اور اس نے بتایا کہ حضورؐ تو مدینہ میں تشریف فرما ہیں۔ بعد میں اس بات کی تحقیق بھی ہو گئی کہ عمرو بن جحش آپؐ کے قتل کے ارادے سے آپؐ پر مکان کی چھت سے چکی کا پاٹ پھینکنا چاہتا تھا اور اسی مقصد کے پیش نظر یہ اس گھر میں گیا تھا جس کی دیوار کے سائے میں آپؐ بیٹھے تھے۔

رسول اللہ نے محمد بن مسلمہ کو طلب فرمایا اور یہودی بنی نضیرؑ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ چونکہ تم نے ہمارے ساتھ دھوکہ اور بیوفائی کرنا چاہی تھی اس لئے اب تم مدینہ سے نکل جاؤ۔ جب محمد بن مسلمہ نے آپؐ کا پیغام اہل یہود کو دیا تو وہ بے حد پریشان ہوئے اور کہا کہ ہمیں امید نہ تھی کہ بنی اوس کا کوئی شخص یہ حکم ہمارے لئے لائے گا۔ انہوں نے کہا کہ " اب قلوب بدل گئے ہیں اور اسلام نے تمام سابقہ معاہدوں کو فسخ کر دیا ہے۔"

بنو عامر اور بنو نضیر ایک دوسرے کے دوست اور حلیف بھی تھے۔ اور میثاق مدینہ کی شق نمبر 43 کے تحت دیت میں حصہ دینے کے پابند بھی تھے۔ عبداللہ بن ابی نے یہودیوں کو اپنی امداد کا یقین دلایا کہ میرے ساتھ دو ہزار عرب اور میری قوم ہے۔ اس کے علاوہ بنی قریظہ بھی تمہاری امداد کریں گے۔ کعب بن اسد بنو قریظہ نے بنو نضیر کی امداد سے انکار کر دیا۔ سلام بن مسکم نے حی بن اخطب کو مشورہ دیا کہ رسولؐ اللہ کی بات مان لو اور مقابلہ نہ کرو۔ مگر وہ نہ مانا۔ پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بنی نضیر نے ہتھیار ڈال دیئے اور آپؐ نے ان کو بمعہ مال و اسباب جلا وطن کر دیا وہ شام اور خیبر کی طرف چلے گئے۔ بنی نضیر کے سردار سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق اور محیٰ بن اخطب خیبر میں جا آباد ہوئے۔

یہودیوں کی چھوڑی ہوئی تمام املاک آپؐ نے مہاجرین میں تقسیم کر دی اور انصار کو حصہ نہیں دیا۔ بجز دو افراد سہیل بن حنیف اور ابو دجانہ مالک بن فرشد کو ان کی غربت کی وجہ سے حصہ دیا۔ بنو نضیر میں سے دو یہودیوں یاسین بن عمیر بن کعب اور ابو سعد بن وہب نے اسلام قبول کر لیا اور ▪ اپنے گھروں میں رہے۔ اسی دوران آپؐ کی مدینہ سے غیر حاضری میں ابن ام مکتوم کو اپنا نائب مقرر کیا تھا۔

غزوہ ذات الرقاع۔ آخر 4 ھ

آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ نجد کے قبیلہ بنو غطفان مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپؐ نے اس قبیلہ کے بنو ثعلبہ اور بنو محارب سے انتقام بھی لینا تھا کیونکہ ان لوگوں نے بیرِ معونہ میں مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ آپؐ چار سو مجاہدین کے ساتھ جن میں سوار اور پیادے بھی تھے۔ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مقام نخلہ میں آ کر قیام کیا جہاں بنو غطفان کی شاخیں بنو محارب اور بنو ثعلبہ مجتمع ہو رہے تھے۔ اگرچہ اعراب تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ لیکن رسولؐ اللہ کے اچانک حملے نے ان کو پراگندہ کر دیا۔ یہ ایسے حواس باختہ ہو کر بھاگے کہ اپنے پیچھے عورتیں، مویشی اور ساز و سامان بھی چھوڑ گئے۔ مسلمانوں نے سب پر قبضہ کر لیا اور پندرہ روز کے بعد آنحضرتؐ مجاہدین کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے۔

5ھ 627ء کے حالات و واقعات

دومۃ الجندل کی جغرافیائی و تجارتی اہمیت

دومۃ الجندل جزیرۃ العرب کے شمالی علاقوں میں واقع ہے۔ اس کا فاصلہ مدینہ سے قریباً ایک ہزار میل ہے۔ اس علاقہ میں امن و آمان قائم رکھنا مملکت مدینہ کی ذمہ داری تھی۔ اس سے ملحقہ علاقہ شام پر بازنطینی حکومت تھی اور غیر ملکی حکومت ہونے کی وجہ سے انہیں خدشہ رہتا تھا کہ کوئی بیرونی طاقت ان کے مقبوضات کی حدود کے اندر بغاوتوں اور شورشوں کا سلسلہ شروع نہ کر دے۔ بازنطین اور ایران کی حکومتیں اکثر برسرپیکار رہتی تھیں۔ شام تین براعظموں کے درمیان پل کا مقام رکھتا تھا اور آج بھی مشرق وسطیٰ کی حد تک اسی مقام کا حامل ہے۔ تاریخ میں ہر مملکت جس نے شام اور اس کے اردگرد کے علاقوں پر قبضہ کیا وہ دنیا کی طاقت ور ترین قوت بن کر ابھری۔ اس لئے مشرق وسطیٰ میں عالمی منڈی واقع تھی اور عالمی منڈی پر قبضہ دنیا کی دولت پر قبضہ کے مترادف تھا۔ اس لئے شام کی غیر ملکی حکومت عرب میں مرکزی قوت کے ابھرنے کو ہرگز خاموشی سے برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے ان کے پاس سرحدی علاقوں میں بد امنی پھیلانے کے سوا عرب کی مرکزی حکومت کو کمزور کرنے کے لئے یہی ایک حربہ تھا کہ وہاں بد امنی پھیلائی جائے تاکہ مرکزی حکومت کو کمزور کیا جائے۔ چونکہ شام کے قبائل کے اکثر لوگوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ اس لئے ان کے حکمران حکومت کے ساتھ مذہبی روابط بھی تھے۔

غزوہ دومۃ الجندل عمل میں آیا۔ اس سے کامیاب واپسی سے ثابت ہو گیا کہ مملکت مدینہ اپنی ریاست کی سرحدوں کے دفاع پر پوری طرح قادر ہے۔ یہ قوت کا مظاہرہ بھی تھا اور امن و آمان قائم رکھنے کی ضرورت کا احساس بھی۔ اس طویل عسکری مہم میں لوگوں نے امن و آمان رکھنے کے عہد و پیمان بھی کئے اور دین کی تعلیم و تبلیغ کے فرائض بھی انجام دیے یہ عام پہلو اس دور کی سیاست کے آئینہ دار ہیں۔ اور یہ قابل فخر بات ہے کہ چار سال کی جدوجہد کے بعد مدینہ اپنی مملکت کی حدود کو اتنی وسعت دے چکا تھا اور ان کی سرحدوں کے دفاع کی قوت، طاقت اور صلاحیت رکھتا تھا۔ آپؐ کا اس غزوہ میں قریباً ایک ماہ صرف ہوا۔ یہ تبوک کے قریب ہے۔

غزوہ دومۃ الجندل ربیع الاول 5ھ / جولائی 626ء

دومۃ الجندل شام اور حجاز کی سرحد پر واقع ہے مسلمانوں نے مدینہ اور دومۃ الجندل کا فاصلہ صرف (15)

پندرہ روز میں طے کر لیا۔

آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ دومتہ الجندل جو شاہراہ شام کے کنارے پر واقع ہے۔ وہاں ایک بہت بڑی جماعت ہے جو وہاں سے گزرنے والے مسافروں اور تجارتی قافلوں کو لوٹتی ہے اور لوگوں پر ظلم کرتی ہے۔ ان کا ارادہ مدینہ پر حملہ کرنے کا بھی ہے۔ یہ مقام دمشق سے پانچ دن کی مسافت اور مدینہ سے پندرہ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ آنحضرتؐ نے مباطح بن عرفطیہ غفاری کو مدینہ پر اپنا خلیفہ بنایا اور 25 ربیع الاول 5 کو ایک ہزار مسلمانوں کے ہمراہ دومتہ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔ دن کو پوشیدہ ہو جاتے اور رات کو سفر کرتے ہمراہ ایک رہبر بنی عذر میں سے تھا جس کا نام مذکور تھا۔ جب آپؐ ان کے قریب پہنچے تو وہ اس وقت ترک وطن کر رہے تھے۔ آپؐ نے ان پر حملہ کر دیا وہ بھاگ گئے اور مسلمانوں نے ان کے مویشیوں پر قبضہ کر لیا۔ ایک شخص گرفتار ہوا وہ مسلمان ہو گیا۔ آپؐ 20 ربیع الآخر کو واپس مدینہ تشریف لائے کوئی جنگ نہ ہوئی۔ آپؐ نے اس سفر میں عتبہ بن حصن سے صلح کا معاہدہ فرمایا اور اسے مویشی چرانے کا حق دیا۔

غزوہ بنی المصطلق۔ شعبان 5 ھ / دسمبر 626ء

آنحضرتؐ کو خبر ملی کہ بنو مصطلق جو بنو خزاعہ کی شاخ تھے۔ مریسیع کے مقام پر لشکر جمع کر رہے ہیں۔ یہ مقام مکہ کے قریب تھا۔ یہ لوگ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیاریاں کر رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے اچانک ان پر حملہ کر دیا۔ مسلمان مجاہدین کی تعداد ایک ہزار سوار اور پیادوں پر مشتمل تھی۔ اس لڑائی میں مہاجرین کا پرچم حضرت ابو بکر اور انصار کا علم سعد بن عبادہ اٹھائے ہوئے تھے۔ جو لوگ بنو مصطلق کی امداد و اعانت کے لئے آئے ہوئے تھے فرار ہو گئے۔ اس معرکہ میں بنو مصطلق کے دس آدمی قتل ہوئے اور ایک مسلمان شہید ہوا۔ آخر بنو مصطلق نے ہتھیار ڈال دیے۔ چنانچہ انہیں جنگی قیدی بنا لیا گیا۔

اس غزوہ کے دوران ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا حضرت عمرؓ کے ایک مہاجر غلام کا بنو خزرج کے ایک آدمی سے پانی پر جھگڑا ہو گیا دونوں نے اپنی اپنی امداد کے لئے مہاجروں اور انصار کو پکارا۔ عبداللہ بن ابی نے یہ آواز سنی تو اس موقعہ کو غنیمت جان کر مہاجرین و انصار کے درمیان ایک خطرناک تعصب کا فتنہ برپا کرنے کی کوشش کی آنحضرتؐ نے جب یہ واقعہ سنا تو فوراً کوچ کا حکم صادر فرمایا۔ تاکہ بات زیادہ نہ بڑھے۔ آپؐ نے خلاف معمول سفر جاری رکھا پھر ساری رات بھی سفر میں گزار دی اور دوسرے دن کے پہلے حصے میں بھی سفر کا سلسلہ جاری رکھا آخر جب دھوپ تیز ہو گئی تو آپؐ نے پڑاؤ کا حکم دے دیا۔ صحابہ کرام تھکے ہوئے تو تھے ہی لیٹتے ہی فوراً سو گئے۔ اس تھکان کے باعث عبداللہ بن ابی کی فتنہ طرازی کو مسلمانوں نے فراموش کر دیا اور مدینہ منورہ صحیح و سلامت مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر پہنچ گئے۔ عبداللہ بن ابی کا بیٹا جس کا نام عبداللہ بن عبداللہ تھا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے اجازت طلب کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں اپنے باپ کی گردن اتار لاؤں۔ آنحضرتؐ نے عبداللہ بن

ابی کو معاف کر دیا اس کے بیٹے سے فرمایا" ہم اسے قتل نہیں کریں گے بلکہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہیں گے جب تک بھی [redacted] ہمارے ساتھ رہے گا۔"

ان قیدیوں میں بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں جو مسافع بن صفوان کی بیوی تھیں۔ مسافع اس جنگ میں قتل ہو گیا تھا جویریہ کا نام "برہ" تھا جسے بدل کر آنحضرتؐ نے جویریہ پر رکھ دیا تھا۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ نے بنو مصطلق کے قیدیوں کو تقسیم فرمایا تو جویریہ بنت حارث ، حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ یا ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئیں۔ جویریہ نے ان سے اپنی آزادی کے لئے مکاتبت کا معاملہ طے کر لیا۔ یہ بہت حسین و جمیل اور صبیح و ملیح خاتون تھیں جو انہیں دیکھتا دل تھام کر رہ جاتا یہ اپنی کتابت کی رقم کی ادائیگی میں مدد لینے کی غرض سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جونہی میں نے انہیں دیکھا مجھے ان کا آنا گوارا نہ گزرا اور میں نے دل میں کہا کہ ان کا جو حسن و جمال میں نے دیکھا ہے اب وہ آنحضرتؐ بھی دیکھیں گے۔ جب یہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ ہوں۔ مجھ پر جو مصیبت آپڑی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں۔ میں نے اپنے آقا سے اپنی آزادی کے لئے کتابت کا معاملہ طے کر لیا ہے۔ پس میری عرض ہے کہ آپ کتابت کی رقم ادا کرنے میں میری مالی مدد فرمائیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اس سے بھی ایک بہتر شکل ہے اگر منظور ہو وہ یہ کہ میں تمہاری طرف سے کتابت کی پوری رقم ادا کر دوں اور تم سے خود نکاح کر لوں۔ اس نے کہا بہت مناسب۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اس پر عمل فرمایا۔ اس وقت حضرت جویریہ کی عمر 20 سال تھی اور آپ نے 50 ھ میں وفات پائی۔

حوالہ سیرت النبی حصہ اول صفحہ 239 بعنوان " حضرت جویریہ کا واقعہ۔"

حضرت عائشہ اور افک کا واقعہ

افک کا واقعہ غزوہ بنی المصطلق کے دوران شعبان 5 ھ دسمبر 626 ۔ میں پیش آیا۔

اس واقعہ کی تفصیلات خود حضرت عائشہ کی روایت پر صحیح بخاری میں بیان کی گئیں ہیں۔ ہم اسی کو مصدقہ اور مستند تصور کرتے ہوئے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ آپ نے بیان فرمایا ہے کہ آنحضرتؐ جب کسی سفر کا قصد فرماتے تو ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی فرماتے تھے۔ پس جس کسی کا نام نکلتا اسے آپؐ سفر میں ساتھ لے جاتے تھے۔ جب آپؐ نے غزوہ بنی المصطلق میں قرعہ اندازی کی تو میرا نام نکلا۔ اس لئے میں آپؐ کے ہمراہ روانہ ہوئی۔ اس وقت پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ پس طریقہ یہ تھا کہ میں ہودج میں بیٹھ جاتی جسے اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا جاتا۔

اسی طرح منزل پر ہودج اتار دیا جاتا پس ہم روانہ ہو گئے ۔ جب آنحضرتؐ اپنے اس معرکہ سے فارغ ہو کر واپس لوٹے اور ہم شہر کے قریب پہنچے تو آپؐ نے رات کے وقت کوچ کا حکم صادر فرمایا ۔ اس وقت میں رفع حاجت کے لئے لشکر سے دور جنگل میں گئی ہوئی تھی ۔ جب فراغت کے بعد میں قافلہ کی طرف جا رہی تھی تو میرا ہاتھ سینہ پر پڑا تب مجھے معلوم ہوا کہ میرا ظفار کا بنا ہوا نگینوں کا ہار کہیں گر گیا ہے ۔ اس لئے میں اس کی تلاش میں واپس لوٹی اور اس میں مجھے کچھ دیر ہو گئی ۔ ادھر جو ساربان مجھے سوار کرانے پر مامور تھے انہوں نے وہ ہودج جس میں بیٹھتی تھی اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور وہ اس خیال میں رہے کہ میں اس کے اندر موجود ہوں ۔ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں ۔ بھاری بدن کی نہ تھیں نہ ان پر گوشت چڑھتا تھا ۔ کیونکہ وہ بہت تھوڑا کھانا کھاتی تھیں ۔ اس لئے ہودج اٹھاتے وقت ساربانوں کو اس کا بار محسوس نہ ہوا ۔ پھر میں تھی بھی کم عمر انہوں نے اونٹ کو ہانک دیا اور قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے ۔ جب لشکر جا چکا تو مجھے میرا ہار مل گیا مگر میں جب منزل پر پہنچی تو وہاں کوئی باقی نہ رہا تھا ۔ لہذا میں اسی جگہ ٹھہر گئی اور یہ خیال کیا کہ جب وہ مجھے نہ پائیں گے ، تو مجھے لینے کو واپس آئیں گے ۔ وہاں بیٹھے بیٹھے میری آنکھ جھپک گئی اور میں سو گئی ۔ صفوان بن معطل سلمی ثم ذکوانی لشکر کے بعد روانہ ہوئے تھے ۔ صبح کے وقت میرے ٹھکانے سے گزرے تو انہوں نے ایک سوئے ہوئے انسان کو دیکھا اور قریب آئے ۔ وہ پردہ کے حکم سے پیشتر مجھے دیکھ چکے تھے ۔ پس مجھے دیکھ کر ان کی زبان سے کلمہ انا للہ وانا الیہ راجعون جاری ہوا جس سے میں بیدار ہو گئی ۔ انہوں نے اپنا اونٹ بٹھایا اور اس کے گھٹنوں کو جھکا دیا ۔ پس میں اس پر سوار ہو گئی اور وہ پا پیادہ اونٹ کو چلاتے ہوئے لے چلے ۔ جب ہمارے لشکر نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا تو ہم وہاں اس سے جا ملے ۔ اہل لشکر دوپہر کی شدید گرمی میں بھن رہے تھے ۔ جس سے بعض ہلاک بھی ہو گئے تھے ۔ مجھ پر تہمت کا بانی عبداللہ ابی بن سلول تھا ۔ ہم جب مدینہ واپس آ گئے تو میں وہاں ایک ماہ تک بیمار رہی اور لوگ تہمت لگانے والوں کی بات پر کانا پھوسی کرتے رہے اور مرض کی حالت میں اس پر مجھے کچھ شبہ سا ہوتا تھا کہ آنحضرتؐ حالت مرض سے پہلے مجھ سے جس مہربانی سے پیش آیا کرتے تھے ۔ اب میں وہ بات نہ پاتی تھی ۔ بس اتنا ہوتا کہ آپؐ تشریف لا کر سلام کرتے اور دوسروں سے پوچھتے یہ اب کیسی ہیں ۔ مجھے اس وقت تک کسی بات کا علم نہ تھا ۔ میں بیماری سے کمزور ہو گئی تھی ۔ ایک شب میں ام مسطح کو ساتھ لے کر مناصع کی طرف گئی جو ہماری قضائے حاجت کی جگہ تھی ۔ اس غرض سے ہم راتوں رات ہی جایا کرتے تھے ۔ یہ اس سے پہلے کا ذکر ہے جب ہم نے ابھی اپنے گھروں کے نزدیک بیت الخلاء نہیں بنائے تھے اور ہمارا طریقہ وہی عربوں کا پرانا طریقہ تھا کہ ہم شہر سے باہر جنگل یا باغ وغیرہ میں جایا کرتے تھے ۔ پس میں اور ام مسطح بنت ابی رہم دونوں ساتھ چل رہے تھے کہ ام مسطح اپنی چادر میں الجھ کر گر پڑیں ۔ اس پر وہ بولیں مسطح غارت ہو جائے میں نے ان سے کہا تم نے یہ بری بات کہی ہے ۔ کیا تم ایسے شخص کو کوستی ہو جو بدر میں شریک تھے ؟ انہوں نے کہا اے بی بی ! کیا آپ نے نہیں سنا ۔ ان لوگوں نے کیا کیا کہا ہے ؟ اس کے بعد

انہوں نے مجھے تہمت لگانے والوں کی بات بتا دی ۔ یہ سن کر میرے مرض میں ایک اور مرض کا اضافہ ہو گیا ۔ جب میں گھر واپس آئی ، تو آنحضرتؐ اندر تشریف لائے اور سلام کے بعد فرمایا یہ کیسی ہیں ؟ میں نے عرض کیا آپؐ مجھے اپنے والدین کے پاس جانے کی اجازت دے دیں ۔ میرا قصد یہ تھا کہ والدین کے پاس جا کر ان سے اس افواہ کی تصدیق کروں گی ۔ آنحضرتؐ نے مجھے اجازت دے دی اور میں اپنے والدین کے گھر آ گئی اور والدہ سے عرض کیا کہ لوگ میرے متعلق کیا باتیں کر رہے ہیں ؟ انہوں نے تسلی دی اور فرمایا اے میری بچی ! تم خود پر رحم کھاؤ ۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی حسین و جمیل عورت کسی شخص کے عقد میں ہو اور اس سے محبت رکھتا ہو اور اس بیوی کی سوت بھی ہوں تو وہ اس پر عیب نہ لگاتی ہوں ۔ میں نے کہا سبحان اللہ ! یہ تہمت لوگوں نے لگائی ہے ۔ فرماتی ہیں اس شب روتے روتے صبح تک نہ میرے آنسو تھمے نہ نیند آئی ۔ صبح کو آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت اسامہؓ بن زید کو بلوایا تاکہ ان سے مجھے علیحدہ کر دینے کے بارے میں مشورہ لیں ۔ کیونکہ وحی دیر سے نازل نہ ہوئی تھی ۔ حضرت اسامہؓ نے تو وہی کہا جو اہل بیت سے قلبی تعلق کی بنا پر ان کے بارے میں جانتے تھے ۔ انہوں نے عرض کیا ۔ یا رسول اللہ میں آپؐ کی زوجہ مطہرہ میں بجز خوبی اور بھلائی کے اور کچھ نہیں جانتا ۔ مگر حضرت علیؓ نے یہ مشورہ دیا کہ " اللہ نے آپؐ پر تنگی نہیں فرمائی ہے ۔ آپؐ کے لئے ان کے سوا اور بہت عورتیں موجود ہیں ۔ " البتہ آپ ان کی خادمہ سے معلوم کر لیں ۔ وہ صحیح بات بتائیں گی ۔ پس آپؐ نے " بریرہ " کو بلایا اور فرمایا " اے بریرہ ! کیا کبھی تم نے عائشہ میں کوئی قابل شک و شبہ بات دیکھی ہے ؟ انہوں نے عرض کیا ۔ نہیں ۔ اس ذات کی قسم ! جس نے آپؐ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے میں نے ان میں کبھی بھی کوئی قابل اعتراض عیب نہیں پایا ۔ بجز اس کے کہ وہ ایک کمسن لڑکی ہیں ۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں اور مرغیاں آکر اسے کھا جاتی ہیں ۔ پس اس دن آنحضرتؐ نے عبداللہ بن ابی سلول سے اس تہمت تراشی کی عذر خواہی کو فرمایا اور فرمایا کون ہے جو میرے سامنے اس شخص کا عذر پیش کر سکے ۔ جس نے مجھے میری اہلیہ کے بارے میں اذیت پہنچائی ہے ۔ حالانکہ مجھے اپنی اہلیہ میں بجز بھلائی کے اور کچھ نظر نہیں آیا اور تہمت لگانے والوں نے اس واقعہ میں جنہیں ملوث کیا ہے ۔ میں انہیں بھی نیک ہی سمجھتا ہوں ۔ کیونکہ وہ میرے گھر میں جب آئے تھے تو میرے ہی ساتھ آتے تھے ۔ اس پر حضرت سعد بن معاذؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا ۔ یا رسولؐ اللہ ! واللہ میں اس کی طرف سے آپؐ کی خدمت میں عذر پیش کروں گا ۔ اگر قبیلہ اوس کا ہو گا تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر ہمارے برادران خزرج سے ہو گا تو آپؐ جو حکم کریں گے ہم اسے پورا کریں گے ۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہ جو خزرج کے سردار تھے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ حالانکہ اس سے پہلے ایک صالح و دیندار شخص تھے لیکن اس وقت ان پر قبائلی عزت کا غلبہ ہو گیا اور کہا ۔ واللہ ! تم نے جھوٹ کہا ۔ نہ تم اسے قتل کرو گے نہ کر سکو گے ۔ جواباً سعد بن حضیرؓ کھڑے ہو گئے اور کہا اللہ کی قسم تم جھوٹے ہو ۔ واللہ ہم اسے ضرور قتل کر ڈالیں گے ۔ تم منافق ہو اور منافقین کی حمایت میں جھگڑ رہے ہو ۔ پس

اوس و خزرج دنوں قبیلے بھڑک اٹھے اور آمادہ پیکار ہو گئے ۔ آنحضرتؐ ممبر پر تشریف فرما تھے ۔ آپؐ نے انہیں خاموش کیا ۔ حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے اور آنحضرتؐ بھی چپ رہے ۔ میں اس دن رات بھر روتی رہی کہ میرے آنسو نہ تھمے اور نہ میری آنکھ لگی ۔ صبح کو میرے والدین میرے پاس آئے جبکہ میں دو رات ایک دن مسلسل روتی رہی تھی ۔ یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ روتے روتے میرا جگر پھٹ جائے گا ۔ میرے والدین میرے پاس بیٹھے تھے اور میں برابر روئے جا رہی تھی کہ ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت چاہی ۔ میں نے اجازت دے دی ۔ وہ بیٹھ گئی اور وہ بھی میرے ساتھ رونے لگی ۔ ہم رونے میں مشغول تھے کہ آنحضرتؐ تشریف لائے اور بیٹھ گئے ۔ حالانکہ اس سے قبل جس دن سے میرے متعلق یہ بات کہی گئی تھی ۔ آپؐ کبھی میرے پاس نہ بیٹھے تھے ۔ آپؐ ایک ماہ تک وحی کا انتظار کرتے رہے مگر کوئی چیز میری شان میں نازل نہ ہوئی ۔ پھر آپؐ نے کلمہ شہادت پڑھا اور فرمایا ۔ اے عائشہ ! تمھارے متعلق ایسا سننے میں آیا ہے پس اگر تم بری ہوئی تو عنقریب اللہ تمھاری برائت ظاہر فرما دے گا اور اگر تم گناہ میں ملوث ہو گئی ہو تو اللہ سے توبہ و استغفار کرو ۔ کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کر لیتا ہے تو خدا اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے ۔ جب آنحضرتؐ اپنی بات پوری فرما چکے تو میرے آنسو تھم گئے یہاں تک کہ ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا ۔ میں نے اپنے والد صاحب سے عرض کیا کہ آپؐ میری طرف سے آنحضرتؐ کو جواب دیں ۔ انہوں نے کہا ۔ واللہ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں رسول اللہ سے کیا عرض کروں ۔ پھر میں نے اپنی والدہ صاحبہ سے عرض کیا کہ آپ ہی میری طرف سے آنحضرتؐ کی بات کا جواب دیں انہوں نے بھی یہی کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آنحضرتؐ کو کیا جواب دوں ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں کم عمر لڑکی تھی ۔ بہت قرآن بھی پڑھی ہوئی نہ تھی لیکن آخر میں خود بولی اور کہا ۔ واللہ ! مجھے معلوم ہو چکا ہے آپؐ حضرات نے لوگوں کی بنائی ہوئی باتیں سنی ہیں اور دلوں میں گھر کر چکی ہیں اور آپؐ حضرات نے انہیں سچ سمجھ لیا ہے ۔ اب اگر میں آپؐ لوگوں سے کہوں بھی کہ میں اس سے پاک و بری ہوں تو آپ لوگ اسے سچ نہ سمجھیں گے ۔ حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں ۔

اور اگر میں نے کسی بات کا آپؐ سے اقرار کر لیا تو آپ اسے صحیح سمجھ لیں گے حالانکہ اللہ کو اس کا پورا علم ہے کہ میں اس تہمت سے بری ہوں ۔

میں اپنے اور آپؐ کے لئے صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے والد (حضرت یعقوب علیہ السلام) کا مقولہ نقل کر دینا ہی کافی سمجھتی ہوں جیسا کہ انہوں نے فرمایا تھا ۔ "پس صبر کے سوا چارہ نہیں اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس پر خدا ہی سے مدد چاہی جا سکتی ہے ۔"

یہ کہہ کر میں اپنے بستر پر لیٹ گئی اور مجھے یہ توقع تھی کہ اللہ میری برات کا اظہار فرما دے گا ۔ لیکن واللہ اس کا مجھے گمان تک نہ تھا کہ خدا میری شان میں وحی نازل فرمائے گا ۔ جس کی ہمیشہ تلاوت کی جاتی رہے گی ۔ کیونکہ

میں خود کو اس سے کمتر سمجھتی تھی کہ قرآن کریم میں میرے متعلق ذکر کیا جائے گا۔ لیکن واللہ مجھے یہ امید ضرور تھی کہ آنحضرتؐ نیند میں کوئی خواب دیکھیں گے جس میں خدا مجھے اس تہمت سے بری قرار دے دے گا۔ پس خدا کی قسم! ابھی آپؐ مجلس سے اٹھے بھی نہ تھے اور نہ گھر والوں میں سے کوئی باہر نکلا تھا کہ حق تعالیٰ نے آپؐ پر وحی نازل فرمائی اور نزول وحی کے وقت جو شدت و تکلیف آپؐ کو ہوتی تھی وہی کیفیت شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ سردی کے موسم میں آپؐ کے چہرہ مبارک سے موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے۔ جب یہ کیفیت رفع ہوئی تو آپؐ ہنس رہے تھے اور اس کے بعد پہلا جملہ جو آپؐ نے ادا فرمایا۔ یہ تھا اے عائشہ! خدا کا شکر کرو کہ خدا نے تمھیں بری قرار دے دیا ہے۔ اس پر میری والدہ نے مجھ سے کہا کہ کھڑے ہو کر آنحضرتؐ کی تعظیم بجا لا۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ واللہ نہ میں آپؐ کی تعظیم کو کھڑی ہوں گی اور نہ خدا کے سوا کسی اور کی تعریف کروں گی آپؐ کی صفائی میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ان الذین جاء وا بالافک عصبۃ منکم۔

یہ ہے افک کا واقعہ اور قرآن سے واضح ہو گیا کہ منافقین نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی جن کا سرغنہ عبداللہ بن ابی تھا کیونکہ یہ لوگ آنحضرتؐ سے بغض رکھتے تھے اس لئے انہوں نے اس موقع پر حضرت عائشہؓ کو متہم کر دیا۔ حالانکہ وہ معزز ترین گھرانے کی فرد تھیں۔

شراب کی حرمت

شراب 4 ھ میں بنی نظیر کے غزوہ کے دوران حرام کی گئی۔ شراب یکدم حرام نہیں کی گئی۔ قرآن کی پہلی آیت میں فرمایا گیا کہ "شراب اور جوئے میں بہت بڑا نقصان ہے اور بعض لوگوں کے لئے فوائد بھی ہیں" اس حکم پر بعض لوگوں نے فوائد کی بناء پر اس کا پینا جاری رکھا اور بعض نے گناہ کی بناء پر اسے ترک کر دیا۔ اس کے بعد حکم نازل ہوا کہ "شراب کے نشے میں مخمور ہو کر نماز کے قریب مت جاؤ۔" اس کے بعد پینے والوں کی تعداد اور کم ہو گئی۔ پھر حضرت عمرؓ نے دعا کی کہ خدایا شراب کے متعلق واضح حکم جاری فرما کیونکہ اس سے عقل کم ہو جاتی ہے اور مال کا نقصان بھی ہوتا ہے پھر 4 ھ میں غزوہ نضیر کے دوران اس کی مکمل ممانعت کر دی گئی۔

غزوہ احزاب یا خندق شوال 5 ھ / مارچ 627ء

غزوہ خندق کے وجوہات

1۔ غزوہ احد کے بعد مسلمانوں نے از سر نو اپنے آپ کو منظم اور فوجی لحاظ سے مضبوط کر لیا تھا۔ بنو نضیر کے یہود بے وطن ہونے سے یہود کی شرارتوں اور سازشوں سے بھی نجات حاصل ہو چکی تھی اور اس

طرح اب مدینہ کے اندر مسلمانوں کی مرکزی قوت و شوکت مستحکم ہو گئی تھی۔ اب قریش مسلمانوں کے استیصال میں ناکام ہو گئے تھے اور ان کا عزم و استقلال متزلزل ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کی ہیبت و سطوت مدینہ کے باہر ایک موثر کردار ادا کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی اور اب قریش تنہا مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اس طرح دوسرے قبائل بھی مدینہ پر حملہ کرنے کی جرات نہیں رکھتے تھے اب قریش جن کے ساتھ احابیش، بنو کنانہ اور اہل تہامہ کے علاوہ دوسرے قبائل اور یہود متحدہ اور متفقہ طور پر میدان میں آکر مسلمانوں کے استیصال کا خواب شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے باہمی اشتراک و اتحاد کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ آخر بنو نضیر کے یہودیوں کے سیاسی جوڑ توڑ اور سازشوں سے قریش بنو غطفان بنو سلیم، یہود اور دیگر قبائل کا متحدہ محاذ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ تاکہ اس دین جدید اور نئے نظام حیات کا خاتمہ کر دیا جائے تمام متحدہ دشمن کی طاقت قریباً بیس ہزار تھی۔ جن میں قریش، بنو غطفان، بنو سلیم، بنو اسد، بنو فزارہ اور بنو اشجع کے قبائل کے علاوہ خیبر کے یہود بھی شامل تھے۔ قریش کے لشکر کا سپہ سالار ابو سفیان، غطفان کے سپہ سالار عینیہ بن حصن اور حارث بن عوف بنو اسجع کا سپہ سالار سعد بن رخیلہ تھا۔

2۔ مسلمانوں کا مقصد صرف اپنا دفاع، دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی آزادی امن و سلامتی اور اسلامی معاشرے کا قیام تھا۔ مشرکین اور یہود کا مقصد مسلمانوں کا مکمل استیصال ان کا مال و اسباب لوٹنا، ان کے دین کی دعوت کو روکنا، اپنے فرسودہ مذہب اور نظام زندگی کو قائم رکھنا تھا۔ الغرض یہ دو نظام ہائے زندگی کے درمیان بقاء کی جنگ تھی۔

غزوہ خندق شوال 5 ھ میں شروع ہوا اور مدینہ کے گرد پندرہ دن تک محاصرہ جاری رہا۔

3۔ بنو نضیر کے چند یہودی سردار " جن کو مدینہ سے بے دخل اور جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ قریش مکہ کے پاس آئے ان میں سلام بن ابی حقیق، حی بن اخطب، کنانہ بن ربیع، ہوزہ بن قیس وائلی اور ابو عمار وائلی وغیرہ شامل تھے اور رسول اللہ کے خلاف جنگ پر ابھارا اور یقین دلایا کہ ہم ان کے مقابلہ پر آخری دم تک تمہارا ساتھ دیں گے دیگر قبائل عرب کو بھی تیار کریں گے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں گے۔

4۔ قریش نے کہا کہ تم اور مسلمان اہل کتاب اور توحید پر ایمان رکھتے ہو۔ لہذا پہلے اس بات کا فیصلہ کرو کہ مذہب کے متعلق ہمارا اور محمدؐ کا جو اختلاف ہے اس میں کون حق پر ہے ہمارا دین اچھا ہے یا ان کا یہودیوں نے کہا " تمہارا دین ان کے دین سے اچھا ہے "۔ یہودیوں کے اس قول سے قریش بہت خوش ہوئے اور حضورؐ کے خلاف جنگ کے لئے زور شور سے تیاریاں کرنے لگے۔

5۔ یہ یہودی وفد اس کے بعد قیس عیلان کے قبیلہ بنو غطفان کے پاس گئے اور ان کو بھی مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنا کر جنگ کی دعوت دی وہ بھی جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔

جنگ خندق کے واقعات

قریش مکہ دیگر قبائل عرب اور یہود کا لشکر جرار جو مختلف روایات کے مطابق ۲۰ ہزار سے تیس ہزار جنگجو سپاہ پر مشتمل تھا۔ ابو سفیان بن حرب کی سپہ سالاری میں مدینہ پر حملہ کے لئے روانہ ہوا۔

مدینہ میں کفار کے لشکر کی تیاری کی خبر سن کر مسلمان بہت پریشان اور خوفزدہ تھے کہ یہ لشکر جرار کہیں انہیں صفحہ ہستی سے نہ مٹا دے کیونکہ بے شک اتنا بڑا لشکر عرب کی تاریخ میں کبھی کسی ایک جنگ میں شامل نہیں ہوا تھا۔ آنحضرت نے اس ٹڈی دل لشکر کا دفاع مدینہ کے اندر رہ کر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہیں احد کا واقعہ یاد تھا۔ حالانکہ اس وقت قریش کے پاس اتنی فوج نہ تھی۔ وہ پریشان تھے کہ اتنے بڑے لشکر کے سامنے وہ کس طرح ثابت قدم رہ کر مقابلہ کر سکیں گے جو تعداد، اسلحہ سواری اور رسد کی اس قدر قوت رکھتا ہے۔ آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کا اجلاس بلا کر مشورہ کیا اور تمام صورت حال جو عسکری استخبارات کے ذریعے آپؐ کو معلوم ہوئی تھیں۔ بیان کی۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے اور مدینہ کے گرد شمال کی جانب ایک خندق کھودی جائے۔ خندق کھودنے کا مشورہ اور تجویز حضورؐ کی اپنی اختراع تھی اور یہ نیا اسلوب جنگ کسی دوسرے صحابی کی تجویز نہ تھی۔ جو عام طور پر مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ سلمان فارسی کی تجویز تھی۔ بہرحال خندق کھودی گئی۔ خندق کھودنے کا سامان بنو قریظہ سے حاصل کیا گیا جو ابھی تک اپنے عہد و پیمان پر میثاق مدینہ کے مطابق قائم تھے اور مدینہ میں سکونت پذیر تھے۔ خندق چھ روز میں مکمل ہوئی۔ خندق کے اندرونی کنارے پر پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جمع کر لئے گئے جو بوقت ضرورت دشمن پر برسائے گئے۔ فریقین کے درمیان خندق حائل تھی اسے عبور کرنا موت کے منہ میں جانے کے مترادف تھا۔ شدید سردی کا موسم تھا اور ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں اس لئے سردی کی وجہ سے ہر شخص کے سر پر موت منڈلا رہی تھی۔ مشرکین تو اس خیال سے آئے تھے کہ احد کی طرح ایک ہی دن میں میدان مار لیں گے۔ اور فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے اور مسلمانوں کو تاخت و تاراج کر کے ان کا مال و اسباب بطور مال غنیمت ساتھ لے کر گھروں کو واپس جائیں گے۔ بنو نضیر کے یہودیوں نے غطفان سے وعدہ کر رکھا تھا کہ یثرب فتح ہونے کے بعد ان کو یثرب و خیبر کے باغات کے پھلوں کی پوری فصل دے دی جائے گی۔

آنحضرتؐ کو حضرت عباسؓ کے خفیہ خط کے ذریعے اطلاع مل گئی تھی کہ قریش کا لشکر جرار ابو سفیان بن حرب کی زیر قیادت مکہ سے روانہ ہو چکا ہے۔ اس خط میں دشمن کی تعداد، سامان حرب و ضرب اور دیگر تمام

معلومات شامل تھیں۔ ادھر دیگر قبائل اور یہود خیبر بھی اپنے اپنے لشکروں کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے قبیلہ بنو سلیم کا سردار ابو سفیان بن عبد الشمس تھا۔ بنو اسد کا سردار طلحہ بن خویلد قبیلہ فزارہ کا سردار عینیہ بن حصن قبیلہ اشجع کا سردار الحارث بن عوف تھا۔ یہود کے سردار حی بن اخطب وغیرہ تھے۔

حضورؐ نے آٹھ ذیعقد 5 ھ کو تین ہزار صحابہ کے ساتھ مل کر خندق کھودنی شروع کی جو ساڑھے تین میل لمبی پندرہ فٹ چوڑی اور پندرہ فٹ گہری تھی جو قریش کی آمد کے ایک دن قبل چھ دن میں مکمل ہو گئی تھی۔

حضورؐ نے مسلمان عورتوں اور بچوں کو محفوظ قلعوں میں پہنچا دیا اور خود جنگ کے لئے روانہ ہو گئے مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارث متبنیٰ رسولؐ اللہ اٹھائے ہوئے تھے۔ انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔ بنو قریظہ سے خطرہ کے پیش نظر عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے مسلمہ بن اسلم کو دو سو آدمیوں اور زید بن حارث کو تین سو آدمیوں کے ہمراہ باری باری بھیجتے رہتے تھے۔ عباد بن بشر دوسرے انصار کے ساتھ رسولؐ اللہ کے خیمہ کی حفاظت کیا کرتے اور تمام رات پہرہ دیا کرتے تھے۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ قریش مکہ اور ان کے حلیف قبائل جو اس حملے میں قریش کے ساتھ شامل تھے اور خیبر کے یہودی یہ تمام یکے بعد دیگرے وہاں پہنچے اور ایک دوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر اپنے معسکر قائم کیے۔ قریش کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ الجوف اور زغابہ کے درمیانی علاقے میں آکر ٹھہرے۔ بنو غطفان جو نجد یعنی مدینہ کے شمال سے آئے تھے وہ ان کے قریب ہی ذنب نقمہ میں آکر رکے۔ یہ مقام بھی احد کی جانب ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قریش مکہ اور ان کے حلیفوں نے مدینہ کے باہر اجتماع کے لیے ماقبل سے اکٹھے ہونے کے دن اور تاریخ کا فیصلہ کر لیا تھا۔

حضورؐ نے خندق کو مدینہ کے شمال میں بنو اشہل کے قلعہ سے شروع کر کے مغرب کا رخ دیا۔ حتیٰ کہ وہ وادی قناۃ کے مغربی کنارے تک پہنچ گئی۔ پھر اسے جنوب کا رخ دے کر اور وادی قناۃ کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ لا کر شہر کے باب الغربیہ کو خندق سے باہر یعنی مغرب کی جانب چھوڑتے ہوئے وادی بطحان تک لے جایا گیا، یہاں گھنے باغات تھے۔ یوں یہ دفاعی رکاوٹ پورے شہر کے گرد پھیلی ہوئی تھی۔ اتنی گہری اور اتنی چوڑی خندق کی مٹی کا دمدمہ پہاڑ کی مانند دور سے سلسلہ کوہ کا نقشہ پیش کرتا تھا۔

غزوہ احزاب کے دوران خندق، باغات اور مکانات کے مربوط استعمال سے جو دفاعی نظام حضورؐ اقدس نے وجود میں لایا تھا ■ دور جدید کے ماہرین فن حرب کے لیے بھی سبق آموز ہے۔

تاریخ دانوں نے خیبر کے یہودیوں کی تعداد کا ذکر نہیں کیا مگر حیی بن اخطب کے الفاظ جن کا ذکر بعد میں آئے گا ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یہودیوں کی کافی تعداد ساتھ لایا تھا۔ خیبر کے یہودی دس ہزار کی جمعیت میدان میں لا سکتے تھے، اس مہم میں اگر وہ پوری طاقت کا مظاہرہ نہ بھی کر رہے ہوں گے تو چند ہزار افراد تو ضرور ساتھ

لائے ہوں گے، ان کا کردار غزوہ احزاب میں اس نوعیت کا تھا جیسے یہ لڑائی ان ہی کی جانب سے لڑی جا رہی ہو۔

غزوہ احزاب میں قریش اپنی چار ہزار کی قبائل کی نفری کے علاوہ دس ہزار حابیش (حبشی غلام) بھی ساتھ لائے تھے۔ بنو غطفان چھ ہزار کا لشکر لائے تھے اور دیگر قبائل کے علاوہ یہود خیبر بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ غزوہ خندق میں دشمن کی کل تعداد کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(1) قریش مکہ ۔4000 (چار ہزار)

(2) احابشین ۔10000 (دس ہزار)

(3) بنو غطفان ۔6000 (چھ ہزار)

(4) خیبر کے یہودی ۔6000 (چھ ہزار)

(5) بنو فزارہ ۔1000 (ایک ہزار)

(6) بنو سلیم ۔1000 (ایک ہزار)

(7) بنو مرہ ۔400 (چار سو)

(8) بنو اشجع ۔400 (چار سو)

میزان ۔17400 + 11400 = 28800

علامہ شبلی نعمانی سیرت النبی میں لشکر کفار کی کل تعداد چوبیس ہزار لکھتے ہیں۔

مولانا ابو الکلام آزاد "رسول رحمت" میں حملہ آوروں کی تعداد چوبیس ہزار لکھتے ہیں۔

حی بن اخطب بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا اور اسے کہا کہ "میں تمھیں تاریخ میں لافانی مقام دلانے کے لیے آیا ہوں۔ میں پورے عرب کو مجتمع کر کے لایا ہوں ۔ میں قریش کے سرداروں اور بنو غطفان کو بھی لے کر آیا ہوں اور انہوں نے اقرار کیا ہے کہ تمھیں محمدؐ سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا مل جائے گا"۔ کعب بن اسد نے تذبذب دکھایا اور کہا کہ مجھے تمھاری اس تجویز سے عمر بھر کی ذلت اور رسوائی نظر آتی ہے تم ایسی گھٹا لے کر آئے ہو جس کا پانی برس کر ختم ہو چکا ہے اب صرف خالی گرج اور چمک رہ گئی ہے تم مجھے وعدہ خلافی پر مجبور نہ کرو۔ انہوں نے اب تک معاہدہ دوستی کی پوری طرح پابندی کی ہے اور مجھے کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ مگر حی مسلسل اس کی خوشامد اور چاپلوسی کرتا رہا۔ اسے نیک نامی اور مادی مفاد کا لالچ دیتا رہا۔ آخر وہ اس کی باتوں میں آگیا اور آپؐ سے معاہدہ امن و دوستی ختم کرنے پر تیار ہو گیا۔ حضورؐ نے کعب بن اسد کے معاہدہ دوستی کو توڑنے کی خبر کی تصدیق کے لئے حضرت سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، عبداللہ بن رواحہ اور خواز بن جبیر کو بھیجا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ معاہدہ ختم کر چکے ہیں اور کہا کہ "ہمارا اور محمدؐ کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔"

کفار نے قریباً پندرہ روز تک خندق کے باہر لشکر اسلام کا محاصرہ جاری رکھا۔ یہ جنگ انتہائی صبر آزما اور

اعصاب شکن تھی۔ شدید سردی کا موسم، خوراک کی قلت اور طویل محاصرہ نے مسلمان مجاہدین کو انتہائی مشکل حالات سے دوچار کر رکھا تھا۔ اس طرز جنگ کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ یہ نفسیاتی جنگ تھی۔ تئیس ہزار کے قریب افواج مختلف معسکروں میں قیام کر رہی تھیں اور محصور فوج پر شب و روز ایسا شدید نفسیاتی دباؤ ڈال رہی تھیں کہ برداشت سے باہر تھا۔ قرآن حکیم نے بھی اس ذہنی کشمکش کے لیے دلوں کو ہلا دینے کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

رسول اللہ نے عینیہ بن حصن اور حارث بن عوف کو جو غطفان کے سردار تھے پیغام بھیجا کہ اگر تم قریش سے علیحدہ ہو جاؤ تو ہم تمہیں مدینہ کے باغات کی فصل کا ایک تہائی حصہ دینے کو تیار ہیں۔ چنانچہ ان شرائط پر گفتگو ہوئی اور ایک معاہدہ بھی تحریر کر لیا گیا۔ مگر سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ نے حضورؐ کی اس تجویز کو قبول نہ کیا اور معاہدہ پھاڑ دیا اور آپؐ نے بھی اس کی تکمیل پر زور نہ دیا کیونکہ یہ حکم ربی نہ تھا بلکہ آپؐ کی ذاتی رائے اور تجویز تھی۔

مسلمان سپاہیوں کا سب سے بڑا اثاثہ ان کا اللہ پر ایمان اور اپنے نصب العین کے حصول کا جذبہ تھا۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ ان کے دل انتہائی مصائب و مشکلات کی وجہ سے لرز رہے تھے مگر وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کامیاب رہے خندق کے ذریعہ دفاع کرنے والی فوج کے افراد کے اعصاب پر بوجھ پڑ رہا تھا اس کو برداشت کرنے کے لئے ان کے پاس ایمان و ایقان ہی کا سہارا تھا اور اسی سہارے کی موجودگی نے انہیں اس امتحان میں سرخرو اور کامیاب رکھا۔

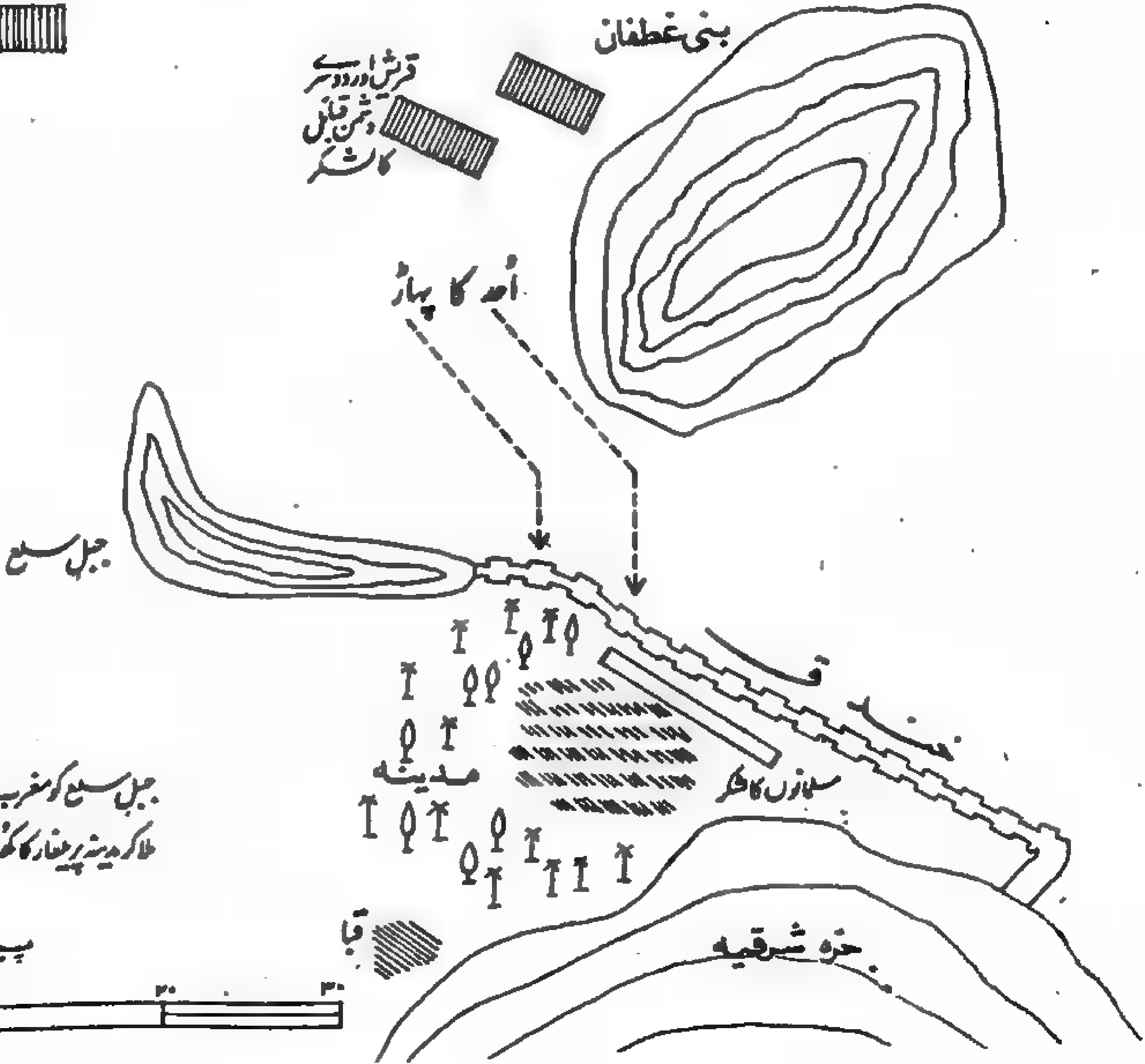
ان انتہائی سنگین حالات میں بنو غطفان قبیلے کا ایک نو مسلم آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اس کے اسلام لانے کا علم ابھی کسی کو نہیں، اس لیے اگر کوئی ایسا خفیہ کام ہو جو وہ انجام دے سکے تو وہ بسر و چشم ادا کرنے کے لئے حاضر ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ چونکہ اب تک صرف وہی اپنے قبیلے میں سے اسلام لایا تھا اس لیے وہ اس طرح کا خفیہ کام سرانجام دینے کے لیے موزوں ثابت ہو سکتا تھا۔ آپؐ نے اس کو مشورہ دیا کہ ▪ دشمن کے مختلف فریقوں کے درمیان ایک دوسرے سے اعتماد اٹھانے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ نعیم بن مسعود کے تدبر و بصیرت اور سیاسی حکمت عملی کی وجہ سے بنو قریظہ قریش اور قبائل غطفان کے درمیان بد اعتمادی اور شکوک و شبہات پیدا ہو گئے اور ان کا متحدہ محاذ ختم ہو گیا اور ایک حیران کن فوری انقلاب کے طور پر مسلمان مفتوح ہوتے ہوئے فاتح بن گئے۔

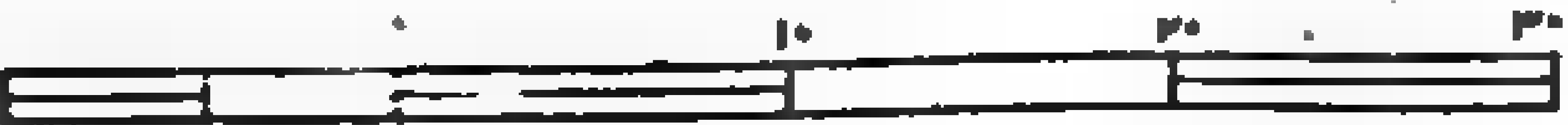
شوال 5 ھ کی "سبت" کی رات کو ابو سفیان اور غطفان کے سرداروں نے عکرمہ بن ابو جہل کی قیادت میں ایک وفد بنو قریظہ کے پاس بھیجا۔ عکرمہ کے ساتھیوں نے بے خوفی یا بے احتیاطی سے وہاں جا کر یہ کہہ دیا کہ ہم لوگ مستقل معسکر میں نہ ہونے کی وجہ سے تکلیف میں ہیں۔ ہمارے اونٹ اور گھوڑے مر رہے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ فیصلہ کن لڑائی جلد از جلد کی جائے اور محمدؐ کا خاتمہ کیا جائے۔ لیکن یہود نے جواب دیا کہ "کل

خندق اور جنگ احزاب کا دفاعی نقشہ

مسلمانوں کا لشکر

کفار کے لشکر





تو ہمارا یوم سبت ہے اور سبت کے دن ہم کوئی کام کرنا گناہ عظیم سمجھتے ہیں "۔ علاوہ ازیں قریش سے مطالبہ کیا کہ اپنے سرداروں میں سے چند آدمی بطور یرغمال ہمارے سپرد کرو جو بطور ضمانت رہیں تا کہ تم جنگ جاری رکھو۔ محمدؐ کے خاتمے تک ہم تمھارا ساتھ دیں گے۔ کیونکہ اگر تم لوگ واپس چلے جاؤ گے تو ہم اکیلے محمدؐ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اس طرح نعیم بن مسعود کی حکمت عملی کامیاب رہی اور بنو قریظہ اور حملہ آور لشکر کے درمیان تعلقات ختم ہو گئے۔

جب آنحضرتؐ نے یہ خبر سنی تو حضرت حذیفہ بن الیمان کو دشمن کے معسکر میں بھیجا اور کہا کہ وہاں کی خبر لے آئے۔ اس نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو رضا کارانہ طور پر پیش کیا تھا۔ حذیفہ، قریش کے معسکر میں گیا اور ان کی باتیں سنتا رہا۔ اس نے واپس آکر بیان کیا کہ ابو سفیان نے راز دارانہ طریقہ پر کہا " اے قریش! دیکھ لو کہ تمھارے پاس کون بیٹھا ہے "۔ میں نے جھٹ اپنے قریب والے سے کہا " تم کون ہو " ؟ اس نے اپنا نام بتایا مگر اس نے مجھ سے کچھ نہ پوچھا اب ابو سفیان نے اپنا بیان جاری رکھا اور کہا " اے اہل قریش! ہم مستقل معسکر میں نہیں۔ ہمارے گھوڑے اور اونٹ مرتے جا رہے ہیں۔ بنو قریظہ نے ہمارے ساتھ وعدہ خلافی کی ہے۔ تم لوگ خود بھی آج اس آندھی کی رفتار دیکھ رہے ہو۔ ہم نہ تو آگ جلا سکتے ہیں۔ نہ ہمارے برتن آگ پر ٹھہر سکتے ہیں اور نہ ہی ہمارے خیمے کھڑے رہ سکتے ہیں۔ جاؤ چلے جاؤ میں بھی جا رہا ہوں۔ " حضرت حذیفہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام حالات بیان کئے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

جب بنو غطفان نے سنا کہ قریش چلے گئے ہیں انہوں نے بھی اپنا معسکر توڑ ڈالا اور اسی رات اپنے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔

خدا نے مسلمانوں کو استقامت عطا کی اور وہ تقریباً پندرہ روز محاصرہ میں رہے اور فریقین کے درمیان تیر اندازی کے سوا کوئی اور جنگی کاروائی نہیں ہوئی۔ غزوہ خندق میں مسلمانوں کے چھ مجاہد شہید ہوئے۔ تین قبیلے اوس سے تھے اور تین قبیلہ خزرج سے تھے۔ سعد بن معاذ، انس بن انس اور عبداللہ بن سہیل اوس سے، طفیل بن نعمان، ثعلبہ بن غنمہ اور کعب بن زید خزرج کے تھے۔

غزوہ خندق میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب

1۔ مسلمانوں نے آنحضرتؐ کی تجویز اور احکام کے مطابق مدینہ کے شمال کی طرف تقریباً نو ہزار یا بارہ ہزار گز لمبی اور 15 فٹ چوڑی اور اتنی ہی گہری خندق کھودی۔ جو حرہ المدینہ اور جبل سلع کے مابین واقع تھی۔ کیونکہ اس طرف سے مدینہ پر حملہ کیا جا سکتا تھا۔ باقی اطراف گھنے باغوں اور دیگر طبعی موانع سے گھرے ہوئے تھے۔

2۔ آپؐ نے خواتین اور بچوں کو مدینہ کے اندر مضبوط مستحکم عمارتوں میں منتقل کر دیا تھا۔ حضرت صفیہؓ کے جرات مندانہ اقدام سے کہ آپؐ نے ایک یہودی کو ایک ہی ڈنڈے کی چوٹ سے قتل کر دیا۔ جو عورتوں اور بچوں کے ان مکانات کے گرد جاسوسی کی خاطر چکر لگا رہا تھا۔ مسلمانوں کو ایک زبردست خطرہ سے بچا لیا۔

3۔ اتنا طویل عرصہ محاصرہ جاری رکھنے سے دشمن کے عزم و استقلال میں کمزوری پیدا ہو گئی۔ موسم بھی سردی کا تھا۔ رسد بھی کم ہو رہی تھی اور مویشیوں اور اونٹوں کے لئے چارہ کی بھی کمی پیدا ہو گئی تھی۔

4۔ نعیم بن مسعود کی سیاسی حکمت عملی سے یہود بنو قریظہ اور قریش و غطفان کے درمیان غلط فہمی اور بد اعتمادی پیدا ہو گئی۔

5۔ بنو قریظہ سے قریش کے اس مطالبہ پر کہ ہفتہ کے روز جنگ لڑی جائے۔ یہود نے انکار کر دیا کہ وہ سبت کے دن کوئی کام نہیں کیا کرتے اس کے علاوہ انہوں نے قریش اور دیگر قبائل کے سرداروں کو بطور یرغمال اپنے پاس رکھنے کا مطالبہ کیا جو قریش نے انکار کر دیا اور ان کا معاہدہ ختم ہو گیا۔

6۔ قریش اور دیگر قبائل کی مشترکہ عسکری قیادت نہ تھی۔ ہر قبیلہ کا سپہ سالار علیحدہ تھا۔ اس لئے ان میں اختلاف پیدا ہوتا رہتا تھا۔ مسلمانوں کی قیادت آنحضرتؐ کے ہاتھ میں تھی۔ جس پر تمام مسلمان ہر حکم کی تعمیل اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے لہذا یہاں اطاعت امیر تھی۔

7۔ جب احزاب کے لشکر مدینہ پہنچے تو خندق ان کے لئے بالکل نئی اور غیر متوقع چیز تھی اور وہ خندق کے اس اسلوب جنگ سے بالکل ناواقف تھے۔

8۔ محاصرہ کا زمانہ سردیوں کا موسم تھا۔ اور انکے پاس سردی سے بچاؤ کا کوئی سامان نہ تھا۔ کھانے، پینے، رہنے سہنے ہر چیز کی تکلیف تھی اور کھلے آسمان کے نیچے اپنے گھر بار اور علاقہ سے دور انکی قوت برداشت جواب دے گئی۔ اور یہ طویل محاصرہ ان کے لئے گھبراہٹ، پریشانی و مایوسی کا باعث ہوا۔

9۔ احزاب کی مختلف جماعتوں کے درمیان باہمی اعتماد اور مشترکہ مقصد نہ تھا۔ قریش مسلمانوں کو عقیدہ کی بنا پر ختم کر دینا چاہتے تھے۔ اتحادی قبائل صرف مال غنیمت کے بھوکے تھے اور یہودی انتقام لینا چاہتے تھے۔ کعب بن اشرف کا بنو قینقاع اور بنو نضیر کا۔

10۔ احزاب میں قوت برداشت نہ تھی۔ محاصرہ پر ثابت قدمی سے رہنا اور سختیاں برداشت کرنا ان کے بس میں نہ تھا۔ اس کے لئے وہی جماعت کامیاب ہو سکتی ہے جو حد درجہ منظم، مستقل مزاج اور اپنے سامنے کوئی بلند مقصد اور نصب العین رکھتی ہو۔ یہ لوگ جذبہ انتقام اور لوٹ مار کے لئے آئے تھے لہذا جب ان کی قوت برداشت نے جواب دے دیا تو فوراً محاصرہ اٹھا کر گھروں کو واپس روانہ ہو گئے۔

11- مسلمانوں کی قیادت بہترین تھی۔ ان کا مقصد اور نظریہ اعلیٰ و ارفع تھا۔ وہ اپنا دفاع کر رہے تھے۔ اپنے ایمان، شہر وجان و مال کا دفاع۔

12- مسلمانوں میں بے پناہ جذبہ قربانی اور ذوق شہادت تھا۔ ان میں بے مثال نظم و ضبط تھا۔ وہ خندق کی حفاظت اور نگرانی میں ہر وقت چوکس اور پہرہ پر حاضر رہتے تھے اس لئے تمام محاصرہ کے دوران احزاب کسی وقت کسی جگہ سے بھی خندق عبور نہ کر سکے۔ اور یہ انکے لئے ناممکن بھی تھا

13- اگر چہ بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ کر اور انتہائی نازک موقع پر غداری کر کے صورت حال کر حد درجہ سنگین اور نازک بنا دیا تھا۔ مگر پھر بھی اپنے صحابہ مجاہدین پر آپؐ کی گرفت پوری طرح قائم تھی۔ کسی کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور وہ ثابت قدمی اور عزم و استقلال کے ساتھ آپؐ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہے۔

14- خندق کی کھدائی اور اس کے ساتھ دفاعی مورچہ بندی ایک نیا اسلوب جنگ تھا جو آنحضرتؐ کی اختراع تھی۔ یہ صرف آپؐ کے تدبر و فراست اور گہری بصیرت کا نمونہ تھا۔ جس طرح آپؐ نے جنگ بدر میں صف بندی کا نیا اسلوب اختیار کیا تھا۔ اس طرح جنگ خندق میں بھی آپؐ ہی کا ایک نیا اسلوب جنگ تھا۔

15- اس ناکامی کے بعد قریش کا زور بالکل ٹوٹ گیا اب ان میں دوبارہ حملہ کرنے کی قوت و طاقت اور حوصلہ ہمیشہ کے لے ختم ہو گیا۔ اب مسلمان قریش کی طرف سے مطمئن ہو گئے۔ اب وہ کبھی مسلمانوں کے استیصال کا خواب نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اب مسلمان دفاع کے دور سے گزر کر، ہجوم یعنی حملہ کی پوزیشن میں آگئے تھے۔ جس دن غزوہ خندق ختم ہوا۔ اسی دن سے تاریخ اسلام کا ایک نیا باب شروع ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ ان عساکر کے چلے جانے کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ "اب ہم ان سے جنگ کرینگے بجائے اس کے کہ وہ ہم سے جنگ کرنے کا خیال کریں"۔ اس جنگ کے بعد "مبادات مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی یہاں تک کہ اسلام تمام جزیرۃ العرب پر چھا گیا۔"

جنگ خندق کے متعلق دو وضعی روایات کا تجزیہ

جنگ خندق شوال 5 ھ / فروری 627 ء کو پیش آیا۔ جب یہود کی سازش سے اہل مکہ اور قبائل غطفان، سلیم، فزراہ اشجع وغیرہ کا ایک لشکر جرار جس کی تعداد مختلف مورخین کی روایات کے مطابق بارہ ہزار سے تیس ہزار کے درمیان تھی۔ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کے لئے آئے۔ آنحضرتؐ کو جب ان کی اس جارحیت اور متحدہ محاذ کے متعلق تفصیلات معلوم ہوئیں تو آپؐ نے اپنی عسکری حکمت عملی اور دفاعی منصوبہ بندی کے مطابق مدینہ کے

شمال کی جانب خندق کھود کر ایک نئے اسلوب جنگ کے مطابق اپنا دفاع کرنے کا منصوبہ مرتب کیا اور تین ہزار مجاہدین نے رات دن کی انتھک محنت اور جد و جہد کے بعد جس میں آنحضرتؐ خود بہ نفس نفیس خندق کھودنے میں مجاہدین کا ساتھ دیتے رہے۔ ساڑھے تین میل لمبی اور 15 فٹ تک چوڑی اور اتنی ہی گہری خندق دشمن کے لشکر کے مدینہ پہنچنے کے ایک دن قبل پایہ تکمیل تک پہنچائی۔ صرف چھ دن میں دشمن کا خیال تھا کہ یہ جنگ غزوہ بدر و احد کی طرح صرف ایک دن کی جنگ ہو گی۔ مگر یہاں پہنچ کر ان کو معلوم ہوا کہ اس خندق کی وجہ سے اب ان کو طویل مدت تک مسلمانوں کا محاصرہ کر کے ایک لمبی جنگ لڑنی پڑے گی۔ چنانچہ انہوں نے خندق کے باہر مختلف مقامات پر اپنے معسکر قائم کر لئے تھے۔ ایک روایت ہے کہ ایک دن قریش کے چار پانچ شہسواروں نے خندق میں کسی تنگ جگہ کو معلوم کر کے اور اپنے گھوڑے کدا کر اس مقام سے خندق کو عبور کر کے مسلمانوں کے لشکر کے سامنے خندق کی دوسری طرف جا پہنچے اور مسلمان مجاہدین کو دعوت مبارزت دینے لگے۔ ان عبور کرنے والے جانبازوں کا سالار عمرو بن عبدود نوے سال کا بوڑھا تھا جب اس نے لشکر اسلام کے سامنے پہنچ کر دعوت مبارزت دی تو حضرت علیؓ اس کے مقابلے پر آئے اور اس نوے سالہ بوڑھے کا کام تمام کر دیا۔ اس کے ساتھی واپس بھاگ نکلے جس میں سے نوفل خندق میں گر گیا۔ اور اسے نیچے جا کر زبیر نے قتل کر دیا وغیرہ۔

1۔ اب اس روایت پر درایت اور عقل و فہم کے ساتھ غور کریں کہ اس میں صداقت اور سچائی کہاں تک ہو سکتی ہے؟ پہلی بات یہ کہ خندق پندرہ فٹ چوڑی اور گہری کی جب کھدائی کی گئی ہوگی تو اس کی مٹی خندق کے دونوں کناروں پر یا دفاعی نقطہ نظر سے ایک ہی کنارے پر ڈالی ہوگی۔ اور جتنی مٹی اس خندق سے نکالی گئی ہوگی۔ اس کے کناروں پر اتنے ہی اونچے اور چوڑے مٹی کے دمدے لگ گئے ہوں گے۔ یعنی خندق کے باہر دونوں طرف یا ایک طرف پندرہ سے بیس فٹ تک اونچی اور چوڑی ایک یا دو فصیلیں بن گئی ہوں گی۔ ذرا چشم تصور سے اس خندق اور اس کے کناروں پر بنی ہوئی فصیل یا فصیلوں کو ملاحظہ کریں۔ اب اس خندق کی چوڑائی پندرہ فٹ نہیں بلکہ کم از کم تیس فٹ ہو چکی ہو گی۔ اس تیس فٹ چوڑی خندق کو جو زمین سے پندرہ فٹ اونچی ہو کیا گھوڑوں پر سوار ہو کر اور ان کو کدا کر عبور کرنا کسی انسان کی طاقت اور ہمت میں ہو سکتا ہے اور جب کہ مٹی بھی نرم اور پھولی ہوئی ہو۔ یعنی مٹی کی تہ ابھی جم کر سخت نہیں ہوئی تھی۔ جس میں پیدل چلنے والے کے پاؤں دھنستے ہوں۔ اور کیا ان چھوٹے قد والے عربی گھوڑوں کے لئے اتنی چوڑی اور اس نوعیت کی خندق کو عبور کرنا ممکن ہو سکتا تھا۔

2۔ دوسری بات یہ کہ ان قریشی شہسواروں کو یہ بھی علم تھا کہ خندق کے ساتھ ساتھ مجاہدین اسلام تلواروں، نیزوں اور تیروں سے مسلح رات دن اس خندق کے دفاع کے لئے ہر وقت چوکس کھڑے اپنے

فرائض ادا کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں ۔ ان حالات میں کیا قریش جانباز موت کے منہ میں جانے کا حوصلہ و جرات کر سکتے تھے ۔

3۔ اس سلسلہ میں ایک نہایت اہم بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانہ کے متعلق مستند تاریخی کتب ابن ہشام ، طبری طبقات سعد وغیرہ کا مطالعہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضرتؐ کی مکی زندگی میں عمرو بن عبدود نام کا تمام قریش میں کوئی شخص نہیں ہے ۔ حالانکہ حضورؐ کی مکی زندگی میں جن سرداران قریش یا قریش کے مشہور لوگوں کے تمام واقعات نام وحالات درج ہیں ۔ اس کے بعد قریش کا یہ شہسوار نہ جنگ بدر میں شامل ہوا جہاں قریش کے ستر نامور سردار اور بہادر مارے گئے اور نہ ہی جنگ احد میں شامل ہوا جس میں قریش اپنی پوری جمیت و طاقت کے ساتھ تین ہزار کا لشکر جرار لے کر میدان مقابلے میں آئے تھے ۔ لیکن عمرو بن عبدود جیسے ایک ہزار شہسوار کی طاقت رکھنے والے نوے سالہ بوڑھے جرنیل کو پھر بھی مکہ چھوڑ آئے اور ساتھ نہ لائے ۔ اور اب اچانک غزوہ خندق کے موقع پر یہ بہادر جانباز یکدم نمودار ہو گیا اور نہ صرف دیگر لشکر احزاب کے ساتھ صرف مسلمانوں کے محاصرہ تک مطمئن رہا بلکہ تیس فٹ اونچی اور چوڑی خندق کو گھوڑے پر عبور کر کے کسی تردد کے بغیر تین ہزار مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے چند ساتھیوں کے ہمراہ خندق کو عبور کرنے کے لئے کود پڑا ۔

4۔ عرب جیسے گرم ملک میں کوئی نوے سال کا بوڑھا گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں آکر دعوت مبارزت دینے کے متعلق تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ ایسا شخص تو بے سہارا پیدل بھی نہیں چل سکتا ۔ لہذا اتنے بوڑھے انسان کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ جنگ میں حصہ لے سکتا ہے ۔ یہ انسانی امکان سے باہر اور ناممکن ہے ۔ لہذا یہ روایت وضعی اور بے بنیاد ہے ۔ حقیقت یہی ہے کہ غزوہ خندق میں دشمن خندق کو عبور نہ کر سکے ۔ حضورؐ کا یہ نیا اسلوب جنگ اور عسکری دفاعی منصوبہ سو فیصد کامیاب رہا اور دشمن مایوس و ناکام ہو کر واپس چلا گیا ۔

الغرض اس روایت پر جس پہلو سے بھی غور کیا جائے ایک بے بنیاد افسانہ سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے ۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے بلند پایہ مورخین نے ایک دوسرے کی اندھی تقلید کرتے ہوئے اپنی کتب تاریخ و سیر میں درج کر دیا ۔

کیا خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان فارسی نے دیا تھا ؟

مدینہ کے سامنے خندق کھود کر دفاع کرنے کا حضرت سلمان فارسیؓ کا مشورہ ایک فرضی روایت ہے جو جناب رسولؐ اللہ کی جنگی حکمت عملی ، دفاعی منصوبہ بندی ، تزویرات و تدبیرات جنگ کے بلند معیار کو دوسروں کی اختراع

اور اسلوب جنگ ثابت کر کے حضورؑ کی عظمت و وقار کو کم کرنے کے مترادف ہے ۔ ہم یہاں پر فن حرب کے ماہر اور ممتاز مورخ محترم برگیڈئر گلزار احمد صاحب کی علمی تحقیق " غزوات رسول اللہ " کے حصہ سوم سے قارئین کی خدمت میں مندرجہ ذیل اقتباسات پیش کرتے ہیں ۔ مصنف موصوف رقم طراز ہیں کہ " مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ سلمان فارسیؓ کا نہیں بلکہ یہ خود آنحضرتؐ کے ذہن رسا کا فیصلہ تھا ۔ سلمان کے زمانے میں ایران میں نہ جنگ و جدل ہوا اور نہ ہی انہوں نے کبھی ان لڑائیوں میں حصہ لیا " ۔ " تاریخ کی بعض کتابوں میں درج ہے کہ حضور اقدسؐ کو خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان فارسی نے دیا تھا ۔ ابن اسحق اس بات کا ذکر نہیں کرتا ۔ اس کے متعلق ابن ہشام نے صرف اتنا ذکر کیا ہے کہ " سلمان نے رسول اللہ کے سامنے اس کا اشارہ کیا " ۔

واقدی نے اپنی کتاب " مغازی " میں لکھا ہے کہ " سلمان فارسی نے کہا ! کہ جب ہم ارض فارس میں تھے اور رسالے کا خوف ہوتا تھا تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیتے تھے " ۔

" ابن اسحاق کی سیرت کی کتاب اس موضوع پر سب سے پرانی کتاب ہے اس کے اندر سلمان فارسی کا ذکر نہ ہونا اس روایت کے موضوع ہونے کا یقین پیدا کرتا ہے " ۔

" دوسری بات جو قابل توجہ ہے کہ وہ سلمان فارسی کے قول کا یہ حصہ ہے کہ " جب ہم ارض فارس میں تھے اور رسالے کا خوف ہوتا تھا تو اپنے لیے خندق کھود لیتے تھے " ۔ کسی کتاب میں ذکر نہیں کہ سلمان فارسیؓ نے کونسی لڑائیوں میں حصہ لیا تھا جہاں دشمن نے گھوڑوں کا استعمال کیا ہو ۔ جہاں تک ایران کی معروف قدیم لڑائیوں کا ذکر ہے ۔ ان میں کہیں ذکر نہیں کہ ایران کی فوج نے خندق کا استعمال کیا ہو ۔ سلمان فارسی کا دور طوائف الملوکی کا دور بھی نہ تھا کہ جاگیردار اور نواب ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوئے ہوں اور جہاں رسالے کا خوف ہوتا تھا " ۔ انہوں نے خندق کا استعمال کیا ہو ۔

غزوہ احزاب کے دوران خندق باغات اور مکانات کے مربوط استعمال سے جو دفاعی نظام حضورؐ اقدس نے وجود میں لایا تھا ▪ دور جدید کے ماہرین فن حرب کے لئے بھی سبق کا مقام رکھتا ہے ۔

طبری کے مطابق ہر دس آدمیوں کی جماعت چالیس گز خندق کھودنے کے لئے تھی ۔ آپ کی زیر قیادت اس غزوہ میں تین ہزار افراد تھے ۔ ان سے تین سو گروپ ترتیب دیے گئے ۔ یوں خندق کی کل لمبائی 12 ہزار گز بنتی ہے آنحضرتؐ اپنے کسی منصوبہ میں ذرہ برابر سقم بھی نہ رہنے دیا کرتے تھے ۔ اس لئے یہ خیال صحیح ہے کہ خندق کی لمبائی بارہ ہزار گز تھی ۔

فن جنگ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ جس رکاوٹ پر تسلط موجود نہ ہو ▪▪ رکاوٹ نہیں رہتی اس لئے کہ دشمن اسے کسی وقت بھی عبور کر سکتا ہے ۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ سپاہ مدینہ کے لئے ضروری تھا کہ خندق اور باغات کا ہر حصہ ہمہ وقت ان کی نگاہوں میں رہتا اور جونہی کوئی وہاں سے گزرنا چاہتا اسے روکنے کی تدابیر عمل میں لائی

جاتیں ۔ دشمن باغات سے کھجور کے درخت کاٹ کر خندق کے اوپر رکھ کر لاتعداد چھوٹے بڑے پل بنا سکتے تھے ۔ ان کے لئے یہ اس لئے ممکن نہ ہو سکا کہ باغات کی نگہداشت کے نتیجے میں کھجور کے درخت نہ کاٹ سکے اور خندق کا صبح و شام اور رات کے وقت پہروں کی وجہ سے اگر وہ درخت کاٹ بھی لیتے تو پل بنانے کا موقع حاصل نہیں کر سکتے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ متعدد لشکروں کے اس اجتماع نے کسی ایک موقع پر بھی مل کر حملے کا کوئی منصوبہ تیار نہیں کیا ۔ دراصل خندق کی موجودگی اور اس کے باقاعدہ منصوبہ کے مطابق دفاع نے انہیں بے بس کر دیا تھا ۔

خندق کی کھدائی دشمن کے پہنچنے سے ایک دن قبل ختم ہوئی تھی دفاعی لشکر کا ہر فرد اپنے متعینہ مقام پر موجود تھا ۔ خندق کی کھدائی کے دوران آنحضرتؐ ہمہ وقت موقع پر موجود رہتے تھے کبھی ایک مقام پر کبھی دوسرے مقام پر ۔ اتنی گہری اور اتنی چوڑی خندق کی مٹی کا دمدمہ بھی تو پہاڑ کی مانند دور سے قراقرم کے سلسلے کوہ کا نقشہ پیش کرتا ہو گا ۔

ان حملہ آوروں کا مدینہ کے باغات کو تاراج کرنے کا کہیں ذکر نہیں اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ باغات کی جانب کا دفاع بھی اس قدر مکمل تھا کہ دشمن اس جانب سے نہ تو نفوذ کر سکتا تھا اور نہ اس طرف اپنے اونٹوں کو چرانے کے لئے لے گیا تھا ۔

اتنی بڑی فوج ناکامی کے متعلق تو سوچ بھی نہ سکتی تھی مگر افواج کے اس عظیم اجتماع کے افراد مجبور تھے کہ جس مقصد کے لیے آئے تھے اس کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا ۔ محصور فوج اول تو نظر ہی نہ آتی ہو گی ۔ اس پہاڑ نما دمدمے کے پیچھے سے جب ان مجاہدوں کو موقع ملتا تھا ، وار کرتے اور پھر نظروں سے اوجھل ہو جاتے ۔ مگر جہاں تک پہرہ دینے کا تعلق تھا ، ایک لمحہ کے لیے بھی وہ غافل نہ رہتے ۔ اعصاب کی اس لڑائی کا تجربہ ان حملہ آوروں کو آج تک نہ ہوا تھا ۔ جوں جوں دن گزرتے جاتے اور ہر صبح کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی حملہ آوروں کے اعصاب محصور فوج سے بھی بڑھ کر متاثر ہوتے ہوئے نظر آتے ۔

الغرض غزوہ خندق کے سلسلے میں مذکورہ بالا روایات کہ محاصرہ کے دوران قریش کا نوے سال کا بوڑھا شہسوار عمرو بن عبدود خندق کو عبور کر کے لشکر اسلام کے سامنے جا کر دعوت مبارزت دینے لگا ۔ اور حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا اور دوسرے یہ کہ خندق کھود کر مدینہ کا دفاع کرنے کا مشورہ آنحضرتؐ کو حضرت سلمان فارسیؓ نے دیا تھا ۔ بے بنیاد اور وضعی روایات ہیں ۔

جو نہ صرف درایت کے خلاف ہیں بلکہ آنحضرتؐ کی بے مثال عسکری اہلیت و صلاحیت ، فن حرب پر مکمل عبور آپؐ کی حربی تزویرات ، دفاعی تدبیرات ، منصوبہ بندی اور جنگی حکمت عملی کے متعلق اس نظریے پر بھی زد پڑتی ہے کہ آپؐ کو ان میں کمال حاصل تھا ۔ یہ دونوں روایات تاریخی حقائق و واقعات کے بھی خلاف ہیں کیونکہ آپؐ بلا مبالغہ تاریخ عالم کے بے نظیر اور عظیم ترین سپہ سالار تھے آپؐ نے قریباً نو سال تک ایک مسلسل جنگ لڑی جس

میں اسی (80) کے قریب غزوات و سرایا میں زبردست لڑائیاں سامان حرب و ضرب کی بہتات کے باوجود ان پر مکمل فتح و نصرت حاصل کی ۔ اس میں تائید ایزدی ، مجاہدین کی قوت ایمانی ، صبر و استقلال ، عزم و ہمت ، استقامت و ثابت قدمی اپنے مقصد اور نصب العین کی حقانیت پر بے پناہ اعتماد و یقین کامل ۔ جذبہ جہاد اور شوق شہادت وغیرہ عوامل بھی شامل تھے جن کی وجہ سے وہ میدان جنگ میں بنیان مرصوص اور ناقابل تسخیر قلعہ بن کر لڑتے تھے لیکن آنحضرتؐ کا تدبر و تفکر ، علم و حکمت اور عسکری و فنی مہارت کا بھی سب سے زیادہ عمل و دخل تھا ۔ آپؐ اللہ کے آخری نبی تھے اور مشیت ایزدی آپؐ کے ذریعے تاریخ عالم میں ایک عدیم المثال انسانی انقلاب برپا کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی ۔ اب عہد قدیم کا خاتمہ اور دور جدید کا آغاز ہونے والا تھا ۔ اور انسانی معاشرہ کی ابتداء ہونے والی تھی جس کی بنیاد خالص توحید الہیٰ ، وحدت نسل انسانی ، انسانی مساوات ، اخوت اسلام ، عدل و احسان ، معاشی و معاشرتی انصاف ، حریت فکر و عمل ، آزادی مذہب و عقیدہ ، محبت و رواداری اور امن و سلامتی کے حیات افروز اصولوں پر استوار ہونے والی تھی ۔ جس میں ہر قسم کے ظلم و استبداد ، ملوکیت و آمریت ، معاشی و معاشرتی استحصال ، نسل و قبیلہ کے تفاخر اور امتیازات طبقاتی کشمکش مذہبی فرقہ بندی اور تعصبات و منافرت کو یکسر مٹا کر محبت و رواداری کی بنیاد پر انسانی معاشرہ کو استوار کرنا تھا ۔

حضرت سعدؓ بن معاذ کی وفات

خندق کے محاصرہ کے وقت حضرت سعدؓ بن معاذ کی کلائی پر تیر لگنے سے انکی شریان پھٹ گئی تھی ۔ چنانچہ بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ دینے کے کچھ عرصہ بعد اپنی کلائی کے زخم سے جو آپ کو اس وقت آیا تھا وفات پا گئے ۔ آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کو حضرت سعدؓ بن معاذ کی وفات کا ازحد صدمہ ہوا ۔ حضرت سعد خلوص و محبت ، خدمت اسلام اور جذبہ ایثار و قربانی میں انصار میں حضرت ابو بکرؓ کا نمونہ تھے ۔ ان کی وفات سے مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان ہوا ۔ اسلام اور بانی اسلام کی محبت حضرت سعدؓ کی روح کی غذا تھی ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ " سعدؓ بن معاذ کی وفات پر خدائے رحمان کا عرش ہلنے لگا ۔ "

آنحضرتؐ کا حضرت زینبؓ بنت جحش سے عقد

آنحضرتؐ نے حضرت زینبؓ بنت جحش سے ماہ صفر 5 ھ جون 626 ء میں عقد فرمایا ۔ یہ خاتون عبداللہ بن جحش کی ہمشیرہ تھیں اور ان کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب آنحضرتؐ کی پھوپھی تھیں ۔ حضرت زینبؓ پہلے اسلام لانے والوں میں تھیں ۔ حضرت زیدؓ بن حارث کے انہیں طلاق دینے کے بعد آپؐ نے ان سے عقد فرمالیا تھا ۔

حضرت زید بن حارثؓ ایک معزز عرب قبیلہ کے چشم و چراغ تھے ۔ بچپن میں ان کو ڈاکوؤں نے اغواء کر کے عکاظ کے میلہ میں حکیم بن حزام کے ہاتھ فروخت کر دیا انہوں نے زید کو حضرت خدیجہؓ کے سپرد کر دیا ۔ اور انہوں

نے زید کو آنحضرتؐ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا آنحضرتؐ کا بعثت سے قبل زید کے ساتھ جو دلی تعلق پیدا ہو چکا تھا اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ جب زید کا باپ اور چچا اس کو لینے کے لئے مکہ میں آئے تو آنحضرتؐ کی اجازت کے باوجود انہوں نے باپ کے ساتھ جانے کی بجائے حضورؐ کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دی جس پر رسولؐ اللہ نے فرط محبت سے زید کے باپ اور چچا کے سامنے حجر اسود کے پاس کھڑے ہو کر اور اپنے ہاتھ میں زید کا ہاتھ بلند کر کے یہ اعلان فرمایا کہ " زید آج سے آزاد ہے وہ آج سے میرا بیٹا ہے ۔ میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہوگا " ۔ اس دن سے حضرت زید زید بن حارث کی بجائے زید بن محمد کے قابل فخر نام سے پکارے جانے لگے ۔ حضرت زیدؓ بن حارث کی اسلام اور حضورؐ کی ذات گرامی کے لئے بے لوث اور بے پناہ خدمات کا ریکارڈ اس قدر شاندار ہے کہ تاریخ اسلام میں اس کی نظیر نہیں ملتی ۔ حضرت زید کی خدمات اور آنحضرتؐ سے ان کا خلوص و جانثاری کا تعلق حضرت صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ سے کسی طرح کم نہیں ۔ بلا مبالغہ یہ تینوں تاریخ اسلام کی عظیم ترین شخصیتیں ہیں ۔ جنہوں نے اسلام کی خاطر عدیم المثال کارہائے نمایاں سرانجام دیے ۔

آنحضرتؐ نے جب زید کا عقد حضرت زینب بنت جحش سے کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت زینب نے زید سے عقد کرنے سے انکار کر دیا ۔ آنحضرتؐ نے ان پر زور دیا اور اصرار کیا کہ وہ اس عقد پر رضا مند ہو جائیں جس پر حضرت زینبؓ رضا مند ہو گئیں ۔ حضرت زینب کے اس عقد سے انکار کی وجہ یہ تھی کہ وہ زید کو ایک آزاد کردہ غلام سمجھتی تھی اور حسب و نسب کے لحاظ سے اپنے آپؐ کو اس سے بہتر اور افضل تصور کرتی تھیں ۔ ان کے مزاج میں تیزی اور غصہ بھی تھا لیکن حضورؐ کے اصرار کی وجہ سے وہ رضا مند ہوئیں تھیں ۔ مگر شادی کے بعد انہوں نے حضرت زیدؓ کو دل سے قبول نہیں کیا تھا یہی وجہ تھی کہ ان کی ازدواجی زندگی پر سکون نہیں تھی ۔ وہ عموماً زید پر طنز کرتیں تھیں کہ " میں آزاد کر[illegible] نہیں ہوں ۔ " زید اپنی گھریلو زندگی سے بہت پریشان تھے اور عموماً حضورؐ کے پاس حضرت زینب کے رویے اور سلوک کی شکایت کرتے رہتے تھے ۔ اور اکثر طلاق دینے کے ارادے کا بھی اظہار کرتے تھے مگر آنحضرتؐ ان کو طلاق دینے سے منع فرماتے ۔ آخر حضرت زید نے تنگ آکر طلاق دے دی اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع کر دی ۔

حضرت زینب کی عدت پوری ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے اللہ کے حکم کے مطابق حضرت زینب سے عقد فرما لیا ۔ آنحضرتؐ زینب سے عقد کے اظہار سے کافی عرصہ تک احتراز کرتے رہے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ منافقین اور مشرکین آپؐ پر اعتراض کریں گے کہ انہوں نے اپنے متبنیٰ یعنی منہ بولے بیٹے زید کی مطلقہ سے عقد کر لیا ہے ۔ جس پر اللہ تعلیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ " محمد تم میں سے کسی مرد کے بھی باپ نہیں ہیں ۔ تم لوگوں کو ان کے حقیقی باپوں کے نام سے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی قرینے انصاف ہے ۔ " اس کے بعد حضرت زید کو زید بن حارث کے نام سے پکارا جانے لگا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں یہ آیت بھی نازل فرمائی کہ " جب حضرت زید

حضرت زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے تو ہم نے ان کا عقد آپؐ سے کر دیا تاکہ دوسرے مومنوں کو اپنے متبناؤں کی مطلقہ بیویوں سے عقد کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور اللہ کا حکم پورا ہی ہونے والا تھا۔"

آنحضرتؐ اور حضرت زینب کے عقد کے متعلق مسلم مورخین اور مستشرقین نے کئی روایات بیان کی ہیں لیکن ہم انہیں بے بنیاد اور توہین آمیز خیال کرتے ہوئے ان کا اظہار بھی غیر مناسب خیال کرتے ہوئے ان کو ترک کرتے ہیں۔

غزوہ بنی قریظہ ذوالقعدہ 5 ھ / اپریل 627ء

بنو قریظہ کے یہودی قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ اور ان کے متعلق اس وقت فیصلہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ نے دیا تھا۔

بنو قریظہ نے میثاق مدینہ کے عہد و پیمان کی خلاف ورزی ایسے نازک وقت پر کی تھی جب مسلمان زندگی اور موت کی کشمکش میں دشمن کے محاصرہ میں تھے۔ انہوں نے غداری کے مرتکب ہو کر انکی پیٹھ میں خنجر گھونپا تھا لہذا حضورؐ نے حکم دیا کہ "جو شخص ہمارا وفادار ہے اس کے لئے حکم دیا جاتا ہے کہ نماز عصر محلہ بنو قریظہ میں جا کر ادا کرے"۔ اور اس اعلان کے ساتھ ہی حضرت علیؓ کو مجاہدین کے ایک مختصر دستہ کے ساتھ محلہ بنو قریظہ کی طرف روانہ فرما دیا"۔ اگرچہ دشمن محفوظ قلعوں میں مقیم تھے مگر مسلمانوں کو انکے خلاف کامیابی کا یقین تھا۔ قریش جاتے وقت کافی غلہ اور رسد وغیرہ چھوڑ کر گئے تھے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو رسد کی قلت کا خطرہ نہ رہا تھا۔ حضرت علیؓ کے وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ اگرچہ بنو قریظہ اپنا حشر جان چکے تھے مگر پھر بھی حضورؐ کی شان میں گستاخیاں کر رہے تھے۔ آپؐ نے وہاں پہنچتے ہی باآواز بلند فرمایا "اے بندروں کی برادری! کیا خدا نے تمھیں ذلیل نہیں کیا تھا اور تم پر اپنا غضب نہیں بھیجا تھا"۔ انہوں نے جواب دیا "اے ابو القاسم! آپؐ ہماری تاریخ سے بے خبر نہیں ہیں"۔ مسلسل پچیس روز محاصرہ جاری رہا۔ اس دوران دو ایک مرتبہ انکی طرف سے پتھر اور ادھر سے تیر اندازی ہوتی رہی۔ مگر انکو باہر نکل کر لڑنے کی جرات نہ ہوئی وہ گھبرا گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ مسلمان ان پر قبضہ پا کر موت کے گڑھے میں دھکیل دیں گے۔ یہود نے درخواست کی کہ ابو لبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیں۔ ہم صلح کے معاملہ میں ان کے ذریعے بات کرینگے۔ ابو لبابہ قبیلہ اوس سے تھے اور ان کے بنو قریظہ سے تعلقات تھے جب وہ ان کے قلعہ میں گئے تو ان کی عورتیں اور بچے ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اور رو رو کر کہرام مچا دیا۔ جس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے ابو لبابہ سے پوچھا کہ "کیا آپ مطمئن ہیں کہ ہم اپنے آپ کو محمدؐ کے حوالہ کر دیں"۔ ابو لبابہ نے کہا کہ "میں اس سے اتفاق کرتا ہوں"۔ اور اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر جو کچھ چاہے کرو تمھیں قتل ہونا ہی ہے۔ بعد ازاں وہ اس حرکت پر بہت پشیمان ہوئے اور اللہ و رسولؐ اللہ سے معافی مانگی۔

کعب بن اسد نے اپنی قوم کو تین مشورے دیئے۔ مگر انہوں نے ایک پر بھی آمادگی کا اظہار نہ کیا۔

1۔ اول یہ کہ آپ سب لوگ مسلمان ہو جائیں اور اپنی جان و مال اور اولاد کو برباد ہونے سے بچا لیں۔

2۔ دوسرے یہ کہ اپنے زن و بچہ کو قتل کر کے باہر نکل کر مسلمانوں سے لڑتے ہوئے موت یا زندگی کا فیصلہ کر لو۔

3۔ تیسرا مشورہ یہ کہ اپنے آپ کو محمدؐ کے حوالے کر دو۔ اس صورت میں ابو لبابہ اشارہ کر ہی چکے ہیں کہ تمہارا حشر کیا ہوگا۔ انہوں نے حضورؐ کے پاس قاصد بھیج کر درخواست کی کہ ہمیں بنو نضیر کی طرح شام جانے کی اجازت دی جائے۔ مگر حضورؐ نے وعدہ کرنے سے انکار کر دیا اور غیر مشروط حوالگی کا مطالبہ کیا۔ بنو قریظہ نے اپنے حلیف قبیلہ اوس کے لوگوں سے درخواست کی کہ ہماری امداد کریں اور حضورؐ سے ہمیں جلا وطن ہونے کی اجازت دلا دیں۔ بنو اوس کے چند لوگوں نے عرض کیا کہ حضورؐ نے جس طرح بنو خزرج کے حلیف بنو نضیر کو بنو خزرج کی سفارش پر جلا وطن کر دیا تھا اس طرح ہمارے حلیف اس قبیلہ بنو قریظہ کو بھی جلا وطن کر دیا جائے۔ حضورؐ نے فرمایا "لوگوں کو یہ منظور ہے کہ میں اپنے اور بنو قریظہ کے معاملے میں کسی شخص کو ثالث تسلیم کر لوں؟ اوس نے اس کو قبول کر لیا۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا بنو قریظہ کے پاس جاؤ۔ اور میں اپنا اختیار بھی انہیں کو دیتا ہوں۔ کہ " جس شخص کو پسند کریں اسے میرے اور اپنے درمیان حکم تسلیم کر لیں"۔ اس پر بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذ کو ثالث تسلیم کر لیا۔ ان کو یہ بھول گیا تھا کہ محاصرہ کے دوران جب انہوں نے عہد شکنی کی تھی تو سعد بن معاذ ان کے پاس آئے تھے اور انہوں نے نہ صرف سعد کی بات ماننے سے انکار کر دیا بلکہ اس کی توہین کی اور حضورؐ کی شان میں گستاخی کی تھی۔ سعد بن معاذ نے طرفین سے عہد و پیمان لینے کے بعد اپنا فیصلہ ان الفاظ میں صادر فرمایا۔

1۔ بنو قریظہ کے بالغ مرد قتل کیے جائیں۔

2۔ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا جائے۔

3۔ ان کا تمام مال ضبط کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

اس فیصلہ پر آنحضرتؐ نے فرمایا "بخدا اے سعدؓ آپ کا یہ فیصلہ خدا اور مسلمانوں کی مرضی کے مطابق ہے۔ مجھے بھی وحی کے ذریعے یہی حکم دیا گیا تھا"۔

بازار کے وسط میں گہرے گڑھے کھودے گئے۔ مجرموں کو ٹولیوں میں لایا گیا اور ایک ایک کی گردن مار کر گڑھوں میں پھینک کر لاشیں مٹی سے چھپا دی گئیں۔

چار یہودی حضرات نے مسلمان ہونے کی آمادگی ظاہر کی اور ان کا خون معاف کر دیا گیا۔ اس طرح زبیر بن

باطا کا معاملہ ہے کہ اس نے یوم بعث میں ثابت بن قیس کی جان بچائی تھی ۔ ثابت نے سعد کا فیصلہ سن کر آپؐ سے زبیر کی جان بخشی کی سفارش کی ۔ حضورؐ مان گئے مگر زبیر نے اپنے ساتھیوں کے بغیر زندہ رہنا مناسب نہ سمجھا اور موت قبول کر لی ۔

بنو قریظہ جب نیچے اترے تو آپؐ نے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ انکی مشکیں کس کے ایک کنارے پر کر دیا جائے عورتوں اور بچوں پر عبداللہ بن سلام کو عامل بنایا گیا ۔ بنو قریظہ کے قلعوں سے مال غنیمت میں مال و اسباب کپڑے سب کچھ جمع کیا گیا ۔ سامان میں پندرہ سو تلواریں، تین سو زرہیں، دو ہزار نیزے اور پندرہ سو ڈھالیں ملیں ۔ شراب کے مٹکے بھی تھے ۔ جو بہا دیے گئے بہت سے اونٹ بھی تھے ۔ بنو قریظہ جو قتل کئے گئے انکی تعداد چھ سات سو کے قریب تھی ۔

بنی قریظہ کے قتل کا اصل ذمہ دار حی بن اخطب ہے ۔ اس نے ہی کعب بن اسد کو مسلمانوں کے ساتھ عہد توڑنے پر مجبور کیا تھا ۔ اس حی بن اخطب کو بنی نضیر کے ساتھ مدینہ سے جلا وطن کیا تھا ۔ اور اس کی جان بخشی کی تھی مگر وہ جذبہ انتقام کے تحت متحدہ محاذ قائم کر کے مسلمانوں کے خلاف لے آیا ۔ سعد کا فیصلہ اگرچہ سخت گیر نظر آتا ہے ۔ مگر اس کے نزدیک یہود کو زندہ رکھنا مسلمانوں کی تمام نسل کی موت کے مترادف تھا ۔

غزوہ بنو قریظہ میں صرف ایک عورت بنانہ قتل ہوئی جو حکم مرضی کی بیوی تھی اور اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے حضرت خلاد بن سوید پر چکی کا بھاری پتھر گرا کر انہیں شہید کر دیا تھا ۔ حضرت خلاد بیعت عقبہ، غزوہ بدر اور احد میں شامل تھے ۔ حضرت سعد بن معاذ کی والدہ کا نام کبشہ بنت رافع تھا ۔ انصاری خواتین میں انہوں نے سب سے پہلے آنحضرتؐ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی ۔ واقعات غزوہ احزاب و بنو قریظہ کے متعلق آیات قرآنی نازل ہوئیں جو سورۃ احزاب میں ہیں ۔

ریحانہ قریظہ کا واقعہ

بنو قریظہ کے قیدیوں میں بی بی ریحانہ خمس میں آنحضرتؐ کے حصہ میں آئیں ۔ رسولؐ اللہ نے اس کو اسلام پیش کیا ۔ مگر اس نے منظور نہ کیا ۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے نکاح کر لونگا ۔ مگر اس نے جواب دیا کہ " جناب کی تزویج میں رہنے کی بجائے کنیز کی مانند آپؐ کی خدمت کروں گی اور یہ طرفین کے حق میں زیادہ بہتر ہوگا " ۔ بی بی ریحانہ کا انکار ان کی قومی عصبیت کی وجہ سے تھا ۔ اس وجہ سے حضورؐ اور مسلمانوں سے ناخوش رہیں ۔ ریحانہ بے حد حسین و جمیل تھیں ۔ وہ تمام زندگی حضورؐ کے گھر میں رہیں ۔ کچھ عرصہ بعد اسلام لے آئیں اور حضورؐ نے عقد کر لیا ۔ سیرۃ النبی حصہ اول (شبلی نعمانی) صفحہ 251

مدینہ سے کفار کی ناکام واپسی اور بنو قریظہ کے انجام سے مسلمانوں کی عظمت، شوکت اور قوت، طاقت

میں اضافہ ہوا اور تمام عرب میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

اسیران بنو قریظہ کی عورتوں اور بچوں کو سعد بن زید انصاری کو حکم دیا گیا کہ انہیں نجد لے جا کر وہاں فروخت کریں۔ ان کی قیمت سے دشمنان اسلام کے حملوں کی مدافعت کے لئے گھوڑے اور آلات حرب خریدے جائیں۔ حوالہ تاریخ طبری حصہ اول صفحہ 302۔

ہمارے خیال میں مذکورہ بالا روایت بھی فرضی اور خود ساختہ ہے یہ درایت اور تعلیمات اسلامی کے خلاف ہے۔ آنحضرت کا خلق عظیم اور سیرت و کردار ایسا تھا کہ آپؐ سے بے سہارا عورتوں اور یتیم بچوں کے ساتھ ایسے سلوک کی ہرگز توقع نہیں کی جا سکتی۔ حضورؐ عورتوں کا بے حد احترام اور بچوں سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ لہذا یہ روایت کہ حضورؐ نے بنو قریظہ کی عورتوں اور بچوں کو نجد لے جا کر فروخت کر کے اس رقم سے اسلحہ اور گھوڑے خریدنے کا حکم محض دشمنان اسلام کا الزام اور افترا ہی ہو سکتا ہے۔

6ھ 628ء کے حالات و واقعات

سریہ محمد بن مسلمہ / یا سریہ قرطا 20 محرم 6ھ

آنحضرتؐ نے حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو 20 بیس محرم 6ھ میں تیس اونٹ اور گھوڑ سوار مجاہدین کے ساتھ قرطائی کی طرف روانہ فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ رات کو سفر کریں اور دن کو چھپے رہیں اور یکدم کفار کو گھیر کر حملہ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ کچھ قتل ہوئے اور باقی فرار ہو گئے۔ دس یا بیس مشرکین قتل ہوئے اور پھر مسلمان ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بکریاں مدینہ میں لے آئے محمد بن مسلمہ انیس دن مدینہ سے باہر رہے۔ محمد بن مسلمہ ایک شخص ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر کے حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا اس نے اسلام قبول کر لیا اور عمرہ کی ادائیگی کے لئے روانہ ہو گیا اور یمامہ میں جا کر تبلیغ اسلام کرنے لگا جس سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ جب مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت اثامہ بن اثال نے اس کا ساتھ نہ دیا بلکہ اسلام پر قائم رہے۔

غزوہ بنی الحیان۔ ماہ ربیع الاول 6ھ / جون 627ء

یہ غزوہ ربیع الاول 6ھ / جون 627ء کو عمل میں آیا۔ آنحضرت دو سو مجاہدین کو ہمراہ لے کر حضرت عاصم بن ثابت اور انکے ساتھی ستر قراء کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے جو بیرؑ معونہ میں دھوکے سے قتل کیے گئے تھے روانہ ہوئے آپ نے اس کا اظہار فرمایا کہ آپؐ شام جا کر ان مجرمین کو کیف کردار تک پہنچانے کے لئے ان پر غفلت میں حملے کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ مدینہ سے روانہ ہوئے اور شام کو جانے والے راستے پر مدینہ کے قریبی عراب نامی "پہاڑ کے ساتھ ساتھ چلے۔ پھر بمقام مخیض، پھر مقام بہتراء پہنچے۔ پھر دائیں طرف مڑ گئے اور مقام بین پریمان کی پہاڑیوں پر جانکلے۔ پھر سیدھا راستہ اختیار فرما کر مقام مجہ پر پہنچے جو مکہ کے راستہ میں تھا۔ پھر وہ ان سے تیزی کے ساتھ روانہ ہو کر مقام غران پر پہنچے جہاں قبیلہ بنی لحیان کی آبادیاں تھیں۔ وہاں سے سایہ نامی شہر پہنچے۔ آپ کے ہمراہ دو سو آدمی تھے۔ جن میں بیس گھوڑے تھے۔ آپ نے اس موقع پر حضرت ابن ام مکتومؓ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔

وہاں پہنچ کر آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ وہ کفار آپ کی آمد سے خائف ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا چھپے ہیں۔ آپ نے وہاں ایک دو دن قیام فرمایا اور ان کی تلاش میں پہاڑوں کے ہر طرف طلایہ گرد دستے روانہ فرمائے۔ حضرت ابو بکرؓ کو دس سواروں کا دستہ دے کر روانہ فرمایا۔ تاکہ قریش کو ان کی آمد کا علم ہو تو وہ دہشت زدہ ہو جائیں۔ پھر آنحضرتؐ بغیر جنگ کیے واپس ہو گئے۔

اس مرتبہ مدینہ منورہ سے آپ کی غیر حاضری کی مدت چودہ دن تھی۔

عینیہ بن حصن کا چھاپہ:۔

عینیہ بن حصن فزاری نے اپنے گھوڑ سوار دستہ کے ساتھ جنگل میں آنحضرتؐ کے اونٹوں پر چھاپہ مار کر بیس اونٹ پکڑ کر لے گیا۔ اونٹوں کے محافظ بنو غفار کے ایک شخص کو قتل کر کے اس کی بیوی کو بھی ساتھ لے گیا۔ اس آدمی کا نام ذرا بن ابی ذر تھا۔ اور بیوی کا نام لیلیٰ تھا۔ جسے وہ گرفتار کر کے لے گئے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد عورت آنحضرتؐ کی اونٹنی عصیناء پر سوار ہو کر وہاں سے فرار ہو کر مدینہ پہنچ گئی۔ اس عورت نے منت مانی تھی کہ اگر زندہ مدینہ پہنچ گئی تو اس اونٹنی کو ذبح کر دونگی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ منت ناجائز ہے جس اونٹنی نے تم کو غاصبوں کے چنگل سے نجات دلا کر تمہاری جان بچائی اس کو ذبح کر کے احسان فراموشی کرتی ہو اور دوسرے یہ کہ یہ میری اونٹنی ہے اس پر تمہارا کوئی حق ملکیت نہیں ہے۔

سریہ محمد بن مسلمہ بمقام ذوالقصہ

ربیع الثانی 6 ھ / اگست 627ء

محمد بن مسلمہ انصاری کا مقام ذوالقصہ کا سریہ ربیع الثانی ■ ھ / اگست 627 ء کو پیش آیا۔ محمد بن مسلمہ دس مجاہدین کا دستہ لے کر بنو ثعلبہ کی طرف روانہ ہوئے اور رات کو ان کے مقام پر پہنچے۔ مشرکین گھات میں چھپے ہوئے تھے جب رات کو مسلمان سو گئے تو مشرکین نے اچانک حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے تیار ہو کر مقابلہ کیا مگر محمدؐ بن مسلمہ زخمی ہو گئے چند مسلمان بھی شہید ہو گئے محمد بن مسلمہ کو زخمی حالت میں مدینہ لے آئے۔

رسولؐ اللہ نے ربیع الآخر میں حضرت ابو عبیدہ عامر بن جرح کو چالیس مجاہدین کے ساتھ دشمن کے گھروں کی طرف بھیجا۔ انہوں نے جا کر ان پر چھاپہ مارا مگر کوئی نہ ملا۔ ان کے اونٹ اور بکریاں وغیرہ ہانک کر مدینہ لے آئے۔ ایک شخص ملا اس نے اسلام قبول کر لیا۔

غزوہ ذی قرد۔ ربیع الاول 6 ھ جولائی 627ء

ذو قرد بنو غطفان کے علاقہ کے قریب مدینہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے یہ غزوہ ربیع الاول

ھ / جولائی 627ء میں پیش آیا۔ بخاری میں ہے کہ یہ غزوہ خیبر سے تین دن قبل اور حدیبیہ سے بیس دن بعد پیش آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ عینیہ بن حصن فزاری نے آنحضرتؐ کے اونٹوں پر چھاپہ مار کر بیس اونٹ ساتھ لے گیا تھا۔ حضورؐ پانچ سو مجاہدین کے ساتھ اس کی سرکوبی کو روانہ ہوئے۔ مدینہ پر ابن ام مکتوم کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ حضرت سعد بن عبادہ کو تین سو مجاہدین کے ساتھ مدینہ کی حفاظت کے لئے مامور فرمایا۔ مجاہدین نے دشمن کو جالیا ان کے سرغنوں کو قتل کر دیا اور اپنے تمام اونٹ واگزار کرالئے۔ مسلمانوں کا صرف ایک مجاہد محرز بن نفلہ شہید ہوا۔ آپؐ خیبر کے علاقہ میں ذاکر تک پہنچ گئے اور دشمن بنو غطفان کے علاقہ میں جا چھپے حضرت مسلمہ بن اکوع بڑے تیر انداز تھے انہوں نے اسی غزوہ میں اپنی حربی مہارت کا مظاہرہ کیا۔ اور دشمن کو بہت نقصان پہنچایا آپؐ پانچ دن مدینہ سے باہر رہے مقام ذی فرد میں نماز خوف ادا کی۔

سریہ زید بن حارث۔ بمقام جموم

ربیع الاول 6 ھ

ماہ ربیع الاول 6 ھ میں حضورؐ نے زید بن حارث کو مقام جموم پر قبیلہ بنو سلیم کے خلاف روانہ فرمایا۔ وہاں ان کو اونٹ اور بکریاں ہاتھ آئیں۔ کفار فرار ہو چکے تھے۔

سریہ زید بن حارث۔ بمقام عیص

جمادی الاول 6 ھ

جمادی الاول 6 ھ / ستمبر 627ء کو حضرت زید بن حارث اپنا لشکر لے کر مقام عیص کی طرف روانہ ہوئے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کو اطلاع ملی تھی کہ شام سے دشمن کا ایک تجارتی قافلہ آرہا ہے اور زید کو ستر سواروں کے ساتھ اس قافلہ پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت زید بن حارث نے قافلہ تجارت کو جا پکڑا۔ اور اس کے تمام مال تجارت پر قبضہ کر لیا۔ صفوان بن امیہ کی بہت سی چاندی ہاتھ آئی۔ قافلہ کے بہت سے آدمی گرفتار ہوئے۔ ان میں ابوالعاص بن ربیع اور ام ہالہ بنت خویلد ہمشیرہ حضرت خدیجہ بھی تھیں۔ ابو العاص تجارت، دولت اور امانت کے لحاظ سے قریش کے سرکردہ لوگوں میں سے تھے اور آنحضرتؐ کے داماد اور حضرت سیدہ زینب کے خاوند تھے۔ ابو العاص فرار ہو کر مدینہ حضرت زینب کے پاس آگئے اور انہوں نے اپنے شوہر کو پناہ دے دی اور حضورؐ سے عرض کیا کہ میں نے ابو العاص کو پناہ دے دی ہے۔ حضورؐ نے ابو العاص کو اس کا تمام مال تجارت واپس دے کر مکہ روانہ کر دیا۔ ابو العاص نے مکہ پہنچ کر جس جس کا مال اس کے پاس تھا واپس کر کے اور مشرف با اسلام ہو کر مدینہ آگئے۔ حضرت زینب مدینہ ہجرت کر کے آچکی تھیں۔ جب وہ مدینہ آئے تو حضورؐ نے اس سابقہ نکاح کے مطابق زینب کو ابو العاص کے سپرد کر دیا۔

آنحضرت ابو العاص کی زینب کے بطن سے بیٹی امامہ سے بے حد پیار و محبت کرتے اور نماز کے وقت بھی اپنے دوش پر اٹھائے رکھتے۔

سریہ زید بن حارث۔ بجانب شام جمادی الاخر 6 ھ

آنحضرتؐ نے زید بن حارث کو شام کی وادی قریٰ کے علاقہ حمیٰ کی طرف جمادی الاخر 6 ھ / اکتوبر 627 کو روانہ فرمایا۔ جہاں جذامی قبیلہ آباد ہے۔ آپؐ نے پانچ سو مجاہدین کے ہمراہ حضرت زید بن حارث کو سپہ سالار بنا کر روانہ فرمایا۔ اس سریہ کا سبب یہ تھا کہ حضورؐ نے حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کو ایک خط دے کر قیصر شاہ روم کے پاس روانہ کیا تھا۔ جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی، قیصر نے اس کو گراں قدر انعامات اور خلعت عطا کر کے واپس بھیجا تھا۔ راستہ میں انہیں سعید بن عارض اور اس کے ساتھیوں نے صحیٰ کے مقام پر ڈاکہ ڈالا اور سب کچھ چھین لیا۔ یہ خبر جب بنو حنیب کی ایک جماعت نے سنی جو رضاعہ بن زید جذامی کے گروہ سے متعلق تھے اور مسلمان ہو چکے تھے۔ ان ڈاکوؤں سے لوٹا ہوا سامان چھین کر حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کو واپس کر دیا۔ حضرت دحیہ نے واپس آکر حضورؐ کو تمام واقعات بتائے۔ جس پر آپؐ نے ان ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لئے حضرت زید کو پانچ سو مجاہدین کے لشکر کا سپہ سالار بنا کر روانہ فرمایا۔ حضرت زید راتوں کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے۔ ان کے ساتھ قبیلہ بنی عذرہ کا ایک شخص راستہ بتانے والا بھی تھا۔ وہ لشکر کو ڈاکوؤں کے سر پر لے کر پہنچ گیا۔ جہاں مجاہدین نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا ان میں سے بہتوں کو قتل کر دیا اور سنہید اور اس کے بیٹے کو بھی قتل کر دیا۔ ان کے مویشیوں اور عورتوں کو پکڑ لیا۔ چنانچہ اونٹ ایک ہزار، بکریاں پانچ ہزار عورتیں بچے ایک سو کے قریب تھے۔ پھر رفاعہ بن زید جذامی اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو ہمراہ لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ تحریر پیش کی جو حضورؐ نے ان کے اسلام لانے کے وقت ان کو لکھ کر دی تھی۔ آپؐ کی خدمت میں پیش کی۔ جب وہ تحریر آپؐ کے سامنے پڑھی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ ان مقتولین کو کیا کروں۔ رفاعہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بہتر جانتے ہیں۔ ہم اپنی طرف سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کر سکتے۔ پھر آپؐ نے حضرت علی کو زید کے پاس بھیجا کہ جو کچھ اموال ان سے چھین لئے تھے ان کو واپس کر دو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی۔

سریہ غمر ربیع الاول 6 ھ

سریہ غمر ربیع الاول 6 ھ / جولائی 627ء کو پیش آیا۔ غمر مکہ کے راستے میں قید نامی قلعہ ہے دو دن کے فاصلے پر بنی اسد کا کنواں ہے حضرت عکاشہ چالیس آدمیوں کا دستہ لے کر روانہ ہوئے۔ دشمن ان کی آمد کی خبر سن کر فرار ہو گیا اور مسلمانوں نے ان کا مقام خالی پایا۔ ان کا آدمی مل گیا۔ اس سے ان کے متعلق تمام حالات معلوم

کر لئے اور اس نے ان کے اونٹوں کا پتہ بتا دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے حملہ کر کے ان کے دو سو اونٹوں پر قبضہ کر لیا اور ہانک کر مدینہ لے آئے جنگ کی نوبت نہ آئی۔

سریہ دومۃ الجندل۔ شعبان 6 ھ

شعبان 6 ھ میں سات سو مجاہدین کے لشکر کے ہمراہ آنحضرتؐ نے عبدالرحمٰن بن عوف کو دومۃ الجندل کی طرف روانہ فرمایا (قبیلہ کلب کی طرف) اور ہدایت فرمائی کہ اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کر لینا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف دومۃ الجندل کے مقام پر پہنچے اور وہاں قیام کے تین دن تک ان کو دعوت اسلام دی اور تیسرے دن ان کا حکمران اصبغ بن عمرو کلبی جو نصرانی تھا۔ مشرف با اسلام ہو گیا اور اس کی قوم کے بہت سے لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ان کے سردار اصبغ کی بیٹی سے شادی کر لی اور اسے اپنے ہمراہ مدینہ لے آئے۔ ان کی کنیت ام بنت ابی مسلمہ ہے۔

حضرت زید بن حارث کا سریہ ام قرفہ کی طرف رمضان 6 ھ

حضرت زید بن حارث کچھ سامان تجارت لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے جب وادی قریٰ تک پہنچے تو قبیلہ بنو بدر کی شاخ فزارہ کے کچھ لوگوں نے ان کو گھیر لیا۔ جناب زید کے ساتھیوں کو زدو کوب کیا اور تمام سامان تجارت چھین لیا۔ جناب زید نے واپس آکر آنحضرتؐ کو تمام حالات بیان کئے۔ آپؐ نے ایک لشکر دے کر زید کو ان مخالفین کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے بنو فزارہ کا جو آدمی بھی ملا۔ اس کو قتل کر دیا اور ام قرفہؓ کو گرفتار کر لیا۔ یہ ربیعہ بن بدر فزاری کی بیٹی تھی۔ اور اپنے قبیلے کی سردار تھی یہ بہت بوڑھی تھی۔ اسے قیس بن عمر نے گرفتار کر کے بہت ذلت کے ساتھ قتل کر دیا تھا۔ قتل کی کہانی ناقابل اعتبار ہے کیونکہ اسلام اس قسم کے ظلم و بربریت اور وحشیانہ حرکت کی اجازت نہیں دیتا۔ خاص کر عورتوں اور بچوں کے معاملہ میں درس انسانیت دیتا ہے۔ خواہ وہ مسلمانوں کے کتنی ہی مخالف ہوں حضرت زید بن حارث کامیابی کے بعد مدینہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام حالات و واقعات تفصیل سے بیان کئے۔

حضرت کرز بن جابر فہری کا سریہ جمادی الاول 6 ھ

قبائل عکل اور عرینہ کے آٹھ افراد مدینہ آکر مسلمان ہو گئے کچھ دنوں کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ ہم بیمار ہیں۔ آپؐ ہمیں کچھ اونٹ دے دیں تاکہ باہر کھلی فضا میں جا کر ان کا دودھ پئیں اور صحت یاب ہو جائیں۔ حضورؐ نے ان کو کچھ اونٹ دیئے (تین سے دس تک) اور ساتھ ہی ایک چرواہا بھی کر دیا کہ وہ ان کی خدمت کرے گا۔ انہوں نے چند دن جنگل میں آرام کیا۔ جب صحت ٹھیک ہو گئی تو حضورؐ کے غلام یسار نامی چرواہے کو قتل کر کے اور اونٹ لے کر فرار ہو گئے۔ اور اسلام سے منحرف ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے خبر ملنے پر حضرتؐ کرز بن جابر فہری کو

بیس مجاہدین کا دستہ دے کر ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مسلمانوں نے ان پر اچانک حملہ کر دیا اور گرفتار کر کے مدینہ لے آئے حضورؐ نے ان تمام کو قتل کرا دیا۔

سریہ حضرت علیؓ بنی سعد بن بکر کی طرف۔ شعبان 6 [redacted]

آنحضرتؐ نے حضرت علی کو سو مجاہدین کے ساتھ شعبان [redacted] ھ میں بنو سعد بن بکر کی طرف روانہ فرمایا۔ آپؐ کو خبر ملی تھی کہ یہ لوگ خیبر کے یہودی مدد سے لوگوں کو جمع کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے وہاں پہنچنے کی خبر سن کر [redacted] لوگ بھاگ گئے اور مسلمان ان کے پانچ سو اونٹ اور دو سو بکریوں کو ہانک کر مدینہ لے آئے۔ کوئی لڑائی نہ ہوئی۔

حضرت عمرو بن امیہ الغمری

طبری کی روایت کے مطابق عمرو بن امیہ الغمری جو ایک بہت ہوشیار، دلیر اور جرات مند صحابی تھا کو آنحضرتؐ نے ابو سفیان کے قتل کے لئے مکہ بھیجا۔ وہ اپنے ساتھ ایک انصاری مسلمان کو بھی لے گیا، جب مکہ پہنچے تو خانہ کعبہ کے طواف کے دوران عمرو بن امیہ کو کسی قریش نے دیکھ لیا اور شور مچایا کہ عمرو بن امیہ کسی خطرناک ارادے سے آیا ہے اس کو پکڑو مگر وہ بہت ذہین اور ہوشیار تھا بھاگ کر کسی پہاڑی کی گھاٹی میں چھپ گیا۔ قریش اس کی تلاش اور تعاقب میں بھاگے مگر وہ ایک غار میں چھپ گئے اور قریش آپ کو تلاش نہ کر سکے عثمان بن مالک قریش کا ایک شخص اپنے گھوڑے پر سوار ان کی غار کے سامنے آکر رکا۔ عمرو نے اپنے ساتھی سے مشورہ کر کے عثمان بن مالک کو تیز چھری سے قتل کر دیا جو اس کے پاس تھی ابن مالک کی چیخ سن کر قریش اس کی طرف بھاگے مگر عمرو اور اس کا ساتھی وہاں غار کے اندر چھپے رہے اہل مکہ عثمان بن مالک کی لاش اٹھا کر اس خیال سے چلے گے کہ عمرو اس کو قتل کر کے بھاگ گیا ہے وہ دو دن اس غار میں پڑے رہے۔ جب ان کی تلاش ختم ہوئی تو [redacted] غار سے نکلے اور تنعیم میں ان کو حضرت خبیب سولی پر لٹکے نظر آئے۔ عمرو نے اپنے ساتھی کو کہا کہ اپنا اونٹ لے کر مدینہ چلے جاؤ۔ میں خبیب کو سولی سے اتارتا ہوں۔ چنانچہ اس کا ساتھی اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ روانہ ہو گیا اور عمرو نے حضرت خبیب کی سولی کے پاس آکر اس کو نیچے اتارا اور کندھے پر اٹھا کر قریباً چالیس قدم گیا تھا کہ پہریداروں کو پتہ چل گیا۔ وہ اس کے پیچھے بھاگے۔ عمرو خبیب کی لاش وہاں ہی چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ عمرو پا پیادہ مدینہ کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اس نے ایک چرواہے کو قتل کیا اور پھر مدینہ کی طرف چل پڑا۔ جب بقیع کے مقام پر پہنچا تو وہاں اسے مکہ کے دو جاسوس ملے جو حضورؐ کے حالات معلوم کرنے کے لئے مدینہ جا رہے تھے عمرو نے ان کو شناخت کر لیا۔ ان کو گرفتار ہونے کے لئے کہا مگر انہوں نے قید ہونے سے انکار کر دیا۔ عمرو نے اس میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو قیدی بنا کر مدینہ حضورؐ کی خدمت میں لے آیا اور اپنے تمام حالات و واقعات آپ

کی خدمت میں بیان کئے۔ آنحضرتؐ تمام واقعات سن کر بہت خوش ہوئے۔ اس کی تعریف کی اور دعائے خیر کی۔

سریہ عبداللہ بن عتیق۔ رمضان 6 ھ

ابو رافع عبداللہ السلام بن ابی حقیق یہودی کو جو آنحضرتؐ کے بدترین دشمنوں میں سے تھا۔ جو غزوہ خندق میں قریش اور دیگر قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے لانے والوں میں شامل تھا کو قتل کرنے کے لئے قبیلہ خزرج کے صحابہ کو روانہ کیا جن کے نام یہ ہیں۔

۔ عبداللہ بن عتیک

۔ عبداللہ بن انیس

۔ ابو قتادہ

۔ اسود بن خزاعی اور مسعود بن منان اسلمی

ان صحابہ نے حضورؐ سے اجازت لے کر اور خیبر جا کر رات کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ رمضان 6 ھ / دسمبر 627ء کو ہوا۔ عبداللہ بن عتیک کو ان کا امیر بنایا گیا۔ چنانچہ یہ لوگ خیبر پہنچے۔

عبداللہ بن عتیک کو خیبر میں اتفاقاً گھر میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ یہ حیوانات کے اصطبل میں جا کر چھپ گیا۔ قلعہ کی چابیاں اس دیوار سے اتار لیں۔ جہاں وہ لٹکائی جاتی تھیں۔ پھر قلعہ کا دروازہ کھولا اور اسلام بن ابی حقیق ابو رافع کے بالا خانہ کی طرف گیا۔ اس کا کام تمام کیا۔ عبداللہ کی نظر کمزور تھی۔ اس لئے اترتے وقت گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی ابو رافع کے قتل سے مدینہ کی خیبر اور ہر جگہ دھاک بیٹھ گئی۔

ان صحابہ نے مدینہ آکر حضورؐ کو اطلاع کر دی۔ آپؐ سن کر بے حد خوش ہوئے اور خدا کا شکر بجا لائے۔

سریہ عبداللہ بن رواحہ بخلاف اشیر بن رزام۔ شوال 6 ھ / جنوری 627

عبداللہ بن رواحہ انصاری خزرجیؓ کی اسیر بن رزام یہودی کی طرف لشکر کشی ماہ شوال 6 ھ (جنوری) 627ء میں عمل میں آئی تھی جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ جب ابو رافع سلام بن ابی حقیق کا قتل ہو گیا تو یہودیوں نے اس کا بدلہ لینے کے لے اسیر بن رزام کو امیر لشکر مقرر کیا۔ اس نے ان کے سامنے آنحضرتؐ سے بدلہ لینے کے لئے ایک طریقہ تجویز کیا تھا جسے انہوں نے منظور کر کے اسے ہی پورا کرنے کے لئے متعین کر دیا۔ اس تجویز کا ماحصل یہ تھا کہ ■ قبیلہ غطفان کے پاس جا کر انہیں جمع کرے اور انہیں لے کر یکایک رسولؐ اللہ کے گھر کے بیچوں بیچ جا اترے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے وہ غطفان کی طرف روانہ ہوا اس کی اطلاع آنحضرتؐ کو ہوئی تو آپؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو تین اور آدمیوں کے ہمراہ ماہ رمضان میں پوشیدہ طور پر روانہ کیا۔ تاکہ ■ جا کر اس خبر کی حقیقت معلوم کریں چنانچہ ■ خیبر پہنچے اور واپس آکر آنحضرتؐ کو جو کچھ وہاں دیکھا اور سنا تھا سب سنا دیا۔

ادھر حضرت خارجہ بن حسیلؓ نے بھی حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اسیر بن رزام کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ یہود کا ایک فوجی دستہ لے کر آپؐ کی طرف آنے والا تھا یہ سن کر آنحضرتؐ نے لوگوں کو اس کے مقابلے کے لئے طلب فرمایا۔ جس پر تیس صحابہ نے اس پر آمادگی ظاہر کی۔ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو ان پر امیر مقرر فرما کر اس کی طرف روانہ فرمایا یہ لوگ اسیر کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ آنحضرتؐ نے ہمیں تمہارے پاس اس غرض سے بھیجا ہے کہ تم ان کی خدمت میں حاضر ہو۔ وہ تمہیں خیبر کا حاکم مقرر فرمانا چاہتے ہیں اور تم سے اچھا سلوک فرمائیں گے۔

اسیر بن رزام بھی تیس آدمیوں کو لے کر حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ مدینہ روانہ ہوا۔ لیکن راستے میں اسکی نیت بدل گئی اور اسنے مسلمانوں کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو اسکی بدنیتی کا علم ہو گیا اور انہوں نے یہودیوں پر حملہ کر دیا۔ خوب لڑائی ہوئی اور تمام یہودی قتل کر دیے گئے اور اسیر بن رزام بھی مارا گیا۔ مجاہدین نے مدینہ آکر تمام حالات آنحضرتؐ کی خدمت میں بیان کر دیے حضور بہت خوش ہوئے۔

معاہدہ حدیبیہ

ذیلقعدہ 6 ھ / فروری 628ء

ایم ڈی فاروقی

(6) حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے جہاں وہ کنواں واقع ہے یہ جگہ ایک متوسط درجہ کا گاؤں ہے اس کے اور مکہ کے درمیان ایک منزل کا فاصلہ ہے اور اس کے اور مدینہ کے درمیان نو منزلوں کا فاصلہ ہے۔ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں شمار ہوتا ہے۔

سفر حدیبیہ کا سبب یہ ہوا کہ ہجرت کے بعد مدینہ میں آپؐ کو چھ سال گزر چکے تھے اس طویل عرصہ میں نہ آپ مکہ جاسکے اور نا ہی عمرہ اور حج ادا فرمایا اس لئے آپؐ کو حرم کی حاضری کا شوق پیدا ہوا۔ اس لئے اس سال ماہ ذیلقعدہ 6 ھ فروری 628ء میں عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے۔ اور آپؐ نے اعلان فرما دیا کہ جو لوگ عمرہ کرنا چاہتے ہیں وہ تیار ہو جائیں۔ آپؐ کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں قریش آپؐ سے جنگ نہ چھیڑ دیں یا بیت اللہ کی زیارت سے نہ روکیں۔ بہرحال آپؐ مہاجرین، انصار اور دیگر عرب قبائل کے خواہش مند صحابہ کرام کو ہمراہ لے کر جن کی تعداد چودہ سو تھی مکہ کی طرف روانہ ہو پڑے اور اپنے 70 ستر کے قریب قربانی کے جانور اپنے ساتھ لے لئے۔

مقام ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد عمرہ کا احرام باندھا تاکہ لوگ آپؐ کی جنگ کی نیت کی طرف سے مطمئن ہو جائیں اور ان کو یقین ہو جائے کہ آپؐ صرف بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کے لئے آئے ہیں اس سفر میں آپؐ کی زوجہ محترمہ ام سلمہ آپؐ کے ہمسفر تھیں۔ آپؐ نے ابن ام مکتوم کو نمازوں کے اہتمام کا حاکم اور حضرت ابو رہم کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا۔ حضورؐ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے مسلمان صرف حفاظتی

ہتھیار یعنی تلواریں نیام میں لئے ہوئے تھے اور کوئی دیگر جنگی ہتھیار ساتھ نہ تھے۔ جب آپؐ عفان کے مقام پر پہنچے تو بشریٰ بن سفیان آپؐ سے آکر ملے اور عرض کیا کہ قریش آپؐ کی آمد کی خبر سن کر اپنا لشکر لے کر کعب بن لوی اور عامر بن لوی کے ساتھ وادی ذی طویٰ میں خیمہ زن ہو گئے ہیں اور انہوں نے حلف اٹھایا ہے کہ آپؐ کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دینگے اور خالد بن ولید اپنے سوار دستے کو لے کر کراع الغمیم کے مقام تک آپہنچے۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا "قریش پر افسوس ہے۔ جنگی جنون نے ان کو بے عقل بنا دیا ہے۔ ان کا کیا حرج تھا اگر ■ مجھے اور دوسرے عربوں کو آزاد چھوڑ دیں۔ اگر ■ مجھے ہلاک کر دیں تو ان کی منشاء پوری ہو جائے گی اور اگر خدا نے مجھے ان پر غلبہ عطا فرمایا تو وہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔" پھر آپؐ نے فرمایا کہ کوئی ہے جو ہمیں اس راستہ کے علاوہ جس پر کفار ہیں کسی دوسرے راستے سے لے چلیں۔ قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ میں لے چلتا ہوں۔ پس وہ آپؐ کو ایک ویران راستے سے لے چلا۔ آدمی کا نام حمزہ بن عمرو اسلمی تھا۔ چنانچہ مسلمان دشوار گزار راستہ سے ہوتے ہوئے وادی کے اختتام پر ہموار راستے پر پہنچ گئے۔ اور وہاں سے چل کر حدیبیہ کے کنوئیں پر آکر قیام فرمایا جب وہاں اطمینان سے بیٹھ گئے تو آپؐ کے پاس بذیل بن ورقہ خزاعی اپنے قبیلہ خزاعہ کے چند لوگوں کو ہمراہ لاکر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپؐ سے دریافت کیا کہ آپؐ کس غرض سے تشریف لائے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں جنگ کے ارادے سے نہیں آیا بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کی ادائیگی کی نیت سے آیا ہوں۔ یہ لوگ قریش کی طرف گئے اور ان سے کہا کہ اے گروہ قریش! تم محمدؐ کے متعلق جلد بازی سے کام لیتے ہو وہ جنگ کے لئے نہیں آئے بلکہ صرف زیارت بیت اللہ کے لئے آئے ہیں۔ قریش نے ان لوگوں کو برا بھلا کہا اور کہنے لگے کہ اگر وہ جنگ کے لئے نہیں آئے تو پھر بھی وہ ہمارے شہر میں بلا اجازت زبردستی کبھی داخل نہ ہو سکیں گے۔ قبیلہ خزاعہ کے لوگ حضورؐ کے راز دار اور ہمدرد تھے اور جو بات مکہ میں ہوتی تھی وہ آپؐ تک پہنچا دیتے تھے۔ پھر قریش نے بنو عامر کے بھائی مکرز بن حفص کو آپؐ کی خدمت میں بھیجا اور جب ■ حاضر ہوا تو اس کو بھی حضورؐ نے وہی بات فرمائی جو بذیل اور اس کے ساتھیوں سے کہی تھی۔ وہ واپس گیا اور قریش کو بتایا کہ محمدؐ صرف زیارت بیت اللہ کے لئے آئے ہیں۔ جنگ کے لئے نہیں آئے۔

پھر قریش نے جلیس بن علقمہ کو بھیجا جو اس وقت حبوش کا سردار تھا۔ وہ آپؐ کے کیمپ میں پہنچا اور مسلمانوں کے قربانی کے جانور دیکھے تو اس کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ صرف زیارت اور عمرہ کی ادائیگی کے لئے آئے ہیں اس نے واپس جا کر قریش کو بتایا کہ مسلمان جنگ کے ارادے سے نہیں بلکہ عمرہ ادا کرنے اور قربانی کے لئے آئے ہیں ان کو مکہ آکر زیارت اور عمرہ سے مت روکو قریش نے اس کی توہین کرنی چاہی مگر اس نے اعلان کر دیا کہ جو شخص بیت اللہ کی عظمت و احترام کی وجہ سے اس کی زیارت کے لئے آیا ہو اسے اس سے روکا نہیں جا سکتا۔ اگر آپ لوگوں نے ان کو روکا تو میں حبوش کے لشکر کو تم سے علیحدہ کر لونگا۔ اس پر قریش نے اس کو مطمئن کرنے کی

کوشش کی۔ اس کے بعد انہوں نے عروہ بن سعود ثقفی کو آنحضرتؐ کی خدمت میں پورے اختیارات دے کر بھیجا کہ وہ مصالحت کی بات چیت کرے۔ عروہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کے سامنے بیٹھا اور کہنے لگا اے محمد! آپ مختلف قبائل کے لوگوں کو جمع کر کے اپنے قبیلہ والوں کے مقابلہ میں لائے ہیں۔ تاکہ اپنے قبیلہ والوں کو ان کی مدد سے منتشر کر دیں مگر قریش نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ آپ کو ہرگز اپنے شہر میں داخل نہیں ہونے دینگے۔ یہ آپؐ کے سب ساتھی کل کو آپ کو تنہا چھوڑ کر چل دیں گے۔ حضرت ابو بکر جو پاس بیٹھے تھے یہ جملہ سن کر مشتعل ہو گئے اور عروہ کو لات کی گالی دے کر کہا کہ آنحضرتؐ کے ساتھی کسی حالت میں بھی آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ عروہ یہ بات کرتا جاتا تھا اور حضورؐ کی ریش مبارک پر ہاتھ پھیرتا جاتا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ تلوار لئے آنحضرتؐ کے سرہانے کھڑا تھا۔ وہ بار بار عروہ کو حضورؐ کی ریش مبارک پر ہاتھ پھیرنے سے منع کرتا تھا۔ عروہ نے پوچھا یہ کون ہے حضورؐ نے فرمایا یہ تمہارا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے۔

عروہ کی گفتگو ختم ہونے کے بعد حضورؐ نے اس کو بھی فرمایا کہ ہم جنگ کی نیت سے نہیں آئے بلکہ زیارت بیت اللہ اور ادائیگی عمرہ اور قربانی کے لئے آئے ہیں۔ عروہ حضورؐ سے گفتگو کرنے کے بعد قریش کے پاس پہنچا اور بتایا کہ آپؐ کے صحابہ آپ کا بے حد و حساب احترام کرتے ہیں اور حیران کن حد تک آپ کی عظمت و بزرگی کا پاس کرتے ہیں۔ عروہ نے قریش کو مشورہ دیا کہ محمد اور ان کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے اور زیارت بیت اللہ کی اجازت دے دو اور مخالفت کے ارادے سے باز آ جاؤ۔ اندیشہ ہے کہ اگر مقابلہ ہوا تو تم ان پر غلبہ نہ پا سکو گے۔ مگر قریش نے عروہ بن مسعود کی بات نہ مانی اور وہ دل برداشتہ ہو کر اپنے ساتھیوں سمیت اپنے گھر طائف چلا گیا۔ بعد میں عروہ بن سعود نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

آنحضرتؐ نے خراش بن امیہ خزاعی کو اپنا خاص اونٹ دے کر قریش کے پاس مکہ مصالحت کی بات کے لئے بھیجا مگر انہوں نے اس کے اونٹ کو مار دیا اور حبوش نے بمشکل اس کی جان بچائی۔ قریش نے چالیس پچاس آدمیوں کو مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ مگر مسلمانوں نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور حضورؐ کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ نے ان کو معاف کر کے چھوڑ دیا۔

آخر میں حضورؐ نے حضرت عثمان بن عفان کو بلا کر ابو سفیان اور معززین قریش کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں مطلع کر دیں کہ آنحضرتؐ محض زیارت اور عمرہ کے لئے آئے ہیں جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے۔ حضرت عثمان چونکہ بنو امیہ سے تھے اور ان کا قبیلہ مکہ میں سب سے طاقت ور تھا۔ حضرت عثمان مکہ میں داخل ہوئے اور آبان بن معبد بن عاص کے پاس قیام کیا اور اس نے آپ کو پناہ دی آپ ابو سفیان اور دیگر سرداران قریش سے ملے اور حضورؐ کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو کریں مگر آپ نے جواب دیا کہ

جب تک آنحضرتؑ طواف نہیں کریں گے میں بھی نہیں کرونگا۔ قریش نے آپ کو اپنے پاس روک لیا۔ مگر آنحضرتؐ کے پاس افواہ پہنچی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے ہیں۔ حضورؐ نے اعلان کر دیا کہ اگر عثمان شہید کر دئے گئے ہیں تو ہم اس قوم سے بدلہ لئے بغیر واپس نہیں جائیں گے یعنی اب ہم ان سے ضرور جنگ کریں گے۔

بیعت رضوان :۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو بیعت کے لئے بلایا یہ بیعت بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے یہ ایک درخت کے نیچے لی گئی۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ ▪ لوگوں کو بیعت کے لئے بلائیں۔ تمام صحابہ نے اس بات پر حضورؐ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی کہ ہم فتح پائیں گے یا شہید ہو جائیں گے۔ تمام صحابہ کی بیعت رضوان " موت پر بیعت تھی اور تمام موجود مسلمانوں نے یہ بیعت کی تھی ۔ حضرت عثمان کی طرف سے خود آنحضرتؐ نے ان کی طرف سے بیعت کی۔ اپنا دایاں دست مبارک بائیں دست مبارک پر رکھ کر فرمایا۔ " اے میرے خدا! یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے کیونکہ وہ تیرے اور تیرے رسولؐ کے کام میں مشغول ہیں۔" بیعت رضوان کرنے والوں کی تعداد چودہ سو تھی جب قریش کو اس بیعت کا علم ہوا تو ▪ خوف زدہ ہو گئے اور مصالحت پر آمادہ ہو گئے قریش نے سہیل بن عمرو کو آنحضرتؐ کی خدمت میں معاہدہ صلح کے لئے روانہ کیا۔ طویل گفتگو اور بحث و تمحیث کے بعد مندرجہ ذیل شرائط پر صلح حدیبیہ طے پا گئی۔

1۔ اس سال مسلمان بغیر عمرہ اور زیارت کعبتہ اللہ واپس مدینہ چلے جائیں۔

2۔ آئندہ سال مسلمان مکہ میں داخل ہو کر اور تین دن قیام کریں گے اور عمرہ و زیارت اور قربانی کریں گے۔

3۔ یہ معاہدہ صلح دس سال کے لئے ہو گا۔ اس عرصہ میں فریقین ایک دوسرے کے ساتھ جنگ نہیں کرینگے اور امن سے رہینگے اور ایک دوسرے کا بچاؤ کرینگے۔

4۔ اگر قریش کا کوئی آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر مدینہ حضرت رسولؐ اللہ کے پاس چلا جائے گا تو آپؐ اسے واپس کر دیں گے اور اگر حضورؐ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس مکہ پہنچ جائے گا تو وہ اسے واپس نہ کریں گے۔

5۔ ہمارے سینوں میں کچھ راز مخفی رہیں گے نیز فریقین میں کسی قسم کی خیانت ، دھوکہ دہی اور سرقہ نہ ہو گا۔

6۔ جو شخص محمدؐ اور اس کے معاہدہ میں داخل ہونا چاہے وہ اس میں داخل ہو سکے گا اور جو قریش کے معاہدہ میں داخل ہونا چاہے وہ بھی ہو سکے گا۔ اس کے بعد خزاعہ اٹھے اور انہوں نے محمد الرسولؐ اللہ کے معاہدہ میں شامل ہونے کا اعلان کیا اور بعد میں بنو بکر نے قریش کے معاہدہ میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔

7۔ آئندہ سال مسلمان بغیر جنگی ہتھیاروں کے یعنی صرف تلواریں نیاموں میں مکہ میں داخل ہو سکیں گے اور قریش مکہ کو تین دن خالی کر کے باہر چلے جائیں گے۔

جب معاہدہ کی تحریر لکھی جا رہی تھی تو حضرت علیؓ نے محمدؐ الرسولؐ اللہ لکھا مگر سہیل بن عمرو نے اعتراض

کیا کہ ہم آپؐ کو رسول تسلیم نہیں کرتے اس لئے محمدؐ بن عبداللہ تحریر کریں۔ حضورؐ نے حضرت علی کو ایسا ہی لکھنے کے لئے کہا مگر انہوں نے انکار کر دیا تو اس پر آپؐ نے خود رسولؐ اللہ کا لفظ مٹا دیا اور اس کی بجائے محمد بن عبداللہ تحریر کرا دیا۔ اس معاہدہ کی تمام شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف اور ان کی کمزوری پر دلالت کرتی تھیں اس لئے سوائے حضرت ابو بکرؓ کے مسلمانوں کا ایک شخص بھی معاہدہ کی ان تمام دفعات پر راضی نہ تھا۔ جن پر آنحضرتؐ نے آمادگی ظاہر فرما دی تھی۔

حضرت عمر اپنی سخت طبیعت اور جوش و جذبہ حق و صداقت کی بناء پر از حد مشتعل تھے۔ حضرت عمر پہلے حضرت ابو بکر کے پاس گئے اور اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر ان سے مخاطب ہو کر سوال کیا کہ اے ابو بکر کیا رسول اللہ اللہ کے رسول برحق نہیں؟ کیا ہم مسلمان نہیں؟ کیا یہ قریش مشرک نہیں؟ حضرت ابو بکر نے تمام سوالوں کا جواب اثبات میں دیا اور فرمایا کہ رسولؐ اللہ کی رکاب تھامے رہو یعنی اتباع کرتے رہو۔ پھر حضرت عمر رسولؐ اللہ کے پاس حاضر ہوئے۔ اور یہی سوالات وہاں دہرائے آپؐ نے بھی اثبات میں جواب دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر آپؐ قریش سے ایسی شرائط پر صلح کیوں کرتے ہیں جو مسلمانوں کے خلاف ان کی کمزوری اور پستی کو ظاہر کرتی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا "میں اللہ کا رسول اور اس کا بندہ ہوں۔ اس کے حکم کی مخالفت نہیں کرونگا۔ وہ ہرگز مجھے برباد نہیں کرے گا۔"

اس معاہدہ کا اصل نسخہ سہیل بن عمرو کے پاس رہا کیونکہ وہ اصرار کرتا تھا کہ معاہدہ کی دستاویز میرے پاس رہے گی مگر اس معاہدہ کا دوسرا نسخہ محمد بن مسلمہ نے لکھا تھا جو آنحضرتؐ کے پاس رہا۔ اس معاہدہ پر مسلمانوں کی طرف سے حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاصؓ ابو عبیدہ بن جراحؓ اور محمدؓ بن مسلمہ وغیرہ نے گواہی ثبت کی اور قریش کی طرف سے حویطبؓ اور مکرز وغیرہ نے گواہی ثبت کی۔

صلح نامہ کی تکمیل سے فارغ ہو کر آنحضرتؐ نے قربانی کے جانوروں کو ذبح فرمایا اور پھر بیٹھ کر سر مبارک منڈوایا۔ خراش بن امیہ بن فضل خزاعی نے جو حجام تھے۔ آپ کا سر مونڈا۔ جب لوگوں نے حضورؐ کو جانور ذبح کرتے اور سر منڈواتے دیکھا تو سب قربانی کرنے اور سر منڈانے لگے۔ آنحضرتؐ نے حدیبیہ میں جو قربانیاں دیں ان کی تعداد ستر تھی۔ اور گوشت مقامی غرباء میں تقسیم فرما دیا۔ حدیبیہ میں آپؐ کا قیام تقریباً بیس دن تک رہا تھا۔ جب آنحضرتؐ اپنے قافلہ سمیت مدینہ کی طرف واپس چلے تو مکہ و مدینہ کے درمیان آپؐ پر سورہ فتح نازل ہوئی۔

یہ آیت حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی اس سے فتح حدیبیہ مراد ہے اور یہ فتح فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ صلح حدیبیہ یقیناً فتح تھی۔ جب تم لوگوں نے بیعت رضوان یعنی بیعت جنگ کی تو امن و صلح پر رضا مند ہو گئے۔ حق تعالیٰ نے تمہیں ان پر فاتح و کامران بنا دیا اور تمہیں امن و سلامتی اور اجر و ثواب کے ساتھ واپس فرمایا۔ یہ عظیم فتح تھی کیا تم جنگ احد کا قصہ بھول گئے۔"

جس درخت کے نیچے بیعت کی گئی تھی اس کا نام شجرۃ الرضوان " پڑ گیا اور لوگ وہاں جا کر نمازیں پڑھنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں اس اندیشہ کی بناء پر کہ کہیں اس درخت کی تعظیم کی بدعت رواج نہ پا جائے اسے کٹوا دیا۔

جب ام کلثوم بنت عقبہ بن معیط ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو ان کے بھائی عمارہ اور ولید ان کو لینے کے لئے مدینہ آئے تو آنحضرتؐ نے انہیں مطلع کیا کہ مومن خواتین واپس نہیں کی جائیں گی۔ کیونکہ واپسی کی شرط صرف مردوں کے لئے ہے۔ عورتوں کے لئے نہیں۔ یہ خاتون مکہ میں ہی ایمان لا چکی تھیں۔ جب حضرت عتبہ بن اسید بن حارث ثقفی المعروف ابو بصیر حضورؐ کے پاس آ گیا تو قریش نے دو آدمیوں کو ان کے واپس لانے کے لئے بھیجا۔ حضورؐ نے ابو بصیر کو معاہدہ کے مطابق ان کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ مگر ابو بصیر نے ان میں سے خنیس کو راستہ میں قتل کر دیا اور دوسرا آدمی بھاگ کر مدینہ آیا ساتھ ہی ابو بصیر بھی پہنچ گیا۔ اس نے عرض کیا کہ آپؐ نے معاہدہ کے مطابق مجھے واپس کر دیا تھا۔ اب آپؐ سے قریش کا کوئی مطالبہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ابو بصیر مکہ جانے کی بجائے سمندر بحر احمر کے ساحل پر شام کے راستہ پر جا بیٹھا اور قریش کے قافلوں پر حملہ کرنے لگا۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت سے مکہ کے مسلمان ابو جندل سمیت جا کر مل گئے تھے۔ ابو جندل اپنے ساتھ مکہ کے ستر مسلمانوں کو لے کر ابو بصیر سے جا ملا۔ ان کے ساتھ دیگر قبائل کے نو مسلم نوجوان بھی ملتے گئے اور ان کی تعداد تین سو جنگجو جوانوں تک پہنچ گئی انہوں نے قریش کے قافلوں کا راستہ بند کر دیا۔ یہاں تک کہ قریش نے تنگ آ کر حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم معاہدہ کی اس شرط کو ختم کرتے ہیں۔ آپؐ ان لوگوں کو اپنے ہی پاس بلا لیں۔ چنانچہ آپ نے پیغام بھیج کر ابو جندل، ابو بصیر اور دیگر مسلمانوں کو اپنے پاس بلا لیا اور حکم دے دیا کہ اس راستے سے قریش یا کسی اور کے قافلہ سے تعرض نہ کیا جائے۔ چنانچہ قریش کے قافلے امن و سلامتی سے گزرنے لگے۔

صلح حدیبیہ۔ فتح عظیم تھی

صلح حدیبیہ کے فوائد سے آنحضرت پہلے سے واقف تھے مگر یہ فوائد نہ صرف کفار قریش بلکہ صحابہ کرام کی نظروں سے بھی مخفی تھے۔ مشرکین مکہ صلح سے پہلے مسلمانوں سے اختلاط نہیں رکھتے تھے وہ نہ حضورؐ سے ملتے اور نا ہی مسلمانوں سے میل جول ہوتا جو انہیں تفصیل سے اسلامی تعلیم اور امن کے مطابق نظریہ حیات کے متعلق کچھ بتاتے صلح کے بعد وہ مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے۔ وہ مدینہ آتے مسلمان مکہ جاتے اور اپنے اعزا۔ واقربا۔ واحباب اور دوسرے لوگوں سے ملتے۔ وہ مسلمانوں سے اچھی باتیں اور دین اسلام کے متعلق واقفیت حاصل کرتے۔ آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات ان کی سیرت و کردار حسن اخلاق اور اوصاف سنتے اور ان کو آپؐ کی عملی زندگی دیکھنے کا موقع ملتا۔ نتیجہ یہ کہ ان کے دل اسلام کی طرف راغب ہونے لگے اور بہت سے لوگ فتح مکہ سے قبل ہی اسلام قبول کر

چکے تھے چنانچہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان بہت سے کفار مکہ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے جیسے خالد بن ولید، عمرو بن عاص اور عثمان بن طلحہ وغیرہ اور جو ایمان نہ لائے ان کا رجحان بھی اسلام کی طرف بڑھنے لگا ان میں پہلا سا تعصب اور عناد نہ رہا۔ اور بالآخر فتح مکہ کے دن بقایا تمام قریش مکہ بھی اسلام لے آئے۔ یہ سب کچھ صلح حدیبیہ کی وجہ سے ہوا۔

3۔ جنگ بندی کی وجہ سے مسلمانوں کو بغیر کسی رکاوٹ کے تمام جزیرۃ العرب میں اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کا موقع حاصل ہو گیا۔ اور صحابہ کرام والہانہ محبت، خلوص کے ساتھ اپنے عقیدہ پر مضبوطی سے چلتے رہے۔ جس کی وجہ سے اس میل ملاپ سے مسلمان قریش میں ضم نہ ہوسکے اور ان کی علیحدہ ہستی قائم رہی۔

4۔ آئندہ سال آنحضرتؐ کے ساتھ فریضہ حج کی ادائیگی میں مسلمانوں کو زیارت و عمرہ وغیرہ کی ادائیگی تین دن تک پورے امن و سکون کے ساتھ ادا کرنے کا موقع مل گیا اور مسلمانو کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے وقت مسلمانوں کی تعداد چودہ سو تھی مگر صرف دو سال بعد فتح مکہ کے وقت بڑھ کر دس ہزار ہو گئی۔

5۔ صلح حدیبیہ سے مسلمانوں کو قریش پر زبردست سیاسی کامیابی حاصل ہوئی ان کی مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت کو شدید نقصان پہنچا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو مسلمانوں کے لئے فتح عظیم قرار دیا۔

6۔ جب کفار قریش جنگ کی طرف سے مطمئن ہو گئے تو مسلمان سے گھل مل گئے اور ان پر نہ صرف اسلام کی حق و صداقت بلکہ مسلمانوں کی سیرت و کردار اور اعلیٰ اخلاق کا بہت اچھا اثر پڑا اور وہ اسلام لے آئے۔

7۔ چونکہ یہ واقعہ اسلام کی تعلیم اور مزاج کے عین مطابق تھا جس کی توقع اسلام سے بنی نوع انسان کو ہے اس لئے اس واقعہ کو اسلام کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسلام صلح و آشتی اور امن و سلامتی کا درس دیتا ہے اور اسی معاہدہ کے مطابق ایک شدید دشمن سے صلح کی گئی۔

8۔ اسلام کا بنیادی مقصد خدا کے بندوں کے درمیان مساوات و اخوت کے تعلقات پیدا کرنا اور ان تک خدا کا پیغام یعنی دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرنا ہے اس معاہدے کا پہلا اور شاندار نتیجہ یہ ہوا کہ دس سال کے لئے جنگ بند ہو گئی۔ امن و آمان اور سکون کی فضا قائم ہو گئی اور فریقین کو جو ہر وقت جنگ کا خدشہ لگا رہتا تھا اس سے نجات حاصل ہوئی۔ مسلمان آزادانہ مکہ جانے لگے اور کفار اور مسلمانوں کے درمیان جو قریبی رشتہ دار اور ہم قبیلہ تھے میل ملاپ شروع ہو گیا اور اسلام کی تعلیم و تربیت کا موقع مل گیا۔

9۔ قریش کے ساتھ محاذ آرائی ختم ہونے اور امن و آمان قائم ہونے سے راستے پر امن اور سفر آسان ہو گیا۔ اس لئے حضورؐ نے مختلف ممالک کے بادشاہوں بڑے بڑے قبائل کے سرداروں اور حکمرانوں کو دعوتی پیغامات اور خطوط کے ذریعے اسلام کی دعوت دی اور اس طرح اسلام کا پیغام تمام دنیا میں پہنچانے کے مواقع حاصل ہو گئے۔

10۔ دس سال تک کوئی بھی ایک دوسرے کے خلاف خفیہ یا اعلانیہ جنگی کاروائی نہیں کرے گا۔ ہر شخص محفوظ

مامون ہو گا۔ اور ہر شخص کو ہر جگہ اور ہر وقت آنے جانے کی آزادی حاصل ہو گی اس سے دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے دروازے کھل گئے۔

11۔ اب تک قریش اور عرب قبائل حضورؐ اور مسلمانوں کو سابقہ دین اور ملک و ملت کے خلاف فتنہ انگیز اور بلاوجہ فساد پیدا کرنے والی جماعت قرار دے رہے تھے جنہوں نے ان کے قبیلہ میں انتشار اور ملک کے خلاف علم بغاوت بلند کر رکھا ہے لیکن اس معاہدہ کے مطابق مسلمانوں کو ایک باوقار آزاد اور خود مختار جماعت اور مذہب تسلیم کر لیا گیا۔ سیاست کی زبان میں مسلمانوں کی مملکت مدینہ کو تسلیم کر لیا اور حضورؐ کو اس مملکت مدینہ کا با اختیار سربراہ مملکت قبول کر لیا۔

12۔ قریش چھ سال سے مسلمانوں کو بیت اللہ کی زیارت، حج و عمرہ سے محروم رکھتے چلے آرہے تھے اب انہوں نے مسلمانوں کو بھی ملت ابراہیمی کا پیرو مان لیا اور بیت اللہ کی زیارت اور حج و عمرہ کا حق تسلیم کر لیا اور ان کو اپنا دین رکھنے والی جماعت تسلیم کر لیا۔

13۔ مسلمانوں کو جنگ بندی اور امن و سکون سے مختلف قبائل اور اہل مکہ کے درمیان باہمی میل جول اور آمد و رفت اور میل ملاپ کی آزادی حاصل ہو گئی اب مسلمانوں کو حق حاصل ہو گیا کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت کر سکتے تھے ان کو نہ صرف اپنے عقیدہ کی آزادی حاصل ہو گئی بلکہ اس عقیدہ کی دعوت و تبلیغ کا حق بھی حاصل ہو گیا جو ان کا بنیادی مطالبہ اور مقصد عظیم تھا۔ اس آزادی کا یہ نتیجہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے قبل انیس سال میں چودہ سو مسلمان عمرہ کے لئے آسکے۔ لیکن حدیبیہ سے فتح مکہ تک دس ہزار مسلمان عمرہ کے لئے آئے اور اس کے ایک سال بعد حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان مکہ میں حضورؐ کے ساتھ پہنچے یہ عظیم الشان کامیابی اور دین کی ترقی اس آزادی تبلیغ و اشاعت اسلام کی برکت تھی جو معاہدہ حدیبیہ کی بدولت حاصل ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ کی سیاسی بصیرت اور تدبر و فراست کا اندازہ لگائیں کہ جس معاہدہ کو مسلمان اپنے وقار اور انصاف کے خلاف سمجھ کر غم و غصہ کا اظہار کر رہے تھے وہی معاہدہ فتح عظیم ثابت ہوا اور اسلام کی شان و شوکت اور عروج و غلبہ کے لئے سنگ میل ثابت ہوا اور اسلام کے انقلاب انگیز نئے دور کا آغاز ہو گیا۔

14۔ قریش سے صلح کے بعد جنوب کی طرف سے اطمینان ہو گیا اب مسلمانوں کی تمام تر توجہ شمالی عرب اور وسطی عرب کی تمام مخالف طاقتوں کی طرف مبذول ہو گئی۔ حدیبیہ کے تین ہی ماہ بعد یہود کا سب سے بڑا گڑھ خیبر اس کے بعد فدک وادی القریٰ، تیماء وغیرہ پر مسلمانوں کا تسلط قائم ہو گیا اور وہاں اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ وسط عرب کے تمام قبیلے ایک ایک کر کے مسلمان ہو گئے۔

15۔ مسلمان اس حقیقت کا اظہار کرنا چاہتے تھے کہ بیت اللہ کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں کس قدر جذبہ تکریم و تعظیم ہے وہ خانہ خدا کی کتنی حرمت و عظمت اور تعظیم و تکریم، سچائی اور صداقت کے ساتھ کرتے

ہیں۔

16۔ مسلمانوں کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ قریش اور دیگر عرب قبائل جو حج کے موقعہ پر آتے ہیں بہ چشم خود مسلمانوں کی قوت و طاقت کا نظارہ کر لیں اور ان کے نظم و نسق ، اطاعت رسول اور دعوت تبلیغ سے ان کا تعلق خاطر، دلی لگاؤ اور جوش و جذبہ کا بخوبی اندازہ کر لیں۔

17۔ عفان کے قریب جب حضورؐ کو قریش کا لشکر آتا ہوا دکھائی دیا تو آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ شارع عام کو چھوڑ کر غیر معروف اور دشوار گزار راستہ سے مکہ کی طرف سفر جاری رکھا جائے ۔چنانچہ اس مشکل اور صعوبت ناک راستہ سے گزار کر مسلمان حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے جو مکہ سے نو میل کے فاصلے پر شمال کی جانب حرم مکہ میں شامل ہے یہ سب اس لئے کیا گیا کہ حضورؐ ہر صورت جنگ و قتال سے بچنا چاہتے تھے ۔ قریش کے بعض گرم مزاج نوجوانوں نے مسلمانوں کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ پتھر اور تیر برسائے مگر مسلمانوں نے ان سب کو گرفتار کر کے حضورؐ کے سامنے پیش کر دیا جن کی تعداد چالیس پچاس کے قریب تھی مگر آپؐ نے خیر سگالی کے جذبہ کے تحت ان سب کو رہا کر دیا۔

18۔ حضورؐ اپنے اہم ترین مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو گئے۔ مدینہ سے روانگی کے وقت آپؐ کا اولین مقصد یہ تھا کہ قریش سے کسی حال میں بھی جنگ نہیں کریں گے بلکہ صلح صفائی کی ہر ممکن کوشش کریں گے مدینہ ہجرت کے وقت سے آپ کی یہ مسلسل کوشش اور خواہش تھی کہ قریش کے ساتھ صلح ہو جائے مسلمانوں کو مکہ آنے جانے کی آزادی حاصل ہو جائے۔ اپنے عزیز و اقارب سے میل ملاقات شروع ہو جائے ۔ بیت اللہ کی زیارت ، طواف اور حج و عمرے کا حق مل جائے اور مکہ میں تبلیغ اسلام کی آزادی مل جائے چنانچہ یہ تمام مقاصد حاصل ہو گئے۔
رسولؐ اللہ قریش کے ساتھ مفاہمت اور صلح و امن کے معاہدے کے از حد خواہش مند تھے کیونکہ اس میں آئندہ مسلمانوں کے عروج اور اسلام کے پھیلنے کا راز مضمر تھا۔ آپؐ اپنا یہ اٹل فیصلہ طے کر چکے تھے کہ قریش سے ہر حال اور ہر شرط پر صلح کرنی ہے اس وجہ سے آپؐ نے معاہدہ صلح حدیبیہ سے قبل اپنے قریبی صحابہ کبار سے بھی مشورہ نہ کیا تھا اسی وجہ سے سوائے حضرت ابو بکر کے تمام صحابہ اس معاہدے سے ناخوش تھے۔

19۔ معاہدہ صلح حدیبیہ کے فوراً بعد قبیلہ خزاعہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کر لیا اور مسلمانوں کو عوامی طور پر ایک طاقتور قبیلہ کی حمایت حاصل ہو گئی جو مکہ میں قریش کے بالکل قریب آباد تھا۔ اس قبیلہ کا خاندان بنو ہاشم کے ساتھ جناب عبدالمطلب کے وقت سے حلیف تھے اور معاہدہ دوستی ہو چکا تھا جسے زبیر بن عبدالمطلب نے بھی قائم رکھا تھا۔

20۔ معاہدہ صلح حدیبیہ نے خیبر کے یہودیوں کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ ▪ امید لگائے بیٹھے تھے کہ اگر مسلمانوں نے ان کے خلاف کوئی اقدام کیا تو وہ قریش مکہ سے امداد حاصل کریں گے۔ اب قریش کی طرف سے ان

کی امداد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے [redacted] بے حد مایوس اور بددل ہوئے۔

21۔ صلح حدیبیہ سے مسلمان مدینہ کے جنوبی علاقوں کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گئے حالانکہ یہی علاقے تھے جہاں طاقت ور اور مہذب شہری قبیلے آباد تھے۔ مکہ اور طائف وغیرہ جن کا باقاعدہ معاشی، معاشرتی اور سیاسی نظام قائم تھا۔ مدینہ کے شمال میں سوائے خیبر کے یہودیوں کے تمام اجڈ اور غیر مہذب بدوی قبائل آباد تھے جن کا پیشہ غارتگری تھا۔

لہٰذا جنوب کی طرف سے اپنے آپ کو محفوظ کر لینے کے بعد آپ نے شمال اور شمال مغرب کا رخ کیا اور جلد ہی خیبر سمیت تمام علاقے زیر نگیں آ گئے اور ان علاقوں میں اسلام بڑی سرعت سے پھیلنے لگا۔

22۔ مدینہ پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ "اسلام کے غلبہ کے لئے کوئی چیز بھی اتنی فائدہ مند ثابت نہیں ہوئی جتنی صلح حدیبیہ ثابت ہوئی۔" اور اللہ نے اس کو فتح عظیم قرار دیا۔

23۔ یہ حرمت والا مہینہ تھا۔ اس مہینے میں جو قافلہ بھی احرام باندھ کر مکہ آئے اس کو روکنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ مسلمانوں کے قافلہ کو روکنے کے یہ معنی تھے کہ قریش خدمت گزار کعبہ نہ رہے بلکہ کعبہ کے مالک بن بیٹھے جن کو چاہیں حج و عمرہ سے روک دیں۔

ذوالحلیفہ پہنچ کر حضورؐ اور تمام مسلمانوں نے احرام باندھے سخت دشوار گزار راستہ صحابہؓ نے بڑی جرات و ہمت اور مشقت برداشت کر کے طے کیا۔

عروہ بن مسعود ثقفی صحابہ کی والہانہ عقیدت اور شدت احترام سے سخت متاثر ہو کر قریش سے کہنے لگا۔ "میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کی مقبولیت اور عزت اس کی قوم میں ایسی نہیں دیکھی جو عزت محمدؐ کی ان اصحاب کے دلوں میں ہے۔ جب بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے جب کوئی حکم کرتے ہیں تو تعمیل کے لئے ایک آدمی دوسرے پر سبقت حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

معاہدہ حدیبیہ کی تکمیل کے وقت جب کہ معاہدہ ابھی ضبط تحریر میں نہیں لایا گیا تھا۔ ابو جندل بن سہیل پابہ زنجیر قریش مکہ سے بھاگ کر حضورؐ کے پاس پہنچ گیا۔ سہیل بن عمرو نے حضورؐ سے مطالبہ کیا کہ میرے بیٹے ابو جندل کو مکہ جانے کا حکم دیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ابھی معاہدہ تحریر نہیں ہوا۔ مگر اس نے اصرار کیا کہ معاہدہ طے پا چکا ہے لہٰذا اس کی اس شرط کے مطابق کہ اگر مکہ سے کوئی شخص مدینہ مسلمانوں کے پاس پہنچے تو اسے قریش مکہ کو واپس کرنا پڑے گا۔ چنانچہ حضورؐ نے ابو جندل سے فرمایا کہ تم قریش مکہ کے ساتھ چلے جاؤ ہم معاہدہ کر چکے ہیں اور اس کے پابند ہیں جب وہ چیخ و پکار کرتا ہوا قریش کے ساتھ واپس ہوا تو حضورؐ نے فرمایا "ابو جندل صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری رہائی کی صورت پیدا کرے گا۔" حضرت عمرؓ ابو جندل کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ "صبر و تحمل سے کام لو۔"

7 ھ 629ء کے حالات و واقعات

خیبر اور غزوہ خیبر کے متعلق غلط فہمی

خیبر کے متعلق عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ [redacted] ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس کا ایک ہی دروازہ تھا اور قوم یہود اس قلعہ کے اندر رہتی تھی۔ ان کا ایک سردار مرحب نامی بڑا جنگجو اور رستم خیبر تھا۔ آنحضرتؐ نے خیبر پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ کئی روز جنگ جاری رہی۔ قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ آخر حضورؐ نے حضرت علی کو اس پر حملہ کا حکم دیا تو آپ خیبر کے دروازے کو اکھاڑ کر اس کے اندر داخل ہو گئے۔ یہود کا قتل عام کیا۔ مرحب کو میدان مقابلہ میں قتل کر دیا اور قلعہ پر قبضہ کر لیا اسی طرح حضرت علی فاتح خیبر قرار پائے۔

یہ افسانہ اسلام دشمن لوگوں کی اختراع ہے جس میں کوئی صداقت نہیں۔ یہ محض آنحضرتؐ اور شیر دل مجاہدین اسلام کے عظیم کارناموں کی اہمیت و عظمت پر پردہ ڈالنے کی مذموم کوشش ہے۔ حالانکہ فتح خیبر آنحضرتؐ اور سولہ سو صحابہ کرام کا تاریخی کارنامہ ہے۔ جو دو ماہ کی طویل جنگ کے بعد ان کی بے مثال عسکری حکمت عملی، عزم و ہمت، بے پناہ شجاعت و بہادری اور ایثار و قربانی کا نتیجہ تھا۔ جس میں اکیانوے (۹۱) یہودی مارے گئے اور سترہ (۱۷) مسلمان مجاہدین نے جام شہادت نوش فرمایا۔

تاریخ اسلام کے بلند پایہ مورخین ابن اسحٰق ابن ہشام، علامہ ابن جریر طبری، ابن سعد، علامہ ابن خلدون علامہ ابن کثیر اور ممتاز متاخرین کے مطابق غزوہ خیبر کے حقائق و واقعات حسب ذیل ہیں۔

خیبر مدینہ کے شمال میں بجانب شام تقریباً [redacted] میل کے فاصلے پر قوم یہود کی ایک بہت بڑی آبادی وادی خیبر تھی جو نہایت زرخیز نخلستان تھا اور عرب میں یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ خیبر کی یہ آبادی بہت سے قلعوں پر مشتمل تھی اور یہ لوگ ان قلعوں میں اپنے گھروں میں رہتے تھے جو ان کے ملکیتی کھجور کے باغات اور گندم کے کھیتوں کے درمیان بنے ہوئے تھے یہاں کے باشندے کسی ایک جگہ اجتماعی طور پر آباد نہیں تھے بلکہ اپنے اپنے قلعوں میں آباد تھے۔ خیبر ایک وسیع ریگستانی شاداب علاقہ ہے کیونکہ یہاں پانی بکثرت دستیاب ہے اور زمین زرخیز ہے وہاں کھجور کے بے شمار باغات تھے اور زراعت خاص طور پر گیہوں اور جو وغیرہ کی کاشت ہوتی تھی، خیبر نجد و

حجاز کے شہروں مکہ، یثرب اور طائف کی طرح ایک مشہور اور مالدار بستی تھی یہاں کے لوگوں کا پیشہ تجارت، سود خوری اور زراعت تھا۔ یہ لوگ بڑے بہادر اور جنگجو مگر دیگر یہود کی طرح مکار اور بدعہد تھے۔ یہود خیبر کے دس ہزار جنگجو سپاہی ان قلعوں میں اپنے شہر کے دفاع کے لئے ہر قسم کے مروجہ اسلحہ سے لیس تیار کھڑے تھے ان کے علاوہ قبیلہ غطفان کے چھ ہزار جنگجو سپاہی عینیہ بن حصن فزاری کے زیر قیادت ان کی امداد کے لئے تیار تھے۔

خیبر دس قلعوں کے مجموعہ کا نام تھا۔ جن میں دس ہزار جنگی سپاہی موجود تھے۔ پھر یہ قلعے تین حلقوں میں واقع تھے۔

(الف) حلقہ نطاۃ: اس میں چار قلعے تھے۔ ناعم، نطاۃ، صعب ابن معاذ، قلعہ الزبیر۔

(ب) اس میں تین قلعے تھے حصن شق، حصن البر، حصن ابی۔

(ج) حلقہ کتیبہ۔ اس میں بھی تین قلعے تھے۔

القموص، وطیح، سلام

"حیات محمدؐ۔ صفحہ ۴۸۴، مصنف۔ محمد حسین ہیکل

نامور محقق و مصنف بریگیڈیئر گلزار احمد صاحب نے غزوات رسولؐ اللہ حصہ ہفتم۔ فتح خیبر کے صفحات ۲۱۸، ۲۱۹ پر وادی خیبر کے قلعوں کی حسب ذیل تفصیل بیان کی ہے۔ جن کی تعداد سترہ ہے۔ جس کی فہرست حسب ذیل ہے۔

۱۔ حصن الناعم۔ ابن ہشام، طبری، واقدی۔

۲۔ حصن القموص۔ ابن اسحاق، طبری، محمد احمد باشمیل

۳۔ حصن الوطیح۔ ابن ہشام، طبری۔

۴۔ حصن السلام۔ ابن ہشام، طبری۔

۵۔ حصن الصعب۔ واقدی، حمید اللہ خان۔

۶۔ حصن النطاۃ۔ مقریزی، واقدی

۷۔ حصن الزبیر۔ محمد احمد باشمیل، واقدی

۸۔ حصن الشق۔ مقریزی، واقدی، ابن ہشام

۹۔ حصن ابی۔ باسلام، واقدی۔

۱۰۔ حصن المنازل۔ باسلام

۱۱۔ حصن النعیم۔ واقدی، ابن اسحاق

۱۲۔ حصن السمران یا سموان ۔ واقدی

۱۳۔ حصن النطار ۔ واقدی حمید اللہ خان

۱۴۔ حصن الکتیبہ ۔ واقدی

۱۵۔ حصن القصلوہ ۔ ابو الکلام آزاد

۱۶۔ حصن المریطہ ۔ ابو الکلام آزاد

۱۷۔ حصن الوجوہ ۔ محمد حمید اللہ خان

خیبر کی یہ زرخیز وادی یہودیوں کے قبضے میں تھی اور ▪ اس کی زرعی پیداوار، تجارت اور سود خوری کی وجہ سے بڑی عیش و آرام کی زندگی گزارتے تھے ۔ اور اپنی ہر بستی، گاؤں اور قلعوں کو پتھروں سے تعمیر کیا ہوا تھا۔ تاکہ وہ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رہ سکیں۔

خیبر قلعے کو کہتے ہیں اس لئے خیبر کا نام ان تمام قلعوں اور وادی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مدینہ سے خیبر کا فاصلہ اسی اور نوے میل کے درمیان بیان کیا گیا ہے ۔ خیبر کی وادی مدینہ کے شمال میں واقع ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر قلعے تعمیر کئے گئے ہیں۔ جن کا ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ قائم تھا۔

مختلف مورخین نے وادی خیبر کے قلعوں کی تعداد مختلف بتائی ہے ۔ علامہ شبلی نعمانی چھ قلعے بیان کرتے ہیں اور لشکر یہود کی تعداد بیس ہزار لکھتے ہیں۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے آٹھ قلعے بیان کئے ہیں۔ محمد حسین ہیکل نے قلعوں کی تعداد دس اور شاہ بلیغ الدین نے سات بتائی ہے ۔ فن حرب کے ماہر بریگیڈیئر گلزار احمد کی تحقیق کے مطابق یہ تعداد سترہ ہے بلکہ زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ خیبر کے مرکزی قلعے تین تھے جن میں سے ہر ایک کے تحت ذیلی قلعے تھے۔

جنگ خیبر کی وجوہات

۱۔ بنو قریظہ کے ساتھ جب حیؑ بن اخطب جو یہود خیبر کا سردار تھا آنحضرتؐ کے حکم پر مدینہ میں قتل کر دیا گیا تو یہودیوں نے ابو رافع بن سلام بن ابی حقیق کو اپنا سردار منتخب کر لیا۔ ابو رافع نے قبیلہ بنو غطفان اور ارد گرد کے دیگر قبائل کو مملکت مدینہ کے خلاف آمادہ کر لیا۔ آنحضرتؐ کو اس کی تیاری کا علم ہوا تو آپ کے ارشاد پر عبداللہ بن عتیک نے خیبر جا کر ابو رافع بن سلام کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے ابو رافع کی جگہ اسیر بن رزام کو اپنا سردار منتخب کر لیا جب وہ بھی قبیلہ بنو غطفان وغیرہ کے ساتھ متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا تو حضورؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ چند صحابہ کو خیبر بھیج کر اس کو بھی قتل کرا دیا۔

اب یہودیوں نے کنانہ بن ربیع کو اپنا سردار منتخب کر لیا اس نے بھی بنو غطفان سے معاہدہ کر کے کہ ▪ بنو

غطفان کو خیبر کی سالانہ فصل کا نصف حصہ ادا کرے گا۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اب یہود خیبر کا دس ہزار جنگجو سپاہیوں کا مسلح لشکر اور بنو غطفان کے چھ ہزار جنگجو یعنی سولہ ہزار کا لشکر جرار مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ آنحضرتؐ کا شعبہ استخبار یعنی خفیہ معلومات حاصل کرنے والا محکمہ آپؐ کو ان کی تیاریوں اور منصوبہ بندی کی پوری پوری اطلاعات بہم پہنچا رہا تھا اور حضورؐ ان کی تمام شرارتوں ، سازشوں اور تیاریوں سے پوری طرح واقف تھے ۔ لہذا آپؐ نے قبل اس کے کہ مدینہ پر احزاب کی طرح حملہ کریں خود ان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

2۔ غزوہ خندق کی وجہ سے مملکت مدینہ اور یہود خیبر "بحالت جنگ" میں تھے ۔ کیونکہ وہ نامکمل جنگ تھی اور یہودی غطفان ۔ قریش کے ساتھ ہی محاصرہ اٹھا کر واپس چلے گئے تھے۔ اس کے بعد قریش کے ساتھ تو صلح حدیبیہ کی وجہ سے دس سال کے لئے صلح ہو گئی تھی مگر ان دونوں کے ساتھ "حالت جنگ" جاری تھی ۔ آنحضرتؐ نے ایک دور اندیش سیاسی مدبر کی طرح جنوب کی طرف یعنی قریش مکہ سے مطمئن ہو کر شمال کی طرف اپنے شدید دشمن یہود کی مستقل سازشوں اور مخالفتوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے یہود خیبر کے استیصال کا فیصلہ کر لیا کیونکہ قریش کے ساتھ صلح کی وجہ سے ایک موقع مل گیا تھا کہ یہود کو جزیرہ نمائے عرب سے خارج کر دیا جائے۔

3۔ چونکہ یہود مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے اور خطرہ تھا کہ اب قریش سے مایوس ہو کر وہ قیصر روم یا کسریٰ ایران کو مسلمانوں کے خلاف حملہ کے لئے تیار کر لیں گے ۔ مصر کا نامور مورخ محمد حسین ہیکل رقمطراز ہے کہ "یہودیوں کی طرف سے ہر وقت خطرہ تھا کہ ہرقل شاہ روم یا کسریٰ شاہ ایران خیبر کے ان یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیں۔ حالانکہ ہمارے خیال میں یہودیوں کی جانب سے ہرقل اور کسریٰ کو مسلمانوں کے خلاف اقدام کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش ہو رہی تھیں"۔

4۔ یہود خیبر تمام عرب میں اپنی قوم میں سب سے زیادہ مالدار طاقتور اور فنون جنگ میں ماہر تھے ۔ ان کے پاس اسلحہ بھی سب سے زیادہ تھا۔ وہ بڑے منظم ، سازشی اور مکار تھے۔

لہذا وہ مسلمانوں کے لئے مستقل خطرہ تھے اور ان کا استیصال کئے بغیر اسلام تمام عرب پر غالب نہیں آ سکتا تھا اور نا ہی اسلام کو تبلیغ و اشاعت کے لئے پر امن حالات پیدا ہو سکتے تھے ۔ کیونکہ اس سے قبل وہ مملکت مدینہ کے خلاف سیاسی و عسکری مہمات میں سرگرم حصہ لے چکے تھے مکہ جا کر قریش کو اشتعال دلایا۔ غزوہ خندق کے موقع پر حی بن اخطب نے بنو قریظہ کو غداری پر آمادہ کیا اور کعب بن اسد کو کہا کہ میں تمہارے لئے پورے عرب کو جمع کر کے لے آیا ہوں اور اسی طرح دیگر جارحانہ کاروائیوں کا ارتکاب کرتے رہے ۔ لہذا ان کی فطرت اور اسلام دشمنی کے شدید جذبات کی وجہ سے ان کے مکمل خاتمہ کے بغیر مسلمان امن و سلامتی سے تبلیغ و اشاعت کا پروگرام جاری نہیں رکھ سکتے تھے جس مقصد عظیم کے لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مبعوث فرمایا تھا۔

5۔ صلح حدیبیہ سے واپسی کے دوران جن مجاہدین نے بیعت رضوان میں ببول کے درخت کے نیچے آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی ان کے لئے شاندار فتح کی بشارت آنحضرتؐ کو بذریعہ وحی مل چکی تھی حضورؐ کو یقین تھا کہ یہ شاندار فتح خیبر ہی ہو سکتی ہے اس لئے آپؐ نے صلح حدیبیہ سے واپسی کے بعد ایک ماہ مدینہ میں قیام فرمایا اور آپؐ نے غزوہ خیبر کے لئے روانگی کا اعلان فرما دیا چونکہ یہ فتح ببول کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں کے لئے تھی اس لئے آپؐ نے حکم دیا کہ اس میں وہی مجاہدین شامل ہونگے جو صلح حدیبہ کے وقت لشکر اسلام میں موجود تھے۔ آپ نے یہ بھی فرما دیا کہ اس غزوہ میں صرف وہی مسلمان شامل ہوں جو صرف جذبہ جہاد سے سرشار ہوں مال غنیمت کا لالچ نہ ہو۔

لہٰذا آنحضرتؐ کا ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو فتح خیبر کی خوشخبری سنا دی ہے اور وادی خیبر کا ذرخیز علاقہ اب مسلمانوں کا مقدر بن چکا ہے۔

اسی طرح سورہ فتح کی بشارت کی وجہ سے ہر مسلمان کے دل میں نصرت خداوندی کا یقین تھا اور غزوہ خیبر میں سولہ سو مجاہدین کا سولہ ہزار یہود و مشرکین پر غالب آجانا اسی قوت ایمانی، جذبہ جہاد اور شوق شہادت کا نتیجہ تھا۔

غزوہ خیبر محرم 7 ھ

غزوہ خیبر کے واقعات

حدیبیہ سے واپسی کے ایک ماہ بعد خیبر پر لشکر کشی کا فیصلہ کر لیا گیا اور زیادہ تر وہ مجاہدین ساتھ لئے جو حدیبیہ میں بیعت رضوان میں شامل تھے۔ اور اعلان فرما دیا کہ صرف وہی لوگ اس غزوہ میں شامل ہوں جو صرف جذبہ جہاد سے سرشار ہوں مال غنیمت کا لالچ نہ ہو۔ مجاہدین کی تعداد سولہ سو تھی جن میں دو سو گھوڑ سوار بھی تھے آپؐ کی ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ آپؐ کی ہم سفر تھیں۔ حدیبیہ میں بھی آپ ہی حضورؐ کے ساتھ تھیں۔ اس غزوہ میں اور خواتین بھی مجاہدین کی طبی امداد، پانی پلانے اور تیر اکٹھے کرنے وغیرہ کی خدمات کے لئے ہمراہ تھیں۔ حضورؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بھی ان مجاہدہ مستورات میں شامل تھیں۔ آپؐ نے مدینہ پر حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کو اپنا جانشین نائب مقرر فرمایا۔

آنحضرتؐ کی زیر قیادت مجاہدین اسلام کا لشکر جرار محرم 7 ھ میں مدینہ سے خیبر کی طرف روانہ ہوا۔ مجاہدین اسلام مدینہ سے چل کر تیسرے روز نماز مغرب کے بعد خیبر میں پہنچے اور الرجیع کے مقام پر معسکر قائم کیا جو خیبر اور بنو غطفان کے علاقے کے درمیان تھا۔ مقصد یہ تھا کہ آپؐ غطفان اور خیبر کے درمیان حائل ہو جائیں تاکہ غطفان جو یہود خیبر کے حلیف تھے ان کی امداد نہ کر سکیں۔ بنو غطفان کے علاوہ یہود خیبر نے وادی القریٰ اور تیماء

کے یہودیوں کے ساتھ بھی مسلمانوں کے خلاف امداد کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ خیبر پر مسلمانوں کے حملہ کی خبر بجلی کی طرح تمام عرب میں پھیل گئی اور تمام عرب قبائل خصوصاً قریش مکہ بڑی دلچسپی کے ساتھ نتیجہ کے منتظر تھے ۔ اور مختلف قسم کے اندازے لگا رہے تھے ۔ بہرحال ان کو یقین تھا کہ خیبر کے یہود اپنی بہادری ، اسلحہ کی فراہمی ، قلعوں کی مضبوطی اور دس ہزار جنگجو سپاہیوں کے علاوہ بنو غطفان اور وادی القریٰ اور تیمار کے یہودیوں کی امداد سے مسلمانوں کے حملہ کو ناکام بنا دیں گے۔

آنحضرتؐ کی جنگی حکمت عملی ، تدبیرات اور تزویرات کی وجہ سے یہود خیبر اور بنو غطفان متحدہ محاذ بنا کر مسلمانوں کے مقابلہ پر نہ آسکے ۔ الرجیع کے مقام پر لشکر کے قیام کی وجہ سے جو یہود اور غطفان کے درمیان واقع تھا بنو غطفان اپنے گھروں کو چھوڑ کر یہود خیبر کی امداد کو نہ جا سکے ۔ انہیں خطرہ تھا کہ ان جنگجو افراد کے چلے جانے کے بعد ان کی عورتیں ، بچے اور ریوڑ وغیرہ پر مسلمان حملہ کر کے قبضہ کر لیں گے الرجیع سے بنو غطفان اور خیبر کی وادی قریباً ایک ہی مسافت پر تھے۔

یہود خیبر کو یقین تھا کہ مسلمان سب سے پہلے ان کے جنوبی قلعوں پر حملہ کریں گے کیونکہ مدینہ ان کے جنوب میں تھا۔ مگر آنحضرتؐ نے جنگی حکمت عملی اور تزویرات کے تحت ان کے شمالی قلعوں پر پہلے حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور اپنے راستہ کی رہنمائی کرنے والے گائڈ نے ایسا راستہ معلوم کیا جس نے لشکر اسلام کو مدینہ کی بجائے شام کی طرف سے حملہ کرنے کا طریقہ بتا دیا۔ چنانچہ آپؐ الرجیع کے معسکر سے علی الصبح لشکر اسلام کے ساتھ وادی کے مغربی سرے سے گھوم کر وادی کے شمالی کنارے کے قلعوں کے باہر پہنچ گئے۔ یہود خیبر لشکر اسلام کے وہاں اچانک پہنچ جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے ۔ لہٰذا صبح کے وقت یہودی کاشتکار اپنے قلعے سے نکل کر اور اپنے کھیتی باڑی کا سامان ٹوکرے اور پھاوڑے وغیرہ اٹھائے اپنے کھیتوں اور باغوں کی طرف جا رہے تھے تو ان کی نظر لشکر اسلام پر پڑی اور [redacted] خوفزدہ ہو کر اور پکارتے ہوئے کہ محمدؐ نے حملہ کر دیا اپنے قلعوں کے اندر واپس بھاگ گئے۔ اور چند لمحوں کے اندر اندر مسلمانوں کے حملہ کی خبر تمام خیبر کے یہودیوں تک پہنچ گئی۔

پہلے روز مجاہدین اسلام نے قلعے ناعم کا محاصرہ کر لیا اور یہود اور مجاہدین کے درمیان معرکہ جنگ و قتال بڑی شدت کے ساتھ تمام دن جاری رہا۔ جس میں پچاس مسلمان زخمی ہوئے اور یہود کے بہت سے سپاہی اور ان کا سپہ سالار سلام بن مشکم مارا گیا۔ اس کے بعد لشکر یہود کی قیادت حارث بن ابو زینب کو تفویض ہوئی ۔ مسلمانوں نے پوری قوت کے ساتھ محاصرہ جاری رکھا اور محصورین بھی قلعہ سے باہر نکل کر پوری جانفشانی کے ساتھ مدافعت کرتے رہے ۔ یہود کو یقین تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کی یہ شکست جزیرہ نمائے عرب سے ہمیشہ کے لئے ان کا استیصال کر دے گی ۔ آخر مجاہدین کی بہادری سے یہ قلعہ فتح ہو گیا مگر اس لڑائی کے دوران محمود بن مسلمہ جو اپنے دستہ کا سپہ سالار تھا۔ اس وقت شدید زخمی ہو گیا جب [redacted] قلعہ کی دیوار کے پاس کھڑا تھا اور اوپر سے

کسی یہودی نے اس پر چکی کا ایک بھاری پتھر گرا دیا۔ حضرت محمود بن مسلمہ کو زخمی حالت میں الرجیع کے معسکر میں پہنچا دیا گیا۔ مگر وہاں ان زخموں کی تاب نہ لا کر تین دن کے بعد جام شہادت نوش فرماگئے۔

دوسرے روز مسلمان مجاہدین نے قلعہ نطاۃ کا محاصرہ کر لیا اور یہودی فوجی بڑی جرات و بہادری کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے مسلمان مجاہدین کا علمبردار حضرت حباب بن منذر تھا اور یہودی فوج کا سپہ سالار حارث بن ابو زینب تھا۔ کئی دن کی شدید جنگ کے بد یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا۔یہودی سپہ سالار حارث بن ابو زینب حضرت ابو دجانہ کے ہاتھوں مارا گیا اور قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

آنحضرتؐ نے قلعہ نطاۃ والوں کے کھجور کے درخت کاٹنے کا حکم دیا جب چار سو کے قریب درخت کٹ چکے تو آپؐ نے صحابہ کو مزید درخت کاٹنے سے روک دیا۔

قلعہ نطاۃ کا سات دن تک محاصرہ جاری رہا۔ آنحضرتؐ نے بذات خود اس جنگ میں حصہ لیا اور ہر دن آپؐ اپنے ہمراہ حضرت محمد بن مسلمہ کو اپنے ذاتی محافظ دستہ کے سپہ سالار کے طور پر لے جاتے تھے اور الرجیع کے مقام پر حضرت عثمان کو امیر معسکر مقرر کر کے چھوڑ جاتے تھے اور شام کے وقت واپس اپنے کیمپ میں آجاتے تھے۔

یہودی عام طور پر اپنے قلعہ کے آس پاس ہی لڑتے تھے ان کو شکست نظر آتی تو فوراً قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے تھے۔

قلعہ الناعم اور النطاۃ کے دوسرے قلعوں کی فتح کے بعد یہودی قلعہ الزبیر میں جمع ہو گئے اس قلعہ کو بڑی شہرت تھی کہ یہ ناقابل تسخیر ہے اسلامی فوج نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔۴ اس قلعہ کے اندر پانی کا چشمہ نہ تھا۔ البتہ قلعہ کے اندر سے زیر زمین سرنگ کے ذریعے پانی کے چشمہ تک پہنچ کر پانی حاصل کیا جاتا تھا۔ آپؐ کے حکم پر زیر زمین راستے کو کاٹ دیا گیا اب قلعہ میں یہودیوں کے لئے پانی پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہ رہا اور اب باہر نکل کر لڑنے پر مجبور ہو گئے اس لڑائی میں ایک مسلمان شہید اور دس یہودی مارے گئے ۔اور انہوں نے شکست قبول کر لی یہ قلعہ شمالی علاقہ کا آخری قلعہ تھا۔ اب اسلامی لشکر کا پورا زور جنوب کے قلعوں کی طرف منتقل ہو گیا۔

گھوڑ سوار لڑاکا گشتی دستے کی کمان حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھ میں تھی معسکر کی حفاظت پر حضرت عثمان کو مامور کیا جاتا۔ محاصرہ کے دوران جو مجاہد زخمی ہو جاتے انہیں معسکر میں پہنچا دیا جاتا اور ان کا علاج ہوتا اور جو خواتین ہمراہ گئی تھیں وہ ان کی دیکھ بھال کرتیں۔

وادی خیبر کے شمالی قلعوں کی تسخیر کے بعد جنوبی قلعوں کی باری آئی جنوبی کنارے کے قلعوں کو دو جغرافیائی خطوں میں تقسیم کیا گیا ہے یہ "الشق" اور "الکتیبہ" ہیں۔ مجاہدین اسلام نے پہلے "الشق" کے قلعوں کی طرف توجہ دی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے ہی ذہنی طور پر شکست تسلیم کر چکے تھے اگرچہ انہوں نے اپنے دفاع کے لئے کوئی نہ کوئی حکمت عملی ضرور اختیار کی ہو گی مگر آنحضرتؐ کی تزویراتی اور تدبیراتی مہارت اور منصوبہ بندی اور

لشکر اسلام کے جذبہ ایمان اور فن جنگ کے بلند معیار کے مقابلہ پر ان کی دفاعی حکمت عملی بری طرح ناکام ہو گئی اور تمام قلعے یکے بعد دیگرے فتح ہوتے چلے گئے۔

الرجیع کا معسکر جنوبی قلعوں کے قریب تھا اس سے بنو غطفان کو بھی خیبر کی جانب حرکت کرنے کی جرات نہ ہوئی اس طرح یہ مقام تزویراتی نقطہ نظر سے بہت مفید ثابت ہوا اسی طرح گھوڑ سوار دستہ نے یہود خیبر کے حوصلوں کو پست کرنے اور ان میں خوف وہراس پیدا کر کے قلعہ بند یہودیوں پر گہرا نفسیاتی اثر ڈال کر ان کو ذہنی طور پر شکست تسلیم کرنے پر آمادہ کر لیا ہو گا، دو سو سواروں کی اگر بیس بیس سواروں کی دس ٹولیاں بھی پورے علاقے کی گشت پر مامور ہونگی تو ہر گشت میں بیس سوار ہونگے اور جب یہ ٹولیاں تیز رفتاری سے بھاگتی ہوئی محصور اور قلعہ بند یہودیوں کے سامنے سے گزرتی ہونگی تو یقین ہے ان کے دل کانپتے ہونگے اور ان کو ایک قلعہ سے نکل کر دوسرے قلعے میں جانے کی ہمت بھی نہ ہو گی اور ان کا مورال تباہ ہو گیا ہو گا اور یقینی شکست نظر آرہی ہو گی اور ان دستوں کی مسلسل موجودگی سے یہودی سپاہ کو اپنے قلعوں سے نکل کر کھلے میدان میں لڑنے کی جرات وحوصلہ نہ رہا ہو گا۔

ایک روایت کے مطابق قبیلہ بنو غطفان کے ایک ہزار جنگجو اپنے سردار عینیہ بن حصن فزاری کی قیادت میں مرحب کے پاس قلعہ قموص میں موجود تھے۔ آنحضرتؐ نے سیاسی حکمت عملی کے تحت حضرت سعد بن عبادہ کو عینیہ بن حصن کے پاس قلعہ قموص میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ مدینہ اور خیبر کی لڑائی میں غیر جانبدار رہے جب حضرت سعد بن عبادہ قلعہ قموص میں پہنچے تو مرحب نے آپ کو قلعہ کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہ دی البتہ عینیہ بن حصن کو حضرت سعد سے ملاقات کے لئے قلعہ سے باہر بھیج دیا۔ حضرت سعد نے اس کو آنحضرتؐ کا پیغام پہنچایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عینیہ بن حصن نے حضورؐ کے مشورہ کو تسلیم کر لیا اور وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ قلعہ سے نکل کر اپنے علاقہ میں چلا گیا۔ کیونکہ قلعہ قموص کی جنگ یا فتح کے بعد وہاں بنو غطفان کا کوئی سپاہی موجود نہ تھا۔ اور پھر ناہی آنحضرتؐ نے قلعہ خیبر کی فتح کے بعد بنو غطفان کے علاقہ پر حملہ کیا اور اسی کے کچھ عرصہ بعد عینیہ بن حصن اور اس کا پورا قبیلہ آہستہ آہستہ مشرف بہ اسلام بھی ہو گیا تھا۔

یہود نے اپنا غلہ اور مال و اسباب قلعہ صعب بن معاذ میں جمع کر لیا تھا۔ اس قلعہ کے فتح ہونے سے مسلمانوں کو غلہ اور خوراک و رسد وغیرہ کی ضروریات پوری ہو گئیں اور ہر چیز با افراط مل گئی۔ قلعہ صعب کا مال غنیمت حضرت ابو کعب بن زائد انصاری کے سپرد کیا گیا۔

خیبر کے یہود نے اپنا مال و اسباب اور اہل وعیال کو قلعہ الکتیبہ میں جمع کر دیا تھا۔ یہ قلعہ بھی کئی دن کے محاصرہ کے بعد لشکر اسلام نے فتح کر لیا۔

قلعہ وطیح اور قلعہ سلالمؒ کے علاوہ باقی تمام قلعے بزور طاقت فتح کر لئے گئے مگر مذکورہ دونوں قلعوں کا چودہ

دن تک محاصرہ جاری رہا مگر کسی قلعہ سے کوئی باہر نہ نکلا جب آنحضرتؐ نے ان قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے منجنیق نصب کرنے کا حکم فرمایا۔ تب یہود کو اپنی ہلاکت یقینی نظر آئی تو انہوں نے صلح کی درخواست کی چنانچہ ان شرائط پر صلح ہوئی کہ جنگ کرنے والوں کو جان کی آمان ہو گی ان کے بال بچوں کو چھوڑ دیا جائے گا یہ لوگ خیبر کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں گے اور اپنے ہمراہ کوئی چیز لے کر نہیں جائیں گے ۔ چنانچہ وہ اپنی تمام جائیداد ، مال و اسباب ، نقدی ، سونا چاندی ، مال مویشی اور زمینیں وغیرہ سب کچھ چھوڑ کر صرف جسم کے کپڑوں کے ساتھ خیبر سے نکل کر شام کی طرف روانہ ہوگئے۔

قلعہ وطیح اور سلالم سے مندرجہ ذیل سامان دستیاب ہوا زرہیں ایک سو ، تلواریں چار سو ، نیزے ایک ہزار اور عربی کمانیں بے ترکش پانچ سو ، اس کے علاوہ تورات کے نسخے بھی ملے جو یہود کی درخواست پر ان کو واپس کر دیئے گئے۔

قلعہ القموص کی فتح

قلعہ القموص خیبر کا سب سے مضبوط قلعہ تھا۔ یہ قلعہ خیبر کی وادی کے جنوبی قلعوں میں شمار ہوتا تھا اور وادی کے جنوبی کنارے کے قریب وادی کے اندر ریڑھ کی ہڈی کی شکل کی ایک عمودی چٹان پر واقع ہے اس چٹان پر چڑھنے کے لئے جنوب کی جانب سے راستہ اوپر جاتا ہے۔ تین اطراف سے عمودی بلندی ہونے کی وجہ سے اس پر چڑھنے کا کوئی راستہ نہیں۔ " المنازل " اور " الکتیبہ " کے قلعوں کو فتح کرنے کے بعد اسلامی فوج نے " المقموص " قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اس قلعہ کے شمال اور مشرق کی سمت کی چٹانیں اس قدر عمودی ہیں کہ ان دو اطراف قلعے کی ضرورت ہی نہ تھی ۔ مغرب کی جانب سے کالے پتھروں کی سیڑھیاں اوپر کو جاتی ہیں۔ اس جانب اور شمال مغرب کی جانب یکے بعد دیگرے قلعے کی تین فصیلیں ہیں۔ پہلی فصیل سب سے اونچی اور مضبوط تھی۔ دروازے کی چوڑائی سات میٹر کے قریب ہو گی ۔ چونکہ دیوار اوپر سے گر چکی ہے اس لئے اس دیوار کی اونچائی کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ۱۹۷۳ء میں اس کی بلندی صرف تین میٹر کے قریب رہ گئی تھی ۔ دروازے کے بعد فوراً زینہ شروع ہو جاتا ہے اس کے پچیس تیس زینے ہیں زینے کی چوڑائی تین میٹر سے زیادہ ہو گی اس زینے کے ختم ہونے پر دوسری فصیل آ جاتی ہے اس فصیل کی چوڑائی باہر والی فصیل سے کم ہے ۔ یہاں بھی کسی زمانہ میں دروازہ رہا ہو گا۔ دروازے کی جگہ اب بیرونی فصیل کے دروازے کی طرح خالی پڑی ہوئی ہے اب پھر زینہ ہے جس کے پچیس تیس زینے ہیں اس کے بعد تیسری فصیل ہے ۔ یہ بستی آج سے نصف صدی قبل تک آباد تھی اور کہا جاتا ہے کہ منطقہ خیبر کے گورنر کے دفاتر اور رہائش ان ہی مکانوں میں ہوا کرتی تھی ۔ پہلی اور دوسری فصیل اور پھر دوسری اور تیسری فصیل کے درمیان ڈھلوان پر مکانوں کے کھنڈر نظر آتے ہیں۔

غزوات رسول اللہ۔ حصہ پنجم۔ فتح خیبر صفحہ ۲۶۴، ۲۶۵ مصنف۔ بریگیڈیئر گلزار احمد۔

قلعہ قموص کا محاصرہ کئی دن تک جاری رہا۔ محصور فوج نے تینوں فصیلوں کے اوپر سے تیر اندازی اور پتھر پھینکنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس قلعہ کا کمانڈر مرحب مقرر کیا گیا تھا جو خیبر کا نامور بہادر جنگجو اور پہلوان تھا۔ اگرچہ اس کا اپنا قلعہ شمالی کنارے پر واقع تھا۔ مرحب چند دن تک قلعہ بند رہا اور محاصرہ نہایت کامیابی کے ساتھ جاری رہا۔ قلعہ قموص کے اندر پانی کا انتظام نہ تھا اور وہ باہر کے چشموں سے پانی لے جاتے تھے اب مسلمانوں کے محاصرہ کی وجہ سے وہ باہر سے پانی نہیں لے جا سکتے تھے اسی لئے اب ان کو باہر نکل کر لڑنا پڑا۔

مرحب جب رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا اور لشکر اسلام کو دعوت مبارزت دی تو حضرت عامر بن اکوع اس کے مقابلہ کے لئے میدان میں آئے۔ کچھ دیر دونوں کی طرف سے تلوار کے وار ہوتے رہے اور ایک دوسرے سے اپنا دفاع کرتے رہے۔ آخر بار حضرت عامر کی تلوار مرحب کی ڈھال سے ٹکرائی۔ اور پلٹ کر ان کے اپنے جسم پر لگی۔ زخم شدید آیا اور آپ شہید ہوگئے۔ مرحب دوبارہ بڑے فخر کے ساتھ رجز پڑھتا ہوا میدان میں آیا۔ اور مسلمانوں کی طرف سے مبارزت طلب کی۔ مرحب کا نعرہ سن کر رسولؐ اللہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ "اس کے مقابلہ کے لئے کون نکلے گا حضرت محمد بن مسلمہ انصاری" نے عرض کیا" یا رسول اللہ! میرا بھائی محمود بن مسلمہ اس کے ہاتھوں شہید ہو چکا ہے مجھے اجازت دیں میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ آپؐ نے محمد بن مسلمہ کو مرحب کا مقابلہ کرنے کی اجازت دے دی دونوں میں مقابلہ شروع ہوا، مرحب نے ایسا زبردست وار کیا کہ اگر محمد بن مسلمہ اسے ڈھال پر نہ روک لیتے تو ان کا کام تمام ہو چکا ہوتا مگر مرحب کی تلوار ان کی ڈھال میں ہی رک کر رہ گئی۔ اس کے بعد محمد بن مسلمہ کی ضرب مومن سے مرحب زمین پر لوٹنے لگا اور اس طرح اس جانباز بہادر مجاہد نے رستم خیبر مرحب کا کام تمام کر دیا۔ چونکہ اس کا کمر سے اوپر کا بدن مضبوط زرہ میں لپٹا ہوا تھا۔ اس لئے حضرت محمد بن مسلمہ نے تلوار کا وار زرہ سے نیچے کیا تھا اور ایک ہی وار نے اس کی دونوں ٹانگیں کاٹ دیں اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا اور زمین پر تڑپنے لگا۔ مرحب نے ان سے کہا کہ "میرا کام تمام کر دو" تو محمد بن مسلمہ نے کہا" نہیں تم بھی اسی طرح موت کا مزہ چکھو جیسے میرے بھائی نے چکھا تھا" حضرت علی کا اس پر گزر ہوا تو انہوں نے اس کی گردن کاٹ دی اور اس کا سامان زرہ وغیرہ لے لیا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے حضرت علی سے مرحب کے مال کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ دونوں حضرات اس مال کا جھگڑا آنحضرتؐ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا کہ "میں نے اس کی ٹانگیں کاٹ کر اسے مرنے کے لئے ہی چھوڑا تھا۔ ورنہ میں خود اس کا کام تمام کر سکتا تھا۔" حضرت علی نے کہا کہ" یہ سچ کہتا ہے" چنانچہ رسولؐ اللہ نے مرحب کا مال محمد بن مسلمہ کو عنایت کر دیا۔

مرحب کا بھائی یاسر بھی دلیر اور بہادر جنگجو تھا۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مرحب کے بعد اس کا بھائی یاسر یہ کہتا ہوا میدان میں آیا کہ " من مبارز" کون مقابلہ پر آتا ہے ابن ہشام بن عروہ کے بیان کے مطابق یاسر کے مقابلے

میں زبیر بن عوام نکلے ۔ اس موقع پر زبیر کی والدہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے رسول اللہ سے کہا "یا رسول اللہ میرا بیٹا قتل ہو جائے گا۔" رسولؐ اللہ نے جواب دیا نہیں بلکہ تمہارا بیٹا یاسر کو قتل کرے گا۔ انشاء اللہ ۔ بہرحال زبیر نکلے دونوں میں مقابلہ ہوا اور یاسر مارا گیا۔ ابن اسحاق نے کہا مجھ سے ہشام ابن عروہ نے بیان کیا، زبیر سے جب کہا جاتا کہ خدا کی قسم! آپ کی تلوار تو اسی روز بڑی تیز کاٹنے والی ہو گی وہ جواب دیتے ۔ " نہیں خدا کی قسم بالکل تیز نہ تھی بلکہ میں اسے زور زور سے چلاتا تھا۔" (ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۳۹۸،۹۹-۳۹۷)

مرحب اور یاسر کے قتل ہو جانے کے بعد یہودی فوج بھاگ کر قلعہ قموص کے اندر داخل ہونے لگی ۔ مسلمان سپاہ بھی تیار تھی انہوں نے تعاقب کیا اور قلعہ میں داخل ہو گئے۔ یہودیوں نے قلعہ کا دروازہ بند کرنے کی ناکام کوشش کی مگر مسلمان زبردستی داخل ہو گئے مسلمان مجاہدین نے ابھی کسی یہودی کو قتل یا گرفتار نہیں کیا تھا کہ یہودیوں نے شکست تسلیم کر کے ہتھیار ڈال دئے اور اس طرح مسلمانوں کا قلعہ قموص پر قبضہ ہو گیا جس کے ساتھ ہی وادی خیبر کی فتح مکمل ہو گئی۔

قلعہ قموص بنو ابو الحقیق کا قلعہ تھا اس قلعہ سے جو قیدی ملے ان میں صفیہ بنت حی بن اخطب بھی تھیں یہ کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق کی زوجیت میں تھیں اور صفیہ کے ساتھ ان کی دو چچیری بہنیں بھی تھیں خیبر کے ان قلعوں سے اور بھی بہت سی عورتیں مسلمانوں کے حصے میں آئیں۔

قلعہ قموص بیس دن کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا ان معرکوں میں ترانویں (۹۳) یہودی مارے گئے جن میں مرحب یاسر حارث عامر اور کنانہ بن ربیع زیادہ مشہور ہیں۔ پندرہ مسلمان مجاہد شہید ہوئے جن میں محمود بن مسلمہ اور عامر بن اکوع زیادہ مشہور ہیں۔ یہ بھی ایک روایت ہے کہ صفیہ کے خاوند کنانہ بن ربیع کو خزانہ چھپانے کے جرم میں قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ حضرت بشیر بن براء کو زہر دلانے کے جرم میں حضرت محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا۔

آل ابی حقیق کا وہ خزانہ جو حی بن اخطب مدینہ سے جلاوطن ہوتے وقت اپنے ساتھ خیبر لے آیا تھا وہ بھی آنحضرت کے ہاتھ آگیا۔ عام روایت کے مطابق حضورؐ نے کنانہ بن ربیع اور اس کے بھائی کو یہ خزانہ چھپانے کے جرم میں قتل کرا دیا تھا۔ کیونکہ وہ اس کا پتہ نہیں بتاتے تھے اور ایک یہودی نے خفیہ طور پر اس کا پتہ آنحضرتؐ کو بتا دیا تھا اس خزانہ میں سونے چاندی کے بے شمار زیورات اور مال و دولت بھی تھا۔ الغرض خیبر کی فتح سے آنحضرتؐ اور مجاہدین اسلام کو فتح عظیم اور بے شمار فوائد حاصل ہوئے۔

خیبر کو فتح کرنے میں ایک دشواری یہ تھی کہ ان کے قلعوں کے اردگرد کھجوروں کے باغات تھے جن کی وجہ سے ان کی حفاظت ہو رہی تھی علاوہ ازیں خیبر کے یہودی بزدل اور کمزور نہ تھے بلکہ جنگجو، بہادر، طاقتور، مسلح اور دولت مند تھے ۔ اور ان کے قلعے بھی بلند و بالا اور مضبوط تھے وہ بڑی بہادری اور ثابت قدمی سے لڑتے اور جب

تک پوری طرح بے بس نہ ہو جاتے قبضہ نہ چھوڑتے اور شکست تسلیم نہ کرتے۔

واقدی کی ایک روایت کے مطابق حارث ابو زینب مرحب کے بھائی کو ابو دجانہ نے قتل کیا تھا۔ یہ روایت حارث کے بیٹے نے بیان کی تھی۔(فتح خیبر تالیف محمد احمد باشمیل ص ۱۲۵)

فتح خیبر کے بعد یہود نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ آپؐ ہماری زرعی زمینوں کو نصف پیداوار کی ادائیگی پر ہم سے معاملہ کر لیں یعنی نصف حصہ بٹائی پر ہمیں کاشت کے لئے دے دیں کیونکہ ہم دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں ان سے زیادہ واقف ہیں اور بہتر طریقے پر ان کو کاشت کر سکتے ہیں۔آپؐ نے ان کی تجویز کو منظور کر لیا اور ان کو نصف حصہ بٹائی پر زمین کاشت کے لئے دے دی اور ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد کر دی کہ ہم جب چاہیں گے تم کو ان سے بے دخل کر دیں گے۔

فتح خیبر کے وقت توریت کے بہت سے نسخے مسلمانوں کے ہاتھ لگے جو یہودیوں کی درخواست پر پورے احترام کے ساتھ ان کو واپس کر دئے گئے حالانکہ بیت المقدس میں عیسائیوں نے یہودیوں کی توریت کے نسخے جلا دئے تھے۔

پھر آنحضرتؐ نے قیدیوں کو جمع کیا جن میں صفیہ بنت حی بن اخطب بہت حسین و جمیل سترہ سالہ نوجوان عورت بھی تھی جو حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کے حصے میں آئیں۔ اس کے حسن و جمال کی وجہ سے لوگ اس سے رشک کرنے لگے۔ ایک صحابی نے حضرت رسول اللہ سے عرض کیا کہ صفیہ انتہائی خوبصورت اور حسین ہونے کے علاوہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے سردار کی بیٹی اور بیوہ ہے وہ صرف آپؐ کے لائق ہے۔چنانچہ آپؐ نے صفیہ کو طلب فرما کر دیکھا تو بہت پسند فرمایا اور دحیہ بن خلیفہ کلبی کو صفیہ کی دوچچیری بہنیں دے دیں اور صفیہ کو اپنے لئے رکھ لیا اور اس سے عقد کر لیا اور حضرت انسؓ کی والدہ کے سپرد کر دیا۔ صفیہ کا اصل نام زینب تھا مگر آنحضرتؐ نے اس کا نام صفیہ رکھ دیا۔

غزوہ خیبر میں ایک یہودی عورت زینب بنت حارث جو سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بہن تھی نے اپنے باپ، بھائی اور شوہر کا بدلہ لینے کے لئے زہریلا بکری کا گوشت پیش کیا مگر آپ ایک لقمہ سے سمجھ گئے کہ اس میں زہر ہے اور کھانا چھوڑ دیا مگر آپؐ کا ایک صحابی حضرت بشیر بن براء یہ گوشت کھا گیا اور اس کے زہر سے فوت ہو گیا۔اس عورت نے اقبال جرم کر لیا اور اس کو بشیر بن براء کے قتل کے جرم میں سزائے موت دی گئی تھی۔

آنحضرتؐ فن حرب و ضرب اور عسکری تدبیرات و تذویرات و منصوبہ بندی کے بے مثال ماہر تھے اور آپ کا شعبہ استخبارات یعنی خفیہ معلومات بھی بڑا کامیاب اور ماہر تھا۔ لہذا خیبر روانگی سے قبل آپ نے یہود خیبر، بنو غطفان اور خیبر جانے کے راستوں وغیرہ کے متعلق تمام حالات، معلومات اور ان کی تیاریوں اور دفاعی منصوبوں کے متعلق تمام معلومات کی روشنی میں اپنی جنگی تیاریاں اور منصوبہ بندی کی تھی۔آپؐ نے ایسے راستے سے سفر کیا

کہ دشمن کو آپ کی آمد کی اطلاع نہ ہو سکی اسی طرح الرجیع کے بمقام پر اپنا معسکر قائم کرنا بھی تزویراتی نقطہ نظر سے آپؐ کا بہترین فیصلہ تھا۔ جس کی وجہ سے دونوں دشمن متحد نہ ہو سکے اور یہود خیبر کو تنہا وادی خیبر کے قلعوں کا دفاع کرنا پڑا۔ خیبر کی جنگ دو قوموں اور نظریوں کی جنگ تھی خیبر کی وادی سترہ قلعوں پر مشتمل ایک علاقہ تھا اور یہ جنگ دو ماہ تک جاری رہی اس دوران ماسوا دو قلعوں کے تمام قلعوں کو کئی کئی دن تک محاصرہ کے بعد فتح کیا گیا اور ہر قلعہ کو فتح کے لئے مختلف طریقے اور عسکری تدبیرات و تزویرات عمل میں لائی گئیں۔ آپؐ اس جنگ کے سپہ سالار اعظم تھے اور یہ آپؐ کی بے مثال عسکری صلاحیت سیاسی تدبیر، عزم ہمت اور حکمت عملی کی وجہ سے عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی جس میں سولہ سو مجاہدین نے جن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن حارث، حضرت زبیر بن العوام، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو عبیدہ بن الجرح، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت محمود بن مسلمہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت حباب بن منذر، حضرت ابو دجانہ اور دیگر ممتاز اور بہادر صحابہ کرام شامل تھے۔ اپنے گھر سے نوے میل کے فاصلہ پر دس ہزار مسلح اور جنگجو فوج کو ان کے گھر میں جا کر شکست فاش دی اور ان کے تمام قلعوں پر یکے بعد دیگرے قبضہ کر لیا اس میں تمام صحابہ کرام نے انتہائی عزم و ہمت، شجاعت و بہادری، جذبہ جہاد سے سرشاد اور شوق شہادت کے ولولہ انگیز جوش و خروش سے حصہ لیا مگر تمام لشکر کی کمان سپہ سالار اعظم حضورؐ اکرم کے ہاتھ میں رہی اور آپؐ ہر قلعہ کی لڑائی میں موقع پر تشریف فرما رہے اور ہدایات واحکام جاری فرماتے رہتے لہذا آپؐ ہی اس تاریخ ساز جنگ کے کمانڈر انچیف اور آپؐ ہی فاتح خیبر ہیں۔

1۔ غزوہ وادی القریٰ ۔۔۔ خیبر سے واپسی پر مسلمان جب وادی القریٰ پہنچے جو یہودیوں کی ایک بستی تھی تو ابھی مسلمانوں حضورؐ کا کجاوا ہی اتار رہے تھے کہ یہودیوں نے لڑائی کی تیاری کر لی اور ایک یہودی نے تیر مار کر آپؐ کے ایک غلام کو شہید کر دیا۔ مسلمانوں کے حملے سے انہوں نے خیبر کی شرائط پر ہتھیار ڈال دئے اور وادی القریٰ فتح ہو گئی۔

2۔ تیماء :۔ تیماء بھی خیبر کے نزدیک یہودیوں کی ایک بستی تھی۔ فتح خیبر کے بعد ان لوگوں نے یہود خیبر کی شرائط پر صلح کر لی اور تیماء پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

جب رسول اللہ نے خیبر فتح کر لیا تو خمس کے حصہ میں قلعہ الکتیبہ آیا اور مسلمانوں کے حصے میں الشق، النطاط، الوطیح اور سلائم آئے پھر سب یہودیوں کو نصف حصہ بٹائی پر دے دیئے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں یہودیوں کی بددیانتی اور مکاری کی وجہ سے ان کو خیبر سے جلاوطن کر دیا۔

جب خیبر سے روانہ ہوئے تو صفیہ آپؐ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھیں۔ جب رات کو قیام کیا اور خیمہ میں داخل ہوئے بھی آپؐ کے ساتھ خیمہ کے اندر داخل ہوئیں۔ ابو ایوب خالد انصاری آئے اور تمام رات تلوار ہاتھ

میں لے کر آنحضرتؐ کے خیمہ کا پہرہ دیتے رہے جب صبح حضورؐ کو اس کا علم ہوا تو ابو ایوب خالد انصاری سے اس کا سبب دریافت کیا اس نے کہا حضورؐ! یہ نوجوان لڑکی ہے اور آپؐ نے اس کے شوہر کو قتل کرا دیا تھا۔ اور یہ نئی شادی شدہ ہے اس لئے مجھے خوف پیدا ہوا کہ رات کو یہ لڑکی آپؐ سے کوئی ناجائز بات نہ کر بیٹھے اس لئے میں تلوار لے کر تمام رات پہرہ دیتا رہا۔ آپؐ ابو ایوب خالد انصاری کے اس جواب پر بہت خوش ہوئے۔

جب آنحضرتؐ فتح خیبر کے بعد مدینہ تشریف لائے تو اسی وقت حضرت جعفر بن ابی طالب اپنے سولہ ساتھیوں کے ہمراہ حبشہ سے واپس پہنچے ان کے ہمراہ حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان بھی تھیں جن کا نکاح نجاشی شاہ حبش نے حضورؐ کے فرمانے کے مطابق وہاں کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت ابو موسیٰ اشعری اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ مدینہ پہنچے اور ان کے علاوہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی اپنے آدمیوں کے ساتھ آئے آنحضرتؐ ان سب کو مل کر بے حد خوش ہوئے اور ان سب کو بھی خیبر کے مال غنیمت سے حصہ دیا۔

خیبر کی اراضیات یہودیوں کو حصہ بٹائی پر دینے کی وجوہات:۔

1۔ فتح خیبر کے بعد وہاں یہودیوں کی طاقت کا خاتمہ اور استیصال ہو گیا تھا۔

2۔ خیبر میں باغات، نخلستان اور زرخیز زمین یا اراضی بکثرت تھی۔ اس کی کاشت اور نگہداشت بڑا مشکل کام تھا۔ یہ وہ یہودی ہی کر سکتے تھے۔

3۔ اگرچہ مدینہ کے انصار زراعت پیشہ تھے مگر ان کی اپنی اراضیات تھیں اور ان کے لئے مدینہ سے خیبر جا کر زمینوں کو کاشت کرنا مشکل تھا۔

4۔ مسلمانوں کو اپنے غزوات، سرایا اور جنگی مہموں کے لئے افرادی قوت کی اشد ضرورت تھی اسی لئے یہ مجاہدین وہاں نہیں جا سکتے تھے۔

5۔ خیبر کی اراضیات یہود کے کاشت کاروں کو حصہ بٹائی پر دی گئی تھیں ان کے سرمایہ دار، تاجر، بڑے زمیندار اور مذہبی پیشوا، خیبر چھوڑ کر شام وغیرہ کی طرف چلے گئے تھے۔ اب خیبر کی اراضیات جنگ سے فتح ہوئی تھیں۔ اس لئے یہ غازیوں کا حق تھا۔ اور فدک بغیر لڑائی حاصل ہوا تھا اس لئے وہ آنحضرتؐ کا خاصہ تھا جو بیت المال کا تھا اور جنگ کی تیاریوں، حضورؐ کے گھر کے اخراجات، غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں اور معذروں کا حق تھا۔ وادی القریٰ اور تیماء نے بھی یہود خیبر کی شرائط پر صلح کر لی۔ وادی القریٰ میں آپؐ نے چار دن تک قیام فرمایا۔

جنگ خیبر کے نتائج:۔

(1) فتح خیبر سے عربستان میں صدیوں سے باوقار قوم یہود کا دبدبہ اور عزت و ثروت کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمانوں کی ماتحتی قبول کرنے پر مجبور ہوئی۔ جس طرح صلح حدیبیہ کی وجہ سے جنوب میں قریش وغیرہ کی طرف سے خطرات کا

انسداد ہو گیا اسی طرح شمال میں خیبر کے یہود کے استیصال اور ان کی طاقت و قوت کے خاتمہ سے شمال کی طرف سے فتنوں اور سازشوں کا دروازہ بند ہو گیا۔

(2) مدینہ کے شمالی علاقوں میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور کسی کو مقابلہ کی طاقت نہ رہی۔

(3) مسلمان مبلغین کو اشاعت و تبلیغ کے لئے امن و آزادی اور سلامتی حاصل ہو گئی اور ان کے علاقوں میں اسلام سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا۔

فدک

خیبر کے قریب یہودیوں کی ایک آبادی تھی۔ ان کا سردار یوشع بن نون تھا۔ اس نے بغیر لڑائی کے یہود خیبر کی شرائط پر صلح کی درخواست کی جو آپؐ نے منظور کر لیا۔ اسی وجہ سے فدک رسول اللہؐ کا خاصہ ہو گیا۔ کیونکہ یہ بلاجنگ حضورؐ کو حاصل ہوا تھا۔ فدک کی آمدن مسافروں اور غزوات و سرایا اور ازواج مطہرات کے اخراجات پر خرچ ہوتی تھی۔ حضرت عمر کے زمانہ میں اہل فدک کو ان کی زمینوں اور نخلستانوں کے نصف حصے کی قیمت ادا کر کے ان کو شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔ ان کے حصہ کی قیمت پورے انصاف کے ساتھ ان کو ادا کر دی گئی

رستم خیبر مرحب کو کس نے قتل کیا؟

مورخین اور اصحاب الحدیث کے درمیان یہودی شہسوار مرحب کے قاتل کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے ... ایک فریق کے نزدیک اسے محمد بن مسلمہ انصاری نے قتل کیا تھا اس فریق کے لیڈر محمد بن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی ہیں۔ دوسرے فریق کے نزدیک مرحب کے قاتل حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔

مرحب کو حضرت محمد بن مسلمہ نے قتل کیا:۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے عبداللہ بن سہل (بن عبدالرحمن بن سہل اخو بنو حارثہ، نے جابرؓ بن عبداللہ کی روایت بیان کی کہ: مرحب یہودی قلعے سے نکلا، تمام ہتھیاروں سے مسلح تھا اور رجز پڑھ رہا تھا۔ مرحب کا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا (ابن ہشام)

مرحب کا قتل

ابن اسحاق نے کہا مجھ سے عبداللہ بن سہل نے جابرؓ ابن عبداللہ انصاری کی روایت بیان کی کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "من حذا" اس کا مقابلہ کون کرتا ہے۔" محمد ابن مسلمہ نے کہا: یا رسول اللہ: میں مقابلہ کروں گا۔" میں ضرور اس آدمی سے بدلہ لوں گا۔" جس نے میرے بھائی (محمود بن مسلمہ) کو قتل کیا:" فرمایا جاؤ اور اس کا مقابلہ کرو۔ اے اللہ! یہودی کے خلاف اس کی اعانت فرما۔" جابرؓ ابن عبداللہ نے کہا: جب یہ ایک دوسرے سے قریب ہوئے تو ایک پرانا درخت ان دونوں کے بیچ میں آگیا ہر ایک اس درخت کی آڑ لینے لگا۔ جب ان میں سے

کوئی اس کی آڑ لیتا تو دوسرے کی تلوار اس درخت کے اس حصے کو کاٹ دیتی جس کی آڑ لی جاتی ۔یہاں تک کہ درخت کی شاخیں کٹتے کٹتے ختم ہو گئیں۔اب ہر ایک دوسرے کے سامنے آگیا۔(آڑ نہ رہی) اور یہ درخت ایک کھڑے ہوئے آدمی کی طرح بیچ میں قائم رہ گیا، جس کی شاخیں کٹ چکی تھیں اس کے بعد مرحب نے محمد بن مسلمہ پر تلوار کا وار کیا۔ مگر محمد بن مسلمہ نے اس وار کو اپنی چمڑے کی ڈھال پر لیا، تلوار اس ڈھال پر پڑی تو ڈھال کو کاٹتی ہوئی بیچ میں رہ گئی ۔ پھر محمد بن مسلمہ نے اپنا وار کیا تو وہ ڈھیر ہو گیا۔

مرحب کے بھائی کا قتل

ابن اسحٰق نے کہا: مرحب کے بعد اس کا بھائی یاسر یہ کہتا ہوا نکل کر آیا کہ: من مبارز ؟" کون مقابلے پر آتا ہے ؟ابن ہشام بن عروہ کے بیان کے مطابق یاسر کے مقابلے پر زبیر ابن عوام نکلے ، اس موقع پر زبیرؓ کی والدہؓ صفیہ بنت عبدالمطلب نے رسولؐ اللہ سے کہا: یا رسولؐ اللہ! میرا بیٹا قتل ہو جائے گا؟۔" رسول اللہؐ نے جواب دیا: نہیں ، بلکہ تمہارا بیٹا یاسر کو قتل کر لے گا۔ انشاء اللہ!" بہرحال زبیر نکلے دونوں کا مقابلہ ہوا اور یاسر مارا گیا۔

ابن اسحٰق نے کہا: مجھ سے ہشام ابن عروہ نے بیان کیا، زبیر سے جب کہا جاتا کہ خدا کی قسم! آپ کی تلوار تو اس روز بڑی کاٹنے والی ہو گی۔ ۔ جواب دیتے نہیں ، خدا کی قسم! وہ بالکل تیز نہ تھی بلکہ میں اسے زور زور سے چلاتا تھا۔"

(ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۹۹-۹۸-۳۹۷)

جابر بن عبداللہ الانصاری سے مروی ہے کہ مرحب پوری طرح مسلح ان قلعوں سے رجز پڑھتا ہوا نکلا۔ اس نے کہا کوئی ہے جو مقابلے پر آئے۔ رسول اللہؐ نے صحابہؓ سے کہا، کون اس کے مقابلے پر جاتا ہے ۔ محمد بن مسلمہ نے کہا چونکہ یہودیوں نے کل میرے بھائی کو قتل کر دیا ہے میں جوش انتقام سے معمور ہوں اس کے مقابلے پر جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اللہ اس کے مقابلے میں تمہاری اعانت کرے ۔جب یہ دونوں قریب آئے ایک عمر یہ جھاڑ ان کے درمیان حائل ہو گیا۔ یہ دونوں اپنے حریف سے اس کی آڑ لینے لگے ، جو اس کی آڑ لیتا وہ اپنی تلوار سے اپنے سامنے کی شاخیں قطع کر دیتا یہاں تک کہ پورا درخت دونوں کے درمیان انسان کی طرح ننگا کھڑا رہ گیا کوئی شاخ اس پر نہ رہی مرحب نے محمد بن مسلمہ پر تلوار مار دی۔ انہوں نے اسے اپنی ڈھال پر روکا، تلوار اس میں پیوست ہو گئی اور اس میں دندانے پڑگئے ۔اس سے مرحب دم زدہ ہو گیا۔ اب محمد نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

(تاریخ طبری ۔ جلد اول صفحہ ۳۵۸)

محمد بن مسلمہ کے ہاتھ سے رستم خیبر کا قتل:۔

مرحب کا نعرہ سن کر رسول خدا نے اپنے اصحاب سے فرمایا: " اس کے مقابلے کے لئے کون نکلے گا ۔" جناب محمد بن مسلمہ (انصاری) نے عرض کیا" یا رسول اللہ! کل اس کے ہاتھ سے میرا بھائی (محمود بن مسلمہ) شہید ہو چکا

ہے!" اجازت نبوی کے بعد مقابلہ شروع ہوا۔ مرحب نے ایسا تلا ہوا وار کیا کہ اگر ابن مسلمہ اسے سپر پر نہ روک لیتے تو ان کا کام تمام ہو چکا ہوتا۔ مگر مرحب کی تلوار ڈھال ہی میں اٹک کر رہ گئی اور وہ محمد بن مسلمہ کی ضرب سے زمین پر لوٹنے لگا۔ (حیات محمد۔ مصنفہ محمد حسین ہیکل صفحہ ۴۸۶)

حضرت علی اور مرحب کا مقابلہ

بریدۃ الاسلمی سے مروی ہے کہ بسا اوقات رسول اللہؐ کو درد سر ہو جاتا تھا اس کی وجہ سے وہ کبھی ایک دن اور کبھی دو دن باہر تشریف نہ لاتے تھے۔ چنانچہ خیبر آ کر آپؐ کے سر میں درد ہوا اور آپؐ برآمد نہ ہوئے ابو بکرؓ نے آپؐ کے جھنڈے کو لیا حملہ آور ہوئے اور نہایت شدید لڑائی ہوئی مگر وہ بغیر فتح حاصل کیے پلٹ آئے۔ پھر عمرؓ نے جھنڈا لیا اور حملہ کیا اور اس مرتبہ پہلی مرتبہ سے بہت زیادہ شدید لڑائی ہوئی مگر ■ بھی بغیر فتح حاصل کیے پلٹ آئے۔ رسول اللہؐ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے فرمایا میں کل یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اسے چاہتے ہیں وہ بزور شمشیر قلعہ فتح کر لے گا۔ علیؓ اس وقت وہاں موجود نہ تھے اس وجہ سے قریش کے ہر فرد کی یہ امید تھی کہ شاید اسی کو علم دیا جائے۔ دوسری صبح علیؓ اپنے اونٹ پر سوار رسول اللہؐ کی فرودگاہ میں آئے اور آپؐ کے خیمے کے قریب آ کر انہوں نے اپنا اونٹ بٹھایا ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ قطری کپڑے کی پٹی آنکھوں پر بندھی تھی۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا قریب آؤ، علیؓ آپ کے قریب آئے آپؐ نے ان کی آنکھوں پر اپنا تھوک لگا دیا جس سے درد جاتا رہا وہ اس وقت چلے گئے۔ پھر آپؐ نے ان کو اپنا علم دیا۔ اس کے ساتھ بہت سے صحابہؓ ان کے ساتھ ہوئے علیؓ نے اس وقت ایک ارغوانی سرخ حلہ پہن رکھا تھا جس کے استرا کو انہوں نے باہر کر رکھا تھا۔ یہ خیبر کے شہر آئے، مرحب قلعے کا رئیس یمانی زرد رنگ کا خود پہنے اس پر انڈے کے برابر ایک قیمتی ترشے ہوئے ہیرے کی کلغی لگائے رجز پڑھتا ہوا میدان میں نکلا۔

دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیے۔ مگر علی کا وار پہلے ہوا۔ جس سے تلوار ہیرے خود اور سر کو کاٹتی ہوئی مرحب کی ڈاڑھوں تک اتر گئی اور شہر پر قبضہ کر لیا گیا۔ (تاریخ طبری۔ جلد اول صفحہ ۳۶۰)

حضرت علی کے مرحب کو قتل کرنے کے متعلق یہی ایک روایت ہے جو تمام علماء و مورخین نے مختلف طریقوں سے بیان کی ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں علی بن احمد فروخ کے حال میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ روایت منکر ہے۔ ابن ہشام نے جن سلسلوں سے یہ روایتیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک روایت میں تو پیچ کے ایک راوی کا نام سرے سے چھوڑ دیا ہے اور دوسرے میں اس مشترک نقص کے ساتھ بریدہ بن سفیان بھی ایک راوی ہیں جن کو امام بخاری اور ابو داؤد اور دار قطنی قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔

سیرت النبی جلد اول صفحہ 277 ، علامہ شبلی نعمانی

عمرہ قضاء۔ ذیقعد 7ھ / فروری 629ء

حضورؐ نے حکم دیا کہ جو لوگ حدیبیہ میں حاضر تھے ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہے چنانچہ سب لوگ مکہ عمرہ کے لئے تیار ہو گئے جن کی تعداد (2000) دو ہزار تھی۔ یہ عمرہ معاہدہ کی اس شرط کے مطابق کیا جا رہا تھا کہ اگلے سال مسلمان مکہ آکر آزادی کے ساتھ عمرہ ادا کر سکتے ہیں اور تین دن تک مکہ میں قیام کر سکتے ہیں۔

مدینہ میں حضرت ابو ذر غفاریؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرما کر دو ہزار (2000) صحابہ کے ساتھ جن میں (100) سو گھوڑ سوار اور جنگی ہتھیار بھی تھے۔ قربانی کے 60 اونٹ بھی تھے روانہ ہوئے۔ جب آپؐ ذوالحلیفہ پہنچے تو گھوڑوں کو آگے روانہ کیا محمد بن مسلمہ ان کے امیر تھے۔ آپؐ نے ہتھیاروں کو بھی آگے کیا بشیر بن سعد کو عامل بنایا۔ حضور نے مسجد سے ہی احرام باندھ لیا تھا۔ رسولؐ اللہ مرا الظہران میں اترے اور ہتھیار بطن یا جج کے پاس آ گئے روانہ کر دئے اور ان کی حفاظت پر اوس بن خولی انصاری کو دو سو آدمیوں کے ساتھ پیچھے چھوڑا۔ رسولؐ اللہ مکہ میں اس طرح داخل ہوئے کہ مسلمان تلواریں لئے ہوئے آپؐ کے گرد حلقہ کئے ہوئے تھے اور تلبیہ کہتے جاتے تھے۔ آپؐ نے سواری ہی پر طواف کیا اور صفاء و مرواء کی سعی بھی سواری پر کی۔ مروہ میں قربانی کی اور سر منڈوائے۔

مسلمان بے انتہا خوش تھے کہ وہ ایک طویل مدت کے بعد اس متبرک اور مقدس سرزمین میں امن و سلامتی کے ساتھ داخل ہو گئے۔ جو عالمگیر انسانی برادری کے مرکز کے طور پر اللہ کے حکم کے تحت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے تعمیر کیا تھا۔ جو آنحضرتؐ اور مہاجرین کا وطن مالوف تھا۔ جہاں بیت اللہ تھا۔ جب مسلمان مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت قریش مکہ سے باہر پہاڑیوں میں جا چکے تھے مگر مکہ کے عوام صف باندھے مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے کہ وہ دو ہزار کا جم غفیر کس شان و شوکت اور امن و سلامتی کے ساتھ مکہ میں داخل ہو رہا ہے۔ رسولؐ اللہ کی اونٹنی قصواء کی مہار حضرت عبداللہ بن رواحہ پکڑے آگے آگے توحید و محبت کے نغمے پڑھتے ہوئے جا رہے تھے مسلمان پیادہ اور سواروں نے آپؐ کو دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے اپنے حلقہ میں لے رکھا تھا اور مسلمان بیک زبان ہو کر لبیک لبیک پکار رہے تھے۔ ان کے دل اور زبانیں خدائے قدوس کی طرف راغب اور فرط عقیدت و محبت سے اللہ کے رسولؐ کے گرد حلقہ بنائے کعبتہ اللہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تاریخ عالم میں اس روح پرور منظر کی مثال تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتی۔ اس دل کش نظارہ نے اہل مکہ کے دلوں کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا اور وہ دل سے آپؐ کی حقانیت اور اسلام کی سچائی کے معترف ہو گئے۔ قصواء بیت اللہ کے دروازے پر آکر رکی اور حضورؐ نیچے اترے۔ آپؐ نے احرام کا ایک پلہ بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیا اور یہ دعا پڑھی۔ " یا اللہ اس شخص پر رحم فرما جو دشمن کے سامنے وقار سے آئے۔" آپؐ تمام صحابہ کے ساتھ طواف کعبہ میں مشغول ہو گئے۔ آپؐ نے رکن یمانی سے مس کرنے کے بعد حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر کعبہ کے سات طواف کئے۔ جن میں پہلے تین طواف میں تیز رفتاری اور بقایا چار طواف معمول کی رفتار کے ساتھ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ دوسرے مسلمان

بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کا شکر ادا کر رہے تھے۔ان کی آواز سے دشت و جبل گونج اٹھے اور مشرکین کے دل ہیبت سے کانپ اٹھے۔طواف کعبہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اور سات چکر لگائے۔ مروہ کے قریب جانوروں کی قربانی کی۔اور سر کے بال منڈوائے اور عمرہ سے فارغ ہوئے۔

حرم کی حدود تک بند ہتھیار پہنچانے کا انتظام بشیر بن سعد کی زیر نگرانی میں تھا۔سو گھوڑے ہمراہ تھے۔جن کا سالار محمد بن مسلمہ تھا۔جن کو حضورؐ نے آگے بھیج دیا تھا۔مرالظہران میں قریش محمد بن مسلمہ کو ملے۔جب انہوں نے اسلحہ کا ذخیرہ اور سواروں کا دستہ دیکھا تو وہ گھبرا گئے۔مکہ والوں نے مکرز بن حفص کو استفسار کے لئے بھیجا۔ حضورؐ نے فرمایا ہم وعدے پر قائم ہیں۔اسلحہ اور گھوڑے حرم مکہ کے اندر نہیں جائیں گے۔شدید مخالفین مکہ چھوڑ کر پہاڑوں میں چلے گئے لیکن عام باشندے کثیر تعداد میں صف باندھے مسلمانوں کے حرم کعبہ میں داخلہ کا نظارہ کرتے رہے اور انہوں نے مسلمانوں کے طرز عبادت اور اخلاق و کردار کی امتیازی شان بھی دیکھی۔ایک طرف مسلمانوں کی حربی و سیاسی قوت تھی تو دوسری طرف ان کے اخلاق حمیدہ کی کشش۔مسلمانوں کی سیرت و کردار تعمیر و ترقی کا جذبہ جماعتی نظم و ضبط اور امن و انصاف کے پیغام نے عوام کے ذہنوں اور رائے عامہ کو بے حد متاثر کیا۔قیصر کے دربار میں ابو سفیان نے جو حال دیکھا تھا اس سے خود ابو سفیان کے دل پر اسلام کی حقانیت کا نقش ثبت ہو گیا تھا اور اسلام کی دعوت ایک عالمگیر انقلاب کا پیغام بن چکی تھی۔

دوسرے روز آپؐ بیت اللہ میں تشریف لائے۔حضرت بلال نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان کہی اور رسولؐ اللہ نے اپنے دو ہزار صحابہ کو نماز ظہر پڑھائی۔مہاجرین تین دن تک مکہ کے اندر گھومتے پھرتے رہے اور اپنے انصار دوستوں کو بھی مکہ کی سیر کرائی اور گزرے ہوئے دور کی یادیں تازہ کیں۔تمام مسلمان انتہائی پر امن، بلند اخلاق، اعلیٰ کردار کا نمونہ تھے۔اہل مکہ یہ حیرتناک منظر دیکھ کر متاثر ہو رہے تھے۔یہ تکمیل انسانیت کا حسین مرقع سب کو ورطہ حیرت میں ڈال رہا تھا۔کوئی برائی نہیں۔بد اخلاقی نہیں بلکہ مساوات انسانی، اخوت اسلامی اور خلوص و محبت کے ساتھ انسانی ہمدردی اور خیر سگالی کے جذبات سے پیش آرہے تھے۔کوئی حسب و نسب، نسل و قبیلہ اور غریب و امیر کا فرق نہیں سب انسان ہیں۔مکمل انسانیت کا بے مثال نمونہ رسولؐ اللہ نے احترام معاہدہ کے مطابق مسلمانوں کو مراجعت کا حکم دیا آگے رسول خداؐ قصواء پر سوار اور ساتھ دو ہزار مسلمانوں کا جم غفیر آپ اپنے ہمراہ حضرت میمونہ حضرت سلمیٰ حضرت حمزہ کی بیوہ اور عمارہ حضرت حمزہ کی بیٹی کو بھی لے آئے۔

آنحضرتؐ نے 7 ھ میں عمرہ قضا کے موقع پر حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ سے عقد فرمایا۔ان کا نام برہ تھا۔آپ نے بدل کر میمونہ رکھ دیا۔یہ ام فضل حضرت عباس کی اہلیہ کی حقیقی بہن تھیں اور جناب عباس نے ہی آپ سے ان کا عقد کرایا تھا اور آنحضرتؐ کی طرف سے چار سو دینار حق مہر خود اپنے پاس سے ادا کیا تھا۔حضورؐ نے مکہ کے قریب سرف کے مقام پر شب عروسی منائی۔رسولؐ اللہ نے حضرت میمونہ سے سیاسی حکمت عملی کے تحت

شادی کی تھی۔ کیونکہ میمونہ ایک معزز بیوہ تھیں جن کی عمر اکیاون سال کی ہو چکی تھی۔ سیاسی مصلحت یہ تھی کہ میمونہ حضرت خالد بن ولید کی حقیقی خالہ تھیں اور آپ نے خالد کی پرورش کی تھی اور [redacted] اپنی ماں سے بھی زیادہ اپنی اس خالہ سے محبت کرتا تھا۔ چنانچہ اس شادی کے بعد خالد بن ولید اپنے دوست عمرو بن العاص کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہو گئے جو اسلام اور مسلمانوں کی تقویت کا باعث ہوئے۔

آپؐ تین دن تک مکہ میں مقیم رہے۔ چوتھے روز ظہر کے وقت سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ نے عرض کیا کہ آپ کا مقررہ وقت ختم ہو گیا ہے۔ آپؐ واپس تشریف لے جائیں۔ آپؐ نے قریش سے کہا کہ میں چاہتا تھا کہ شب عروسی مکہ میں مناؤں اور آپ لوگوں کے لئے ولیمہ کی دعوت کا اہتمام کروں۔ مگر انہوں نے کہا کہ ہمیں آپؐ کے کھانے کی ضرورت نہیں۔ آپ ہمارا شہر خالی کر دیں۔ اس لئے کہ تین دن ختم ہو چکے ہیں۔ چنانچہ آپؐ وہاں سے روانہ ہوئے۔

آپؐ نے مکہ سے عمارہ بنت حمزہ کو اور ان کی والدہ سلمہ بنت عمیس کو لیا۔ عمارہ کی سرپرستی اور کفالت کے لئے علی جعفر اور زید بن حارث نے مطالبہ کیا مگر حضورؐ نے جعفر کے حق میں فیصلہ دیا کیونکہ عمارہ کی خالہ اسماء بنت عمیس ان کی زوجہ تھیں جو عمارہ کی کفالت کا فائق حق رکھتی تھیں۔ رسولؐ اللہ مکہ سے سرف میں آئے۔ شام کے وقت ابو رافع حضرت میمونہ کو لے کر سرف پہنچ گئے۔ آپؐ نے یہاں رات قیام کیا اور پچھلی رات مدینہ روانہ ہو گئے۔

آنحضرت کی سفارتی سرگرمیاں

مکہ کی شہری مملکت جو قصی بن کلاب نے قائم کی تھی اس میں بھی سفارت کا ادارہ قائم تھا اور آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت اس مملکت میں سفارت کا عہدہ قبیلہ بنو عدی کے پاس تھا اور حضرت عمر اس عہدہ پر فائز تھے۔ جب مسلمان 5 نبوی میں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تو قریش نے ان کو واپس لانے کے لئے اپنے دو بڑے لائق سفیر عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو نجاشی شاہ حبش کے پاس بھیجا۔ گویا کہ زمانہ جاہلیت میں بھی دفاعی معاہدات تجارتی تعلقات اور سیاسی مقاصد کے لئے سفارتی رابطے پیدا کئے جاتے تھے۔ جناب رسولؐ اللہ نے سفارتی ادارے کو زیادہ فعال، مؤثر اور منظم بنایا۔ اس نظام میں دعوت رشد وہدایت اشاعت اسلام، امن و سلامتی اور دفاع ملک و ملت کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ ایک نظریاتی مملکت میں سفراء کی ذمہ داریاں بڑی اہم ہوتی ہیں کیونکہ انہوں نے نہ صرف اپنے ملک کے سیاسی، معاشی اور دفاعی مفاد کا تحفظ کرنا ہوتا ہے بلکہ اپنے نظریہ حیات، مذہب کی تعلیم اور اصولوں پر کسی حالت میں بھی سمجھوتہ نہیں کرنا ہوتا۔ لہذا آنحضرتؐ عہدہ سفارت کے لئے ایسے افراد کا انتخاب فرماتے تھے جو دین اسلام کا وسیع علم رکھتے ہوں سیاسی تدبر و تفکر، ذہانت کے ساتھ اپنے افکار و نظریات، خیالات و مقاصد کا پر اثر انداز میں اظہار کرنے اور دوسروں کو اپنے نقطہ نظر کا قائل کرنے کی اہلیت، صلاحیت رکھتے ہوں۔ علاوہ ازیں سفیر کی شخصیت، حرکات و سکنات اور انداز بیان باوقار اور مسحور کن ہو۔ وغیرہ۔

آنحضرتؐ نے پہلی بار حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو 3 ھ 625ء میں بنو نضیر کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ دوسری بار غزوہ خندق کے موقعہ پر جب بنو قریظہ نے غداری کی تو ان کو اپنے وعدہ، پیمان پر قائم رکھنے کے لئے حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کو ان کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا۔

اسی غزوہ میں آنحضرتؐ نے قبیلہ بنو غطفان کے ایک مدبر نو مسلم نعیم بن مسعود کو اپنا خفیہ سفیر بنا کر بنو قریظہ قریش و دیگر قبائل کے درمیان بداعتمادی اور انتشار پیدا کرنے کے لئے سفیر مقرر فرمایا۔

ذوقعدہ 6 ھ میں صلح حدیبیہ کے دوران آنحضرتؐ نے تین سفیر مکہ روانہ کئے جن میں حضرت عثمان بھی شامل تھے۔ قریش کی طرف سے بھی کئی سفیر آئے آخر میں قریش نے سہیل بن عمرو کو سفر بنا کر بھیجا جو خطیب قریش تھے اور ان کی معرفت آنحضرتؐ اور قریش کے درمیان تاریخی معاہدہ صلح حدیبیہ کے نام سے طے پا گیا۔

صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرتؐ نے جن سفیروں کو جزیرہ نمائے عرب اور دیگر ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں کی طرف اسلام کی دعوت رشد و ہدایت اور پیغام امن و سلامتی اور انسانیت دے کر بھیجا ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

نام سفیر	جن کی طرف بھیجا گیا
1۔ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی	قیصر روم ہرقل کے پاس
2۔ حضرت عبداللہ بن حزامہ سہمی	کسریٰ خسرو پرویز شاہ ایران
3۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری	نجاشی اصحمہ شاہ حبش
4۔ حضرت طالب بن ابی بلتعہ	مقوقس شاہ مصر
5۔ حضرت شجاع بن وہب اسدی	ملک تخوم حاکم شام
6۔ حضرت علا بن حضرمی	بحرین
7۔ حضرت عمرو بن عاص سہمی	عمان
8۔ حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی	حمیر۔ یمن
9۔ حضرت نمیر بن فرشہ ثقفی	طائف کے قبیلوں کی طرف
10۔ حضرت طبیان بن مرشد سدوی	قبیلہ بکر بن وائل
11۔ حضرت حارث بن عمیر ازدی	حارث بن عمیر غسانی شاہ بصری
12۔ حضرت عباش بن ابی ربیعہ مخزومی	حمیر۔ یمن کے پاس
13۔ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی	استعف نجران
14۔ حضرت خراش بن امیہ	قریش مکہ کے پاس صلح حدیبیہ کے وقت
15۔ حضرت عثمان بن عفان	قریش مکہ کے پاس مصالحت کے لئے
16۔ حضرت سلیط بن عمر	ہوزہ بن علی ۔ سردار یمامہ
17۔ حضرت عمرو بن العاص	شاہان عمان ۔ جعفر و عبد
18۔ حضرت ابو زید	شاہ عمان
19۔ حضرت غیر بن خرشہ	طائف و ثقیف
20۔ حضرت ابو عامر	حدود شام
21۔ حضرت عمرو بن امیہ	مسیلمہ کذاب ۔ یمامہ

22۔ حضرت عبداللہ بن موسیٰ		قبائل یمن
23۔ حضرت عبدالرحمن		ذوالکلاح ■ ذو ظلم

آنحضرتؐ کی اکثر سفارتیں کامیاب رہیں۔ صرف کسریٰ شاہ ایران نے حضورؐ کا نامہ مبارک پھاڑ دیا اور سفیر کے ساتھ بد اخلاق اور تکبر کے ساتھ پیش آیا۔ مسیلمہ کذاب نے آنحضرتؐ کے سفیر حضرت حبیب زید کو قتل کرا دیا۔ اسی طرح شاہ بصریٰ حارث بن عمیر غسانی نے بھی اسلام کے سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدی کو قتل کر دیا تھا جس کی وجہ سے جنگ موتہ ہوئی۔

سلاطین و حکمرانان عالم کو دعوت اسلام

آنحضرتؐ کے عہد نبوت و رسالت کی ابتداء میں دنیا میں دو سپر طاقتیں تھیں۔ روم اور فارس ان دونوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ 621ء میں فارس کی فوجیں غالب آ کر ملک شام، مصر اور ایشیائے کوچک پر قابض ہو گئی تھیں اور اہل فارس قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی دھمکیاں دے رہے تھے مگر ہرقل شاہ روم نے فارس کے خلاف زبردست تیاری کر کے حالات کا رخ موڑ دیا اور اس کی فوجیں فارس کے شہروں کے قلب تک جا پہنچیں۔ اور اپنی عظمت رفتہ کو واپس لانے میں کامیاب ہو گیا۔ 626ء میں ہرقل شاہ روم نے فارس کی فوجوں کو شکست فاش دے کر اس کے بہت سے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ کسریٰ شکست کھا کر اپنے دارالسلطنت کی طرف چلا گیا اور فروری 628ء میں اس کے بیٹے شیرویہ نے اسے قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا اور شہنشاہ روم کے ساتھ معاہدہ صلح کر لیا۔ جس کے مطابق دونوں ملکوں کی وہی حدود باقی رہیں جو جنگ سے پہلے تھیں اور دونوں نے ایک دوسرے کے علاقے خالی کر دیے۔ قریباً اسی زمانہ میں مسلمانوں اور قریش کے درمیان معاہدہ صلح حدیبیہ قرار پایا۔ اسی سال کے موسم بہار میں ہرقل بیت المقدس کی زیارت کو روانہ ہوا۔

آنحضرتؐ نے صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر دنیا کے بادشاہوں اور حکمرانوں کو دعوت اسلام دیتے ہوئے خطوط ارسال کئے اور تجربہ کار اور مدبر مسلمان سفراء کو قاصد بنا کر بھیجا۔ جو دوران تجارت ان کے رسم و رواج اور عادات سے واقف تھے۔ جب رسولؐ اللہ نے بادشاہوں کو اسلامی دعوت نامے بھیجنے کا فیصلہ کیا تو آپؐ نے مہر ثبت کرنے کے لئے چاندی کی ایک انگشتری بنوائی۔ جس پر تین الفاظ تین سطروں میں کندہ کروائے۔ ایک سطر میں لفظ اللہ ایک درمیانی سطر میں رسول اور آخری سطر میں محمدؐ کندہ تھا۔ یہ انگوٹھی آنحضرتؐ کے دست مبارک میں رہی۔ پھر حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان کے ہاتھ میں رہی۔ جب حضرت عثمان شہید کر دیے گئے۔ تو یہ انگوٹھی ایک کنوئیں میں گر گئی جسے تین دن تک تلاش کیا مگر نہ ملی۔

آنحضرتؐ کا دعوت نامہ روم کے نام

آنحضرتؐ کا خط ہرقل شہنشاہ روم کے نام حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ ھ کے آخر میں لے کر گئے جو ہرقل کو محرم 7 ھ میں ملا۔ آپؐ نے دحیہ بن خلیفہ کلبی کو ہدایت کی تھی کہ وہ یہ خط شام کے حکمران حارث غسانیؓ کو بصریٰ میں جا کر دیں تاکہ وہ اسے ہرقل تک پہنچا دیں۔ ہرقل ان دنوں فارس کے خلاف اپنی کامیابی کی نذر پوری کرنے کے لئے 628ء فصل خریف / 7 ھ میں ادھر آیا ہوا تھا۔ چنانچہ حضورؐ کا یہ گرامی نامہ حضرت دحیہ کلبی نے حارث غسانی کو بصریٰ میں دیا جو اس نے عدی بن حاتم کو دحیہ کے ہمراہ بھیج کر ہرقل کو پہنچا دیا۔ اس مکتوب گرامی کا متن حسب ذیل ہے:۔

" محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام

" جس نے ہدایت کا اتباع کیا اس پر سلام ہو۔ اما بعد۔ اسلام قبول کر لو۔ نجات پاؤ گے۔ حق تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔ اگر اسلام سے روگردانی کرو گے تو تمہاری رعایا کا گناہ بھی تمہاری گردن پر ہو گا۔"

حاکم بصریٰ کا قاصد حضرت دحیہ کلبی کو ساتھ لے کر ہرقل کے دربار میں پیش ہوا۔ ہرقل نے اس سے قبل ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک نبی پیدا ہو چکا ہے ہرقل نے حضرت دحیہ سے معلومات حاصل کیں۔ خط پڑھا اور دحیہ کو عزت و احترام کے ساتھ واپس کر دیا۔ پھر ہرقل نے مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے غزا کے مقام سے ابو سفیان کو بلا کر اس سے مزید تفصیلی معلومات حاصل کیں۔

آنحضرتؐ کا نامہ مبارک کسریٰ شاہ فارس کے نام

آنحضرتؐ نے کسریٰ پرویز بن ہرمز کے نام بھی خط لکھا اور اس کو اسلام کی دعوت دی۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کو قاصد بنا کر شاہ فارس کے پاس بھیجا۔

" محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ شاہ فارس کے نام۔ اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا ہوا اللہ کا رسول ہوں تاکہ وہ ہر زندہ انسان کو اپنے عذاب سے ڈرائے۔ اسلام قبول کر لو، امن میں رہو گے۔ اگر انکار کرو گے تو تم پر تمہاری تمام مجوسی رعایا کا گناہ ہو گا۔"

اس نے خط پڑھ کر پھاڑ دیا اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دھمکیاں دیں۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اللہ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ کسریٰ نے اپنے گورنر یمن باذان کو لکھ کر بھیجا کہ اس شخص یعنی رسولؐ

اللہ کو گرفتار کر کے میرے پاس پہنچا دو۔ چنانچہ باذان نے اپنے دو آدمی پاپویہ اور خرخرہ کو مدینہ حضورؐ کے پاس بلانے کے لئے بھیجا۔ جب وہ مدینہ آئے اور حضورؐ سے ملاقات ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے شہنشاہ کسریٰ کو اس کے بیٹے شیرویہ نے فلاں دن قتل کر دیا تھا اور اب برسر حکومت شہنشاہ شیرویہ ہے۔ وہ حیران ہو کر واپس باذان کے پاس گئے اور تمام حالات بیان کئے۔ چند دن بعد اس خبر کی تصدیق ہو گئی کہ واقعی شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا ہے۔ باذان کو جب حضورؐ کی خبر کی تصدیق ہو گئی تو وہ مسلمان ہو گیا اور اس طرح یمن میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ جب باذان اسلام لے آیا تو حضورؐ نے اس کو اپنی طرف سے یمن کا حکمران بنا دیا۔ اس کا دارالخلافہ صنعاء رکھا گیا۔

آنحضرتؐ کا نامہ مبارک سلطان مقوقس شاہ مصر کے نام 7 ھ / 628ء

حاطب بن ابی بلتعہؓ کو قاصد بنا کر شاہ مصر مقوقس کو دعوت اسلام کا پیغام دے کر روانہ کیا۔ خط کا مضمون حسب ذیل ہے۔

> "اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے قبطہ کے بادشاہ مقوقس کے نام جس نے ہدایت کا اتباع کیا، اس پر سلامتی ہو۔ اما بعد میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ۔ نجات پاؤ گے اور حق تعالیٰ تمہیں دوہرا ثواب عطا فرمائے گا اور اگر تم نے اس سے روگردانی کی تو پوری قبطی قوم کا گناہ تم پر ہو گا۔ اے اہل کتاب! اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کریں گے نہ اس کا کسی کو شریک ٹھہرائیں گے اور نہ ہم میں سے کوئی خدا کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا پروردگار بنائے گا۔ اگر دوسرے لوگ اس سے انحراف کریں تو تم صاف صاف اعلان کر دو کہ ہم تو خدا پر ایمان لانے والے ہیں۔"

آپؐ نے اس خط پر اپنی مہر ثبت کر کے حاطب کے حوالہ فرمایا۔ مقوقس شاہ مصر یہ خط وصول کر کے بہت خوش ہوا اور اسے پڑھ کر محفوظ کر لیا۔ حضرت حاطب کو تحفے دیے اور آنحضرتؐ کے لئے دو انتہائی خوبصورت قبطی نوجوان لڑکیاں ماریہ اور اس کی بہن سیرین کے علاوہ ایک سفید رنگ کا دلدل، ایک سفید رنگ کا گدھا اور دیگر بے شمار تحائف بھی ارسال کئے۔ ماریہ اور سیرین نے اسلام قبول کر لیا ماریہ 8 ھ میں مدینہ پہنچیں تھیں۔ آپؐ نے اس سے عقد کر لیا اور حضرت ابراہیم پیدا ہوئے جو اٹھارہ ماہ کے بعد وفات پا گئے۔

آنحضرتؐ کا نامہ مبارک۔ اصحمہ نجاشی شاہ حبش کے نام

مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے تو نجاشی نے ان کی ہر ممکن مدد کی۔ قریش کے وفد کے مطالبہ پر ان

آنحضرتؐ کا نامہ مبارک۔ بنام ہوذہ بن علی حنفی

شاہ یمامہ

آنحضرتؐ نے سلیط بن عمرو عاری کے ہاتھ ہوذہ بن علی حنفی شاہ یمامہ کو درج ذیل نامہ مبارک روانہ فرمایا۔

محمد رسولؐ اللہ کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کا اتباع کیا تمہیں معلوم ہو کہ میرا دین عنقریب وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں تک کسی انسان کے پیر اور کسی جانور کے کھر پہنچیں گے پس تم اسلام قبول کر لو۔ نجات پا جاؤ گے اور تمہارے ماتحت جو ملک ہے اس پر تمہیں ہی حاکم رہنے دوں گا۔"

اس نے خط پڑھنے کے بعد اسلام لانے کے لئے سودا بازی شروع کر دی اور کہا کہ اگر میں اسلام لے آؤں اور آنحضرتؐ کو عرب میں اقتدار حاصل ہو جائے تو اس میں میرا حصہ کیا ہو گا۔ حضورؐ کو جب اس کی اس شرط کی اطلاع ملی تو آپؐ نے مذمت کی۔

آنحضرتؐ کا نامہ مبارک۔ بنام منذر بن ساوی تمیمی

منذر بحرین کا بادشاہ تھا آنحضرتؐ نے حضرت علاء بن حضرمیؓ کو نامہ گرامی دے کر اس کی طرف روانہ کر دیا۔ جس میں اسے اسلام کی دعوت تھی اس کا متن یہ ہے۔

محمد رسولؐ اللہ کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام۔ تجھ پر سلام ہو۔ میں تجھ سے اس خدائے قدوس کی حمد بیان کرتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ بلاشبہ محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ اما بعد میں تمہیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں کہ جو شخص نصیحت قبول کرتا ہے ■ اپنے ہی نفع کے لئے کرتا ہے جو شخص میرے قاصدوں کی اطاعت کرتا اور ان کا حکم مانتا ہے ■ میری ہی اطاعت کرتا ہے اور جو ان سے اخلاص و خیر خواہی رکھتا ہے۔ وہ مجھ سے ہی رکھتا ہے۔ میرے قاصدوں نے تمہاری تعریف کی ہے۔ میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کر لی ہے۔"

منذر خود مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم پر بھی اسلام پیش کیا۔ ان میں سے بعض مسلمان ہو گئے اور بعض یہودی اور مجوسی مذہب پر قائم رہے ان لوگوں پر اس نے جزیہ مقرر کر دیا۔

آنحضرتؐ کا نامہ مبارک۔ عمان کے دو حکمرانوں کے نام

عمان۔ عین کے پیش اور میم کے زبر کے ساتھ ہے۔ یہ یمن کا ایک شہر ہے جو دریائے یمن اور ہند کے

کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مسلمانوں نے وہاں آزادی اور امن و سکون کے ساتھ وقت گزارا۔ آپؐ مدینہ ہجرت فرما گئے تو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سے چالیس صحابہ مدینہ آ گئے اور قریباً پچاس صحابہ حبشہ میں ہی نجاشی کی پناہ میں رہے۔

عمرو بن امیہ ضمری کو آنحضرتؐ نے اپنے دو نامۂ گرامی دے کر نجاشی کے پاس حبشہ بھیجا۔ ان میں سے ایک گرامی نامہ کے ذریعہ نجاشی کو دعوت اسلام دی اور دوسرے گرامی نامہ کے ذریعہ ہدایت فرمائی کہ وہ آنحضرتؐ کی طرف سے حضرت ام حبیبہ سے رشتہ طے کر کے غائبانہ آنحضرتؐ کا اس سے عقد کر دیا جائے۔ جس خط میں آپؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی تھی اس کا متن حسب ذیل ہے:۔

" محمد رسول اللہ کی طرف سے اصحمہ نجاشی شاہ حبشہ کے نام۔ تم سلامت رہو۔ میں تمہارے سامنے اس ہستی کے محامد بیان کرتا ہوں جو کائنات عالم کا شہنشاہ بہت پاک ذات امن ۃ سلامتی والا۔ ایمان کی نعمت عطا فرمانے والا اور رزق و موت و حیات کا کفیل ہے۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ تھے۔ جسے خدا نے حضرت مریم کے جسم میں منتقل فرما دیا۔ جو غیر شادی شدہ پاکباز و پارسا تھیں پس جو اس خدائی روح اور اس کی پھونک سے حضرت عیسیٰ سے حاملہ ہو گئیں جس طرح حق تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنے ہاتھ اور اپنی پھونک سے پیدا فرمایا تھا۔ میں تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے اس کا کوئی دوسرا شریک نہیں۔ نیز خدا کی اطاعت قبول کرنے، میری اتباع کرنے اور ان پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں جو میرے پاس وحی لے کر آتے ہیں۔ بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں میں تمہیں اور تمہاری قوم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے اپنا پیغام رسالت تم تک پہنچا دیا اور تمہیں نصیحت کر دی پس تم میری نصیحت مان لو اور راہ ہدایت کی اتباع کرنے والے پر سلامتی ہو۔"

نجاشی نے حضورؐ کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا۔ نجاشی نے اسلام بھی قبول کر لیا اور آنحضرتؐ کو اطلاع بھی کر دی اور ام حبیبہ کو دیگر مہاجرین کے ہمراہ مدینہ بھیج دیا۔ آپؐ کا ام حبیبہ سے نکاح کا یہ مقصد تھا کہ اس کا باپ ابو سفیان اسلام لے آئے۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ نجاشی نے ایک کشتی میں اپنے فرزند کو ساٹھ اہل حبشہ کے ہمراہ آپؐ کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ لیکن جب یہ لوگ دریا کے بیچ میں پہنچے تو کشتی غرق ہو گئی۔ جس سے یہ سب ہلاک ہو گئے۔ نجاشی کے اس مکتوب سے جو اس نے آنحضرتؐ کی طرف بھیجا تھا اس کے اسلام لانے کی صریحاً تائید ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ اسلام حضرت عیسیٰ کے متعلق جو کچھ کہتا ہے وہ بھی اسی کا قائل تھا۔

ساحل پر مقام حجر کے مشرقی سمت واقع ہے۔

آنحضرتؐ نے اپنا مکتوب گرامی حضرت عمرو بن عاصؓ کے ہاتھ جلندی کے ہر دو فرزندان جیفر و عبد کے پاس بھیجا جس کا متن یہ تھا:-

اما بعد۔ میں تم دونوں کو اسلام لانے کی دعوت دیتا ہوں اسلام لے آؤ۔ نجات پا جاؤ گے۔ میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ تاکہ ہر ذی حیات کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں اور کافروں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ ثابت و نافذ ہو جائے۔ اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کر لیا تو میں تمہیں بدستور حاکم رہنے دوں گا اور اگر تم نے قبول اسلام سے انکار کر دیا تو پھر تم دونوں کی حکومت تم سے چھن جائے گی اور میرے سوار دستے تمہارے میدانوں کو اپنی ٹاپوں سے روند ڈالیں گے اور میری نبوت تمہارے ملک پر چھا جائے گی۔"

یہ مکتوب حضرت ابی بن کعبؓ نے تحریر کیا اور آنحضرتؐ نے اس پر اپنی مہر ثبت فرمائی۔ جیفر عبد سے عمر میں بڑے اور حکومت میں بھی ان سے مقدم تھے۔ لیکن عبد بہت بااخلاق، نرم خو اور شائستہ مزاج تھے۔

پس آنحضرتؐ کے قاصد عمرو جیفر سے ملے اور انہیں آنحضرتؐ کا نامہ مبارک دیا جب انہوں نے اور ان کے بھائی نے پڑھا اور حضرت عمرو سے اسلام کے متعلق معلومات کیں۔ پھر دونوں مشرف با اسلام ہو گئے۔ اور ان کے ساتھ اور بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور جو اسلام نہیں لائے۔ ان پر جزیہ مقرر کر دیا گیا۔

آنحضرتؐ کا نامہ مبارک۔ حارث بن ابی شمر غسانی کے نام

حارث بن ابی شمر غسانی قیصر روم کی طرف سے دمشق کا حاکم تھا۔ آنحضرتؐ نے شجاع بن وہب اسدیؓ کو اس کے پاس اپنا نامہ مبارک دے کر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔

محمد رسولؐ اللہ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام۔ اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی راہ اختیار کی اور اللہ پر ایمان لایا۔ پس میں تمہیں خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لے آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ ایسا کرو گے تو تمہارا ملک باقی رہے گا۔

جب اس بدبخت نے خط پڑھا تو زمین پر پھینک دیا، اور کہا مجھ سے میرا ملک کون چھین سکتا ہے؟ اور مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیاری کرنے لگا۔

آنحضرتؐ کا نامہ مبارک۔ امیر بصرہ کے نام

آنحضرتؐ نے حارث بن امیر الاسدی کو دعوت اسلام کا خط دے کر امیر بصریٰ کے نام روانہ کیا اس خط میں بالکل وہی مضمون تھا جو امیر دمشق کے خط میں تھا۔

یہ سفیر امیر بصری تک نہ پہنچ سکے۔ کیونکہ شرجیل بن عمرو غسانی نے انہیں راستہ میں روک لیا اور قتل کر دیا۔

امراء و سلاطین کے نام دعوتی خطوط بھیجنے کا نتیجہ

آنحضرتؐ نے 7 ھ میں دنیا کے ترقی یافتہ اور مہذب ممالک کے حکمرانوں اور سلاطین کے نام جو دعوت اسلام کے خطوط ارسال کیے۔ حضورؐ کی خود اعتمادی اور اپنے نصب العین اور مشن کی حقانیت پر یقین محکم کا ثبوت ہے کیونکہ اس وقت تک ابھی مکہ فتح نہیں ہوا تھا اور حضورؐ بے شمار مشکلات میں پھنسے ہوئے تھے مگر آپ نے تمام دنیا میں اپنا پیغام رشد و ہدایت پہنچانے کا فریضہ ادا کرنے کے لئے بڑے تدبر و حکمت اور جرات و شجاعت کے ساتھ اس وقت کے دنیا کے حکمرانوں کو دعوت توحید و رسالت دی اور انکار کی صورت میں خوفناک انجام کی بھی اطلاع کر دی۔ چنانچہ بعد میں وہی ہوا جو حضورؐ نے ان خطوط میں فرمایا تھا۔

بہرحال اس دعوت تبلیغ و اشاعت کے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوئے۔

1۔ آنحضرتؐ کو ان ملوک و امراء کی آپ کے بارے میں سیاست اور اپنی طرف توجہ کا حال معلوم ہو سکا۔ اس طرح گویا ان خطوط مبارک نے ان سلاطین کی اندرونی کیفیت معلوم کرنے کے لئے ان کی نبضوں پر ہاتھ رکھنے کا کام دیا۔

2۔ یمن کے حاکم باذان نے اپنے ساتھیوں سمیت اسلام قبول کر لیا۔

3۔ مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا لیکن اس نے آنحضرتؐ سے اپنے جوابی مکتوب میں نرم طرز عمل اختیار کر کے اور آپؐ کی خدمت میں تحائف بھیج کر آپؐ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا۔

4۔ جیسا کہ تاریخی کتب میں مشہور ہے نجاشی نے اسلام قبول کر لیا اگرچہ وہ اپنی قوم کو اسلام لانے پر آمادہ نہ کر سکا۔

5۔ منذر بن ساوی والی بحرین کا مشرف بہ اسلام ہونا۔

6۔ عمان کے ہر دو بادشاہوں اور ان کے ساتھ ان کے بہت سی پبلک نے اسلام قبول کر لیا۔

عرب قبائل کے وفود کی آمد 9-10 ھ

اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فرمایا "جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور جب لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی حمد و ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرو اور اس سے بخشش چاہو بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

فتح مکہ کے بعد جب عرب قبائل کو معلوم ہو گیا کہ آنحضرتؐ کا لایا ہوا دین مشرک قریش مکہ پر غالب آگیا

ہے اور نہ صرف ان کی مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت ختم ہو گئی ہے بلکہ قریش خود بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں۔ اور پرچم اسلام کو اٹھا کر اسکی تبلیغ و اشاعت اور دشمنانان اسلام کے مقابلہ کے لئے میدان عمل میں آگئے ہیں تو عرب قبائل جو اب تک اس انتظار میں تھے کہ جناب رسول اللہ اور قریش کے درمیان انقلابی کشمکش کا کیا انجام ہوتا ہے انہوں نے از خود مدینہ کا رخ کر لیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں وفود کی شکل میں حاضر ہو کر دین اسلام کی تعلیم حاصل کرنے اور حلقہ بگوشی اسلام ہونے لگے۔ تاکہ اس نئی مذہبی و سیاسی طاقت کے ساتھ شامل ہو کر دنیا و آخرت کی سعادت و کامیابیاں حاصل کر لیں۔ سب سے زیادہ وفود 9 ھ میں مدینہ آئے اس لئے اس سال کو "عام الوفود" قرار دیا جاتا ہے۔ مختلف مؤرخین نے وفود کی تعداد مختلف بیان کی ہے۔ بہرحال عام روایت قریباً ستر وفود کے متعلق ہے۔

آنحضرتؐ آمدہ وفود کے ساتھ بڑے عزت و احترام اور خلق و محبت کے ساتھ پیش آتے ان کی خاطر مدارت کرتے اور بڑے دلنشین انداز میں اسلام کی تعلیم بیان کرتے جس سے عام وفود مشرف بہ اسلام ہو کر واپس جاتے یا کم از کم اسلام کی حقانیت اور حضورؐ پاک کی سیرت و کردار اور خلق عظیم سے متاثر ہو کر جاتے۔ آپؐ کا بنیادی مقصد اراکین وفود کو دعوت رشد و ہدایت تبلیغ اسلام اور ان کے ساتھ خیرسگالی اور دوستی کے تعلقات پیدا کرنا تھا۔ چنانچہ آپؐ کی سیاسی حکمت عملی اور بصیرت و تدبر کی وجہ سے جو وفود بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے وہ آپؐ کی دعوت اور اسلامی تعلیمات سے بے حد متاثر ہو کر جاتے یہی وجہ تھی کہ عرب قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے اور بسرعت تمام اسلام تمام جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گیا۔ صرف چند ہی سال کے اندر اسلام ایک عالمگیر مذہب اور مسلمان ایک زبردست سیاسی طاقت بن گئے۔ آنحضرتؐ کے وصال سے قبل تمام جزیرہ نمائے عرب کا دس لاکھ مربع میل رقبہ مملکت مدینہ کے قبضہ و کنٹرول میں آچکا تھا اور قریباً تمام آبادی حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھی۔ تمام عرب قبائل بغیر کسی سیاسی یا فوجی دباؤ یا کشت و خون کے وفود اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے از خود مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

ابن اسحاق نے کہا کہ جب رسول اللہؐ نے مکہ فتح کر لیا۔ تبوک سے بھی فارغ ہو گئے اور ثقیف نے بھی آکر بیعت کر کے اسلام قبول کر لیا تو عرب کے وفود چاروں طرف سے آپؐ کے پاس پہنچنے لگے یہ 9 ھ کا واقعہ ہے اور اس سال کو وفود کی آمد کا سال کہا گیا ہے۔ عام عرب قبائل اسلام کے بارے میں اس چیز کے منتظر تھے کہ قبیلہ قریش اور رسول اللہؐ کے مابین معاملات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ قریش سارے عرب کے مذہبی پیشواء اور راہنما تھے۔ بیت اللہ کے نگران اور ذمہ دار تھے۔ ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت حاصل تھی اور حضرت اسماعیل ابن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھے۔ عرب قبائل قریش کی برتری کے معترف تھے اور یہ قریش ہی تھے جنہوں نے رسول اللہؐ کی مخالفت اور ان سے جنگ کا بیڑا اٹھایا تھا لیکن جب مکہ فتح

ہو گیا اور قریش حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تو عرب قبائل نے سمجھ لیا کہ اب رسولؐ اللہ اور قریش کی جنگ ختم ہو گئی ہے۔ تب یہ تمام عرب قبائل چاروں طرف سے چل چل کر آنے اور اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔ جب یہ مختلف قبائل کے سردار وفود کی صورت میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بحث و تمحیص اور مذاکرات کے بعد عموماً مطمئن ہو کر اسلام قبول کرتے اور اپنے قبائل میں پہنچ کر اسلام کی دعوت و تبلیغ کرتے۔ بعض اوقات حضورؐ اپنے قاری اور مبلغین کو ان قبائل کی خواہش کے مطابق ان کے پاس بھیجتے جو وہاں چند دن قیام کرتے اور قبائل میں اسلام کی تعلیم دیتے۔ اس طرح قریباً نو اور دس ہجری کے درمیان تمام جزیرہ نمائے عرب حلقہ بگوش اسلام ہو گیا جن قبائل کے وفود آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

(1) وفد مزینہ قبیلہ مزینہ (2) وفد قبیلہ اسد (3) قبیلہ تمیم (4) قبیلہ عبس (5) قبیلہ فزارہ (6) قبیلہ مرہ (7) قبیلہ ثعلبہ (8) قبیلہ محارب (9) قبیلہ سعد بن بکر (10) قبیلہ کلاب (11) قبیلہ رؤاس بن کلاب (12) قبیلہ عقیل بن کلا (13) قبیلہ جعدہ (14) قبیلہ قشیر بن کعب (15) قبیلہ بنی البکاء (16) قبیلہ کنانہ (17) قبیلہ اشجع (18) قبیلہ باہلہ (19) قبیلہ سلیم (20) قبیلہ ہلال بن عامر (21) قبیلہ عامر بن صعصعہ (22) قبیلہ ثقیف (23) قبیلہ ربیع ▪ عبد القیس (24) بکر بن وائل (25) قبیلہ تغلب (26) قبیلہ حنفیہ (27) قبیلہ شیبان (28) وفود اہل یمن وفد طے (29) وفد تجیب (30) قبیلہ خولان (31) قبیلہ جعفی (32) قبیلہ صداء (33) قبیلہ مراد (34) قبیلہ زبید (35) قبیلہ کندہ (36) قبیلہ صدف (37) قبیلہ خشین (38) قبیلہ سعد ہذیم (39) وفد بلی (40) قبیلہ بہراء (41) عذرہ (42) قبیلہ سلامان (43) قبیلہ جہینیہ (44) وفد کلب (45) قبیلہ جرم (46) قبیلہ ازد (47) قبیلہ غسان (48) قبیلہ حارث بن کعب (49) قبیلہ ہمدان (50) قبیلہ سعد العشیرہ (51) قبیلہ عنس (52) قبیلہ داریین (53) وفد الرہاویین از قبیلہ مذحج (54) قبیلہ غامیہ (55) قبیلہ النخع (56) قبیلہ بجیلہ (57) قبیلہ خثعم (58) قبیلہ الاشعرین (59) قبیلہ حضرت موت (60) ازد عمان (61) قبیلہ غافق (62) قبیلہ بارق (63) قبیلہ دوس (64) قبیلہ ثمالیہ والحدان (65) قبیلہ اسلم (66) قبیلہ جذام (67) قبیلہ مہرہ (68) قبیلہ حمیر (69) وفد نجران (70) قبیلہ حبشیان (71) قبیلہ البساع

(طبقات ابن سعد جلد دوم صفحہ 64 تا 135

نے کہا

8 ھ 630 ء کے حالات و واقعات

حضرت خالد بن ولید کا قبول اسلام 8 ھ

ان کا شجرہ نسب یہ ہے ۔خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم ، ابو سلیمان اور ایک قول کے مطابق ابو الولید قرشی مخزومی۔

ان کی والدہ کا نام لبابہ صغریٰ بنت حارث بن حزن ہلالیہ ہے اور یہ حضرت میمونہ بنت حارث زوجہ حضرت نبی کریمؐ اور آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اہلیہ جنابہ لبابہ کبریٰ کی ہمشیرہ ہیں۔

یہ زمانہ جاہلیت میں قریش کی معزز شخصیتوں میں سے ایک تھے ۔ وہ اس دور میں قبہ (اسلحہ خانہ) اور اعنہ (سوار دستوں کی افسری) پر فائز تھے۔

اعنہ سے مراد ہے کہ وہ لڑائیوں میں قریش کے سوار دستوں کے افسر ہوا کرتے تھے کیونکہ وہ ایک جنگجو فوجی اور بہترین شہ سوار تھے۔

جب انہوں نے اسلام لانے کا قصد کیا تو وہ اپنے ساتھیوں عمرو بن عاص اور طلحہ بن ابی طلحہ عبدری سمیت آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپؐ نے جب انہیں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو صحابہ سے فرمایا مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف بھیج دیئے ہیں۔

حضرت خالد بن ولید کہتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے مجھے نیکی کی ہدایت دینی چاہی تو میرے دل میں اسلام کی محبت ، وفاداری اور ہدایت کی راہ واضح فرما دی میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ان تمام مقامات پر حضرت محمدؐ کے خلاف معرکوں میں شریک ہوا ہوں۔ مگر کوئی معرکہ بھی ایسا نہیں تھا جس سے میں ناکام واپس نہ ہوا ہوں۔ اس سے میرے قلب میں یہ احساس پیدا ہوا کہ میں غلطی پر ہوں اور حضرت محمدؐ ضرور غالب آکر رہیں گے ۔ جب آپ عمرہ قضا میں مکہ تشریف لائے تو میں چھپ گیا اور آپ کے دخول مکہ کے موقع پر وہاں موجود نہ رہا۔ میرے بھائی ولید بن ولید آنحضرتؐ کے ساتھ آئے تھے۔انہوں نے مجھے بلایا مگر میں نہ ملا تو انہوں نے مجھے درج ذیل مضمون کا خط لکھ کر بھیجا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے نزدیک اس سے زیادہ تعجب خیز بات کوئی نہیں کہ تمہاری رائے اب تک اسلام کے خلاف ہے جب کہ تم عقل و فراست میں مشہور ہو۔ کیا اسلام جیسی نعمت سے کوئی سمجھدار شخص ناآشنا رہ سکتا ہے؟ آنحضرت نے مجھ سے تمہارے متعلق دریافت فرمایا ہے کہ خالد کہاں ہے؟ میں نے عرض کر دیا ہے کہ اللہ ہی انہیں لائے گا۔ آپؐ نے فرمایا اس جیسا شخص اسلام سے نابلد نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ اپنی جنگی صلاحیت کو مسلمانوں کے ساتھ ہو کر مشرکین کے خلاف استعمال کرتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور ہم دوسروں پر انہیں ترجیح دیتے۔ پس اے میرے بھائی! تم جہاد کے جن بہترین مواقع سے محروم رہ گئے ہو اب بھی وقت ہے کہ ان کی تلافی کر لو۔

جب بھائی کا یہ خط مجھے ملا تو دل میں باہر نکلنے کا ولولہ پیدا ہوا اور اسلام کی طرف زیادہ میلان ہو گیا خصوصاً آنحضرتؐ کے میرے متعلق ارشاد نے مجھے بہت مسرور کیا۔ میں نے خواب دیکھا گویا میں تنگی و قحط والے علاقہ میں تھا۔ پھر وہاں سے ایک وسیع اور سرسبز و شاداب علاقہ میں آگیا ہوں۔

چنانچہ میں نے اسلام قبول کرنے کا آخری فیصلہ کر لیا اور عثمان بن طلحہ جنجی کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا جب ہم مقام ہدہ پہنچے تو وہاں عمرو بن عاص مل گئے انہوں نے پوچھا کدھر جا رہے ہو؟ ہم مشرف بہ اسلام ہونے کے لئے۔ اس نے کہا میں بھی اسی لئے سفر کر رہا ہوں۔ چنانچہ ہم تینوں مل کر روانہ ہوئے اور مدینہ پہنچ گئے میں سب سے پہلے اپنے بھائی ولید سے ملا انہوں نے کہا جلدی جاؤ کیونکہ آنحضرتؐ آپ حضرات کی آمد پر مسرور ہیں اور آپ سب کا انتظار فرما رہے ہیں۔ یہ سن کر ہم تیز تیز چلے اور حاضر خدمت ہو گئے۔ آنحضرتؐ تبسم فرما رہے تھے یہاں تک کہ میں سامنے جا کھڑا ہوا اور آپ پر سلام نبوت عرض کیا۔ آپؐ نے خندہ پیشانی سے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے عرض کیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا دوسرا معبود نہیں اور آپؐ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا خدا کی تعریف ہے جس نے تمہیں ہدایت فرمائی۔ میں تم میں ایسی عقل و فراست پاتا تھا جس کے متعلق مجھے توقع تھی کہ یہ عقل ضرور تمہیں بھلائی کی طرف لے جائے گی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے حق میں دعا فرمائیے کہ میری آپ کے خلاف جنگی معرکوں میں شرکت کا گناہ معاف فرما دے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اسلام سب پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ پھر عثمان اور عمرو بن عاص نے پیش ہو کر اسلام قبول کیا۔

حضرت عمرو بن عاص۔ فاتح مصر کا قبول اسلام

یہ عمرو بن عاص وہی ہیں جنہیں قریش نے نجاشی کے پاس اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہ اپنے پاس آئے ہوئے مسلمانوں حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کو قریش کے حوالے کر دیں لیکن نجاشی نہ مانا اور ان سے کہا اے عمرو!

تعجب ہے کہ تم سے تمہارے چچا زاد کا معاملہ کیسے مخفی رہا۔ خدا کی قسم! وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ انہوں نے کہا آپ ایسا فرماتے ہیں؟ کہا ہاں۔ خدا کی قسم تم میرا کہنا مان لو۔ چنانچہ چند سال بعد حضرت عمرو وہاں سے ہجرت کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور غزوہ خیبر کے سال مشرف با اسلام ہو گئے۔

حضرت عمرو بن عاص نہ صرف بڑے بہادر جنگجو تھے بلکہ اپنے زمانے کے بہترین سیاستدان بھی تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں قبول اسلام کے لئے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضری کے لئے روانہ ہوا تو راہ میں مجھے خالد بن ولید مل گئے جو مکہ سے آرہے تھے۔ یہ فتح مکہ سے کچھ پہلے کا واقعہ ہے۔ میں نے پوچھا۔ اے ابو سلیمان! کدھر کا قصد ہے؟ کہا خدا کی قسم! حسن و جمال اور خوبیوں کا ظہور ہو چکا ہے۔ بلاشبہ یہ شخص (محمدؐ) نبی ہیں۔ تم بھی چل کر مسلمان ہو جاؤ۔ اب کب تک ہم گمراہی میں رہیں گے؟ واللہ! میں تو اسلام لانے کے لئے جا رہا ہوں۔ پس ہم مل کر مدینہ منورہ پہنچے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے خالد بن ولید نے پیش ہو کر اسلام قبول کیا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ پھر میں آپؐ کے قریب آیا اور عرض کیا یا رسولؐ اللہ میں آپ کے دست مبارک پر اس بات پر بیعت کرتا ہوں کہ میرے پچھلے گناہ معاف فرما دیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے عمرو! بیعت کر لو کہ اسلام لے آنا خود بخود پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ علیٰ ہذا ہجرت بھی سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہے پھر میں نے بیعت کی اور واپس ہوا۔

حضرت عمروؓ کے قبول اسلام کا واقعہ فتح مکہ سے قبل 8 ھ 629-630ء میں پیش آیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً بیالیس سال تک پہنچی تھی۔ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن عاص کے اسلام لانے سے اسلام کو بہت فائدہ پہنچا۔ کیونکہ ان دونوں عظیم الشان اسلامی زعماء اور بہادر قائدین نے اسلامی فتوحات، دعوت اسلامی کی عام تبلیغ اور دین کی سربلندی کی تاریخ میں ایک اہم اور عظیم الشان دور کی بنیاد ڈالی تھی۔

فتح مکہ۔ 20 رمضان 8 ھ جنوری 630ء

معاہدہ صلح حدیبیہ کے موقع پر اس معاہدہ کی اس شرط کے مطابق کہ عرب قبائل میں سے جو چاہیں قریش یا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ امداد و دوستی یعنی ایک دوسرے کے حلیف بن سکتے ہیں۔ اس پر بنو کنانہ نے اسی وقت اعلان کیا کہ ہم قریش کے ساتھ بنو خزاعہ نے اعلان کیا کہ ہم رسولؐ اللہ کے معاہدہ میں شامل ہوتے ہیں یعنی ان کے حلیف بنتے ہیں جناب عبدالمطلب کے زمانہ میں بھی ان کا بنو خزاعہ سے اسی طرح کا باہمی امداد کا معاہدہ ہوا تھا جس میں انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ میرے بعد بھی میری اولاد بنو خزاعہ کے ساتھ اس معاہدہ کو قائم رکھیں گے چنانچہ جناب عبدالمطلب کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے جناب زبیر بن عبدالمطلب نے بھی اس معاہدہ حلیفانہ کو قائم رکھا جو جناب عبدالمطلب کے بعد ان کے وصی و جانشین تھے۔ چنانچہ بنو خزاعہ کے ساتھ اس معاہدہ امداد و دوستی کو منظور فرما لیا۔

بنو بکر اور بنی خزاعہ میں پرانی دشمنی تھی۔ بنی بکر نے ایک مناسب موقع پا کر بنی خزاعہ کو جو ایک چشمۂ آب " وتیر " پر جو مکہ کے زیریں حصہ میں ہے۔ مقیم تھے اچانک حملہ کر کے ان کے کچھ آدمی قتل کر دئے وہ اپنے ہم قبیلہ اسود بن رزن کے بیٹوں کا خزاعہ سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ (بنی بکر کے نوفل نے اپنے حلیفوں کی مدد سے خزاعہ پر جو وطیر نامی چشمہ پر فروکش تھے۔ شب خون مارا ایک شخص کو قتل کر دیا) پھر لڑائی ہوئی بنی بکر کی قریش کے کچھ سرداروں نے خفیہ امداد کی۔ ان میں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابو جہل اور سہیل بن عمرو بھی شامل تھے۔ جب خزاعہ حرم میں آپہنچے تو بنی بکر کے سردار نوفل نے کہا کہ " حرم میں بھی ان کو قتل کر دو۔ آج حرمت کعبہ کا بھی احترام نہیں بلکہ آج میرا کوئی خدا نہیں۔"

بنو بکر اور قریش نے بنو خزاعہ کے بیس آدمی قتل کئے تھے۔ عمرو بن سالم خزاعی چالیس خزاعی سواروں کے ساتھ مدینہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تمام حالات بیان کئے اور امداد کا طلبگار ہوا۔ اس کے بعد بذیل بن برقع نے بھی مدینہ آکر حالات بیان کئے اور امداد کے لئے عرض کی۔ حضورؐ نے مدد کا وعدہ کر لیا۔

آنحضرتؐ نے قریش کی جانب اپنا قاصد بھیج کر حسب ذیل تین شرائط پیش کیں۔

1۔ بنو خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے۔

2۔ قریش بنو بکر کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔

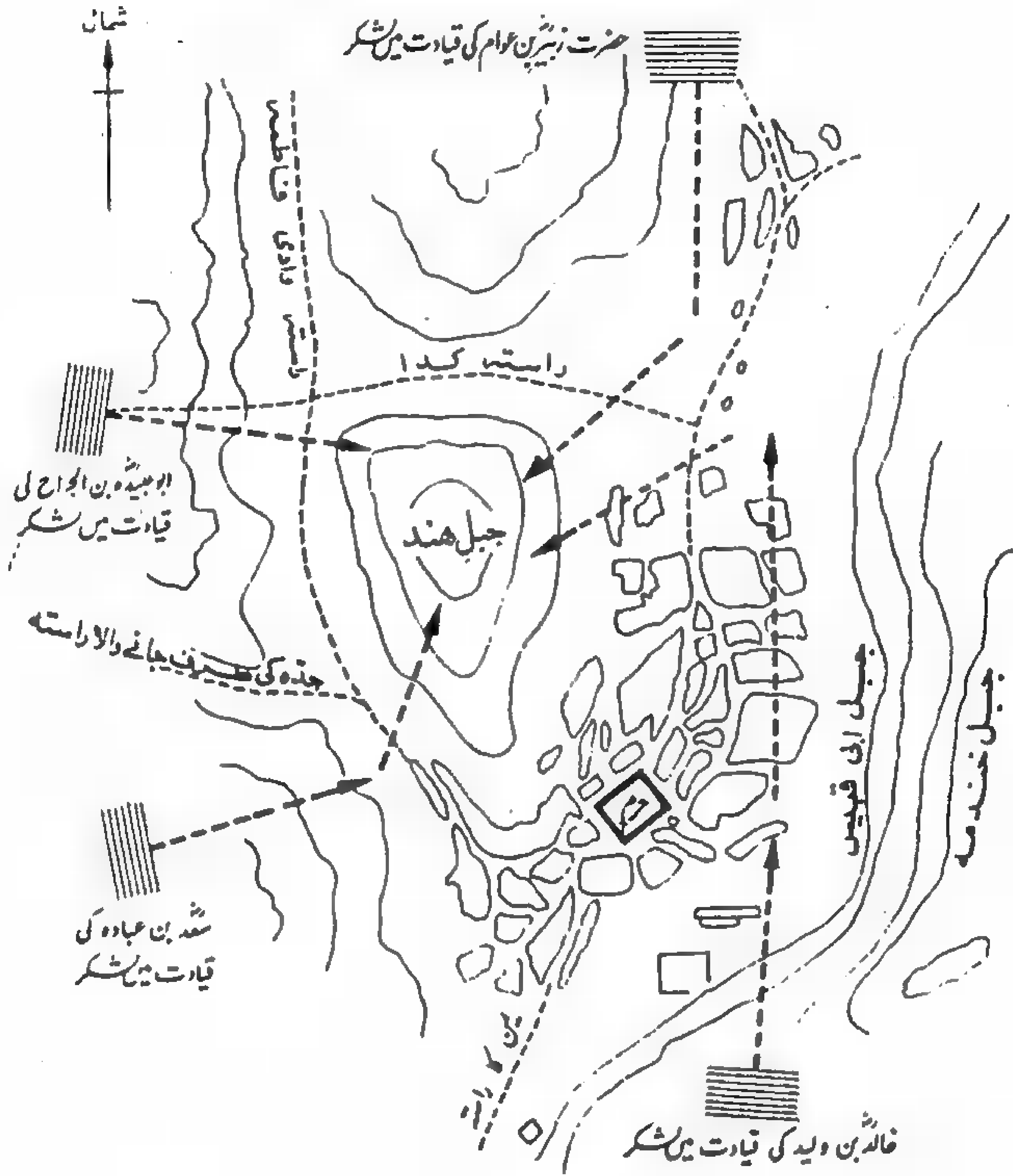
3۔ اعلان کر دیا جائے کہ معاہدہ حدیبیہ ٹوٹ چکا ہے۔

اس کے جواب میں قرطہ بن عمرو نے قریش کی طرف سے جوابؓ دیا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے یعنی معاہدہ حدیبیہ ختم ہے۔

جب قریش نے معاہدہ حدیبیہ کے ختم ہونے کے نتائج پر غور کیا تو وہ سخت پریشان ہوئے کیونکہ آپ آنحضرتؐ کی زبردست طاقت اور قوت بن چکی تھی اور قریش میں آپ کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے انہیں خطرہ پیدا ہوا کہ اب ہم مسلمانوں کے جوابی حملہ سے نہیں بچ سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے مشورہ کر کے ابو سفیان بن حرب کو مدینہ معاہدہ حدیبیہ کو بحال کرنے کے لئے حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ ابو سفیان مدینہ پہنچ کر اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہ کے گھر گیا۔ مگر جب اس نے اپنے باپ کو دیکھا تو حضورؐ کی چارپائی سے انکا بستر اٹھا دیا تاکہ اس کا باپ اس پر نہ بیٹھ سکے۔ ابو سفیان نے کہا " اے بیٹی! کیا یہ بستر تمہارے باپ کے لائق نہیں یا تمہارا باپ اس بستر کے لائق نہیں۔" حضرت ام حبیبہ نے کہا کہ چونکہ آپ مشرک ہیں۔ اس لئے میں نے حضورؐ کا بستر لپیٹ دیا کیونکہ مشرک پاک نہیں ہوتے۔

اس کے بعد ابو سفیان حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے۔ اور درخواست کی کہ آپ آنحضرتؐ کے پاس ہماری طرف سے سفارش کریں کہ معاہدہ حدیبیہ کو بحال کر دیا جائے مگر آپ نے معذوری کا اظہار کر دیا اس کے بعد حضرت

فتحِ مکّہ کی حکمتِ عملی



جنگ و جدل کے بغیر دشمن پر قابو پانے کی حکمت ـــــ چاروں طرف سے عظیم الشان یلغار اور مکمل گھیراؤ
فتح مکہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی حکمتِ عملی کا نقشہ

عمرؓ کے پاس گیا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ " میں اور تمہاری سفارش کروں۔ اگر میرے بس میں ہو تو تمہاری گردن اڑا دوں۔" وہاں سے مایوس ہو کر حضرت علیؓ کے پاس گیا اور کہا کہ " اے علی! یہاں کے تمام لوگوں میں تم سے میرے تعلقات بھی نہایت خوشگوار ہیں اور قرابت میں تم میرے سب سے قریب تر عزیز ہو۔ یعنی ہم ایک ہی قبیلہ بنو عبد مناف سے تعلق رکھتے ہیں میں ایک حاجت لے کر آیا ہوں۔ میری مدد کرو۔" مگر حضرت علیؓ نے بھی اس کی سفارش کرنے سے انکار کر دیا اور مشورہ دیا کہ مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دو کہ ہم معاہدہ حدیبیہ کو بحال کرتے ہیں چنانچہ ابو سفیان آنحضرتؐ کو ملے بغیر ہی مسجد میں یہ اعلان کر کے واپس مکہ چلا گیا۔

آنحضرتؐ نے مکہ پر حملہ کا پروگرام صرف اپنی ذات تک محدود رکھا اور کسی کو روانگی تک خبر نہ تھی کہ اب کدھر کا ارادہ ہے۔ اگر قریش کو مسلمانوں کے حملہ کا ابتداء ہی سے علم ہو جاتا تو وہ اپنی طاقت کو منظم کرتے۔ اپنے حلیف و دیگر قبائل سے مدد حاصل کرتے اور شدید مقابلہ کرتے مگر آپؐ کی فراست اور تدبر کا کمال تھا کہ دس ہزار کا لشکر جرار ہے مگر قریش مکہ کو اس کی نقل و حرکت کا اس وقت علم ہوا جب ان کے سر پر جا پہنچا۔

ابن اسحٰق کے مطابق فتح مکہ میں دس ہزار مسلمان شریک تھے۔ ان میں بنی غفار چار سو، اسلم چار سو، مزینہ ایک ہزار، بنو سلیم کے سات سو جہنیہ ایک ہزار چار سو، ان کے علاوہ قریش بنو تمیم، قیس، اسد اور دوسرے قبائل تھے۔

اتنے عظیم الشان لشکر کی غیر معمولی طاقت اور اہمیت کے باوجود اس کی نقل و حرکت کا قریش مکہ کو بالکل پتہ نہ چلا۔ جب یہ لشکر جرار مقام مراوالظہر میں پہنچا جو مکہ سے صرف بارہ میل کے فاصلہ پر تھا تو قریش مکہ کو اس کا علم ہوا اور وہ حواس باختہ ہو کر پریشان ہو گئے۔ آنحضرتؐ کا مقصد بھی یہی تھا کہ قریش کے دل پر مسلمانوں کی ہیبت چھا جائے اور وہ جنگ کے بغیر ہتھیار ڈال دیں اور خوں ریزی نہ ہو۔

آنحضرتؐ نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد اس ترتیب سے داخلہ کا فرمان صادر فرمایا۔

1۔ حضرت زبیر بن عوام میسرہ کو ہمراہ لے کر مکہ کے شمالی دروازہ سے داخل ہوں۔

2۔ حضرت خالد بن ولید میمنہ کے ساتھ جنوب کی طرف سے۔

3۔ حضرت سعد بن عبادہ انصار مدینہ کو لے کر غربی سمت سے اور

4۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح جبل ہند کے سامنے والی راہ سے اور آنحضرتؐ بھی اس دستہ کے ہمراہ تھے۔

فتح مکہ کے دن آنحضرتؐ نے زبیر بن عوام کو اپنا علم دے کر حکم فرمایا کہ وہ مکہ کے بالائی حصہ پر حجون میں نصب کر دیں۔ آپ مہاجرین و انصار کے رسالہ کی قیادت کر رہے تھے۔ حضرت خالد بن ولید مکہ کے زیریں حصہ سے اندر داخل ہوئے ان کے ماتحت خزاعہ بنو سلیم اور نئے مسلمان شدہ مجاہدین کا دستہ تھا۔

رسولؐ اللہ جب مدینہ سے روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام بنایا اور 10 رمضان

8 ھ یوم چہار شنبہ کو بعد نماز عصر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ 20 رمضان [redacted] ھ کو مکہ میں داخل ہوئے اور سورۃ فتح کی تلاوت فرمارہے تھے۔ اسلامی لشکر نے مراء الظہران میں قیام کیا اور رات پہرے پر حضرت عمر بن خطاب کو عامل مقرر کیا۔ حضورؐ جب مکہ میں داخل ہوئے تو اپنی اونٹنی قصوئی پر سوار تھے۔ پیچھے اسامہ بن زید بیٹھے تھے اور حضرت ابو بکر اور اسید بن حضیر آپؐ کے آگے اور پیچھے تھے۔ اور رسول اللہ کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا لیکن جب اس نے جذباتی انداز میں مکہ میں انتقامی کاروائی کا اظہار کیا تو حضورؐ نے اس کا جھنڈا اس سے لے کر اس کے بیٹے قیس بن سعد کے سپرد کر دیا۔ آپ کے لئے الجُون میں چمڑے کا خیمہ لگایا گیا کسی نے عرض کیا کہ آپؐ اپنے مکان میں کیوں نہیں اترتے تو آپؐ نے فرمایا "کیا عقیل بن ابی طالب نے ہمارے لئے کوئی مکان چھوڑا ہے؟" یعنی اس نے آپؐ کا مکان بیچ دیا تھا۔ آپؐ نے 20 رمضان بروز جمعہ کو مکہ فتح کیا۔ پندرہ روز مکہ میں قیام فرمایا۔

حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ "رسولؐ اللہ نے عمر بن خطاب کو بلایا جو بطحہ میں تھے اور حکم دیا کہ کعبہ میں جائیں اور تمام بت توڑ دیں اور جو تصویریں ہوں ان کو مٹا دیں۔" آپ اس وقت تک کعبہ کے اندر داخل نہ ہوئے جب تک حضرت عمرؓ نے تمام تصاویریں نہ توڑ دیں اور کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کر دیا گیا تو حضورؐ کعبہ میں داخل ہوئے اور بارگاہ ایزدی میں سجدہ شکر بجالائے۔ آپ نے تمام بنی نوع انسان کو خطاب کرتے ہوئے انسانیت کے بنیادی حقوق کو قانونی و مذہبی حیثیت عطا فرمائی جس پر نسل آدم کے امن اور سلامتی دینی و دینوی فلاح و کامرانی کا انحصار و مدار ہے امن عالم کا علمبردار اور انسانیت کا سچا محافظ تمام دنیا کو مخاطب کرتا ہے۔ فتح مکہ کو اصولی طور پر صرف خدا تعالیٰ کی نصرت و اعانت کا نتیجہ قرار دیتا ہے تاکہ اس واقعہ کی بناء پر نسلی و قبائلی انتقام کی طرف ذہن منتقل نہ ہوں۔ تمام بنی نوع انسان ایک باپ کی اولاد ہیں اس لئے ایک کو دوسرے پر کوئی نسلی برتری اور تفوق نہیں۔ لہٰذا غرور نسل بے حقیقت ہے۔ جنہوں نے آپؐ اور آپؐ کے صحابہ پر بے پناہ مظالم ڈھائے تھے۔ ان کے لئے اعلان کر دیا کہ جاؤ تم پر کوئی گرفت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ آج کا دن انتقام کا نہیں بلکہ احسان و وفا کا دن ہے۔

تاریخ عالم نے نہ ایسا فاتح دیکھا ہے اور نہ ہی ایسا سیاسی و عسکری مدبر فتح مکہ سے آپؐ کی شخصیت تاریخ عالم کی عظیم ترین شخصیت بن کر ابھری۔ آپؐ نے مکہ فتح کرنے کے بعد بھی صلح و امن اور خونریزی سے گریز و احتیاط کی پالیسی اختیار کی۔ آپؐ نے قریش کے متعلق عفو عام کا اعلان کر دیا۔

قریش کے لئے یہ بات آسان نہ تھی کہ وہ بغیر جنگ کے ہتھیار ڈال دیں کیونکہ [redacted] عرب کے سردار تھے بہادر اور شجاع تھے ان کی مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت کو تمام عرب تسلیم کرتا تھا۔ دولت مند اور تاجر تھے۔ ان کے شہر میں بیت اللہ تھا۔ جس کے وہ مجاور تھے۔ یہ صرف آنحضرتؐ کی بے مثال سیاسی حکمت عملی، گہری بصیرت اور عظیم تدبر [redacted] حکمت تھی کہ قریش نے جو اسلام کے بدترین دشمن تھے اور اس کے استیصال کے دل و جان سے

خواہاں۔ اپنی خوشی اور رضا مندی سے اسلام قبول کر لیا۔ اور جہاد اسلام کے جھنڈے اٹھلئے۔ وہی ابو سفیان عکرمہ بن ابو جہل، خالد، عمرو بن العاص اور دوسرے ہزاروں قریشی جنہوں نے اپنی بہادری و شجاعت سے اسلام کی سربلندی کے لئے نہ صرف جزیرہ نمائے عرب بلکہ قیصرو کسریٰ کی سرپاوروں کو بھی نیست و نابود کر دیا۔ اور صرف دس سال کے اندر اندر تمام مہذب دنیا پر چھاگئے۔

غزوہ مکہ سے قبل جناب عباس اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ سے تراسی میل پر مقام " جحفہ " آکر حضورؐ سے ملے ابو سفیان بن حارث اور عبداللہ بن امیہ کو بھی حضرت ام سلمہ کی سفارش پر حضورؐ نے معاف کر دیا۔ آنحضرتؐ نے اپنی ناقہ بیفا۔ پر سوار کر کے حضرت عباس کو مکہ میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تاکہ ان کو مسلمانوں کی طاقت و قوت سے مرعوب کر کے ہتھیار ڈالنے اور امن و سلامتی کے ساتھ بغیر جنگ مکہ کو مسلمانوں کے حوالے کر دینے کے لئے آمادہ کریں تاکہ خونریزی نہ ہو۔ ادھر قریش نے بھی اپنے تین سردار ابو سفیان، حکیم بن حزام اور بذیل بن ورقہ کا وفد مصالحت کے لئے حضورؐ کی طرف بھیجا۔ راستہ میں اچانک ان کو حضرت عباسؓ مل گئے جو ابو سفیان کو اپنی ناقہ پر بٹھا کر حضورؐ کے پاس لے آئے اور حکیم بن حزام اور بذیل بن ورقہ کو مکہ واپس لوٹا دیا۔

ابو سفیان کا اس طرح اچانک حضرت عباس کو ملنا اور عباس کا پہلے رسولؐ اللہ کے پاس جا کر اور آپؐ کی ناقہ پر سوار ہو کر مکہ کی طرف آنا یہ سب واقعات کیا اتفاقیہ ہوئے یعنی حسن اتفاق تھا یا منصوبہ بندی اور پروگرام کے مطابق عمل میں آئے اس کے متعلق مختلف رائے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ سب منصوبہ بندی آنحضرتؐ کے مشورہ سے حضرت عباس اور ابو سفیان نے مل کر تیار کی تھی۔ اور یہ بھی حضورؐ کی گہری سیاسی بصیرت اور مدبرانہ حکمت عملی کا نتیجہ تھا کہ قریش کے سب سے بڑے سردار کو خفیہ طور پر اپنے ساتھ ملا لیا تھا تاکہ مکہ میں بغیر جنگ و جدل کے فتح و کامیابی حاصل ہو جائے۔

صفوان بن امیہ عکرمہ بن ابو جہل اور سہیل بن عمرو نے ابو سفیان کے منع کرنے کے باوجود خالد بن ولید کا مقابلہ کیا اور 58 اٹھاون لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کرز بن جابر فہری بنی کعب کے ابن الاعشیر جو زبیر کے دستے میں شامل تھے وہ دوسرے راستہ پر چل پڑے۔ دشمن کے دستہ سے مقابلہ ہوا اور دونوں شہید ہوگئے۔

ہر قسم کے جذبہ انتقام اور کینہ و حسد سے پاک آپؐ نے عفو عام کا اعلان فرما دیا کہ " جاؤ! تم سب آزاد ہو۔ سب کو معاف کر دیا۔" حضورؐ نے اپنے پیغمبرانہ خلق عظیم سے اہل مکہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔

آنحضرتؐ کا کعبۃ اللہ میں اعلان عام

آنحضرتؐ مسجد حرام کے ایک حصہ میں تشریف فرما ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ آپؐ کے سرہانے تلوار لے کر کھڑے ہوگئے۔ پھر آپؐ نے کعبہ شریف کے دربان عثمان بن طلحہ کو بلا کر ان سے کعبہ کی کنجی لی اور اندر داخل

ہو کر دونوں یمنی ستونوں کے درمیان دو رکعت نماز ادا فرمائی ۔ پھر کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا ۔ " خدا کے سوا کوئی اور دوسرا خدا نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا ۔ اپنے بندہ کی مدد فرمائی ۔ اور تمام مخالف جماعتوں کو شکست دے دی ۔ خبردار رہو ۔ ہر آبائی عزو شرف ، ہر خون پامال جس کا کوئی دعویٰ کرتا ہے ، آج میرے ان دونوں قدموں کے نیچے پامال ہے بجز بیت اللہ کی خدمت گزاری اور حجاج کو (آب زمزم) پلانے کی خدمت کے ۔ آگاہ رہو غلطی سے قتل بھی دانستہ قتل کرنے کے مساوی شمار ہوگا ۔ دونوں صورتوں میں شدید قسم کا خون بہا یعنی چالیس حاملہ اونٹنیاں ادا کرنا ہوں گی ۔

اے قوم قریش (حق تعالیٰ نے تمھارے زمانہ جاہلیت کے تکبر وغرور اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کے ناروا طریقہ کو ختم فرما دیا ہے ۔ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے ۔ اور خود حضرت آدم مٹی سے پیدا ہوئے ۔ پھر آپؐ نے آیت تلاوت فرمائی ۔

" اے لوگو ! ہم نے تمھیں مرد و زن کے جوڑے سے پیدا کیا ۔ پھر ہم نے تمھیں قوموں اور برادریوں میں تقسیم کر دیا تاکہ اس نسبت سے باہم تمھارا تعارف ہو سکے ۔ لیکن تم میں خدا کے نزدیک زیادہ باعزت وہی ہوگا جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا " ۔

اے قریشیوں اور اے مکہ والو! تمھارا کیا خیال ہے میں تم سے کیا برتاؤ کروں گا ؟ سب نے یک زبان ہو کر عرض کیا " آپؐ سے ہمیں بھلائی ہی کی توقع ہے کیونکہ آپؐ ہمارے مہربان و فیاض بھائی اور مہربان و فیاض بھائی کے فرزند ہیں ۔ "

آپؐ نے فرمایا جاؤ تم سب کو آزاد کر دیا گیا ۔ پس آنحضرتؐ نے انہیں آزاد فرما دیا ۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے آپؐ کو ان پر بزور بازو تسلط عطا فرما دیا تھا ۔ اور وہ سب آپؐ کے مال غنیمت کا درجہ رکھتے تھے ۔ تب سے اہل مکہ کا نام " طلقا " (چھوڑے ہوئے) پڑ گیا ۔ رہی کعبہ کی کنجی سو اسے حضرت عثمان بن طلحہؓ ہی کو واپس فرمائی اور فرمایا اے بنو ابی طلحہ ! یہ کنجی لو ۔ یہ ہمیشہ تمھارے ہی پاس رہے گی ۔ آئندہ بجز ظالم شخص کے کوئی تم سے اسے نہ چھین سکے گا اور پانی پلانے کی خدمت حضرت عباس بن عبدالمطلب کو عطا فرمائی ۔

ایک وہ وقت تھا ۔ جب آنحضرتؐ بحالت مظلومی و مجبوری مکہ سے ہجرت فرما گئے تھے ۔ لیکن آج آپؐ اسی مکہ کے سردار تھے آپؐ کا لشکر اس پر قابض تھا ۔ اور آپؐ نے شرک کا مکمل استیصال اور بتوں کا خاتمہ اور خالص توحید کا پرچم بلند کر دیا تھا ۔

وہ لوگ جنہیں قتل کر ڈالنے کا حکم دیا گیا تھا

آنحضرتؐ نے بعض لوگوں کو امان میں داخل کرنے سے مستثنیٰ کر کے ان کے قتل کا حکم صادر فرما دیا وہ کل

پندرہ مرد و زن تھے۔ جن کے اسماء درج ذیل ہیں:۔

1۔ عبداللہ بن ابی سرح بن حارث عامری (حضرت عثمانؓ بن عفان کے رضائی بھائی)

2۔ عبداللہ بن خطل

3۔ عکرمہ بن ابی جہل

4۔ حویرث بن نقید

5۔ مقیس بن صابہ

6۔ ہبار بن اسود بن مطلب

7۔ کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ مزنی

8۔ حارث بن ہشام مخزومی (ابو جہل کے حقیقی بھائی)

9۔ زہیر بن امیہ مخزومی (ام سلمیٰ کا بھائی)

10۔ صفوان بن امیہ بن خلف جمحی

11۔ وحشی بن حرب (حضرت حمزہ کے قاتل)

12۔ دو گانے والی عورتیں جو عبداللہ بن خطل کے پاس تھیں۔ اور آنحضرتؐ اور دوسرے مسلمانوں کی ہجو میں اشعار گایا کرتی تھیں۔

13۔ سارہ بنو مطلب بن عبد مناف کی باندی

14۔ ہند بن عتبہ۔ ابو سفیان کی بیوی اور حضرت معاویہؓ کی والدہ

آنحضرتؐ نے ان مندرجہ بالا افراد میں سے گیارہ کو معاف کر دیا۔ اور صرف چار کو سزاء موت دی گئی جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ عبداللہ بن خطل یہ خونی مجرم تھا۔ اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر کے مرتد ہو گیا تھا۔

2۔ مقیس بن صابہ یہ منافق تھا اور اس نے ایک انصاری کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا۔

3۔ حویرث بن نقیر۔ اس نے آنحضرتؐ کی دو بیٹیوں کو جب وہ ہجرت کر رہیں تھیں ستایا تھا۔ اونٹ سے گرا دیا اور سخت ایذا پہنچائی تھیں۔ حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دیا۔

4۔ ابن خطل کی لونڈی قریبہ۔ یہ لونڈی قریبہ مکہ میں ایک مغنیہ تھی جو آنحضرتؐ کی ہجو میں گیت گایا کرتی تھی۔

فتح مکہ کی کامیابی کی بنیادی وجہ

صلح حدیبیہ نے مسلمانوں کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ خیبر کے یہود اور شمالی علاقوں کے قبائل کا استیصال

کر دیں اور انکی مزاحمت کی طاقت کو ختم کر کے ان کو تاخت و تاراج کر دیں تاکہ وہاں اسلام کی اشاعت کے لئے راستہ ہموار ہو جائے ۔چنانچہ آنحضرتؐ نے ایسا ہی کیا اور خیبر کی فتح اور بنو سلیم ، بنو غطفان کی شکستوں کے بعد مسلمان عسکری اور حربی نقطہ نظر سے ایک زبردست اور ناقابل تسخیر قوت بن چکے تھے اور اب سارے جزیرۃ العرب میں کوئی طاقت بھی ان سے ٹکر لینے یا حریف بننے کی جرات نہیں کر سکتی تھی ۔لہذا اب حضورؐ نے فتح مکہ کی طرف توجہ دی اور قریش نے خود ہی اس کا موقع فراہم کر دیا۔

فتح مکہ کے اسباب و نتائج

فتح مکہ کی وجہ سے اسلام سرعت کے ساتھ عرب میں پھیلنے لگا۔ کیونکہ اب ، مختلف رکاوٹیں بڑی حد تک دور ہو گئی تھیں۔ جو اہل عرب کو دعوت اسلام قبول کرنے میں مانع تھیں خصوصاً

1۔ اکثر قبائل قریش کے حلیف تھے وہ اسلام قبول کرنا عہد شکنی کے برابر سمجھتے تھے۔اب یہ مسئلہ حل ہو گیا۔

2۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو قریش کے مقابلہ میں کمزور تھے اس لئے وہ قریش سے دشمنی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

3۔ تمام عرب کعبہ کے تقدس کی وجہ سے قریش کی مذہبی سیادت کو تسلیم کرتے تھے کیونکہ قریش بیت اللہ کے مجاور تھے۔

4۔ اکثر قبائل ، قریش اور رسولؐ اللہ کی جنگ کے اختتام کا انتظار کر رہے تھے کہ اگر رسولؐ اللہ نے مکہ فتح کر لیا اور اپنی قوم پر غالب آگئے تو یہ اسلام کی صداقت کا یقینی ثبوت ہو گا۔

کیونکہ ان کے خیال میں مکہ کی فتح تائید ایزدی کے بغیر ناممکن تھی۔

5۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اب اسلام کی تبلیغ کی مکمل آزادی مل گئی تھی۔اب مبلغین ہر وقت اور ہر جگہ پر جا کر بلا مزاحمت اسلام کی تبلیغ کر سکتے تھے ۔اور اسلام اپنی حقانیت اور آفاقی تعلیم کی وجہ سے خودبخود اپنے حلقہ اثر کو وسیع کرتا چلا جاتا تھا۔اسلام کی تعلیم اور مسلمانوں کا کردار سب سے بڑا سبب تھا۔

اسلام کی تعلیم کے مطابق فاتح اور مفتوح میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جب کوئی علاقہ یا شہر فتح ہوتا تو مسلمان ان تمام لوگوں کو اپنے میں شامل کر لیتے ۔ان کو اپنا بھائی اور مساوی خیال کرتے اور پوری پوری عزت اور معاشی و معاشرتی حقوق اور مراعات دیتے ۔اس لئے غریب ، پس ماندہ اور غلام عوام بکثرت اسلام میں داخل ہونے لگے۔ گویا اسلام کی تعلیم توحید و رسالت کے علاوہ اس کا معاشرتی نظام جس میں مساوات ، اخوت ، عدل و انصاف اور آزادی فکر و عمل تھا۔سب سے زیادہ باعث کشش تھا اور اسلام سرعت کے ساتھ پھیلتا چلا گیا۔

عسکری حکمت عملی: تاریخ عالم کی عسکری تاریخ میں آنحضرتؐ کا مکہ پر ناگہانی اور اچانک حملہ جس سے دشمن کو تیاری کا موقع نہ دیا گیا ہو ایک بے نظیر مثال ہے۔اس غیر متوقع حملہ کی وجہ سے قریش بغیر لڑائی کے ہتھیار ڈالنے

پر مجبور ہو گئے اور ان کو دس ہزار کے لشکر کی خبر نہ ہوئی ۔ کامیاب سپہ سالار وہ ہوتا ہے جو دوسری خوبیوں کے علاوہ دور اندیش بھی ہو اور ہر احتمال کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرے ۔ چنانچہ فتح مکہ کے حملہ کے لئے بھی آپؐ نے انتہائی مدبرانہ اقدام کئے۔ باوجودیکہ ابو سفیان نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر پھر بھی اس پر نفسیاتی اثر ڈالنے اور مرعوب کرنے کے لئے عباس سے کہا کہ اس کو پہاڑی تنگ گھاٹی پر لے جاؤ۔ اور لشکر اسلام کی طاقت و قوت کا منظر دکھاؤ تاکہ وہ اپنی قوم کو چشم دید حالات سے آگاہ کر لے اور ▪ بھی اس یقین کے ساتھ جائے کہ لشکر اسلام کا مقابلہ قریش کے بس کی بات نہیں۔ آنحضرتؐ نے مزید احتیاطی تدابیر کے مطابق لشکر اسلامی کے چار بہترین مجاہدین کو ان کا سپہ سالار بنایا تاکہ شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیا جائے اور دشمن کسی طرف سے بھی مزاحمت نہ کر سکے۔

فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کے عزم و استقلال میں جو طاقت تھی اس سے پہلے کبھی نہ تھی کیونکہ یہ پاک و مقدس شہر اب ان کے قبضے میں تھا مہاجرین کا اپنا شہر تھا جہاں سے وہ اپنا دین بچانے کے لئے ہجرت کر کے مدینہ گئے تھے ۔ اس میں ان کا مال و اسباب بھی تھا۔ عزیز و اقارب اور احباب بھی تھے۔ اس کے مقابلہ پر قریش کا عزم و استقلال اور مورال انتہائی پست ہو چکا تھا اور وہ اپنے آپ کو شکست خوردہ تصور کرتے تھے۔ عمرہ قضا میں ہی ▪ بہت مرعوب ہو چکے تھے اور خود مکہ کے اندر ہر گھر میں اسلام پھیل چکا تھا۔ اس لئے مکہ کے اندر مقابلہ اور جنگ کی روح مر چکی تھی ۔ عمرہ قضاہ نے اہل مکہ کے دلوں کے دروازے کھول دئے اور فتح مکہ نے شہر کے دروازے۔

" جب حضرت عباس ابو سفیانؓ کو اپنی سواری پر بٹھا کر حضورؐ کے پاس لائے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ " خدا نے ابو سفیان کو بغیر کسی وعدہ اور معاہدہ کے ہمارے قابو میں کر دیا ہے اب مجھے اجازت دیں کہ اس کا قتل کر دوں۔" حضرت عباس نے کہا " اب بس کرو تم ابو سفیان کی اتنی شدید مخالفت صرف اس لئے کر رہے ہو کہ یہ عبد مناف میں سے ہے۔ اگر یہ بنی عدی بن کعب میں سے ہوتا تو تم اس کے متعلق ایسا نہ کہتے۔" حضورؐ نے ابو سفیان سے فرمایا کہ اب تمہیں یقین آجانا چاہئے کہ اللہ واحد کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اللہ ایک ہے جس نے ہماری امداد کی۔" ابو سفیان نے کہا " آپؐ سے بڑھ کر صلہ رحمی کرنے والا نہیں سخی اور شریف کوئی دوسرا نہیں ہو گا۔"

چنانچہ حضرت عباس کے کہنے پر ابو سفیان نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عباس نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ ابو سفیان فخر کو پسند کرتا ہے اسے کوئی خاص امتیاز عطا فرمادیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ " فتح مکہ کے دن اگر کوئی ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے گا تو وہ محفوظ ہو گا۔" آنحضرتؐ نے ابو سفیان کو امن دے کر دعوت اسلام دی کیونکہ اسلام کے پیش نظر انتقام اور جنگ و جدل نہیں بلکہ محض احکام الہی کی دعوت و تبلیغ اور حق و صداقت کی اشاعت و حمایت ہے۔

حضورؐ کوہ صفا پر تشریف فرما تھے اور جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے اور بیعت کے لئے آتے۔ حضرت

عمرؓ ان کو باری باری حضورؐ کے سامنے پیش کرتے اور آپؐ اسلام کے بنیادی اصول توحید و رسالت اور نیک اعمال کی تلقین کرتے۔

تاریخ عالم میں ایک بھی فاتح اور حکمران حضورؐ کی طرح ایفائے عہد اور پاس وفا کی مثال کا ہم پایہ نہیں مل سکتا۔ انصار، کو شک ہوا۔ کہ شائد رسول اللہؐ اپنے شہر مکہ میں مستقل قیام کریں گے۔ مگر حضورؐ نے فرمایا کہ " بیعت عقبہ ثانی میں میں نے آپ لوگوں سے وعدہ کیا تھا کہ اب میری زندگی اور موت آپ لوگوں کے ساتھ ہو گی۔ لہذا مکہ میں اب قیام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ مکہ مجھے دنیا جہان سے زیادہ عزیز ہے۔

حضورؐ سے حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب تو حضرت عباس کے پاس ہے۔ آپؐ خانہ کعبہ کی کلید برادری کا منصب مجھے عطا فرمادیجئے۔ مگر آپؐ نے صاف انکار کر دیا اور عثمان بن طلحہ کو بلا کر کلید کعبہ اس کے حوالے کر دی اور کہا کہ آج کا دن نیکی اور وفا کا دن ہے۔

غزوہ حنین 10 شوال 8 ھ م فروری 630 ء

جنگ حنین کے وجوہات

آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ قبیلہ ہوازن و ثقیف کے سردار اور عوام مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپؐ نے تحقیق حال اور معلومات حاصل کرنے کے لئے عبداللہ بن ابی جدرو کو ان کے علاقے میں بھیجا جنہوں نے چند دن جاسوس کی صورت میں ان کی فوج میں رہ کر تمام حالات کی تحقیق و تصدیق کر لی اور واپس آکر آنحضرتؐ کی خدمت میں تمام حالات بیان کر دیے۔ آنحضرتؐ نے ان کے مسلمانوں پر حملہ کرنے سے پیشتر خود ان کے علاقے میں جا کر ان کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

چنانچہ جنگ کے لئے جھنڈے تیار کیے گئے ان میں سے ایک جھنڈا حضرت علیؓ ایک حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو ایک جھنڈا حضرت عمرؓ بن خطاب کو، خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن منذر کو خزرج کا دوسرا جھنڈا حضرت سعدؓ بن عبادہ کو اور اوس کا جھنڈا حضرت عبیدؓ بن خطیر کے سپرد کیا۔ بنو سلیم اور کچھ نو مسلم کو مقدمۃ الجیش بنایا اور حضرت خالد بن ولید کو ان کا سپہ سالار مقرر کیا۔ آنحضرتؐ خود سفید خچر پر سوار تھے۔

شرک کا سب سے بڑا قلعہ مکہ سرنگوں ہو گیا تھا اور اسلام کے سب سے بڑے دشمن قریش نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اب مشرک قبائل ہوازن اور ثقیف باقی رہ گئے تھے جو بڑے تیر انداز اور بہادر تھے۔ جب انہوں نے فتح مکہ کی خبر سنی تو فیصلہ کیا کہ قبل ازیں کہ مسلمان ان پر حملہ آور ہوں وہ مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنا کر میدان جنگ میں اتر آئیں۔ مگر بنو کعب اور بنو کلاب نے جن کی شجاعت اور دلیری ایک تسلیم شدہ حقیقت تھی۔ انہوں نے اس متحدہ محاذ کا ساتھ نہ دیا جس کی وجہ سے ان کے عزم و استقلال اور مورال پر ضعف طاری ہو چکا تھا۔

غزوہ حنین کے واقعات

مسلمانوں کے مقدمتہ الجیش میں بنو سلیم کے آدمی تھے جن کی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے اور ان کے آگے سوار فوج جا رہی تھی۔ مشرکین نے وادی کے تمام ٹیلوں پر مسلمانوں کے آنے سے پہلے قبضہ کر رکھا تھا اور کمین گاہوں میں آکر چھپ گئے تھے اور یہاں آکر مسلمانوں کے لشکر کا انتظار کرنے لگے۔ مسلمانوں کی فوجیں وادی حنین میں فجر کے وقت داخل ہوئیں۔ یہ وادی درمیان سے گہری اور ڈھلوان تھی جب مسلمانوں کی اکثر فوجیں وادی میں داخل ہو گئیں تو مشرکوں نے ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمانوں کو معلوم نہ ہو سکا کہ تیر کہاں سے آ رہے ہیں۔ کیونکہ اس وقت ابھی اندھیرا فضا پر مسلط تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ مشرکین کی کمین گاہیں پوری طرح چھپی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں کا مقدمتہ الجیش پیچھے کی طرف پلٹا اس کے آگے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی فوجیں تھیں۔ مسلمانوں کی واپسی شکست کی صورت اختیار کر گئی۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ "جب ہم وادی حنین کے سامنے آئے تو ہم نے تہامہ کی جانب جانے والی وادیوں میں سے ایک نشیبی ڈھلان اور وسیع وادی میں اترنا شروع کیا۔ ہم اترتے ہی چلے جار رہے تھے اور صبح کی تاریکی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ دوسری طرف دشمن ہم سے پہلے ہی وادی میں بڑھ چکے تھے۔ انہوں نے ہر مخفی راستے ہر گوشے اور تنگ گھاٹی سے آکر ہم پر حملہ کر دیا۔ اور پوری طرح چھاگئے۔ یہ ان کا سوچا سمجھا منصوبہ تھا اور ان کی تیاری اور سازو سامان بھی مکمل تھا۔ اور یک جہتی سے حملہ کیا گیا گویا وہ حملہ ایک آدمی کا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہم شکست کھا کر پیچھے لوٹنے لگے اور حالت یہ ہو گئی کہ کوئی کسی کو مڑ کر دیکھتا نہیں تھا۔"

بنو ثقیف اور ہوازن نے وادی حنین میں مخفی طریق پر کمین گاہوں سے ناگہانی ار غیر متوقع حملہ کیا تھا۔ جو کامیاب جنگ کا ایک طریقہ ہے۔ شکست کے بعد مسلمانوں کی حالت انتہائی نازک ہو گئی تھی۔ دشمن نے ان پر غیر متوقع طور پر اپنی کمین گاہوں سے پوشیدہ طور پر نکل کر صبح کے اندھیرے میں حملہ کر دیا تھا۔ ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی تھی۔ سب سے پہلے شکست کھا کر بھاگنے والے نو مسلم تھے۔ بلکہ یہ لوگ بھاگنے کی تلقین کر رہے تھے۔ اس لئے یہ ایک بہت بڑا خطرہ بن گئے تھے۔

صرف حضورؐ اور آپؐ کے ہمراہ قریباً ایک سو صحابہ انصاری اور مہاجرین کی جماعت، رہ گئی۔ جب حضورؐ نے باآواز بلند انصار و مہاجرین کو بلایا تو تمام لوگ فوراً واپس پلٹے۔ دشمن پر ٹوٹ پڑے اور ناکامی کامیابی میں بدل گئی گھمسان کی جنگ ہوئی اور آخر مسلمان کامیاب ہوئے دشمن شکست فاش کھا کر بھاگ گیا۔ ان کے چھ ہزار عورتیں بچے اور مرد جنگی قیدی بنے اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔

بنی عبدالدار کے شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ نے جس کا باپ احد میں مارا گیا تھا۔ بیان کیا ہے کہ اس وقت میرے دل میں آیا کہ آج محمدؐ کو قتل کر کے میں اپنے باپ کا بدلہ لوں گا۔ میں نے رسولؐ اللہ کے قتل کا ارادہ کر لیا

مگر کوئی ایسی شے نظر آئی کہ میرا دل بیٹھ گیا اور مجھے اپنے ارادے پر قدرت نہ ہوئی ۔ میں سمجھ گیا کہ اللہ کی جانب سے آپؐ کو میری جانب سے محفوظ کر دیا گیا ہے ۔

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے جو ذوالمجاز بازار کے پاس عرفہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے ۔ اس مقام کو اوطاس بھی کہتے ہیں ۔) ہوازن اور ثقیف دو قبائل کے نام ہیں جن کی بہت سی شاخیں ہیں ۔ اہل عرب کا خیال تھا کہ اگر آنحضرتؐ قریش پر غالب آگئے اور مکہ فتح ہو گیا تو بلاشبہ وہ سچے پیغمبرؐ ہیں ۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو تمام قبائل نے خود پیش قدمی کر کے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا ۔ لیکن ہوازن اور ثقیف پر الٹا اثر پڑا ۔ یہ قبیلے بڑے جنگجو اور فنون جنگ سے واقف تھے اسلام کو جس قدر غلبہ ہو چکا تھا یہ اسی قدر زیادہ مضطرب تھے کہ ان کی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوا جاتا ہے ۔ اسی بنا پر فتح مکہ کے بعد انہوں نے سمجھ لیا کہ اب انکی باری ہے ۔ اسی لئے انہوں نے آپس سے مل کر مشورہ کیا کہ خود بڑھکر مسلمانوں پر حملہ کر دیا جائے ۔ اس فیصلہ کے بعد متحد ہو کر بڑے زور شور سے آگے بڑھے ۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ اپنی عورتوں ، بچوں اور مال مویشیوں کو بھی ساتھ لائے تاکہ جان توڑ کر لڑا جائے ۔ ان کے دو قبیلے کعب اور کلاب الگ رہے اور جنگ میں شامل نہ ہوئے ۔ ہوازن ثقیف کے اس لشکر کا سردار ایک جوان مالک بن عوف تھا جو قبیلہ ہوازن کا سردار تھا ۔ درپردہ ابن القیمہ جو سو سال سے زائد عمر کا تجربہ کار بہادر تھا ۔ بطور مشیر ساتھ تھا ۔

جب آنحضرتؐ اور حضرت عباسؓ کی آواز پر مسلمان واپس لوٹے تو انہوں نے کفار پر زبردست جوابی حملہ شروع کر دیا اور بڑی جرات ، بے جگری اور عزم و ہمت کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑے ۔ جب یہ لوگ انتہائی ثابت قدمی اور جوانمردی سے لڑ رہے تھے تو آنحضرتؐ نے اپنی رکاب پر کھڑے ہو کر لڑائی کا مشاہدہ کیا اور جب آپؐ نے ان کو اس پامردی سے لڑتے ہوئے دیکھا تو فرمایا " بے شک اب لڑائی کا حق ادا ہو رہا ہے " ۔ مشرکین جنگ حنین میں بھاگ کر کچھ نخلہ اور اکثر طائف گئے ۔ مسلمانوں نے ان کا سرگرم تعاقب کیا کچھ کفار اوطاس کی وادی میں بھاگ گئے ۔ حضورؐ نے ابو عامر اشعری کو ایک دستہ دے کر اوطاس بھیجا وہاں درید بن الصحہ ان کے ہاتھ میں آگیا ابو عامر نے اسے قتل کر دیا ۔ اور دیگر تمام ساتھی شکست کھا کر بھاگ گئے ۔

بعض مسلمان کفار کا تعاقب کرتے ہوئے طائف تک جا پہنچے ۔ جہاں شکست خوردہ مشرکین نے پناہ لی تھی طائف بڑا محفوظ شہر تھا ۔ اس کے گرد فصیل بھی تھی اور بڑے بڑے مضبوط قلعے بھی جن کے دروازے بند کر دیے جاتے تھے ۔ قریباً ایک مہینہ طائف کا محاصرہ جاری رکھنے کے بعد محاصرہ اٹھا لیا گیا ۔ محاصرہ اٹھانے کی وجوہات حسب ذیل ہیں :۔

1۔ طائف بڑا محفوظ شہر تھا ۔ اس کے قلعے بڑے مضبوط تھے ۔ بنو ثقیف بڑے بہادر تھے اور سامان خوراک ان کے پاس کافی تھا ۔

2۔ طائف کے محاصرہ سے قبل مسلمانوں کو مدینہ سے نکلے ایک ماہ ہو چکا تھا اور قریباً دو ماہ بنو ثقعیف اور ہوازن کی جنگ سے لے کر محاصرہ کے آخر تک طائف میں ختم ہو چکے تھے۔ان تین ماہ کی مدت میں لوگ اکتا چکے تھے اور گھر واپس جانا چاہتے تھے۔

3۔ ذی قعدہ کا مہینہ سر پر آگیا تھا جو حرمت کا مہینہ ہے جس میں لڑائی جاری نہیں رکھی جا سکتی تھی۔

4۔ بنو ثقیف کے افراد میں اسلام پھیل رہا تھا۔اسی لئے امید تھی کہ ثقیف خود ہی اسلام قبول کر لیں گے۔ جنگ کی ضرورت نہ ہو گی۔

5۔ کچھ دیر بعد مالک بن عوف کفار کا سردار خود ہی مسلمان ہو گیا۔اور حضورؐ نے مالک بن عوف کو ہوازن کے مسلمانوں کا حاکم مقرر کر دیا جو خود ہی بنو ثقیف سے لڑتا رہا اور تبلیغ اسلام کرتا رہتا تھا۔

6۔ بدو قبائل اور نو مسلمان مال غنیمت کی تقسیم کا مطالبہ کرنے لگے۔

جنگ حنین میں مشرکین کی تعداد اور طاقت

طائف کے راستے میں ذوالمجاز کے برابر حنین کی ایک وادی ہے۔اس کے اور مکہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔اس کا نام اوطاس بھی ہے۔جہاں پر یہ جنگ ہوئی۔یہ قبیلہ ہوازن کے علاقہ میں ایک وادی کا نام ہے۔اس لئے غزوہ حنین کو غزوہ اوطاس اور غزوہ ہوازن بھی کہتے ہیں۔ہوازن عرب کے ایک بڑے قبیلے کا نام ہے جس کی کئی شاخیں ہیں۔جب آنحضرتؐ نے مکہ فتح کر لیا تو قبائل ہوازن و ثقیف کے سرداروں کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اب مسلمان مکہ سے فارغ ہو کر ان پر حملہ آور ہوں گے۔پس انہوں نے قبیلہ بنو ثقیف کے ایک تیس سالہ جوان مالک بن عوف کی زیر قیادت مختلف قبیلوں کی بہت بڑی تعداد جمع کر لی۔جس میں قبیلہ ہوازن و ثقیف کے چار ہزار جوان تھے۔دیگر قبائل کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچی تھی۔قبیلہ ثقیف کا سردار کنانہ بن عبد جلیل تھا اور ایک بہادر تجربہ کار سو سالہ سردار و زید بن صمعہ کو مشورے کے لئے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔مالک بن عوف نے اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ ہر چیز مال مویشی عورتیں اور بچے سب ساتھ لے کر چلیں۔تاکہ وہ جنگ میں ثابت قدم رہیں۔اور شکست نہ کھائیں۔اگرچہ وزید بن صمعہ نے مال مویشی اور بچوں کو ساتھ میدان جنگ میں لے جانے کی مخالفت کی تھی۔مگر مالک بن عوف نے اس کا مشورہ مسترد کر دیا۔اور فیصلہ کیا کہ ہم یکدم فرد واحد کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑیں گے۔ہوازن اور ثقیف کے لوگ بڑے بہادر اور مشہور تیر انداز تھے۔

مسلمانوں کی تعداد اور طاقت

آنحضرتؐ کے ساتھ بارہ ہزار مجاہدین تھے جن میں دس ہزار وہ تھے جو مدینہ سے فتح مکہ کی غرض سے آپؐ کے ہمراہ آئے تھے اور دو ہزار وہ تھے جو فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے تھے۔مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد دیکھ کر

مسلمانوں کو تکبر اور غرور پیدا ہو گیا کہ آج ہم عددی کمتری کی بنا پر مغلوب و شکست خوردہ نہ ہوں گے۔ آنحضرتؐ نے روانگی سے قبل صفوان بن امیہ سے سو عدد زرہیں اور ضروری اسلحہ قرضہ پر لیا۔ اور نوفل بن حارث سے بھی تین ہزار نیزے مستعار لیے۔

آنحضرتؐ بروز شنبہ 6 شوال 8 ھ / 28 جنوری 630ء مکہ سے روانہ ہوئے۔ آپؐ نے حضرت عتابؓ بن اسد بیس سالہ نوجوان کو مکہ کا گورنر مقرر کیا اور اس کی تنخواہ ایک درہم روازنہ مقرر کی۔ حضرت عتاب نے کہا کہ یہ میرے لئے بہت ہے آپؐ نے حضرت معاذؓ بن جبل انصاری کو لوگوں کو اسلام کی تعلیم و تربیت کے لئے مکہ میں متعین فرمایا۔ اس جنگ میں حضرت ابو عامر اشعری اور ایمن ابن عبید (حضرت اسامہ بن زید کے خونی بھائی) شہید ہوئے اور حضرت خالد بن ولید شدید زخمی ہوئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو جو مال غنیمت ہاتھ لگا اس کی تفصیل یہ ہے۔

چھ ہزار عورتیں، مرد اور بچے گرفتار کئے گئے۔ اونٹوں کی تعداد چوبیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار اور چاندی چار ہزار اوقیا۔

جنگ حنین میں اموال غنیمت کی تقسیم

جنگ سے فراغت پر آنحضرتؐ نے حاصل شدہ اموال کی تقسیم شروع کر دی۔ سب سے پہلے مولفتہ قلوب میں ابو سفیان بن حرب کو چالیس اوقیہ (تقریباً سو تولہ) چاندی اور سو اونٹ عطا فرمائے۔ اتنا ہی ان کے فرزندان یزید و معاویہ کو عطا فرمایا۔ حکیم بن حزام کو سو اونٹ عطا فرمائے۔ انہوں نے آپؐ سے سو اور مانگے تو آپؐ نے وہ بھی عطا فرما دیے۔ علی ہذالنضر بن حارث ابن کلدہ، اسید بن جاریہ ثقفی، حارث بن ہشام، صفوان بن امیہ، قیس بن عدی شمل بن عمرو، حویطب، بن عبدالعزی، اقرع بن حابس تمیمی، عینیہ بن حصن، مالک بن عوف سب کو سو سو اونٹ عطا فرمائے۔ عباس بن مرداس کو چالیس اونٹ عطا فرمائے۔ اس کے متعلق انہوں نے ایک شعر کہا تو آپؐ نے ان کے سو اونٹ پورے کر دیے اور مخرمہ بن نوفل، اعلا بن حارثہ، سعید بن یربوع۔ عثمان بن وہب، ہشام بن عمرو عامری کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے۔ اس طرح ان لوگوں میں تقسیم شدہ اونٹوں کی تعداد چار ہزار آٹھ سو پچاس اونٹ عطا فرمائے۔ آپؐ نے یہ تمام عطیات اپنے پانچویں حصہ میں دیے تھے۔ ابن سعد کا قول ہے کہ ہمارے نزدیک سب سے معتبر روایت یہی ہے۔ پھر آپؐ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ بقیہ مجاہدین اور بکریوں کی گنتی پیش کریں۔ پھر آپ نے وہ سب مال باقی حضرات پر برابر تقسیم فرما دیا۔ چنانچہ ہر مجاہد کے حصہ میں چار چار اونٹ اور چالیس چالیس بکریاں آئیں۔ جو گھوڑ سوار تھے۔ انہوں نے سہ گناہ حصہ بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں حاصل کیں اگر کسی کے پاس ایک گھوڑے سے زیادہ گھوڑے تھے تو ان زائد کا الگ حصہ نہیں لگایا گیا۔

حضورؐ نے فرمایا کہ اگر مالک بن عوف مسلمان ہو کر میرے پاس آجائے تو اس کا تمام مال اور بیوی بچے اسے واپس دے دیئے جائیں گے ۔ اس کے علاوہ اس کو ایک سو اونٹ بھی دونگا ۔ جب اس نے یہ سنا تو وہ فوراً حضورؐ کے پاس پہنچ گیا اور آپؐ نے اس کا مال ، اہل و عیال اور سو اونٹ دے دیے بعد میں وہ ایک مخلص اور بہادر مسلمان ثابت ہوا ۔

جنگ حنین کے ابتدائی حصہ میں اگر آنحضرتؐ اور آپؐ کے چند صحابہ کرامؓ مثالی استقلال اور ثابت قدمی کا مظاہرہ نہ کرتے تو مسلمانوں کا جانی نقصان بہت زیادہ ہوتا ۔ اس جنگ میں شیما بنت حارث حضورؐ کی رضائی بہن گرفتار ہو کر آئیں ۔ آپؐ نے اس کو عزت و تکریم کے ساتھ بٹھایا اور کچھ مال و اسباب اور ایک غلام اور ایک لونڈی دے کر خلوص و محبت کے ساتھ رخصت کیا ۔

مسعود بن عمرو القاری مال غنیمت کے امین تھے ۔ رسولؐ اللہ کے حکم کے مطابق یہ تمام مال اور قیدی جعرانہ میں محفوظ کر دیا گیا ۔ اور یہاں ہی مال غنیمت تقسیم کیا گیا پھر اس کے بعد مکہ آکر عمرہ ادا کیا اور واپس مدینہ تشریف لے گئے ۔

غزوہ حنین میں ابتدا میں ناکامی اور بعد میں کامیابی کے اسباب

1 ۔ غزوہ حنین میں مسلمان مجاہدین کی تعداد بارہ ہزار تھی ۔ سابقہ غزوات میں مسلمانوں کی اتنی تعداد کبھی شامل نہیں ہوئی تھی ۔ اس لئے اپنی کثرت تعداد کی وجہ سے مسلمانوں میں فخر و غرور کا جذبہ پیدا ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے ۔ وہ عاجزی اور انکساری کو پسند کرتا ہے ۔ کیونکہ فتح و شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے ۔

2 ۔ مقدمۃ الجیش جس کے انچارج حضرت خالد بن ولید تھے اپنے فرائض منصبی سے کوتاہی کے مرتکب ہوئے کیونکہ انہوں نے دشمن کی جنگی حکمت عملی اور مقامات کا صحیح پتہ نہ کیا اور پھر اپنے لشکر کے بڑے حصے کو دشمن کے اچانک اور غیر متوقع حملہ سے محفوظ نہ رکھ سکے اور واپس لوٹتے ہوئے اپنی فوج میں بدنظمی اور بدحواسی کے ذمہ دار قرار پاتے ہیں ۔ خالد بن ولید خود بھی شدید زخمی ہوئے ۔

3 ۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جو لوگ ابھی ابھی مکہ سے مسلمان ہوئے تھے وہ استقلال اور ثابت قدمی کا مظاہرہ نہ کر سکے اور انکی کمزوری کی وجہ سے ناکامی ہوئی ۔

4 ۔ مکہ سے کچھ منافقین محض مال غنیمت میں حصہ لینے کے لئے ساتھ آئے تھے ۔ بنی عبدالدار کے شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ نے جس کا باپ احد میں مارا گیا تھا بیان کیا کہ اس وقت میرے دل میں آیا کہ آج محمد کو قتل کر کے میں اپنے باپ کا بدلہ لوں گا میں نے رسول اللہ کے قتل کا ارادہ کر لیا ۔ مگر کوئی ایسی شے نظر آئی کہ میرا دل بیٹھ گیا اور مجھے اپنے ارادے پر قدرت نہ ہوئی ۔ میں سمجھ گیا کہ اللہ کی جانب سے آپ کو میری جانب سے محفوظ کر دیا گیا ہے

معرکہ حنین کا نتیجہ آنحضرت کی شخصی قیادت کی بے مثال کامیابی کا مظہر تھا۔ آپ کا بے پناہ عزم ، استقلال خود اعتمادی ، شجاعت و بہادری اور عسکری حکمت عملی کی وجہ سے شکست فتح میں تبدیل ہو گئی اور واپس بھاگنے والے فاتح بن گئے۔ بلا مبالغہ جنگ حضور کی ذات نے جیتی تھی۔ یعنی یہ آپ کی ذاتی فتح تھی۔

غزوہ طائف شوال 8 ھ / فروری 630ء

قلعہ طائف نہایت مستحکم اور مضبوط تھا۔ ثقیف کی شجاعت اور تیر اندازی بڑی مشہور تھی۔ خالد ایک ہزار کا دستہ لے کر آگے روانہ ہوئے اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ منجنیق اور دبابے استعمال ہوئے۔ دشمن کی شدید تیر اندازی کی وجہ سے مسلمان پیچھے ہٹے۔ بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ قریباً بیس دن تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر نوفل بن معاویہ کے مشورہ پر محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

جب ثقیف کے ہزیمت خوردہ لوگ طائف واپس آئے تو انہوں نے اپنے شہر کی فصیل کے دروازے بند کر لئے اور جنگ کی تیاری کے لئے سرگرمی سے مصروف ہو گئے۔ مسلمانوں نے طائف کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں قلعہ کے نزدیک ہونے کی وجہ سے چند مسلمان ثقیف کے تیروں کا نشانہ بنے اور شہید ہو گئے۔ قریباً پندرہ دن کے بعد طائف کا محاصرہ اٹھا لیا اور مسلمان جعرانہ واپس آگئے۔ طائف میں مسلمانوں نے ان کے قلعہ پر منجنیق سے پتھر برسائے اور سخت لڑائی کی۔ ابو سفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ دونوں طائف کے اندر مصالحت کے لئے گئے مگر مصالحت نہ ہو سکی۔ ابو سفیان کی ایک بیٹی آمنہ بنت ابو سفیان طائف کے سردار عروہ بن مسعود کے گھر میں اس کی زوجہ تھی

طائف کے اردگرد ایک بلند فصیل تھی اور شہر میں داخل ہونے کے لئے صرف ایک دروازہ تھا۔ شہر کے باشندے فنون حرب کے ماہر، تیر انداز تھے۔ اور شہر کے اندر مضبوط قلعہ میں تھے۔ طائف کا محاصرہ قریباً پندرہ دن تک جاری رہا اور حضورؐ نے اس کو طول دینا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ لشکری مال غنیمت کی تقسیم کے لئے اصرار کر رہے تھے اور ان کا صبر و استقامت متزلزل ہو رہا تھا۔ حرمت والا مہینہ ذی قعد بھی شروع ہونے والا تھا اور بنی ثقیف نے اپنے قلعہ میں رسد کا بڑا ذخیرہ کر رکھا تھا اور مسلمانوں کو مدینہ سے آئے قریباً تین ماہ ہونے کو تھے اور وہ واپس اپنے گھروں کو جانا چاہتے تھے۔ لہٰذا آپؐ نے محاصرہ ختم کر کے جعرانہ جانے کا اعلان حضرت عمرؓ سے کرا دیا۔

مال غنیمت جعرانہ میں جمع کر دیا گیا۔ مال غنیمت میں سب سے پہلے ان لوگوں کو فراخ دلی سے دیا گیا جن کی تالیف قلب مقصود تھی۔ یہ سب کچھ آپؐ نے خمس میں سے دیا تھا۔ بقایا مال غنیمت مجاہدین میں برابر تقسیم کیا گیا۔

جب مدینہ واپسی کا ارادہ کیا گیا تو آپؐ چہار شنبہ 18 ذیلقعد 8 ھ کو روانہ ہوئے۔ پہلے جعرانہ سے عمرہ ، کا احرام باندھا اور مکہ میں داخل ہوئے۔ پھر طواف وسعی کی اور اپنا سر منڈوایا اسی رات جعرانہ واپس تشریف لے آئے

پنج شنبہ کو آپؐ مدینہ واپس ہوئے۔ جعرانہ سے سرف پہنچے اور مراء الظہران کے راستہ مدینہ روانہ ہو گئے۔

آنحضرتؐ نے ذیقعدہ 8 ھ میں فاطمہ بنت الضحاک سے نکاح کیا۔ اس نے رسولؐ اللہ سے پناہ مانگی۔ آپؐ نے اسے چھوڑ دیا۔

ذالحجہ ▪ ھ میں حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضورؐ کے ہاں ابراہیم پیدا ہوئے۔ حضورؐ نے اسے دودھ پلانے کے لئے ام بردہ بنت المنذر کے سپرد کیا۔ ماریہ کی داعی کا نام سلمہ تھا۔ جو حضورؐ کی آزاد کردہ لونڈی تھی ابو رافع نے جاکر اطلاع دی دیگر ازواج رسولؐ اللہ کو اس سے حسد پیدا ہوا۔

مال غنیمت کی تقسیم پر انصار مدینہ کو اعتراض پیدا ہوا کہ رسولؐ اللہ نے اپنے آدمیوں کو دل کھول کر مال غنیمت سے حصہ دیا ہے مگر ہم کو نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ ہماری قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ آنحضرتؐ کو جب معلوم ہوا تو آکابر انصار کو ایک خیمہ میں جمع کیا اور پوچھا کہ کیا تم لوگوں نے ایسا کہا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں سعد بن عبادہ نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے تب آپؐ نے فرمایا "کیا یہ سچ ہے کہ تم گمراہ تھے اور میرے ذریعے سے خدا نے تمھیں ہدایت دی؟ تم بکھرے ہوئے تھے اور میرے ذریعہ سے خدا نے تمھیں جمع کیا؟ تم مفلس تھے اور میرے ذریعے خدا نے تمھیں دولت مند کیا"؟۔

ہر فقرے پر انصار نے کہا کہ "اللہ اور رسولؐ کا احسان ہم پر بہت ہے" پھر آپؐ نے کہا "نہیں! تم کہہ سکتے ہو کہ تمھیں لوگوں نے جھٹلایا اور ہم نے تمھاری تصدیق کی؟ تم بے سہارا تھے اور ہم نے تمھیں پناہ دی۔ تم مفلس تھے اور ہم نے تمھاری مدد کی؟۔ لیکن اے انصار! کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمدؐ کو ساتھ لے جاؤ۔"

یہ سن کو لوگ چیخ اٹھے اور روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں پھر آپؐ نے کہا کہ میں نے مکہ والوں کو زیادہ اس لئے دیا ہے کہ یہ لوگ اسلام کی طرف مائل ہوں۔

سریہ موتہ جمادی الاول 8 ھ ستمبر 629 ء

سریہ موتہ بلقاء کے علاقے میں ملک شام کے اندر بحر مردار کے جنوب مشرق میں بیت المقدس سے چوبیس میل کے فاصلے پر ایک مشہور شہر موتہ کے مقام پر ہوا۔

سریہ موتہ کی وجوہات

1۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرتؐ قریش، یہود خیبر اور یمن کی طرف سے فارغ ہو گئے تو تبلیغ اسلام کے لئے حضورؐ نے ملک شام کی طرف توجہ دینی شروع کر دی ▪ ھ میں رسول اللہؐ نے (15) پندرہ مجاہدین کو تبلیغ اسلام کے لئے مقام ذات طلحہ جو شام کی حدود میں تھا بھیجا، لیکن ان قبائل نے سوائے حضرت کعب بن عمر کے

سب کو بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا۔ چنانچہ ان مجاہدین کا انتقام لینا بھی غزوہ موتہ کا ایک سبب تھا۔

2۔ آنحضرتؐ نے قیصر روم کے عامل شرجیل بن عمرو غسانی حاکم شام کے پاس دعوت اسلام کا نامہ مبارک دے کر حضرت حارث بن امیرازدی کو قاصد بنا کر بھیجا۔ مگر شرجیل نے بڑی بے دردی سے حضرت حارث بن امیر کو قتل کر دیا۔

3۔ حدود شام میں بسنے والے عرب قبائل میں تبلیغ اسلام کے لئے ان کے حالات معلوم کرنا اور ان کے ساتھ رابطہ پیدا کرنا بھی ضروری تھا۔

4۔ عرب کا شمالی علاقہ جو شام سے ملحق تھا وہاں کے جغرافیائی حالات معلوم کرنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ ان وجوہات کی بنا پر سریہ موتہ وقوع پذیر ہوا۔

5۔ ابو عامر (فاسق) نے شام کے عیسائیوں اور رومیوں کو اسلام کی روز افزوں ترقی اور اشاعت سے ڈرایا اور کہا کہ ابھی موقعہ ہے کہ اسلام کی جڑ کاٹ دی جائے۔ ورنہ مسلمان مشرکین عیسائیوں اور یہودیوں کو ختم کر دیں گے۔

6۔ مسلمانوں کو بھی مجبوراً ان سے جہاد کے لئے تیار ہونا پڑا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان تک اسلام کی دعوت پہنچانے کا ایک ذریعہ پیدا کر دیا۔ یہ نقطہ ابتداء تھی اور حضورؐ کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ذریعہ سے اسلام کی تعلیمات اور فتوحات کا دروازہ ملک شام کے لئے کھل گیا اور تمام شام نہ صرف حلقہ بگوش اسلام ہو گیا بلکہ مملکت اسلامیہ کا ایک مضبوط قلعہ بن گیا۔

واقعات

آنحضرتؐ نے جنگ موتہ کے لئے تین ہزار مجاہدین کا لشکر جرار حضرت زید بن حارث کی سپہ سالاری میں بن رواحہ، خالد بن ولید اور دیگر مہاجر و انصار نامور حضرات شامل تھے۔ حضرت جعفر نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اس لشکر کا سپہ سالار مجھے بنایا جائے۔ مگر حضورؐ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ زیدؓ سب سے اہل اور قابل ہے لہٰذا وہی سپہ سالاری کا مستحق ہے۔

اگرچہ خاندانی وجاہت اور حسب و نسب کے لحاظ سے حضرت جعفرؓ، عبداللہؓ اور خالدؓ بن ولید جیسے لوگوں کی موجودگی میں ایک آزاد کردہ غلام کو سپہ سالار مقرر کرنا عرب کی روایات میں ایسا انقلابی واقعہ ہے جس کا تصور بھی جاہلی تمدن کے وجود پر لرزہ طاری کر دیتا ہے۔ لیکن اسلام کی اصلاحی تحریک کی نگاہ میں دشمن کی سرکوبی اور استیصال سے بڑھ کر دوستوں کی تہذیب و اخلاق کی تکمیل مقدم تھی۔ اسلام کی قائم کردہ اس مساوات و اخوت کا نتیجہ تھا کہ تین ہزار جان نثار ایک لاکھ فوج کا مقابلہ پورے جوش و جذبہ سے کرتے ہیں اور حیرت انگیز قوت کا راز محض اس حقیقت میں مضمر تھا کہ ان میں اب جاہلیت کے دور کی نسلی عصبیت ختم ہو چکی تھی۔ اب ذات پات کی اونچ نیچ اور نسل و قبیلہ کا امتیاز مٹ چکا تھا۔ اب سب آپس میں بھائی بھائی اور ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے

مساوی تھے۔ سپہ سالاری کی بنیاد اہلیت، قابلیت، خلوص و قربانی، خداداد صلاحیتوں، سیرت و کردار اور کارہائے نمایاں کی بنیاد پر ملتی تھی۔ نہ کہ خاندان، خانوادہ، حسب و نسب قریش ایک آزاد کردہ غلام اور حضورؐ کے منہ بولے بیٹے زید بن حارث کے زیر کمان عام سپاہیوں کی حیثیت سے لڑ رہے تھے اس صورت حال سے اس نظریاتی انقلاب کا صحیح اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ جو اسلام کی انقلابی تحریک نے عرب جیسے نسل و قبیلہ پرست ملک میں پیدا کر دکھایا تھا۔ یہی زید، ہیں جن کے ساتھ آنحضرتؐ نے اپنی پھوپھی زاد زینبؓ کا نکاح کرایا۔ احترام آدمیت، مساوات انسانی اور عالمگیر انسانی برادری کے عملی مظاہرے کی تاریخ عالم میں یہ واحد مثال ہے۔

موتہ جا کر معلوم ہوا کہ ہرقل کی ایک لاکھ فوج اس کے کسی رومی جرنیل یا شرجیل کی کمان میں اور ایک لاکھ قبائل عرب کی فوج ایک شخص مالک بن رافلہ کی زیر قیادت جنگ کے لئے تیار ہے۔ چنانچہ لشکر اسلام جب موتہ پہنچا تو دیکھا کہ مشرکین کی فوج نے ہرقل کے بھائی ایتودور کی بیوی کی کمان میں انہیں اچانک آگھیرا۔ یہ اتنی بڑی فوج تھی کہ اس سے قبل مسلمانوں کا اتنی بڑی فوج سے مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ ان کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی جس کے پاس بے حد و حساب ہتھیار، گھوڑے اور دوسرے آلات حرب کے ذخائر موجود تھے۔ مزید برآں نصرانی عرب قبائل بنو بکر، بنو لخم، جزام، وغیرہ کے ایک لاکھ افراد ان کے علاوہ تھے۔ چنانچہ حالات کی نزاکت کا اندازہ لگاتے ہوئے باہمی مشاورت کی اور فیصلہ کیا کہ حالات سے آنحضرتؐ کو آگاہ کیا جائے اور آپؐ کی ہدایت کے مطابق فیصلہ کیا جائے مگر حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے ایک پر جوش تقریر فرماتے ہوئے کہا کہ ہم شہادت کے لئے آئے ہیں۔ ہم کثرت تعداد، طاقتور سامان جنگ اور اسلحہ کی کثرت سے خائف نہیں ہیں۔ فتح یا شہادت میں سے ایک نیکی ہمیں ضرور نصیب ہو گی۔

مسلمان فوج اب بلقاء کی سرحد پر موتہ کے مقام پر پہنچ گئی ادھر سے ہرقل کی فوج اہل روم اور بعض قبائل عرب پر مشتمل تھی سامنے آئی۔ اور موتہ کے قریب معرکہ جنگ شروع ہوا۔ مسلمانوں نے صف بندی کی اور میمنہ پر حضرت قطبہ بن قتادہ قبیلہ بنو عذرہ کو اور میسرہ پر عبادہ بن مالک انصاری کو مقرر کیا۔

شرجیل بن عمرو غسانی سے انتقام کے لئے تین ہزار مجاہدین پر مشتمل مجاہدین کا لشکر حضرت زیدؓ بن حارث (متبنیٰ آنحضرتؐ) کی سپہ سالاری میں روانہ کیا گیا۔ بعض روایات میں ہرقل قیصر روم یا اس کے بھائی یودور کے ایک لاکھ رومی اور قبائلی لشکر کے ساتھ آنا ثابت ہوتا ہے اور شرجیل بن عمرو غسانی ایک لاکھ سپاہ کا لشکر جرار لے کر موتہ کے مقام پر پہنچ چکا تھا۔ مسلمانوں نے معان کے مقام پر ڈیرہ ڈالا تھا اور شرجیل نے مشارف کی وادی میں قیام کیا تھا۔ مسلمان مشارف کی وادی کی نسبت موتہ کو زیادہ محفوظ سمجھ کر یہاں آگئے اور یہاں ہی میدان کارزار گرم ہو گیا۔ تین ہزار کا ایک دو لاکھ سے مقابلہ اور وہ بھی دشمن کے گھر کے اندر جا کر اپنے مرکز مدینہ سے تین سو میل کے فاصلہ پر۔

مسلمانوں کی نظر میں موت کا درجہ میدان جنگ میں فتح کامرانی سے کم نہیں ۔ حضرت زیدؓ بن حارث انتہائی شجاعت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے ۔ ان کے بعد علم جعفرؓ نے اٹھایا ۔ اس وقت آپ کی عمر (33) تینتیس برس کی تھی ۔ اور آپ نے پہلے جہاد اسلام میں حصہ لیا تھا ۔ آپ قوی ہیکل ، جوان تھے ۔ انتہائی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے ۔ اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے بھی بہادری اور جرات سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا خدا کی راہ یا وطن کی خدمت میں جان دینے کے مقابلے میں زندہ رہنے کی کوئی قیمت نہیں ۔ زید بن ثابت قبیلہ بنو عجلان نے علم اٹھایا اور مسلمانوں کو اپنا امیر لشکر منتخب کرنے کا مشورہ دیا ۔ مجاہدین نے خالدؓ بن ولید کو اپنا سپہ سالار منتخب کر لیا ۔ خالد کو مسلمانوں کی قلت تعداد اور دشمن کی قوت معلوم تھی لیکن خالد ماہر حرب ضرب اور جنگ کے نشیب و فراز کے سمجھنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے ۔ از سر نو فوج کو مرتب کیا غروب آفتاب تک ان کو موتہ کی طرف جمادی الاول 8 ھ ستمبر 629ء کو روانہ فرمایا ۔ اس لشکر میں حضرت جعفرؓ بن ابو طالب ، عبداللہ دشمنوں سے لڑاتے رہے ۔ اور رات سر پر آگئی ۔

رات کے وقت خالد نے اپنی جنگی حکمت عملی یعنی تزویرات جنگ اور حربی تدبیرات پر غور و فکر کے بعد ایک عسکری حکمت عملی تیار کی تاکہ اپنی فوج کو صحیح سلامت میدان جنگ سے پس پا کر کے واپس لے جا سکے ۔ کیونکہ حالات ایسے تھے کہ کامیابی کا کوئی امکان نہ تھا اور پوری فوج کی مکمل تباہی کا خطرہ تھا ۔ اتنی قلیل تعداد اور اسلحہ کی کمی اور اپنے گھر سے سینکڑوں میل دور کامیابی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ۔

فوج کی بھاری تعداد کو رزم گاہ سے دور چھپا دیا یہ دستہ صبح ہوتے ہوئے نعرہ تکبیر بلند کرتا ہوا میدان جنگ میں داخل ہوا ۔ دشمن نے خیال کیا کہ مسلمانوں کو مدینہ سے تازہ دم کمک آ گئی ہے ۔ چنانچہ مرعوب ہو گئے اور ان کو اپنی شکست کا خطرہ پیدا ہو گیا ۔ رومی فوجیں خالد کی جنگی چالوں اور داؤ پیچ سے گھبرا گئیں ۔ اور انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرات نہ ہوئی جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہے ۔ جب مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ دشمن آگے نہیں بڑھتا تو انہوں نے رات کے اندھیرے میں پورے وقار و تحمل کے ساتھ مدینہ کی طرف رخ پھیر کر پسپائی شروع کر دی ۔

عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کے بعد زید بن ثابت بن اقرام عجلانی نے علم اٹھا کر خالد بن ولید کے سپرد کر دیا ۔ جن کے امیر منتخب کرنے پر تمام نے اتفاق کر لیا تھا ۔ خالد نے علم سنبھال کر اتنی بہادری سے حملہ کیا کہ لڑتے لڑتے ان کے ہاتھ سے آٹھ تلواریں ٹوٹ گئیں ۔ خالد کے اس پرزور حملہ کی دشمن تاب نہ لا سکا اور دشمن کے سپہ سالار نے اپنی فوج کو پیچھے ہٹ کر مورچہ بندی کا حکم دے دیا ۔ خالد نے اپنے مجاہدین کی ترتیب بدل دی ۔ آپ نے اپنی پچھلی صف کی فوج کو آگے کی صف میں اور آگے والوں کو پچھلی صف میں تبدیل کر دیا ۔ اس طرح میمنہ اور میسرہ کے سپاہیوں کو بھی تبدیل کر دیا رومیوں کو خیال ہوا کہ شاید مسلمانوں کی امداد کے لئے نئی فوج آ گئی

ہے ۔ ■ میدان سے ہٹ گئے ۔ جب میدان دشمنوں سے خالی ہو گیا تو مسلمانوں کو خالدؓ ایک کامیاب جنگی حکمت عملی کے مطابق واپس مدینہ لانے میں کامیاب ہو گیا ۔

خالد بن ولید نے رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھایا اور اپنی طاقت کو از سر نو منظم کیا اور پسپائی کے لئے اپنی طاقت محفوظ کر لی ۔ فوج کا پچھلا حصہ دشمن کے تعاقب کو روکنے کے لئے کھڑا ہو گیا اور اپنی فوج کے بڑے حصے کو گھیرے سے بچانے کی ڈیوٹی قبول کی ۔ پچھلا حصہ وسیع میدان میں پھیل گیا اور بلند آواز سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنے لگا ۔ دشمن یہ سمجھنے لگا کہ مسلمانوں کو تازہ فوج کی کمک آ گئی ہے ۔ یہ کاروائی مسلمانوں کی فوج کی پسپائی سے دشمن کو بے خبر رکھنے کے لئے کی گئی تھی ۔ تاکہ دشمن تعاقب نہ کر سکے اس طرح ایک قابل اور بہادر سپہ سالار کی جنگی حکمت عملی سے مجاہدین بے پناہ نقصان سے بچ کر مدینہ پہنچ گئے ۔

آنحضرت نے خالد اور فوج کا استقبال کیا مبارکباد دی کہ اتنی بڑی فوج کے ہوتے ہوئے دشمن کے گھر سے اس کم تعداد فوج کو صحیح و سالم واپس لے آنا ایک بہت بڑی عسکری کامیابی تھی ۔ دو لاکھ لشکر کفار سے مقابلہ میں صرف بارہ مسلمان شہید ہوئے ۔ خالد بن ولید کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی آنحضرت نے اس کی شجاعت کی خبر دی اور اس کو " سیف اللہ " کا خطاب دیا ۔

اس عظیم الشان واقعہ سے سارا عرب بلکہ عراق میں کسریٰ کے زیر اثر قبائل اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر مسلمان ہونے لگے ۔ مسلمانوں کے ابدی دشمن بنو سلیم ، اشجع ، بنو لحیان ، بنو فزادہ ، اور غطفان بڑی تعداد میں مسلمان ہوئے ۔ فردہ بن عمرو جذامی قیصر روم کا کمانڈر مسلمان ہو گیا اور جب قیصر نے اسے اسلام چھوڑنے کا حکم دیا تو اس نے انکار کر دیا ۔ اس پر قیصر نے سنگ دلی کے ساتھ قتل کر دیا ۔ اس واقعہ سے بھی بہت سے عرب قبائل متاثر ہوئے ۔

تاریخ عالم کی عسکری مہمات میں جنگ موتہ ایک بے مثال واقعہ ہے ۔ جس میں تین ہزار مجاہدین کا لشکر قریب تین سو میل دور صحراء کو عبور کر کے دو لاکھ کی تربیت یافتہ قیصر روم کی فوج سے بچ کر واپس پہنچ گیا جبکہ قیصر روم کی فوج اپنے گھر میں تھی ۔ سامان حرب و ضرب اور خوراک کے لحاظ سے مسلمان فوج سے کئی گناہ زیادہ اور افرادی تعداد میں کوئی مقابلہ نہیں تھا یہ ایمان اور عقیدہ کی قوت ، مجاہدین کی شجاعت اور سپہ سالار کی عسکری مہارت قابلیت اور بہادری کا لازوال ثبوت ہے ۔ حضرت خالدؓ بن ولید کو اسلام لائے ۔ صرف تین ماہ ہوئے تھے اور پہلی مرتبہ آپؓ کو اس جنگ میں اپنے عسکری جوہر دکھانے کا موقعہ ملا تھا ۔

سریہ ذات السلاسل ۔ جمادی الثانی 8 ھ اکتوبر 629ء

آنحضرتؐ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو تین سو مجاہدین کا امیر لشکر بنا کر سریہ ذات السلاسل کے لئے بھیجا ان میں بیس گھوڑے بھی تھے ۔ آپؓ کو معلوم ہوا تھا کہ قبیلہ قضاعہ کے کچھ لوگ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے

جمع ہو رہے ہیں ۔ اس کا نام ذاتِ السلاسل اس لئے ہے کہ میدان جنگ کے قریب سلسل نامی ایک کنواں تھا ۔ آپؐ نے عمرو کو ایک سفید علم اور ایک سیاہ جھنڈا عطا فرمایا وہ اپنے لشکر کو لے کر چلے ۔ راتوں کو سفر کرتے اور دن کو چھپ جاتے ۔ جب دشمن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمن کی فوج بہت بڑی ہے ۔ یہ سن کر انہوں نے حضرت رافع بن مکثب جہنی کو آنحضرتؐ کے پاس بھیج کر امداد کی درخواست کی ۔ آپؐ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کو دو سو مجاہدین کے ساتھ جن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی تھے ۔ عمرو کی امداد کے لئے بھیجا اور حکم دیا کہ عمرو کیساتھ مل کر جہاد کریں اور باہم کسی قسم کا اختلاف نہ کریں ۔ وہاں پہنچ کر ابو عبیدہ نے عمرو کو امیر لشکر تسلیم کر لیا ۔ اور دشمن کے ساتھ جنگ قریباً ایک گھنٹہ تک لڑی اور مسلمانوں نے ان کو شکست دی اور مسلمانوں سے مرعوب اور ہیبت زدہ ہو کر منتشر اور فرار ہو گئے ۔ اس فتح سے مسلمانوں کا اثر و رسوخ ۔ ملک شام کی حدود میں پختہ و بلند ہو گیا اور مسلمان مدینہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ۔

عمرو بن العاص کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے ایک دن پوچھا کہ یا رسولؐ اللہ آپؐ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے ؟ فرمایا " عائشہ " میں نے عرض کیا عورتوں میں نہیں بلکہ مردوں میں معلوم کرنا چاہتا ہوں ۔ فرمایا " حضرت عائشہ کے والد یعنی حضرت ابو بکرؓ " پھر کون ؟ فرمایا " عمرؓ بن خطاب " ۔

سریہ ابو عبیدہ بن جراحؓ

امام بخاری نے اس سریہ کا نام غزوہ سیف البحر بیان کیا ہے ۔ نیز یہ سریہ خبط کے نام سے مشہور ہوا ۔ جس کا واقعہ یہ ہوا کہ آنحضرتؐ نے ماہ رجب 8 ھ (نومبر 629 ء میں حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کو تین سو مجاہدین کا سردار بنا کر جن میں عمر بن خطابؓ بھی تھے ۔ جہنیہ کے علاقہ کی طرف بھیجا تا کہ جہنیہ کے قبیلہ سے جنگ کریں ۔ اس موقع پر مسلمانوں کا زاد راہ ختم ہو گیا ۔ جس کی وجہ سے وہ شدید بھوک میں مبتلا ہو کر لکڑیوں سے درختوں کے پتہ جھاڑ جھاڑ کر کھانے پر مجبور ہو گئے تھے ۔ پھر خدا نے ان کے لئے عنبر نامی ایک بہت بڑی مچھلی سمندر سے باہر پھینک دی ۔ تب وہ اسے کھا کر سیر ہوئے ۔

شعبان 8 ھ دسمبر 629 ء کو آنحضرتؐ نے حضرت ابو قتادہؓ کو پندرہ مجاہدین کا افسر بنا کر نجد کی طرف بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ جنگی علاقہ میں جا کر قبیلہ غطفان پر حملہ کر دیں ۔ چنانچہ انہوں نے جا کر ان سے جنگ کی اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے قیدی بنا لیا اور ان کے مویشی ہانک لائے ۔

حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ سے عزیٰ کی تباہی

جب آنحضرتؐ کعبہ میں نصب شدہ بتوں کو ختم فرما چکے اور اس کی دیواروں پر منقش تصویروں کو مٹا چکے اور آپ کے حکم سے لوگوں کے گھروں میں نصب شدہ بت بھی توڑ دیے گئے تو آپ نے مکہ کے مضافاتی بستیوں کے

بتوں کو مہندم کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ تاکہ پورے ملک کو بت پرستی سے پاک صاف کر دیں۔ اور ان کی جگہ صرف خدائے واحد کی عبادت کی جانے لگے اور ایک صحیح و سچے دین کے ستون قائم و مستحکم کئے جائیں۔ پس آپؐ نے فتح مکہ کے بعد پچیس رمضان 8 ھ کو حضرت خالد بن ولید کو عزیٰ بت کو مہندم کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ صحابہ کے تیس سواروں کا دستہ لے کر وہاں پہنچے اور اس بت کو مہندم کر کے واپس آکر آنحضرتؐ کو اطلاع دی۔

یہ بت مکہ سے ایک دن کی منزل پر واقع کھجور کے باغ میں نصب تھا اور یہ قریش اور بنی کنانہ کے تمام قبائل کا مشترکہ بت تھا جو ان کے دوسرے تمام بتوں سے بڑا تھا۔ اس کے پجاری و خادم بت کدہ بنو سلیم کے قبیلہ بنو شیبان میں سے ہوتے تھے۔

سعدؓ بن زید اشہلی کی منات پر فوج کشی

منات المشلل کے مقام پر قبیلہ اوس، خزرج اور غسان کا بت تھا جو عام بتوں میں سب سے قدیم بت تھا۔ عرب خود کو منات کا بندہ کہتے اور اس کے پاس جا کر حج ادا کرتے اوس و خزرج کے نزدیک یہ سب سے زیادہ معزز بت تھا۔

آنحضرتؐ نے حضرت سعدؓ بن زید انصاری اشہلی کو 24 رمضان کو منات کو مہندم کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت سعد بیس سواروں کا دستہ لے کر وہاں پہنچے جہاں اس مندر کا خادم پجاری موجود تھا۔ اس نے آپ سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں فرمایا منات کا خاتمہ۔ اس نے کہا آپ جانیں اور منات پھر آپ اپنے ساتھیوں سمیت بت کے پاس آئے اور اسے مہندم کر دیا مگر اس کے خزانہ میں آپ کو کچھ نہ ملا۔

حضرت عمرو بن عاص نے سواع کا خاتمہ کر دیا

آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے بعد ماہ رمضان 8 ھ میں حضرت عمرو بن عاصؓ کو قبیلہ ہذیل کے سواع نامی بت کی طرف بھیجا جو مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ہاط نامی گاؤں میں کھجور کے باغ میں نصب تھا۔ اور اس کا پجاری قبیلہ بنو لحیان میں سے تھا۔ حضرت عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں وہاں پہنچا تو پجاری نے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ میں نے کہا سواع بت کو مہندم کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا تم ایسا نہ کر سکو گے۔ میں نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا تمھیں روک دیا جائے گا۔ میں نے کہا تم پر افسوس ہے یہ کہہ کر میں بت کے پاس گیا اور اسے پاش پاش کر دیا اور آنحضرتؐ کو آکر خبر دی۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی جذیمہ پر فوج کشی

آنحضرتؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بماہ شوال ▪ ھ قبیلہ کنانہ کی شاخ بنو جذیمہ کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ

قبیلہ یلملم کی جانب مکہ کے نشیبی علاقہ میں ایک دن کی مسافت پر آباد تھا۔

آپؐ نے حضرت خالدؓ کو جنگ کے لئے نہیں بلکہ ان پر اسلام کی دعوت پیش کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ پس مہاجر و انصار اور بنو سلیم کے ساڑھے تین سو صحابہ کا دستہ لے کر روانہ ہوئے۔ جب وہاں پہنچے تو وہاں والوں سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں حضرت محمدؐ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اپنے علاقوں میں مسجدیں تعمیر کرلی ہیں۔ ان میں برابر اذانیں دیتے ہیں۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ پھر تمھارے پاس یہ ہتھیار کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے اور ایک عرب قبیلہ کے درمیان دشمنی چلی آرہی ہے۔ ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ حضرات وہی نہ ہوں۔ آپ نے حکم دیا کہ فوراً ہتھیار ڈال دو انہوں نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے آپ نے ساتھیوں کو حکم دیا کہ انہیں اسیر کر لو۔ چنانچہ انہیں قیدی بنا لیا گیا پھر بنو سلیم کے قبضہ میں جتنے قیدی تھے۔ انہوں نے ان سب کو قتل کر ڈالا۔ لیکن مہاجرین و انصار نے اپنے اپنے قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ جب آنحضرتؐ کو حضرت خالدؓ کے اس عمل کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کیا "اے میرے خدا! خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے بری الذمہ ہوں"۔ پھر حضرت علیؓ بن ابی طالب کو مال دے کر ادھر روانہ فرمایا جنہوں نے جا کر اس مال سے ان کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا اور ان کے مالی نقصانات کا معاوضہ دیا۔ پھر واپس آکر آنحضرتؐ کی خدمت میں رپورٹ پیش کی۔

9ھ 631ء کے حالات و واقعات

سریہ حضرت قیسؓ بن سعد

آنحضرتؐ جب مدینہ تشریف لے آئے تو چار سو مجاہدین کا ایک لشکر حضرت قیس بن سعد کی قیادت میں یمن کی طرف قبیلہ صداء کے ساتھ جہاد کے لئے روانہ کیا۔ صداء یمن میں ایک پہاڑی درے کی آبادی ہے۔ اس کے اور صنعاء کے درمیان بیالیس فرسخ کا فاصلہ ہے۔ اس کے بعد حضرت زیدؓ بن حارث صدائی آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یارسولؐ اللہ میں اپنے قبیلہ کے لوگوں کو آپؐ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ آپؐ اپنے لشکر کو واپس بلا لیں۔ حضورؐ نے ایک قاصد کو بھیج کر لشکر واپس بلا لیا اور زید بن حارث صدائی نے پندرہ دن بعد اپنے قبیلے کے سرداروں کو حضورؐ کی خدمت میں حاضر کر دیا اور سب نے اسلام قبول کر لیا۔

سریہ عینیہ بن حصنؓ فزاری

آنحضرتؐ نے محرم 9ھ اپریل 630ء عینیہ بن حصن فزاری کو پچاس سواروں کا امیر بنا کر جس میں مہاجر اور انصار نہ تھے۔ قبیلہ بنو تمیم کی طرف روانہ فرمایا۔ وہ راتوں کو سفر کرتے اور دن میں چھپ جاتے اس طرح وہاں پہنچ کر ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ قبیلہ تمیم کے لوگ بھاگ گئے۔ عینیہ نے ان کے گیارہ مرد اور گیارہ عورتیں گرفتار کر لئے اور سب کو مدینہ لے آئے۔ پھر ان کے قبیلہ کے چند سردار مدینہ آئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور حضورؐ نے ان کے تمام قیدی آزاد کر دیے۔ اس فوج کشی کا سبب یہ ہوا تھا کہ آنحضرتؐ نے حضرت بشرؓ بن سفیان کو بنو کعب بن فزاعہ کے پاس ان پر واجب زکواۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ بنو تمیم نے بنو کعب کو زکوۃ ادا کرنے سے روکا تھا جس کی وجہ سے حضرت بشر بن سفیان نے مدینہ پہنچ کر شکایت کی تھی کہ بنو تمیم نے زکوۃ وصول کرنے میں رکاوٹ پیدا کی ہے۔ چنانچہ ان کی سرکوبی کے لئے عینیہ بن حصن کو روانہ کیا گیا تھا۔

سریہ ولیدؓ بن عقبہ

آنحضرتؐ نے ولیدؓ بن عقبہ بن ابی معیط کو بنی مصطلق سے زکوۃ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا جو اسلام

لا چکے تھے جب ان لوگوں نے زکواۃ وصول کرنے کے لئے ولید کی آمد کی خبر سنی تو ان میں سے بیس آدمی زکواۃ ادا کرنے کے لئے اونٹ اور بکریاں ساتھ لے کر ان کی آمد پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھے تو ولید نے خیال کیا کہ وہ ہتھیار لئے ہوئے انہیں قتل کرنے کے لئے آرہے ہیں۔ حالانکہ ہتھیار صرف زینت کے طور پر تھے پس ولید ان کو دیکھ کر واپس مدینہ بھاگ کر آگئے اور آنحضرتؐ کو اطلاع دی کہ وہ لوگ اسلام سے پھر گئے ہیں اور ہتھیار بند ہو کر ان کی طرف آرہے تھے کہ انہیں زکواۃ وصول کرنے سے روک دیں۔ یہ سن کر آنحضرت نے ان کی سرکوبی کے لئے مجاہدین کا دستہ بھیجنے کا ارادہ کیا جب یہ خبر بنو مصطلق کو معلوم ہوئی تو ان کا وہی قافلہ جو ولید سے ملنے آرہا تھا۔ سیدھا آنحضرتؐ کے پاس پہنچا اور آپ کو صحیح صورت حال سے مطلع کیا۔

سریہ قطبہ بن عامر

آنحضرتؐ نے ماہ صفر 9 ھ کو قطبہ بن عامر کو بیس مجاہدین کے ساتھ تبالہ کی سمت جو تہامہ کے علاقہ میں واقع ہے قبیلہ خثعم کی طرف روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ اس قبیلہ والوں پر یکدم حملہ آور ہوں۔ پس مسلمانوں نے رات کے وقت جب وہ لوگ سو گئے تو ان پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی اور فریقین میں بکثرت زخمی ہوئے۔ حضرت قطبہ بن عامر نے بہت سے مشرکین کو قتل کرنے کے بعد مال غنیمت میں ان کی عورتیں اور مویشی لے کر مدینہ کی طرف چل پڑے۔ مشرکین نے تعاقب کیا مگر اچانک سیلاب آگیا اور پانی کی ندی اہل قبیلہ اور حضرت قطبہ کے درمیان حائل ہو گئی جس کی وجہ سے ان کے لئے حضرت قطبہ پر قابو پانے کا راستہ نہ رہا۔ اس مال غنیمت میں سے خمس نکال کر بقایا مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ مجاہدین کے حصہ میں چار چار اونٹ آئے۔

سریہ حضرت ضحاکؓ بن سفیان

آنحضرتؐ نے ماہ ربیع الاول 9 ھ کو مجاہدین کا ایک لشکر حضرت ضحاکؓ بن ابی بکر کلابی کو سالار مقرر کر کے قرطاء کی طرف بھیجا جو بڑے دلیر اور بہادر لوگ تھے۔ ان کے ساتھ عسید بن سلمہ بن قرطاء بھی تھے۔ یہ لوگ قرطیوں سے نجد کے ایک مقام زج لاوہ کے مقام پر ملے انہیں اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ تب مسلمانوں نے ان پر حملہ کر کے انہیں شکست دے دی۔ اسی موقعہ پر عسید اپنے والد سلمہ سے ملے مگر اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ایک مجاہد نے عسید کے باپ کو قتل کر دیا۔

سریہ علقمہ بن مجزز مدلجی

ماہ ربیع الاول 9 ھ جولائی 630ء کو علقمہ بن مجزز مدلجی کو آنحضرتؐ نے تین سو مجاہدین کا دستہ دے کر الحبشہ کی طرف روانہ فرمایا۔ وہ دریا کے ایک جزیرے پر پہنچے کیونکہ دریا کا بہاؤ مخالفین کی طرف تھا۔ اس لئے وہ

خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلے مقابلے سے واپسی پر کچھ لوگ جلد واپس جانا چاہتے تھے۔ حضرت علقمہؓ نے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ اور حضرت علقمہ بعد میں واپس آگئے۔

سریہ حضرت علیؓ بجانب فلس

نجد میں فلس نامی ایک بت تھا جس کی قبیلہ طے والے پرستش کیا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ربیع الاخر 9 ھ میں حضرت علیؓ کو ڈیڑھ سو مجاہدین کا دستہ دے کر فلس بت کو منہدم کرنے کی غرض سے روانہ فرمایا۔ یہ دستہ سو اونٹوں اور پچاس گھوڑوں پر مشتمل تھا۔ ان مجاہدین نے فجر کے وقت آل حاتم طائی کی آبادی پر چاروں طرف سے یکدم حملہ کر کے فلس کو منہدم اور نیست و نابود کر دیا۔ یہاں سے انہیں قیدیوں مویشیوں، بکریوں اور چاندی کی ایک معقول مقدار ہاتھ آئی۔ ان اسیروں میں حاتم طائی کی دختر اور عدی بن حاتم کی بہن سفانہ بھی تھی۔ عدی شام کی طرف بھاگ گیا۔ حضرت علیؓ کو فلس کے خزانہ سے تین تلواریں بھی ملیں۔ جب یہ مجاہدین مقام رکک پر پہنچے تو انہوں نے باہم اموال غنیمت تقسیم کر لیے اور خمس حضورؐ کے لئے علیحدہ کر لیا۔ آنحضرتؐ نے سفانہ پر احسان فرمایا اور اسے آزاد کر دیا جس کے بعد وہ اسلام لے آئیں۔ جب وہ اپنے بھائی ابن حاتم کے پاس شام پہنچیں تو انہوں نے اپنے بھائی عدی بن حاتم کو مشورہ دیا کہ مدینہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لو چنانچہ وہ مدینہ حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

غزوہ تبوک رجب 9 ھ اکتوبر 630ء

تبوک مدینہ اور دمشق کے وسط میں چودہ منزل یعنی تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

غزوہ تبوک کے وجوہات

آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ قیصر نے سریہ موتہ کا بدلہ لینے کے لئے شام کی سرحد پر فوجی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ اور شام میں ایک بھاری فوج جمع کی ہے جس میں لخم، جذام اور غسان کے تمام عرب قبائل شریک ہیں۔ فوج میں سال بھر کی تنخواہیں پہلے تقسیم کر دی گئی ہیں اور اس کا "مقدمۃ الجیش" بلقاء تک پہنچ گیا ہے۔ شام کے قبطی سوداگر مدینہ میں آتے جاتے رہتے تھے انہوں نے بھی خبر دی کہ رومیوں نے شام میں لشکر جرار جمع کیا ہے اور یہ خبریں تمام عرب میں پھیل چکی تھیں۔ کہ رومی مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں مکمل کر چکے ہیں۔

آنحضرتؐ نے قیصر روم کے ساتھ شام جا کر مقابلہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں کے لئے یہ ایک نازک موقع تھا۔ قحط سالی اور شدید گرمی کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کی مالی حالت ابتر تھی کھجور کے پکنے جمع کرنے اور فصل کاٹنے کا وقت قریب تھا۔ سواریوں اور رسد کا انتظام بھی مشکل تھا۔ لیکن پھر بھی اس اعلان جہاد نے مومنین کے

ولولے اور عزم و ہمت کو بڑھایا اور منافقین کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا۔ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اونٹوں پر کئی کئی آدمی باری باری سواری کرتے تھے ۔اس پر گرمی کی شدت ، پانی کی قلت ، راستہ دشوار ، سفر طولانی مگر صحابہ کرامؓ نے جذبہ ایمانی کے ساتھ ان صعوبتوں اور مشکلات کو برداشت کیا۔

آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کو راہ جہاد میں اپنی دولت خرچ کرنے اور بار برداری کے جانور مہیا کرنے کی ترغیب دی ۔اس پر لوگ زیادہ سے زیادہ مال لے کر حاضر ہوئے سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ صدیق نے اپنا تمام سرمایہ جو چالیس ہزار درہم تھا حاضر خدمت کر دیا اور حضورؐ کے استفسار پر عرض کیا کہ میں اپنے بچوں کے لئے صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کو چھوڑ آیا ہوں ۔ حضرت عمرؓ نے اپنا نصف سرمایہ حاضر کر دیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے دو سو اوقیا چاندی اور عاصم بن عدی نے ستر وسق کھجور پیش کی ۔ حضرت عثمانؓ نے ایک تہائی لشکر کو پورے سازو سامان کے ساتھ لیس کر دیا۔

ابن ہشام کے مطابق آنحضرتؐ نے مدینہ پر محمد بن مسلمہ انصاری کو اپنا جانشین مقرر فرمایا ۔اور حضرت علیؓ کو اپنے اہل و عیال کے پاس چھوڑا اور ان کے ساتھ قیام کی ہدایت فرمائی ۔

غزوہ تبوک کے واقعات

تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیصر میدان میں نہیں آرہا کیونکہ اس نے ابھی اپنی تیاریاں مکمل نہیں کی تھیں کہ حضورؐ اچانک اور غیر متوقع طور پر ان کے سر پر جا پہنچے ۔یہی آپؐ کا ہمیشہ سے اسلوب جنگ تھا ۔چنانچہ آپؐ کے اس اقدام نے قیصر کو مرعوب کر دیا کہ یہ لوگ دو سو میل کی مسافت طے کر کے کس سرعت کے ساتھ پہنچ گئے ہیں ، ان کا مقابلہ مشکل ہے ۔

غزوہ تبوک میں لشکر اسلام کی کامیابی

آنحضرتؐ نے حضرت خالد بن ولید کو چار سو مجاہدین کے ساتھ دومتہ الجندل کے حکمران اکیدر کے خلاف روانہ کیا ۔آخر خالد بن ولید کی شجاعت اور بہادری سے اکیدر نے اطاعت قبول کر لی اور خالد نے اس کو قتل سے پناہ دے کر آنحضرتؐ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔اکیدر شاہ دومتہ الجندل حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے دو ہزار اونٹ آٹھ سو دیگر جانور ، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے پیش کئے اور اطاعت قبول کر لی ۔ اور ہدیہ پیش کیا۔جذیہ پر صلح ہو گئی اور اکیدر اور اس کا بھائی واپس چلے گئے ۔

اسی دوران میں یوحنا بن روبہ حاکم ایلیہ نے اطاعت قبول کر کے جذیہ دینا قبول کر لیا۔اور اہل درح نے بھی صلح کر لی اور جذیہ دینا قبول کر لیا۔

مسلمان تبوک کے علاقے میں بیس دن کے قریب ٹھہرے رومی لشکر نہ آیا اس دوران شمالی حدود میں

معاہدات کر کے ان علاقوں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔چنانچہ اس اجتماعی، اعصابی اور نفسیاتی جنگ میں مسلمان فتح یاب ہو کر واپس مدینہ آئے۔ یہ آنحضرتؐ کا آخری غزوہ تھا۔اس طرح مسلمانوں نے اللہ کے بھروسے اور آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تیس ہزار مجاہدین کا لشکر جرار جس میں دس ہزار گھوڑ سوار بھی تھے۔ رجب 9 ھ میں خشک ریگستانی میدانوں کو عبور کرتا ہوا تبوک کے مقام پر جا پہنچا مگر تائید ایزدی کہ رومی لشکر تاب مقاومت نہ لاتے ہوئے میدان جنگ میں نہ آیا اور مسلمان قریباً بیس دن وہاں قیام اور دشمن کے انتظار کے بعد کامیاب و کامران مدینہ واپس آئے۔ اس سے مسلمانوں کے رعب و داب اور عزت و وقار میں زبردست اضافہ ہوا اور انہیں اخلاقی فتح حاصل ہوئی۔

آنحضرتؐ کی جنگی بصیرت، صحابہ کی اطاعت اور اسلامی ہدایات پر عزم و استقلال سے عمل کے ذریعے اسلامی اقتدار اب رومی سلطنت کی سرحد تک پہنچ گیا اور تمام بڑے بڑے عرب قبیلے جو رومی حکومت کے ماتحت تھے بغیر کسی دباؤ کے اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی فوج کا حصہ بن گئے۔اور شام کی فتح کا آغاز ہو گیا۔

چونکہ اسلام صرف عربوں ہی کا دین نہیں تھا بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے تھا۔ لہذا لازم تھا کہ اس کی دعوت و تبلیغ کی آزادی نہ صرف بلاد عرب میں بلکہ ہر جگہ اور ہر مقام پر حاصل اور قائم کی جائے اس لئے جزیرہ نمائے عرب کے بعد ضروری تھا کہ عرب کے باہر اس کا پیغام اور تعلیم کو پھیلایا جائے۔ ادھر اسلام کا عروج و کمال دیکھ کر بہت سے عرب قبائل جو رومیوں کے باج گزار اور مطیع، تھے ان سے دامن چھڑا کر اسلام کے حلقہ میں با رضا و رغبت داخل ہونے لگے۔

مسجد ضرار کا انہدام

آنحضرتؐ جب تبوک سے واپس ہوئے تو مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی منافقین کی ایک جماعت آپؐ کے پاس آئی کہ آپؐ قبا میں ان کی مسجد میں تشریف لے چلیں اور وہیں نماز ادا فرمائیں۔ یہ وہی مسجد ضرار تھی جسے ان لوگوں نے قبا کی مسجد کے مقابلے پر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے، ان کی وحدت کو ختم کرنے اور اسلام کے خلاف سازشوں کے مرکز کے طور پر تعمیر کیا تھا، حضورؐ کو بذریعہ وحی اطلاع ہو گئی کہ یہ منافقین نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور اپنی تخریبی کاروائیوں کے لئے ایک مرکز کے طور پر تعمیر کی ہے لہذا اس کو جلا دیا جائے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے مالک بن دخشم، معن بن عدی اور وحشی کو بلایا اور فرمایا اس مسجد میں جاؤ جس کے بانی ظالم اور منافق لوگ ہیں۔اور جا کر اسے منہدم کر دو۔اور جلا ڈالو۔ حکم سنتے ہی یہ لوگ تیزی سے روانہ ہو کر بنی سالم بن عوف کے محلہ میں پہنچے جو مالک بن دخشم کے قبیلے کے لوگ تھے۔انہوں نے جا کر مسجد کو آگ لگا دی اور مسمار کر دیا اور منافقین جو وہاں بیٹھے تھے نکل کر بھاگ گئے۔

عبداللہ بن ابی سلول کی وفات

ذیعقد 9 ھ میں بیس دن بیمار رہنے کے بعد عبداللہ بن ابی بن سلول "رئیس المنافقین " انتقال کر گیا۔ جب وہ بیمار تھا تو حضورؐ نے اس کے گھر جا کر اس کی عیادت کی اس نے حضورؐ کا کرتہ مبارک مانگا جو اس کے کفن پر ڈالا جائے۔آپ نے کرتہ عنایت فرما دیا۔ پھر اس نے عرض کیا کہ میری نماز جنازہ آپؐ پڑھائیں اور دفن کے وقت اس کے قبر کے قریب کھڑے ہوں۔ حضورؐ نے اپنے خلق عظیم کا ثبوت دیتے ہوئے اس کی تمام گزارشات کو پورا کر دیا۔

حضرت ابو بکر صدیق کا فریضہ حج ادا کرنا

آنحضرتؐ نے ماہ ذوالحجہ 9 ھ مارچ631 ء میں حضرت ابو بکرؓ کو تین سو حاجیوں کے قافلے کے قائد بنا کر مکہ روانہ فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو حج کرائیں۔آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ اپنے بیس قربانی کے جانور روانہ فرمائے جن کی گردنوں میں اپنے دست مبارک سے پٹکے باندھے اور قربانی کے نشان لگائے اور خود حضرت ابو بکرؓ نے اپنے قربانی کے پانچ جانور ساتھ لیے۔جب حضرت ابو بکرؓ مکہ پہنچ تو حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار کرا کر حضرت ابو بکرؓ کے پیچھے روانہ کیا کہ وہ لوگوں کے سامنے سورت برات (توبہ) کی تلاوت کریں اور ہر معاہدہ والے کو اس کے معاہدہ کی تحریر واپس کر دیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کا حج ادا کرایا اور حضرت علیؓ نے قربانی کے دن حمزہ کے قریب لوگوں کے سامنے سورت برات تلاوت کی۔اس کے بعد ہر معاہدہ والے کو اس کا معاہدہ نامہ واپس کر دیا اور اعلان کر دیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا۔اور نہ کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کر سکے گا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ دونوں ایک ساتھ مدینہ واپس آئے اور مدینہ واپسی تک حضرت علیؓ برابر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پیچھے ہی نماز پڑھتے رہے۔

واقعہ ایلا9 ھ

رسولؐ اللہ زاہدانہ اور فقرو فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ کئی کئی دن گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے۔ تمام عمر دو وقت پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔ازواج مطہرات بتقاضائے بشریت دنیا کی تمام ضروریات اور نعمتوں کی خواہش مند تھیں۔ابتدائی دور میں جب مفلسی اور معاشی حالات کمزور تھے ۔۔ بھی فقرو فاقہ اور تنگدستی بخوشی برداشت کرتی رہیں۔لیکن اب جبکہ فتوحات اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا تھا۔اور بے حد و حساب مال غنیمت مدینہ میں حضورؐ کے پاس پہنچ رہا تھا۔انکی بھی خواہش تھی کہ ہماری ضروریات اچھی خوراک ، لباس ، وغیرہ بھی پوری ہوں اور صرف صبرو قناعت پر گزارا نہ کیا جائے۔چنانچہ تمام ازواج مطہرات نے باہم مشورہ کر کے حضورؐ کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ اب چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے معاشی حالات بہتر ہو گئے ہیں اور تمام صحابہ کرام اور مجاہدین بھی مال غنیمت سے مستفید ہو رہے ہیں لہذا ہماری طرف بھی توجہ فرمائیں اور

ہمارا معیار زندگی بھی بہتر کیا جائے ۔ ازواج مطہرات میں بڑے بڑے خاندانوں اور سرداروں کی خواتین تھیں، حضرت عائشہؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی، حضرت حفصہ حضرت عمرؓ کی ام حبیبہ ابو سفیان سردار قریش کی، جویریہ بنو المصطلق کے رئیس حارث کی بیٹی، صفیہ رئیس خیبرحی بن اخطب کی بیٹی، زینب آپ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں ۔ اس طرح دیگر خواتین بھی اچھے خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں حضورؐ کو سب سے اور سب کو حضورؐ سے بے پناہ محبت تھی ۔ مگر بتقاضائے بشریت اور عورتوں کی نفسیات کے مطابق یہ بہتر زندگی کی خواہش کا اظہار تھا اور یہ توسیع نان و نفقہ کے تقاضہ میں تمام ازواج مطہرات شریک تھیں ۔ لیکن حضورؐ کی طبیعت زہد، قناعت، اور فقر و فخری کے اوج کمال پر تھی اور دنیا کے عیش و آرام اور چند روزہ دنیا میں صبر و شکر اور فقر و فاقہ کو رضائے الہیٰ کے لئے ضروری خیال کرتے تھے ۔ اس لئے ان کے اس مطالبہ پر آپؐ کو دکھ ہوا اور آپؐ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے ۔ اتفاق یہ کہ اس زمانہ میں آپؐ گھوڑے پر سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آگیا ۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے بالا خانہ پر جو مسجد سے ملحق تھا ۔ تنہا نشینی اختیار کر لی ۔ واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپؐ نے تمام ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے ۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے حضرت عمرؓ کی روایت سے ظاہر ہیں جو پر اثر اور دلچسپ انداز سے بیان کئے گئے ہیں ۔ اس میں ابتدائی واقعات بھی آ گئے ہیں ۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ قریش کے لوگ عورتوں پر قابو رکھتے تھے اور ان پر غالب رہتے تھے لیکن جب مدینہ میں آئے تو یہاں انصار کی عورتیں مردوں پر غالب تھیں ان کا انداز دیکھ کر ہماری عورتوں نے بھی ان کی تقلید شروع کی ۔ ایک دن میں نے اپنی بیوی کو کسی بات پر ڈانٹا ۔ انہوں نے الٹ کر جواب دے دیا میں نے کہا تم میری بات کا جواب دیتی ہو ۔ بولیں تم کیا ہو رسولؐ اللہ کی بیویاں ان کو برابر کا جواب دیتی ہیں ۔ یہاں تک کہ دن بھر حضورؐ سے روٹھی رہتی ہیں ۔ میں نے دل میں کہا غضب ہو گیا ۔ اٹھ کر حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور رسول اللہ کی زوجہ محترمہ) کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا تو واقعی آنحضرتؐ سے رات بھر روٹھی رہتی ہو؟ حفصہ نے اقرار کیا میں نے کہا یہ خیال نہیں کہ رسولؐ اللہ کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے، بخدا رسولؐ اللہ میرا خیال فرماتے ہیں ورنہ تجھ کو طلاق دے چکے ہوتے ۔ پھر حضرت ام سلمہؓ کے پاس گیا اور ان سے بھی یہی شکایت کی ۔ بولیں کہ عمرا! تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے ۔ یہاں تک کہ اب رسول اللہؐ اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو ۔ میں چپ ہو گیا اور اٹھ کر چلا آیا ۔

کچھ رات گئی، میرے ہمسایہ انصاری باہر سے آئے اور بڑے زور سے دروازہ کھٹ کھٹایا میں گھبرا کر اٹھا اور دروازہ کھول کر پوچھا خیر ہے؟ انہوں نے کہا غضب ہو گیا ۔ میں نے کہا کیا غسانی مدینہ پر چڑھ آئے بولے کہ نہیں اس سے بھی بڑھ کر یعنی رسولؐ اللہ نے ازواج کو طلاق دے دی ۔ میں صبح کو مدینہ آیا، آنحضرتؐ کے ساتھ نماز فجر

ادا کی ۔ آنحضرتؐ نماز سے فارغ ہو کر بالا خانہ میں تنہا جا کر بیٹھ گئے ۔ میں حفصہ کے پاس آیا تو دیکھا کہ بیٹھی رو رہی ہے ۔ میں نے کہا تجھ سے پہلے ہی کہا تھا ۔ حفصہ کے پاس سے اٹھ کر مسجد نبوی میں آیا دیکھا کہ صحابہ مبنر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں ۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا مگر طبیعت کو سکون نہیں ہوتا تھا ۔ اٹھ کر بالا خانہ کے پاس آیا اور رباج (خادم خاص) سے کہا اطلاع کرو، لیکن آنحضرتؐ نے کچھ جواب نہ دیا ۔ میں اٹھ کر پھر مسجد میں آیا اور پھر کچھ دیر کے بعد بے تاب ہو کر بالا خانہ کے نیچے آیا اور دربان سے دوبارہ اذن طلبی کی درخواست کی ۔ جب کچھ جواب نہ ملا تو میں نے پکار کر کہا رباح! میرے لئے اذن مانگ ۔ شاید رسولؐ اللہ کو یہ خیال ہے کہ میں حفصہ کی سفارش کرنے آیا ہوں، خدا کی قسم! رسولؐ اللہ فرمائیں تو حفصہ کی گردن اڑا دوں ۔ آنحضرتؐ نے اجازت دے دی، اندر گیا تو دیکھا کہ آپؐ کھری چارپائی پر لیٹے ہیں اور جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ۔ ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوئے تھے ۔ ایک کونے میں کسی جانور کی کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی ۔ میری آنکھوں میں آنسوں جاری ہو گئے ۔ آنحضرتؐ نے سبب پوچھا میں نے عرض کی اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہو گا؟ قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپؐ پیغمبر ہو کر آپؐ کی یہ حالت ہے ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں اور ہم آخرت ۔

میں نے عرض کی، کیا آپؐ نے ازواج کو طلاق دے دی؟ آپؐ نے فرمایا "نہیں" میں اللہ اکبر پکار اٹھا ۔ پھر عرض کی کہ مسجد میں تمام صحابہ مغموم بیٹھے ہیں، اجازت ہو تو جا کر خبر کرا دوں کہ واقعہ غلط ہے ۔ چونکہ ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا تھا ۔ آپؐ بالا خانہ سے اتر آئے اور عام باریابی کی اجازت ہو گئی ۔ اس کے بعد آیت تخیر نازل ہوئی ۔

"اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم کو دنیاوی زندگی اور دنیا کا زیب و آرائش مطلوب ہے تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر بہ طریق احسن رخصت کر دوں اور اگر خدا، خدا کا رسولؐ اور آخرت مطلوب ہے تو خدا نے تم میں سے نیکو کاروں کے لئے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے ۔"

اس آیت کی رو سے آنحضرتؐ کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہراتؓ کو مطلع فرما دیں کہ دو چیزیں تمھارے سامنے ہیں ۔ دنیا اور آخرت ۔ اگر تم کو دنیا عزیز ہے تو میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور رسولؐ اور زندگانی ابدی کی طلب گار ہو تو خدا نے نیکو کاروں کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے

مہینہ ختم ہو چکا تھا، آپؐ بالا خانہ سے اترے اور چونکہ ان تمام معاملات میں حضرت عائشہؓ پیش پیش تھیں ان کے پاس تشریف لے گئے اور مطلع فرمایا انہوں نے کہا میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسولؐ کو لیتی ہوں ۔ تمام اور ازواج مطہراتؓ نے بھی یہی جواب دیا ۔

ایلا، تخییر اور مظاہرہ حضرت عائشہ و حفصہ یہ تینوں واقعات ایک ہی وقت میں ہوئے اور ایک ہی سلسلہ

کی کڑیاں ہیں ۔ مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی وہ یہ تھی ۔

" اگر تم دونوں رسولؐ کے برخلاف ایکا کرو تو خدا اس کا مولا ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور ان سب کے ساتھ فرشتے بھی مددگار ہیں " ۔

قرآن سے یہ بات واضح ہے کہ آنحضرتؐ نے ازواج مطہرات کی خاطر کوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لی تھی اختلاف اس میں ہے کہ وہ کیا چیز تھی ۔ بہت سی روایات میں ہے کہ وہ ماریہ قبطیہ ایک کنیز تھی جس کو حاکم مصر نے آنحضرت کی خدمت میں تحفتاً بھیجا تھا ۔ حضرت ماریہ قبطیہ کے متعلق ہمارے ممتاز علماء و مورخین نے جو روایات بیان کی ہیں اس قدر توہین آمیز ہیں کہ ہم ان کا ذکر کرنے کی جسارت نہیں کر سکتے ۔ ان حضرات کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ کا جو راز حضرت حفصہ نے فاش کر دیا تھا انہی ماریہ قبطیہ کا راز تھا ۔ ہمارے خیال میں یہ روایات بالکل ، موضوع اور ناقابل اعتبار ہیں ۔ ابن سعد اور واقدی نے ان روایات کو زیادہ بدنما طریقوں سے بیان کیا ہے اور مغربی مورخین نے ان کی بنا پر آنحضرتؐ کے کردار پر شدید اعتراضات کیے ہیں ۔

آنحضرتؐ کے خلق عظیم اور بلند کردار کے پیش نظر یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ماریہ قبطیہ کے متعلق مذکورہ تمام روایات دشمنان اسلام کی وضع کردہ ہیں ۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ازواج مطہرات اس وقت کے معاشی حالات کی روشنی میں اپنے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لئے اپنے وظائف اور گھریلو اخراجات میں اضافہ کا مطالبہ کر رہی تھیں ۔ کیونکہ اب مملکت مدینہ کا قریباً تمام جزیرہ نمائے عرب پر حکومت اور تسلط قائم تھا ۔ تمام ملک سے مال غنیمت جزیہ اور زکوۃ وغیرہ بے حد و حساب آرہے تھے ۔ مدینہ اور مسجد نبوی میں غلام ، کنیزیں اور اونٹ بکریاں اور مال و دولت کے انبار لگ جاتے تھے ۔ آنحضرتؐ صبح سے شام تک یہ تمام مال و اسباب غریبوں ، حاجتمندوں اور حقداروں میں دل کھول کر تقسیم فرماتے اور شام کے وقت خالی ہاتھ گھر میں تشریف لاتے اور ازواج مطہرات کے دل میں بھی بہتر زندگی کا احساس پیدا ہوا ۔ مگر حضورؐ وہی فقرو فاقہ اور قناعت کی زندگی کا درس دیتے چنانچہ ایک بار آپ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ نے اپنے گھر میں کام کے لئے ایک کنیز کی درخواست کی مگر حضورؐ نے انکار کر دیا ۔ چنانچہ اسی نان و نفقہ کے مطالبہ کے نتیجے میں یہ گھریلو کشیدگی پیدا ہوئی اور سب نے متفقہ طور پر اخراجات میں اضافہ کا مطالبہ کر دیا ۔

حضرت ماریہ قبطیہ کے متعلق واقعات یہ ہیں کہ ماریہ اور سیرین دو بہنوں کو مقوقس شاہ مصر نے حضورؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ ارسال کیا تھا ۔ ماریہ قبطیہ بے حد حسین و جمیل مصری خاتون تھیں اور مدینہ پہنچنے سے قبل ہی اسلام قبول کر چکی تھیں ۔ اب اس معاملہ میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ حضورؐ اس سے عقد کر لیں اور وہ آپؐ کی ازواج مطہرات میں شامل ہو گئیں ۔ چونکہ حضورؐ کی تمام ازواج عربی النسل تھیں مگر ماریہ قبطیہ مصری تھیں لہذا حضورؐ نے ان کو مدینہ سے باہر کسی مقام پر رکھا اور وہاں ان کی رہائش اور گھریلو ضروریات کا اہتمام کر دیا ۔ آپؐ

اس کے پاس وقتاً فوقتاً جاتے رہتے تھے۔ ماریہ قبطیہ انتہائی خوش قسمت تھیں کہ ان کے بطن سے حضورؐ کو آخری عمر میں ایک چاند سا بیٹا حضرت ابراہیمؑ عطا ہوئے۔ اس پر دیگر ازواج مطہرات حضرت ماریہ قبطیہؓ سے رشک اور حسد کرنے لگیں۔ اور حضورؐ سے علیحدہ رکھنے کی کوششیں بھی کرتی تھیں۔

لہذا یہ تمام واقعات ایلا، تخیر اور مظاہرہ وغیرہ ایک گھریلو مسئلہ تھا جس کی بنیاد نان و نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ، اور حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش کے بعد ان کے ساتھ رشک و حسد کی وجہ سے پیدا ہوا۔

10ھ 632ء کے حالات و واقعات

حجۃ الوداع ماہ ذی الحجہ 10ھ مارچ 632

جناب رسولؐ اللہ پچیس (25) ذیقعد 10ھ کو حج کے لئے روانہ ہوئے اور مدینہ پر ابو دجانہ ساعدی یا سباع بن عرفطہ غفاری کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ آنحضرتؐ کے ساتھ مدینہ سے نوے ہزار مسلمانوں کا جم غفیر روانہ ہوا اور مکہ تک پہنچتے پہنچتے دیگر قبائل اور یمن کی طرف سے مسلمان بھی مکہ پہنچ گئے تھے۔ اور یوم حج کے روز میدان عرفات میں قریباً ایک لاکھ چوبیس (24) ہزار فرزندان توحید کا عظیم الشان اجتماع تھا۔ رسولؐ اللہ مدینہ سے اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی لے گئے تھے۔ جب مقام سرف میں پہنچے تو آپؐ نے حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کے جانور نہیں لائے وہ عمرہ کے احرام کھول دیں۔ حضرت عائشہؓ ایام سے تھیں۔ اس لئے ان کو فرمایا کہ تم تمام مناسک حج ادا کر چکی ہو جو حاجی ادا کرتے ہیں مگر بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔ رسولؐ اللہ نے اپنی اونٹنی قصواء پر سوار میدان عرفات میں اپنا تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور امت کو قیامت تک کے لئے ہدایات فرمائیں اور اعلان فرمایا کہ میں نے اپنی نبوت و رسالت کا فریضہ مکمل کر دیا ہے۔ اور قرآن حکیم کی یہ آیت کہ آج کے دن اللہ نے دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت امت مسلمہ پر مکمل کر دی ہے۔ اس کے بعد آپؐ اپنی زندگی کے آخری حج یعنی حجۃ الوادع سے فارغ ہو کر مدینہ روانہ ہوگئے۔

خطبہ حجۃ الوداع

داعیٔ انقلاب انسانی حضرت محمدؐ رسول اللہ نے تاریخ عالم میں بنیادی انسانی حقوق کا سب سے پہلا چارٹر مورخہ 9 ذالحجہ 10ھ / فروری 632 کو وادی عرفات مکہ میں جبل رحمت پر کھڑے ہو کر اپنے بے مثال خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار فرزندان توحید کا عظیم الشان اجتماع تھا۔ حضورؐ نے پر خلوص، پرسوز اور شیریں آواز میں احترام و شرف انسانیت کے متعلق ایسا دستور العمل پیش کیا جو انفرادی و اجتماعی اخلاقیات اور شریعت اسلامی کے بنیادی اصولوں اور اہم ترین مسائل و حقائق کا ایک جامع مرقع ہے جسے حقوق انسانی کے باب

میں عالمی منشور کی حیثیت حاصل ہے۔ آپؐ کی ختم نبوت و رسالت کی طرح یہ خطبہ بھی حرف آخر ہے۔ آپ نے تمام نوع انسانی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

1۔ ہر قسم کے شرک و شخصیت پرستی سے پاک خالص توحید الہیٰ پر ایمان اور قرآن حکیم کے مطابق عمل کرو۔

2۔ وحدت نسل انسانی کے نظریے کے مطابق عالمگیر انسانی برادری، اسلامی مساوات و اخوت کے مطابق معاشرہ کی تشکیل نسل و قبیلہ کے تفاخر ذات پات کی اونچ نیچ، رنگ و زبان اور قومیت و وطنیت کے تعصبات کو یکسر مٹا دیا اور عزت و فضیلت کا معیار صرف تقویٰ و پرہیزگاری اور نیک اعمال کو قرار دیا۔

3۔ عدل و انصاف، امن و سلامتی، حریت فکر و عمل، آزادی عقیدہ، محبت و رواداری اور عورتوں کے حقوق کے تحفظ کا اعلان کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس عظیم انسانی منشور کے اعلان کے بعد ان حیات افروز انقلابی اصولوں کی تائید فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی کہ " میں نے آج تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کاملہ کا اختتام کر دیا اور تمھارے لئے مذہب اسلام کو پسند کر لیا"۔

حج کے دن حضورؐ عرفہ تشریف لائے اور آپؐ نے وہاں قیام فرمایا۔ جب سورج ڈھلنے لگا تو آپؐ نے (اپنی اونٹنی) قصویٰ کو لانے کا حکم فرمایا۔ (اس پر سوار ہو کر) بطن وادی میں تشریف فرما ہوئے اور اپنا وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں دین کے اہم امور بیان فرمائے۔

آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنی پوری شان و شوکت اور جاہ و جلال کے ساتھ ظاہر ہوا۔ اور جاہلیت اور شرک کے تمام غیر انسانی بیہودہ رسم و رواج کو ختم کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں اور نسل و قبیلے کے تفاخر اور امتیازات کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا جاتا ہے۔ تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگ راہ امتیاز مراتب تھا جو دنیا کی تمام قوموں نے تمام مذاہب میں تمام ممالک نے مختلف صورتوں میں قائم کر رکھا تھا۔ آج یہ تمام فرقے تمام امتیازات تمام تفاخر اور تمام حد بندیاں ختم کر دی گئیں اور مساوات انسان اور اخوت اسلام، عدل و انصاف، امن و سلامتی، حریت و آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کے عالمگیر چارٹر کا اعلان کر دیا گیا۔ آپ نے خدا کی حمد و ثنا کرتے ہوئے خطبے کی یوں ابتدا فرمائی " خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے کوئی اس کا ساجھی نہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اس نے اپنے بندے (رسولؐ) کی مدد فرمائی اور تنہا اسی کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔

لوگو! میری بات سنو، کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں یکجا ہو سکیں گے (اور غالباً) اس سال کے بعد (میں حج نہ کر سکوں گا)۔

لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمھیں

جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزت و کرامت والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے" چنانچہ (اس آیت کی روشنی میں) نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کالے کو گورے پر فوقیت حاصل ہے نہ گورا کالے پر فوقیت رکھتا ہے۔ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔

انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدمؑ (کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ) مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے، خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جاچکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات رہیں گی۔

پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا "قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو خدا کے حضورؐ تم اس طرح آؤ کہ تمھاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہو اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمھارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

قریش کے لوگو! خدا نے تمھاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمھارے فخر و مباہات کی اب کوئی گنجائش نہیں۔ تمھارے خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئی ہمیشہ کے لئے۔ ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہے جیسی تمھارے اس دن کی اور اس ماہ مبارک (ذی الحجہ) کی خاص کر اس شہر میں ہے۔ تم سب خدا کے آگے جاؤ گے اور وہ تم سے تمھارے اعمال کی بازپرس کرے گا۔

دیکھو، کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ تم آپس ہی میں کشت و خون کرنے لگو۔ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔

لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں غلاموں کا خیال رکھو۔ انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔

دور جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں تلے روند دیا۔ زمانہ جاہلیت کے سارے انتقام اب کالعدم قرار دیتا ہوں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون۔ جسے بنوہذیل نے مار ڈالا تھا اب میں معاف کرتا ہوں۔ دور جاہلیت کا سود اب کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے، اب یہ ختم ہو گیا۔

لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق خود دے دیا۔ اب کوئی کسی کے حق کے لیے وصیت نہ کرے۔

بچہ اس کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ جس کے بستر پر وہ ہوا۔ جس پر حرامکاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے۔ حساب و کتاب اللہ کے ہاں ہوگا۔ جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا، اس پر اللہ کی لعنت۔ قرض قابل ادائیگی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے۔ تحفے کا

بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن ہو وہ تاوان ادا کرے۔

دیکھو تمھارے اوپر تمھاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اسی طرح ان پر تمھارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں سے بہتر سلوک کرو، کیونکہ وہ تو تمھاری پابند ہیں اور خود اپنے لیے وہ کچھ نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انہیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمھارے لیے حلال ہوئیں۔ لوگو! میری بات سمجھ لو کہ میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔

میں تمھارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑ جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اگر اس پر قائم رہے اور وہ خدا کی کتاب ہے اور ہاں دیکھو، دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انھی باتوں کے سبب ہلاک کر دیے گئے۔

شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی ہے کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی۔ لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنھیں تم کم اہمیت دیتے ہو۔ اس کی بات مان لی جائے اور وہ اسی پر راضی ہے۔ اس لیے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔

لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرو۔ مہینے بھر کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو۔ اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل امر کی اطاعت کرو، تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔ سنو، جو لوگ یہاں موجود ہیں یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتادیں جو یہاں نہیں ہو سکتا ہے کوئی موجود نہ ہونے والا تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔ اور (لوگو!) تم سے میرے بارے میں (خدا کے ہاں) سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟۔ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپؐ نے امانت (دین) پہنچا دی اور آپؐ نے حق رسالت ادا کر دیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔

یہ سن کر حضورؐ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا خدایا گواہ رہنا، خدایا! گواہ رہنا، خدایا گواہ رہنا۔

سریہ حضرت خالد بن ولید بجانب نجران

آنحضرتؐ نے ماہ ربیع الاول 10 ھ جون 631ء میں حضرت خالد بن ولیدؓ کو چار سو مجاہدین کا سردار بنا کر نجران کی طرف بنو حارث بن کعب پر فوج کشی کے لئے روانہ فرمایا اور انہیں حکم فرمایا کہ ان سے جنگ کرنے سے پہلے ان پر تین دن تک اسلام کی دعوت پیش کریں۔ اگر ■ منظور کر لیں تو تم ان کا اسلام قبول کر لو۔ پھر ان میں قیام کر کے انہیں اللہ کی کتاب، سنت نبی کریمؐ اور اسلامی حقائق کی تعلیم دیتے رہو۔ اہل نجران عیسائی تھے۔

پس یہ ہدایات لے کر حضرت خالد بن ولیدؓ روانہ ہو کر نجران پہنچے اور سواروں کو مختلف سمتوں میں بھیج دیا تاکہ وہ ہر طرف سے لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں اور ان سے کہیں کہ "اے لوگو! اسلام قبول کر لو۔ نجات پا جاؤ گے"۔ پس لوگ اسلام لے آئے اور حضرت خالدؓ کی دعوت قبول کر لی۔ پھر حضرت خالدؓ وہاں ٹھہر گئے اور انہیں اسلام کی تعلیم دیتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید اپنے ساتھ بنی حارث بن کعب کا وفد لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے۔ وہاں پہنچ کر ان سب نے اپنے اسلام لانے کا اقرار کیا اور حضورؐ نے قیس بن حفین کو بنو حارث بن کعب پر امیر مقرر فرمایا اور یہ وفد اپنی قوم میں واپس چلا گیا اس کے چار ماہ بعد حضورؐ کا وصال ہو گیا

حضرت ابراہیم کی وفات

آنحضرتؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم جو آپؐ کی زوجہ مطہرہ حضرت ماریہ کے بطن سے تولد ہوئے تھے۔ صرف سولہ مہینے کی عمر میں بماہ ربیع الاول 10 ھ م جون 631ء وفات پا گئے۔ آنحضرتؐ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے سہارے حجرہ میں داخل ہوئے جہاں حضرت ابراہیم قریب المرگ تھے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو آنحضرتؐ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ حضرت عبدالرحمان نے عرض کیا۔ یارسول اللہ اس بات سے تو آپؐ لوگوں کو منع فرماتے ہیں۔ مسلمان جب آپؐ کو روتا ہوا دیکھیں گے تو وہ بھی رویا کریں گے۔ جب آنحضرتؐ کے آنسو خشک ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا یہ رونا تو رحمت ہے جو شخص دوسرے پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔ میں تو نوحہ و ماتم اور اس بات سے منع کرتا ہوں کہ مردہ کی طرف وہ باتیں منسوب کر کے بیان کی جائیں جو اس میں نہ ہوں۔

آنحضرتؐ نے ابراہیم کو بقیع کے قبرستان میں دفن کرنے کا حکم فرمایا اور ان کی نماز جنازہ پڑھائی جس میں چار تکبیریں کہیں۔

جس دن حضرت ابرہیم کا انتقال ہوا اس دن اتفاق سے سورج گرہن ہو گیا اس پر لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ حضرت ابراہیمؑ کی موت کے غم میں یہ سورج گرہن ہوا ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "چاند سورج خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ اور کسی کی موت کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتا۔

سریہ حضرت علیؓ بجانب یمن

آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو ماہ رمضان 10 ھ دسمبر 631ء میں یمن کی طرف تین سو سواروں کا دستہ دے کر روانہ کیا۔ وہاں پہنچ کر حضرت علیؓ کا مشرکین سے مقابلہ ہوا مگر شکست کھا کر منتشر ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے ان کو بلا کر اسلام کی دعوت دی جسے انہوں نے قبول کر لیا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ حضرت علیؓ مال غنیمت

سمیٹ کر مدینہ پہنچ گئے یہ فوج کشی یمن کے قبیلہ مذحج کی طرف ہوئی تھی۔اس سے قبل 8 ھ میں بھی حضرت علیؓ کو یمن کی طرف بھیجا گیا تھا۔جو قبیلہ ہمدان کی طرف گئے تھے اور وہ پورا قبیلہ اسلام لے آیا تھا۔

12 ربیع الاول ۱۱ھ

آنحضرتؐ کا آخری خطبہ

رسولؐ اللہ نے اپنی شدید علالت کے باوجود ایک دن مسجد میں تشریف لا کر آخری خطبہ فرمایا جس میں اسامہ کی امارت لشکر کی توثیق کی اور اس کو اسکے باپ کی طرح اس منصب و ذمہ داری کے اہل قرار دیا پھر فرمایا کہ مہاجر و انصار اور دیگر تمام مسلمان باہم محبت اتحاد اور صلح امن سے قرآن و سنت کے اصولوں اور احکام کے مطابق زندگی گزاریں۔ اس حالت میں صرف ایک مرتبہ نبی کریمؐ سر مبارک کو کپڑے سے باندھے ہوئے باہر تشریف لائے کیونکہ سر درد سے دکھ رہا تھا اور منبر کی نچلی سیڑھی پر بیٹھ گئے۔ آپؐ نے خدا کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد درج ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبیؐ کی موت سے خائف ہو گیا مجھ سے پہلے مبعوث شدہ انبیاء میں سے کوئی نبی بھی ہمیشہ اس دنیا میں رہا ہے کہ میں دائمی طور پر تم میں رہ سکوں گا"۔ آگاہ رہو میں اپنے رب سے جا ملوں گا اور تم سب مجھ سے آملو گے۔ پس میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ پہلے ہجرت کرنے والوں سے بہت اچھا سلوک کرنا۔ مہاجرین کو بھی آپس میں حسن سلوک سے رہنا چاہیے۔"

بلاشبہ تمام امور اللہ کی مرضی سے جاری ہوتے ہیں۔ اس کی مرضی کسی امر میں تاخیر کی ہو تو تم اس میں عجلت کی خواہش نہ کرو۔ جو شخص خدا کی مرضی پر غالب آنا چاہے خدا اس پر غالب رہتا ہے۔ جو اللہ کو دھوکہ دیتا ہے، خدا اسے دھوکہ دیتا ہے۔ میں تمھیں انصار سے بھی حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے تمھیں اپنے گھروں میں قیام کی جگہ دی اور تمھیں باعزت طریق پر رکھا۔ پس تم پر ان سے حسنِ سلوک واجب ہے۔

اسی خطبہ کے دوران آنحضرتؐ نے فرمایا "خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کر لے یا خدا کے پاس (آخرت) میں جو کچھ ہے اس کو قبول کر لے۔ لیکن اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کی ہیں۔ یہ سن کہ حضرت ابو بکرؓ رو پڑے۔ لوگوں نے ان کی طرف تعجب سے دیکھا کہ آپؐ تو ایک

شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ یہ رونے کی کونسی بات ہے ۔ لیکن راز دار نبوت سمجھ چکا تھا کہ ■ بندہ خود محمدؐ رسول اللہ ہیں ۔ آپؐ نے اپنی تقریر کا سلسلہ آگے بڑھایا اور فرمایا سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں ابو بکر ہیں ۔ اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابو بکرؓ کو بناتا ، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے ، مسجد کے رخ کوئی دریچہ ابو بکر کے دریچے کے سوا باقی نہ رکھا جائے ۔ ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا ہے ۔ دیکھو تم ایسا نہ کرنا میں منع کر جاتا ہوں " ۔

آنحضرتؐ نے اسامہ بن زید کی سپہ سالاری میں جو لشکر شام کے لئے تیار کیا تھا اس پر بعض منافقین اور نسل و قبیلہ کے تفاخر میں مبتلا لوگوں نے حضرت اسامہ کی قیادت پر اعتراض کیا تھا کہ وہ نو عمر اور ایک آزاد کردہ غلام کا بیٹا ہے ۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا " اگر اسامہ کی سپہ سالاری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ زید کی سپہ سالاری پر بھی تم معترض تھے ۔ خدا کی قسم! ■ اس منصب کا مستحق تھا ۔ اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا ۔ اور اب اس کے بعد یہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور اس قیادت و سپہ سالاری کا اہل ہے ۔

آپ نے فرمایا " حرام و حلال کی نسبت میری طرف نہ کی جائے میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے " ۔

آپ نے فرمایا کہ " انسان کی جزا و سزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے " آپ نے فرمایا " اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہ! اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے ہاں کے لئے کچھ کر لو میں تمھیں خدا سے نہیں بچا سکتا " ۔

خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ حجرہ عائشہ میں تشریف لائے آنحضرتؐ کا یہ آخری خطبہ تھا ۔ اس کے بعد آپؐ پھر کبھی منبر پر تشریف فرما نہ ہوئے ۔

آنحضرت کا وصال 12 ربیع الاول 11 ھ / جون 632 ء

بیماری کی شدت ساعت بہ ساعت بڑھتی گئی چہرہ مبارک کپڑے سے ڈھانک لیا ۔ ازواج مطہرات چہرہ پر ہاتھ رکھتیں تو حرارت کی شدت محسوس کر کے حیران رہ جاتیں ۔ بخار کی شدت نے اس قدر نڈھال کر دیا تھا کہ آپؐ کے فرمانے پر پانی کا برتن سرہانے کے قریب رکھ دیا تھا ۔ آنحضرتؐ پانی میں ہاتھ ڈبوتے اور پیشانی و چہرہ پر ہاتھ پھیرتے ۔ اس اثنا میں عبدالرحمن بن ابو بکرؓ آیا اس کے ہاتھ میں مسواک تھی ۔ حضورؐ نے اس کو دیکھا حضرت عائشہؓ نے محسوس کیا کہ آپؐ مسواک کرنا چاہتے ہیں ۔ اس کے ہاتھ سے مسواک لے کر اپنے دہن مبارک میں چبائی جب اس کے ریشے نرم ہو گئے تب آپؐ کی خدمت میں پیش کی ۔ جس سے دہن مبارک کو صاف فرمایا ۔ اسی کرب اور بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں ، دریافت فرمایا کہ عائشہؓ! ■ اشرفیاں کہاں

ہیں؟ محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو"۔

صحیح بخاری کی حدیث نمبر 15736 صفحہ 770 کے مطابق آنحضرتؐ نے وفات کے وقت نہ اشرفیاں چھوڑیں نہ روپیہ ۔ نہ غلام نہ لونڈی ، ایک سفید رنگ کا خچر چھوڑا جس پر سوار ہوا کرتے تھے اور ہتھیار چھوڑے خیبر اور فدک کی کچھ زمینیں آپؐ اپنی زندگی میں مسافروں کے لئے وقف کر گئے تھے۔

یہ جان کنی کی کشمکش آخری مرحلہ پر پہنچ چکی تھی ۔ خدا کی طرف متوجہ ہو کر الحاح کہا ۔ سکرات الموت! سکرات الموت! الٰہی! اس جان کنی میں میری اعانت فرمائیو ۔ فرق مبارک حضرت عائشہ صدیقہ کی آغوش میں تھا ۔ اس حالت کے تذکرہ میں فرماتی ہیں کہ پاس پانی کا برتن تھا اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرے پر ملتے چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹا دیتے تھے ۔ اتنے میں ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ کیا اور تین دفعہ فرمایا "اب کوئی نہیں ، اب کوئی نہیں! بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے" ۔ دفعتاً محسوس ہوا کہ میری آغوش بوجھ سے دبی جا رہی ہے ۔ میں نے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی تو آنکھیں پتھرائی جا رہی تھیں اور زبان مبارک پر "بل الرفیق الاعلیٰ" (اپنے رب کے پاس جانا چاہتا ہوں) ۔ روح مبارک اسی حالت میں میری گود میں ٹیک لگائے رفیق اعلیٰ کی جانب پرواز کر گئی ۔ رسول اللہؐ کی زندگی کی داستان ختم ہو جانے کے بعد آپؐ کے فرق مبارک کے نیچے تکیہ لگا کر ان عورتوں کے مجمع میں شامل ہو گئیں ۔ جو پریشان گریہ و بکا میں مشغول تھیں ۔ مگر میں دوسرے خیالات میں سر جھکائے کھڑی رہی۔

اس لمحہ مسلمانوں میں عجیب اضطراب پیدا ہو گیا بعض حضرات کو آپؐ کی وفات پانے کا تذکرہ سننا بھی گوارا نہ تھا ۔ ایسے لوگوں کا خیال تھا کہ حضورؐ نے وفات نہیں پائی ۔ ان میں حضرت عمرؓ سب سے آگے تھے ۔ اور فرط غم سے دیوانہ ہوئے جا رہے تھے ۔ تمام صحابہ کی حالت انتہائی نازک ہو چکی تھی ۔ مگر اس شدید رنج و غم کے موقعہ پر حضرت ابو بکرؓ نے اعتدال پسندی ، ضبط و تحمل ، اور ثابت قدمی کا بے مثال مظاہرہ کیا ۔ اور وہ ان ناقابل برداشت مصائب و شدائد میں بھی ثابت قدم رہے ۔ چنانچہ ان کی ثابت قدمی اور عقل و دانش نے حالات کو قابو میں کر لیا۔

جب حضرت ابو بکرؓ کو اس حادثہ کی خبر ملی تو آپ حضرت عائشہ کے گھر آئے ۔ آنحضرتؐ کے چہرہ مبارک کو کھولا اور اسے بوسہ دے کر رونے لگے ۔ پھر باہر نکل کر فرمایا "اے قسم کھانے والے! (اشارہ حضرت عمرؓ کی طرف تھا) ذرا ٹھہرو جلدی نہ کرو" ۔ ان کے کہنے پر حضرت عمرؓ بیٹھ گئے اور حضرت ابو بکرؓ نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

"خبردار رہو! تم میں سے جو شخص حضرت محمدؐ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمد کا وصال ہو چکا ہے اور جو شخص حق تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ زندہ ہے ۔ اس پر کبھی بھی موت طاری نہ ہو گی" ۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "اے پیغمبر! یقیناً آپؐ مرنے والے ہیں اور دوسرے سب لوگ بھی مرنے والے ہیں"

۔ حضرت محمدؐ صرف ایک پیغمبر خدا تھے آپؐ سے پہلے بہت سے انبیاء ہو گزرے ہیں "۔ اس پر لوگوں کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیق کی یہ بات سنی تو کہا کہ یوں معلوم ہوا جیسے میں نے یہ آیت اس سے پہلے کبھی تلاوت ہی نہ کی تھی۔

آنحضرتؐ کا وصال بروز دوشنبہ بتاریخ 12 ربیع الاول 11 ھ م جون 632 ء کو ہوا۔

ابو مویہبہ مولی رسولؐ اللہ کی روایت ہے کہ مجھے رسولؐ اللہ نے نصف شب میں بلوایا اور فرمایا " ابو مویہبہ مجھے اللہ کی طرف سے اس بات کا حکم ملا ہے کہ میں بقیع کے لوگوں کے ئے دعائے مغفرت کروں اس لئے تم میرے ساتھ چلو "۔ میں آپؐ کے ساتھ چلا گیا۔ جب آپ بقیع میں ان کے درمیان کھڑے ہوئے تو فرمایا " اے اہل قبور! " پھر آپؐ میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے " ایک طرف دنیا بھر کے خزانوں کی کنجیاں اور ان میں ہمیشہ کے لئے رہنا اور دوسری طرف جنت ۔۔۔ " اس پر میں نے عرض کیا " آپؐ خزانوں کی کنجیاں اور ہمیشہ کی زندگی لے لیجئے ۔ آپؐ نے فرمایا " نہیں ابو مویہبہ! میں رب کی ملاقات اور جنت اختیار کر چکا ہوں "۔ پھر آپؐ نے اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد آپؐ کے سر میں درد شروع ہوا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے پاس بلا لیا۔

آنحضرتؐ آخری ایام صفر 11 ھ م 632 ء میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ آپؐ کی کل مدت بیماری تیرہ دن اور ایک قول کے مطابق سات دن رہی۔ آپؐ مرض کے ابتدائی ایام میں اپنی زوجہ مطہرہ حضرت میمونہؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ لیکن جب مرض نے شدت اختیار کر لی تو آپؐ نے اپنی تمام ازواج مطہرات سے اجازت حاصل کر لی کہ بیماری کی باقی مدت حضرت عائشہؓ کے گھر میں گزاریں۔ اسکے بعد آپؐ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور حضرت علی بن ابو طالب کے بازوؤں کے سہارے حضرت میمونہؓ کے گھر سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے گھر میں داخل ہوئے اور حکم دیا کہ آپؐ کے جسم پر پانی ڈالا جائے کیونکہ آپؐ کو شدید بخار تھا۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے جو مسموم کھانا خیبر میں چکھ لیا تھا میں اب تک اس کی تکلیف محسوس کرتا رہا ہوں۔ لیکن اب اس زہر کے اثر سے میری کمر اور قلب کی شریانوں کے انقطاع کا وقت آ چکا ہے۔

وفات سے چار دن پہلے جمعرات کو آپؐ نے فرمایا کہ " دوات کاغذ لاؤ میں تمھارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے "۔ بعض صحابہ نے کہا کہ آنحضرتؐ کی حالت اس وقت انتہائی پریشان کن ہے اور غشی کے دورے پڑ رہے ہیں۔ لہذا آپؐ کو کوئی تکلیف نہ دی جائے بلکہ آرام کرنے دیں۔ ہمارے پاس قرآن حکیم موجود ہے جو ہمارے لئے کافی ہے اور اس کی وجہ سے ہم گمراہ نہیں ہو سکتے بشرطیکہ اس کے مطابق عمل کریں۔ لہذا حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا اور شور و غل برپا ہوا اور بعض نے دوبارہ دریافت کرنا چاہا تو آپؐ نے فرمایا " مجھے چھوڑ دو۔ میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو "۔ اس روایت کی وجہ سے شیعہ

سنی دونوں فرقوں میں شدید اختلاف پیدا ہو چکا ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ حضرت علیؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے۔ لیکن سنی کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے متعلق وصیت کرنا چاہتے تھے۔ ہمارے خیال میں یہ روایت درایت اور واقعات کے ہی خلاف ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ کیا آنحضرتؐ کو اپنے جانشین کو نامزد کرنے کا خیال اسی وقت آیا جب آپؐ بیماری کی انتہائی شدت کی وجہ سے بے چین اور بے قرار ہو رہے تھے کیا اس سے پیشتر صحت کی حالت میں آپؐ ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ جب آنحضرتؐ نے قلم دوات طلب کی تھی تو اس وقت آپؐ کی حالت نازک بیان کی جاتی ہے۔ لیکن اس کے بعد آپؐ کی حالت سدھر گئی تھی تو بہتر صحت کی حالت میں آپؐ نے دوبارہ اپنا مبینہ فیصلہ کیوں نہ قلمبند کروایا۔ آپؐ اس کے بعد چار دن تک زندہ رہے اور اسی دوران ایک دن سر پر پٹی باندھ کر مسجد نبوی میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اسامہ بن زید کی اہلیت اور انصار کے حسن سلوک اور باہمی اتحاد وغیرہ کا درس دیا۔ اگر آپؐ نے اپنے بعد کسی کو اپنا وصی یا خلیفہ نامزد فرمانا ہوتا تو آپؐ اپنے اس آخری خطبہ میں اعلان فرما سکتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضورؐ اپنے بعد کسی کو نامزد نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ خلافت کا معاملہ امت کی صوابدید اور رائے پر چھوڑنا چاہتے تھے۔ علاوہ ازیں صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل حدیث بھی ثابت کرتی ہے کہ حضورؐ نے اپنی زندگی میں کسی کو بھی اپنا وصی، جانشین سربراہ مملکت نامزد نہیں فرمایا تھا۔ اور نہ فرمانا چاہتے تھے۔

حدیث صحیح بخاری، نمبر 1563 صفحہ 65-746

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کی موت کی بیماری میں حضرت علیؓ آپؐ کے پاس سے باہر نکلے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا ابو الحسن آنحضرت کا آج مزاج کیسا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ کا شکر ہے آج تو مزاج بحال ہے۔ یہ سن کر حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلام ہو گے اور میں تو قسم خدا یہ سمجھتا ہوں کہ آنحضرتؐ اس بیماری میں عنقریب گزر جائیں گے۔ میں عبدالمطلب کی اولاد کا منہ دیکھ کر پہچان لیتا ہوں جب وہ مرنے والے ہوتے ہیں۔ دیکھو علیؓ (بہتر یہ ہے) ہم تم آنحضرتؐ کے پاس جائیں (ابھی آپؐ زندہ ہیں) آپؐ سے پوچھ لیں۔ آپؐ کے بعد کون آپؐ کا خلیفہ ہو گا۔ اگر آپؐ ہم لوگوں کو (یعنی بنی ہاشم کو) خلافت دیں تب تو خیر ہم کو معلوم ہو جائے۔ اگر آپؐ دوسرے کسی کو خلیفہ کریں تو اس کو فرما جائیں گے۔ (وہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتا رہے گا) حضرت علیؓ نے کہا ایسا نہ ہو ہم آپؐ سے پوچھیں اور آپؐ ہم لوگوں کو خلافت نہ دیں پھر تو لوگ (قیامت تک آپؐ کے بعد کبھی ہم کو خلیفہ نہیں بنانے کے اور میں تو آنحضرتؐ سے خلافت کا سوال نہیں کرنے کا)۔

اس حدیث سے بھی صاف واضح ہے کہ حضرت علیؓ کو پورا یقین تھا کہ آنحضرتؐ آپ کو اپنا وصی، جانشین

اور خلیفہ نامزد نہیں کریں گے ۔ بلکہ حضورؐ کے خیالات اور طرز عمل سے صاف ظاہر تھا کہ آپؐ حضرات ابو بکرؓ یا عمرؓ ہی کو خلافت اور جانشینی کا اہل سمجھتے ہیں اور آپ کی وفات کے بعد تمام مہاجرین و انصار اور دیگر صحابہ کرام ان ہی میں سے کسی کو خلیفہ و سربراہ مملکت منتخب کریں گے ۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حقیقتاً یہی دو عظیم ہستیاں آپؐ کی جانشینی کی اہلیت و صلاحیت رکھتی تھیں ۔ جو نہ صرف آپؐ کے پورے دور نبوت کے مخلص ترین جان نثار ساتھی بلکہ حضورؐ کی تربیت اور رفاقت کی وجہ سے شاہکار رسالت بن چکے تھے ۔

جب آپؐ نماز کے لئے باہر نکلنے سے معذور ہو گئے تو فرمایا حضرت ابو بکرؓ سے کہا جائے کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں ۔ اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا" یارسول اللہ حضرت ابو بکرؓ رقیق القلب انسان ہیں جب وہ آپؐ کی جگہ مصلیٰ پر کھڑے ہوں گے تو شدت گریہ کی بنا پر لوگ ان کی قرآت نہ سن سکیں گے ۔ مگر آپؐ نے مکرر ارشاد فرمایا کہ حضرت ابو بکر کو لوگوں کی امامت کے لئے کہا جائے پس حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کو سترہ نمازیں پڑھایں ۔ پہلی نماز شب جمعہ ادا کی تھی اور آخری دوشنبہ کی صبح کی تھی ۔

آپؐ کا وصال بروز دوشنبہ بماہ 12 ربیع الاول 11 ھ ہوا ۔ آپؐ کی تدفین دوسرے دن بروز سہ شنبہ زوال آفتاب کے بعد عمل میں آئی اس وقت آپؐ کی عمر تریسٹھ سال تھی ۔

تجہیز و تکفین

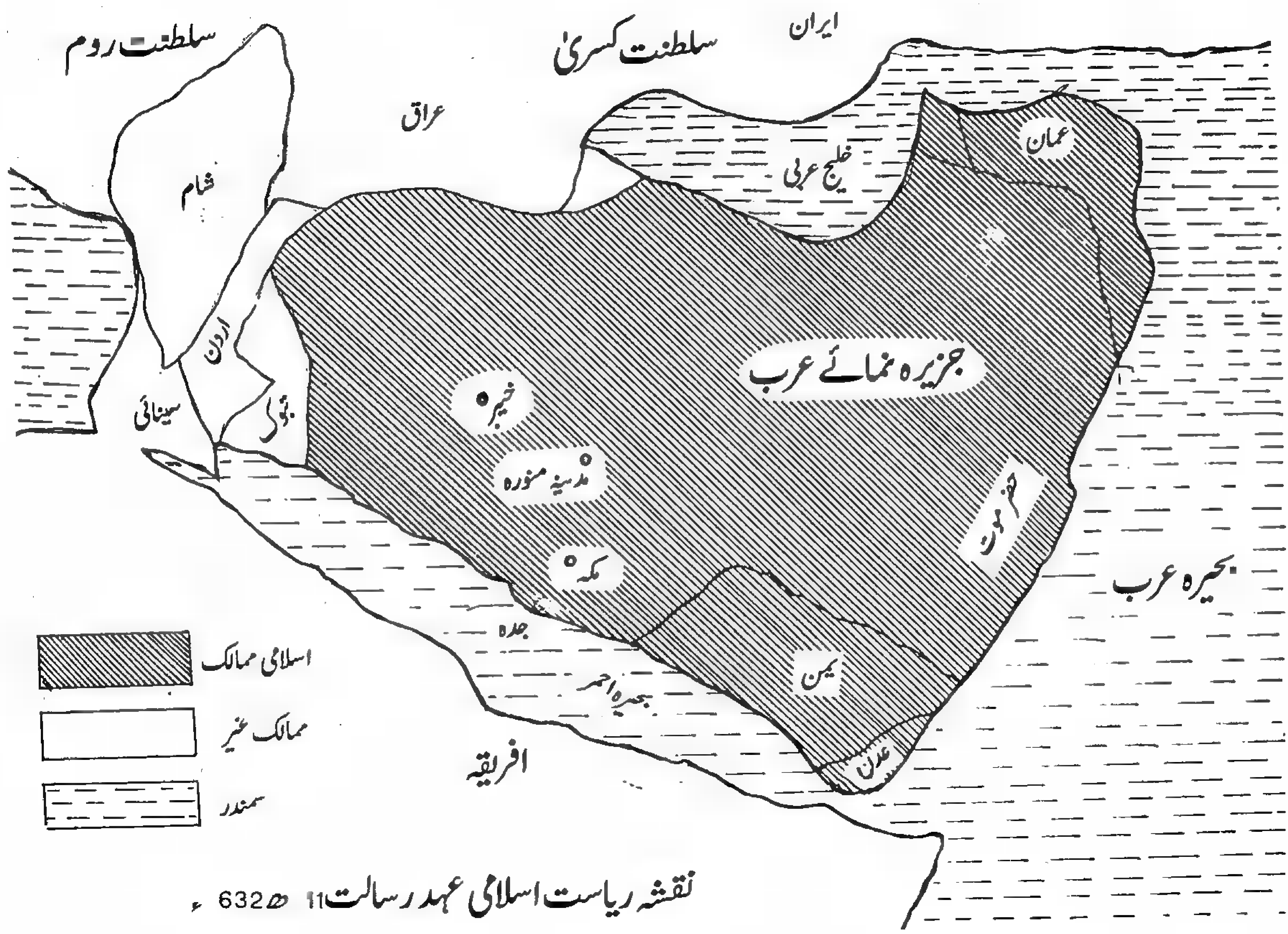
تجہیز و تکفین کا کام دوسرے دن سہ شنبہ کو شروع ہوا اس تاخیر کے کئی اسباب تھے ۔ (1) عقیدت مندوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ حضورؐ وفات پا چکے ہیں ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قرآنی آیات کی روشنی میں سب کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ حضورؐ واقعی وفات پا چکے ہیں ۔ لہٰذا ملت اسلامیہ کو صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے اس صدمہ عظیم کو برداشت کرنا چاہیے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان محکم رکھتے ہوئے قرآن حکیم کے احکام وہدایات کے مطابق اپنی زندگیوں کو بسر کرنا چاہیے ۔ لہٰذا اس پریشانی اور رنج و غم کی وجہ سے بہت سا وقت ضائع ہو گیا ۔

(2) اس کے بعد غروب آفتاب سے قبل تجہیز و تکفین کا کام مکمل نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا اگلے روز پر ملتوی کر دیا ۔

(3) قبر کی کھدائی کا کام غسل و کفن کے بعد شروع ہوا اس لئے کافی دیر انتظار کرنا پڑا ۔

(4) جس حجرہ میں آپؐ نے وفات پائی تھی اسی جگہ قبر کھود کر آپؐ کو دفن کرنا تھا اور اسی جگہ آپؐ کی میت پڑی تھی جگہ بہت تنگ تھی لہٰذا جب جنازہ تیار ہو گیا تو لوگوں نے باری باری تھوڑے تھوڑے کر کے پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے اور پھر بچوں نے نماز جنازہ پڑھی لیکن کوئی امام نہ تھا ۔

جسم مبارک کو حضرت علیؓ ، فضل بن عباسؓ اسامہ بن زید اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے قبر میں اتارا ۔ اس سے قبل تجہیز و تکفین کی خدمت فضل بن عباس اور اسامہ بن زید نے پردہ کیا اور حضرت علیؓ نے غسل



نقشہ ریاست اسلامی عہد رسالت 11ھ 632ء

دیا، اور اسامہ بن زید اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ اس کے بعد تین سوتی سفید کپڑے کفن میں دیئے گئے ان میں قمیض و عمامہ نہ تھا۔

انفرادی و اجتماعی زندگیوں کے لئے جو ضابطہ حیات عطا ہوا اس کے بنیادی اصول حسب ذیل ہیں۔

1۔ ہر قسم کے شرک اور شخصیت پرستی سے پاک خالص توحید الہٰی، رسول اللہ کی نبوت و رسالت اور روز قیامت پر ایمان۔

2۔ تمام سابق انبیاء اور ان پر نازل شدہ الہامی کتب اور فرشتوں پر ایمان۔

3۔ عبادات نماز، روزہ، حج اور زکواۃ کی ادائیگی۔

4۔ اعمال صالح کی بجا آوری۔ اعمال صالحہ پر اسلام نے جو زور دیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ ایسا اسلامی معاشرہ تشکیل دیا جائے جو قرآن حکیم کے قوانین وہدایت کے عین مطابق ہو۔ ایسا اجتماعی نظام حیات اور طریقہ زندگی ہو جو مستقل اقدار خداوندی کے مطابق ہو۔ جس کے چند بنیادی اصول حسب ذیل ہیں۔

i۔ مساوات

عالمگیر انسانی برادری کے تصور کے مطابق مساوات انسانی۔

ii۔ اخوت

تمام مسلمان بلا امتیاز رنگ و زبان، نسل و قبیلہ، قومیت و وطنیت، علاقیت و جغرافیائی حالات، خاندان و خانوادہ اور ذات پات، آپس میں بھائی بھائی ہیں اور حقوق و فرائض میں برابر اور ضرورت و مصائب کے وقت ایک دوسرے کے ہمدرد اور مددگار جیسے حقیقی بھائی ہوتے ہیں۔

عدل و انصاف

ایسا معاشرہ جس میں ہر شخص کے ساتھ ہر حال میں انصاف ہو۔ سب کو برابر، ترقی کے مواقع حاصل ہوں قومی ذرائع پیداوار اور وسائل مملکت میں سب کا برابر کا حصہ ہو۔ کوئی خصوصی حقوق مراعات اور اجارہ داریاں نہ ہوں۔ ہر شخص کو اس کی بنیادی ضروریات زندگی حاصل ہوں۔ اور ہر شخص کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ ہو۔

iv۔ آزادی

حریت فکر و عمل اور عقیدہ و رائے کی آزادی حاصل ہو اور ہر شخص کو جان و مال اور عزت و آزادی کا تحفظ حاصل ہو۔

۷۔ انسانی اقدار

اسلام ایسے معاشرہ کی تشکیل کا حکم دیتا ہے جس کی بنیاد خلوص و محبت اور رواداری و خیر سگالی کے احساسات و جذبات پر ہو۔ جس میں تعصب، نفرت اور عناد نہ ہو۔ انسانیت اور انسانی اقدار کی قدر و منزلت ہو، فضیلت اور عزت و وقار کا معیار دولت، اقتدار اور جبر و استبداد نہ ہو بلکہ شرافت، اخلاق حسنہ، خدمت خلق اور انسان دوستی ہو۔

آنحضرتؐ کے جانشین کا انتخاب

آنحضرتؐ نے اپنی وفات سے قبل اپنے جانشین، وصی اور خلیفہ کے متعلق کسی کو نامزد نہیں فرمایا تھا اور یہ فیصلہ امت پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ باہمی مشاورت سے کسی ایسے شخص کو اپنا امیر یعنی سربراہ مملکت منتخب کر لیں جس کو اس منصب جلیلہ کا سب سے زیادہ اہل، قابل اور مستحق تصور کرتے ہوں۔ جو اسلامی انقلاب کی تحریک میں خدمات اور کارہائے نمایاں میں سب سے زیادہ ہو اور اپنے تدبر و تفکر، عقل و دانش، عزم و استقلال اور قوم کی قیادت و راہنمائی کی گراں ذمہ داریوں سے عہد برآہ ہونے کی صلاحیت و قابلیت رکھتا ہو۔ اسلام، ذات پات، نسل و قبیلہ، خاندان و خانوادہ اور حسب و نسب کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اسلام ذاتی اہلیت و صلاحیت، سیرت و کردار، قومی و ملی خدمات اور کارہائے نمایاں کی بنا پر عزت و فضیلت اور قیادت و راہنمائی کا حکم دیتا ہے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے انتہائی تدبر و فراست، قومی و ملی مصلحت دور اندیشی اور اسلام کے بنیادی اصول مشاورت کے مطابق امت کو یہ حق دیا کہ وہ آپؐ کے بعد اپنے میں سے محض اہلیت و صلاحیت اور خدمات کی بنا پر جس کو مستحق خیال کریں اپنا خلیفہ اور صدر مملکت منتخب کر لیں۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ابھی آپؐ کا جسد اطہر سپرد خاک بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ کے جانشین یعنی مملکت اسلامیہ کے سربراہ کے انتخاب کے لئے جدوجہد شروع ہو گئی۔ اس کشمکش میں تین گروہ سرگرم عمل ہو گئے۔

1۔ انصار مدینہ کی طرف سے ایک اجلاس عام ثقیفہ بنی سعد میں منعقد ہوا۔

2۔ حضرت علیؓ کے گھر پر قبیلہ بنو ہاشم کے درمیان مشورے ہو رہے تھے۔

3۔ مسجد نبوی میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر مہاجرین مکہ و صحابہ کرامؓ جمع تھے۔

جب حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور دیگر صحابہ کو معلوم ہوا کہ ثقیفہ بنو سعد میں آنحضرتؐ کے جانشین کے متعلق فیصلہ کے لئے اجلاس ہو رہا ہے تو سب نے اس میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا تاکہ انصار مدینہ یکطرفہ طور پر فیصلہ کر کے کوئی نازک صورت حال پیدا نہ کر دیں۔ چنانچہ یہ تمام حضرات وہاں پہنچے اس وقت حضرت حباب بن منذر تقریر کر رہے تھے ان کا موقف یہ تھا کہ ہم نے آنحضرتؐ کو مدینہ میں بلایا آپؐ کا بھرپور ساتھ دیا اور اسلام کی خاطر

جان و مال کی بے پناہ قربانیاں دیں ۔ حضورؐ کی تمام کامیابیاں اور فتوحات ہماری عظیم خدمات کا نتیجہ تھیں ۔ لہذا اقتدار حکومت پر ہمارا حق فائق ہے ۔ اس لئے آنحضرتؐ کا جانشین انصار میں سے ہونا چاہیے ۔ مہاجرین کے وہاں پہنچنے کے بعد حضرت حباب بن منذر نے اپنے مطالبہ میں یہ تبدیلی کر دی کہ اگر خلیفہ کا انتخاب انصار میں سے منظور نہیں تو پھر دو امیر مقرر کر دیے جائیں ایک انصار میں سے اور ایک مہاجرین میں سے اور یہ دونوں حضرات ملکی امور مملکت کو چلائیں اور دین اسلام کی خدمت کریں۔

اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ صدیق نے ایک پر اثر، بصیرت افروز اور مدلل تقریر فرمائی جس میں انصار مدینہ کی خدمات ، قربانیوں اور ان کے جذبہ خلوص و محبت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے وقت کی نزاکت اور حالات کی سنگینی کا احساس دلایا اور فرمایا کہ اس وقت ملت اسلامیہ آنحضرتؐ کے صدمہ جانکاہ کی وجہ سے بے حد پریشان ہے ۔ مملکت مدینہ اندرونی ، بیرونی خطرات سے دوچار ہے قبائل عرب کی اکثریت نے مجبوراً اسلام قبول کیا ہے ابھی ان کی تعلیم و تربیت نامکمل ہے ۔ ادھر اسود نے نبی کا دعویٰ کر کے پورے یمن پر قبضہ کر لیا ہے ۔ مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کر کے یمامہ میں بغاوت کر دی ہے اور طلحہ نے دعویٰ نبوت کر کے بنی اسد میں بغاوت کر دی ہے ۔ لہذا ان جھوٹے مدعیان نبوت کی سرکوبی ضروری ہے ۔ دوسری طرف مملکت اسلامیہ کی شمالی سرحد پر قیصر روم اور جنوبی سرحد پر کسریٰ ایران کی سامراجی طاقتیں جزیرہ نمائے عرب کو اپنی محکومی میں لانا چاہتی ہیں۔ لہذا وقت کا تقاضا ہے کہ اتحاد یکجہتی ، سیاسی تدبر اور حکمت عملی کے ساتھ حالات پر قابو پایا جائے آپ نے آنحضرتؐ کی ایک حدیث کا حوالہ دیا جس میں فرمایا گیا تھا کہ " خلیفہ قریش میں سے ہونا چاہیے یہ حضورؐ کی دور اندیشی اور بے پناہ سیاسی بصیرت اور تدبر کا ثبوت تھا کہ آپ نے یہ مشورہ دیا کہ بحالت موجودہ جزیرہ نمائے عرب کے قبائل کسی قریشی کی سربراہی کے علاوہ کسی کو اپنا سربراہ مملکت بخوشی تسلیم نہیں کریں گے ۔ کیونکہ مکہ میں خانہ کعبہ کی عظمت کی وجہ سے تمام عرب قبائل قریش کی مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت کو قبول کرتے ہیں ۔ اس لئے اگر خلیفہ قریش میں سے ہوا تو تمام عرب اس کو متفقہ طور پر تسلیم کر لیں گے اور اگر انصار مدینہ یا کسی اور قبیلہ سے ہوا تو عرب قبائل نسل و قبیلہ کے تعصبات اور امتیازات کی وجہ سے اس کو تسلیم نہیں کریں گے ۔ کیونکہ اگرچہ اسلام نسل و قبیلہ کے امتیازات کا شدید مخالف ہے مگر اسلام ابھی عربوں کے حلق سے نیچے نہیں اترا یعنی اسلام کی پوری تعلیم و تربیت نہیں ہوئی ۔ اس لئے سیاسی حکمت عملی اور وقت کا تقاضا یہی ہے کہ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق خلیفہ قریش میں سے منتخب کر لیا جائے تمام حاضرین جلسہ آپ کی اس مدبرانہ تجویز سے بہت متاثر ہوئے ۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے سامنے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کا نام خلافت کے لئے تجویز کرتا ہوں ان میں سے جس کو آپ چاہیں ۔ اپنا خلیفہ منتخب کر لیں اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ " جس قوم میں حضرت ابو بکر صدیقؓ جیسی عظیم اور یگانہ روزگارہ ہستی موجود ہو ۔ جو آنحضرتؐ کا قریب ترین ساتھی اور قابل اعتماد بزرگ موجود ہو ۔ وہاں مجھے یا کسی

دوسرے کو خلیفہ منتخب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

چنانچہ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کی بیعت کی اور اس کے بعد قریباً تمام حاضرین نے بھی بیعت خلافت کر لی دوسرے روز مسجد نبوی میں ایک اجلاس عام ہوا جس میں مدینہ کے تمام لوگ جمع ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک بلند پایہ خطبہ ارشاد فرمایا اور اس کے بعد تمام لوگوں نے آپ کی بیعت خلافت کر لی۔

تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مملکت اسلامیہ اور جزیرہ نمائے عرب کی سیاسی و مذہبی صورت حال اس قدر سنگین ہو چکی تھی کہ اگر اس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروق جیسی شخصیتیں نہ ہوتیں تو دین اسلام کی یہ انقلاب انگیز تحریک ناکام ہو جاتی۔ ان اندرونی و بیرونی نازک مسائل و مشکلات کو ان دونوں بزرگ ہستیوں نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں، خلوص و دیانت، اہلیت و قابلیت، ذاتی تجربات، وسیع اثر و رسوخ اور انتھک جد و جہد کے ذریعے حل کیا۔ نہ صرف ملت اسلامیہ کو انتشار، مایوسی، بد دلی، نسل و قبیلہ کے امتیازات و تعصبات سے بچا کر متحد و مستحکم اور متحرک رکھا بلکہ ان میں ایک نیا جوش و جذبہ اور اسلامی فتوحات کا زبردست ولولہ و عزم پیدا کر کے اس وقت کی دونوں سپر طاقتوں، قیصر روم اور کسریٰ ایران کے خلاف بیک وقت اعلان جہاد کر دیا۔ تیرہ سال کی مختصر مدت کے دوران دونوں کو میدان جنگ میں شکست فاش دے کر ان کے وسیع و عریض متمدن و مہذب، خوشحال اور ترقی یافتہ ممالک پر قبضہ و تسلط قائم کر لیا۔ بلکہ ان ممالک کے کروڑوں عوام کو مشرف با اسلام بھی کر لیا۔ جو آج تک اسلام کے مضبوط قلعے تصور کئے جاتے ہیں۔ ان میں ایران، عراق، شام، مصر اور فلسطین وغیرہ شامل ہیں۔ ان ممالک میں نہ صرف عدل و انصاف کی عدیم النظیر روایات قائم کیں بلکہ ہر شعبہ زندگی میں دور رس انقلابی اصلاحات نافذ کیں۔ ہر طرف اخوت، مساوات، حریت و آزادی، عدل و انصاف، امن و سلامتی، ترقی و خوشحالی، علم و حکمت، مذہبی رواداری اور انسان دوستی کی بنیادوں پر حیات افروز اسلامی معاشرے کو استوار کیا گیا۔ جس کی اس سے قبل تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی۔

بلا مبالغہ ان دونوں عظیم شخصیتوں کا دور حکومت تاریخ اسلام کا سنہری دور تھا اور ماسوا انبیاء کرام کے آپ تاریخ عالم کے عظیم ترین انسان تھے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر تاریخ اسلام میں حضرت عمرؓ کے بعد ایک اور عمر پیدا ہو جاتے یا حضرت عمر کو ہی پانچ سال کا مزید وقت مل جاتا تو آپ کسریٰ ایران کی طرح قیصر روم کا بھی تعاقب کر کے اور قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کے بعد مشرقی و مغربی یورپ کی فتوحات کا آغاز کر دیتے۔ اور چند سال کے اندر تمام یورپ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوتا وہاں کے تمام وحشی قبائل اور مہذب لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے اور آج یورپ، امریکہ

اور دیگر تمام اقوام عالم کا مذہب اسلام ہوتا۔ مگر افسوس کہ حضرت عمرؓ کے بعد اسلام کی ترقی و توسیع کا دور ختم ہو گیا اور قبائل بنو امیہ اور بنو ہاشم کے درمیان ذاتی اور قبائلی اقتدار کی جنگ شروع ہو گئی۔ اسلامی جمہوری نظام کی بجائے ملوکیت اور قبائلی و خاندانی بادشاہت کا آغاز ہو گیا جو صدیوں تک جاری رہا۔ اسلام کی انقلاب انگیز انسانی تحریک اور نظریہ اسلام ختم ہو کر رہ گیا اور آج تک ہے۔ اب غلبہ اسلام اور نشاۃ ثانیہ کے خواب کے شرمندہ تعبیر ہونے کی کوئی امید نہیں۔ کیونکہ مذہبی فرقہ بندی اور نسل و قبیلہ و قومیت ؍ وطنیت کے بت اس راستہ کی آہنی دیوار ہیں۔

اسلام میں تعددِ ازدواج کی وجوہات

مخالفین اسلام حضورؐ کے تعدد ازدواج پر شدت سے اعتراض کرتے رہتے ہیں مگر حقیقت میں نکاح و شادیاں کسی نفسی اغراض کے لئے نہیں بلکہ انسانی ہمدردی، سیاسی حکمت عملی اور بعض مجبوری حالات کے تحت کرنی پڑیں اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے چار شادیوں کی حد مقرر کر دی تو آپؐ نے اس کے بعد کوئی شادی نہ کی۔

ہنگامی حالات:۔۔ قرآن کریم اسے بھی تسلیم کرتا ہے کہ بعض اوقات ایسے ہنگامی حالات پیدا ہو سکتے ہیں جن کے پیش نظر اس اصولی قانون میں استثناء کی ضرورت لاحق ہو جاتی ہے، اس قسم کے حالات اسلام کے ابتدائی دور میں مدینہ کی زندگی میں پیدا ہو گئے تھے۔ اس وقت کیفیت یہ تھی کہ

(1) مسلمانوں کی ایک محدود سی جماعت تھی (جنگ بدر) جو 2 ھ ہجری میں ہوئی تھی، مسلمان مجاہدین کی تعداد صرف 313 تھی)

(2) مسلسل لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو رسولؐ اللہ کی پوری مدنی زندگی میں جاری رہا۔

(3) ان لڑائیوں کی وجہ سے، اس مختصر سی جماعت میں نوجوان افراد کی کمی ہوتی چلی گئی اور بیوائیں اور یتیم بچے دن بدن زیادہ ہوتے گئے۔ انکے علاوہ مسلمان عورتیں مکہ میں اپنے غیر مسلم خاوندوں کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف آنا شروع ہو گئیں۔

(4) مسلمان عورتیں، صرف مسلمان مردوں سے شادی کر سکتی تھیں کسی غیر مسلم سے نہیں کر سکتی تھیں۔ حتیٰ کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے بھی نہیں۔

(5) اس وقت صورت یہ پیدا ہو گئی کہ بیواؤں کی اور شادی کے قابل لڑکیوں کی تعداد، مردوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہو گئی۔ بیواؤں کے ساتھ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے یتیم اور لاوارث رہ گئے تھے۔

(6) ان ہنگامی حالات میں اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ "ایک بیوی" کے اصولی قانون میں استثنا کر دی جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر، قرآن نے کہا ہے کہ "اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن میں تم دیکھو کہ یتیم بچے اور بے شوہر عورتیں معاشرہ میں زیادہ ہو گئی ہیں اور ایک مرد اور ایک عورت کے اصول کے مطابق ان کے مسائل کا منصفانہ حل نہیں مل سکتا تو ان عورتوں میں سے اپنی پسند کے مطابق نکاح کر لو۔ دو دو، تین تین، چار چار تک

(جیسا بھی ضرورت کا تقاضا ہو) لیکن اگر تمہیں خدشہ ہو کہ تم عدل نہیں کر سکو گے تو پھر وہی " ایک بیوی کا اصول برقرار رہے گا۔" عدل کے متعلق قرآن نے آگے چل کر کہہ دیا کہ " جہاں تک جذبات کا تعلق ہے ان میں یکسانیت کا سلوک تو ناممکن ہے اتنی احتیاط رکھو کہ ایک بیوی کی طرف اتنا نہ جھک جاؤ کہ دوسری ادھر لٹکی رہ جائے ۔ قرآن کریم میں ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی کے سلسلہ میں یہی ایک آیت ہے اس کے علاوہ کوئی اور آیت نہیں جن ازواج مطہرات سے حضورؐ نے عقد فرمایا ان میں (ایک کے سوا) ایسی خواتین تھیں جو لاوارث رہ گئی تھیں اور ان کے لئے حفاظت اور باعزت گھر مہیا کرنا نہایت ضروری تھا ان میں سے بعض نہایت بلند خاندانوں کی خواتین تھیں انہیں ان کی عزت و احترام کا مقام عطا کرنے کے لئے آنحضرتؐ نے اپنے عقد میں لے لیا۔

آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات

ازواج مطہرات کی تعداد ایک وقت میں نو تک پہنچی تھی ۔ ان میں اصول فطرت کے موافق ہر مزاج اور ہر طبیعت کی عورتیں تھیں۔ باہمی رشک بھی تھا۔ آنحضرتؐ ہمیشہ فقر و فاقہ سے زندگی بسر کرتے تھے ۔ اس لئے ان کے کھانے پہننے کا انتظام بھی خاطر خواہ ان کی حسب مرضی نہ ہو سکتا اس لئے ان کو شکایت کا موقع ملتا تھا۔ ان تمام حالات کے باوجود آپ ناراض نہیں ہوتے تھے۔ حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ سے آپ کو بے حد محبت تھی ۔ مگر دیگر ازواج کے ساتھ بھی انتہائی محبت ، ہمدردی ، خلوص اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے اور کسی کی دل شکنی نہیں کرتے تھے ۔ ہر ایک کے ساتھ انصاف اور مساوات کا سلوک کرتے تھے۔ ہر ایک کی رات کے قیام یعنی شب باش کی باری مقرر کر رکھی تھی اور اس کے متعلق کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیتے تھے ۔ روزانہ ہر ایک کے حجرہ میں تشریف لا کر ملاقات کرتے ، حالات معلوم کرتے اور ضروریات بہم پہنچاتے اور آخر میں جس کی باری ہوتی اس کے ہاں شب باش ہوتے ۔ تمام حجرے ایک ہی جگہ ایک دوسرے کے متصل مسجد نبوی کے قریب تھے۔ حضرت خدیجہؓ سے غیر معمولی محبت کی وجہ اس کا خلوص ، فہم و فراست ، سب سے پہلے ایمان لانا ، اولاد کی پیدائش ، آنحضرتؐ کی مصائب و آلام میں ہر طرح کی اعانت ، دلجوئی اور حوصلہ افزائی تھا۔

خاندان نبوت کو ممانعت تھی کہ وہ پرتکلف کھانے ، ریشمی لباس اور سونے کے زیورات استعمال کریں۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ " اگر تم کو اس کی تمنا ہے کہ یہ چیزیں جنت میں ملیں تو دنیا میں ان کے پہننے سے پرہیز کرو۔" ازواج مطہرات اور مہمانوں کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام حضرت بلال کے متعلق تھا۔ حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ " آنحضرتؐ کا تمام گھریلو کاروبار آغاز سے آخیر تک میرے پاس یا میرے سپرد تھا۔ معمول تھا کہ جب کوئی نادار مسلمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو مجھ کو ارشاد ہوتا کہ جا کر کہیں سے قرض لا کر یا گھر سے اس کے کھانے پینے کا انتظام کرنا۔" ازواج مطہرات کے لئے یہ انتظام تھا کہ بنو نضیر کے نخلستان ، خیبر اور فدک وغیرہ میں

ان کا حصہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ جو ان کے سال بھر کے اخراجات کے لئے کافی ہوتا تھا۔

قرآن حکیم ایک وقت میں ایک بیوی کو اصول قرار دیتا ہے۔ مگر بعض اوقات ہنگامی حالات میں اس اصولی قانون میں استثناء کی اجازت دیتا ہے۔ مگر اس بنیادی شرط کے ساتھ کہ تمام ازواج کے درمیان روٹی، کپڑا، مکان اور دیگر ضروریات زندگی کے معاملہ میں پورا پورا انصاف کیا جائے اور سب سے یکساں سلوک ہو۔

آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات میں ایک کے سوا دیگر تمام بیوہ تھیں ان کی حفاظت اور باعزت زندگی کے لئے ان سے نکاح کیا گیا۔ حضورؐ نے پہلی شادی پچیس سال کی عمر میں بیوہ حضرت خدیجہؓ سے کی اور پچیس سال تک وہی اکیلی آپ کی رفیقہ حیات رہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب آنحضرتؐ جوان ہوئے تو آپ نے اپنے چچا ابو طالب عبد مناف سے ان کی دختر ام ہانی ہند (یا فاختہ) کا رشتہ مانگا۔ مگر انہوں نے بڑے روکھے پن سے انکار کر دیا۔ اس انکار کا ذکر ملتے جلتے الفاظ میں تاریخ کی متعدد کتب مثلاً طبقات ابن سعد جلد نمبر3 ، طبری، الاصابہ جلد نمبر3 ، کتاب المجر صفحہ 98 وغیرہ میں ملتا ہے۔

جن خواتین سے آپؐ (آنحضرتؐ کا ۔۔۔ ناقل) نکاح نہ ہو سکا، ان میں ام ہانی بھی ہیں۔ یہ ہند دختر ابو طالب ہیں۔ ان سے اپنے نکاح کا پیغام آنحضرتؐ نے زمانہ قبل از اسلام میں ابو طالب کو دیا تھا اور ان ہی کو ہبیرہ بن ابو وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم کا پیغام بھی ملا تھا۔ ابو طالب نے ہبیرہ کو اپنی بیٹی ہند بیاہ دی۔ اس پر آنحضرتؐ نے ابو طالب سے کہا۔ اے چچا! تم نے ہبیرہ کو تو اپنی بیٹی دے دی اور مجھے چھوڑ دیا۔" ابو طالب نے جواب دیا" اے بھتیجے! ان لوگوں سے تو ہمارے رشتے ناطے ہوتے چلے آئے ہیں۔ معزز اور ذی حیثیت کے جوڑ (ہم کفو) معزز و ذی حیثیت لوگ ہی ہوتے ہیں۔"

(بحوالہ وقائع زندگانی ام ہانی)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلعم نے ابو طالب کی طرف ان کی بیٹی ام ہانی سے منگنی کا پیغام بھیجا اور ہبیرہ نے بھی منگنی کا پیغام بھیجا تو ابو طالب نے ام ہانی کی شادی ہبیرہ سے کر دی تو آپؐ ناراض ہوئے کہ میں نے بھی پیغام بھیجا تھا لیکن شادی آپ نے ہبیرہ سے کر دی تو ابو طالب نے جواب دیا بھتیجے! ہمارے ان سے رشتے ہوئے ہیں اور کریم (یعنی معزز و سردار) لوگ کریم لوگوں سے ہی شادی کرتے ہیں۔

دیکھئے۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ از حافظہ ابن حجر العسقلانی جلد نمبر4 صفحہ نمبر287 صرف الھا. طبع دارالکتب العلمنیہ بیروت

1۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد۔

آپ خاندان بنو اسد سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ نہایت شریف، باوقار اور مال دار خاتون تھیں اور اپنے بلند

کردار کی وجہ سے معزز و مکرم سمجھی جاتی تھیں۔ آنحضرتؐ کے ساتھ شرف زوجیت سے قبل سیدہ خدیجہ نے دو خاوندوں سے نکاح کیے تھے۔ پہلے خاوند کا نام ابوہالہ ہند بن نباش بن زرارہ تھا) اس سے ایک لڑکا "ہند بن ہالہ" اور ایک لڑکی "ہالہ بنت ابی ہالہ" پیدا ہوئی۔ ابو ہالہ کی وفات کے بعد آپ نے ایک شخص "عتیق بن عائذ مخزومی" سے نکاح کیا جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام "ہند" تھا۔ دوسرے خاوند کی وفات کے بعد جب سیدہ خدیجہ کی عمر قریباً 28 برس کی تھی تو آپ کی شادی آنحضرتؐ سے ہوئی آپ کی عمر اس وقت پچیس سال کی تھی۔ اسلام کے ابتدائی دور کی مشکلات و مصائب میں سیدہ خدیجہ نے آنحضرتؐ کی پوری وفاداری، استقامت، خلوص، محبت اور ایثار، قربانی سے امداد و اعانت کی اور آپ پر سب سے پہلے ایمان لائیں اور جان و مال کی ہر قسم کی قربانی پیش کی۔ آنحضرتؐ نے سیدہ خدیجہؓ کی زندگی میں اور کوئی شادی نہیں کی۔ سن نبوی کے دسویں سال یعنی قریباً پچاس سال کی عمر میں ہجرت سے تین سال قبل مکہ میں وفات پائی اور حجون کے مقام پر دفن کیا گیا۔

آنحضرتؐ کی تمام اولاد ماسوائے حضرت ابراہیم کے ان سے متولد ہوئی۔ سب سے پہلے آپ کے بطن سے جناب قاسم پیدا ہوئے۔ جن کے نام سے حضورؐ کی کنیت "ابوالقاسم" مشہور ہوئی۔ یہ بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے پھر حضرت زینب پیدا ہوئیں جو تمام بیٹیوں میں بڑی تھیں۔ پھر رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ متولد ہوئیں۔ یہ چاروں حضورؐ کی حقیقی بیٹیاں تھیں۔ پھر اسلام کے دور میں آپ کے صاحبزادے عبداللہ پیدا ہوئے۔ انہی کو طیب و طاہر کہا جاتا ہے۔ حضرت قاسم اور عبداللہ (طیب، طاہر) بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ آنحضرتؐ اور سیدہ خدیجہ کو اپنے ان بیٹوں کی وفات کا از حد صدمہ اور دکھ ہوا تھا کیونکہ ہر ماں باپ کو فطری طور پر اپنی اولاد سے قلبی محبت ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کو اپنی چاروں بیٹیوں سے بھی یکساں طور پر بے حد محبت تھی۔

حافظ افروغ حسن صاحب اپنی کتاب "ازواج مطہرات" حصہ اول کے صفحہ 98 پر تحریر فرماتے ہیں کہ "ہمارے دور کے مایہ ناز محقق و مورخ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے علامہ زرقانی کی ایک روایت کی بنیاد پر شادی کے وقت سیدہ خدیجہ کی عمر 28 سال بتائی ہے۔ اور اپنے دعوے کے ثبوت میں بہت سے عقلی، طبعی اور طبی دلائل بھی فراہم کئے ہیں۔

2۔ حضرت سودہ بنت زمعہ

مکہ میں حضرت سودہ ایک بیوہ اور معمر عورت سے اپنے گھر بار اور بچوں کی دیکھ بھال کے لئے نکاح کیا۔ حضرت سودا بنت زمعہ سکران بن عمر کی زوجیت میں تھیں۔ دونوں میاں بیوی نے اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ وہاں ان کے خاوند نے انتقال کیا اور آپ واپس مکہ آگئیں حضورؐ نے اس کو اپنی زوجیت میں لے کر اس کو سکون اور عزت عطا کی کہ اس وقت حضرت خدیجہ وفات پا چکی تھیں۔

3- حضرت عائشہؓ بنت ابو بکر صدیقؓ

حضرت عائشہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔ ان سے آنحضرتؐ کا مکہ میں عقد ہو گیا تھا۔ مگر رخصتی مدینہ 2 ھ میں ہوئی۔ ان کی شادی کے سلسلہ میں عمر کے متعلق عام روایت یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی عمر نکاح کے وقت چھ سال اور رخصتی کے وقت نو برس کی تھی۔ اس بات کو ایسے مسلمہ طور پر مانا جاتا ہے کہ اس میں کسی تحقیق کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کے متعلق بخاری میں بھی روایات ملتی ہیں۔ لیکن بعض دیگر تاریخی کتابوں میں ایسی روایات بھی موجود ہیں جن سے اس بات کی تردید ہوتی ہے اور اس کے برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کہ شادی کے وقت حضرت عائشہ کی عمر اس سے کہیں زیادہ تھی۔ کیونکہ اس زمانہ میں عربوں کے ہاں کوئی خاص کیلنڈر نہیں تھا۔ سن ہجری پہلے پہل حضرت عمر کے زمانے میں رائج ہوا تھا۔ اور اس کی ابتداء ہجرت سے کی گئی۔ اگرچہ ہجرت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی تھی۔ لیکن سن ہجری کو محرم سے شمار کر کے پورا سال لے لیا گیا۔ ہجرت سے پہلے سن کا تعین آنحضرتؐ کی نبوت کے سال سے کیا جاتا ہے۔ جب آپؐ عمر کے چالیسویں سال میں تھے اور آپ کو نبوت عطا ہوئی۔ اس کے بعد تیرہ سال آپ مکہ میں رہے۔ پھر ہجرت کی یعنی ہجرت کے وقت آپ اپنی عمر کے 53 سال پورے کر چکے تھے اور 54 سال شروع تھا۔

حضرت اسماء بنت حضرت ابو بکرؓ زوجہ حضرت زبیر بن العوام حضرت عائشہ سے دس برس بڑی تھیں جب آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر کی نعش کو (جو بعد قتل ایک لکڑی سے لٹکا دی گئی تھی) لکڑی سے اتار کر دفن کیا گیا۔ اس سے دس دن بعد یا بیس دن بعد بعمر ایک سو سال انتقال کیا۔ اس وقت سن 73 ھ تھا۔ ان میں بہت سے لوگوں نے حدیث روایت کی ہے۔

(اکمال مشکوٰۃ کے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئی ہے جس کا صفحہ نمبر 472 ہے)

جب حضرت اسماء کی عمر بوقت وفات (73 ھ میں) سو سال کی تھی اس سے ظاہر ہے کہ ان کی عمر ہجرت کے وقت ستائیس سال کی تھی اور چونکہ حضرت عائشہ ان سے دس سال چھوٹی تھیں اس لئے حضرت عائشہ کی عمر سترہ سال کی تھی۔ اس اعتبار سے شادی کے وقت حضرت عائشہ کی عمر قریب انیس سال کی ہوتی ہے۔

حضرت اسماء حضرت عائشہ سے دس سال بڑی تھیں انہوں نے ایک سو سال کی عمر میں انتقال کیا۔

اس وقت 73 ھ تھا یعنی

(i) حضرت اسماء کی عمر 73 ھ میں سو سال کی تھی۔

(ii) ہجرت کے وقت ان کی عمر 27 سال کی تھی (100 - 73 = 27)

(iii) حضرت عائشہؓ ان سے دس سال چھوٹی تھیں۔

(iv) اس لئے ہجرت کے وقت حضرت عائشہ کی عمر سترہ سال کی تھی۔

(v) چونکہ حضرت عائشہ کی شادی 2 ھ میں ہوئی تھی اس لئے شادی کے وقت ان کی عمر انیس سال کی تھی نہ کہ سال کی۔

لہذا تصریحات بالا سے یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ شادی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر بعض روایات کے مطابق انیس برس اور بعض کے مطابق سترہ برس کی تھی۔ بہرحال نو برس کی نہ تھی۔

حضرت عائشہ کی علمی زندگی نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ آپ فتویٰ دیا کرتی تھیں اور اکابر صحابہ دینی معاملات میں آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ شریعت کے احکام میں جو تہائی روایات یعنی دو ہزار دو سو دس (2210) حدیثیں آپ سے منقول ہیں۔ وہ خوش بیان خطیب تھیں اور تفسیر، حدیث، اسرار شریعت، خطابت شعر و ادب اور انساب میں کمال رکھتی تھیں۔ نامور شعراء کا اکثر کلام ان کو زبانی یاد تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ کی عمر بوقت عقد ورخصتی

عام روایات کے مطابق جن میں حدیث بخاری کی ایک روایت بھی شامل ہے حضرت عائشہ صدیقہ کے آنحضرتؐ کے ساتھ نکاح و رخصتی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ اور نو سال بیان کی گئی ہے۔ مگر آنحضرتؐ کی سیرت و تاریخ اور دیگر روایات کی تحقیق و تجسس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ بالغ تھیں اور ان کی عمر 17 اور 19 سال کے درمیان تھی۔ نامور مؤرخ و فقیہہ حضرت امام ابن شبرا نے ان روایات کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے اپنی تحقیق کے مطابق صحیح و مستند روایات کی روشنی میں اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر 19 سال بیان کی ہے۔

2۔ ممتاز محقق و مورخ حکیم نیاز نے بڑی تحقیق و مطالعہ کے بعد ثابت کیا ہے کہ رخصتی کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر 19 سال تھی۔ حکیم صاحب نے دو جلدوں میں ایک کتاب بعنوان "تحقیق عمر حضرت عائشہ صدیقہ" تصنیف کی ہے جلد اول 404 صفحات اور دوسری جلد 192 صفحات پر مشتمل ہے اس بلند پایہ علمی کتاب میں تحقیق و تدقیق سے ثابت کیا گیا ہے کہ بوقت رخصتی حضرت عائشہ صدیقہ کی عمر 19 سال تھی۔

کتاب مذکورہ ملنے کا پتہ ـــ "مشکور اکیڈمی" ۔89 ۔ F

lock ii. PECHS - Karachi -29

4- حضرت حفصہ

حضرت حفصہ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ حنین بن حرافہ سے نکاح ہوا۔ دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ہجرت سے واپسی پر حضرت حنین بدر واحد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ احد میں زخمی ہو کر مدینہ آئے اور وفات پا گئے۔ حضورؐ نے حفصہ سے شادی کی تاکہ ایک نیک خاتون کو عزت کا مقام ملے اور حضرت عمرؓ جیسی عظیم شخصیت سے اور قریبی تعلقات مضبوط ہو جائیں۔ حضرت حفصہ نے 45 ھ میں وفات پائی۔

5- حضرت زینب

حضرت زینب کا پہلا نکاح طفیل سے اور اس کی وفات کے بعد دوسرا نکاح عبیدہ سے ہوا اور اس کی وفات کے بعد تیسرا نکاح عبداللہ بن جحش سے ہوا۔ یہ جنگ احد میں شہید ہوئے۔ رسول اللہ نے ان سے نکاح کیا۔ اور وہ نکاح کے دو تین ماہ بعد وفات پا گئیں۔ فقراء، مساکین اور غریبوں کی امداد کیا کرتی تھیں۔

6- حضرت ام سلمہ

ام سلمہ حضرت ابو سلمہ کے نکاح میں تھیں اور اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی واپس آکر حضرت ابو سلمہ جنگ بدر و احد میں شریک ہوئے مگر احد میں زخمی ہونے کے بعد 4 ھ میں مدینہ میں وفات پا گئے۔ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ حضورؐ نے نکاح کا پیغام دیا تو جواب میں کہا میں ایک غیور عورت ہوں۔ صاحب عیال ہوں اور میری عمر بھی زیادہ ہے۔ حضورؐ نے سب کچھ قبول کر لیا اور نکاح ہو گیا۔

ام سلمہ کا نام ہند تھا اور ام سلمہ کنیت تھی۔ آپ بڑی صاحب فضل و کمال تھیں اور اپنے سابقہ خاوند ابو سلمہ کی طرح بڑی بہادر اور مخلص مسلمان تھیں۔ آپ نے 62 ھ میں وفات پائی۔

7- حضرت زینب

حضرت زینب آپ کی پھوپھی زاد تھیں۔ جن کی شادی آپؐ نے اپنے متبنیٰ حضرت زید بن حارث سے کر دی مگر زید نے طلاق دے دی اور حضورؐ نے بعض مجبوری حالات کے تحت ان سے نکاح کر لیا۔ سورہ احزاب کی آیت نمبر 37-32 میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ حضورؐ کی ازواج میں سے آپ نے سب سے پہلے وفات پائی 20 ھ میں (53) برس کی عمر پائی۔

8- حضرت ام حبیبہ

حضرت ام حبیبہ مکہ کے رئیس ابو سفیان کی بیٹی تھی۔ عبیداللہ بن جحش سے ان کا نکاح ہوا تھا۔ اسلام لا کر دونوں حبشہ ہجرت کر گئے۔ وہاں جا کر عبیداللہ عیسائی ہو گیا اور کچھ دیر بعد وفات پا گیا۔ مگر ام حبیبہ اسلام پر قائم

رہیں۔ حضورؐ نے شاہ حبشہ کے ذریعے ان سے حبشہ میں ہی نکاح کر لیا اور وہ مدینہ پہنچ گئیں۔ یہ وہی ام حبیبہ ہیں جنہوں نے اپنے باپ ابو سفیان کو مدینہ میں اپنے گھر میں حضورؐ کے بستر پر بھی بیٹھنے کی اجازت نہ دی کیونکہ وہ مشرک تھا۔ آپ کا نام رملہ اور کنیت ام حبیبہ تھی۔ نجاشی نے حق مہر چار سو دینار خود ادا کئے اور دعوت ولیمہ کا بھی اہتمام کیا۔ پھر شرجیل بن حسنہ کے ہمراہ آنحضرتؐ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ ام حبیبہ نے 44 ھ میں وفات پائی۔

9۔ حضرت میمونہ

حضرت میمونہ پہلے مسعود کے نکاح میں تھیں۔ اس نے طلاق دے دی تو عبدالعزیٰ سے نکاح کر لیا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو آپؐ نے 7 ھ میں عمرہ قضاء کے موقع پر مکہ میں حضرت عباس کے اصرار پر اس سے نکاح کر لیا۔ کیونکہ حضرت عباس کی بیوی ام فضل میمونہ کی حقیقی بہن تھیں۔ حضرت میمونہ آٹھ بہنیں تھیں۔ جو تمام کی تمام قریش کے بڑے بڑے اونچے خاندانوں میں شادی شدہ تھیں۔ اس شادی سے آپؐ کے ان تمام خاندانوں کے ساتھ تعلقات پیدا ہو گئے۔ حضرت میمونہ خالد بن ولید کی حقیقی خالہ تھیں اور خالد کو انہوں نے ہی پالا تھا حضرت میمونہ کی شادی سے جناب خالد بن ولید بھی مسلمان ہو گئے تھے۔

10۔ حضرت جویریہ

حضرت جویریہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ اس کا شوہر غزوہ مریسیع میں قتل ہو گیا۔ اس کا باپ بھاگ گیا۔ مگر یہ گرفتار ہو گئیں۔ وہ اسلام لے آئیں اور آنحضرتؐ نے اس کو آزاد کر دیا اور وہ اپنی رضا مندی سے آپؐ کے عقد میں آگئیں۔ حضورؐ نے اس کے قبیلہ کے قریباً چھ سو قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اس کا باپ حارث بن ضرار خود حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا اور اس طاقت ور قبیلہ سے آپؐ کے گہرے تعلقات قائم ہو گئے۔

مال غنیمت کی تقسیم میں وہ قیس بن شماس کے حصہ میں آئیں اور اس سے کتابت کر کے حضورؐ سے عقد کر لیا اور آپؐ نے اس کی قیمت ادا کر دی یعنی 19 اوقیہ سونا جس پر کتابت ہوئی تھی۔ حضرت جویریہ نے 50 ھ میں 65 سال کی عمر میں وفات پائی۔

11۔ حضرت صفیہ 7 ھ

غزوہ خیبر میں یہودیوں کی شکست کے بعد ان میں حضرت صفیہ بھی تھیں۔ اس کا باپ حی بن اخطب قبیلہ بنی نفیر کا سردار اور ماں بنی قریظہ کے سردار کی بیٹی۔ اس کا پہلا خاوند سلام بن مشکم تھا۔ اس نے طلاق دے دی تھی اور اس کے بعد اس نے دوسرا نکاح خیبر کے سردار کنانہ سے کر لیا۔ اس جنگ میں کنانہ مارا گیا۔ صفیہ نے اسلام قبول کر لیا اور حضورؐ نے اس سے نکاح کر لیا۔

اصل نام زینب بنت حی بن اخطب تھا۔ حضورؐ نے نکاح کے بعد اس کا نام صفیہ رکھ دیا۔ لونڈیوں کی تقسیم میں صفیہ دحیہ کلبی کے حصہ میں آئی تھی۔ مگر حضورؐ نے صفیہ کو دیکھ کر پسند کر لیا کیونکہ وہ بے حد حسین و جمیل اور سردار کی بیٹی اور سردار کی بیوہ تھیں۔ لہذا اس کو آزاد کر کے آپؐ سے نکاح کر لیا۔ آپؐ کو صفیہ سے بہت محبت تھی۔ حضرت صفیہ نے 50 ھ میں وفات پائی۔

12۔ حضرت ماریہ قبطیہ

مقوقس شاہ مصر نے حضرت ماریہ اور ان کی بہن سیرین کو حضورؐ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضورؐ نے ماریہ سے خود نکاح کر لیا اور سیرین سے حسان بن ثابت نے نکاح کر لیا۔

حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے آنحضرتؐ کا آخری بیٹا ابراہیم پیدا ہوا۔ مگر سولہ یا اٹھارہ ماہ کی عمر میں وفات پا گیا۔ اسی بیٹے سے آنحضرتؐ کو بے حد پیار تھا اور اس کی وفات پر از حد صدمہ ہوا۔

علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں کہ "عزیز مصر اسلام نہیں لایا دو لڑکیاں جو بھیجی تھیں ان میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں جو حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ دوسری سیرین تھیں جو حضرت حسان کی ملک میں آئیں۔ لکھا ہے کہ "ماریہ اور سیرین حقیقی بہنیں تھیں اور خدمت نبوی میں پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں۔ یہ دونوں خاتون لونڈیاں نہ تھیں بلکہ اسلام قبول کر چکی تھیں۔ اس لئے آنحضرتؐ نے ماریہ سے نکاح کیا ہو گا۔ نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپ کے حرم میں آئیں"۔

(سیرت النبی جلد اول صفحہ 268)

13۔ حضرت ریحانہ بنت زید

بنی قریظہ کے قیدیوں میں ریحانہ ایک نوجوان عورت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ حضورؐ نے اسے اپنے لئے مخصوص کر لیا اور اس کے مسلمان ہونے کے بعد اس کو اپنے حرم میں شامل کر لیا۔

علامہ شبلی نعمانی تحریر کرتے ہیں کہ "ریحانہ کے حرم میں داخل ہونے کی جس قدر روایتیں ہیں سب واقدی یا ابن اسحاق سے ماخوذ ہیں۔ لیکن واقدی نے تصریح بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے ان سے نکاح کیا تھا۔ ابن سعد نے واقدی کی جو روایت نقل کی ہے اس میں خود ریحانہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

"پھر آنحضرتؐ نے مجھ کو آزاد کر دیا اور مجھ سے نکاح کر لیا۔"

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں جو روایت نقل کی ہے اس کے یہ الفاظ ہیں "اور ریحانہ قرظیہ آنحضرتؐ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ آپ کے گھر میں رہتی تھیں۔"

(سیرت النبی جلد اول صفحہ 251)

انصاف پسند مغربی مفکرین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ آنحضرتؐ کی ان متعدد ازواج سے نفس پرستی کا الزام کسی صورت بھی جائز قرار نہیں پا سکتا۔ چنانچہ بوس ورتھ سمتھ لکھتا ہے

محمدؐ کی شادیوں کی توجیہہ جس طرح اور جن مقاصد کے ماتحت کی جا سکتی ہے، کہ اس سے بے نوا افراد کے حالات پر ترس کھانا مقصود تھا۔ یہ شادیاں ان عورتوں سے ہوئیں جو قریب قریب سب کی سب بیوہ تھیں اور نہ اپنے حسن و جمال اور نہ مال و دولت کی بناء پر کوئی شہرت رکھتی تھیں بلکہ صورت حالات اس کے بالکل برعکس تھی

ممتاز مغربی مؤرخ کارلائل (Carlyl) اس باب میں رقم طراز ہے۔

ہوس پر مبنی!

محمدؐ کے متعلق سب کچھ کہہ چکنے کے بعد یہ حقیقت اپنی جگہ رہتی ہے کہ وہ نفس پرست انسان نہ تھا۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہو گی اگر ہم اس شخص کو ایک عام بندہ ہوس تصور کریں جو اپنے آپ کو لزائذ میں مشغول رکھے۔ نہیں! یہ شخص حظ و کیف پر گرنے والا نہ تھا۔ اس کے گھر کا ساز و سامان نہایت غریبانہ تھا۔ اس کی خوراک جو کا آٹا اور پانی اور اکثر اوقات ایسا بھی ہوا کہ مہینوں تک اس کے گھر آگ نہیں جلی، وہ اپنے جوتے آپ گانٹھ لیتا تھا۔ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگاتا تھا۔ ایک غریب، محنتی، متقی انسان ان تمام رجحانات سے بے نیاز جن کی خاطر عام سطح کے انسان مرتے رہتے ہیں۔ اس قسم کا انسان ہوس پرست نہیں ہو سکتا۔ اس کے جذبات ہوس سے بلند ہوتے ہیں۔ اگر وہ ایسا ہوتا تو وہ وحشی عرب جو تیئیس سال میں اس کے اشاروں پر جان پر کھیلتے رہے اور عمر بھر اسے اتنا قریب سے دیکھتے رہے کبھی اس کی تعظیم نہ کرتے۔ وہ بات بات پر کٹ مرنے والے تھے۔ منافقت سے دور ایسے لوگوں سے اپنی اطاعت کرانا کسی عام انسان کا کام نہ تھا۔ وہ اسے رسول کہتے تھے اس لئے کہ اس کی ساری زندگی ان کے سامنے بے نقاب تھی۔ اس میں کوئی راز نہ تھا سیدھی سادھی زندگی۔ کبھی وہ ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہیں، کبھی مجلس مشاورت میں، کہیں ان میں کھڑا ان سے احکامات کی اطاعت کرا رہا ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ وہ کس قسم کا انسان ہے اسی لئے وہ اس کو پیغمبر کہتے تھے (وہ یونہی پیغمبر مان لینے والے لوگ نہ تھے) کوئی شہنشاہ، اپنی خلعت فاخرہ میں ملبوس، لوگوں سے اس قسم کی اطاعت نہیں کرا سکتا تھا۔ جس قسم کی اطاعت اس انسان نے کرائی جو اپنے کپڑوں میں پیوند خود لگایا کرتا تھا۔ اور یہ سب کچھ تیئیس سال کی عملی جانچ اور پرکھ کے بعد ہوا۔

آنحضرتؐ کی اولاد

آنحضرتؐ کی تمام اولاد ماسوائے حضرت ابراہیم کے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے متولد ہوئی۔ سب سے پہلے آپ کے بطن سے جناب قاسم پیدا ہوئے جن کے نام سے حضورؐ کی کنیت "ابوالقاسم" مشہور ہوئی۔ یہ بچپن ہی میں

فوت ہو گئے تھے۔ پھر حضرت زینب پیدا ہوئیں۔ جو تمام بیٹیوں میں بڑی تھیں۔ پھر رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ متولد ہوئیں۔ یہ چاروں حضورؐ کی حقیقی بیٹیاں تھیں۔ پھر اسلام کے دور میں آپ کے صاحبزادے عبداللہ پیدا ہوئے۔ انہیں کو طیب و طاہر کہا جاتا ہے۔ حضرت قاسم اور عبداللہ (طیب، طاہر) بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ آنحضرتؐ اور سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کو اپنے ان بیٹوں کی وفات کا از حد صدمہ اور دکھ ہوا۔ کیونکہ ہر ماں باپ کو فطری طور پر اپنی اولاد سے قلبی محبت ہوتی ہے۔ اسی طرح آپ کو اپنی چاروں بیٹیوں سے بھی یکساں طور پر بے حد محبت تھی۔

۱۔ سیدہ حضرت زینب بنت رسول اللہؐ

آنحضرتؐ کی چاروں صاحبزادیوں میں سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب ہیں اور والدہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد بنی اسد ہیں۔ آنحضرتؐ کے نکاح کے پانچ سال بعد سیدہ زینب کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ظہور اسلام کے وقت سیدہ زینب کی عمر دس سال تھی۔ اعلان نبوت کے بعد سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ مشرف با اسلام ہوئیں اور ان کے ساتھ ہی حضرت زینب بھی۔ اولاد کے رجحانات اور خیالات پر فطری طور پر ماں کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان سب صاحبزادیوں کا ابتداء ہی سے مشرف با اسلام ہونا از خود واضح اور اصول فطرت کے مطابق ہے۔ بڑی اولاد سے فطری موانست ہوتی ہے اس لئے رسولؐ اللہ کو اپنی بڑی بیٹی حضرت زینب کے ساتھ خصوصی محبت تھی۔

حضرت خدیجہ نے آنحضرتؐ سے گزارش کی کہ زینب کا نکاح ابوالعاص سے کر دینا چاہئے۔ آپؐ رضامند ہو گئے اور حضرت زینب کا نکاح جناب ابوالعاص بن ربیع سے کر دیا گیا۔ ابوالعاص بن ربیع ہالہ بنت خویلد کے فرزند ہیں جو حضرت خدیجہ کی بہن ہیں۔ یعنی حضرت زینب جناب ابوالعاص کی خالہ زاد تھیں۔ ابوالعاص آنحضرتؐ کے (باوقار، باوفا، شریف، صاحب مال اور دیانت دار تاجر) داماد تھے۔ اعلان نبوت کے بعد آنحضرتؐ نے مکہ میں بڑے ابتلا و آزمائش اور مصائب و آلام کا دور دیکھا۔ قریش اور دیگر قبائل اسلامی تعلیم، توحید و رسالت کے شدید مخالف تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنی قوم کے دستور کے مطابق اپنی صاحبزادیوں کی شادیاں اپنے قبیلہ میں کر دی تھیں۔ جب ان کی طرف سے اسلام کی مخالفت حد سے بڑھ گئی تو انہوں نے ازدواجی معاملات میں بھی مخالفت کی راہ اختیار کی۔ اور جن لوگوں سے آنحضرتؐ کی صاحبزادیوں کے نکاح ہو چکے تھے ان کو ختم کرنے اور طلاق دلوانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ آنحضرتؐ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب کا نکاح حضرت ابوالعاص سے ہو چکا تھا۔ رؤسائے قریش نے ابوالعاص کو اس سلسلہ میں مجبور کیا کہ ■ آپؐ کی بیٹی زینب کو طلاق دے دیں اور قبیلہ قریش میں سے جس عورت کے ساتھ چاہیں وہ اس سے نکاح کرا دینے کو تیار ہیں۔ ابوالعاص نے جواب دیا کہ ■ زینب کو طلاق دینے کو ہرگز تیار نہیں۔

ابوالعاص بن ربیع نے قریش کے اصرار کے باوجود حضرت زینب کو طلاق دینے سے انکار کر کے جس ثابت

قدمی اور انسانیت کا مظاہرہ کیا آنحضرتؐ نے اس کی بے حد تعریف اور قدر کی۔

اگرچہ ابوالعاص نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا تھا اور قریش مکہ کے مسلک پر تھے۔ غزوہ بدر کے موقع پر ابوالعاص بھی قریش کی مجبوری پر ان کے ہمراہ آئے تھے اور جنگ کے دوران بطور جنگی قیدی گرفتار ہو کر مدینہ لائے گئے تھے اور جب بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو ابوالعاص کی رہائی کے لئے حضرت زینب نے فدیہ اور معاوضہ کے لئے وہ ہار جو ان کی والدہ حضرت خدیجہ نے شادی کے وقت اپنی بیٹی زینب کو عطا کیا تھا۔ بطور فدیہ ارسال کیا۔ جب مدینہ میں ابوالعاص کا فدیہ زینب کی طرف سے ہار کی شکل میں پیش ہوا اور حضورؐ نے اس پر نظر فرمائی تو آپؐ پر بلا اختیار رقت کی کیفیت طاری ہو گئی اور ہار کو دیکھ کر حضرت خدیجہؓ کی یاد تازہ ہو گئی۔ حضورؐ کی اس کیفیت کے اثر سے تمام حاضرین متاثر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم ابوالعاص کو رہا کر اور زینب کے اس ہار کو جو اس نے فدیہ کے عوض میں ارسال کیا ہے واپس کر دو۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! آپؐ کا ارشاد درست ہے ہم ابوالعاص کو بلا معاوضہ رہا کرتے ہیں اور زینب کو ہار واپس کرتے ہیں۔

اس موقع پر حضورؐ نے ابوالعاص سے وعدہ لیا کہ مکہ جا کر زینب کو ہمارے پاس آنے کی اجازت دے دیں۔ ابوالعاص نے یہ وعدہ کر لیا چنانچہ ابوالعاص کو رہا کر کے زینب کا ہار اس کے سپرد کر دیا۔ چند دن کے بعد حضرت زینب کو لانے کے لئے آنحضرتؐ نے زید بن حارث اور ابو رافع انصاری کو مکہ روانہ کیا اور فرمایا کہ فلاں وادی کے فلاں مقام پر انتظار کرنا زینب کو وہاں پہنچا دیا جائے گا۔ ساتھ لے کر مدینہ آجانا۔

حضرت سیدہ زینب کی اولاد

جناب ابوالعاص بن ربیع سے حضرت زینب کے ایک صاحبزادہ پیدا ہوا جس کا نام "علی بن ابو العاص" تھا اور ایک صاحبزادی جن کا نام "امامہ بنت ابوالعاص" تھا ایک اور بچہ پیدا ہوا مگر وہ صغیر سنی میں فوت ہو گیا۔

علی بن ابوالعاص حضورؐ کی نگرانی میں مدینہ میں پرورش پاتے رہے اور فتح مکہ کے روز حضورؐ نے سواری کے پیچھے بٹھایا ہوا تھا اور خانہ کعبہ کے اندر اپنے کندھوں پر بٹھا کر چھڑی سے اندر کی تصویروں اور بتوں کو توڑتے رہے امامہ بنت ابوالعاص نبی اکرمؐ کے خانہ مبارک میں پرورش پاتی رہیں اور آنجنابؐ کو امامہ کے ساتھ حد درجہ پیار اور محبت تھی۔ ابو قتادہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ ہمارے پاس مسجد میں تشریف لاتے تو امامہ بنت ابوالعاص آپ کے دوش مبارک پر ہوتی تھیں۔ آپؐ نماز فرماتے تو رکوع کے وقت اس کو زمین پر بٹھا دیتے اور جب آپؐ کھڑے ہوتے تو اس کو اٹھا لیتے تھے۔ حدیث میں ایسے واقعات بیان ہیں کہ آنحضرتؐ اس بچی کے ساتھ نہایت درجہ کی محبت اور شفقت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک بار ایک بیش قیمت ہار بطور ہدیہ آپ کے پاس آیا۔ ہم سب ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو امید تھی کہ یہ ہار ہمیں ودیعت ہو گا۔ مگر سب کی

موجودگی میں یہ ہار آپؐ نے امامہ بنت ابوالعاص اپنی نواسی کو بلا کر اس کے گلے میں ڈال دیا۔ اس سے آنحضرتؐ کا اپنی نواسی امامہ کے ساتھ قلبی تعلق اور محبت و شفقت کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت ابوالعاص 12 [redacted] میں فوت ہوئے حضرت زینب اس سے قبل وفات پا چکی تھیں۔ حضرت ابوالعاص نے اپنی وفات سے قبل حضرت زبیر بن لعوام کو وصیت کی تھی کہ میرے بعد میری بیٹی کی دیکھ بھال اور حفاظت و نگرانی کرنا۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد حضرت زبیر نے امامہ نواسی رسول اللہؐ کو اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔

حضرت فاطمہؓ نے اپنی وفات سے قبل حضرت علی کو وصیت کی تھی کہ اگر میرے بعد شادی کریں تو میری بہن کی لڑکی امامہ سے کرنا۔ وہ میری اولاد کے حق میں میری قائم مقام ہوگی۔ چنانچہ حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد حضرت علی نے امامہ بنت ابوالعاص سے نکاح کر لیا تھا۔ مگر حضرت علی سے ان کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ جب حضرت علی کوفہ میں شہید کر دیے گئے تو امامہ کا نکاح نوفل بن مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب سے ہوا تھا۔ حضرت زینب بنت رسولؐ اللہ کی وفات [redacted] ھ میں مدینہ میں ہوئی تھی۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کے وقت آپ نے بڑے مصائب برداشت کئے تھے اور اس واقعہ ہجرت میں آپ قریش کے ہاتھوں شدید زخمی ہو گئی تھیں۔ اگرچہ کچھ دیر بعد وہ زخم مندمل ہو گیا تھا۔ مگر دوبارہ تازہ ہو گیا اور یہی زخم ان کی وفات کا موجب بنا۔

حضرت زینب کی وفات پر آنحضرتؐ کو از حد صدمہ ہوا۔ مگر سب کو صبر و برداشت کی تلقین فرمائی۔ سیدہ زینب کے غسل و کفن کا انتظام آپؐ نے اپنی نگرانی میں کرایا۔ اور دفن کرنے کے وقت اپنا تہمد مبارک اتار کر حضرت زینبؓ کے اوپر ڈالا اور اس کے ساتھ ہی دفن کر دیا۔ آنحضرتؐ نے اپنی جگر گوشہ کی نماز جنازہ خود پڑھائی اور تمام صحابہ کرام نے نماز جنازہ میں شمولیت کی۔ مرحومہ کو قبر میں اتارنے سے پہلے خود آنحضرتؐ قبر کے اندر گئے اور تھوڑی دیر کے بعد قبر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم نے زینب کے لئے اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعا کی ہے۔

رسولؐ اللہ کی سب سے بڑی صاحبزادی زینب ہیں جو راہ خدا میں شہید ہوئیں ان کی نسبت حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے کہ آپؐ نے فرمایا " [redacted] میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی "۔

حضرت زینبؓ کو مکہ سے لانے کے لئے حضرت زید بن حارث کو روانہ کیا اور ہدایت کی کہ تم بطن جج میں ٹھہرے رہنا۔ جب زینب وہاں آئیں تو ان کو اپنے ہمراہ لے کر مدینہ چلے آنا۔ چنانچہ ابوالعاص نے مکہ پہنچ کر حضرت زینب کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ حضرت زینب جب سامان سفر کی تیاری میں مشغول تھیں تو ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان ان کے پاس آئیں اور کہا " یا بنت محمدا کیا تم اپنے باپ کے پاس جا رہی ہو " ؟ حضرت زینب نے کہا " فی الحال تو ایسا ارادہ نہیں آگے جو خدا کو منظور " ہند نے کہا " بہن ! اس پوشیدگی کی کیا ضرورت ہے ؟ اگر تم واقعی جا رہی ہو تو کچھ زاد راہ یا اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بے تکلف کہہ دو۔ میں خدمت کے لئے حاضر ہوں "۔

جب حضرت زینب اپنے دیور کنانہ بن ربیع کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں اور قریش کو اس کا علم ہو گیا تو قریش کی ایک جماعت ان کی تلاش میں نکلی اور مقام ذی طویٰ میں ان دونوں کو گھیر لیا اس جماعت میں حبار بن اسود اور ایک دوسرا شخص بھی تھا دونوں میں سے کسی ایک نے حضرت زینبؓ پر حملہ کیا وہ اونٹ سے زمین پر گر پڑیں وہ حاملہ تھیں ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ چوٹ بھی زیادہ آئی ۔(اسی وجہ سے فتح مکہ کے دن آنحضرتؐ نے حبار بن اسود کے قتل کا حکم دے دیا تھا) لیکن اس نے معافی مانگ کر اسلام قبول کر لیا اور آنحضرتؐ نے معاف کر دیا۔ اس پر کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا "جو کوئی اب میرے نزدیک آئے گا وہ ان تیروں کا نشانہ بنے گا۔ کچھ لوگ منتشر ہو گئے اور ابو سفیان بن حرب وہاں پہنچ گیا اور کنانہ سے کہا تم اپنے تیروں کو تھوڑی دیر روکے رہو کہ ہم تم سے کچھ باتیں کر لیں۔" تم کیا کہتے ہو؟ جو کچھ کہنا ہے جلد کہو۔" ابو سفیان نے کہا "محمدؐ کے ہاتھوں جو مصیبتیں، شکست، رسوائی اور ذلت ہم لوگوں کو پہنچی ہے۔ اس سے تم بے خبر نہیں ہو۔ اب اگر تم محمدؐ کی بیٹی کو اعلانیہ ہمارے سامنے سے لے جاؤ گے تو لوگ ہماری کمزوری اور بزدلی پر محمول کریں گے۔ یہ تو تم خود خیال کر سکتے ہو ہمیں محمدؐ کی بیٹی کو روکنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن مقصد یہ ہے کہ اس وقت تم لوٹ چلو جب ہنگامہ فرو ہو جائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ محمدؐ کی بیٹی کو واپس کرا لائے تو تم چوری چھپے دوسرے وقت ان کو لے جانا" کنانہ نے اس بات کو منظور کر لیا اور وہ واپس آ گئے۔ جب یہ واقعہ عام طور سے مشہور ہو گیا تو ایک روز مخفی طریقے سے ان کو لے کر روانہ ہو گئے۔ بطن یج میں زید بن حارثہ انتظار کر رہے تھے ان کے سپرد کر دیا وہ حضرت زینب کو لے کر مدینہ چلے گئے۔

فتح مکہ کے روز جب آنحضرتؐ مکہ میں داخل ہوئے تو علی بن ابو العاص آپؐ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے۔ ابن عساکر کی روایت ہے کہ علی بن ابو العاص جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔ لیکن حضرت امامہؓ زندہ رہیں اور حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت امامہ سے نکاح کر لیا۔

حضرت سیدہ رقیہ بنت رسول اللہؐ

سیدہ رقیہ آنحضرتؐ کی دوسری بیٹی سیدہ زینب کے تین سال بعد پیدا ہوئیں۔ اس وقت حضورؐ کی عمر تینتیس سال تھی ۔ سیدہ رقیہ نے بھی اپنی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ اور ہمشیرہ زینب کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا اور اپنے والد گرامی قدر کی زیر نگرانی تربیت اور نشوونما پائی۔ بعثت کے وقت آپ کی عمر سات سال تھی۔

اسلام سے قبل قریش کے دستور کے مطابق آنحضرتؐ کی دختران رقیہ اور ام کلثوم دونوں صاحبزادیوں کا نکاح آپ کے چچا ابولہب کے دونوں لڑکوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ کر دیا۔ یہ صرف انتساب نکاح تھا اور رخصتی نہیں ہوئی تھی ۔ ظہور اسلام کے بعد ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل نے آنحضرتؐ کی شدید مخالفت شروع کر دی اور

انتہائی اذیتیں پہنچائیں جن پر قرآن حکیم کی آیت "ابولہب" کے نام کے ساتھ نازل ہوئی۔ جس پر ابو لہب کا غیض و غضب حدود اخلاق سے تجاوز کر گیا اور اس نے اپنے دونوں بیٹوں سے طلاق دلا دی۔ اور یہ رشتہ صرف اسلام دشمنی کی بنا پر منقطع ہو گیا۔ مگر اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور بہتری تھی کیونکہ اس کے بعد ان دونوں صاحبزادیوں رقیہ اور ام کلثوم کا بعد میں باری باری نکاح حضرت عثمان بن عفان سے ہوا جو مجسمہ شرافت، اخلاق اور اسلام کے سچے شیدائی تھے۔ بہرحال فتح مکہ کے وقت عتبہ اور عتیبہ پسران ابولہب مسلمان ہو گئے اور مکہ میں ہی سکونت پذیر رہے۔

عتبہ سے طلاق کے بعد آنحضرتؐ نے مکہ میں سیدہ رقیہ کا نکاح حضرت عثمان بن عفان سے کر دیا۔

یہ اسلام کا ابتدائی دور تھا اور مسلمانوں کو کئی قسم کے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا۔ اس لئے کہ اس وقت حبشہ کا بادشاہ نیک دل، انصاف پسند اور انسان دوست تھا۔ کسی پر ظلم و زیادتی نہ ہوتی تھی اور لوگ امن و سکون کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ چنانچہ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق چند لوگ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ روانہ ہو گئے۔ یہ اسلام کی راہ میں پہلی ہجرت تھی اور اس میں حضرت عثمان بن عفان اپنی اہلیہ محترمہ رقیہ بنت رسولؐ اللہ بھی شامل تھے۔ یہ پہلی ہجرت کا واقعہ 5 نبوی کا ہے۔ چنانچہ حضرت رقیہ کو اپنے خاوند حضرت عثمانؓ کی معیت میں ہجرت حبشہ کا شرف اور سعادت نصیب ہوئی۔ جس میں انہوں نے دین اسلام کی حفاظت کی خاطر سفر کے مصائب برداشت کئے جس کا اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے۔ آنحضرتؐ کو حبشہ میں سیدہ رقیہ کی خیریت کا حال معلوم ہوا تو آپ نے دعا فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس نے اللہ کی راہ میں اکٹھے ہجرت کی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کا محافظ اور ساتھی ہو۔

مہاجرین حبشہ نے وہاں کچھ مدت قیام کیا۔ پھر وہاں سے مکہ واپس آ گئے۔ حضرت عثمان بھی اپنی اہلیہ رقیہ کے ہمراہ حبشہ سے واپس مکہ آئے۔ اس وقت آنحضرتؐ مدینہ ہجرت کر کے جا چکے تھے۔ اس لئے آپ بھی دوبارہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ اسی طرح حضرت عثمان اور سیدہ رقیہ دو ہجرتوں کے مہاجر ہیں۔ پہلی بار مکہ سے حبشہ اور دوسری بار مکہ سے مدینہ۔ سیدہ رقیہ کے ہاں حبشہ میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ بن عثمان رکھا گیا۔ اس لئے حضرت عثمان کی کنیت "ابو عبداللہ" تھی۔ اپنے والدین کے ساتھ نواسہ رسول حضرت عبداللہ مدینہ پہنچے۔ آنحضرتؐ کو اپنے اس نواسہ عبداللہ کے ساتھ بے حد محبت تھی۔ جب عبداللہ چھ برس کے ہوئے تو ایک مرغ نے آپ کی ایک آنکھ میں ٹھونگ لگا کر زخم کر دیا جس کی وجہ سے ان کا چہرہ متورم ہو گیا تھا۔ پھر ■ ٹھیک نہ ہوا اور اسی زخم کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ یہ اپنی والدہ رقیہ کے بعد 4 ■ میں مدینہ میں فوت ہوئے۔ آنحضرتؐ نے بڑے دکھ اور غم کے ساتھ تجہیز و تکفین کرائی نماز جنازہ پڑھائی اور سپرد خاک کیا۔ حضرت عثمان قبر میں اترے اور بیٹے کو

دفن کر دیا۔

2 ھ میں غزوہ بدر کے موقعہ پر روانگی کے وقت سیدہ رقیہ خسرہ کی بیماری میں مبتلا تھیں اور ان کی حالت تشویشناک تھی اس لئے حضورؐ نے حضرت عثمان کو ارشاد فرمایا کہ رقیہ بیمار ہیں۔ آپ ان کی تیمارداری کریں ان کے لئے حضرت اسامہ بن زید کو بھی مدینہ میں چھوڑ دیا۔ حضرت عثمان غزوہ بدر میں شمولیت کی سعادت حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: "آپ کے لئے بدر میں حاضر ہونے والوں کے برابر اجر ہے اور مال غنیمت میں حصہ بھی شمولیت کرنے والوں کے برابر ہے۔

آنحضرتؐ کی بدر کو روانگی کے بعد سیدہ رقیہ کی بیماری شدت اختیار کر گئی اور آپ کی غیر موجودگی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ کفن دفن کے تمام امور حضرت عثمان نے سرانجام دیے۔ اور جب غزوہ بدر کی فتح کی بشارت لے کر زید بن حارث اور عبداللہ بن رواحہ مدینہ پہنچے تو اس وقت حضرت رقیہ کو دفن کرنے کے بعد لوگ واپس آ رہے تھے۔ حضرت رقیہ کی وفات 17 رمضان 2 ھ غزوہ بدر کے روز ہوئی۔

آنحضرتؐ کو سیدہ رقیہ کی وفات کا از حد صدمہ ہوا اور غزوہ بدر سے واپسی پر آپ صحابہ کرام کے ساتھ جنت البقیع سیدہ مرحومہ کی قبر پر گئے۔ انتہائی مغموم تھے۔ مرحومہ کے ایصال ثواب کے لئے فاتحہ پڑھی اور دعا فرمائی۔

حضرت رقیہ کی وفات پر آنحضرتؐ کی پریشانی کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کی عدم موجودگی میں انتقال ہوا تھا اور آپ آخری لمحات اور جنازہ و کفن دفن میں شمولیت نہیں فرما سکے تھے۔

حضرت رقیہ انتہائی حسین و جمیل خاتون تھیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے حسن کی نعمت سے نوازا تھا حضرت عثمان بھی بڑے خوبصورت جوان تھے اور لوگ اس حسین و جمیل جوڑے پر رشک کرتے تھے۔

3۔ سیدہ ام کلثوم بنت حضرت محمد رسول اللہ

سیدہ ام کلثوم حضرت رقیہ سے چھوٹی اور حضرت فاطمہ سے بڑی آنحضرتؐ کی تیسری بیٹی تھی جو حضرت خدیجہ سے تولد ہوئیں اور اپنے والدین کے گھر میں ان کی زیر نگرانی تربیت و نشوونما پائی۔ جب آنحضرتؐ نے اعلان نبوت فرمایا تو اپنی والدہ ماجدہ اور دیگر ہمشیرگان کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔

جب آنحضرت مدینہ ہجرت کر گئے تو وہاں سے کچھ عرصہ کے بعد زید بن حارث اور ابو رافع کو سواریاں دے کر اپنے گھر والوں کو مدینہ لانے کے لئے بھیجا۔ دو اونٹ اور پانچ سو درہم زاد سفر کے لئے بھی دیے جو آپ کو حضرت ابو بکرؓ نے دیئے تھے تاکہ آپ کے اہل و عیال کو مکہ سے لے آئیں۔ ان کے ساتھ ہی حضرت ابو بکرؓ نے بھی عبداللہ کو دو اونٹ دے کر بھیجا کہ وہ بھی اپنے گھر والوں کو ان کے ساتھ ہی روانہ کر دیں۔ یعنی دونوں گھر ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جائیں۔ چنانچہ زید بن حارث اور ابو رافع حضورؐ کے اہل و عیال حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت ام کلثوم حضرت فاطمہ ام ایمن اور بیٹے اسامہ کو ہمراہ لے کر حضرت ابو بکر کے

فرزند حضرت عبداللہ اپنی والدہ محترمہ ام رومان اور اپنی دونوں بہنوں حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماء کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچ گئے۔ زید بن حارث نے آنحضرتؐ کے اہل و عیال کو اس موقعہ پر حارث بن نعمان کے مکان پر ٹھہرایا۔

سیدہ رقیہ غزوہ بدر کے دن بیماری سے وفات پا چکی تھیں۔ اس لئے آنحضرتؐ نے اپنی دوسری بیٹی ام کلثوم کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی کیونکہ حضورؐ حضرت عثمان کی شرافت، اخلاق، خدمت گزاری، ایثار، قربانی اور خدمت اسلام کے جذبہ سے بہت متاثر تھے۔ اور آپ کی پہلی بیٹی سیدہ رقیہ کو آپ نے انتہائی عزت و احترام سے رکھا تھا اور ساتھ ہی حکم الہی بھی یہی تھا کہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا جائے۔

سیدہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان کے ساتھ ربیع الاول 3 ھ میں ہوا تھا اور جمادی الاخر 3 ھ میں رخصتی ہوئی تھی۔ حضرت عثمان کے ہاں سیدہ ام کلثوم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ حضرت عثمان کا اخلاق بہت بلند تھا۔ نہایت کریم النفس اور شریف الطبع تھے۔ اور آنحضرتؐ کے ساتھ رشتہ داری کے تعلقات اور مراسم نہایت مخلصانہ تھے اور جب تک آپ کے نکاح میں حضورؐ کی صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم رہیں آپ نے دوسرے نکاح کا تصور بھی نہیں کیا۔ حضرت ام کلثوم نے شادی کے پانچ سال بعد شعبان 9 ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ انتقال کے بعد ان کے غسل اور کفن دفن کے انتظامات خود آنحضرتؐ نے فرمائے اور غسل دینے میں حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب اسماء بنت عمیس وغیرہ نے حسب دستور غسل سرانجام دیا۔ آنحضرتؐ نے سید ام کلثوم کی نماز جنازہ پڑھائی اور تمام صحابہ کرام شامل تھے۔

آنحضرتؐ کو ان کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا آپ قبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

4۔ سیدہ فاطمۃ الزہرہ بنت رسول اللہؐ

حضرت فاطمۃ الزہرا کی ولادت باسعادت بعثت کے سال میں ہوئی تھی۔ یہ آنحضرتؐ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ بعض روایات کے مطابق حضرت ام کلثوم سب سے چھوٹی بیٹی ہیں۔ اسی وجہ سے ان کا نکاح حضرت فاطمہؓ کے بعد ہوا تھا۔

مدینہ میں حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ کے اپنے ساتھ نکاح کے متعلق "خطبہ" عرض کیا یعنی منگی کی درخواست پیش کی۔ آنحضرتؐ نے منظور فرماتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے پاس مہر کے لئے کوئی چیز ہے۔ حضرت علی نے عرض کیا ایک سواری اور زرہ کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ حضرت علی نے زرہ چار سو درہم میں فروخت کر دی۔ حضرت فاطمہ کا مہر ادا کیا اور مختصر سی دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا گیا۔ آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؓ کی رہائش کے لئے مکان کا انتظام کر دیا اور حضرت علی کی روایت کے مطابق حضورؐ نے اپنی بیٹی کو جو جہیز عطا فرمایا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ایک بڑی چادر، ایک چمڑے کا تکیہ جو کھجور کی چھال سے بھرا ہوا تھا۔ ایک آٹا پیسنے کی چکی، ایک مشکیزہ اور دو گھڑے تھے۔ حضرت فاطمہ کا مہر چار سو مثقال مقرر کیا گیا۔ مجلس نکاح میں اکابر صحابہ کرام، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ وغیرہ مدعو تھے اور نکاح کے گواہان تھے۔ نکاح کی تقریب باوقار مگر سادہ تھی اس میں کسی قسم کے تکلفات نہ برتے گئے نہ ہی زمانہ کی رسومات ادا کی گئیں۔

حضرت فاطمہ کا نکاح رمضان 2 ھ میں اور رخصتی ذالحجہ 2 ھ میں عمل میں آئی۔ نکاح کے وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر قریباً (16،15) پندرہ سولہ سال اور حضرت علیؓ کی عمر اکیس، بائیس (22،21) برس تھی۔ فتح مکہ کے بعد حضرت علیؓ نے ابو جہل کی لڑکی جویریہ کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا مگر حضرت فاطمہ کی ناراضگی کی وجہ سے حضورؐ نے اجازت نہ دی۔ تو حضرت علیؓ کا اس سے نکاح نہ ہو سکا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "ہشام بن مغیرہ نے اس چیز کی مجھ سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنی لڑکی علی بن ابی طالب کو نکاح کر دیں تو میں نے بالکل اجازت نہیں دی۔" یہ الفاظ بار بار فرمائے۔

حوالہ کے لئے حدیث صحیح بخاری و حدیث صحیح مسلم درج ذیل ہیں۔

(۱) واللہ لا تجتمع بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبنت عدو اللہ عندر رجل واحد۔

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم اللہ کے رسولؐ کی بیٹی اور اس کے دشمن کی بیٹی ایک آدمی کے پاس کبھی نہیں جمع ہو سکتیں۔

دیکھئے۔ صحیح البخاری مع فتح الباری حدیث نمبر 3729 ج 7 ص 85 کتاب فضائل الصحابۃ باب ذکر اصھار النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دیکھئے۔ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب فضائل فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث نمبر 96،95 ج 4 ص 1903 ، 1904 طبع دار الافتار الریاض اس چیز کی مجھ سے اجازت طلب کی۔

آنحضرتؐ نے عمل صالح کی تاکید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "اے فاطمہ! اور اے صفیہ! میری پھوپھی اللہ تعالیٰ کے ہاں محاسبہ ہوگا جس کی خاطر تم دونوں اچھے عمل کرو۔ میں تم کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حساب کتاب میں کوئی نفع نہیں دے سکوں گا۔ یعنی کوئی امداد نہیں کر سکوں گا۔" حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کے روز ہر شخص کے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔ اور ذرہ بھر نیکی و ذرہ بھر برائی کی جزا و سزا ملے گی۔ لہذا حسب و نسب پر اعتبار کر کے اعمال صالح میں کوتاہی کرنا جائز نہیں ہے۔

حضورؐ کی وفات کے قریباً چھ ماہ بعد حضرت فاطمہؓ انتقال فرما گئیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ کی نماز جنازہ حضرت ابو بکرؓ نے پڑھائی اور تمام صحابہ اکرام جنازہ میں شامل تھے مگر دوسری روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ کی وفات کی خبر صحابہ کو نہ دی اور رات کے وقت خاموشی سے دفن کر دیا۔ اس لئے وہ نماز جنازہ

میں شامل نہ ہوئے۔

جب حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفۂ رسولؐ منتخب ہو گئے تو حضرت فاطمہؓ نے ان کے پاس مال فے کے متعلق ایک مالی حقوق کا مطالبہ پیش کیا۔ حضرت فاطمہؓ کا مؤقف یہ تھا کہ مال فے جس سے ہمیں عہد نبوی میں حصہ ملتا تھا۔ ■ مال اب ہمیں بطور میراث ملنا چاہیئے۔ یعنی ہم لوگ آنحضورؐ کے وارث ہیں۔ اس لئے ان کی متروکہ املاک ہم میں بطور وارث تقسیم کی جائے۔ ہم اس جائداد رسولؐ اللہ کے وارث و حقدار ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کا مؤقف یہ تھا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت میں ہماری وراثت نہیں چلتی بلکہ جو کچھ ہم چھوڑیں ■ صدقہ ہوتا ہے اور اللہ کی راہ میں مسلمانوں کے لئے وقف ہوتا ہے۔ البتہ مال فے جو حضورؐ کے عہد میں آپ حضرات کو دیا جاتا تھا وہ بدستور جاری رہے گا۔ چنانچہ اس مطالبہ میراث کے تسلی بخش جواب حاصل ہونے پر حضرت فاطمہؓ خاموش ہو گئیں اور پھر بقایا زندگی جو صرف چند ماہ کی تھی۔ آپ نے دوبارہ مطالبہ پیش نہیں کیا۔

حضرت فاطمۃ الزہرہؓ نے 3 رمضان 11 ■ منگل کی شب آنحضرتؐ کی وفات کے قریباً چھ ماہ بعد انتقال فرمایا اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔

حضرت فاطمہؓ سے حضرت علیؓ کی اولاد میں حضرت حسنؓ نصف رمضان 3 ھ میں اور حضرت حسین 5 شعبان 4 ھ میں پیدا ہوئے۔ تیسرا صاحبزادہ بچپن میں فوت ہو گیا تھا۔ دو صاحبزادیاں حضرت زینبؓ اور حضرت ام کلثومؓ پیدا ہوئیں۔

تاریخ عالم کا عدیم المثال انسانی انقلاب

تاریخ عالم کے مطالعہ و مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ممالک اور مختلف ادوار میں مختلف قسم کے انقلاب آتے رہے ہیں۔ سیاسی انقلابات خونی اور پرامن بھی، معاشی و صنعتی انقلابات، معاشرتی اور تمدنی انقلابات، علمی اور نظریاتی انقلابات وغیرہ مگر ان انقلابات کی کامیابی و ناکامی سے انسانی آبادی کے ایک قلیل حصہ کو ہی فائدہ یا نقصان پہنچتا رہا۔ اکثریت ان انقلابات کے اثرات و نتائج سے بے تعلق اور محروم رہی اور ان کے اثرات بھی وقتی اور مقامی نوعیت کے ہوا کرتے تھے۔ پوری نوع انسانی ان کے اصلاحی و تعمیری فوائد سے فیض یاب نہیں ہوئی تھی۔ لیکن تاریخ عالم میں ایک اور صرف ایک ہی ایسا عظیم الشان، عالمگیر وہمہ گیر انقلاب آیا جس سے تمام نوع انسانی نہ صرف متاثر ہوئی بلکہ مستفید بھی ہوئی۔ اس محیر العقول انقلاب سے نوع انسانی کی کایا پلٹ گئی اور انسان عروج و کمال کی شاہراہ پر تیزی کے ساتھ گامزن ہو گیا۔ دنیا کے تمدنی، معاشرتی، معاشی، عمرانی، ثقافتی، علمی، ادبی، روحانی اور انسانیت کے ہر گوشہ میں ایک حیات افروز اور جنت نظیر انقلاب رونما ہو گیا جو نوع انسانی پر ایک احسان عظیم ہے۔ اس فقید المثال انقلاب کا سب سے بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ نوع انسانی عہد قدیم سے نکل کر عصر جدید میں داخل ہو گئی۔ اس انقلابی تحریک کا داعی دور قدیم اور دور جدید کے مقام اتصال پر کھڑا ہے اور پرانے زمانے کے اختتام اور نئے زمانہ کے آغاز کا اعلان کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ تاریخ عالم کا یہ بے مثال انقلاب اسلامی انقلاب ہے جس کے داعی حضرت محمد رسول اللہؐ ہیں۔ اس عدیم المثال انقلاب کا منشور اور آئین قرآن حکیم ہے اور اس کی بنیاد توحید و رسالت اور روز آخرت پر ایمان اور قرآن حکیم کے احکام کے مطابق اعمال صالح کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کی بنیاد بنانا تھا۔

یہ اسلامی انقلاب بنی نوع انسان کی پوری تاریخ میں اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ ہے اتنی قلیل مدت میں اتنا عظیم انقلاب کہ پورے عرب کا نقشہ اور پھر پوری دنیا کا سیاسی، مذہبی، اخلاقی، سماجی اور تمدنی منظر یکسر بدل گیا۔ آنحضرتؐ نے اپنی دعوت نبوت و رسالت یعنی اسلامی انقلاب کا اعلان کیا تو ایک طرف پوری قوم تھی جس میں اپنا قبیلہ بھی شامل تھا اور دوسری طرف تن تنہا ایک فرد اللہ کے سہارے جس کے پاس صرف اللہ کی توحید پر غیر

متزلزل ایمان، سیرت و کردار بلند اخلاق، صبر و توکل، عزم و ہمت، استقلال و استقامت، علم و دانش اور تدبر و حکمت کی لازوال دولت تھی۔

آنحضرتؐ کے برپا کردہ عظیم الشان انسانی انقلاب کی عظمت و اہمیت کا صحیح اور منصفانہ اندازہ لگانے سے قبل اس زمانے یعنی چھٹی صدی عیسوی کے سیاسی، مذہبی، معاشرتی مطالعہ اور تمدنی حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ بلکہ اس سے بھی قبل تاریخ عالم کی تہذیبی ترقی و ارتقاء کی مختصر تاریخ پر نظر ڈالنا بھی ضروری ہے کیونکہ اس اصلاحی و تعمیری انقلاب کا پس منظر بھی واضح طور پر سامنے ہوگا کہ حضورؐ کی آمد کے وقت دنیاء انسانیت کی کیا حالت تھی اور جب آپؐ تیئیس سال کی بے پناہ جدو جہد کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپؐ نے اس دنیا کو کس حال میں چھوڑا۔ تاریخ کے سابقہ ادوار کی تہذیب ، تمدن اور مذہب و سیاست کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوگا کہ یہ کائنات ارض اپنی تہذیب و تمدن اور ترقی و کمال کے کن کن مدارج تک پہنچی اور اس سے اقوام عالم کے عروج و زوال کے حالات کا بھی علم ہوگا اور اس طرح حضورؐ کے اس شاندا انقلاب کے وجوہات پر بھی روشنی پڑے گی جس کی ابتداء نزول قرآن حکیم کے ذریعے ہوئی تھی۔

آنحضرتؐ کی تعلیمات کے مطابق نہ صرف خالق و مخلوق کے درمیان براہ راست تعلق پیدا کرنا تھا یعنی بندہ و معبود کو آپس میں ملانا تھا۔

اور راستہ سے خود ساختہ معبودوں اور طاغوتی طاقتوں کو جو مذہبی پیشواؤں نے شخصیت پرستی، بت پرستی اور مظاہرے قدرت کی پرستش برائے وسیلہ و واسطہ معبود حقیقی تک پہنچنے کا قرار دے رکھے تھے ان سب کا خاتمہ کر کے براہ راست بندہ کا اس کے رب کے ساتھ تعلق جوڑنا تھا جو ہر وقت ہر جگہ موجود بلکہ انسان کی شہہ رگ سے بھی قریب ہے اور اپنے بندے کی ہر بات کو سنتا اور سمجھتا ہے۔

غزوات و سرایا رسول اللہؐ کی آخری کڑی غزوہ تبوک تھا جو رجب 9 ھ نومبر 631ء کو واقعہ ہوا۔ غزوات سرایا کی ابتداء اگرچہ 1 ھ کے اواخر میں شروع ہو گئی تھی اور غزوہ بدر سے قبل جو رمضان 2 ھ میں ہوا۔ آٹھ مہمات کی جا چکی تھیں مگر جنگ و قتال کی ابتداء غزوہ بدر سے ہوئی۔ یعنی 2 ھ سے 9 ھ تک عہد نبوی میں قریباً بیاسی (82) غزوات و سرایا کے لئے عسکری نقل و حرکت ہو چکی تھی۔ ان میں سے اٹھائیس میں آنحضرتؐ نے خود شرکت فرمائی اور بقایا کی قیادت و سپہ سالاری کے فرائض کبار صحابہ کرام نے فرمائی۔ ان تمام غزوات و سرایا میں آٹھ سال کی طویل مدت میں کل 259 مسلمان شہید ہوئے اور 759 مخالفین مارے گئے یعنی تمام 82 جنگوں کی مہمات اور مقابلوں میں فریقین کی جانب سے کل 1018 انسانی جانوں کا اتلاف ہوا۔ ان آٹھ یا نو سال کی جنگوں میں مقتولین کی تعداد 1018 کو دیکھئے اور پھر مخالفین اسلام کے ان الزامات و اعتراضات پر غور کریں کہ "اسلام تلوار" سے پھیلا تھا۔ دوسری طرف اس دور تہذیب و تمدن اور انسان دوستی کے علمبرداروں کے جنگ و جدل پر

غور کریں کہ انسانی انقلاب کے نام پر جب بھی انہوں نے کوئی تحریک چلائی اس میں لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کا بے دریغ خون بہایا گیا اور ان سے زیادہ بے گناہ بلا امتیاز مرد، عورتیں اور بچے اپنے شہروں اور آبادیوں میں مارے گئے ۔ پھر موازنہ کیجئے کہ انسان دوستی اور تہذیب و تمدن کا دور کون سا تھا اور وحشت و بربریت اور قتل و غارت گری کا انسانیت سوز دور کونسا ہے ۔ تاریخ عالم میں بے شمار مذہبی، سیاسی، معاشی و معاشرتی انقلابات رونما ہوئے ہیں مگر تین انقلابات خاص اہمیت کے حامل ہیں ان پر غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ حقیقی انسان دوست پر امن اور شاندار انقلاب صرف آنحضرتؑ کا عظیم الشان انقلاب ہی تھا۔ 1789ء میں فرانس میں انقلاب آیا جس میں لاکھوں انسانوں کی قربانی کے بعد جاگیردارنہ نظام معیشت کی بجائے سرمایہ دارانہ نظام معیشت مسلط ہوگیا ۔ مذہبی پیشواؤں کے سیاسی اقتدار میں عمل و دخل کے خاتمہ کے بعد حکمرانوں کی آمریت قائم ہو گئی ۔ عوام کی معاشی و سیاسی حالت میں کوئی خاص فرق نہ پڑا حالانکہ اس انقلاب فرانس کے بنیادی اصول مساوات، اخوت اور آزادی تھے ۔ مگر بد قسمتی سے عوام کے حصہ میں ان میں سے کچھ بھی نہ آیا۔

1917ء میں روس میں اشتراکی نظریاتی انقلاب آیا جس میں انقلاب پسند اشتراکیوں نے اپنے ہی لاکھوں ہم وطنوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ یک جماعتی اشتراکی پارٹی کی آمریت مسلط ہو گئی ۔ عوام کی مذہبی و سیاسی آزادی سلب کر لی گئی ۔ شہری آزادیاں اور بنیادی انسانی حقوق غصب کر لئے گئے بنیادی انسانی ضروریات زندگی کے عوض ان کو بے زبان حیوانوں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا گیا انسانوں کی جدوجہد اور ان کی مضمر صلاحیتوں کی نشو و نما اور ترقی و ارتقاء کے تمام مواقع ختم کر دیئے گئے ۔ "مساوات شکم" کا نظام نافذ کر کے آزادی جیسی بے بہا نعمت سے عوام کو محروم کر دیا ۔ اسی طرح تمام اشتراکی ممالک کے عوام کو انسانیت اور احترام انسانیت کی تمام اخلاقی اقدار سے محروم کر دیا ۔ اسی طرح چین میں سال ہا سال تک اشتراکی انقلاب کی جدو جہد جاری رہی جس میں لاکھوں انسان مارے گئے اور آخر اس انقلاب کی کامیابی کے نتیجہ میں 1949ء میں ماوزے تنگ کی صدارت میں چین میں آزاد کیمونسٹ حکومت قائم ہو گئی مگر ساتھ ہی کروڑوں عوام یک جماعتی اشتراکی آمریت کے پنجہ استبداد میں جکڑ لئے گئے اور ان کو بنیادی انسانی حقوق اور شہری آزادیوں سے محروم کر دیا گیا ۔ لیکن ان کے مقابلے پر آنحضرتؑ کے اس عدیم المثال انقلاب پر کھلے دل و دماغ اور غیر جانبداری کے ساتھ غور کریں کہ صرف ایک ہزار انسانوں کی قربانی کے بعد عرب جیسے وحشی اور جاہل معاشرہ میں کیسا بے مثال انسانی انقلاب برپا ہوگیا ۔ جس میں اسلامی معاشرے کی بنیاد مساوات و اخوت، عدل و انصاف، حریت و آزادی، امن و سلامتی، محبت و رواداری جمہوریت اور بنیادی انسانی حقوق اور ہر ایک کو تعمیر و ترقی کے معاملات میں برابر کے مواقع حاصل تھے ۔ اسی طرح 18-1914ء کی جنگ عظیم اور 45-1939ء کی عالمگیر جنگ عظیم دوم میں ان تہذیب حاضر کے انسان دوستی اور آزادی و مساوات کے دعویداروں نے انتہائی وحشت و بربریت کا مظاہرہ

کرتے ہوئے نہ صرف کروڑوں فوجیوں کو بلکہ شہروں و دیہات میں رہنے والے بے قصور انسانوں کو بھی ہوائی حملوں کے ذریعے گھر بیٹھے ہوئے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ عالی شان عمارات اور صنعتی، سائنسی تنصیبات اور علوم، فنون کے مراکز کو بھی کھنڈرات میں تبدیل کر دیا۔ یہ ہے دور حاضر کی تہذیب و انسانیت اور وہ تھا آنحضرتؐ کا عظیم الشان پرامن اور حیات افروز انقلاب اس انقلاب عظیم سے انسان یکسر بدل گیا۔ اس کا قلب و ذہن اور سیرت و کردار بدل گیا، نصب العین اور مقصد حیات بدل گیا۔ اخلاقی و انسانی اقدار بدل گئیں۔ افکار و نظریات بدل گئے۔ سیاست، معیشت، معاشرہ اور تمدن کے اصول و قوائد بدل گئے۔ فلسفہ حیات اور نظام زندگی بدل گیا۔ مساوات انسانی، اخوت اسلامی، عدل و احسان، امن و سلامتی، حریت و آزادی اور محبت، رواداری کے پرخلوص جذبات و احساسات سے سرشار، خداپرست، انسان دوست اور انصاف پسند، مجسمۂ انسانیت بن کر ابھرا۔

اس حیرت انگیز اندرونی تبدیلی سے خداپرست اور انسان دوست مجاہدین کی ایک مختصر جماعت نے تاریخ عالم میں وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جن کی مثال نہیں ملتی۔

صرف تیرہ سال کے قلیل عرصے میں اس زمانہ کی دو مہذب اور ترقی یافتہ سپر پاورز، قیصر روم اور کسریٰ ایران کو شکست فاش دے کر بائیس لاکھ مربع میل رقبہ پر مشتمل ممالک ایران، عراق، مصر، شام اور فلسطین پر نہ صرف اسلام کی حکومت قائم ہو گئی بلکہ ان ممالک کی غالب اکثریت حلقہ بگوش اسلام بھی ہو گئی جو آج بھی اسلامی علوم و فنون تہذیب و ثقافت اور سیاسی قوت و اقتدار کے قابل فخر مراکز ہیں۔

چونکہ اس حیات افروز انقلاب کا ایک بنیادی مقصد حصول تعلیم، مشاہدہ فطرت، مطالعہ تاریخ، کائنات کے اسرار و رموز کی تحقیق و تدقیق اور تسخیر کائنات بھی تھا۔ تاکہ نوع انسانی اپنے ارتقاء و ترقی اور عروج و کمال کے بلند ترین مقام کی شاہرہ پر گامزن ہو سکے۔ لہٰذا اس انسانی انقلاب کے بعد نوع انسانی اپنے اس عظیم نصب العین کی طرف بسرعت تمام سرگرم عمل ہو گئی اور آج تہذیب و تمدن، علم و حکمت، سائنس، ٹیکنالوجی، اور ترقی و خوشحالی کے معراج کمال تک پہنچ چکی ہے۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے اسباب

1۔ حکمت خداوندی اور مشیت ایزدی

اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام مبعوث فرمائے جو مختلف اوقات میں مختلف علاقوں اور مختلف اقوام عالم میں نوع انسانی کی رشد و ہدایت اور ان کو دین اسلام کے مطابق کرہ ارض پرامن و سلامتی، عدل و انصاف، مساوات و اخوت، حریت و آزادی اور محبت، رواداری

کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے بن کر اپنا معینہ وقت گزارنے کا درس حیات دیتے رہے۔ آخر میں حضرت رسول اللہ کو آخری نبی و پیغمبر بنا کر مکہ میں مبعوث فرمایا اور قرآن حکیم کی صورت میں اپنے قوانین، احکام اور ہدایات کی مکمل، جامع اور بے مثل کتاب نازل فرمائی اور یہ اعلان بھی فرما دیا کہ "اب حضرت محمدؐ کے بعد ہماری طرف سے قیامت تک نوع انسانی کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے کوئی نبی و رسول مبعوث نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی قرآن کے علاوہ اب کوئی اور ضابطہ حیات اور قانون زندگی بھیجا جائے گا"۔ "آنحضرتؐ کی رسالت اور قرآن کی تکمیل کے بعد ہم نے اپنا دین اسلام جس کی ابتداء حضرت آدم یا حضرت نوح سے کی تھی اب اختتام پذیر ہوا اور اس دین کو ہم نے آج کے دن مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت و اکرام جو ہم نوع انسانی پر کرنا چاہتے تھے وہ بھی کر دی گئی ہے"۔ یعنی اب سلسلہ نبوت بھی ختم اور شریعت خداوندی بھی مکمل۔ لہذا اب پوری انسانیت نے قیامت تک آنحضرتؐ کی امت بن کر رہنا ہے اور قرآن حکیم کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بسر کرنا ہے۔ اگر ہمارے اس فیصلہ کے مطابق عمل کیا تو اس دنیاوی زندگی کے بعد تم کو یوم آخرت میں قانون مکافات عمل کے مطابق تمہارے اعمال کے مکمل محاسبہ کے بعد عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔ صرف ایمان اور عمال صالح ہی کام آئیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اعلان کے مطابق اپنا آخری نبی بھیج دیا ہے تو پھر اس کو اپنے اس آخری نبی کی کامیابی کا بھی ضامن ہونا لازمی تھا۔ لہذا جس اسلامی انقلاب کو اللہ تعالیٰ حضرت محمدؐ کے ذریعے نوع انسانی میں پیدا کرنا چاہتا تھا وہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے بغیر ناممکن تھا۔ کیونکہ اس وقت پوری انسانی دنیا خصوصاً عرب کے سیاسی، مذہبی، تمدنی اور اخلاقی حالات ایسے تھے اور طاغوتی قوتیں اور انسان دشمن استحصالی طاقتیں اس قدر زبردست اور غالب تھیں کہ کسی انسان کا بغیر تائید ایزدی ان کا مقابلہ کرنا ناممکن تھا اس انقلابی تحریک میں یقیناً اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ شامل تھا اور اس جدو جہد انقلاب کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعی اللہ نے ہر مشکل وقت پر انقلابی مجاہدین کی امداد و اعانت فرمائی۔ خصوصاً بدر، احد، خندق اور حنین میں مسلمان تائید ایزدی کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی طرح معاہدہ صلح حدیبیہ میں سیاسی فتح اور خیبر اور مکہ کی فتح یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بغیر ناممکن تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اب میں نے حضرت محمدؐ کے بعد کوئی اور نبی قیامت تک نہیں بھیجنا۔ لہذا آپؐ کو کامیاب کرانا لازمی تھا۔ منشائے خداوندی اور اس کا اٹل فیصلہ تھا۔

آنحضرتؐ اللہ کی طرف سے آخری نبی مبعوث ہو کر تاریخ عالم کے ایسے وقت اور زمانہ میں آئے تھے۔ جب دنیا عہد قدیم سے عصر جدید میں داخل ہو رہی تھی۔ یعنی تاریخ انسانیت کا سابقہ پرانا دور ختم ہو رہا تھا اور نئے دور کا آغاز ہو رہا تھا۔ اب دنیا نے تہذیب و تمدن، علم و حکمت، فلسفہ و سائنس، سیاست و معیشت اور عروج و کمال کے

آخری دور میں داخل ہونا تھا اس لئے اب ایک عدیم المثال انسانی انقلاب کی ضرورت تھی اور یہ سب کچھ مشیت ایزدی اور حکمت الہیٰ کے پروگرام کے عین مطابق ظہور پذیر ہو رہا تھا۔

2. اسلامی انقلاب میں آنحضرتؐ کی شخصیت اور سیرت و کردار کا حصہ

1۔ آنحضرتؐ کی عظیم شخصیت، اعلیٰ سیرت و کردار بلند اخلاق اور بے مثال تدبر و بصیرت نے اسلامی انقلاب کی کامیابی میں اہم ترین رول ادا کیا۔ انسان کی عادات و اطوار اور سیرت و کردار کو اسکی بیوی سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا۔

سیدہ خدیجہؓ نے بعثت سے قبل آپؐ سے پندرہ سالہ ازدواجی زندگی بسر کی تھی۔ وہ آپؐ کی شخصیت اور اخلاق کو سب سے زیادہ اچھی طرح جانتی تھیں۔ حضورؐ کے متعلق انکی رائے سب سے زیادہ مستند اور مصدقہ ہو سکتی ہے چنانچہ حضورؐ کو غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی اور آپؐ اس حیران کن تجربہ سے پریشان اور گھبرا کر واپس گھر آگئے اور اپنی زوجہ محترمہ سے تمام واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ شاید یہ واقعہ کسی مصیبت کا باعث نہ ہو۔ اس پر حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا کہ "نہیں اللہ تعالیٰ آپؐ کو برباد نہیں کرے گا۔ اور نا ہی کوئی نقصان پہنچائے گا۔ کیونکہ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ قرضداروں کے قرض کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں۔ یتیموں پر شفقت کرتے ہیں۔ مہمانوں کی مہمانداری کرتے ہیں۔ مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا"۔

2۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ کا اخلاق اور سیرت و کردار قرآن کی تفسیر ہے۔ جو کچھ قرآن میں حکم ہوتا ہے آپؐ سب سے پہلے خود اس پر عمل کرتے اور اس لئے آپؐ کا اسوہ حسنہ عین قرآن کے مطابق تھا۔

3۔ بعثت سے قبل اہل مکہ نے آپؐ کی تمام زندگی کا گہرا مطالعہ و مشاہدہ کرنے کے بعد آپؐ کو امین و صدیق کا خطاب دیا تھا۔ ابو جہل جیسے دشمن اسلام کو بھی یہ کہنا پڑا کہ "آپؐ جھوٹ نہیں بولتے آپؐ نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر آپؐ نبی و رسولؐ نہیں ہیں۔" ہم انکی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے۔ مگر سچا ضرور مانتے ہیں۔"

سردار قریش ابو سفیان نے جو آپؐ کا شدید مخالف تھا۔ قیصر شاہ روم کے دربار میں اقرار کیا کہ محمدؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور بحثیت انسان آپؐ کا کردار مثالی ہے"۔

4۔ بعثت سے قبل آپؐ کی عمر قریباً 35 سال کی تھی کہ تعمیر کعبہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حجرہ اسود کو اپنی جگہ نصب کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔ آپؐ نے قریش کے مختلف قبائل کے درمیان ایسا منصفانہ فیصلہ دیا کہ نہ صرف فتنہ و فساد کا سد باب ہو گیا بلکہ حضورؐ کی عزت و وقار میں بھی اضافہ ہوا۔ جب قریش نے اپنے فیصلہ کے مطابق آنحضرتؐ کو سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہوتے دیکھا تو سب پکار اٹھے کہ "امین آگیا" جو وہ فیصلہ

کرے گا سب کو منظور ہوگا۔ چنانچہ آپؐ نے ایسا مدبرانہ فیصلہ دیا کہ سب نے بخوشی تسلیم کر لیا۔ آپؐ نے چادر بچھا کر اپنے دست مبارک سے اس پر حجر اسود رکھ دیا اور جب سب قبائل کے نمائندوں نے اس چادر کو اٹھا کر حجر اسود کی جگہ تک لائے تو پھر آپؐ نے اس کو چادر پر سے اٹھا کر اسکی مقررہ جگہ پر کعبہ میں نصب کر دیا۔ اس طرح قریش بھی مطمئن ہو گئے اور حجر اسود کو اپنی جگہ پر نصب کرنے کی سعادت حضورؐ کے حصہ میں آگئی۔

5۔ بعثت سے قبل ابھی آپؐ کی عمر قریباً بیس سال تھی کہ آپؐ کے تایا جناب زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر عبداللہ بن جدعان کے گھر پر مظلوموں کی امداد اور انصاف کے مطابق فیصلے کرنے کے لئے ایک تنظیم قائم کی گئی۔ آپؐ بھی اس مظلوں اور غریبوں کی امداد کرنے والی جماعت کے ممبر بنے اور ہمیشہ ایسی کوششوں کی تائید کرتے رہے۔

6۔ صلہ رحمی۔ جناب ابو طالب کی مالی حالت بہت خراب تھی مگر اولاد بہت تھی اس لئے انکی پرورش بہت مشکل تھی۔ آپؐ نے صلہ رحمی کے جذبہ کے تحت جناب عباسؓ سے کہا کہ آپ کے بھائی بہت غریب ہیں اور اپنی اولاد کی کفالت بھی مشکل سے کرتے ہیں۔ آؤ صلہ رحمی کے تحت انکی امداد کریں۔ ان کا ایک بیٹا آپ لے لیں اور ایک میں لے لیتا ہوں تاکہ انکی کفالت کریں اور تمہارے بھائی کا معاشی بوجھ ہلکا کر سکیں۔ حضرت عباسؓ مان گئے۔ دونوں جناب ابو طالب کے پاس آئے حضورؐ نے فرمایا چچا! ہمیں احساس ہے کہ آپ بہت مفلس اور غریب ہیں اپنے بچوں کا گزارہ بھی نہیں کر سکتے۔ اسلئے ہم آپؐ کی امداد کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ آپ کے ایک بچے کو میں اپنی کفالت میں لے لیتا ہوں اور ایک کو چچا عباسؓ "۔ اس پر جناب ابو طالب بہت خوش ہوئے اور کہا کہ عقیل کو میرے پاس چھوڑ دیں اور باقی جس کو چاہیں لے جائیں۔ چنانچہ علیؓ کو حضورؐ نے خود لے لیا اور جعفرؓ کو عباس لے گئے۔ اور اس طرح اپنے چچا کا معاشی بوجھ ہلکا کر دیا۔ حضرت علیؓ مدینہ ہجرت تک آپؐ کی زیر کفالت رہے۔

7۔ غلاموں اور غریبوں کی امداد

حضرت زیدؓ بن حارث کو بچپن کے زمانہ میں ڈاکوؤں نے اغوا کر کے عکاظ کے میلہ میں حکیم بن حزام کے پاس فروخت کر دیا۔ جنہوں نے اس غلام بچے کو حضرت خدیجہؓ کو دے دیا اور سیدہ خدیجہؓ نے زید کو حضورؐ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ زیدؓ کے باپ کو معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا مکہ میں ہے ■ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرا بیٹا زید آپؐ کا غلام ہے اس کا معاوضہ لے کر اس کو آزاد کر کے میرے حوالے کر دیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں زیدؓ کو بلا معاوضہ آزاد کر کے اختیار دیتا ہوں کہ ■ اگر آپ کے ساتھ جانا چاہے تو جا سکتا ہے۔ چنانچہ زید کو بلا کر حضورؐ نے فرمایا کہ آپکے باپ اور چچا تم کو لینے آئے ہیں اگر ان کے ساتھ اپنے ماں باپ اور قبیلہ میں جانا چاہتے ہو تو میری طرف سے آزادی ہے۔ میں بلا معاوضہ تم کو آزاد کرتا ہوں اور اگر میرے پاس رہنا چاہتے

ہو تو تمہاری مرضی ۔ زید بن حارث نے جواب دیا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ اپنے گھر جانے کی بجائے آپؐ کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دیتا ہوں ۔ حضورؐ نے اسی وقت زید کا بازو پکڑ کر اور کعبہ میں حجر اسود کے پاس کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ "آج سے زید آزاد ہے میں اس کو اپنا بیٹا بناتا ہوں۔آج سے یہ میرا وارث ہے اور میں اس کا وارث ہوں " ۔اس پر زید کا باپ اور چچا بہت خوش ہوئے اور زید کو آپؐ کے پاس چھوڑ کر واپس چلے گئے اور اس وقت سے لوگ زید کو زید بن محمد کہنے لگے اور وہ آپکا متبنیٰ بن گیا۔

کیا تاریخ عالم میں غلاموں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کی کوئی مثال مل سکتی ہے ۔آپؐ کا غلاموں ، غریبوں اور پس ماندہ لوگوں کے ساتھ یہ حسن سلوک تھا۔اس کے بعد تمام عمر حضورؐ نے زید کو اپنے بیٹے کی طرح رکھا۔ اپنی پھوپھی کی بیٹی زینب کے ساتھ اس کا نکاح کیا۔قریباً ہر سریہ میں اس کو سپہ سالار بنا کر بھیجا ۔ مدینہ میں اپنی غیر حاضری میں اپنا جانشین بنا کر چھوڑا ۔ جنگ موتہ میں اسلامی لشکر کا سپہ سالار زید تھا جو وہاں شہید ہوا نہ صرف زید بلکہ زید کے بیٹے اسامہ بن زید سے بھی حضورؐ بے پناہ محبت کرتے تھے اور انکی اہلیت ، صلاحیت اور تقویٰ کی بنا پر لشکر اسلام کا سپہ سالار مقرر کیا کسی نسل و قبیلہ اور غلام و آزاد کا حضورؐ کی نظر میں کوئی امتیاز نہ تھا آپؐ اہلیت ، تقویٰ و پرہیزگاری اور دین کی خدمت کے معیار پر ہر ایک کو فضیلت اور اعزاز دیتے تھے ۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ حضورؐ کی وفات کے وقت اگر زید زندہ ہوتے تو آپؐ اس کو اپنا جانشین اور خلیفہ نامزد فرماتے ۔

8۔ فقر و فاقہ

حضورؐ نے پوری زندگی انتہائی سادگی اور فقر و فاقہ کی حالت میں بسر کی ۔ مکہ میں بھی آپؐ ایک کامیاب تاجر تھے اور حضرت خدیجہؓ کی دولت کی وجہ سے آپؐ کی مالی حالت کسی سے کم نہ تھی ۔ مگر وہاں بھی اپنا مال غریبوں ، مسکینوں اور حاجت مندوں کی ضرورت کے لئے بے دریغ خرچ کرتے تھے اور خود سادہ اور تنگی کی زندگی بسر کرتے تھے ۔ مدینہ میں ایسا وقت بھی آیا کہ تمام عرب کی دولت ، مال غنیمت ، زکوۃ ، صدقات ، اور جزیہ وغیرہ ہر قسم کا بے حساب مال و دولت بیت المال میں آرہا تھا۔مگر حضورؐ سب کچھ مجاہدین ، غرباء اور ضرورتمندوں میں تقسیم کر دیتے اور خود خالی ہاتھ گھر جاتے ۔ حالانکہ وہاں کھانے پینے کی شدید تنگی تھی اور دو وقت پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا تھا ۔ایک بار تمام ازواج مطہرات نے ملکر عرض کیا کہ اب جبکہ تمام مسلمانوں کی معاشی حالت بہت اچھی ہو چکی ہے اور باہر سے بے حساب مال و دولت آرہا ہے ۔ہماری ضروریات کا بھی کچھ اہتمام کریں ۔ مگر آپؐ نے صاف جواب دے دیا کہ " اگر تم کو میرے ساتھ یہ فقر و فاقہ منظور نہیں تو آؤ میں تم کو طلاق دے کر عزت کے ساتھ رخصت کر دیتا ہوں ۔ تم کو اس فقر و فاقہ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کو قبول کرنا ہوگا ۔یامال و دولت دنیا کو ان میں سے ایک کا انتخاب کر لو " ۔ مگر تمام ازواج مطہرات نے فقر و فاقہ اور حضورؐ کی رفاقت کو قبول کیا اور آئندہ دنیاوی آرام و آسائش کی اشیاء کا مطالبہ نہ کیا ۔

9۔ اپنی سابقہ زندگی بطور دلیل صداقت

حضورؐ کے دعویٰ رسالت کے بعد قریش مکہ نے آپؐ کی مخالفت شروع کر دی ۔ اور آپؐ کے دعویٰ کی صداقت کا ثبوت طلب کرنے لگے ۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ "میں کہیں باہر سے نہیں آیا میں اس سے پہلے تم لوگوں کے اندر ایک پوری عمر بسر کر چکا ہوں ۔ کیا تم اس سے اندازہ نہیں لگا سکتے کہ میں جھوٹا انسان ہوں یا سچا ۔ کیا تم ذرا بھی سوچ سمجھ سے کام نہیں لیتے" ۔ یعنی آپؐ نے اپنی صداقت اور سچائی کے ثبوت کے طور پر اپنی سابقہ زندگی کا بے داغ ریکارڈ پیش کیا کہ تم لوگوں نے ہی مجھے امین اور صدیق کا لقب دیا تھا ۔ اب چالیس سال کی عمر میں مجھے خدا پر جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی ۔ آپ کے اس چیلنج کا جواب قریش مکہ کے پاس کوئی نہ تھا ۔ بلکہ ابوجہل اور ابو سفیان نے بھی تسلیم کیا کہ آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ۔ غیر مسلم مورخین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپؐ کی زندگی پاکیزہ اور صاف ، حق و صداقت اور سچائی پر مبنی تھی ۔ سر ولیم مور جیسا مصنف بھی اعتراف کرتا ہے کہ "ہماری تمام تصنیفات محمدؐ کے بارے میں ان کی عظمت اخلاق اور پاکیزگی اطوار پر جو اہل مکہ میں کمیاب تھی متفق ہیں" ۔ بعثت سے قبل آنحضرتؐ کی سیرت و کردار آپؐ کے جوہر ذاتی تھے اور آپؐ بہترین انسان کا نمونہ پیش کرتے تھے ۔ امریکہ کے ایک عظیم عیسائی سائنسدان و مفکر نے تاریخ عالم کے یکصد عظیم ترین انسانوں میں سے آنحضرتؐ کو تاریخ انسانی میں سب سے زیادہ اثر ڈالنے والے قرار دیا ہے ۔ اس نے حضورؐ کے کمالات و کارہائے نمایاں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "آپؐ تاریخ عالم کے تنہا شخص ہیں جو انتہائی حد تک کامیاب رہے ۔ مذہبی سطح پر بھی اور دنیاوی سطح پر بھی" ۔ انگریز مورخ تھامس کارلائل نے پیغمبر اسلام کو "نبیوں کا ہیرو قرار دیا ہے" ۔ عظیم مفکر مائیکل ہارٹ نے آپؐ کو ساری انسانی تاریخ کا سب سے بڑا انسان قرار دیا ہے ۔ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے اور ہر انصاف پسند مورخ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ ساری بہترین قدریں اور تمام اعلیٰ کامیابیاں جن کو آج اہمیت دی جاتی ہے ۔ وہ سب آپؐ کے لائے ہوئے انقلاب کے براہ راست یا بالواسطہ نتائج ہیں ۔ مذہبی اداروں میں شخصیت پرستی کی بجائے خدا پرستی کس نے قائم کی اعتقادات کو توہمات کی بجائے حق کی بنیاد کس نے عطا کی ۔ فطرت کی پرستش کی بجائے فطرت کو مسخر کرنے کا سبق کس نے دیا ۔ سیاست میں نسلی شہنشاہیت کی بجائے جمہوریت کا راستہ کس نے دکھایا ، ظلم و استبداد کی بجائے عدل و احسان کا سبق کس نے دیا بلا مبالغہ آپؐ ساری دنیا کے لئے ہادیٔ اعظم کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ دوسرے انبیاء صرف پیغمبر دعوت تھے ۔ مگر آپؐ پیغمبر دعوت کے ساتھ پیغمبر انقلاب بھی ہیں ۔ آپؐ کا معجزہ ایک زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والا معجزہ ہے ۔ یعنی قرآن یہ خدائی معجزہ ہے ۔

10۔ آنحضرتؐ کا بے مثال تدبر و فراست

ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین کی آباد کاری اور ان کے معاش کا مسئلہ انتہائی نازک اور مشکل تھا ۔ کیونکہ

مہاجرین مکہ ہجرت کے وقت اپنا تمام اثاثہ، گھر بار، مال و اسباب اور ذریعہ روزگار وغیرہ تمام مکہ میں چھوڑ کر خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کے بنیادی مسائل کے حل کے لئے اسلامی امت کی بنیاد رکھی جو نسل و قبیلہ اور وطنیت و قومیت کے غیر فطری اور غیر انسانی امتیاز سے پاک صرف اسلامی مساوات و اخوت کی بنیاد پر قائم کی تھی۔ حضورؐ نے مہاجرین اور انصار کو رشتہ اخوت میں منسلک کر کے انکو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ انصار مہاجرین کو اپنے گھروں میں لے گئے اپنے کاروبار میں شامل کر لیا اور یہ مسئلہ حل ہو گیا۔

11۔ سیاسی بصیرت

آنحضرتؐ نے بے مثال سیاسی تدبر و بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مدینہ کے تمام باشندوں کے درمیان بلا امتیاز مذہب و ملت اور نسل و قبیلہ سب کے درمیان ایک معاہدہ کر کے جسے میثاق مدینہ کا نام دیا گیا۔ مملکت مدینہ کا قیام عمل میں لائے۔ حضورؐ اس ملک کے سربراہ تھے اور اس کا تحریری منظور شدہ آئین تھا۔ اس میثاق و دستور کے مطابق آپؐ اس مملکت مدینہ کے سربراہ، اس کے اندر امن و امان قائم رکھنا۔ سب کے ساتھ عدل و انصاف کرنا۔ ہر شخص کی جان و مال اور عزت و عقیدہ کا تحفظ کرنا۔ مملکت مدینہ کو بیرونی خطرات سے محفوظ رکھنا اور اس کا دفاع کرنا، یہ تمام اختیارات حضورؐ کو حاصل تھے۔

اس میثاق مدینہ کی بنا پر آپؐ کو زبردست سیاسی قوت اور اقتدار حکومت حاصل ہو گیا۔ جس کے ذریعے آپؐ قریش مکہ، یہود اور دیگر عرب قبائل کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکے اور یہاں مرکز ملت قائم کیا گیا۔

12۔ معاہدہ صلح حدیبیہ

صلح حدیبیہ آپؐ کی سیاست کا شاہکار ثابت ہوا اس سے مسلمانوں کی ترقی، دعوت و تبلیغ اور مزید فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔

13۔ فتح مکہ

مکہ پر خاموشی اور پوری طاقت کے ساتھ حملہ کرنے کا پروگرام آپؐ کے سیاسی تدبر عسکری منصوبہ بندی اور صلاحیتوں کا کمال تھا۔ مرکز کفر و مخالفت کو بلا جنگ و قتال پر امن طور پر فتح کر لینا ایک بہت بڑا تاریخی واقعہ تھا۔ جس سے اسلام کی مکمل فتح و نصرت کا موقع حاصل ہو گیا۔

14۔ خطبہ حجۃ الوداع اور تکمیل دین

9 ذی الحجہ 10 ھ کو عرفات کے میدان میں حجۃ الوداع کا بے مثال خطبہ انسانی تاریخ کا اہم ترین اعلان آزادی اور انسانیت کا منشور ہے۔ اس کے مطابق اسلامی معاشرے کی بنیاد مساوات انسانی۔ اخوت اسلامی، عدل و

انصاف، عقیدہ و رائے کی آزادی، حریت، فکر و عمل اور خلوص و رواداری کے حیات افروز اصولوں پر قائم کی گئی تمام بنی نوع انسان کے لئے یہ بنیادی انسانی حقوق کا چارٹر تھا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی آخری آیت کے نزول کے مطابق تکمیل دین اور اپنی نعمت یعنی قرآن کی تکمیل کا بھی اعلان کر دیا۔ جس کی قیامت تک حفاظت کی ذمہ داری بھی خود اس نے قبول کر لی۔

15۔ آنحضرتؐ کی تعلیمات

آنحضرتؐ کی تعلیمات نے قیامت تک انسان کی رہنمائی اور ہدایت کا فریضہ انجام دینا تھا۔ اس لئے ان تعلیمات کی بنیاد قرآن حکیم کے قوانین و احکام کے مطابق تھی جن پر غور و فکر اور تدبر و تفکر کا بار بار حکم دیا گیا۔ ان تعلیمات کی بنیاد دلائل و براہین، تجربات و مشاہدات فطرت اور قانون فطرت کے غیر متبدل اور اٹل اصولوں پر قائم تھی۔ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق عمل کر کے انکی صداقت اور قابل عمل ہونے کا ثبوت مہیا کر دیا۔ اور پھر اس تعلیم کے مطابق عمل کر کے تاریخ عالم کا ایک عدیم النظیر انقلاب برپا کر کے اس تعلیم کو نوع انسان کی ترقی و ارتقاء، امن و سکون اور اس کے بنیادی انسانی حقوق کا ضامن ثابت کر دیا آپؐ کی تعلیم و تربیت جدید تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ انسان کی نفسیاتی اور ذہنی الجھنیں دور کرتی ہے۔ ان کے معاشی معاشرتی اور سیاسی مسائل کا ٹھوس اور تسلی بخش حل پیش کر کے انسان کو آسان، سادہ اور پرسکون زندگی گزارنے کے قابل بنا دیا ہے۔ ایک ایسا نظام حیات دیا کہ انسان تعمیر و تسخیر کائنات کی منزل کی طرف گامزن ہو گیا۔ آپؐ نے ایک عظیم علمی، اخلاقی، انسانی، اصلاحی و تعمیری انقلابی تحریک کی بنیاد ڈالی جس نے دنیائے علم و حکمت فلسفہ و سائنس اور علم و ادب میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ آپؐ نے قرآن حکیم کی تعلیم اس کے مطابق تربیت اور اپنے خلق عظیم اور سیرت و کردار کے ذریعے پوری انسانیت کے لئے اعلیٰ ترین قابل عمل اسوہ حسنہ چھوڑا جو قرآن کے ساتھ سنت کی شکل میں دین کا جزو بن گیا۔

16۔ آنحضرت نے بے پناہ محنت و مشقت، انتھک جدوجہد اور مسلسل سعی و عمل سے اپنے فرائض منصبی کو ادا کیا۔ جان و مال، آرام و سکون اور تن، من، دھن کی ہر ممکن قربانی پیش کی اور کسی لالچ یا دھمکی کی وجہ سے جادہ حق سے انحراف نہ کیا۔

17۔ آپؐ غریبوں، مسکینوں، غلاموں، مظلوموں، یتیموں، بیوگان اور پس ماندہ لوگوں کے ساتھ بے انتہا محبت و خلوص کے ساتھ پیش آتے۔ انکی ہر ممکن امداد کرتے۔ انکی مشکلات و مسائل حل کرنیکی کوشش کرتے اور ہر انسان کی عزت و احترام کرتے۔ آپؐ میں تکبر، غرور، خود غرضی، مفاد پرستی، عیش و آرام اور دنیا کی چیزوں کا لالچ نہ تھا۔ آپؐ مجسمہ محبت و شفقت۔ انتہائی انسان دوست، خیر خواہ اور ہمدرد تھے۔ بلا مبالغہ آپؐ جیسا عظیم انسان تاریخ عالم میں پیدا نہیں ہوا۔ آپؐ سابق انبیاء کی تصدیق کر کے انکو اپنا بھائی قرار دیتے۔ ان کو اپنے برابر تصور

کرتے ۔ انکی تعریف اور بڑائی بیان کرتے ۔ ان سے کسی قسم کا حسد یا رشک نہ کرتے ان کے دین کو دین اسلام قرار دیتے ۔ حضرت ابراہیمؑ کو اپنا بزرگ بیان کرتے ۔ حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی تعریف کرتے اور ان انبیاء کے ماننے والوں کی عبادت گاہوں کا تحفظ اور انکے عقیدہ کی مکمل آزادی کا حکم دیتے ۔ اور دین کے معاملہ میں زیادتی سے منع فرماتے ۔

18۔ اگرچہ مدینہ میں ہر طرف سے مال غنیمت، بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کے ریوڑ آرہے تھے اور مسجد نبوی میں مال و دولت کے انبار لگ جاتے تھے ۔ مگر آپؐ کے گھر میں وہی کھجور اور ستو کی غذا، مرمت کئے ہوئے کپڑے، کھجور کی چٹائی سے جسم پر نشان پڑ جاتے تھے ۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے یہ حالت دیکھی تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور عرض کیا کہ کچھ بہتر لباس، خوراک اور آرام کا خیال کریں ۔ مگر آپؐ نے پر سکون لہجے میں فرمایا یہ سب میرے لئے نہیں ہے میری حالت تو دنیا میں اس مسافر جیسی ہے جو ذرا سی دیر کے لئے ایک سایہ دار درخت کے نیچے دم لیتا ہے اور پھر اٹھ کر منزل کی طرف آگے بڑھ جاتا ہے " لوگ عیش و آرام سے سوتے مگر آپؐ عبادت الہیٰ میں مشغول رہتے ۔ آپؐ فقر و فاقہ سے زندگی گزارتے اور آپؐ کو فقر پر فخر تھا اور اپنے آپؐ کو مساکین، فقرا اور غریبوں میں شمار کرتے ہیں ۔ آپؐ نے حق و صداقت اور راہ خدا میں جہاد کا حکم دیا ۔ خود جہاد میں شامل ہوئے ۔ مظلوم، محکوم لوگوں کی آزادی، دعوت و تبلیغ اسلام، ظالم اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف انسانیت کو ان کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے حق کو باطل پر غالب کرنے ۔ فتنہ و فساد اور ظلم و استبداد سے آزاد اور پاک کرنے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کو سب سے بڑی عبادت قرار دیا ۔ بے شک نسل انسانی میں آپؐ عظیم ترین محسن انسانیت اور داعی انقلاب انسانیت ہیں ۔

19۔ آپؐ ہر ایک کے ساتھ نرمی اور محبت و شفقت سے پیش آتے ۔ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہر ایک کی تکلیف اور ضرورت کا شدید احساس کرتے اور امداد و اعانت کی کوشش فرماتے ۔ ساتھیوں کے ساتھ ملکر خندق کھودتے، سفر و حضر میں ہر کام میں ساتھیوں کے ساتھ برابر شریک ہوتے ۔ کسی امتیازی سلوک کو ناپسند فرماتے، مکہ میں قحط پڑا تو جان کے دشمنوں کی امداد کے لئے غلہ اور مالی امداد روانہ فرمائی ۔

مکہ فتح کیا تو اپنے شدید دشمنوں کو معاف کر دیا ۔ کوئی انتقام نہ لیا فرمایا کہ " جاؤ آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے تم آزاد ہو " ۔ آپؐ کسی کو برا بھلا نہ کہتے دوسروں کی غلطیوں سے درگزر فرماتے اور معاف کر دیتے ۔ کبھی کسی سے انتقام نہ لیتے ۔ حبشی قاتل حمزہ ہندہ زوجہ ابو سفیان کو بھی معاف کر دیا ۔ عکرمہ بن ابو جہل اور صفوان بن امیہ کو بھی معاف کر دیا ۔ عبداللہ بن ابی سب سے بڑے منافق کو بھی معاف کر دیا ۔ اسکی نماز جنازہ پڑھائی اور اپنی چادر اس کے ساتھ اسکی قبر میں بچھادی ۔

عثمان بن طلحہ کعبہ کا کنجی بردار تھا ۔ مکہ میں ایک دفعہ اس سے حضورؐ اکرم نے کعبہ کے اندر نماز پڑھنے

کے لئے کنجی طلب کی تو اس نے گستاخی سے انکار کر دیا مگر فتح مکہ کے دن حضرت علیؑ نے حضور اکرمؐ سے کعبہ کی کنجی اپنے لئے مانگی مگر آپ نے انکار کر دیا اور عثمان بن طلحہ کو بلا کر ۔ کنجی ہمیشہ کے لئے اس کو اور اس کے خاندان کے لئے عطا کر دی ۔ کیا فراخدلی اور حق پسندی کی ایسی مثالیں دنیا کی تاریخ میں کس فاتح سے ثابت ہوئی ہیں ۔

20 ۔ مساکین و فقراء کے ساتھ آپؐ کی محبت و شفقت کا یہ عالم تھا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے " اے خدا مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں ہی موت دے اور قیامت کے دن مسکینوں کی جماعت کے ساتھ ہی اٹھا ۔" آپؐ بچوں کے ساتھ بہت پیار کرتے اور لوگوں کے بچوں کو گود میں اٹھا لیتے اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیتے اور بچے بھی آپ سے بہت مانوس تھے ۔ الغرض حضورؐ تمام بنی نوع انسان کے لئے محبت و شفقت اور رحمت ۔ رافت کا سرچشمہ تھے اور پوری دنیا میں آپؐ جیسا انسان دوست اور پس ماندہ طبقوں کا ہمدرد پیدا نہیں ہوا ۔

آپؐ کی پوری زندگی کی تاریخ محفوظ صورت میں دنیا کے سامنے ہے ۔ پیدائش سے وفات تک آپؐ تاریخ کی پوری روشنی میں پیدا ہوئے اور پوری زندگی کا مکمل عکس تاریخ کے آئینے میں ہر شخص دیکھ سکتا ہے ۔ آپؐ کا پیدا کردہ انسانی انقلاب تاریخ عالم کا عدیم المثال انقلاب ہے آپؐ دور قدیم اور عصر جدید کے درمیان حد فاصل ہیں ۔ اور عالم انسانیت کو دور جدید کی روشنی اور تہذیب و ترقی کی شاہراہ پر گامزن کرنے والے ۔

آپؐ کی دعوت رشد وہدایت کی مدت صرف 23 سال ہے مگر اس مختصر مدت میں عرب کے پسماندہ ، جاہل اور متعصب قبائل میں آپ نے ایسا انقلاب انسانیت پیدا کر دیا کہ جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی نہ صرف سیاسی لحاظ سے بلکہ انسانیت کے لحاظ سے بھی ایک وحشی جاہل قوم کو دنیا کی مہذب ترین اور فاتح عالم قوم بنا دیا ۔ جس نے قلیل عرصہ میں تمام دنیا میں ایک نیا نظام حیات قائم کر دیا ۔ آپؐ کا اس قدر بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار تھا جو شخص بھی آپؐ کے قریب ہوتا وہ آپؐ کی عظمتوں کو دیکھ کر مفتوح ہو جاتا اللہ نے آپؐ کے اندر قوت تسخیر پیدا کر دی تھی ۔

آنحضرتؐ کے ذریعے دس سال کے جہاد وقتال کے بعد جو عظیم انقلاب آیا ۔ اس میں صرف 1018 آدمی دونوں طرف سے مارے گئے ۔ اس دوران تقریباً اسی (80) غزوات ہوئے مگر اتلاف جان کو بچانے کے لئے آپؐ نے خون ریزی سے ہر ممکن احتراز کیا ۔ انسانی خون کا تقدس پیش نظر تھا ۔

یہ انقلاب تاریخ عالم کا عظیم ترین انقلاب تھا جس نے انسانی تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا ۔ مگر اتنے بڑے انقلاب میں مقتولین کی تعداد اس قدر کم تھی کہ اسے غیر خونی انقلاب یا پر امن شاندار انقلاب کہہ سکتے ہیں ۔

آنحضرتؐ انسان کامل تھے ۔ معلم اخلاق اور مثالی حکمران تھے ۔ بے نظیر سپاہ سالار اور سیاسی مدبر بھی تھے

عظیم مفکر اور صاحب علم و حکمت بھی تھے۔ آپؐ کا قائم کردہ معاشرہ ایک مثالی معاشرہ تھا۔ آپؐ کا مقرر کردہ نظام حیات قرآن حکیم کے قوانین و احکام کے مطابق تھا جو عالمگیر انسانیت کے لئے زمان و مکان کی حدود و قیود سے آزاد تمام بنی نوع انسان اور تمام دنیا کے لئے بلا امتیاز نسل و قبیلہ وطن و قومیت اور تفریق و امتیاز کے ابدی سکون و مسرت، امن و سلامتی اور حیات نو کا وسیلہ تھا۔

اسلامی انقلاب میں صحابہ کرامؓ کا کردار

۱۔ صحابہ کرام کی تنظیم:

چونکہ حضورؐ نے ایک مکمل دین کے قیام کے لئے اسلامی تحریک شروع کی تھی اس لئے آپؐ نے ایک ایک کر کے مخلص، پاک طینت اور سلیم الفطرت افراد کی تلاش شروع کر دی۔ جو مل جاتے اور کلمہ توحید و رسالت پر ایمان لے آتے ان کے دلوں میں کلمہ حق کی شمع روشن کر کے ایک تنظیم میں پرو دیتے اور اس منظم قوت کو اپنی قیادت کے تحت جاہلی نظام کے خلاف مذہبی، فکری، سیاسی، تمدنی جنگ کے لئے تیار کرتے انکی تعلیم و تربیت کا ہر ممکن اہتمام کرتے۔ اس طرح عزم و ہمت اور جرات و شجاعت کے پیکر، باشعور، خودار، فعال اور متحرک مجاہدین بہترین فطرت کے لوگ بہترین تربیت پا کر، بہترین تنظیمی رشتہ میں منسلک ہو کر اور بہترین قیادت کی زیر سرکردگی ایک ناقابل شکست قوت بن گئے۔ جنہوں نے اقلیت میں ہوتے ہوئے عظیم اکثریت کو شکست فاش دی۔ فتح مکہ کے بعد جاہلی قیادت کا پوری طرح خاتمہ ہو گیا اور صدیوں سے غلامی میں مجبور لوگ آزاد ہو کر خود بخود تحریک اسلامی میں شامل ہونے لگے۔ تمام جزیرہ نمائے عرب میں ایک عظیم الشان پر امن انسانی انقلاب، برپا ہو گیا۔

حضورؐ دین اسلام کی بنیادوں پر انسانوں کی انفرادی و اجتماعی نظام زندگی کو قائم کرنے آئے تھے۔ وہ صرف مذہبی عبادات اور مذہب کے چند عقائد کے لئے نہیں بلکہ خدا کے قوانین و احکام جو قرآن کے ذریعے آپؐ پر نازل ہوئے تھے۔ ان کو پورے کے پورے عملاً نافذ کرنے آئے تھے۔ وہ انسانیت کی تعمیر نو اور تہذیب و تمدن کے پورے نظام کو تبدیل کرنے آئے تھے۔ اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے آپؐ نے بہترین انسان تیار کئے۔ آپؐ میں بہترین قائدانہ صلاحیتیں، سیاسی بصیرت و شعور تھا۔

تعبیر، تفسیر، تشریح و وضاحت قوم کے کسی خاص طبقہ یا گروہ کے سپرد نہیں ہو گی۔ بلکہ یہ حق تعبیر پوری قوم کو حاصل ہو گا۔ جو اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے پارلیمنٹ یا اسمبلی میں استعمال کریں گے۔ شریعت کی تعبیر اور قوانین خداوندی کی تشریح کے لئے علماء کرام کے علیحدہ طبقہ کا اسلام میں کوئی وجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان مرد و عورت پر علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے تاکہ تمام امت مسلمہ قرآن و سنت کے احکام و ہدایات سے

باخبر ہو۔ اسلام ہندو مذہب کی طرح برہمنوں اور پنڈتوں کے علیحدہ وجود یا طبقہ، اور ذات کو تسلیم نہیں کرتا۔ قرآن کریم میں کئی جگہ فرمایا گیا ہے کہ "ہم نے قرآن کو آسان بنا دیا ہے۔ قرآن کریم ہر طرح سے آسان ہے"۔ غیر مسلموں میں یہ اعتقاد تھا کہ دینی کتابوں کو پڑھنے اور سمجھنے کا حق پنڈتوں اور احبار و رہبان وغیرہ کو ہی حاصل ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کو آسان اور سہل بنا کر حکم دیا ہے کہ سب لوگ اسے پڑھیں، سمجھیں اور اس پر عمل کریں قرآن تمام مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کے لئے ضابطہ حیات ہے جس کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ دوسری جگہ فرمایا کہ "اللہ ہے جس نے قرآن کریم مفصل اتارا ہے"۔ جن کو یہ کتاب دی گئی ہے جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کے ساتھ اتاری گئی ہے۔ پس مت ہو شک کرنے ولوں میں" (سورۃ انعام آیت 115)۔ "ہم نے یہ کتاب قرآن کریم کو آپ پر نازل کیا ہے جس میں ہر چیز بیان کر دی گئی اور یہ مفصل ہے"۔ (سورۃ نحل، آیت نمبر 89 پارہ نمبر 14)

الغرض قرآن کو ہر مسلمان آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے اس کی تفسیر تعبیر اور تشریح کر سکتا ہے۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کی تعلیم و تربیت کی اور ان کو یگانہ روزگار ہستیاں بنا دیا۔ جن کی پوری زندگی خدائی ضابطہ ہدایت کے مطابق تھیں۔

آنحضرتؐ کے اس انسانی انقلاب نے انسان کو اندر سے بدل دیا۔ جو انسان اسلام سے قبل وحشت و درندگی کے پیکر اور انسان دشمن تھے۔ وہ انسانیت کے خادم اور اللہ کے دین کے جانثار سپاہی بن گئے ان کی سیرت و کردار میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہو گئی وہ خداپرست انسان دوست اور بااصول مجسمۂ انسانیت بن کر ابھرے یہ تھا آنحضرتؐ کا بے مثال انقلاب جس نے باہر کے نظام و معاشرہ کو بدلنے کے ساتھ انسان کے قلب و ذہن اور فکر و نظر کو بھی بدل ڈالا اور دنیا میں ایک عظیم اخلاقی، روحانی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تمدنی انقلاب برپا ہو گیا۔

اسلامی زندگی توازن و اعتدال، عدل و انصاف، مساوات و اخوت، محبت و رواداری، امانت و دیانت، حق و انصاف اور خدا ترسی اور انسانیت کی زندگی بن گئی۔ اس طرح وہ صالح جماعت معرض وجود میں آگئی جو اسلامی انقلاب کے لئے میدان عمل میں آنے والی تھی۔ جس نے اپنی زندگی کا مقصد اسلام کے لئے جینا اور مرنا قرار دیا جو ہجرت کے بعد میدان جہاد میں سینہ سپر ہو کر آگئی اور پھر باوجود قلیل اور بے سروسامان ہونے کے اکثریت پر غالب آگئی جو ہر طرح کے سامان حرب و ضرب سے لیس تھی۔

ایمان و عمل صالح سے اسلام کے جانباز مجاہد تیار ہوئے۔ آنحضرتؐ نے انکی تعلیم و تربیت اور جہاد کے لئے تنظیم و تیاری اس طرح کی کہ ہر سپاہی اللہ کا جانباز مجاہد بن گیا اور ان میں سے کسی نے بھی نہ میدان جنگ سے کبھی فرار اختیار کیا۔ نہ کبھی دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالے اور نا ہی شکست تسلیم کی۔ بلکہ ان کا نعرہ فتح یا شہادت تھا۔ یعنی غازی یا شہید۔ یہی وجہ ہے کہ مجاہدین اسلام نے جو انقلاب عظیم برپا کیا۔ نوع انسان کی تاریخ میں

سنہری دور کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ انقلاب نہ صرف قابل رشک و قابل فخر بلکہ بلا قتل و غارت پر امن اور شاندار انقلاب کی تعریف میں آتا ہے۔ کیونکہ اس طویل انقلابی جنگ وجد وجہد کے دوران فریقین کے صرف 1018 افراد مارے گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ جزیرہ نمائے عرب کا دس لاکھ مربع میل رقبہ سلطنت مدینہ کے زیر تسلط آنے کے علاوہ قریباً تمام آباد حلقہ بگوش اسلام ہو گئی اور حیات افروز انسانیت کے عدیم المثال تاریخی دور کا آغاز ہو گیا۔

آنحضرتؐ نے اسلامی انقلاب پیدا کرنے کے لئے ایسے مجاہد اور انقلابی مسلمان پیدا کئے جو ایمان اور عمل صالح کی طاقت، صبر و برداشت اور مصائب و مشکلات کا مقابلہ کر کے رضاء الہیٰ کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار تھے۔ اور اس عظیم سرفروش جانباز جماعت نے نوع انسان کی تاریخ میں انسانیت کے لئے قابل فخر انقلاب برپا کیا۔ سابقہ فرسودہ اور باطل نظام حیات کو یکسر بدل کر ایک ترقی یافتہ پاکیزہ نظام حق و صداقت قائم کیا۔ حضورؐ نے تاریخ عالم کو بہترین انسانوں کی ایسی جماعت تیار کر کیدی جن کی انسانیت، خدا پرستی، حق و صداقت، کردار کی بلندی اور بصیرت کی پاکیزگی کی مثال نہیں مل سکتی۔ آپؐ کا تربیت یافتہ یہ گروہ مجاہدین آزمائش و مشکلات کے وقت ہر لحاظ سے فائق تھا۔ ظلم و ستم کے مقابلے میں صبر و استقلال، عصبیتوں اور تعصبات کے مقابلے پر مساوات و اخوت عدل و انصاف، انسان دوستی اور حق و انصاف کا حامی و مددگار، ایثار و قربانی میں بے مثال۔ میدان جنگ میں بہادری، شجاعت اور ثابت قدمی میں لاجواب الغرض ہر انسانی وصف و خوبی میں نوع انسان کے بہترین نظریاتی انسان تھے۔

اخوت اسلامی

تحریک اسلامی کی بنیاد اخوت و محبت پر تھی۔ اس میں شامل تمام افراد آپس میں بھائی بھائی تھے اور کسی قسم کی تفریق و امتیاز اور اونچ نیچ نہ تھی یہ اسلامی انقلاب اخلاقی اور انسانی انقلاب تھا جسے پوری ہمت و جرات، عزم و استقلال، صبر و تحمل اور اخلاق و شرافت کے ساتھ، پرامن اور رواداری و خیر سگالی کے جذبات کے تحت دعوت و تبلیغ سے آگے بڑھایا گیا۔ اس تحریک کے داعیان کو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر اٹل یقین تھا اور اخلاقی و قانونی ضوابط کے حدود و قیود کے اندر انتھک جدوجہد اپنے نصب العین کے حصول کی بے پناہ تڑپ رضائے الہیٰ کا حصول اور اپنی حقانیت اور سچائی پر غیر متزلزل یقین اس انقلاب کی کامیابی کے ضامن تھے۔

اس انقلابی تحریک کے قائدین و کارکنان باہمی مشورہ و شورائیت کے اصولوں کے مطابق اپنے تمام اجتماعی امور سرانجام دیتے تھے۔ جن کی وجہ سے ان میں آزادی رائے، مساوی حقوق، احساس ذمہ داری، خود اعتمادی، عزت نفس کا احساس و شعور پیدا ہوتا تھا۔ اور ہر شخص اپنے آپ کو اللہ اور اپنی جماعت کے سامنے جوابدہ تھا۔

مجاہدین اسلام کی سرفروش نظریاتی جماعت تیار کر لینے کے بعد آپ نے اسے دشمن کے مقابلہ پر لا کر کھڑا کیا

یعنی سب سے پہلے اسلامی انقلاب پارٹی تیار کی گئی۔ان سے کلمہ حق و صداقت یعنی توحید و رسالت اور روز قیامت پر ایمان کا یقین محکم حاصل کیا گیا۔انکی اخلاقی اصلاح اور سیرت و کردار کی تعمیر و تربیت کی گئی۔ یعنی جو شخص مسلمان ہوتا سب سے پہلے اس سے توحید و رسالت اور یوم آخرت پر ایمان کا وعدہ لیا جاتا۔ پھر انکی تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح و کردار کی تعمیر کی جاتی اور اس طرح ایک نظریاتی مجاہد طاقت و قوت تیار ہو گئی۔ اگرچہ انکی تعداد بہت کم تھی مگر قوت ایمانی و اخلاقی بے پناہ تھی۔

اس اسلامی انقلابی تحریک کا ہر کارکن اپنے اعمال و افعال کے لئے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے ہاں جوابدہ سمجھتا تھا۔اس لئے وہ جو کچھ کرتا تھا محض اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے اپنا فرض اور اس کا حکم تصور کرتے ہوئے کرتا تھا۔اس تحریک کے تمام کارکنان کے درمیان محبت و خیرخواہی، اخوت و مساوات۔ایثار و قربانی امیر کی اطاعت اور اجتماعی فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا تھا۔یہ لوگ فراخدل اور کھلے ذہن کے لوگ تھے۔اپنوں اور دوسروں کو درگزر پر عمل کرتے تھے ان کے اندر کینہ، بغض اور انتقامی جذبہ نہ تھا۔یہ انقلابی جماعت ایسے بلند اصولوں پر قائم تھی۔جو کسی بڑے سے بڑے مقصد کی کامیابی کے لئے ضامن ہو سکتے ہیں۔اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کا قائد ایسا عظیم انقلابی راہنما تھا جس کی جرات و دلیری، ہمت و شجاعت عزم و استقلال، بے پناہ قوت عمل، تدبر و تفکر، حکمت و دانائی، فہم و فراست اور دور اندیش حکمت عملی اور منصوبہ بندی تدبیرات و تزویرات۔تقویٰ و پرہیزگاری، سیرت و کردار کی بلندی اور انسانیت و اخلاق کی عظمت کی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔

1۔ اسلامی انقلاب کی تیاری

آنحضرتؐ نے اپنی انقلابی تحریک کی ابتدا۔ لوگوں کی انفرادی تعلیم و تربیت اور اصلاح و تعمیر سے شروع کی۔ ان میں فرداً فرداً اخلاقی انقلاب پیدا کیا اور ان کو اندر سے بدل کر ایک نیا انسان بنا دیا جو اس انسانی انقلاب میں ایمان کی قوت، بے پناہ عمل اور یقین محکم سے اپنے نصب العین کے حصول کے لئے جان و مال اور آرام و سکون کی قربانی کے لئے میدان عمل میں بے خطر کود پڑے۔

2۔ انفرادی تعلیم و تربیت اور سیرت و کردار کی اصلاح و تعمیر کے ساتھ ایک ایسی جماعت اور گروہ تیار ہو گیا۔جو آپس میں رشتہ محبت و اخوت میں منسلک اور خدا کی راہ میں اپنی جان و مال اور سب کچھ قربان کر دینے کو تیار تھا۔یہ گروہ جانباز، سرفروشی، جفاکشی، عزم و استقلال اور شجاعت و بہادری کے پیکر، ایثار و قربانی اور محنت و مشقت کے عادی۔آنحضرتؐ نے اپنی پوری کوشش اس مجاہد جماعت کی تعلیم و تربیت تنظیم و اصلاح اور ذہنی انقلاب پیدا کرنے پر صرف کر دی۔

آنحضرتؐ کی بعثت یعنی اعلان نبوت کے بعد سب سے پہلے آپ کے اہل خانہ یعنی حضرت سیدہ خدیجہؓ، زید بن

حارث جو اس وقت زید بن محمد کے قابل فخر نام سے پکارے جاتے تھے۔ اور آپؐ کی آیا حضرت ام ایمنؓ وغیرہ نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ آپؐ کے بچپن کے مخلص اور گہرے دوست حضرت صدیق اکبر سب سے پہلے ایمان لائے۔ قابل، مدبر، علم انساب کے ماہر کپڑے کے کامیاب تاجر، باوقار اور ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے۔ چنانچہ صدیق اکبر نہ صرف خود مشرف بہ اسلام ہوئے بلکہ آپؐ کی دعوت و تبلیغ سے تاریخ اسلام کے نامور مشاہیر بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ان میں فاتح ایران سعد بن ابی وقاص، فاتح شام و فلسطین ابو عبیدہ بن جراح، عثمان بن عفان، اسلام کے بطل جلیل حضرت زبیر بن عوام، طلحہ بن عبیداللہ، عبدالرحمان بن عوف عبداللہ بن مسعود، حضرت خالد بن مظعون، حضرت ابو سلمیٰؓ اور حضرت خالد بن سعید بن العاص ہوئے۔ یہ تمام مشاہیر تاریخ اسلام کے درخشندہ ستارے ہیں۔ جنہوں نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اس کی انقلابی جدوجہد میں سب سے زیادہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ حضرت صدیق اکبر نے کفار مکہ کے پنجہ ظلم و ستم میں گرفتار کئی غلاموں اور لونڈیوں کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔ جو حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ حضرت صدیق اکبر نے مکی زندگی میں آنحضرتؐ کے ساتھ تمام مصائب و آلام اور ایذا رسانیوں میں حضورؐ کا ساتھ دیا اور کفار کے نشانہ ظلم و ستم بنتے رہے۔ اور اس دور میں اسلام کے لئے سب سے زیادہ خدمات انجام دیں۔ ہر وقت اور ہر حال میں آپؐ کا ساتھ دیا۔ اور آخر آپؐ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ مدینہ میں بھی ہمیشہ حضورؐ کے ساتھ پورے خلوص و وفاداری اور جانثاری کے ساتھ خدمات بجا لاتے رہے اور مسجد سے میدان جنگ تک ہر جگہ بے پناہ ایثار و قربانی اور جانثاری کا حق ادا کرتے رہے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد انتہائی نازک اور مشکل حالات میں ملت اسلامیہ کی قیادت سنبھال کر تمام مسائل و مشکلات کا انتہائی بہادری، شجاعت اور تدبر و تفکر سے مقابلہ کیا اور کامیاب و کامران رہے۔ الغرض اسلامی انقلاب کی کامیابی میں صدیق اکبر کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔

مکی زندگی میں ہی آنحضرتؐ کو اور بھی بہت سے وفادار جانثار اور شمع اسلام کے پروانے مل گئے تھے ان میں حضرت امیر حمزہ، حضرت عمر بن خطاب، ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیع، ارقم بن ابی ارقم وغیرہ شامل تھے۔ حضرت حمزہ اور عمر کے اسلام لانے سے مسلمانوں کی طاقت اور عزم و استقلال میں بڑا اضافہ ہوا اور انہوں نے اعلانیہ خانہ کعبہ میں نماز ادا کرنی شروع کر دی۔ مکی زندگی میں قریباً ایک سو مخلص مسلمان ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے اور ہجرت مدینہ کے وقت تقریباً پچاس مسلمان آپ کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے۔ ہجرت مدینہ کے بعد حضرت علی بھی جوان ہو چکے تھے اور اپنے بہادری کے شاندار کارنامے سرانجام دئے۔ مدینہ میں انصار مدینہ کی ایک انتہائی مخلص، وفادار اور جانثار جماعت حضورؐ کے ساتھ انتہائی عزم و استقلال، خلوص و وفاداری اور شجاعت و بہادری کے ساتھ اسلام کی سر بلندی اور دفاع کے لئے تمام غزوات و سرایا میں بے پناہ جان و مال کی قربانیاں پیش کرتے رہے ان میں ابو عمامہ، اسد بن زرارہ جو جلد ہی داغ مفارقت دے گئے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، محمد بن مسلمہ، محمود بن مسلمہ،

ابو دوجانہ، حباب بن منذر اور عبداللہ بن رواح وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ الغرض اسلامی انقلاب کی اس تاریخ ساز تحریک میں اصحاب رسولؐ نے تاریخ عالم میں بے مثال اطاعت و وفاداری اور مال و جان کی قربانیاں پیش کیں ۔ جس کی مثال نہیں مل سکتی ۔ یہ آنحضرتؐ کی تعلیم و تربیت، ولولہ انگیز قیادت، اسلام کی حقانیت اور کلمہ توحید کا اعجاز تھا کہ آپ کو اس قدر مخلص، جانثار، صاحب عزم و استقلال، صاحب عزم و ہمت، بہادر و شجاع ۔ ایثار و قربانی کے پیکر، دوستوں اور ساتھیوں کی عدیم النظیر جماعت میسر آگئی تھی جو آپؐ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر حالت اور نازک ترین مواقع پر اطاعت و جانثاری کے لئے حکم کے منتظر رہتے تھے ۔ اس نظریاتی قدوسی صفت جماعت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ آنحضرتؐ کے ہمہ وقت مشیر اور وزیر تھے جو اس انقلابی تحریک کی منصوبہ بندی کر کے مخالفین کی سازشوں اور منصوبوں کو خاک میں ملانے اور اسلام کی کامیابی اور سربلندی کے لئے انتھک جدوجہد کرتے بلکہ عملی طور پر مسجد نبوی سے ہر میدان جنگ تک خود سب سے پیش پیش ہوتے ۔ آنحضرتؐ ہر دو احباب کی خداداد صلاحیتوں شخصیتوں اور بے پناہ اثر و رسوخ سے اچھی طرح باخبر تھے جو اس انقلابی تحریک میں بے مثال کردار ادا کر رہے تھے ۔

قرآن حکیم کی روشنی میں اسلام کے بنیادی عقائد

اسلام ایک نظریاتی تحریک تھی اس کا بنیادی مقصد انسانی معاشرہ کی تمدنی اور روحانی اقدار میں اصلاحی و تعمیری انقلاب پیدا کرنا تھا اور اس اصولی تحریک کا اصل مزاج رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کے ذریعے لوگوں کے ذہنوں میں ایک ایسا انقلاب پیدا کرنا تھا جس کی بنیاد کلمہ توحید ۔ اپنے اعمال کے محاسبہ اور عالمگیر انسانی برادری کے درمیان مساوات و اخوت ، عدل و انصاف ، حریت و آزادی اور محبت و رواداری پر استوار انسانی معاشرہ کا قیام تھا ۔

عالمگیر دعوت

اسلام کی دعوت عالمگیر انسانی برادری کی طرف دعوت رشد و ہدایت ہے ۔ یہ تمام نوع انسانی کے لئے قیامت تک کے لئے ہے یعنی اس میں زمان و مکان ، تاریخ و جغرافیہ ، نسل و قبیلہ ، وطنیت و قومیت کا کوئی امتیاز نہیں یہ پوری انسانیت کے لئے ہے ۔

دین و دنیا کی یکجائی

اسلام کی انقلابی دعوت میں دین و سیاست ، دنیا و آخرت علیحدہ نہیں بلکہ ایک ہی سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں ۔ یہ دعوت اخلاقی اقدار اور انسانیت کی بنیاد پر قائم ہے ۔ اور یہ ایک نظریاتی دعوت ہے ۔ اس میں کسی قسم کی عصبیت ، طبقاتی امتیاز اور اونچ نیچ کا کوئی سوال نہیں ہے ۔ اس دعوت کی نظر میں قریش اور حبشی ، عربی ، عجمی ، غریب و امیر ، ذات پات ، نسل و قبیلہ کا کوئی امتیاز نہیں ۔ اس کی بنیاد مساوات انسانی پر ہے ۔ یہ دعوت پوری انسانیت کے لئے ہے ۔ یہ فطرت کی آواز ہے ۔ وحدت خداوندی ، وحدت کائنات اور وحدت انسانیت اس انقلابی دعوت کا نعرہ اور خلاصہ ہے ۔

یہ دعوت تمام انبیاء کی دعوت کا خلاصہ ہے ۔ اس دعوت کی مخصوص تعلیم حسب ذیل ہے :۔

1۔ تصور حاکمیت

دعوت اسلامی کا بنیادی تقاضہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، وحدانیت اور مالک کائنات پر ایمان لانا " ۔ بے شک اختیار اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہے " ۔ خبردار جس کی مخلوق ہے اس کا حکم چلے گا " ۔

2۔ منصب رسالت

رسولؐ اللہ کا نمائندہ اور پیغمبر ہے ۔ جو وحی الہیٰ کے ذریعے خدا سے احکام حاصل کر کے عوام تک پہنچاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے اذن سے رسولؐ کی اطاعت لازم ہے " ۔

3۔ نیابت الہیٰ

انسان دنیا میں اللہ کا خلیفہ ہے ۔ اس کو بااختیار اور صاحب ارادہ بنا کر بھیجا گیا ہے تاکہ وہ اپنی فطرت، ضمیر اور احکام الہیٰ کے مطابق زندگی گزارے ۔

4۔ نظریاتی اجتماعیت

دعوت اسلامی ایک نظریہ حیات کے مطابق اجتماعیت کا تصور پیش کرتی ہے ۔ اس کا مقصد اور نصب العین دنیا میں حاکمیت الہیٰ کا قیام اور نفاذ، اور آخرت میں رضائے الہیٰ کا حصول ۔ یہ دعوت اپنے پروگرام، طرز عمل، کردار اور تعلیمات کے اعتبار سے انسانی ضمیر کے عین مطابق ہے اور افراط و تفریط اور فتنہ و فساد سے اجتناب کرتے ہوئے صراط مستقیم پر چلنے کی تاکید کرتی ہے ۔ اس دعوت میں نظم و ضبط اور اطاعت اللہ و رسولؐ کا حکم دیا گیا ہے ۔ اور اطاعت خداوندی کے حقیقی نصب العین کی منزل کی طرف پیش قدمی کی جاتی ہے ۔ دعوت اسلامی میں تمام معاملات باہمی مشاورت سے سر انجام پاتے ہیں اور مشترکہ ذمہ داری کا احساس اور مل کر کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ۔

فضیلت کا معیار

اس اسلامی انقلابی معاشرہ میں فضیلت و عزت کا معیار حسب و نسب، اقتدار و دولت، نسل و قبیلہ یا ذات پات نہیں بلکہ تقویٰ و پرہیزگاری اور سیرت و کردار ہے ۔ اس میں خداترس، ایثار پیشہ، دیانت دار، امین، صدیق اور عزم و استقلال کے ساتھ مجاہدانہ کردار سے ہی عزت و وقار ملتا ہے ۔

آنحضرتؐ نے اپنی انقلابی تحریک کا آغاز تین بنیادی اصولوں پر ایمان لانے سے کیا ۔

1 ۔ خالق کائنات کی خالص توحید

2۔ حضرت رسولؐ اللہ کی نبوت و رسالت

3۔ روز آخرت یعنی قیامت پر ایمان اور ساتھ ہی اعمال صالح کے مطابق اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کو بسر کرنا

توحید خالص

توحید بالذات ، توحید فی الصفات اور توحید العبادات دین اسلام کا سب سے بڑا اور سب سے اہم جزو عقیدہ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر کامل اور راسخ ایمان لانا ہے ۔ اس کے ساتھ کسی اور کو کسی صورت سے بھی شریک اور شامل کرنا شرک عظیم ہے ۔ جو ناقابل معاف گناہ عظیم ہے جو حق تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرے گا ۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں " ۔یہی قوت کا سرچشمہ کلمۂ توحید ہے ۔ جس کے بارے میں حضورؐ نے قریش مکہ سے فرمایا تھا کہ " یہ ایک کلمہ ہے جس کے تم قائل ہو جاؤ تو عرب و عجم کے حکمران بن جاؤ گے "

حضرت محمد الرسول اللہؐ

حضرت محمدؐ اللہ کے آخری رسول اور پیغمبر تھے آپؐ نے اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے پورے عزم و استقلال اور ہمت و استقامت کے ساتھ طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کیا، اپنے فرائض نبوت و رسالت کو بہترین و احسن طریقہ سے سرانجام دیا اور اپنی زندگی میں ہی باطل کی تمام قوتوں کو فناہ کر کے پورے جزیرہ نمائے عرب کو اسلامی انقلاب سے مسخر کر کے اسلامی پرچم تلے لے آئے اور تمام عرب حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ۔آپؐ کی اس عظیم الشان کامیابی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فرمایا " اے محمدؐ کہہ دو کہ میں تو محض تمہیں جیسا ایک انسان ہوں ۔ مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا خدا ایک ہی ہے " ۔(سورۃ کہف 110)

رسولؐ اللہ نے اپنی امت کو بار بار تاکید فرمائی کہ شرک اور شخصیت پرستی سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ شرکت کو ہرگز معاف نہیں کرے گا ۔ یہ ظلم عظیم ہے مگر ہوشیار پیشہ ور لوگ اپنے ذاتی مفاد کے لئے انبیاء کی شخصیت پرستی کی تعلیم دیتے رہے ہیں ۔ قرآن نے اسی شخصیت پرستی کے تصور کی بار بار تردید کی ہے ۔چنانچہ فرمایا " اے محمدؐ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنی ذات کے لئے بھی فائدہ یا نقصان کی قدرت نہیں رکھتا سوائے اس کے جو خدا چاہے " ۔(سورۃ یونس نمبر5) ۔ قرآن نے فرمایا " محمدؐ بس مگر ایک رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں " ۔(آل عمران 144) ۔ حضورؐ کا معاملہ دیگر انبیاء کرام سے مختلف ہے آپؐ نوع انسانی کی طرف اللہ کے آخری نبی و رسول ہیں ۔آپؐ قیامت تک کے لئے نبی ہیں ۔ اب دنیا میں اللہ کی طرف سے کوئی نبی نہیں آئے گا اور حضورؐ کی لائی ہوئی شریعت جو قرآن حکیم کی شکل میں انسانوں کو عطا کی گئی ہے ۔ اللہ کے آخری جامع ، مکمل اور علم و حکمت کا خزینہ

اور انسانیت کی ہدایت و راہنمائی کا مکمل ضابطۂ حیات قیامت تک کے لئے ہے۔ اس کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔

روز قیامت پر ایمان

یوم آخرت پر ایمان اسلام کا تیسرا بنیادی اصول اور بنیادی عقیدہ ہے۔ اس عقیدہ کا مقصد روز جزا و سزا پر یقین محکم اور اللہ تعالیٰ کے قانون مکافات عمل پر ایمان ہے یعنی انسان اس دنیا میں جو اعمال و افعال کرے گا۔ موت کے بعد اسے زندہ کر کے اس کے اعمال کا پورا پورا محاسبہ کیا جائے گا۔ اور اس کی ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر برائی کی اس کو جزا و سزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ یوم قیامت تمام بنی نوع انسان کے ساتھ عدل و انصاف کرے گا۔ لہذا ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس دنیا میں قرآن و سنت کے قوانین و احکام اور ہدایت کے مطابق پاکیزہ، صالح اور نیک زندگی گزارے۔ اس کی سیرت و کردار، اخلاق و اعمال اللہ تعالیٰ کے احکام و آیات کے مطابق ہوں۔ روز آخرت پر ایمان رکھنے والا انسان ایک ذمہ دار بااصول اور شریعت کی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے اپنی زندگی بسر کرتا ہے اسے ہر وقت یہ خوف اور یقین ہوتا ہے کہ میرے تمام اعمال و افعال کا محاسبہ ہونے والا ہے۔ اللہ میرے ہر خفیہ و ظاہرہ عمل اور نیت کو جانتا ہے۔ لہذا مجھے ہر وقت محتاط اور گناہوں اور برائیوں سے پاک زندگی گزارنی چاہیے۔ دنیا و آخرت دونوں در حقیقت ایک ہی انسانی زندگی کے دو علیحدہ علیحدہ حصے ہیں۔
آخرت کا عقیدہ انسان کو بعض امور کا پابند کر دیتا ہے یہ امور مندرجہ ذیل ہیں:۔

1۔ انسان اس دنیا میں ایک غیر مسئول اور غیر ذمہ دار ہستی نہیں ہے بلکہ اسے اپنے تمام دنیاوی اعمال و افعال کے لئے خدا کے سامنے ایک روز جوابدہ ہونا پڑے گا۔ اس کا محاسبہ ہوگا۔

2۔ یہ دنیا کوئی مستقل اور پائیدار مقام نہیں یہاں کی ہر شے عارضی ہے اور ایک روز اس دنیا کا سارا نظام ختم ہو جائے گا۔ اور سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ اس دنیا کے خاتمہ کے بعد کائنات کا مالک ایک دوسرا عالم وجود میں لائے گا جس میں دنیا کے آغاز سے لے کر انجام تک پیدا ہونے اور مرنے والے تمام انسانوں کو بیک وقت زندہ کر کے ان کا محاسبہ کرے گا اور ان کے اچھے یا برے تمام اعمال کا عدل و انصاف کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جو لوگ نیک قرار دیئے جائیں گے وہ جنت میں جائیں گے۔ یعنی قانون مکافات عمل کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔ عیقدہ آخرت انسان کی سیرت و کردار کی تعمیر میں حیرت انگیز نفسیاتی اثر ڈالتا ہے۔ وہ اس کے ذریعے ایک پاکیزہ، شریف، دیانت دار، امن پسند، انسان دوست، فرض شناس، خداترس، ایثار پیشہ اور منصف مزاج انسان کی تعمیر کرتا ہے۔ جو اس پر یقین نہ رکھے وہ غیر ذمہ دار، جھوٹا، بدعہد، ظالم، سنگ دل انسان دشمن، بے انصاف، بد دیانت، مفاد پرست اور خود غرض انسان کے کردار کی تعمیر کرتا ہے۔ گویا اس عقیدہ سے انسان میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔

اسلام کا سیاسی نظام

اسلام کا سیاسی نظام ہر قسم کی ملوکیت و آمریت اور جبر و استبداد سے پاک مشاورت پر مبنی جمہوری نظام ہے جس میں بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کی حاکیت کو تسلیم کیا گیا ہے اور قرآن حکیم کے قوانین و احکام کو راہنما اصول قرار دیتے ہوئے کسی پارلیمنٹ یا منتخب ادارے کو ان قوانین و آئین کے خلاف کسی قسم کا قانون بنانے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اختیار حکمرانی کسی فرد، فرقے، قبیلے گروہ یا فوج کو حاصل نہیں بلکہ پوری امت یا قوم کو حاصل ہے جو آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانب دارانہ انتخابات کے ذریعے اپنا یہ حق حکمرانی اپنے منتخب نمائندوں کو تفویض کر سکتے ہیں۔ جس کا مسلمہ طریقہ حق بالغ رائے دہی کے ذریعے عام انتخابات کرا کر پارلیمنٹ یا اسمبلی کا قیام ہے۔ جو مقررہ وقت تک اپنا حق حکمرانی استعمال کر سکتی ہے اس نظام میں ہر فرد کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ اور ہر شخص کو ترقی کے مساوی مواقع حاصل ہوں گے۔

اسلام میں سیاسی نظام کے دو بنیادی اصول ہیں:-

1۔ اول یہ کہ حاکیت یعنی اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور نظام حکومت اللہ کے قانون کے مطابق چلایا جائے گا۔ کسی کو قوانین بنانے کا حق و اختیار نہیں جو بنیادی قوانین قرآن حکیم میں بیان فرما دیئے گئے ہیں۔ ان کے عین مطابق حکومت چلے گی۔ ان میں کسی کو تبدیلی یا ردو بدل کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ یہ بنیادی قوانین غیر متبدل اور مستقل ہیں جو وحی کے ذریعے قرآن میں نازل ہوئے۔ لیکن حالات اور ضروریات کے مطابق ان قوانین کی روشنی اور روح کے مطابق جزوی اور وقتی قوانین بنائے جا سکتے ہیں جو حالات کا تقاضا ہوں۔ پس اسلام کا نظام حکومت قرآن حکیم کے قوانین کے مطابق ہوگا۔ جسے حکومت اور حاکیت خداوندی کہتے ہیں۔

2۔ اسلامی نظام حکومت کا دوسرا اصول اسلامی جمہوری نظام حکومت ہے۔ اسلام میں ملوکیت، بادشاہت، آمریت، اور جبر و استبداد کے لئے کوئی گنجائش نہیں بلکہ اسلام جمہوری نظام حکومت کا حامی ہے۔ یعنی اسلامی جمہوریت میں باہمی مشورہ اور افہام و تفہیم سے تمام اجتماعی اور قومی، ملی مسائل اور معاملات کو سرانجام دیا جائے۔

نظام حکومت جمہوری یعنی باہمی مشاورت کے اصولوں کے مطابق ہوگا مگر اس بات کا فیصلہ کرنے کا عوام کو حق ہوگا کہ یہ مشاورت اور جمہوریت کا عملی نفاذ کس طرح ہو یعنی نظام حکومت صدارتی ہو یا پارلیمانی، انتخابات کیسے ہوں۔ عدلیہ، مقننہ اور انتظامیہ کا انتخاب کس طرح ہو وغیرہ۔

حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ صرف اللہ کا ہے:۔

کائنات کے اس تصور پر کہ وہی اس کا خالق و مالک ، رازق اور اس نظام کائنات اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اس کے حکم اور قانون کے مطابق ازل سے سرگرم عمل ہے اور ابد تک رہے گا اور اس میں کوئی دیگر ہستی اس کی شریک ، حصہ دار اور دخل انداز ہونے والی نہیں ہے لہذا ان معاملات میں ان کی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کے ضابطۂ حیات مقرر کرنے کا بھی صرف اس کو حق ہے ۔انسان کے سوا دیگر تمام مخلوق کائنات اللہ تعالیٰ کے حکم یعنی قانون فطرت کے مطابق مکمل عبودیت اور فرمانبرداری کے ساتھ اپنے تفویض کردہ فرائض کو ادا کرنے میں دن رات مصروف ہے اور کسی کو مجال انکار نہیں ۔ مگر انسان کو اللہ تعالیٰ نے صاحب ارادہ و اختیار بنایا ہے یعنی بعض قوانین فطرت تو ایسے ہیں کہ انسان بھی دیگر مخلوقات کی طرح ان پر عمل کرنے پر مجبور ہے ۔ سرتابی اور انکار نہیں کر سکتا مگر کچھ دنیاوی معاملات ایسے ہیں جس کے کرنے یا نہ کرنے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد چھوڑ دیا ہے ۔وہ اپنی مرضی سے آزاد ہو کر ان پر عمل کرے یا نہ کرے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کی زندگی میں مجبور نہیں کرتا

یہ اختیار اور آزادی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لئے آزمائش کے لئے ہے ۔ انسان کو کھلی چھٹی یعنی اجازت ہے کہ جس کام کو چاہے ارادہ کرے اس کو مکمل اختیار ہے کہ اپنے ارادہ اور پروگرام کے مطابق اس پر عمل کرے یا نہ کرے اس کے ارادہ اور اختیار میں کوئی مداخلت نہیں ہو گی ۔

مگر قانون مکافات عمل کے مطابق ان اعمال و افعال کا محاسبہ ہوگا ۔ان کی جزاوسزا اس دنیا میں بھی مل سکتی ہے اور آخرت میں تو ضرور ملے گی اور انسان کے اعمال کا پورا پورا اجر یا سزا دی جائے گی اور ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف ہوگا ۔ وہاں کسی کی سفارش یا شفاعت کام نہیں آئے گی ۔ قرآن کہتا ہے کہ حکم اور عمل کا حق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ۔انسانوں کو ان کی بندگی اور عبادت کرنی چاہیے ۔یہی صحیح طریقہ زندگی ہے ۔ کیونکہ حکم اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے " ۔

اللہ کے قانون لوگوں تک پہنچانے کا ذریعہ صرف اس کا رسول ہے ۔ اللہ کے احکام اور قوانین بذریعہ وحی رسولؐ پر نازل ہوتے تھے اور آپؐ یہ احکام و ہدایات لوگوں تک پہنچاتے تھے ۔ ▪ خود سب سے پہلے ان قوانین و احکام پر عمل کرتے اور نمونہ پیش کرتے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے رسول اللہؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی ۔ لہذا خدا اور رسولؐ کا حکم ہی واجب التعمیل ہے کسی اور کا نہیں۔

مغربی جمہوریت کا تصور یہ ہے کہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں اور وہ عوامی حاکمیت کو تسلیم کرتے ہیں ۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کی بنیاد مادی فلسفۂ حیات پر ہے ۔ان کی منتخب جمہوریت کا نظریہ و تصور یہ ہے کہ حق حکومت صرف عوام کو حاصل ہے اور وہ ہر قسم کے قوانین بنا سکتے ہیں ۔

قرآن کا نظریہ یہ ہے کہ حق حکومت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے ۔ طاقت کا سر چشمہ اللہ کی ذات ہے اور حکومت اللہ کے قوانین کے مطابق ہوگی جو قرآن حکیم میں ہیں اور منتخب جمہوری حکومت کو خدائی قوانین کے مطابق حکومت چلانی ہوگی ۔ حالات اور ضروریات کے مطابق قوانین بنائے جا سکتے ہیں ۔ مگر خدائی قوانین کے مطابق اس کی روح و نظریہ کے خلاف قانون بنانے کا حق اور اختیار نہیں ہوگا ۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلامی جمہوریت کی بنیاد روحانی و اخلاقی اصولوں پر استوار ہوگی اور قرآن ہی بنیادی قانون و آئین و دستور ہوگا ۔

اسلامی ریاست کا پورا نظام اس کی بنیاد و تشکیل ، سربراہ مملکت کا انتخاب اور انتظامیہ ، مقننہ اور عدلیہ کا نظام مسلمانوں کے مشورہ سے چلے گا ۔ قطع نظر اس کے یہ مشاورت بلا واسطہ ہو یا منتخب نمائندوں کے ذریعے سے نظام حکومت صدارتی ہو یا پارلیمانی قانون ساز پارلیمنٹ انتظامیہ ، مقننہ اور عدلیہ اور نظم و نسق حکومت کی کوئی بھی شکل و صورت ہو بنیادی اصول باہمی صلاح و مشورہ کے مطابق تمام امور مملکت کو سر انجام دینا ہے ۔ کسی خصوصی اختیارات ، اجارہ داری یا مطلق العنانی کی اجازت و حق نہیں ہوگا ۔ ہر شہری کے حقوق و فرائض برابر ہوں گے ۔ کوئی مراعات یافتہ خصوصی حقوق و اختیارات کا حامل ، شخص طبقہ یا خاندان و قبیلہ نہ ہوگا ۔

اسلامی ریاست کے بنیادی مقاصد

1 ۔ اسلامی ریاست کے دو بنیادی مقاصد ہوں گے ۔ اول یہ ہے کہ انسانی زندگی اور معاشرہ میں بے لاگ عدل و انصاف کا اہتمام و انتظام کیا جائے ۔ ہر ایک کے ساتھ ہر حال میں انصاف ہو ۔ کوئی شخص قانون سے بالا تر نہ ہو ۔ اور تمام افراد معاشرہ سربراہ مملکت سے غریب ترین فرد تک قانون کی نظر میں برابر ہوں کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہ ہو اور کسی فرد یا طبقہ کے خصوصی حقوق و مراعات نہ ہوں ۔ یہ کہ حکومت کی طاقت اور وسائل سے بھلائی اور نیکی کو ترقی دی جائے اور برائی کو دبایا جائے ۔ یعنی اسلامی حکومت ایک اصلاحی و فلاحی مملکت ہوگی ۔ عوام کے معاشی ، معاشرتی اور بنیادی انسانی مسائل کو حل کیا جائے گا ۔ لوگوں کی فلاح و بہبود ، ان کو بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی اہم ذمہ داریاں ہوں گی ۔

اسلامی ریاست میں مذہبی پیشواؤں یعنی تھیاکریسی کی حکومت نہیں ہوگی اور علماء و مشائخ کو کوئی خصوصی حقوق و اختیارات حاصل نہیں ہوں گے ۔ بلکہ حدود و ریاست میں رہنے والے تمام مسلمانوں کو خدا کی خلافت کا حامل قرار دیتے ہوئے سب کے حقوق و فرائض برابر ہوں گے ۔ اور خلافت الہٰی کے تمام اختیارات وہ سب مجموعی طور پر اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کریں گے ۔ قرآن کے قوانین کی تشریح اور تعبیر شریعت کا اختیار صرف منتخب پارلیمنٹ کو حاصل ہوگا ۔

اسلامی جمہوریت کا قیام

اسلامی ریاست کا نظام حکومت اسلامی جمہوری اصولوں کے مطابق چلایا جائے گا۔ مقررہ اوقات پر آزادانہ و منصفانہ انتخابات کے ذریعے عوام اپنے نمائندگان کا انتخاب کریں گے اور حکومت بنانا اس کو تبدیل کرنا عوام کے اختیارات میں ہوگا جو وہ آئین و قوانین کے مطابق عمل کریں گے یہ حکومت عوام کی ہوگی اور عوام کے مفاد کے لئے ہوگی اور عوام کے مشورہ اور تائید و حمایت سے چلے گی۔ اس کے قوانین خدا اور رسولؐ کے احکامات و ہدایات کے مطابق ہوں گے۔ جو شریعت یعنی قرآن کے اصولوں، حدود و قیود اور اخلاقی احکام و ہدایات کے مطابق ہوں گے

اسلامی نظریاتی ریاست

یہ ایک نظریاتی مملکت ہوگی۔ جس کا نظریہ قرآن کے مطابق توحید، رسالت اور روز آخرت پر ایمان اور اعمال صالح پر قائم ہوگا۔ اور اس نظام کی بنیاد روحانی و اخلاقی اصولوں پر استوار ہوگی۔

انسانی مساوات پر قائم ریاست

اسلامی ریاست نسل و قبیلہ، ذات پات، رنگ و زبان، وطنیت و قومیت اور عصبیتوں اور امتیازات سے پاک انسانی مساوات اور اسلامی اخوت کے اصولوں کی بنیاد پر قائم ہوگی۔ اس کے باشندوں کے حقوق و فرائض یکساں ہونگے۔ ریاست کے ہر شہری کو انسانیت کے اسلامی اصولوں کے مطابق سکی جان، مال، عزت و آزادی، حریت، عقیدہ اور دیگر ہر قسم کے شہری و سیاسی حقوق حاصل ہوں گے اور حکومت بلا امتیاز مذہب و ملت، نسل و قبیلہ اور ذات پات ہر ایک کے ساتھ مساوی و یکساں سلوک کرے گی۔ اور سب برابر ہوں گے۔ قانون کی نظر میں سب کا تحفظ اور سب کو ترقی کے برابر کے مواقع حاصل ہوں گے۔

خارجہ پالیسی

اسلامی ریاست کی خارجہ حکمت عملی پوری دیانت داری، غیر جانبداری، قول وقرار اور معاہدوں، کی پابندی امن و سلامتی اور بین الاقوامی عدل و انصاف، کمزور اور پس ماندہ اقوام کی تائید، حمایت محکوم قوموں کی آزادی اور حسن سلوک پر قائم ہوگی۔ معاشی و معاشرتی لحاظ سے پس ماندہ و غریب اقوام کی ترقی و خوشی حالی اور مظلوم و محکوم قوموں کی آزادی کی تحریکات میں ان کی امداد و اعانت کرنا ترقی یافتہ طاقت ور قوموں کی ہوس اقتدار، ان کے سامراجی عزائم، بالا دستی اور غریب اقوام کے استحصال اور ان کو معاشی و سیاسی طور پر اپنے ماتحت لانے کی کوشش کی مخالفت کرنا۔ الغرض دنیا میں امن و سلامتی، عدل و انصاف اور حریت و آزادی کا ماحول پیدا کرنا۔

ریاست کی بنیادی اقدار

حقوق و مراعات اور ترقی کے مواقع میں سب سے مساوات اور انصاف قانون کی حکمرانی ، نیکی میں تعاون اور بدی کی روک تھام خدا کے سامنے اور عوام کے سامنے جواب دہی اور مواخذہ کا احساس ، فرائض و ذمہ داری کا احساس و شعور ۔ تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی اور سب کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ ، یہ سب حکومت کی ذمہ داری اور فرائض ہوں گے ۔

مشاورتی نظام

جس نظام حکومت میں پوری امت شریک ہو اسے قرآن مشاورتی نظام سے تعبیر کرتا ہے ۔ ارشاد خداوندی ہے کہ " ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوں گے ۔

مغربی جمہوری نظام میں اکثریت کا فیصلہ قبول کرنا لازمی ہے ۔ مگر اسلامی مشاورتی نظام میں اکثریت و اقلیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ہر فیصلہ قرآن کے قوانین واحکام کے مطابق ہوتا ہے ۔ البتہ جزئی قوانین جو حالات اور ضروریات کے تقاضوں کے مطابق قرآن کی حدود کے اندر رہتے ہوئے بنائے جائیں یا حکومت کا نظم و نسق چلانے کے لئے معاملات خارجہ ، داخلہ اور بجٹ کی منظوری اور ارباب حکومت کے انتخابات اور ترقیاتی منصوبے وغیرہ ، تقرریوں کا معاملہ وہ لازمی طور پر باہمی افہام و تفہیم ، غور و فکر اور ملک و ملت کے مفاد کے پیش نظر متفقہ آراء یا کثرت رائے سے بھی ہو سکتے ہیں بشرطیکہ نیت نیک ہو ۔ کوئی ذاتی مفاد نہ ہو ہوس اقتدار نہ ہو ۔ خوف خدا اور قانون مکافات عمل کا احساس ہو کہ یوم آخرت اللہ کو جواب دینا ہے ۔ حق و باطل اور صحیح و غلط کا معیار اکثریت و اقلیت نہیں بلکہ خدا کی کتاب ہے ۔ نمائندگان امت کو اس کے حدود کے اندر رہتے ہوئے امور مملکت سر انجام دینے ہوں گے ۔

معیار مدارج

معاشرے میں مدارج کا تعین جو ہر ذاتی اور سیرت و کردار کی رو سے ہوگا ۔ ہر ایک کے مدارج ان کی حسن کارکردگی کی بنا پر متعین ہوں گے تم میں سب سے زیادہ واجب التکریم وہ ہوگا جو سب سے زیادہ بلند کردار ہوگا اور سربراہ مملکت امت کے مشورہ سے منتخب ہوگا ۔

مقام عدلیہ

تمام متنازعہ امور کا فیصلہ جو مملکت اور عوام یا عوام کے آپس میں ہوں گے ایک عدلیہ کرے گی اور عدالت عالیہ کا فیصلہ حرف آخر ہوگا ۔ اسلامی حکومت میں اقتدار مطلق کتاب اللہ کو حاصل ہوتا ہے ۔ لہذا عدلیہ کا ہر فیصلہ قرآن مجید کے مطابق ہوگا اور ہر شہری سے ہر حالت میں بلا تاخیر اور بلاامتیاز پورا پورا انصاف ہوگا ۔

اسلام کا معاشی نظام

موجودہ ترقی یافتہ دور میں دو قسم کے معاشی نظام دنیا کے مختلف ممالک میں رائج ہیں ۔ سرمایہ داری نظام اور اشتراکی نظام اور تیسرا اسلامی معاشی نظام ہے جو دنیا کے کسی ملک یا خطہ میں رائج نہیں ہے ۔ البتہ اس نظام میں سرمایہ داری نظام اور کیمونزم دونوں کی خوبیاں موجود ہیں ۔ کیمونزم نے انفرادی ملکیت کی نفی کر کے پیداوار کے عمل میں فرد کی دلچسپی اور مقابلے کے عنصر کو ختم کر دیا ۔ جسکے نتیجہ میں پیداوار کی مقدار اور معیار دونوں پر برے اثرات مرتب ہوئے ۔ سرمایہ دارانہ نظام نے مکمل آزادی اور مقابلے کی جو فضا پیدا کی اس کے نتیجے میں بدترین قسم کی معاشی عدم مساوات پیدا ہوئی ۔ اسلام نے انسانی فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے انفرادی ملکیت اور سرمایہ کاری کی اجازت دے دی ہے مگر ان پر پابندیوں کے باعث انہیں سرمایہ داری اور جاگیرداری کی شکل اختیار کرنے سے روکا ہے ۔ اسلام میں انفرادی ملکیت کو وہ تفوق حاصل نہیں جو مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ ہے اگر زکوۃ اور عشر سے وصول ہونے والی رقوم سے کفالت عامہ کے نظام کی ضروریات پوری نہ ہو سکیں تو حکومت سرمایہ داروں سے مزید دولت حاصل کرنے کا اختیار رکھتی ہے ۔ اسلام نے سود، مزارعت، ذخیرہ اندوزی، سٹے، منشیات، جنسی بے راہ روی کو پابند بنا دیا ہے۔ اسلام نے اخلاقی اور روحانی سطح پر معیشت کا جو تصور پیش کیا ان پر رضاکارانہ طور پر عمل کر کے اسلام کے معاشی قوانین کو معاشرے میں نافذ کیا جا سکتا ہے ۔ رسول اکرمؐ نے زندگی بسر کرنے کا جو معیار اور طریقہ دنیا کے سامنے پیش کیا وہ قیامت تک انسانیت کے لئے مثالی حیثیت رکھتا ہے ۔ اسلامی معاشی نظام کے چار اصول ہیں ۔ (1) ہر شے کا مالک خدا ہے ۔ (2) انسان جو کچھ کماتا ہے وہ صرف اس کی محنت کا پھل نہیں بلکہ اللہ کا فضل بھی ہے ۔ (3) انسان صرف اپنی ضروریات کے مطابق خرچ کرنے کا اختیار رکھتا ہے ۔ (4) ضرورت سے زائد جو کچھ ہے وہ دوسروں کا حق ہے ۔

سرمایہ داری اور سوشلزم اگرچہ بظاہر تو ایک دوسرے کی کامل ضد ہیں ۔ لیکن ان دونوں کی فکری بنیاد ایک ہی ہے ۔ یعنی مادہ پرستی اور اسلام کی بنیاد روحانیت پر ہے لہذا یہ دونوں سے بنیادی طور پر جدا ہے ۔ اسلام کی نظریاتی بنیاد کا استحکام ضروری ہے ۔ اسلام کی رو سے اصل اہمیت معاد (آخرت) کی ہے ۔ معاشی کی نہیں ۔ لیکن ساتھ ہی اسلام کے پورے نظام فکر و عمل میں عدل و انصاف کے قیام کو بڑی اہمیت دی گئی ہے ۔ سرمایہ دارانہ نظام کا مرکزی خیال یا بنیادی اصول آزادی ہے اور سوشلزم کا بنیادی تصور یا مقصد مساوات ہے ۔ اسلام کا بنیادی

اصول عدل و انصاف ہے یعنی آزادی اور مساوات کے درمیان بھی عدل و توازن قائم رہے ۔ ایک دوسرے پر غالب آکر ظلم و بے انصافی نہ بن جائے ۔ لہٰذا اسلام بھی آزادی اور مساوات کا زبردست علمبردار ہے مگر عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق مادر پدر آزادی اور اندھی مساوات نہیں ۔ اسلام نے عدل و قسط کا جو نظام مقرر کیا ہے ۔ اس میں آزادی اور مساوات ایسی دونوں اعلیٰ اقدار کو خوبصورتی سے سمو دیا ہے ۔ اسلام میں محدود سرمایہ داری یعنی ایک حد تک انفرادی ملکیت کی اجازت موجود ہے ، مگر اسے سرمایہ دارانہ نظام بنانے کی اجازت نہیں ۔ دوسری طرف اسلام کا روحانی و اخلاقی نظام ہے جس کے تحت اسلام معاشی نظام میں انسانی ملکیت کی نفی کرتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کا مالک اللہ ہے اور ضرورت سے زائد جو کچھ تمہارے پاس ہو معاشرہ کو دے دو تاکہ دیگر ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کی جائیں اور مملکت کو خوش حال اور مضبوط بنایا جائے۔

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا" قل العفو " یعنی " جو کچھ تمہارے پاس تمہاری ضروریات سے زائد ہو اللہ کی راہ میں دے ڈالو " ۔ اس کے برعکس اسلام میں آزاد معیشت کے مواقع بھی موجود ہیں ۔ قانون وراثت زکوۃ عشر اور خیرات و صدقات وغیرہ اسلام کے معاشی نظام کو اسلامی سوشلزم بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسلام کے قانونی نظام معیشت کی رو سے انسان کو اپنے مال پر حق تصرف حاصل ہے ۔ عام حالات میں صرف زکوۃ کی حد تک اس سے جبراً وصول کیا سکتا ہے اور اس کو قانونی حق حاصل رہے گا کہ وہ اپنا زائد سرمایہ کاروبار میں لگا کر مزید سرمایہ کمائے اور وراثتاً منتقل بھی کرے ۔ یہ تمام اختیارات و حقوق نظام سرمایہ داری میں بھی پائے جاتے ہیں ۔ لیکن اسلام نے اسی قانونی نظام کو بھی ایک حد کے اندر رکھا ہے تاکہ آزاد سرمایہ کاری سرمایہ داری کی ایک لعنت کی صورت اختیار کر کے انسانی معاشرہ کو تباہی اور بربادی کے راستہ پر نہ ڈال دے یعنی طبقاتی تفریق و امتیاز پیدا نہ ہو اور غریب و محنت کش اور سرمایہ دار کی طبقاتی جنگ شروع نہ ہو جائے ۔ اسلام میں زکوۃ و عشر کے علاوہ بھی امراء سے مال وصول کرو اور ان کو فقراء میں تقسیم کرو تاکہ معاشرہ میں پیدا ہونے والی ناہمواری کا سدباب ہو ۔ اسلام کا حکم ہے کہ معاشرے میں یا کسی ملک میں جو بھی ذرائع پیداوار اللہ نے تخلیق فرمائے ہیں ان کی پیداوار کی منصفانہ تقسیم ہو ۔ معاشرہ کے تمام افراد پیداوار اور دولت سے مستفید ہوں اور دولت کی گردش ہوتی رہے ۔ ارتکاز دولت نہ ہو صرف چند خاندانوں تک محدود نہ رہے بلکہ ہر شہری کا اس میں مساوی اور برابر کا حصہ ہو ۔ ہر شہری کی بنیادی ضروریات زندگی کی کفالت ریاست اپنے ذمہ لے ۔ چنانچہ آزاد معیشت بھی یہی ہے کہ ہر ایک کو اپنی محنت اور صلاحیتوں اور استعداد کے مطابق زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کا حق حاصل ہے لیکن جائز ذرائع کے اندر رہتے ہوئے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہر شہری کی بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہے ۔ بنیادی ضروریات میں روٹی کپڑا ، مکان ، علاج ، تعلیم ، ملازمت اور ذریعہ معاش وغیرہ شامل ہیں ۔

اسلام نے غریب اور امیر کے درمیان فرق و تفاوت کم کرنے کے لئے صرف زکواۃ و عشر ہی کے نظام پر اکتفا

نہیں کیا، بلکہ اس آزاد سرمایہ کاری پر حرام و حلال کی وہ حدود و قیود قائم کی ہیں جن کی موجودگی میں سرمایہ کاری سرمایہ داری نہیں بن سکتی۔

دنیا میں سرمایہ و محنت کے امتزاج سے ہی نظام معیشت چلتا ہے۔ مگر اسلام کے نظام معیشت میں زیادہ زور محنت پر دیا گیا ہے اور محنت کش کے حقوق و مفاد کو زیادہ سے زیادہ تحفظ دیا گیا ہے۔ سرمایہ کی حیثیت کم رکھی گئی ہے۔ الغرض اسلام کے نظام شریعت اور احکام دین میں سود کو بدترین برائی قرار دیا ہے۔ جس کے خلاف اللہ و رسولؐ نے اعلان جنگ فرمایا ہے۔ دراصل سرمایہ داری سود کے ذریعے ہی ترقی کرتی ہے۔ مگر اسلام نے اس کی جڑ کاٹ دی ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے اجتہاد کے ذریعے یعنی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عراق، شام، مصر اور فلسطین کی زرعی زمینیں جو انتہائی زرخیز اور آباد تھیں۔ مجاہدین اور فاتحین میں تقسیم کرنے کی بجائے ان کو حکومت کی ملکیت قرار دیا اور ان کے سابقہ کاشتکاروں کو بطور مستقل مزارعین ان پر قابض رکھا اور موروثی حق ملکیت دے کر ان سے حکومت لگان اور خراج وصول کرتی تھی اور اسی طرح اسلام کے اس بطل جلیل نے اسلام کو بدترین قسم کے جاگیر دارانہ نظام سے بچا لیا کیونکہ اگر یہ زرخیز زمینیں مسلمان مجاہدین و فاتحین میں تقسیم کر دی جائیں تو وہ سب سے بڑے جاگیردار بن جاتے اور غریب کاشتکاروں کا خون چوستے اور اسلام کو بدنام کرتے۔

قرآن کے نزدیک یہ قارونیت ہے کہ انسان اس مغالطے یا زعم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جو اسے حاصل ہے وہ اس کا اپنا پیدا کردہ ہے جیسے قارون نے کہا تھا یہ سب کچھ مجھے اپنے علم کی وجہ سے حاصل ہوا ہے یعنی یہ میرے علم و فہم، میری ذہانت، منصوبہ بندی، دور اندیشی اور محنت و جدوجہد کا نتیجہ ہے اس کا حاصل و صلہ ہے۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت کی اصل بنیاد قارونیت ہے۔ اس وقت دنیا کے کسی ملک میں بھی اسلام کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام نافذ نہیں ہے۔ اور نہ ہی حضرت عمرؓ کے بعد کبھی کسی جگہ نافذ ہوا ہے۔

اسلام عدل و انصاف چاہتا ہے۔ قرآن حکیم کے مطابق نہ اسراف کیا جائے اور نہ تبذیر یعنی بے جا اور فضول خرچ نہ کیا جائے۔ درمیانی عدل کی راہ اختیار کی جائے اور اجتماع و ارتکاز دولت کی بھی مخالفت کرتا ہے اس کا منصوبہ ہے کہ دولت گردش کرتی رہے یہ نہ ہو کہ سرمایہ دار عیش و عشرت کریں اور غریب کو بنیادی ضروریات زندگی بھی مہیا نہ ہوں۔ اسلام معاشی نظام میں پہلی شرط حلال و حرام کی پاسداری کی عائد کرتا ہے تاکہ معاشرہ انسانیت سے حیوانیت کی طرف نہ چل پڑے۔ اسلام محنت و سرمایہ کے امتزاج سے معاشی ڈھانچہ کی تشکیل کو تسلیم کرتا ہے۔

ان چند نکات کی روشنی میں اسلامی نظام معیشت کے قیام سے ایک اسلامی فلاحی معاشرہ قائم کیا جا سکتا ہے اسلام نے اموال کی ملکیت کو "تصور امانت" میں بدل دیا۔ کیونکہ ہر مال اور شے کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے۔

جو مختلف اشیاء و اموال کی ملکیت کا حق مختلف ذرائع سے عطا کرتا ہے اور یہ حق ملکیت صرف ایک "امانت" ہوتا ہے جب تک اس امانت کے تمام حقوق اور تقاضے جو دوسروں کو اس کے منافع میں شامل و شریک کرنے سے عبارت ہیں۔ صحیح طریقے سے پورے ہوتے رہیں امانت اس امین کے پاس رہتی ہے اور اس میں اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے اور اگر وہ ان حقوق کی ادائیگی میں خیانت شروع کر دے تو وہ امانت اس کے پاس رہنے کا کوئی جواز نہیں رہتا اور اسلامی حکومت اس کو واپس لے سکتی ہے۔ یعنی احکام خداوندی کے مطابق اخراجات ہوتے ہیں اور یہ تمام احکام بغیر جبر و اکراہ کے صحیح روح کے ساتھ پورے ہو رہے ہوں تو یہ ملکیت بنوی تصور کے عین مطابق ہے۔ اسی تصور ملکیت کے تحت گردش دولت کا ایسا موثر، انقلابی اور منصفانہ نظام از خود قائم ہو جاتا ہے کہ جس کے نتیجے میں معاشرے کا کوئی شخص معاشی بدحالی کا شکار نہیں ہوتا۔ اس کے جائز قانونی و شرعی حقوق کا استحصال نہیں ہوگا۔ لہذا انفاق ایک انقلابی تحریک بن کر پورے نظام معیشت و معاشرت کا رخ بدل سکتی ہے۔ اور فلاحی اسلامی معاشرے کا خود بخود قیام معرض وجود میں آ جاتا ہے۔ "انفاق" کی مختلف صورتیں ہیں۔ زکوۃ، عشر، خیرات، صدقات، وراثت، جائز اجرت، صحیح معاوضہ، فلاحی و رفاہی کاموں کے لئے چندے، عطیات وغیرہ۔

جب کسی ملک کی یہ حالت ہو جائے کہ چند افراد ملک کی تمام دولت اور وسائل پر قابض ہو کر عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہوں اور کروڑوں لوگ افلاس و تنگ دستی سے دم توڑ رہے ہوں تو عوام میں لازماً زبردست ہیجان و اضطراب پیدا ہوگا۔ اور طبقاتی کشمکش شروع ہو جائے گی جو تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔

آئیے ہم ان لادین نظریات کے پیچھے دوڑنے کی بجائے قابل عمل اور تجربہ شدہ اسلامی نظام کو اپنا کر ایک مثالی قوم بن جائیں اور اندھیرے میں بھٹکنے والی انسانیت کے لیے مینارہ نور بن کر اسے صحیح معاشی نظام سے روشناس کرائیں۔ اسلام کے معاشی نظام کے اصول صرف کتابوں میں لکھے رہنے والے ناقابل عمل اصول نہیں بلکہ ریگزار عرب ان کی تجربہ گاہ رہی ہے اور تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ جب یہ اصول برسر عمل تھے تو غربت و افلاس کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ لوگ زکوۃ اٹھائے پھرتے تھے مگر لینے والا نہیں ملتا تھا۔ دنیا کا کوئی بے رحم اور متعصب مورخ بھی اس حقیقت کا آج تک انکار نہیں کر سکا۔

کسب حلال کے ساتھ ساتھ اسلام انسان کو جائز مصارف پر دولت خرچ کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے اور اسراف و تبذیر سے روکتا ہے۔ جس کی وجہ سے دولت کا بے جا استعمال اور ضیاع رک جاتا ہے اور وہ تعمیری مقاصد کے لیے استعمال ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

"اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں"۔ اسی طرح نمود و نمائش اور عیاشی سے بھی منع کیا گیا ہے۔

اس طرح قرآنی تعلیم پورے معاشرے میں دولت کی تقسیم کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی پالیسی کے دو

بنیادی اصول " فروغ پیداوار اور دولت کی منصفانہ تقسیم " ہیں ۔ وہ ان میں کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کرتی ۔
بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں ملکیت کی حیثیت ایک امانت کی سی ہے جسے خالق کے بنائے ہوئے طریقوں کے مطابق استعمال کرنا ہے جو ایک انقلابی تصور ہے اور سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے تصور ملکیت سے بنیادی طور پر مختلف ہے ۔

اسلام کا معاشی نظام :۔

اسلامی انقلاب نے جہاں اخلاقی اقدار کو فروغ اور تقویت پہنچائی وہاں معاشی مساوات اور توازن قائم کر کے انسان کی بنیادی ضروریات کا پورا پورا اہتمام کیا ۔ انسان کی تمام دنیاوی ضروریات اور ان کے مسائل کا واحد جامع اور تسلی بخش حل پیش کیا اسلام انسان کی تمام مادی اور جسمانی ضروریات کا بہترین حل پیش کرتا ہے اور اس نے اپنے بنیادی اعتقادات میں معاش کو باقاعدہ ایک لازمی مقام دیا ہے ۔ اسلام لوگوں کی بنیادی ضروریات زندگی کا اہتمام کرنا دین کا جزو قرار دیتا ہے ۔ زکوۃ امراء سے لے کر غریبوں میں تقسیم کرنا ہر مسلمان اور حکومت پر فرض قرار دیتا ہے ۔ اور یہ انقلاب اسلامی کے نظام میں حاجت مندوں کو خدا کی طرف سے مقرر کردہ وہ حصہ ہے جو ان کا حق ہے خیرات نہیں ہے ۔ اسی طرح اسلامی معاشرہ وہ منفرد اور مثالی معاشرہ ہے جس نے معاش کو اپنے مذہبی اخلاقی اصولوں میں شامل کیا ہے اور امراء و سرمایہ داروں سے ایک مقررہ شرح کے مطابق رقم وصول کر کے غریبوں مسکینوں ، بیواؤں ، قیدیوں ، بے سہارا ، محتاجوں ، معذوروں ، یتیموں ، مسافروں اور لاوارثوں کا حصہ قرار دیا ہے ۔ اسلامی انقلاب نے لوگوں کے بے شمار سیاسی ، معاشی ، معاشرتی ، سماجی ، انفرادی اور اجتماعی مسائل حل کیے اور خصوصاً معاشی مسئلہ کا بہترین حل پیش کیا ۔ جب حضورؐ نے اسلامی تحریک کا آغاز کیا تو آپ کا ساتھ دینے والوں میں بیشتر مساکین ، غریب ، غلام اور مالی لحاظ سے پسماندہ لوگ تھے اور یہی حالت سابقہ انبیاء کرام کے دور نبوت میں بھی پیش آچکی تھی ۔ سرمایہ داروں اور خوش حال لوگوں نے عموماً ساتھ نہ دیا ۔

معاشی نظام :۔

آنحضرتؐ نے اسلامی معاشرے میں ایسا متوازی ، معتدل ، عادلانہ اور ہر قسم کے استحصال سے پاک صاف ، منصفانہ معاشی نظام قائم کیا تھا ۔ جس کے نتیجے میں طبقاتی کشمکش ، معاشی استحصال ، معاشی گروہ بندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ۔ ہر شخص کا بنیادی حق تھا کہ اس کی بنیادی ضروریات زندگی روٹی ، کپڑا ، مکان ، تعلیم ، علاج اور روزگار مہیا کیا جائے ۔ ان بنیادی حقوق کے حصول کے لیے کسی کو ذلیل و رسوا اور بے ضمیر نہ کرنا پڑے ۔ اس کی خودداری اور عزت نفس مجروح نہ ہو اور اس مقصد کے حصول کے لئے بنیادی اصول طے کر دیے گئے اور سب کے حقوق متعین کر دیئے گئے ۔

فرد کی آزادی کو تسلیم کیا گیا اور تمام افراد معاشرہ کو مساوی سیاسی، معاشی و معاشرتی حقوق دیے گئے، جنہیں بنیادی انسانی حقوق کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

اسلام نظام معیشت میں آزادی مساوات اور عدل و انصاف تینوں اقدار کا برابر خیال رکھتا ہے۔ اسلام نے ہوس دولت اور ہوس اقتدار کی شدید مخالفت کی ہے۔ اسلام جائز طریقوں اور جائز ذرائع سے مال و دولت کمانے کی اجازت دیتا ہے۔ یعنی اپنی محنت و مشقت، اہلیت و قابلیت اور خداداد صلاحیتوں اور استعداد کے مطابق جائز طریقوں سے کماؤ مگر ساتھ ہی اپنی محنت سے کمائی ہوئی حلال دولت کو جائز طریقوں اور جائز ضروریات کے مطابق خرچ کرو۔ اسراف، فضول خرچی، نمود و نمائش اور عیاشی و تماشبینی کی اجازت نہیں ہے۔ اسلام کے نظام معیشت کے بنیادی اصول زکوۃ کی ادائیگی اور سود کی سخت ممانعت ہے۔ بلکہ قطعی حرام قرار دیا ہے۔

یہ اسلامی انقلاب کا متوازن، منصفانہ، معتدل اور عدل و انصاف پر مبنی معاشی نظام ہے۔ جس میں آزادی بھی ہے اور مساوات بھی، عدل و انصاف بھی ہے اور زیادہ سے زیادہ پیداوار بڑھانے، ایجادات و اختراعات کرنے اور ملک کی ترقی و خوشحالی میں حصہ لینے اور ذاتی معیار زندگی بلند کرنے کا ذوق و شوق اور آزادی بھی ہے۔

اسلام کے معاشی اصولوں کا مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں انتہا درجہ کی معاشی ناہمواری پیدا نہ ہو۔ کوئی مخصوص طبقہ دوسروں کا استحصال نہ کرے۔ ہر ایک کے ساتھ معاشی انصاف ہو۔ کوئی مراعات یافتہ طبقہ پیدا نہ ہو جس کا ذرائع پیداوار اور ملکی دولت پر قبضہ اور اجارہ داری ہو۔ عوام خوش حال اور فارغ البال ہوں۔ اسلام کے اقتصادی نظام کے نفاذ سے سرمایہ داری خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ اور سرمایہ داری کے خاتمہ سے اشتراکیت بھی اپنی طبعی موت مر جاتی ہے۔ کیونکہ اشتراکیت سرمایہ داری کا رد عمل ہے۔ اگر یورپ میں سرمایہ داری نہ ہوتی تو اشتراکیت پیدا ہی نہ ہوتی۔ انتہا کا رد عمل انتہا ہی ہوتا ہے۔ ایک انتہا سرمایہ داری ہے اور اس کا رد عمل دوسری انتہا اشتراکیت ہے۔ اشتراکیت انسان کو روٹی دے کر اس سے سب کچھ چھین لیتی ہے۔ جو اس کا بحیثیت انسان کے فطری حق ہے یعنی اس کی انسانیت اس کا احترام، تکریم، آزادی، حریت اور انسانی وقار وغیرہ۔ سرمایہ داری انسان کا معاشی استحصال کر کے اس کو خداداد صلاحیتوں سے محروم کر دیتی ہے۔

انسان کے معاشی مسئلہ کا حل نہ سرمایہ داری میں ہے نہ اشتراکیت میں اس کا بہترین منصفانہ اور عادلانہ حل صرف اسلام کے نظام معیشت میں ہے۔

اسلام حسن اخلاق اور حسن سیرت کو زندگی کی اساس قرار دیتا ہے۔ اسلام معاش و معاد کے امتزاج اور دین و دنیا کی ترکیب سے ایک ایسا متوازن، صالح، پاکیزہ اور منصفانہ نظام معاشرت و معیشت قائم کرتا ہے۔ جس میں نہ سرمایہ داری فروغ پا سکتی ہے اور نہ ہی اشتراکیت کے لئے کوئی گنجائش ہے۔

اسلام کا معاشرتی نظام

اسلام نے معاشرت کے جو اصول وضع کیے ہیں وہ نہایت وسیع اور ہمہ گیر بنیادوں پر استوار کیے گئے ہیں۔

1۔ اسلام نے معاشرتی تعلیمات میں سب سے زیادہ اہمیت عقیدہ و خیال اور نصب العین و مقاصد کی ہم آہنگی کو دی ہے۔ دو مختلف انسانوں کے درمیان تعلقات اس وقت استوار ہو سکتے ہیں یا قائم رہ سکتے ہیں جب ان کے درمیان عقیدہ و خیال اور عمل و کردار کا اتحاد پایا جاتا ہو۔ اس لئے قرآن نے انسانی سوسائٹی کو صرف دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ مومن اور کافر۔

"مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔" بے شک مومن بھائی بھائی ہیں"۔

بلاشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔" اس شرف و فضیلت میں قرآن کی رو سے مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔

2۔ مرد اور عورت کے باہمی تعلق سے ایک خاندان کی بنیاد پڑتی ہے (خاندان اسلامی معاشرے میں ایک اہم اور مستقل یونٹ قرار پاتا ہے اور اس کی تشکیل رشتہ ازدواج سے ہوتی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے رشتہ ازدواج معاشرتی زندگی کی اولین بنیاد ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ مسلم معاشرے میں نکاح کو سہل بنایا جائے۔ رنگ نسل، زبان اور جغرافیائی حالات کو نظر انداز کر کے اسلام نے نکاح کی وسیع سہولتیں فراہم کی ہیں۔ چند مخصوص قریبی رشتہ دار عورتوں اور مشرکات کو چھوڑ کر باقی تمام عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا گیا۔ اگر ازدواجی زندگی میں کشیدگی ہو تو مرد کے لیے طلاق اور عورت کے لئے راستہ کھلا رکھا گیا ہے۔

3۔ خاندان کی تنظیم کے بعد اسلام نے تمام رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ صلہ رحمی میں تمام رشتہ دار شریک ہیں۔ اس دائرے میں ایک خاندان سے آگے بڑھ کر کئی خاندان شریک ہو جاتے ہیں جن میں باہمی خونی تعلق ہوتا ہے یا رشتے ناطے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے ایک خاندان کے افراد کے باہمی تعلق کے لیے احسان کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس کے بعد حکم دیا ہے کہ اپنی خوشیوں میں ذوالقربیٰ کو یاد رکھا جائے۔" والدین اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرو"۔

4۔ ایک خاندان اور اس کے ہمسایہ خاندان کے تعلق کا مرحلہ آتا ہے۔ اس میں ہمسایہ اہل محلہ اور جان پہچان والے دوسرے لوگوں کا باہمی تعلق سامنے آتا ہے۔ قرآن کریم نے ہمسائے سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور یہی

حکم ان لوگوں کے بارے میں بھی ہے جن سے معمولی میل جول ہو ۔ اس دائرے میں اہل محلہ آجاتے ہیں " اور احسان کرو ہمسایوں ، اجنبی ہمسایوں ، پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں کے ساتھ " ۔ اہل محلہ کے لیے مسجد کو پورے محلے کا محور بنایا گیا ہے ۔ جہاں وہ پنج وقتہ نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں ۔ ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں اور باہم خوشیوں اور غم و درد میں شریک ہوتے ہیں ۔

5۔ معاشرے کے اندر نادار ، اپاہج ، یتیم اور بیوہ افراد کی نگہبانی کو ضروری قرار دیا گیا ہے ۔ سورہ الماعون میں کہا گیا ہے کہ " وہ شخص خوف آخرت نہیں رکھتا جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے اور ناداروں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا " اور دوسری جگہ ہے " ان کے اموال میں سائل اور نادار کا حق ہوتا ہے ۔ " اس مقصد کے لیے شریعت نے زکوٰۃ اور صدقات کو مشرع قرار دیا اور حکم ہوا کہ " یہ فقراء و مساکین کا حق ہے ۔ بے شک صدقات فقراء و مساکین کے لئے ہیں " ۔

6۔ غرض اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیاد عالمگیر انسانی برادری رنگ و نسل کے بجائے عقائد و اخلاق ، خاندانی نظام کی مضبوطی ، جنسی تعلقات کے انضباط ، مرد اور عورت کے دائرہ کار کی علیحدگی اور عام انسان دوستی کے جذبات اور اصولوں پر رکھی گئی ہے ۔

شریعت نے قرآنی نظام معاشرت کی اولین بنیاد ، خاندان کو اس حد تک مضبوط کیا ہے کہ مسلمانوں میں خاندانی نظام اور خاندان کی گرفت آج تک مضبوط ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کے سیاسی ، معاشی ، قانونی اور تعلیمی نظام کے اضمحلال کے باوجود اسلامی معاشرہ کسی قدر زندہ ہے ۔

اے لوگوں ! ہم نے تم کو پیدا کیا ہے ایک مرد اور عورت سے اور تم کو مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو ۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے ۔ یقیناً اللہ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے " ۔

(القرآن حکیم)

" اے لوگو ! تم سب کا رب ایک ہے اور تم سب ایک باپ کے بیٹے ہو ، کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر ، کسی گورے کو کسی کالے پر ، نہ کسی کالے کو کسی گورے پر ، سوائے اس کے کہ اس کو اللہ کا ڈر ہو ۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے " ۔

(محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واسلم)

انسانی سماج میں آزادی و مساوات کی آبیاری میں اسلام کا کردار آفاقی اور بین الاقوامی ہے ۔ جس کے لیے انتہائی مضبوط اصول اور بنیادیں فراہم کرتا ہے ۔ وہ صرف اخلاقی ترغیبات ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کے لئے

مکمل قانونی تحفظات عطا کرتا ہے ۔ اسی کا نتیجہ تھا جو نا برابری کے تمام عوامل کا خاتمہ کر کے اس نے اپنے ماننے والوں کی ایک عالمگیر برادری تشکیل دی اور اخوت و مساوات کا ایسا نمونہ قائم کیا جو رہتی دنیا تک کے لئے ایک مینارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے ۔

مساوات کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے سارے انسان چونکہ پیدائشی طور پر یکساں ہیں، اس لئے انہیں یکساں حقوق و اختیارات بھی حاصل ہونے چاہیں ۔ اس لئے کہ مساوات کے ساتھ ان کا ربط اتنا گہرا ہے کہ ان کے بغیر مساوات کے تصور کی تکمیل نہیں ہوتی ۔

حقوق انسانی کا وہ عالمی اعلامیہ جس کا 10 دسمبر 1948 ۔ کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی طرف سے اعلان کیا گیا ۔ جس کے اندر انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ دنیا کی اٹھاون حکومتوں کی طرف سے اس طرح کی کوئی چیز سامنے آئی ۔ چنانچہ اس کی پہلی دفعہ یہ تھی کہ دنیا کے تمام انسان پیدائشی طور پر آزاد اور یکساں مقام اور شرف و منزلت اور حقوق میں سب کے سب برابر ہیں ۔ عقل و فہم اور ضمیر ہر ایک کو یکساں طور پر عطا کیا گیا ہے اور ہر انسان کو چاہیئے کہ دوسرے کے ساتھ اخوت اور بھائی چارے کا معاملہ کرے ۔

اسلام کا تصور مساوات

اسلام نے مساوات و برابری کا جو تصور پیش کیا ہے وہ کسی حالات کی پیداوار نہیں ہے ۔ اسی طرح وہ ابنائے معاشرہ کی کسی ایسی آویزش، یا حکمران اور عوام کی کشمکش کا نتیجہ نہیں ہے ۔ بلکہ یہ آزادی و مساوات اور اخوت و بھائی چارے کا ایک عالمگیر پیغام ہے ۔ جو رنگ و نسل زبان و علاقائیت اور قومیت و وطنیت کے تمام جھوٹے امتیازات کو مٹا کر پوری انسانی برادری کو ایک خاندان اور ایک کنبہ قرار دیتا ہے اور پوری دنیائے انسانیت کو آزادی و مساوات کے حقوق عطا کرتے ہوئے انہیں اخوت و بھائی چارے کی ایک کڑی میں پرو دیتا ہے اس تصور کا سب سے پہلا امتیاز یہ ہے کہ کسی فلسفی کے تخیل کی بلند پروازی یا کسی مصلح کی دماغ سوزی کا نتیجہ نہیں ہے ۔ بلکہ یہ وہ تعلیم ہے جو خالق ارض و سماء کی عطا کردہ ہے ۔ جس نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کی حیثیت و حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے اور اس کے رجحانات و میلانات کا گہرا علم رکھتا ہے ۔ دوسری بات یہ کہ اسلام نے غیر مبہم انداز میں صرف اس اخوت و مساوات کی تعلیم دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس کے لئے دائمی اور غیر متبدل بنیادیں فراہم کی ہیں ۔ جس کے نتیجہ میں انسانوں کی اپنی طرف سے رنگ و نسل اور زبان و علاقائیت وغیرہ کی بنیاد پر تیار کی گئی دیواریں زمین بوس ہو جاتی ہیں اور انسان اور انسان کے درمیان ان غیر فطری امتیازات کی بنا پر تفریق و انتشار اور فساد فی الارض کی تمام کوششوں پر پانی پھر جاتا ہے ۔ تیسری خاص بات یہ ہے کہ اسلام کی یہ تعلیمات اور یہ اصول محض صفحہ قرطاس کی زینت نہیں ہیں ۔ بلکہ اسلام نے ان اصولوں کی بنیاد پر

عملی طور پر ایک عالمگیر برادری کی تشکیل کی ہے ۔ جو رنگ و نسل اور زبان و علاقائیت کی بنیاد پر کی جانے والی ان تمام جھوٹی تفریقات سے بالکل نا آشنا ہے ۔ آج سے چودہ سو سال قبل جزیرۃ العرب میں نبی عربیؐ کی زیر سرپرستی اس عالمگیر برادری کی تشکیل ہوئی اور اس وقت سے لے کر آج تک ہر دور اور ہر زمانے میں اور ہر خطہ ارض میں بلا استثناء اس عالمگیر اخوت و مساوات کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے ۔

" اے لوگو! ہم نے تم کو پیدا کیا ہے ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے ۔ تم کو مختلف قومیں اور قبیلے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو ۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے ۔ بے شک اللہ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے " ۔ (قرآن)

قرآن مجید میں پوری وضاحت کے ساتھ اور بالکل دو ٹوک انداز میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے تمام انسانوں کی اصل ایک ہے اور اپنی پیدائش کے لحاظ سے پوری بنی نوع انسان یکساں شرف و منزلت کی حامل ہے ۔ اسی طرح عملی و فکری قوتوں میں تمام انسانی طبقات یکساں ہیں اور بذات خود کوئی نسل کسی سے برتر اور فائق تر نہیں ہے ۔ قرآن کی بیان کردہ ان بنیادوں کو ہم درج ذیل سات عنوانات میں تقسیم کرتے ہیں ۔

1۔ تمام انسان ایک آدم و حوا کی اولاد ہیں :۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے قرآن اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ تمام انسانوں کی اصل ایک ہے اور تمام انسان ایک ہی آدم کی اولاد ہیں ۔ اس بنا پر انسان اور انسان کے درمیان کسی فرق و امتیاز کا سوال پیدا نہیں ہوتا ۔

2۔ تمام انسانوں کا مادہ تخلیق ایک ہے :۔

جس طرح تمام انسانوں کی اصل ایک ہے ۔ اسی طرح ان کا مادہ تخلیق بھی ایک ہے ۔ یعنی یہ کہ دنیا کے تمام انسان ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں ۔ پس اس پہلو سے بھی کسی انسان کو دوسرے انسان پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہے ۔

تمام انسانوں کی تخلیق یکساں توجہ و اہتمام سے ہوئی ہے :۔

پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک ہی مادے سے پیدا کیا ہے ، اسی طرح ان کی صورت گری اور ان کی تہذیب و آرائش میں بھی یکساں اہتمام اور توجہ سے کام لیا ہے ۔ پس اس پہلو سے بھی کسی طبقہ انسانیت کو یہ کہنے کا اختیار نہیں کہ دوسرے انسانوں کے مقابلے میں اسے کسی قسم کی فوقیت و برتری حاصل ہے ۔

4۔ عہد بندگی میں تمام انسان شامل ہیں :۔

پھر اس مادی اشتراک کے ساتھ معنوی اشتراکیت بھی تمام انسانوں کو حاصل ہے قرآن کہتا ہے کہ روز اول

میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کی ذریت سے جو عہد لیا تھا تو اس میں بھی کسی خاص نسل انسانی کی تخصیص نہ تھی بلکہ بندگی کا یہ عہد تمام انسانوں سے لیا گیا تھا اور تمام انسانوں نے اس کا اقرار کیا تھا۔

5۔ خلافت کی ذمہ داری تمام انسانوں کو یکساں طور پر عطا کی گئی ہے:۔

قرآن کے نزدیک جس طرح اللہ کی بندگی کا اقرار تمام انسانوں نے مل کر کیا ہے اور پوری نوع انسانی نے مل کر اس کی بندگی اور غلامی کا عہد باندھا ہے۔ اسی طرح اللہ نے خلافت کی جو ذمہ داری انسانوں پر عائد کی ہے اس کا خطاب ہر انسان سے ہے۔ اللہ نے زمین پر انسان کو اپنا نائب بنایا ہے اور اس کو حکم دیا ہے کہ خلافت کی اس ذمہ داری میں پوری نوع انسانی شامل ہے۔ اس میں کسی ایک نسل کی مخصوص طور پر اجارہ داری نہیں ہے۔

6۔ تمام انسان مقدم ہیں:۔

اس کے ساتھ ہی قرآن اس حقیقت کا بھی اعلان کرتا ہے کہ اللہ کی نظروں میں دنیا کے تمام انسان یکساں شرف و منزلت کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شرافت و بزرگی کسی ایک طبقہ و انسانیت کے لئے خاص نہیں رکھی ہے۔ بلکہ پوری نوع انسانی کو اس شرف و منزلت سے یکساں طور پر نوازا ہے۔

7۔ علمی و فکری قوتوں کی یکسانی:۔

اس کے ساتھ ہی قرآن اس باطل تصور کی بھی نفی کرتا ہے کہ مثال کے طور پر کوئی نسل انسانی مخصوص طور پر علمی و فکری قوتوں کی اجارہ دار ہے یا یہ کہ کوئی نسل بالذات علمی و فکری قوتوں میں کسی دوسری نسل سے فروتر ہے۔ قرآن کے نزدیک یہ علمی و فکری قوتیں پوری نوع انسانی کو بحیثیت نوع کے حاصل ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے روز اول ہی میں یہ صلاحیت حضرآدمؑ کو عطا کر دی تھی اور وہیں سے منتقل ہو کر یہ چیز دوسرے انسانوں کو پہنچتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی قرآن اس حقیقت کا بھی اعلان کرتا ہے کہ ان علمی و فکری صلاحیتوں کے سلسلے میں اللہ کا فیضان بالکل عام ہے۔ اس نے اس کے لئے کسی نسل یا قوم کی تخصیص نہیں کی ہے۔ بلکہ اسے "الانسان" یعنی بحیثیت نوع کے انسان کو نوازا ہے۔

بنائے فضیلت تقویٰ:۔

آیت کریمہ کا آخری حصہ شرافت و بزرگی کے سلسلے میں ایک نیا انقلابی اصول پیش کرتا ہے۔ یہ اخلاقی فضیلت کا اصول ہے جس کا حصول ہر انسان کے بس میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرافت و بزرگی کا حاصل وہ شخص ہے جو اس سے ڈرنے والا ہے۔ جو اس کے اوپر عمل کرنے والا اور اس کے منہیات سے اجتناب کرنے والا

ہے ۔ اللہ کا تقویٰ اور اس کی حیثیت کا یہ وصف جس انسان کے اندر جس قدر بڑھا ہوا ہوگا اسی نسبت سے اللہ کے نزدیک شرافت و بزرگی کا حامل قرار پائے گا ۔ اخلاقی فضیلت کا یہ اصول ان تمام امتیازات کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ہے جسے دور قدیم سے لے کر آج تک رنگ و نسل اور ذات پات کی بنیادوں پر روا رکھا جاتا ہے ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی آبادی میں رنگ و نسل کے اختلاف کی صورت میں جو مختلف طبقات قرار دیے ہیں اور انسانوں کو بے شمار قوموں ، قبیلوں اور برادریوں میں بانٹ رکھا ہے تو اس کا مقصد جیسا کہ پہلے بھی اسکی تفصیل بیان کی گئی ، صرف آپس کا تعارف اور پہچان ہے تاکہ انسانی زندگی کی تنظیم میں سہولت و آسانی ہو ۔ اس تقسیم کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ کوئی قوم یا کوئی نسل بجائے خود اللہ کی نظروں میں دوسروں سے اعلیٰ و اشرف ہے اور اپنی زندگی میں خواہ اس کا رویہ کچھ بھی ہو افضلیت کا سرٹیفکیٹ اسے بہر حال حاصل رہے گا ۔ آیت کریمہ کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی کسی غیر اختیاری فضیلت کا قائل نہیں ۔ اس کی نظروں میں بحیثیت انسان تمام برابر ہیں ۔ اس نے تمام انسانوں کو ایک مٹی سے پیدا کیا ہے اور سب کے سب ایک ہی آدم و حوا کی اولاد ہیں ۔ پس اس حیثیت سے نہ کسی گورے کو کسی کالے پر فضیلت ہے نہ کسی کالے کو کسی گورے پر ۔ نہ کوئی عربی کسی عجمی سے اونچا ہے نہ کوئی عجمی کسی عربی سے ۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی انسان کے لئے فضیلت و بزرگی کا کوئی معیار تسلیم کرتا ہے تو تقویٰ اور خشیت الہیٰ کا وہ اختیاری عمل ہے جسے ہر انسان حاصل کر سکتا ہے اور اس میں اونچے مرتبے تک پہنچ سکتا ہے ۔

حضورؐ نے تئیس سال کی قلیل مدت میں اسلامی نظام کو نافذ کر کے ثابت کر دیا کہ یہ نظام قابل عمل اور انسانیت کے لئے بہترین نظام زندگی ہے ۔ جب اسلام کا بے مثال نظام حکومت قائم ہوگیا تو اس نے اخلاق فاضلہ اور مستقل اقدار خداوندی کے مطابق ایسا پاکیزہ اور انسان دوست معاشرہ تشکیل دیا ۔ جس کی بنیاد نفس پرستی ، خود غرضی اور ظلم و جبر کی بجائے خدا ترسی ، تقویٰ ، پرہیزگاری ، حق پرستی ، ضبط نفسی اور خلق خدا کی خدمت کا جذبہ پیدا کرتا ہے ۔ وہ اعلیٰ سیرت و کردار کی تعمیر اور برائیوں و بداعمالیوں سے منع کرتا ہے ۔ جب ایسا پاکیزہ با اخلاق اور اعلیٰ سیرت و کردار کا حامل معاشرہ معرض وجود میں آجائے تو اس کی قوت تسخیر تمام عالم کو اپنے قبضہ و اختیار میں لے آتی ہے ۔ وہ کائنات پر حکومت کرتا ہے ۔ اس اسلامی معاشرہ کی قوت کے ذریعے اسلام کو عالمگیر انسانیت کا دین بنایا گیا ۔ قیصر و کسریٰ کی عالمی حکومتوں کو شکست فاش دی گئی اور اس اخلاق و کردار کے حامل مسلمان کو عالم انسانیت کا راہنما اور امام بنایا گیا ۔ اخلاق فاضلہ کی تمام خوبیوں میں باہمی خلوص ، ہمدردی ، خیر خواہی ، خیر سگالی ، امن پسندی ، محبت و رواداری اور حریت و آزادی سے اجتماعی قوت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ ملت و معاشرہ بنیان مرصوص بن کر دشمن کے لئے ناقابل تسخیر قلعہ بن جاتا ہے ۔

اخلاق فاضلہ میں دوسرا اہم فریضہ عدل و انصاف ہے ہر ایک سے اور ہر حال میں انصاف کیا جائے معاشرے کے ہر فرد کے حقوق خواہ وہ معاشرتی ہوں یا معاشی ۔ سیاسی ہوں یا اخلاقی ہر لحاظ سے اس کی ضرورت ، حیثیت اور

صلاحیت کے مطابق ادا کئے جائیں۔ ہر ایک کو اس کا حق دیا جائے۔

اخلاق فاضلہ کی پرورش اور اہتمام اسلامی انقلاب کا موثر ہتھیار ہے۔ اس کی بنیاد خدا پرستی اور آخرت کی جوابدہی کا شعوری احساس ہے۔ اسی طرح اخلاق رذیلہ انسانی کردار کو ذلیل وخوار اور ناکام کر دیتا ہے اور اس کی انسانیت اور روحانیت دونوں کو کچل دیتا ہے اور انسان، حیوان بلکہ شیطان بن جاتا ہے۔

عدم مساوات:۔

1۔ نا برابری کے دائمی عوامل میں سب سے مقدم خاندان، حسب ونسب، نسل و قبیلہ اور ذات برادری کے امتیازات وتعصبات ہیں۔ اسلام نابرابری کے اس قوی ترین عامل کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اس حسب و نسب و خاندان کی بلندی و پستی کا خدا کی نظر میں کوئی جواز نہیں۔ قیامت کے دن یہ نسل و قبیلہ اور نسب و خاندان کے امتیازات کسی کام نہیں آئیں گے اور ہر ایک کی قسمت کا فیصلہ اس کے اعمال کے مطابق ہوگا۔

2۔ خاندان اور نسب کی طرح رنگ و زبان کا اختلاف بھی کوئی وجہ افتخار یا باعث فضیلت نہیں یہ جغرافیائی عوامل کا نتیجہ ہیں۔

3۔ علاقیت وطنیت اور قومیت کی بھی اسلام کی نظر میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ یہ اللہ کی مشیت کے مطابق لوگ مختلف علاقوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ بحیثیت انسان اس میں کوئی فرق نہیں۔

4۔ پیشہ وحرفت بھی وجہ تفاخر یا اختلاف نہیں ہو سکتے۔

5۔ عصبیت کے خلاف اسلام کی جنگ، ذات پات و وطنیت، حسب و نسب اور خاندان و خانوادہ وغیرہ کے یہی عوامل ہیں جن کے بطن سے یہ عصبیتیں وجود میں آتی ہیں۔ جس کے نتیجہ میں انسان حق و ناحق کے امتیازات سے عاری ہو کر صرف اپنے طبقۂ انسانیت کی حمایت کرتا ہے اور اس کے لئے لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

جناب رسول اللہؐ نے فرمایا" وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے۔ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کے لئے جنگ کرے اور ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر جان دے"۔ عصبیت کی جڑیں عرب کے سماج میں بہت گہری تھیں چنانچہ اسلام لانے کے بعد لوگوں کے اندر اس کے اثرات موجود تھے۔ آنحضرتؐ نے ایک ایک کر کے ان عصبیتوں کا خاتمہ کیا اور زندگی کے ہر میدان میں اسلام کی برتری قائم کرائی۔ آپؐ نے فرمایا" جو جاہلیت کا نعرہ بلند کرے وہ جہنم کا ایندھن ہے"۔ اس کے علاوہ جاہلیت کی زندگی میں فخر و مباہات کے جو عوامل ہیں۔ حضورؐ نے فتح مکہ کے روزان سب پر خط تنسیخ پھیر دیا اور اپنے پاؤں کے نیچے کچل دیے۔ صرف حاجیوں کو پانی پلانا حضرت عباسؓ کے ذمہ اور کعبہ کی کلید برداری جناب عثمانؓ بن طلحہ کے پاس رہنے دی۔

اسلام ان تمام عوامل کا خاتمہ کر دیتا ہے جو کسی پہلو سے بھی انسانی سماج میں اونچ نیچ اور نا برابری و عدم

مساوات کا موجب بنتے ہیں ۔ اسلام نے جہاں معاشرتی سطح پر تمام مسلمانوں کو یکساں مقام عطا کیا ہے وہاں شہریت کے حقوق میں بھی تمام مسلمانوں کو بلا لحاظ رنگ و نسل، ذات برادری، قوم و قبیلہ اور علاقہ و وطنیت کے سب کو برابر کے حقوق شہریت عطا ہوئے ہیں ۔ ان حقوق میں جان و مال کا تحفظ، عزت و آبرو، عدل و انصاف، حریت و آزادی، امن و سلامتی، خرید و فروخت و معاہدات، آزادی رائے و آزادی ضمیر ظلم کے خلاف تحفظ، عدالت کے قانونی تحفظات اور یکساں عدل و انصاف، مدعی و مدعا علیہ کے درمیان مساوات وقصاص و دیت کے سلسلہ میں بھی مساوات عام انسانی زندگی میں اسلام نے پس ماندہ طبقہ انسانیت کو شرف و منزلت کا باعزت مقام یکساں طور پر عطا فرمایا ہے۔

اسلامی ضابطہ اخلاق

عالمگیر انسانیت کا تصور

قومیت و وطنیت کے انسانیت سوز تصور کے خلاف قرآن حکیم کا پیش کردہ بنیادی تصور یہ ہے کہ انسانیت ایک غیر منقسم وحدت ہے اور اسے مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کرنا دنیا میں سب سے بڑا جرم ہے۔ وحدت خالق کا تصور قرآنی تعلیم کا سنگ بنیاد ہے اور اس نے ساری دنیا کو پکار کر کہا ہے کہ یاد رکھو! پوری نوع انسانی ایک امت، ایک قوم اور ایک عالمگیر برادری ہے۔ تمہاری تخلیق اور بعثت ایک فرد کی تخلیق و بعثت کی مانند ہے۔ جو تعلیم خدا کی طرف سے آتی رہی اس کا مقصد عظیم نوع انسانی کی وحدت کو برقرار رکھنا تھا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی شدید مخالفت کی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو فرمایا کہ وہ مکہ میں ایسے مرکز کی بنیاد رکھیں جو "عالمگیر انسانیت کا گھر" قرار پائے۔ یہ گھر تمام انسانیت کے مرکز اور مفاد کے لئے بنایا گیا تھا۔ یہ کعبۃ اللہ جو مکہ میں تعمیر کیا گیا تمام اقوام عالم کی راہ نمائی کے لئے روشنی کے مینار کا کام دیتا تھا۔ جب کعبہ کو تمام نوع انسانی کا گھر قرار دیا گیا تو اس سے مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے نظام کا تصور دیا جو عالمگیر انسانیت کو محیط ہو۔ پس قرآنی نظام کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ یہ نظام قومی، وطنی، نسلی، لسانی اور مذہبی وغیرہ گروہ بندیوں کے تصور سے بلند ہو کر عالمگیر انسانیت کے مفاد کلی کی خاطر قائم کیا جاتا ہے۔ اور جس جماعت مومنین کے ذریعے اس کا قیام عمل میں آتا ہے۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ "تم ایک بہترین امت ہو جسے نوع انسانی کے فائدے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے اور اس امت کے حصہ میں حضرت ابراہیم کی طرح نوع انسانی کی امامت آجائے گی۔ اس نظام میں قرآن شروع سے آخر تک "الناس" کا ذکر کرتا چلا جاتا ہے۔

یہ دنیا میں پہلا نظام ہے جو نوع انسان کے عالمگیر مفاد کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ اس نظام کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ "اگر اللہ ایسا انتظام نہ کرے کہ بعض لوگوں کے ذریعے دوسرے لوگوں کو ظلم و تعدی سے باز رکھے تو یقیناً راہبوں کی خانقاہیں، عیسائیوں کے گرجے، یہودیوں کی عبادت گاہیں اور مسلمانوں کی مساجد جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے منہدم کر دی جائیں"۔ اس مقصد کے لئے اللہ ایسی جماعتوں کو تیار کرتا ہے جو سینہ سپر ہو کر تمام اہل مذاہب کی پرستش گاہوں کی حفاظت کریں جو جماعت اس طرح "اللہ کی مدد" کرتی ہے۔ اللہ اس

کی ضرور مدد کرتا ہے۔ اللہ بڑی قوتوں اور غلبہ کا مالک ہے۔

قرآنی نظام حکومت کی عمارت "عدل و احسان" کے غیر متبدل اصولوں پر استوار ہوتی ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ "خدا تمھیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے"۔ اگر عدل کا فیصلہ تمھاری اپنی ذات کے خلاف جاتا ہے تو بھی عدل کرو۔ اس قرآنی نظام میں قیام عدل کا فریضہ عالمگیر حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا فریضہ یہ بھی ہے کہ دنیا میں اس کے لئے اگر تلوار اٹھانی پڑے تو اٹھاؤ یعنی جنگ کی نوبت آجائے تو حق و انصاف کے لئے میدان میں کودنے سے دریغ نہ کرو۔ تلوار بنائی ہی اسی مقصد کے لئے ہے یعنی حق و عدل کی حفاظت کے لئے الغرض اسلامی نظام میں جنگ کی اجازت

1۔ ہر مذہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت

2۔ نظام حق، عدل و انصاف کا تحفظ

3۔ دنیا سے خود جنگ کا خاتمہ کرنے کے لئے۔

مذہبی آزادی کے معاملہ میں کسی قسم کی زبردستی نہیں کی جا سکتی۔ "دین میں کسی قسم کی زبردستی نہیں"۔ ان میں تفریق کا معیار صرف ایک قرار دیتا ہے یعنی "نظریہ حیات" جو انسان وحی کی رو سے متعین کردہ مستقل اقدار کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیں یعنی اسلام پر ایمان لائیں وہ ایک قوم کے افراد ہیں اور جو اس نصب العین کے خلاف کوئی اور نظریہ زندگی رکھتے ہوں وہ دوسری قوم کے افراد اس کو قرآن کی اصطلاح میں کفر اور ایمان کی تقسیم کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی معیار قومیت قرآن کی رو سے قابل قبول نہیں لیکن اسلام غیر مسلمانوں کو بھی بحیثیت انسان جملہ حقوق انسانیت کا حامل قرار دیتا ہے اور ان کے حقوق کی حفاظت کی تاکید کرتا ہے اور ان کی پرورش اور نشو و نما کو مملکت کا بنیادی فریضہ قرار دیتا ہے۔ الغرض قرآن کا مقصد یہ ہے کہ ساری دنیا میں ایک ہی نظام قائم ہو اور اس نظام کا مقصد ان مستقل اقدار کا نفاذ اور تحفظ ہو جو بنی نوع انسان کی خوشحالی اور ترقی کے لئے وحی کی رو سے ملی ہیں۔

مستقل اقدار خداوندی

دین اسلام نظام زندگی کے لئے ▪ اصول، ہدایات، احکام اور مستقل اقدار دیتا ہے جن کے مطابق زندگی گزارنے سے دونوں جہانوں میں کامیابی و کامرانی حاصل ہو اور انسان جس مقصد عظیم کے لئے اس دنیا میں آیا ہے ▪ مقاصد بطریق احسن پورے ہو جاتے ہوں۔ اس دنیا میں بھی سکون ▪ اطمینان قلب اور آخرت میں بھی رضائے الہیٰ، قرب خداوندی اور حیات جاوید نصیب ہو سکتی ہو۔

1. انسانی ذات

مستقل اقدار میں بلند ترین قدر خود انسانی ذات ہے ۔ قرآن انسانی ذات کو " نفس " کہہ کر پکارتا ہے اور اسے الوہیاتی توانائی ، انا ، خودی اور انسانیت سے بھی تعبیر کرتا ہے ۔ جب قرآن تخلیق انسانی کے مختلف مراحل کا ذکر کرنے کے بعد " جس کا تعلق اس کی جسمانی اور طبعی ساخت سے ہے اور جو دیگر حیوانات میں بھی مشترک ہے " کہتا ہے کہ خدا نے اس میں اپنی روح یعنی توانائی پھونک دی تو اس سے مراد یہی انسانی ذات ہے ۔ جس سے سلسلہ ارتقاء کی یہ کڑی یعنی انسان اپنی دیگر کڑیوں یعنی حیوانی زندگی سے یکسر جدید اور الگ متمیز ہو جاتی ہے ۔ " پھر ہم نے اس کو بالکل دوسری مخلوق بنا دیا " ۔ انسانی زندگی سے متصور نفس انسانی کا نشو و ارتقاء ہے جس کا طریقہ دین سکھاتا ہے ۔ انسان کے ہر عمل کا اثر انسانی ذات پر ہوتا ہے ۔ اعمال حسنہ سے اس کی ذات میں استحکام پیدا ہوتا ہے استحکام خودی سے انسان کو حیات جاوید حاصل ہوتی ہے ۔ انسانی ذات بلند ترین مستقل قدر ہے ۔ باقی اقدار اس کی نشو ونما کا ذریعہ بنتی ہیں اور جب اس میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے تو یہی اقدار سورج کی کرنوں کی طرح اس میں پھوٹتی اور ابھرتی چلی جاتی ہیں ۔ لہذا پہلی اور بنیادی قدر انسانی ذات یعنی انسانیت ہے ۔

2. احترام آدمیت

چونکہ انسانی ذات ہر انسانی بچہ کو یکساں طور پر ملتی ہے اس لئے ہر انسان محض انسان ہونے کی حیثیت سے واجب الاحترام ہوتا ہے ۔ " یہ حقیقت ہے کہ ہم نے تمام فرزندان آدمؑ کو واجب التکریم بنایا ہے " ۔ لہذا احترام آدمیت ایک مستقل قدر ہے ۔ جسے کسی مفاد یا مقصد کی خاطر قربان نہیں کیا جا سکتا ۔ اس سے ذات پات ، حسب و نسب ، رنگ و نسل ، قومیت و وطنیت کے تمام امتیازات بھی ختم ہو جاتے ہیں ۔ قرآن کہتا ہے کہ " ہم نے تم سب کو نفس واحد سے پیدا کیا ہے ۔ نیز پیدائش کے لحاظ سے مرد اور عورت کو بھی ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں " ۔ لہذا دوسری مستقل قدر " احترام آدمیت ہے " ۔

3. مدارج بہ اعتبار عمل

پیدائش کے اعتبار سے تمام انسان یکساں طور پر واجب الاحترام ہیں لیکن اس کے آگے احترام کے مدارج ان کے اعمال کے مطابق متعین ہونگے ۔ " ہر ایک کے مدارج اس کے اعمال کے مطابق مرتب ہونگے ۔ جو سب سے زیادہ قوانین خداوندی پر عمل کرے گا وہ سب سے زیادہ واجب التکریم ہوگا " ۔ " اے نوع انسانی ہم نے تم کو نر اور مادہ سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قبیلوں اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا (تم نے اپنے لئے قبیلے اور خاندان بنائے) مقصد اس سے صرف یہ ہے کہ تم پہچانے جا سکو ورنہ جہاں تک عزت و تکریم کا تعلق ہے اس اصول کو یاد رکھو کہ

تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ واجب التکریم وہ ہے جو سب سے زیادہ اس کے قوانین پر عمل کرتا ہے اور اپنے فرائض کی پابندی کرتا ہے"۔

4. عدل و انصاف

تمام انسانوں کو پیدائش کے لحاظ سے یکساں سمجھنا ہر ایک کے لئے اسکی صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے یکساں مواقع مہیا کرنا۔ اور سعی و عمل کے لحاظ سے ان کے مقامات و مدارج متعین کرنا، محنت کے مطابق معاوضہ دینا، کسی کے حقوق و واجبات کو سلب نہ کرنا اور تمام امور کے فیصلے اس قانون کے مطابق کرنا جو سب پر یکساں طور پر نافذ ہو عدل کہلاتا ہے۔ جس کے متعلق کہا گیا ہے۔ "یقیناً اللہ عدل کا حکم دیتا ہے یہ ایک مستقل قدر ہے جس کا دامن کسی وقت اور کسی حالت میں بھی ہاتھ سے چھوڑا نہیں جا سکتا حتیٰ کہ جو لوگ ہم سے دشمنی کریں ان سے بھی عدل کرنا ضروری ہے "۔ "کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس سے عدل نہ کرو"۔ بہر حال "عدل کرو یہ روش تقویٰ سے قریب تر ہے "۔ چونکہ عدل ایک مستقل قدر ہے۔ اس لئے کسی کی دوستی یا دشمنی اس پر قطعاً اثرانداز نہیں ہو سکتی۔ لہذا دشمن سے بھی عدل کرو۔

5. قانون مکافات عمل

قانون کی دانستہ خلاف ورزی جرم ہے۔ اس جرم کی سزا ضروری ہے۔ اسے قصاص بھی کہتے ہیں۔ قصاص میں نوع انسانی کی زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔ "اے صاحبان عقل و بصیرت تمہارے لئے قصاص میں زندگی کا راز پوشیدہ ہے تاکہ تم قانون کی اچھی طرح نگہداشت کر سکو"۔ لیکن یہ قصاص انفرادی چیز نہیں یہ حکومت کا فریضہ ہے سزا ہمیشہ باندازہ جرم ہونی چاہیے۔ انتقاماً نہیں ہونی چاہیے۔ عدل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جرم کی سزا مجرم کو ملے۔ یہ نہیں کہ جرم کوئی کرے اور سزا کسی اور کو دے دی جائے۔ "جو جرم کرے گا اس کا وبال اس پر پڑے گا کسی اور پر نہیں"۔ لہذا قانون مکافات عمل بتقاضائے عدل مستقل قدر ہے۔

"ہر شخص اپنے افعال و اعمال کا خود ذمہ دار ہے" "کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"۔

6. ظلم کے خلاف دفاع کا حق

نہ کسی پر ظلم کرنا اور نہ کسی پر ظلم ہونے دینا۔ ظلم کے خلاف اور ظالم کے خلاف جنگ کی بھی اجازت ہے "ظالم جن مظلوموں کے خلاف آمادہ پیکار ہو رہے ہیں۔ انہیں اجازت دی جاتی ہے کہ وہ بھی ان کے خلاف میدان جنگ میں نکل کر ان کا مقابلہ کریں۔ خود ظلم نہ کرنا اور ظلم کی روک تھام کرنا۔ ایک مستقل قدر ہے"۔

7. حریت و آزادی

احترام آدمیت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا غلام اور محکوم نہ ہو۔ ہر ایک کو یکساں طور پر آزادی حاصل ہو۔ ہر فرد کی آزادی اور اس آزادی کا احترام ایک بنیادی حق ہے۔ آزادی بھی مستقل قدر ہے۔ جسے کسی حال میں بھی پامال نہیں کیا جا سکتا۔ آزادی پر ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔

8. قانون کی اطاعت

ہر معاشرے اور نظام زندگی میں قانون کے مطابق چند پابندیاں عائد ہوں گی اور صرف قانون کی اطاعت ہوگی۔ کسی فرد واحد کی نہیں اور یہ اطاعت در حقیقت قوانین خداوندی کی ہو گی۔ نہ کہ انسان کے خود ساختہ ضوابط کی۔ اس قانون کا اطلاق ہر فرد معاشرے پر یکساں طور پر ہوگا اور کوئی بڑی سے بڑی ہستی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوگی۔ قانون سب کے لئے برابر ہے۔ لہذا قانون خداوندی کی اطاعت کرنا اور کرانا مستقل قدر ہے۔

9. لاقانونیت نہ پھیلائی جائے

لاقانونیت پھیلانا یا قانون خداوندی سے سرکشی برتنا جسے قرآن کی اصطلاح میں فساد کہتے ہیں بہت بڑا جرم ہے۔ " تم ایسے شخص کو بھی دیکھو گے کہ جب وہ صاحب اقتدار ہوگا تو ملک میں لاقانونیت پھیلا دے گا "۔ وہ پہلے خود آئین و قانون پس پشت ڈال کر آمر مطلق بن کر لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق چلائے گا۔ اور اس کی دیکھا دیکھی باقی لوگ بھی قانون سے سرکشی برتنا شروع کر دیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگوں کے دل سے قانون کا احترام اٹھ جائے گا " اور ملک میں فتنہ و فساد پھیل جائے گا۔

10 مشاورتی نظام حکومت

دنیا میں صحیح نظام حکومت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ مستقل اقدار کو معاشرے میں نافذ اور رائج کرے۔ جزئی قانون و آئین بھی نمائندگان ملت کے باہمی مشورہ سے تیار کئے جائیں۔ " اس معاشرے کے امور باہمی مشورے سے طے پائیں گے "۔ خود رسول اللہؐ سے بھی کہہ دیا گیا کہ " معاملات میں اپنے اصحاب سے مشورہ کر لیا کرو "۔ لہذا نظام مملکت میں باہمی مشاورت بھی ایک مستقل قدر ہے۔

11. بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی

معاشرہ یا نظام حکومت کے قیام کے بنیادی مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی کا مہیا کرنا ان کے ذمہ ہے۔

12. زائد از ضرورت قوم کا حق ہے

نہ صرف یہ ہے کہ ذرائع اور وسائل پیداوار سے جو زائد ہو اسے بھی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور ضروریات کے لئے کھلا رکھا جائے اور معاشرہ یا مملکت کی تحویل میں دے دیا جائے تاکہ اسے معاشرہ کے ضرورت مند لوگوں کی بنیادی ضروریات کی تکمیل، معاشرہ کی ترقی و خوشحالی، تحفظ و بقا اور دفاع کے لئے خرچ کیا جا سکے۔ "اے رسولؐ! وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم اپنی کمائی میں سے کس قدر دوسروں کی فلاح و بہبود کے لئے کھلا رکھیں" یعنی دے دیں ان سے کہو کہ "جس قدر تمھاری ضروریات سے زائد ہو سب کا سب"۔ لہذا اپنا فالتو سرمایہ خدا کے لئے دے دینا بھی ایک مستقل قدر ہے۔

13. حفاظت عصمت

قرآن کی رو سے عصمت کی حفاظت ایک مستقل قدر ہے۔ عصمت کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ مرد اور عورت کے جنسی تعلقات صرف نکاح کے معروف طریقہ کار کے مطابق ہوں۔ اس طریقہ کے علاوہ جنسی تعلق کو حرام قرار دیا گیا ہے جس کے قریب جانے سے روکا گیا ہے اور جو اس فعل کا مرتکب ہوگا اسے سزا دی جائے گی۔ نکاح بالغ مرد اور عورت کی باہمی رضامندی سے معاہدہ کا نام ہے۔ نکاح سے مقصود محض جنسی جذبہ کی تسکین ہی نہیں بلکہ اس سے مطلوب افزائش نسل اور باہمی مودت و محبت کے تعلقات استوار کرنا ہے جس سے گھر کا سکون اور معاشرہ میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے اور گھر و خاندان کا نظام قائم ہوتا ہے۔ جس معاشرہ میں بدکاری اور حرام کاری عام ہو جائے اس میں قومی زوال اور انحطاط شروع ہو جاتا ہے لہذا حفاظت عصمت بھی ایک مستقل قدر ہے۔

14. تمام انسانوں کی پیدائش نفس واحد سے ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل کے اعتبار سے تمام انسان ایک ہی برادری کے افراد اور ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔ لہذا تمام نوع انسان کا ایک عالمگیر برادری اور ایک قوم کی حیثیت سے رہنا مقصود حیات ہے۔ تمام انسان ایک ہی خالق کائنات کی مخلوق اور ایک ہی باپ یعنی آدم کی اولاد ہیں اور پیدائش کے لحاظ سے تمام انسان برابر اور یکساں قابل احترام ہیں۔ نوع انسان امت واحدہ ایک قوم تھی۔ اس کے بعد جب ان کی تعداد بڑھتی گئی تو مختلف گروہوں اور قوموں میں تقسیم ہوتے چلے گئے اور مرور زمانہ کے ساتھ مختلف نسلی، لسانی اور علاقائی گروہوں کی وجہ سے قومیت اور وطنیت کی تفریق اور امتیازات اور تعصبات پیدا ہوتے چلے گئے اور یہ عالمگیر برادری مختلف ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ قرآن نے اپنے آپ کو تمام عالم انسانیت کے لئے مشترکہ ضابطہ قوانین کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ "اے نوع انسان! یقیناً تمہارے پیدا کرنے والے خدا کی طرف سے تمہاری ہدایت اور راہنمائی کے لئے ایک ضابطۂ قوانین آ گیا ہے"۔

لہذا تمام نوع انسانی بحیثیت انسان ایک دوسرے کے مساوی برابر اور عالمگیر انسانی برادری کے افراد ہیں

اور اللہ کی طرف سے ایک ضابطۂ حیات یعنی قرآن کے مطابق ایک امت بن کر رہنا بھی ایک مستقل قدر ہے اور نسلی قومی اور وطنی امتیازات ہر قسم کی اونچ نیچ ، ذات پات اور طبقاتی تعصبات ، خلاف فطرت اور خلاف انسانیت ہیں ۔

مساوات انسانی بنیادی قدر ہے لہذا تمام انسان بلا لحاظ رنگ و نسل ، قوم و ملک اور مذہب و ملت تمام نوع انسان کی بھلائی اور امن و خوش حالی کے کاموں میں تعاون کریں اور احترام آدمیت اور مفاد انسانیت کو پیش نظر رکھیں۔

15. اخوت اسلامی

تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔ قرآن حکیم کے مطابق دنیا میں تمام انسان عقیدہ نظریہ اور مذہب کے معاملے میں دو حصوں میں منقسم ہیں ۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ یوم آخرت پر ایمان لائے وہ مسلمان ایک قوم ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لائے وہ غیر مسلم ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو خواہ ▪ کسی بھی نسل قبیلہ ، ذات ، برادری ، رنگ و زبان ، وطن اور ملک سے تعلق رکھتے ہیں سب برابر ہیں اور آپس میں اخوت و محبت اور بھائی چارے کے رشتے میں منسلک ہیں اور ہر مسلمان کا بنیادی فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی جائز مدد کرے اور اس کے لئے ہر قسم کی ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرے ۔

16. لا اکراہ فی الدین

دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں کی جا سکتی ، مذہب اور عقیدہ کی مکمل آزادی کو اسلام تسلیم کرتا ہے ۔ اسلام مسلمان مملکت کی یہ ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ نہ صرف ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرو بلکہ ان کی جان و مال ، عزت و آبرو ، عصمت و آزادی کی بھی حفاظت کرو اور ان کو تمام بنیادی انسانی حقوق حاصل ہوں اور کوئی امتیازی سلوک نہ کیا جائے ۔ ان کے حقوق و مفاد مسلمانوں کے برابر ہونگے اس کا نام اسلام میں مکمل مذہبی آزادی ہے ۔

17. ایفائے عہد

قرآن نے ایفائے عہد کو بڑی اہمیت دی ہے ۔ " مومن وہ ہیں کہ جب وہ معاہدہ یا وعدہ کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں " ۔ لیکن اگر وہ قوم جس سے معاہدہ کیا گیا ہو اس کی طرف سے نقص کا ڈر ہو تو اس وقت ان کے معاہدہ کو ان کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے یعنی ان کو اطلاع کر دی جائے کہ اب یہ معاہدہ ختم تصور کیا جائے تمھارے اور ہمارے درمیان اب معاہدہ ختم ہو گیا ہے ۔

18. امانت، دیانت اور صداقت

سچائی، امانت، دیانت اور صداقت قرآن حکیم کی رو سے بنیادی اقدار ہیں اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہر حالت میں ان مستقل اقدار کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔یہی بنیادی اخلاقی اور انسانی اقدار تھیں جن کا بے مثال مظاہرہ حضور نبیؐ اکرم نے قبل از بعثت اپنی چالیس سالہ مکی زندگی میں اس شاندار طریقہ سے کیا کہ قریش مکہ نے آپؐ کو امین اور صدیق کا خطاب دیا اور اسلام کے بعد بھی برملا اعتراف کرتے رہے کہ آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا آپؐ امین و صدیق ہیں۔ابو سفیان نے باوجود شدید دشمن ہونے کے قیصر کے دربار میں اقرار کیا کہ آپؐ ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور کبھی جھوٹ نہیں بولا لہذا سچائی، امانت، دیانت اور صداقت بھی ایک مستقل قدر ہے۔

19. یتیموں، بیوگان، مسکینوں اور مظلوموں کی امداد

اسلام بے سہارا اور غریب، یتیم بچوں، بیوگان، مسکینوں اور مزدوروں کی امداد اور سرپرستی کا حکم دیتا ہے۔ یہ بھی ایک مستقل قدر ہے جس کے مطابق عمل کرنا ہر مسلمان اور انسان کا فرض ہے۔

20. خدمت خلق

بنی نوع انسان کی بلا اجرت ولالچ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور انسانی ہمدردی وخلوص کے جذبے کے تحت بلا امتیاز مذہب وملت ہر ضرورت مند کی امداد کرنا بھی ایک بنیادی قدر ہے۔

قرآن کریم پر مزید غور وفکر کرنے سے ان اقدار کی فہرست میں اضافہ ہو سکتا ہے۔اس نظام زندگی کو اسلام کہا جا سکتا ہے جو مذکورہ مستقل اقدار کو اپنی عملی زندگی میں راہ نما اصولوں کے طور پر اختیار کریں۔ سیاست کی زبان میں ان مستقل اقدار کو بنیادی حقوق و فرائض انسانیت قرار دیا جا سکتا ہے اور اس کے مطابق ایسا نظام حیات قائم کیا جا سکتا ہے جس سے نہ صرف بنی نوع انسان کو امن و سکون حاصل ہو۔ بلکہ ایک عالمگیر انسانی برادری کا ایک معاشرہ قائم ہو جائے جس میں تمام بنی نوع انسان ایک قوم اور تمام دنیا ایک ملک بن جائے اور یہ دنیا جنت ارضی کا منظر پیش کرے۔

غزوات رسولؐ اللہ کی مکمل فہرست

آنحضرت اٹھائیس (28) عسکری مہمات میں مجاہدین کے خود سپہ سالار تھے ان کو غزوات رسولؐ اللہ کہا جاتا ہے - جن کے نام و مقام وغیرہ حسب ذیل ہیں

نمبر شمار	نام غزوہ و تاریخ	تعداد لشکر و مقام	تعداد لشکر کفار	نتیجہ جنگ یا اہم
۱-	غزوہ ودان یا ابواء صفر 2 ھ	دو سو مجاہدین بمقام ابواء	3 سو سے زائد	جنگ نہ ہوئی - عمرو بن فخش الضمری سے معاہدہ دوستی ہو گیا-
۲-	غزوہ بواط ربیع الاول 2 ھ	دو سو مجاہدین بمقام بواط		قافلہ قریش سے مقابلہ نہ ہوا
۳-	غزوہ ذوالعشیرہ جمادی الاول 2 ھ	ڈیڑھ سو مجاہدین بمقام العشیرہ	قبیلہ بنو وریج	معاہدہ امن و سلامتی ہو گیا-
۴-	غزوہ بدر اولیٰ جمادی آلاخر 2 ھ	ستر مجاہدین بمقام بدر کے قریب		دشمن مقابلہ سے بھاگ گیا کوئی جنگ نہ ہوئی دشمن کا دستہ کرز بن جابر الفہری کی قیادت میں تھا-
۵-	غزوہ بدر ۱۷ رمضان 2 ھ	تین سو تیرہ مجاہدین بمقام بدر	ا ہزار لشکر قریش سوار و پیادے	قریش کی شکست ۷۰ مارے گئے اور ۷۰ گرفتار ہوئے -
۶-	غزوہ بنی قینقاع شوال 2 ھ	ستر مجاہدین بمقام ورینہ	سالم قبیلہ یہود بنی قینقاع	بنی قینقاع کو شکست ہوئی اور ان کو مدینہ سے نکال دیا گیا-
۷-	غزوہ بنی سلیم آخر شوال 2 ھ	ستر مجاہدین بمقام قرقرۃ الکد		دشمن فرار ہو گیا کوئی جنگ نہ ہوئی -
۸-	غزوہ سویق ذی الحج 2 ھ	ستر مجاہدین بمقام مدینہ		ابو سفیان غارت گری کے لئے آیا تھا دو مسلمانوں کو شہید کر کے بھاگ گیا حضور نے تعاقب کیا-
۹-	غزوہ ذی امر محرم 3 ھ	ساڑھے چار سو مجاہدین بمقام ذی امر	نجد کے قبائل	بعض قبائل مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے- حضور نے ان کی سرکوبی کے لئے حملہ کیا تھا-
۱۰-	غزوہ بحران ربیع الاول 3 ھ	تین سو مجاہدین بمقام بحران		قبیلہ بنو سلیم مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا- حضور نے اچانک ان پر حملہ کر دیا وہ فرار ہو گئے -
۱۱-	غزوہ احد شوال 3 ھ	۷۰۰ مجاہدین کوہ احد کا میدان	قریش مکہ تین ہزار سوار اور پیادے	مال غنیمت کے لالچ اور حضور کی نافرمانی کی وجہ سے فتح شکست میں تبدیل ہو گئی -
۱۲-	غزوہ حمراء الاسد	پانچسو پالیس مجاہدین		ابو سفیان لشکر کو لے کر مکہ روانہ

	7 شوال 3 ھ	بمقام روحا		ہو گیا- اور مقابلے پر نہ آیا-
۱۳-	غزوہ بنی نضیر یہودی ربیع الاول 4 ھ	مجاہدین مدینہ کی پوری تعداد	قبیلہ بنو نضیر کی کل تعداد	قبیلہ بنو نضیر نے ہتھیار ڈال دیے اور حضور نے ان کو مدینہ بدر کر دیا-
۱۴-	غزوہ الرقاع شعبان 4 ھ	چار سو مجاہدین بمقام ذات الرقاع	قبائل بنو محارب بنو ثعلبہ اور غطفان	تینوں قبائل مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہے تھے آنحضرت نے اچانک حملہ کر دیا اور وہ فرار ہو گئے-
۱۵-	غزوہ بدر الآخر شعبان 4 ھ	۱۰۰۰ مجاہدین میدان بدر	دو ہزار	ابو سفیان ۲۰۰۰ ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا- قحط کا بہانہ بنا کر راستے سے واپس لوٹ گیا-
۱۶-	غزوہ دومۃ الجندل ربیع الاول [illegible] ھ	سو مجاہدین بمقام دومۃ الجندل		آنحضرت نے دومۃ الجندل پر حملہ کیا اور وہ فرار ہو گئے-
۱۷-	غزوہ بنو مصطلق شعبان 5 ھ	ایک ہزار مجاہدین بمقام المریسیع		قبیلہ بنو مصطلق مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا- حضور نے اچانک حملہ کر کے شکست دی- بہت سا مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے-
۱۸-	غزوہ خندق شوال 5 ھ	تین ہزار مجاہدین بمقام محاصرہ مدینہ	بیس ہزار	کفار و یہود نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا- مگر پندرہ دن کے بعد ناکام ہو کر واپس چلے گئے- حضور نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر اپنا دفاع کیا- دشمن خندق عبور نہ کر سکے
۱۹-	غزوہ بنو قریظہ ذی القعدہ 5 ھ		"	مدینہ کے مجاہدین نے بنی قریظہ کا محاصرہ کر لیا- بنو قریظہ نے ہتھیار ڈال دیے- ان کی غداری کی وجہ سے سب کو قتل کر دیا گیا-
۲۰-	غزوہ بنی لحیان جمادی الاول 6 ھ	دو سو مجاہدین بمقام غران		قبیلہ بنو لحیان نے مبلغین اسلام کو قتل کر دیا تھا- ان پر انتقاماً حملہ کیا گیا-
۲۱-	غزوہ غابہ جمادالاول 6 ھ	پانچ سو مجاہدین بمقام ذوقردہ		قبیلہ غطفان کے غارت گر مسلمانوں کے مویشی چرا لے گئے تھے- مجاہدین نے حملہ کر کے اپنے مویشی چھڑا لئے اور وہ فرار ہو گئے
۲۲-	غزوہ حدیبیہ ذی القعدہ 6 ھ	چودہ سو مسلمان مقصد عمرہ ادا کرنا تھا حدیبیہ مکہ سے ۹ میل پر واقع ہے		قریش مکہ نے عمرے سے روکا اور آخر مسلمانوں اور کفار میں معاہدہ صلح ہو گیا جو فتح عظیم ثابت ہوا
۲۳-	غزوہ خیبر محرم 7 ھ	سولہ سو مجاہدین بمقام خیبر		مجاہدین نے ۲ ماہ کی جنگ میں یہود خیبر کے یکے بعد دیگرے تمام قلعے فتح کر لئے- فاتح خیبر آنحضور تھے-

۲۴-	غزوہ عمرۃ القضاء ذی الحج 7 ھ	چودہ سو مجاہدین بمقام مکہ	صلح حدیبیہ کے مطابق مسلمان عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ آئے اور تین دن قیام کیا
۲۵-	غزوہ فتح مکہ رمضان 8	دس ہزار مجاہدین بمقام مکہ	آنحضرت نے سیاسی حکمت عملی کے تحت خاموشی سے مکہ کو بلا جنگ فتح کر لیا
۲۶-	غزوہ حنین شوال [illegible] ھ	بارہ ہزار مجاہدین بمقام وادی اوطاس	قبائل بنو ہوازن و ثقیف وغیرہ مکہ پر حملہ کر کے حنین کے مقام پر شکست دی اور ان کے چھ ہزار جنگی قیدی اور بیشمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔
۲۷-	غزوہ طائف شوال [illegible] ھ	بارہ ہزار مجاہدین نے طائف کا محاصرہ کر لیا	قریباً ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد آنحضرت نے محاصرہ ختم کر دیا اور واپس چلے گئے
۲۸-	غزوہ تبوک رجب 9	تیس ہزار مجاہدین کا لشکر تبوک پہنچا۔	قیصر روم کی فوجیں مقابلے پر نہ آئیں اور آنحضرت دیگر قبائل کے سرداروں سے معاہدات امن و سلامتی کر کے واپس چلے گئے

عسکری مہمات و گشتی دستے جو آنحضرت نے مختلف صحابہ کرام کی زیر قیادت دشمنان اسلام کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے ان کو سرایا کہتے ہیں - جن کی فہرست حسب ذیل ہیں

نمبر شمار	نام سریہ و تاریخ	نام سپہ سالار اور تعداد	واقعات و نتائج
۱-	سریہ سیف البحر - رمضان ۱ ھ	حضرت امیر حمزہ ۳۰ مجاہدین	بمقام عیص ابو جہل کے قافلہ سے سامنا ہوا۔ مگر جنگ نہ ہوئی
۲-	سریہ رابغ شوال ۱ ھ	عبیدہ بن حارث ۶۰ مجاہدین	عکرمہ بن ابو جہل سے آمنا سامنا ہوا مگر جنگ نہ ہوئی
۳-	سریہ ضرار ذیقعد ۱ ھ	سعد بن ابی وقاص ۸ مجاہدین	جحفہ تک گشت لگا کر واپس مدینہ آگئے
۴-	سریہ نخلہ رجب ۲ ھ	عبداللہ بن جحش ۸ مجاہد سوار	نخلہ کے مقام پر قافلہ قریش پر حملہ کر کے ان کے مال پر قبضہ اور عمرو بن الحضرمی کا قتل
۵-	سریہ عمیر بن عدی رمضان ۲ ھ		حضرت عمیر بن عدی نے ایک ہجو گو عورت مسماۃ عصماء بنت مروان کو قتل کر دیا
۶-	سریہ عالم بن عمیر شوال ۲ ھ		عالم بن عمیر نے ایک ہجو گو یہودی ابو عفک کو اس کے گھر جا کر قتل کر دیا۔

۷-	سریہ غالب بن عبداللہ لیثی محرم ۲ھ		غالب بن عبداللہ لیثی نے دشمن کے ساتھ مقابلہ میں ان کے چند آدمی قتل کر دیئے۔
۸-	سریہ محمد بن مسلمہ ربیع الاول ۳ھ		حضرت محمد بن مسلمہ نے چند صحابہ کے ساتھ یہودی سردار کعب بن اشرف کو قتل کر دیا۔
۹-	سریہ قردہ جمادی الآخر ۳ھ	زید بن حارث ۱۰۰ مجاہدین	زید بن حارث نے مجاہدین کے ساتھ سے ابو سفیان کے قافلہ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔
۱۰-	سریہ قطن یکم محرم ۴ھ	ابو مسلمہ مخزومی ۱۵۰ مجاہدین	طلحہ و مسلمہ ڈاکو مدینہ پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے تھے مجاہدین نے ان پر حملہ کر کے ناکام بنا دیا۔
۱۱-	سریہ عبداللہ بن انیس ۵ محرم ۴ھ	عبداللہ بن انیس	عبداللہ بن انیس نے اکیلے خالد بن سفیان ہذیل پر حملہ کر کے قتل کر دیا جو مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔
۱۲-	سریہ رجیع صفر ۴ھ	عاصم بن ثابت ۱۰ مبلغین	قبیلہ عضل وقارہ نے دس قاریوں کو دھوکہ سے اپنے پاس بلا کر قتل کر دیا۔
۱۳-	سریہ بئر معونہ صفر ۴ھ	منذر بن عمرو ۷۰ مبلغین	عامر بن مالک کی استدعا پر آنحضرت نے ۷۰ مبلغین کو نجد کے قبائل کی طرف بھیجا مگر عامر کے بھتیجا طفیل نے نے ان کو قتل کرا دیا
۱۴-	سریہ عمرو بن امیہ ضمری ربیع الاول ۴ھ		آنحضرت نے عمرو بن امیہ کو خاص مشن پر مکہ بھیجا وہ کامیاب واپس آیا۔
۱۵-	سریہ عبداللہ بن عتیک ذیقعدہ ۵ھ		عبداللہ بن عتیک انصاری نے خیبر جا کر اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ سلام بن ابو الحقیق یہودی کو قتل کر دیا۔
۱۶-	سریہ محمد بن مسلمہ محرم ۶ھ		محمد بن مسلمہ نے ۳۰ سواروں کے ساتھ قریطا کے مقام پر ثمامہ کو مدینہ پر غارتگری کے لئے آتے ہوئے گرفتار کر لیا۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا وہ اسلام لے آیا۔

۱۷-	سریہ عکاشہ بن محصن ربیع الآخر ۶ ھ		بنو اسد نے مدینہ پر حملہ کی تیاری کی مگر عکاشہ بن محصن الاسدی نے اس پر حملہ کیا دشمن فرار ہو گیا۔
۱۸-	سریہ ذی القصہ ربیع الآخر ۶ ھ	محمد بن مسلمہ انصاری ۱۰ مجاہدین	محمد بن مسلمہ نے دس مجاہدین کے ساتھ بنو ثعلبہ پر حملہ کیا تھا۔ بلکہ وہ سوئے ہوئے تھے کہ دشمن نے حملہ کیا۔ اکثر شہید ہوئے ، محمد بن مسلمہ زخمی حالت میں مدینہ پہنچ گئے۔
۱۹-	سریہ بنو ثعلبہ ربیع الآخر ۶ ھ	ابو عبیدہ بن جرح ۴۰ مجاہدین	شہدائے ذی القصہ کا انتقام لینے کے لئے ابو عبیدہ بن جرح نے بنو ثعلبہ پر حملہ کیا وہ بھاگ گئے۔
۲۰-	سریہ جموم ربیع الآخر 6 ھ	زید بن حارث	زید بن حارث نے بنو سلیم پر حملہ کر کے ان کے کچھ لوگوں کو گرفتار کیا مگر آنحضرتؐ نے سب کو چھوڑ دیا۔
۲۱-	سریہ طرق جمادی الآخر 6 ھ	زید بن حارث 15 مجاہدین	بنو ثعلبہ پر حملہ کیا گیا وہ بھاگ گئے۔ بیس اونٹ ہاتھ آئے۔
۲۲-	سریہ وادی القریٰ رجب 6 ھ	زید بن حارث بارہ مجاہدین	حضرت زید بن حارث گشت پر تھے دشمن نے اچانک حملہ کر کے نو مسلمان شہید کر دیئے
۲۳-	سریہ دومۃ الجندل شعبان 6 ھ	عبدالرحمن بن عوف	عبدالرحمن بن عوف کی تبلیغ سے قبیلہ کعب کا سردار اصبح بن عمرو کلبی مسلمان ہو گیا
۲۴-	سریہ فدک شعبان 6 ھ	حضرت علی 200 مجاہدین	حضرت علی نے اچانک حملہ کیا دشمن بھاگ گیا۔ مال غنیمت میں سو اونٹ دو ہزار بکریاں وغیرہ ہاتھ آئیں۔
۲۵-	سریہ ام فرقہ رمضان 6 ھ	حضرت ابوبکر صدیق	بنو فزارہ نے زید بن حارث کے قافلہ کو لوٹا تھا اس لئے ان پر اچانک حملہ کیا ام فرقہ اور اس کی ماں بھی گرفتار ہوئی۔

۲۶-	سریہ عبداللہ بن رواحہ شوال 6 ھ	عبداللہ بن رواحہ 30 مجاہدین	عبداللہ بن رواحہ نے تیس مجاہدین کے ساتھ خیبر کے یہودی سردار اسیر بن رزام اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔
۲۷-	سریہ عیص صفر 7 ھ	ابو جندل ، ابو بصیر 70 مجاہدین	ابو بصیر اور ابو جندل نے سمندر کے کنارے قافلہ قریش کو لوٹا۔ قریش کی شکایت پر معاہدہ حدیبیہ میں ترمیم کر کے ان کو مدینہ بلا لیا۔
۲۸-	سریہ کدید صفر 7 ھ	غالب بن عبداللہ لیثی۔ 60 مجاہدین	بنو ملوح نے بشیر بن سوید کو قتل کیا تھا۔ ان کو سزا کے لئے حملہ کیا گیا۔
۲۹-	سریہ فدک	غالب بن عبداللہ	لیثی نے اہل فدک پر اچانک حملہ کیا ۔ ان کے کچھ لوگ مارے گئے۔
۳۰-	سریہ حسمی جمادی الآخر 7 ھ	زید بن حارث 500 مجاہدین	دحیہ کلبی کو ہنید بن عوص جزری وغیرہ ڈاکوؤں نے لوٹا تھا ان کو سزا دی گئی۔
۳۱-	سریہ تربہ 7 ھ	حضرت عمر فاروق 30 مجاہدین	اہل تربہ بنو غطفان کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے ان پر اچانک حملہ کیا گیا۔
۳۲-	سریہ بنو کلاب 7 ھ	حضرت ابو بکر صدیق	بنو کلاب کے لوگ، بنو محارب وغیرہ کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ دشمن بھاگ گیا۔
۳۳-	سریہ منقعہ رمضان 7 ھ	غالب بن عبداللہ لیثی	اہل منقعہ یہود خیبر کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے ان کو ناکام بنایا گیا۔
۳۴-	سریہ خربہ رمضان 7 ھ	اسامہ بن زید	حضرت اسامہ گشت پر تھے ایک شخص ملا اس نے کلمہ بھی پڑھا مگر اسامہ نے کافر سمجھ کر اس کو قتل کر دیا۔ آنحضرتؐ ناراض ہوئے۔
۳۵-	سریہ بنی مرہ شوال 7 ھ	بشیر بن سعد 30 مجاہدین	قبیلہ بنی مرہ اہل خیبر کے اتحادی تھے۔ اچانک حملہ میں چند لوگ مارے گئے۔

۳۶-	سریہ بشیر بن سعد شوال 7 [redacted]	بشیر بن سعد 30 مجاہدین	قبیلہ فزارہ [redacted] عذرہ کی سرکوبی کے لئے گشتی دستہ بھیجا گیا کچھ مسلمان زخمی ہوئے۔
۳۷-	سریہ ابن ابو العوجا ذی الحجہ 7 [redacted]	ابو العوجا 50 مجاہدین	قبیلہ بنو سلیم مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ابن ابو العوجا زخمی ہوئے۔ کچھ مسلمان شہید ہوئے۔
۳۸-	سریہ ذات اطلح ربیع الاول 7 [redacted]	کعب بن عمیر 15 مجاہدین	قبیلہ بنو قضاعہ کے لوگ کعب بن عمر کے گشتی دستہ پر اچانک حملہ آور ہوئے اور سب کو شہید کر دیا۔
۳۹-	سریہ ذات عرق ربیع الاول [redacted] ھ	شجاع بن وہب 25 مجاہدین	بنو ہوازن کے خلاف گشتی دستہ روانہ کیا گیا۔ دشمن کے کچھ اونٹ ہاتھ آئے۔
۴۰-	سریہ موتہ جمادی الاول [redacted] [redacted]	زید بن حارث 3000 مجاہدین	قیصر روم کے گورنر شرجبیل غسانی کی ایک لاکھ سے زائد فوج سے شام کی سرحد پر موتہ کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ شہید ہوئے۔ خالد بن ولید مجاہدین کو کامیابی سے واپس مدینہ لے آئے۔
۴۱-	سریہ ذات اسلاسل جمادی الآخر 8 [redacted]	عمرو بن عاص 500 مجاہدین	قبیلہ بنو قضاعہ کے خلاف گشتی دستہ روانہ کیا گیا۔ دشمن منتشر ہو گیا تھا۔
۴۲-	سریہ سیف البحر رجب 8 ھ	ابو عبیدہ بن الجراح 300 مجاہدین	یہ گشتی دستہ سمندر کے کنارے چند روز گزار کر واپس آگیا۔
۴۳-	سریہ محارب شعبان [redacted] ھ	ابو قتادہ انصاری 15 مجاہدین	قبیلہ بنو غطفان خضرہ کے مقام پر جمع ہو رہے تھے خوفزدہ ہو کر منتشر ہو گئے۔
۴۴-	سریہ خالد بن ولید رمضان 8 [redacted]	خالد بن ولید ایک گشتی دستہ	خالد بن ولید نے عزیٰ جو بنو کنانہ کا بت تھا جا کر مسمار کر دیا۔
۴۵-	سریہ عمرو بن العاص رمضان 8 ھ	عمرو بن العاص ایک دستہ مجاہدین	عمرو بن العاص نے قبیلہ بنو ہذیل کے بت سواع کو توڑ دیا۔

۴۶-	سریہ سعد اشہلی رمضان 8 ھ		سعد بن زید اشہلی نے قبیلہ اوس و خزرج کے بت منات کو جا کر توڑ ڈالا۔
۴۷-	سریہ خالد بن ولید شوال 8 ھ	خالد بن ولید 350 مجاہدین	خالد بن ولید نے قبیلہ بنو خذیمہ کے 95 آدمیوں کو ہلاک کر دیا جو اسلام لا چکے تھے مگر خالد کو یقین نہ تھا۔ آنحضرتؐ اس سے ناخوش ہوئے اور مقتولین کا خون بہا ادا کر دیا۔
۴۸-	سریہ عینیہ بن حصن محرم 9 ھ	عینیہ بن حصن فزاری 150 سوار	عینیہ بن حصن فزاری نے قبیلہ بنو تمیم پر اچانک حملہ کر کے ان کے مرد عورتیں گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔ جب ان کے سردار نے آکر اسلام قبول کر لیا تو حضورؐ نے سب کو رہا کر دیا۔
۴۹-	سریہ قطبہ بن عامر صفر 9 ھ	قطبہ بن عامر 20 مجاہدین	قبیلہ خثعم کے لوگ بغاوت کی تیاری کر رہے تھے۔ حضرت قطبہ ان کو گرفتار کر کے لے آئے۔ حضورؐ نے رہا کر دیا۔
۵۰-	سریہ ضحاک بن سفیان صفر 9 ھ	" "	حضرت ضحاک بن سفیان قبیلہ بنو کلاب میں تبلیغ کے لئے گئے۔ انہوں نے مقابلہ کیا۔
۵۱-	سریہ عبداللہ بن حذافہ - ربیع الاول 9 ھ	عبداللہ بن حذافہ 300 مجاہد	عبداللہ بن حذافہ کا مجاہدین کے ساتھ جدہ کے قریب ساحل سمندر پر حبشی قبیلہ کے ڈاکوؤں سے مقابلہ ہوا جو شکست کھا کر فرار ہو گئے۔
۵۲-	سریہ بنو طے 9 ھ	حضرت علی 150 مجاہدین	قبیلہ بنو طے کے سردار کی بیٹی مسماۃ سفانہ دختر حاتم اور دیگر افراد بھی گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے۔ آنحضرتؐ نے سب کو رہا کر دیا۔ وہ اسلام لے آئے۔
۵۳-	سریہ دومۃ الجندل 9 ھ	خالد بن ولید 430 مجاہدین	اکیدر والی دومۃ الجندل نے اطاعت قبول کر لی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

یہ خاکسار یکم نومبر 1920ء کو بٹالہ ضلع گرداسپور میں پیدا ہوا۔ والدہ ماجدہ ایک صالح خاتون تھیں۔ جن کی تعلیم و
ت سے میں اسلام اور انسانیت کی خدمت کے قابل ہوا۔ ایم بی ہائی سکول بٹالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ 1945ء میں
ے ہسٹری پنجاب یونیورسٹی سے اور بی ٹی کا امتحان سینٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے پاس کیا۔ 1952ء میں لاء کالج لاہور سے
ایل بی کا امتحان پاس کیا اور 1953ء میں یونیورسٹی سے جے ڈی یعنی صحافت کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد وکالت کا پیشہ
ار کیا۔ کافی عرصہ ڈسٹرکٹ کورٹس اور ہائی کورٹ میں وکالت کرتا رہا۔ جب میرا بڑا بیٹا یوسف فاروق ایڈووکیٹ بن گیا۔ تو
اس پیشے کو خیرباد کہہ کر ہمہ وقت تحقیق و مطالعہ اور سماجی سرگرمیوں میں مصروف ہو گیا۔

1937ء میں خاکسار تحریک میں شامل ہوا 1940ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو گیا۔ اور 1947ء قیام پاکستان تک
تحریک میں بھرپور حصہ لیتا رہا۔ قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آبادکاری' محروم الحقوق طبقات کے حقوق و مفاد' معاشرتی
ح' عدل و مساوات حریت و آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کے لئے جدوجہد کرتا رہا۔ ایک تنظیم "مجلس مساوات اسلام"
نام سے اپنے ہم خیال کارکنوں کے ساتھ مل کر قائم کی۔ جس کی شاخیں تمام پنجاب میں تھیں۔ اس تحریک میں بڑے بڑے
ر و معروف ممتاز کارکن شامل تھے۔ میں سیکرٹری جنرل اور مولانا محمد بخش مسلم مرحوم میشر تھے۔ ایک جریدہ "ہفت روزہ
ات" کے نام سے جاری کیا گیا۔ اخبار اور تنظیم کا دفتر میرے غریب خانہ نمبر 6 جیل روڈ لاہور میں تھا۔ جریدہ "ہفتہ وار
ات" کے مدیر کے فرائض بھی میں ہی ادا کرتا تھا ہماری اس "مجلس مساوات اسلام پاکستان" کے مقاصد حسب ذیل تھے :

عدل و مساوات حریت و آزادی' محبت و رواداری بلاامتیاز مذہب و ملت ہر ایک کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ بنیادی
ریات زندگی کی فراہمی احترام آدمیت اور لاکراہ فی الدین ہر ایک کو ترقی کے مساوی مواقع اور تمام بنی نوع انسان کے
ں حقوق فرائض' ذات پات کی اونچ نیچ نسل و قبیلہ کے امتیازات اور وطن و قومیت کے تعصبات کو غیر انسانی اور غیر اسلامی
ر کرنا۔ فضیلت کا معیار صرف نیک اعمال اور تقویٰ ہے قیامت کے روز محض مکافات عمل کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔

"مجلس مساوات اسلام پاکستان" ایک غیر سیاسی معاشرتی ادارہ تھا اور اس کا بنیادی مقصد مسلمان قوم میں مساوات و
ت کا جذبہ پیدا کرنا اور محروم الحقوق طبقوں کو ان کے غصب شدہ بنیادی حقوق واپس دلانا تھا۔ انگریز نے اپنے سامراجی
صد کے لئے 1901ء میں قانون انتقال اراضی نافذ کیا تھا۔ جس کے مطابق تمام مسلمان قوم کو زراعت پیشہ اور غیر
عت پیشہ دو غیر اسلامی اور غیر انسانی طبقوں میں تقسیم کر کے ملت اسلامیہ کے اتحاد کا شیرازہ منتشر کر کے ان کو مساوات و
ت کی بجائے ہندوؤں کی طرح ذات پات میں تقسیم کر دیا تھا۔

جاگیردار اور زمینوں کے مالک زرعی زمین کی خرید و فروخت کر سکتے تھے۔ دوسرا طبقہ غیر زراعت پیشہ جو زرعی

اراضیات نہیں خرید سکتا تھا۔ دونوں طبقوں میں مساوات واخوت' محبت ورواداری اور عدل وانصاف کی بجائے۔ شدید نفرت اور تعصبات پیدا ہو چکے تھے اور زمیندار طبقہ کی سیاسی معاشی اور معاشرتی بالادستی قائم ہو چکی تھی۔ ہماری اس تحریک "مجلس مساوات اسلام پاکستان" نے اس غیر منصفانہ غیر اسلامی اور غیر انسانی قانون کے خلاف زبردست جدوجہد کی۔ اور آخر 1953 ء میں ملک فیروز خان نون کی صوبائی حکومت نے اس غیر منصفانہ امتیازی قانون کا خاتمہ کر دیا۔ اور تمام مسلمانوں کو ان کے غصب شدہ حقوق یعنی زرعی اراضیات کی خرید و فروخت کے حقوق مل گئے۔ اور پنجاب میں منصفانہ بنیادی انسانی حقوق اور مساوات کا معاشرہ قائم ہو گیا۔ یہ ایک قابل فخر کارنامہ تھا۔ اس کے علاوہ بھی "مجلس مساوات اسلام" نے کئی معاشرتی فلاح و بہبود کے کارنامے سرانجام دیئے 1958ء میں ایوب خان کے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ہم نے "ہفت روزہ مساوات" اور مجلس مساوات اسلام پاکستان کی سرگرمیوں کو ختم کر دیا۔ کیونکہ مارشل لاء کے دور میں سیاسی اور سماجی کام کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

اب میں نے اپنی پوری توجہ اپنے وکالت کے پیشے کی طرف مبذول کر دی۔ مگر ساتھ ہی تاریخ اسلام اور تاریخ عالم کے مطالعہ کو بھی جاری رکھا۔ مجھے آنحضرتؐ کی ذات اقدس سے بہت عقیدت و محبت ہے۔ اس لئے میں نے حضور پاکؐ کی تصنیف و تحقیق کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور آخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آنحضرتؐ کی بلند پایہ مستند تاریخ بعنوان "تاریخ محمدؐ" شائع کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس تاریخ محمدؐ کے مطالعے سے ہی آپ اس کی عظمت وعلمیت کا صحیح اندازہ کر سکیں گے۔

اس کے بعد مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک اور سعادت سے نوازا ہے۔ میں نے اپنی رہائش گاہ کے ایک کونے میں اپنی جگہ پر جو قریباً پونہ کنال رقبہ پانچ سڑکوں کے چوک میں واقع ہے پر دو منزلہ عمارت تعمیر کی ہے۔ جس کا نام "قرآن سینٹر" ہے اس میں قرآن حکیم کا درس و تدریس اور اشاعت کا پروگرام جاری ہے اور انشاء اللہ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

اب اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ دوسری کتاب بعنوان "تاریخ اسلام کا سنہری دور" تصنیف واشاعت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اس میں جناب رسول اللہؐ کے 23 سالہ دور نبوت حضرت صدیق اکبر کے سوا دو سالہ عہد خلافت اور حضرت فاروق اعظمؓ کے ساڑھے دس سالہ عہد خلافت کے مستند حالات وواقعات کی 36 سالہ تاریخ شائع کرنے کا اعزاز بخشا ہے۔ کتاب کے حقائق و معارف اور معیار کا اندازہ آپ اس کے مطالعے سے خود لگا سکیں گے۔

میری ایک ہی استدعا ہے کہ اس گنہگار کی مغفرت کے لئے دعا فرماویں۔

والسلام

مخلص

ایم۔ ڈی۔ فاروق ایڈووکیٹ

113 / سی ماڈل ٹاؤن لاہور

تاریخ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مصنّفہ

ایم۔ ڈی فاروق

ایم اے، ایل ایل بی